اوقاف

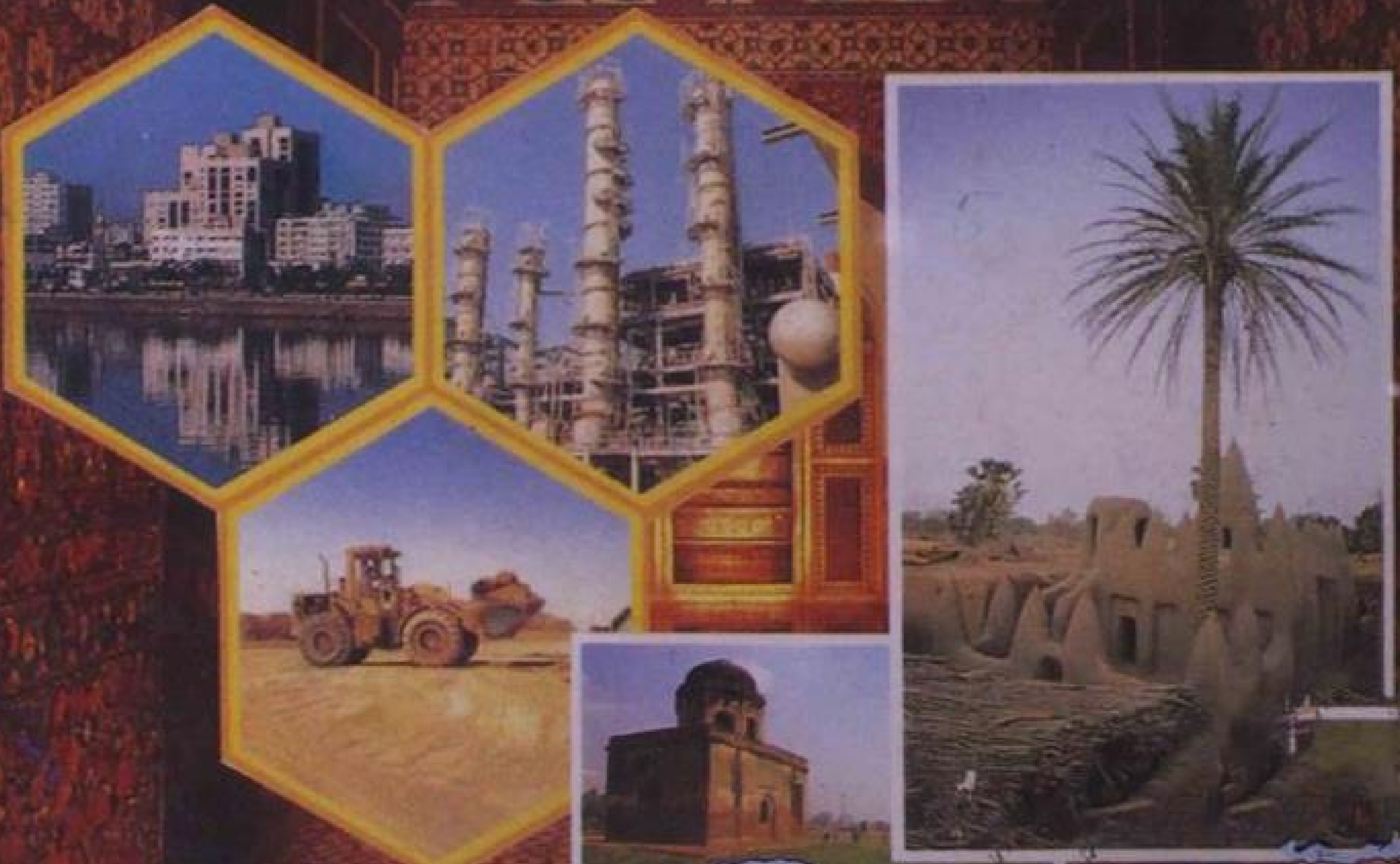

ترتیب

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

اوقاف

ترتیب

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

اسلامک فقہ اکیڈمی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : اوقاف

ناشر : اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

مرتب : قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

تعداد صفحات : ۵۷۹

تعداد اشاعت : فروری ۱۹۹۹ء

کمپوزنگ : محمد خالد اعظمی

پروف ریڈنگ : صفدر زبیر ندوی

قیمت : ۲۰۰ روپے

مطبع: بھارت آفسیٹ دہلی۔۶

ملنے کا پتہ

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

۱۶۱۔ ایف جوگابائی، پوسٹ بکس نمبر ۹۷۴۶

جامعہ نگر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

صفحہ نمبر

ابتدائیہ

وقف: بنیادی اصول واحکام ۲

سوالنامہ ۷۴

تلخیص مقالات ۷۷

عرض مسئلہ ۷۸

جوابات

استبدال وقف ۱۱۱

ناقابل انتفاع اوقاف سے تعلیمی و رفاہی اداروں کا قیام ۱۹۷

مساجد اور قبرستان کی زائد اراضی کا تعلیمی اور رفاہی مقاصد کے لئے استعمال ۲۱۱

اوقاف کی زائد آمدنی کا مصرف ۲۴۸

صفحہ نمبر

کم آمدنی کے وقف کا استبدال ۲۷۳

جن اوقاف کے مصارف باقی نہ رہیں ان کا حکم ۳۰۳

وقف کے بعض حصہ کو فروخت کر کے بقیہ کی تعمیر ۳۲۵

مسجد یا قبرستان کی زائد اراضی میں درسگاہ کا قیام ۳۶۲

اگر قبرستان ناقابل استعمال ہو جائے؟ ۳۸۳

آثار قدیمہ کی مسجدیں ۴۰۱

قبرستان کے تحفظ کے لئے دوکانوں کی تعمیر کے ذریعہ حصار بندی ۴۱۸

قبرستان میں مسجد کی توسیع ۴۳۶

مساجد پر غیر مسلم انتظامیہ کی تولیت ۴۵۷

ہندوستان میں اوقاف: تعارف وجائزہ ۴۸۱

قانون وقف۔ تاریخ، مقاصد اور اہم نکات کا مختصر جائزہ

ہندوستان میں وقف بورڈس کا نظام۔ ایک رپورٹ

مباحثہ ۵۱۰

فیصلے: مسائل اوقاف ۵۵۹

آیت قرآنی

﴿لیسَ البرّ أن تُولّوا وُجوهکم قِبلَ المشرِقِ و المغرِبِ ولکنّ البرّ مَنْ آمنَ باللّه وَالیومِ الآخر وَالملئکةِ والکتابِ والنّبیّینَ وآتی المالَ علیٰ حبّہٖ ذوی القُربیٰ والیتامیٰ والمساکِین وابن السّبیلِ والسّائلینَ وفي الرّقابِ﴾ (سورۃ البقرۃ ر ۱۷۷)

نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی، لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر، اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔

حدیث وقف

﴿عن ابنِ عُمرَ رضی اللّٰه عنهما اَنّ عمرَ بنَ الخطابِ أصاب أرضاً بِخيبر فأتى النبيَّ ﷺ يستأمِرُهُ فيها فقال يارسول اللّٰهِ إني أصبتُ أرضاً بخيبر لم أصبْ مالاً قطُّ أنفسَ عندي منهُ فما تأمرني به قالَ: إنْ شئتَ حبّستَ أصلها وتصدّقتَ بها قال: فتصدّقَ بها عمرُ انه لا يُباعُ وَلا يُوهَبُ وَلا يُورَثُ﴾.

(البخاری: کتاب الشروط .باب الشروط فی الوقف)

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کو خیبر کی ایک زمین ملی، وہ نبی کریم ﷺ کے پاس اس سلسلہ میں مشورہ کرنے آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے خیبر کی ایک ایسی زمین ملی ہے جس سے عمدہ کوئی مال کبھی مجھے نہیں ملا، آپ اس سلسلہ میں مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس کی اصل کو روک لو اور اس (کی منفعت) کو صدقہ کردو، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو اس طور پر صدقہ کردیا کہ وہ نہ فروخت کی جائے گی، نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ اس میں وراثت چلے گی)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

انسانی فلاح، مصیبت زدوں کی مدد، سماج سے فقر و افلاس کو دور کرنے کی کوشش، فاقہ کشوں تک روٹی پہونچانا، بیماروں کی تیمارداری اور ان کا علاج، یتیموں، بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کی سرپرستی اور کفالت، لاوارث اموات کی عزت کے ساتھ تجہیز اور تدفین، مساجد کے نظام کو استوار رکھنا اور اس کے اخراجات کی کفالت کا مستقل نظم، قوم کے بچوں کو تعلیم اور ہنر سے آراستہ کرنا، مدارس و مکاتب اور صنعتی تربیت گاہوں کا قیام، اسپتال اور شفاخانوں کا جاری کیا جانا، قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے لوگوں کو قرض کی قید سے نجات دلانا وغیرہ ایسے سیکڑوں کام ہیں جن کو منظم اور مربوط طریقے پر انجام دیا جانا کسی بھی سماج کی فلاح کے لئے بنیادی ضرورتوں کا درجہ رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

(الف) وما أدراك ما العقبة فك رقبة أو إطعام في يوم ذي مسغبة يتيماً ذا مقربة أو مسكيناً ذا متربة ثم كان من الذين آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة (سورہ البلد/ ۱۲-۱۷)

(اور تو کیا سمجھا، کیا ہے وہ گھاٹی، چھڑانا گردن کا، یا کھلانا بھوک کے دن میں، یتیم کو جو قرابت والا ہے، یا محتاج کو جو خاک میں رل رہا ہے، پھر ہووے ایمان والوں میں جو تاکید کرتے ہیں آپس میں تحمل کی اور تاکید کرتے ہیں رحم کھانے کی)۔

(ب) كلا بل لا تكرمون اليتيم ولا تحاضون على طعام المسكين (سورہ الفجر/ ۱۷-۱۸)

(کوئی نہیں! پر تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم اور تاکید نہیں کرتے آپس میں محتاج کے کھلانے کی)۔

(ج) فأما اليتيم فلا تقهر (سو جو یتیم ہو اس کو مت دبا) (سورہ الضحی/ ۹)

(د) فذلك الذي يدع اليتيم (سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو) (سورہ الماعون/ ۲)

(ھ) لا تعبدون إلا الله وبالوالدين إحسانا وذي القربى واليتامى والمساكين (سورہ البقرة/ ۸۳)

(عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے)۔

(و) وآتی المال علی حبّه ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین (سورہ البقرۃ/۱۷۷)
(اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو)۔

(ز) وأن تقوموا للیتامیٰ بالقسط (اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر) (النساء/۱۲۷)

(ح) وفی الرقاب والغارمین و فی سبیل اللہ وابن السبیل (سورہ التوبۃ/۶۰)
(اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے رستہ میں اور راہ کے مسافر کو)۔

اسی طرح حدیث نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے وسیع اور عظیم الشان ذخیرہ کے اندران تمام فلاحی اور انسانی خدمات کا ذکر موجود ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے صدقہ جاریہ کی ترغیب دی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان ایسی مفید خدمت انجام دے جس کا فائدہ محض وقتی نہ ہو بلکہ اس کے گذر جانے کے بعد بھی وہ فائدہ رسانی جاری رہے اور اس کا اجر وثواب بلا انقطاع اس کو مسلسل ملتا رہے۔

جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) وإذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعوله (نیل الاوطار ۶/۱۲۷)

(جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین عمل کے: (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے، (۳) اور صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے)۔

(۲) وعن ابن عمرؓ أن عمر أصاب أرضاً من أرض خيبر فقال: يا رسول الله، أصبت مالاً بخيبر لم أصب قط مالاً أنفس منه، فبما تأمرني، فقال: "إن شئت حبست أصلها و تصدقت بها، غير أنه لا يباع أصلها ولا يبتاع ولا يوهب ولا يورث" قال: فتصدق بها عمر على ألا تباع ولا توهب ولا تورث و تكون في الفقراء وذوي القربى والرقاب والضيف وابن السبيل ولا جناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف ويطعم غير ممول (رواہ الجماعۃ)

(حضرت بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو خیبر کی ایک زمین ملی تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ: مجھے خیبر میں ایک مال ملا ہے، جس سے بہتر مال مجھے کبھی نہیں ملا، تو آپ مجھے کس چیز کا حکم کرتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس کے اصل کو باقی رکھ کر اس (کی پیداوار) کو صدقہ کردو مگر یہ کہ اس کی اصل نہ بیچی جاسکتی ہے، نہ خریدی جاسکتی ہے، نہ ہبہ کی جاسکتی ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے، ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس کو صدقہ کردیا اس شرط کے ساتھ کہ نہ وہ فروخت کی جائے گی، نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ

اس میں وراثت جاری ہوگی، اور (اس کی منفعت) فقراء، اہل قرابت، غلام کی آزادی، مہمان اور مسافر کے لئے ہوگی، اور اس کے متولی کے لئے کوئی حرج نہیں کہ اس میں سے معروف طریقے پر کھائے اور کھلائے، اس کو اپنے لئے مال نہ بنائے)۔

(۳) وعن عثمان رضي الله عنه أن النبي ﷺ قدم المدينة وليس بها ماء يستعذب غير بئر (رومة فقال: "من يشتري بئر رومة فيجعل منها دلوه مع دلاء المسلمين بخير له منها في الجنة"، فاشتريتها من صلب مالي فجعلت دلوى فيها مع دلاء المسلمين (رواه النسائی والترمذی، وقال: حدیث حسن)

(حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے، وہاں رومہ کے کنواں کے علاوہ کوئی میٹھا پانی نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: کون بئر رومہ کو خرید کر اپنے ڈول کے ساتھ اس میں مسلمانوں کے ڈول کو بھی شریک کرے گا کہ اس کی وجہ سے جنت میں اس کے لئے خیر ہو؟ تو میں نے اپنے اصل مال سے اسے خرید لیا اور اس میں اپنے ڈول کے ساتھ مسلمانوں کے ڈول کو بھی شریک کرلیا)۔

(٤) وأول وقف خيري عرف في الإسلام هو وقف النبي ﷺ لسبع حوائط (بساتين) بالمدينة كانت لرجل يهودي اسمه مخيريق قتل على رأس اثنين و ثلاثين شهراً من مهاجر رسول الله ﷺ وهو يقاتل مع المسلمين في واقعة أحد، وأوصى: إن أصبت ـ أي قتلت ـ فأموالي لمحمد يضعها حيث أراه الله تعالى، فقتل يوم أحد ـ وهو على يهوديته ـ فقال النبي ﷺ: (مخيريق خير يهود)، وقبض النبي ﷺ تلك الحوائط السبعة فتصدق بها ـ أي وقفها ـ ثم تلاه وقف عمر، ثم تتابعت بعد ذلك أوقاف الصحابة (الإسعاف فی أحکام الاوقاف، لبرہان الدین بن ابراہیم بن ابی بکر الطرابلسی رص ۹-۱۰)

(نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں سات باغوں کو وقف کیا جو اسلام میں پہلا وقف خیری تھا، یہ باغ مخیریق نامی ایک یہودی کے تھے جو ہجرت نبوی کے بتیسویں ماہ کے آغاز میں اس وقت مارا گیا جب وہ غزوہ احد میں مسلمانوں کے ساتھ شریک قتال تھا، اس نے وصیت کی کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرے اموال محمد (ﷺ) کے لئے ہوں گے، وہ انہیں اللہ کی مرضی سے صرف کریں گے، احد کے دن یہودیت پر ہی وہ مارا گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مخیریق اچھا یہودی تھا" نبی کریم ﷺ نے ان ساتوں باغ کو قبضہ میں لیا پھر انہیں صدقہ (یعنی وقف) کر دیا۔ پھر اس کے بعد حضرت عمرؓ کا وقف ہوا، پھر صحابہ کرام کے اوقاف مسلسل ہوتے گئے)۔

وقف کی روح بھی یہی ہے کہ کوئی بھی جائداد اس طرح رضائے ربانی کی خاطر کسی مصرف خیر کے لئے محبوس کردی جائے کہ اصل شئے محفوظ رہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی متعین مصارف خیر پر صرف ہوتی رہے، لیکن وہ شئے جس کی اصل محفوظ نہ رکھی جاسکے بیع اور اجارہ وغیرہ کے ذریعہ جس کی ملکیت بدلتی رہے تو اس کا نفع پائیدار نہیں ہوگا۔ وقف کا ثبوت خود عہد نبوی اور عہد صحابہ میں ملتا ہے اور پورے

عالم اسلامی میں اور جملہ بلاد اسلامی میں اتنی جائدادیں وقف کی گئیں کہ وقف کا ایک وسیع نظام وجود میں آ گیا، اور اسی لئے وقف سے متعلق بہت سے سوالات ہر دور میں پیدا ہوتے رہے جن کا تعلق املاک وقف کے تحفظ، ان کی افادیت میں اضافہ اور ان کے بہتر انتظام سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ اسلامی کا بہت بڑا ذخیرہ احکام وقف سے متعلق ہے۔

اس دور میں بھی اوقاف سے متعلق بہت سارے سوالات روز پیدا ہو رہے ہیں جن میں سے کچھ سوالات کا تعلق اصحاب حرص و ہوس سے وقف کی حفاظت سے ہے۔ اس طرح وقف کے بہتر انتظام، وقف کی افادیت میں اضافے اور ویران اوقاف کو مفید بنانے کی صورتیں، ان اہم موضوعات پر مجمع الفقہ الاسلامی الہند نے ایک اہم سمینار مورخہ ۲۴/۲۵/۲۶/۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو ممبئی کے حج ہاؤس میں منعقد کیا۔ اس لحاظ سے یہ سمینار بہت اہم تھا کہ اس میں ملک اور بیرون ملک سے صاحب نظر علماء اور دانشور شریک ہوئے۔

مجھے خوشی ہے کہ اس سمینار میں پیش کئے جانے والے مباحث اور مناقشات کے فیصلوں کی یہ مفصل روداد ہم آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اس میں وقف کے بنیادی اصول واحکام پر قیمتی تحریروں کے علاوہ اکیڈمی کی طرف سے بھیجا گیا سوالنامہ، مقالات کی تلخیص، عرض مسئلہ، نیز استبدال وقف، ناقابل انتفاع اوقاف پر تعلیمی اور رفاہی اداروں کا قیام، مساجد اور قبرستان کی زائد اراضی کا تعلیمی اور رفاہی مقاصد کے لئے استعمال، اوقاف کی زائد آمدنی کا مصرف وغیرہ دیگر اہم ترین سوالات پر علماء کے جوابات کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں اوقاف کے موضوع پر ایک اہم تعارفی تحریر شائع کی جارہی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ مجموعہ فقہ اسلامی اور خاص کر فقہ اوقاف کے لٹریچر میں ایک اہم اضافہ ہوگا اور اس کی افادیت دیر اور دور تک محسوس کی جاتی رہے گی۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو قبول فرمالے اور ہم سب کو خیر کی توفیق عطا فرمائے۔

واللہ الموفق

مجاهد الاسلام قاسمی

۱۹۹۹/۲/۴ء مطابق ۱۷ شوال ۱۴۱۹ھ

وقف

بنیادی اصول و احکام

۱۔ مفتی نظام الدین اعظمی — صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

۲۔ مولانا مفتی محمد حنیف — صدر شعبہ افتاء، جامعہ ریاض العلوم جونپور

۳۔ مولانا عبید اللہ اسعدی — جامعہ عربیہ، ہتھورا، باندہ یوپی

۴۔ مفتی جنید عالم قاسمی ندوی — مفتی امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

۵۔ شیخ عبد المحسن محمد العثمان — سکریٹری جنرل الامانۃ العامۃ للأوقاف، کویت

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب

صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

وقف کے معنی ہیں:

حبس العين و صرف المنفعة في جهة الخير المؤبدة۔

اگر جہت خیر موبدہ نہ ہو بلکہ منقطعہ ہو تو وقف ہی جائز و صحیح نہ ہوگی۔

اس تعریف وقف سے بطور اشارۃ النص یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وقف کارِ خیر ہی کے لئے اور ثواب ہی کے کام کے لئے ہونا ضروری ہے، یہیں سے حسب حکم شرع " لاتبطلوا أعمالكم" بھی معلوم ہو گیا کہ وقف صحیح و منعقد ہو جائے تو خود واقف کو اس کے ختم کرنے وغیرہ کا حق نہیں رہے گا، اور فقہاء کرام نے اسی حکم کو بایں الفاظ نقل فرمایا ہے:

إن الوقف إذا تمّ لزم فلا يُملك ولا يُملّك ولا يُوهَب ولا يُرهَن الخ.

اور اسی کی جانب اشارہ اس فقہی قاعدہ میں ہے:

إن شرط الواقف كالنص في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

نیز اسی قبیل سے یہ قاعدہ بھی ہے:

إن مراعاة غرض الواقف واجبة۔

یعنی کوئی موقوف چیز معطل ہو جائے تو واقف کو جو ثواب اس موقوفہ سے ملتا تھا وہ فوت نہ ہو بلکہ وہ ثواب حاصل ہونے لگے یا بڑھ جائے اور وہ موقوف زندہ ہو جائے تو ایسا کر لینا ان فقہی اصول کے اشارہ سے جائز ہو جائے گا، مثلاً کسی نے تدفین موتیٰ کے لئے کوئی اراضی وقف کی اور کسی قانونی معذوری سے یا کسی اور وجہ سے ان اراضی میں تدفین بند ہو جائے تو بجائے تدفین موتیٰ کے اس قبرستان میں مسجد یا علم دین کی تعلیم کے لئے کوئی دینی درسگاہ قائم کر دی جائے تو اس عمل سے بلاشبہ واقف کو جو ثواب ملتا تھا وہ ثواب بلکہ اس سے زائد ثواب ملنے لگے گا، اس لئے اس قبرستان میں مسجد کا بنالینا بلاشبہ جائز ہوگا۔

اس کی تائیدی مثالیں مسجد اقصیٰ کے اطراف میں زمین کے اندر انبیاء علیہم السلام کے مدفون ہونے سے ملتی ہیں، نیز خود حرم مکہ میں بھی اس کے جواز پر تاریخی شواہد موجود ہیں۔ اور یہی حکم و حال کسی دینی درسگاہ کی تعمیر کا بھی ہوگا، جس میں علوم دینیہ کی تعلیم دی جائے تو یہ بھی جائز ہوگا، اور اس کی دلیل آیت کریمہ " يا أيها الذين آمنوا قوا أنفسكم وأهليكم نارا" سے بھی ملتی ہے، کیونکہ یہی چیز اسلام اور بعثت انبیاء کی اولین غایت ہے، اور ان کا یہی فریضۂ اولیہ ہے، کیونکہ یہی چیز اپنے کو اور لوگوں کو جہنم سے اور جہنم کے عذاب سے بچانے کا طریقہ لازمی ہے، کیونکہ یہ مقصد علم دین کی تحصیل کے بغیر نہیں ہو سکتا، اور علم دین کی

تحصیل بغیر علماء کے وجود کے نہیں ہو سکتی، اور علماء کا وجود بغیر علم دین پڑھے پڑھائے نہیں ہو سکتا، لہذا بطریق اقتضاء النص دینی مدرسہ کا قیام ضروری نکل آیا اور اس کی اجازت بھی نکل آئی، اس کام میں جو ثواب ہو گا وہ تدفین موتیٰ کے ثواب سے بڑھا ہوا ہو گا، لہذا جو ثواب واقف کو تدفین میت سے ملتا جب وہ ثواب اس سے بھی زیادہ واقف کو ملے گا تو یہ عمل منشاء واقف کے خلاف بھی نہ ہو گا، اور بلا شبہ جائز رہے گا۔

پس اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دینی تعلیم کی درسگاہ میں وقتی حساب کتاب بقدر ضرورت کر لینا حتمی طور پر جائز رہے گا، البتہ اس قبرستان کو کسی ایسے کام و مصرف میں استعمال کرنا کہ اس سے واقف کا ثواب مطلوب اس کو نہ ملے یا کم ملے تو درست و جائز نہ رہے گا۔ جیسے وہاں تجارتی کاموں کی منڈی بنالینا، یا وہاں لوگوں کا ذاتی مکان بنالینا، یا دنیوی تعلیم کا اسکول یا کالج وغیرہ بنانا جائز نہ رہے گا، کیونکہ اس عمل سے واقف کا ثواب مطلوب حاصل نہ ہو گا، اور " شرط الواقف کنص الشارع فی المفھوم والدلالۃ و وجوب العمل " کے خلاف ہو گا، لہذا اس قسم کے امور کی اجازت شرعاً کسی طرح نہ ہو گی۔

☆☆☆

مولانا مفتی محمد حنیف صاحب

صدر شعبہ افتاء، جامعہ ریاض العلوم جونپور

الوقف فی اللغة: وقف کے معنی لغت میں روکنے کے ہیں، پھر اسم مفعول یعنی موقوف کے معنی میں مشہور ہوگیا۔

الوقف لغة الحبس وهو مصدر ثم اشتهر فی الموقوف (الدر مع الرد ۳/۳۵۷)

الوقف فی الشرع: وقف کی شرعی تعریف میں حضرات صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف ہے:

امام صاحب کے نزدیک ملکیت باقی رکھتے ہوئے منافع کو صدقہ کردینے کا نام شریعت میں وقف ہے۔

وشرعاً حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة عنده (درمختار ۳/۳۵۷)۔

اور حضرات صاحبین اور اکثر علماء کے نزدیک کسی چیز کو اللہ رب العزت کی ملکیت میں دے کر اس کے منافع کو اپنے پسندیدہ جائز مصارف پر صرف کرنے کا نام شریعت میں وقف ہے۔

وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من احب (درمختار ۳/۳۵۸)

حکمہ عند الامام: امام صاحب کے نزدیک صیغۂ وقف استعمال کرنے سے شئ موقوف وقف ہوجاتی ہے لیکن ملک ید واقف کی باقی رہتی ہے، اسی وجہ سے ملکیت کے احکام یعنی بیع، ہبہ، وراثت وغیرہ جاری ہوں گے، اور ملکیت سے اخراج کے لئے چار چیزوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔

والصحيح انه جائز عند الكل وانما الخلاف بينهم فی اللزوم و عدمه فعنده يجوز جواز الإعارة فتصرف منفعة إلى جهة الوقف مع بقاء العين على حكم ملك الواقف ولو رجع عنه حال حياته جاز مع الكراهة ويورث عنه (ردمختار رص ۳۵۸) **وقال فالرقبة باقية على ملكه فی حياته وملك للورثة بعد وفاته فانه بحيث يباع ويوهب** (ردمختار ر ۳۵۷)

اسباب خروج: چار جہتوں سے امامؒ کے نزدیک شئ موقوف سے واقف کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے:

(۱) موقوف اگر مسجد ہے تو اسکو الگ کردینے (حد بندی) سے واقف کی ملکیت ختم ہوکر اللہ رب العزت کی ملکیت میں داخل ہوجائے گی۔

(۲) قاضی لزومیت وقف کا فیصلہ کرکے متولی وغیرہ کے سپرد کردے۔

(۳) وقف کو اپنی وفات پر معلق کرنے کی صورت میں شئ موقوف ترکہ کے تہائی حصہ سے واقف کی ملکیت سے بعد وفات نکل جائے گی، اس تہائی موقوفہ حصہ میں وراثت جاری نہ ہوگی۔

الحاصل: یہ بعینہ وصیت کے حکم میں ہے، لہٰذا اسکو اپنی زندگی میں رجوع کا اختیار ہوگا۔ (تنبیہ: تعلیق بالوفات حقیقت میں زوال ملک کا سبب نہیں ہے)۔

(۴) کسی چیز کو اپنی زندگی اور بعد وفات دونوں میں ہمیشہ کے لئے وقف کردینے سے واقف کی ملکیت بعد وفات شیٔ موقوف سے ترکہ کے تہائی حصہ کے اعتبار سے ختم ہو جائے گی، اگر رجوع نہ کیا تو اس پر وراثت بھی جاری نہ ہو گی، اور زندگی میں اس کی آمدنی تصدق کی نذر ہو گی جس کو پورا کرنا واجب ہے یعنی اس کی آمدنی کا صدقہ کرنا بوجہ نذر واجب ہے۔

والملك يزول عن الموقوف بأربعة: (١) بافراز مسجد كما سيجئ (٢) وبقضاء القاضي لأنه مجتهد فيه و صورته أن يسلمه إلى المتولى (٣) أو بالموت إذا علقه به اى بموته كإذا متّ فقد وقفت دارى على كذا فالصحيح انه كوصية تلزم من الثلث بالموت لاقبله (٤) أو بقوله وقفتها فى حياتى وبعد وفاتى مؤبداً فإنه جائز عندهم لكن عند الإمام مادام حيا هو نذر بالتصدق بالغلّة فعليه الوفاء وله الرجوع ولو لم يرجع حتى مات جاز من الثلث (الدر المختار ۳/ ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳)

خلاصہ: حضرت امام صاحب کے نزدیک زوال ملکیت کے ذکر کردہ اسباب اربعہ میں سے دو سبب یعنی افراز مسجد اور قضاء قاضی ایسے ہیں جن سے فی الحال واقف کی ملکیت شیٔ موقوف سے ختم ہو جاتی ہے اور دو سبب ایسے ہیں جن سے فی الحال واقف کی ملکیت ختم نہیں ہوتی، بلکہ علی حالہ اس کی ملکیت پر باقی رہتی ہے جس کی وجہ سے اپنی زندگی میں واقف کو حق رجوع حاصل رہتا ہے، البتہ بعد وفات یعنی فی الحال رجوع نہ پائے جانے کی صورت میں شیٔ موقوف ترکہ کے ثلث کے بقدر ملکیت نکل جائے گی، جس پر وراثت جاری نہ ہو گی (ماقی الرد ۳/ ۳۶۴)۔

وحکمه عند الصاحبين: صاحبین اور اکثر علماء کے نزدیک صیغۂ وقف کے استعمال کرنے اور وقف کے تمام ہونے کے بعد وقف ہو کر واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور اللہ رب العزت کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے شیٔ موقوف کا ہبہ، وصیت اور اس کی بیع وغیرہ باطل ہے اور وراثت کے احکام اس پر جاری نہ ہوں گے، البتہ تمامیتِ وقف میں حضرت امام محمدؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔

وعندهما: هو حبسها على ملك الله تعالى و صرف منفعتها على من أحب فيلزم فلا يجوز له إبطاله ولايورث عنه و عليه الفتوى، وفى الحاشية: وعندهما يلزم بدون ذلك وهو قول عامة العلماء وهو الصحيح ثم إن أبا يوسف يقول يصير وقفا بمجرد القول لأنه بمنزلة العتاق عنده و عليه الفتوى، و عند محمد: لا إلا بأربعة شروط ستأتى (الدر مع الرد ۳/ ۳۵۸)۔

شروط تمامیتِ وقف:

وعند محمد: حضرت امام محمدؒ کے نزدیک وقف کے تام ہونے کے لئے چار شرطیں ہیں، مندرجہ ذیل چاروں شرطیں جب پائی جائیں گی تو واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ رب العزت کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی پھر اس کی بیع، ہبہ وغیرہ ناجائز ہو جائے گا۔

قال محمد إنما يجوز بأربع شرائط:

(۱) واقف اپنے قبضہ سے نکال کر متولی کے سپرد کردے۔

أحدها: أن يخرجه من يده ويسلمه إلى المتولى.

(۲) شئ موقوف مشترک نہ ہو بلکہ الگ ہو۔

والثانى: أن يكون فى المفروز دون المشاع

(۳) شئ موقوف کے منافع میں سے اپنے لئے کوئی شرط نہ لگائے۔

والثالث: أن لا يشترط لنفسه شيئا من منافع الوقف.

(۴) ہمیشہ کے لئے وقف کردے۔

والرابع: أن يكون مؤبدا بأن يجعل آخره إلى فقراء المسلمين (تحفۃ الفقہاء ۳/۳۷۷)۔

و هكذا فى الدر المختار: ولا يتم الوقف حتى يقبض ويفرز فلا يجوز وقف المشاع ويجعل آخره لجهة لا تنقطع، هذا بيان شرائطه الخاصة على قول محمد لأنه كالصدقة (در مختار ۳/ ۳۶۴۔۳۶۵)

مذہب ابو یوسف: حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرائط مذکورہ میں سے تمامیت وقف کے لئے کوئی شرط نہیں ہے، ان کے نزدیک وقف، اعتاق کی طرح ہے جو صرف الفاظ وقف کے استعمال سے لازم و تام ہو جاتا ہے۔

على قول أبى يوسف ولا يشترط شئ من هذه الأشياء (تحفہ ۳/۳۷۷) وفى الدر: وجعله أبو يوسف كالاعتاق (در مختار ۳/۳۶۵)

القول المفتی بہ: احتیاطاً فتوی کے لئے حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول اختیار کیا گیا ہے، باوجودیکہ امام محمد اور امام ابو یوسفؒ دونوں حضرات کے قولوں پر حضرات متقدمین کی جانب سے فتوی کی تصریح موجود ہے لیکن احتیاط و آسانی حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول میں ہے اس لئے حضرات فقہاء نے ان ہی کے قول کو راجح کہا ہے۔

واختلف الترجيح والأخذ بقول الثانى أحوط وأسهل بحرو فى صدر الشريعة والدر وبه يفتى(قوله واختلف الترجيح) مع التصريح فى كل منهما بأن الفتوى عليه، لكن فى الفتح إن قول أبى يوسف أوجه عند المحققين (در مختار ۳/۳۶۶)

خلاصہ: عبارت مذکورہ کا حاصل صرف اتنا ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق الفاظ کے استعمال کرنے سے وقف تام اور لازم ہو جاتا ہے، اس کی بیع، ہبہ وغیرہ ناجائز اور حرام ہو جاتی ہے۔

وقف جبری: اگر کسی شخص نے کوئی چیز وقف تو نہیں کیا لیکن دوسرے کے قبضہ میں کوئی چیز دیکھی اور اسکو اس نے وقف کی چیز کہا اور قابض اس کے وقف ہونے سے انکار کرتا رہا، پھر وہی شخص جس نے وقف کی چیز کہا تھا اس کا مالک ہو گیا، خواہ بیع و شراء و ہبہ سے

یا وصیت و وراثت سے مالک ہوا ہو، اس شخص کے ملک میں داخل ہونے کے بعد وہ چیز اگر وقف ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے تو بغیر وقف کئے اس کی ملکیت میں دخول سے وقف ہو جائے گی۔

أقر بأرض فی ید غیرہ أنها وقف وكذبه ثم ملكها صارت وقفا (در مختار/ ۵۵۹) قوله ملكها ای المقرولو بسبب جبری قوله صارت وقفا مواخذة له بزعمه (شامی ۶/ ۵۵۹)۔

مثلاً اشیاء غیر منقولہ اور وہ اشیاء منقولہ جن کے وقف کرنے کا عرف ہو جیسے کتب وغیرہ، اگر ان کو کسی کے قبضہ میں دیکھ کر موقوفہ کہے اور قابض انکار کرے تو ایسی صورت میں جس نے وقف کی کہا ہے اگر وہ اس کا مالک ہو جائے تو وہ چیز وقف کی ہو جائے گی۔

جہات اوقاف: جن کے لئے وقف صحیح و درست ہوتا ہے وہ تین ہیں:

(۱) صرف فقراء کے لئے وقف ہو۔

(۲) اولاً اغنیاء کے لئے بعدہ فقراء کے لئے وقف ہو۔

(۳) ایسا وقف ہو جس میں اغنیاء و فقراء دونوں برابر ہوں۔ (در مختار ۶/ ۶۰۳)

ایسے اوقاف جس میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں وہ مساجد اور دیگر رفاہی کام ہیں، مثلاً مساجد، مسافر خانہ، قبرستان، پل، نہر وغیرہ، یعنی ہر وہ چیز جس کی ضرورت فقراء و اغنیاء دونوں کو پڑتی ہو اور دونوں کے لئے وقف کرنے کا عرف ہو، تو ایسی صورت میں اگر واقف کسی کی تخصیص نہ کرے کہ یہ مدرسہ صرف غریبوں کے لئے ہے یا مسافر خانہ صرف محتاجوں کے لئے ہے بلکہ مطلق رکھے تو ایسی صورت میں **المعروف کالمشروط** کی بنا پر ان چیزوں کو اغنیاء اور فقراء دونوں کے لئے برابر مشترک سمجھا جائے گا، بغیر تخصیص کے تخصیص نہ ہوگی۔

فی الدر كرباط و خان و مقابر و سقايات و قناطر و نحوذلك كمساجد و طواحين طست لاحتياج الكل لذلك (در مختار ۶/ ۲۰۳)۔

وزاد فی الهداية أن الفارق بين الموقوف للغلة و بين هذا هو العرف فان أهل العرف يريدون بذلك فی الغلة للفقراء وفی غيرها التسوية بينهم وبين الأغنياء (شامی/ ۶۰۳)

اور اگر ایسی چیز کے لئے وقف کیا جس کی ضرورت اغنیاء و فقراء دونوں کو برابر نہیں پڑتی ہے اور دونوں کے لئے مشترک طور پر وقف کرنے کا عرف بھی نہیں ہے تو ایسے وقف میں اغنیاء صرف اس صورت میں داخل ہو نگے جب واقف صراحت کے ساتھ اغنیاء کے شریک ہونے کو بیان کردے، یا عمومیت کی تصریح کردے کہ سب کے لئے ہے تو اغنیاء بھی فقراء کے تابع ہو کر داخل ہو جائیں گے، اور اگر اغنیاء کی تصریح یا عمومیت کی وضاحت نہ کرے تو اغنیاء ایسے وقف میں شریک نہ ہوں گے، مثلاً دوا کے لئے وقف ہو تو اگر اغنیاء کی تصریح یا عمومیت ہو تو اغنیاء علاج کرا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

بخلاف الأدوية فلم يجز لغني بلا تعميم أو تنصيص فيدخل الأغنياء تبعاً للفقراء قنية

قوله بخلاف الأدوية.. اى الموقوفة فى التيمارخانة، فإن الحاجة إليها دون الحاجة إلى السقاية،فإن العطشان لو ترك شرب الماء يأثم،ولو ترك المريض التداوى لا يأثم(شامی ۶۰۳)

شرائط صحت وقف: وقف کے صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں:

(۱) فسق وفجور میں وقف نہ ہو۔

(۲) صرف اغنیاء پر نہ وقف ہو۔

کیونکہ وقف ایک عبادت ہے جو شئ موقوف کو اپنی ملک سے نکال کر منافع کو علی الدوام صدقہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اس لئے اگر کار خیر میں وقف نہ کرے بلکہ فسق وفجور کے لئے وقف کرے یا صرف اغنیاء پر وقف کرے تو صدقہ وعبادت ہونے کی وجہ سے وقف درست نہ ہوگا (کمافی الشامیہ)

ويشترط أن يكون قربة فى ذاته (شامی ۶/۵۲۱) ولو وقف على الأغنياء وحدهم لم يجز لأنه ليس بقربة (شامی ۶/۵۱۹)۔

حالات وقف: شئ موقوف کی پانچ حالتیں بنتی ہیں، لہذا پہلے ان کو ذکر کیا جاتا ہے بعدہ انشاالله ان کے بیع واستبدال کا حکم مع شرائط ذکر کیا جائے گا:

(۱) شئ موقوف ایسی ہو جس کے بدلنے کی واقف نے اپنے لئے یا دوسرے کے لئے شرط لگائی ہو۔

الاول: أن يشترط الواقف لنفسه أولغيره أو لنفسه و غيره.

(۲) شئ موقوف ایسی ہو جس کے بدلنے کی واقف نے شرط تو نہ لگائی ہو (یعنی سکوت ہو یا عدم استبدال کی شرط ہو) لیکن وہ اس طرح ہو جائے کہ اس سے انتفاع کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ انقطاع انتفاع بالکلیہ خواہ آبادی کے منتقل ہونے یا انہدام اور لوگوں کی عدم ضرورت کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔

والثاني: أن لا يشرطه سواء شرط عدمه اى سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بان لا يحصل منه شئ أصلا.

(۳) شئ موقوف کا اپنا ذاتی خرچ بھی اس کی آمدنی سے پورا نہ ہو سکے۔

الثالث: لا يفي بمؤنته.

(۴) شئ موقوف ایسی ہو جس سے انتفاع تو ہو رہا ہو لیکن بیع واستبدال کی صورت میں نفع زیادہ ہو یعنی اس کا بدل انفع ہو۔

الرابع: أن لا يشرطه أيضا لكن فيه نفع فى الجملة و بدله خير منه ريعاً و نفعاً۔

(۵) شئ موقوف ایسی ہو جس کے استبدال وبیع کی نہ شرط ہو اور نہ ہی استبدال کی صورت میں نفع زیادہ ہو اور شئ موقوف سے انتفاع ہو رہا ہو۔ (شامی ۶/ ۵۸۳۔ ۵۸۴)

بیع واستبدال: پہلے بیع واستبدال کے شرائط بیان کئے جاتے ہیں پھر ذکر کردہ اشیاء موقوفہ کی قسموں کا حکم لکھا جائے گا۔

شرائط استبدال: وقف کو بدلنے اور فروخت کرنے کی نو شرطیں ہیں:

(۱) شئ موقوف سے انتفاع کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔

الاول: أن يخرج عن الانتفاع بالكليه.

(۲) شئ موقوف کا کوئی ایسا فنڈ اور کوئی ایسی آمدنی نہ ہو جس کے ذریعہ اسکو قابل انتفاع بنایا جاسکے۔

الثاني: وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به.

(۳) بیع واستبدال کھلے ہوئے گھاٹے کے ساتھ نہ ہو۔

الثالث: أن لا يكون البيع بغبن فاحش.

(۴) بدلنے والا قاضی الجنۃ یعنی صاحب علم وتقویٰ وطہارت ہو اور قاضی کے فقدان کی صورت میں جو بھی بدلنے والا ہو اس کے لئے علم وعمل، تقویٰ وطہارت کا ہونا ضروری ہے۔

الرابع: أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذى العلم والعمل لئلا يحصل التطريق إلى إبطال أوقاف المسلمين كما هو غالب فى زماننا.

(۵) مبدل منہ دراہم ودنانیر نہ ہو، یعنی ایسی چیز سے نہ بدلا جائے جس کے ضیاع کا اندیشہ ہو۔

الخامس: ويجب في زماننا أن يستبدل بعقار لا بدراهم ودنانير.

(۶) ایسے شخص سے بیع واستبدال نہ کیا جائے جس کے حق میں بائع کی شہادت مقبول نہ ہو، اور مشتری غیر مقبول الشہادۃ ہو بائع کے حق میں۔

السادس: وهو أن لا يبيعه ممن لا تقبل شهادته له (یعنی اپنے اولاد سے بیع نہ ہو وغیرہ)۔

(۷) بدل کی جگہ اور محل وقوع مبدل منہ سے ادنیٰ وکمتر نہ ہو۔

السابع: يبيع إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة أخرى خيرا وبالعكس لا يجوز.

(۸) مشتری بائع کی اولاد صغیرہ نہ ہو۔

الثامن: أن لا يبيع من ابنه الصغير فانه لا يجوز اتفاقاً كالوكيل بالبيع من ابنه الصغير.

(۹) بیع اپنے قرض خواہ سے اس کے قرض کے بدلے نہ ہو، یعنی وہ وقف کو ایسے شخص سے فروخت نہ کرے جس کا متولی (فروخت کرنے والے) کے ذمہ قرض ہو اور اسی قرض کے بدلے وقف کو فروخت کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔

التاسع: أن لا يبيع الوقف ممن له على المستبدل دين باعه الوقف بالدين فانه لا يجوز على قول أبي يوسف وهلال لأنهما لايجوز ان البيع بالعروض فبالدين أولى (شامی ۶/۵۸۶)

تنقیح: شرائط استبدال کو ذکر کرنے کے بعد ان کے تنقیح کی ضرورت معلوم ہوئی اس لئے شرائط مذکورہ میں سے خاص طور سے قاضی اور عقارات سے بدلنے اور اپنے نابالغ بچے سے نہ فروخت کی شرطیں قابل ذکر ہیں، اس لئے فائدہ کے عنوان سے ان شرائط کی تنقیح کی جاتی ہے۔

فائدہ۔۱: امور اوقاف خواہ وہ بیع واستبدال ہوں یا دیگر امور اوقاف، تمام امور میں واقف اور اس کے وصی نہ ہونے کی صورت میں حضرات فقہاء قاضی کی شرط لگاتے ہیں۔ یہ شرط انتظامی ہے، اس شرط کے ذریعہ اوقاف کی حفاظت مقصود ہے، اسی لئے اگر قاضی سے وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں قاضی کو امور اوقاف میں شریک نہیں کیا جائے گا، حضرات فقہاء نے اس زمانہ میں قاضیوں کی خیانت کی وجہ سے قاضی کو امور اوقاف میں شریک نہ کرنے کا فتوی دیا ہے، لہذا قاضی کے خائن یا اس کے نہ ہونے کی صورت میں دیندار عامۃ المسلمین کے مشورہ اور انتظام سے امور اوقاف انجام دیئے جائیں گے۔ کما فی الشامیة و حاشیة البحر وغیرہ۔

وفی منحة الخالق: قوله فللقاضی أن يبيعه ويشتری بثمنه غيره الخ.

قال الرملی: لاتنس ماقدمه بأسطر عن شمس الائمة الحلوانی بنقل الذخيرة حين سئل عن اوقاف المسجد إذا تعطلت، هل للمتولی أن يبيعها ويشتری مكانها أخری قال نعم و لقولهم الولاية الخاصة أقوی من الولاية العامة ولاتفاق المشائخ المتأخرين علی أن الأفضل لأ هل المسجد أن ينصبوا متوليا ولا يعلموا القاضی فی زماننا لما علم من طمع القضاة فی أمور الأوقاف، صرح به فی التتارخانية وغيرها فی كثير من كتب المذهب (منحۃ الخالق ۵/۲۱۷)

وفی الشامية: ذكر عن التتارخانية ما حاصله أن أهل المسجد لو اتفقوا علی نصب رجل متوليا لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح ولكن الأفضل كونه باذن القاضی ثم اتفق المتأخرون أن الأفضل أن لا يعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طمع القضاة فی أموال الوقف (شامی ۶/۶۴۴)

فائدہ۔۲: اسی طرح عقارات سے بدلنے کی شرط حضرات فقہاء متاخرین نے اوقاف کی حفاظت کے لئے لگائی ہے، لہذا اگر دراہم ودنانیر سے فروخت کر کے دوسرا وقف خرید لیا جائے تو یہ جائز ہے۔

قال فی البحر: ولو شرط أن يبيعها ويشتری بثمنها أرضا أخری ولم يزد صح استحسانا وصارت الثانية وقفا بشرائط الأولی (شامی/۵۸۵)

عقارات سے بدلنے کی شرط فقہاء متاخرین نے تغیر عرف وزمانہ کی بنا پر لگائی ہے کہ دراہم ودنانیر سے بدلنے میں اس زمانہ میں وقف کے ضیاع کا اندیشہ ہے کہ متولی خود کھا جائے دوسرا وقف نہ خریدے، ضیاع سے بچانے کے لئے متاخرین نے یہ شرط لگائی، چنانچہ قاضی خان سے جواز کی صراحت منقول ہے۔

قال الرملي: كيف يخالف قاضي خان مع صراحته بالجواز الخ(منحۃ الخالق ۲۲۳) ويجب أن يزاد آخر في زماننا وهو أن يستبدل بعقارلا بالدراهم والدنانير فانا قد شاهدنا النظار يأكلونها وقل أن يشترى بها بدل ولم نر أحدا من القضاة يفتش على ذلك مع كثرة الاستبدال في زماننا(ص ۲۲۳)۔

فائدہ۔ ۳: اپنے نابالغ بچے سے فروخت کرنے میں روایتیں مختلف ہیں:

ایک روایت میں یہ ہے کہ موکل کی اجازت کے باوجود وکیل کے لئے اپنے چھوٹے نابالغ بچے سے فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ والد ہی اپنے نابالغ بچے کا وکیل ہوتا ہے اور متولی ہونے کی وجہ سے اوقاف کا وکیل ہوتا ہے، اور یہ قاعدہ ہے کہ بیوع میں کوئی شخص جانبین کا وکیل نہیں ہو سکتا ہے۔(بحر ۲۵۸)

وفي السراج: لوأمره بالبيع من هؤلاء فإنه يجوز إجماعا لا أن يبيعه من نفسه أو ولده الصغير او عبده ولا دين عليه فلا يجوز قطعا وإن صرح به المؤكل (شامی ۴/۴۰۷)

دوسری روایت میں ہے کہ اگر موکل اجازت دے دے تو اپنے چھوٹے بچے سے فروخت کرنا جائز ہے۔

وان أمره الموكل أن يبيعه من نفسه وأولاده الصغار أوممن لا تقبل شهادته فباع منهم جاز (شامی ۴/۴۰۷)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں دونوں قول میں تعارض ظاہر ہے تو معلوم ہوا کہ مسئلہ مذکورہ میں دو قول ہیں۔

ولا يخفى ما بينهما من المخالفة و ذكر مثل ما في السراج في النهاية عن المبسوط و مثل ما في البزازية في الذخيرة عن الطحاوى وكان في المسئلة قولين (شامی ۴/۴۰۷)۔

لہذا اگر عامۃ المسلمین متولی کو اجازت دیں تو ایک روایت کے مطابق درست ہے دوسرے کے مطابق نہیں۔

مذکورہ تینوں شرطوں کے علاوہ بقیہ جو شرائط ہیں وہ بھی وقف کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ہیں جیسا کہ شرائط استبدال میں غور کرنے سے واضح ہے۔

احکام حالات وقف :اب اشیاء موقوفہ کے احکام شروع کئے جاتے ہیں جیسا کہ حالات وقف کے تحت ان کا وعدہ کیا گیا تھا۔

(۱) شئ موقوف ایسی ہو جس کے بدلنے کی واقف نے اپنے لئے یا دوسرے کے لئے بدلنے کی شرط لگائی ہو، اس شرط کی بنا پر حق استبدال کے حاصل ہونے اور نہ ہونے کے سلسلے میں امام صاحب اور حضرات صاحبین کا اختلاف ہے، جو متفرع ہے اس مسئلہ مختلف فیہ پر جس میں واقف نے اپنے لئے تولیت وقف یا پیداوار وقف کی شرط لگائی ہو، تو امام محمدؒ کے نزدیک شرط تسلیم اور عدم تخصیص منافع کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے وقف درست نہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چونکہ صحت وقف کے لئے کوئی شرط نہیں ہے اس لئے وقف جائز و درست ہے۔

كما في الدر: وجاز جعل غلة الوقف أوالولاية لنفسه عند الثاني وعند محمد لا يجوز بناء على اشتراطه التسليم إلى متول (الدر المختار مع الرد ۵/۵۸۲، ۵۸۳)۔

اسی اختلاف پر شرط استبدال لنفسہ کا مسئلہ بھی متفرع ہے۔ لیکن اس شرط کی بنا پر امام محمدؒ کے نزدیک وقف صحیح ہو جاتا ہے اور شرط باطل ہو جاتی ہے، وأبطل محمد الشرط وصحح الوقف (بحر / ۲۸۱)۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرط استبدال لنفسہ میں بھی وقف اور شرط دونوں صحیح ہیں۔

وفرع فی الهداية على الاختلاف بين الشيخين شرط الأستبدال لنفسه فيجوزه أبو يوسف وأبطل محمد الشرط و صحح الوقف ۔(بحر / ۲۲۳، شامی ۲ / ۵۸۴)

القول المفتی بہ : شرط استبدال کی وجہ سے شئ موقوف کو فروخت کرنے کے سلسلے میں فتویٰ حضرت امام ابو یوسف کے قول پر ہے، لہذا شرط استبدال کی وجہ سے مذکورہ شرائط استبدال میں سے قاضی، خروج عن الانتفاع، عدم قدرت تعمیر، ان تینوں کے علاوہ بقیہ تمام شرائط استبدال کے ساتھ حضرت امام ابو یوسفؒ کے مذہب کے مطابق شئ موقوفہ کو ایک مرتبہ بدلنا جائز ہو گا، اگر دوسری مرتبہ بدلنے کی شرط سے سکوت ہو، اور اگر دوسری مرتبہ بھی بدلنے کی شرط مذکور ہو تو دوسری مرتبہ بھی بدلنا جائز ہے۔

(۱) جاز جعل غلة الوقف لنفسه عند الثانی و عليه الفتوى قوله و عليه الفتوى كذا قاله الصدر الشهيد وهو مختار أصحاب المتون ورجحه فی الفتح واختار مشائخ بلخ وفی البحر عن الحاوی انه المختار للفتوى ترغيبا للناس فی الوقف و تكثيرا للخير (شامی / ۵۸۳)۔

(۲) ولو شرطه لا يلزم خروجه عن الانتفاع ولا مباشرة القاضی له وعدم ريع يعمر به كما لا يخفى (شامی / ۵۸۶)۔

نوٹ: اگر واقف نے شئ موقوفہ کو فروخت کر کے اس کے ثمن سے دوسرا وقف خریدنے کی شرط لگائی تو یہ بھی جائز ہے۔

قال فی البحر: ولو شرط أن يبيعها و يشتری بثمنها أرضا أخرى ولم يزد صح استحسانا وصارت الثانية وقفا بشرائط الأولى (شامی ۶ / ۵۸۵)

(۲) شئ موقوفہ ایسی ہو جس سے انتفاع کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں، کیونکہ وہ شئ موقوفہ یا تو منقولہ ہو گی، یا غیر منقولہ، اگر غیر منقولہ ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ آمدنی کے لئے وقف ہو (۲) آمدنی کے لئے وقف نہ ہو۔ اور اگر منقولہ ہے تو اس کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) عمارت موقوفہ کا ملبہ ہو (۲) عمارت موقوفہ کے آلات ہوں۔ تو اس طرح سے چار شکلیں بنتی ہیں:

اقسام:

(۱) آمدنی کے اوقاف ہوں جو ویران و منہدم ہو جائیں، جیسے دوکانیں اور زراعت کی زمین جو ناقابل کاشت ہو جائے۔

(۲) غیر آمدنی کے اوقاف ہوں، مثلاً مدارس، مساجد، مقابر وغیرہ۔

(۳) ملبہ اوقاف ہو یعنی عمارت موقوفہ کے وہ اجزاء جن کی ضرورت نہ رہ جائے ان کے خراب ہو جانے کی وجہ سے یا عمارت کے ویران و منہدم ہو جانے کی وجہ سے، مثلاً اینٹ، پتھر وغیرہ۔

(۴) آلات وقف یعنی وہ چیزیں جو وقف کی ضروریات کے لئے ہوں، مثلاً فرش، چٹائی، پنکھا وغیرہ۔

اختلاف علماء: اقسام مذکورہ سے جب انتفاع نہ ہو سکے ان اوقاف کے ویران ومنہدم ہو جانے کی بنا پر، اور لوگوں کی عدم ضرورت کی وجہ سے، یا اس جگہ سے مسلمانوں کے ہجرت کر جانے کی بنا پر اوقاف معطل غیر منتفع ہو جائیں تو ان کے حکم میں حضرات صاحبین کا اختلاف ہے، اور امام صاحبؒ سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں کے قولوں کے مطابق روایت ہے۔

امام محمدؒ سے دو روایتیں منقول ہیں:

(۱) بطلان وقف ورجوع الی الواقف کی ہے یعنی وقف باطل ہو جائے گا اور واقف کی ملکیت میں چلا جائے گا۔

(۲) دوسری روایت عدم بطلان وقف وعدم رجوع الی الواقف کی ہے۔ پہلی روایت کو ضعیف کہا گیا ہے۔

قال في الذخيرة وفي المنتقع قال هشام سمعت محمدا يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه فيشترى بثمنه غيره وليس ذلك إلاللقاضي . وأما عود الوقف بعد خرابه إلى ملك الواقف أو ورثته فقد قدمنا ضعفه (شامی/ ۵۷۲)

قول ابن ہمام: علامہ ابن ہمام امام محمدؒ کے قول کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ویران اور منہدم ہونے والے اوقاف دو طرح کے ہوتے ہیں:

(۱) ایک تو جس کی ویرانی اور انہدام کی وجہ سے واقف کا مقصود بالکل فوت ہو جاتا ہے، اور کوئی ایسی صورت نہیں ہوتی جس کے ذریعہ واقف کے مقصود کو بحال کیا جاسکے، مثلاً دکان جو منہدم ہو جائے اور اس کے تعمیر کی کوئی صورت نہ ہو اور وہ خالی زمین کرایہ پر بھی نہ نکل سکتی ہو، یا مسافر خانہ، مدرسہ، یا حوض، تالاب وغیرہ جو کسی وجہ سے اس طرح ویران ہو جائے یا منہدم ہو جائے کہ ان کو دوبارہ آباد کرنے پر قدرت نہ ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی حالت میں یہ سب اوقاف واقف کی ملک میں لوٹ جائیں گے۔

(۲) اور دوسرے اوقاف وہ ہوتے ہیں جن کی ویرانی اور انہدام سے واقف کا مقصود بالکل فوت نہیں ہوتا ہے بلکہ ویران اور منہدم ہونے کے بعد بھی ان کے ذریعہ سے کسی نہ کسی درجے میں واقف کے مقصود کو باقی رکھا جاسکتا ہے، مثلاً کوئی زمین وقف کی ہو اور لوگ ہجرت کر جائیں، یا کرایہ کے ہوٹل وغیرہ ہوں، منہدم ہونے کے بعد ان سے انتفاع ممکن ہے، مثلاً زمین میں پودے لگوا دیئے جائیں یا کسی کو کرایہ پر دے دے جو اس زمین اور جگہ پر تعمیر وغیرہ کر کے آمدنی حاصل کر کے زمین کا کرایہ ادا کرتا رہے، تو ایسے اوقاف جو منہدم ہونے کے بعد بھی واقف کے مقصود سے بالکل نہیں نکلتے ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ وقف باطل نہیں ہوگا اور جو آمدنی حاصل ہوگی واقف کے بیان کردہ مصرف میں صرف کر دی جائے گی، ایسے اوقاف واقف کے ملک میں واپس نہ ہوں گے۔

كما في الشامية نقلا عن الفتح، ذكر في الفتح: مامعناه انه يتفرع على الخلاف المذكور ما إذا انهدم الوقف وليس له من الغلة ما يعمر به فيرجع الى البانى أو ورثته عند محمد خلا فا لأبى يوسف، لكن عند محمد إنما يعود إلى ملكه ما خرج عن الانتفاع المقصود الواقف بالكلية كحانوت احترق ولا يستاجر بشئ، و رباط وحوض

محلة خرب وليس له ما يعمر به فاما كان معدا للغلة فلا يعود إلى الملك الا نقضه و تبقى ساحته وقفا توجر ولو بشي قليل بخلاف الرباط ونحوه فانه موقوف للسكنى وامتنعت بانهدامه، أما دار الغلة فانها قد تخرب وتغير كوما وهي بحيث لو نقل نقضها ليستاجر أرضها من يبني أو يغرس ولو بقليل فيغفل عن ذلك وتباع لواقفها مع أنه لا يرجع إليه منها إلاالنقض واستند في ذلك للخانية وغيرها ظاهر كلامه واعتمده(شامی ۶/ ۵۴۹)

عند ابی یوسفؒ: امام ابو یوسفؒ سے اس سلسلے میں روایت یہ ہے کہ وقف ہو جانے کے بعد وقف کبھی باطل نہیں ہوتا، خواہ انتفاع کی کوئی صورت باقی رہے یا نہ رہے۔

واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني قوله عند الإمام والثاني فلا يعود ميراثا فلا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا(در مختار مع الرد ۶/ ۵۴۸)۔

البتہ اس صورت میں اشیاء موقوفہ سے انتفاع نہ ہو، اس کی بیع کے سلسلے میں امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں منقول ہیں:

(۱) ان کو علی حالہ چھوڑ دینا واجب ہے، اسکو فروخت کرنا یا بعینہ ان اوقاف کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں۔

لا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر (شامی ۶/ ۵۴۸)

(۲) ایسی اشیاء موقوفہ کو منتقل کرنا یا اس کی قیمت فروخت کر کے اسی جیسے دوسرے اوقاف میں استعمال کرنا واجب ہے۔

ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود الى ملك الواقف ، عند أبي يوسف: ويباع نقضه باذن القاضي ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد (شامی ۵۴۹)۔

عند الامام: حضرت امام ابو حنیفہؒ سے حضرت امام محمدؒ کی روایت کے مطابق عدم انتفاع کی صورت میں بطلان وقف کی روایت، اور حضرت امام ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق عدم بطلان وقف کی روایت منقول ہے۔

قال في الإسعاف: ذكربعضهم أن قول أبي حنيفة كقول أبي يوسفؒ وبعضهم ذكره كقول محمدؒ (شامی ۶/ ۵۴۸)

حاصل: امام محمدؒ کی دونوں روایتوں اور ابن ہمام کی توضیح کا یہ حاصل نکلتا ہے کہ بطلان وقف کی روایت ایسے اوقاف پر محمول ہے جن کے ویران اور انہدام یا لوگوں کے استغناء کی وجہ سے واقف کا مقصد بالکل ختم ہو جائے تو ایسے اوقاف ویران اور لوگوں کے مستغنی ہو جانے کی صورت میں واقف کی ملک میں لوٹ جائیں گے، خواہ اشیاء منقولہ کی قبیل سے ہوں یا غیر منقولہ کی قبیل سے ہوں، مثلاً مدارس، جہاد کے لئے وقف کی ہوئی سواری، مسجد کی چٹائی، پنکھا وغیرہ اور جیسے اوقاف کے ملبے وغیرہ۔ اور عدم بطلان کی روایت جو بروایت ہشام ہے ایسے اوقاف پر محمول ہے جن کے تعطل اور لوگوں کے استغناء سے واقف کا مقصود نہیں فوت ہوتا ہے، مثلاً زراعت کی زمین اور باغات، یعنی ایسے اوقاف جو حصول آمدنی کے لئے ہوں تو ان کے انہدام اور تعطل کے باوجود کسی نہ کسی درجہ میں واقف کا مقصود باقی رہتا ہے، لہذا ایسے اوقاف کا وقف باطل نہ ہوگا بلکہ اگر آمدنی بہت کم ہو جائے تو اسکو فروخت کر کے

نیا وقف آمدنی کے لئے تیار کیا جائے، اگرچہ اس کی آمدنی پہلے والے سے کم ہو، البتہ اگر اس کی قیمت سے نیا وقف بھی تیار نہ ہو سکے تو اس صورت میں مقصود ختم ہو جانے کی وجہ سے واقف کی ملک میں لوٹ جائے گا۔

والحال أنه إن أمكن شراء شي يستغل ولو قليلا أو إجارة الأرض بشيئ ولو قليلا فعل وحفظ لعمارة مابقى ولو خرب الكل و تعذر أن يشترى بثمنه مستغل ولو قليلا حينئذ يرجع إلى الواقف (فتح القدیر ۶/۲۳۸)

لہذا امام محمدؒ کی روایت کے مطابق غیر آمدنی کے اوقاف اور اوقاف کے ملبے جو کار آمد نہ ہوں اور اوقاف کے دوسرے سامان تعطل یا استغناء کی صورت میں واقف کی ملک ہو جائیں گے، اسی طرح آمدنی کے وہ اوقاف بھی واقف کی ملک ہو جائیں گے جن کے انہدام و تعطل سے مقصد ختم ہو جائے اور اس کی قیمت سے بھی دوسرے وقف کی تیاری ممکن نہ ہو۔ البتہ آمدنی کے وہ اوقاف جن کی اجرت و قیمت سے مقصد کی بحالی ممکن ہو ایسے اوقاف کا وقف باطل نہ ہو گا بلکہ اس کے مقصد کو بحال کیا جائے گا۔

اور امام ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق وقف باطل نہ ہو گا، اور جواز بیع والی روایت کی بنا پر بیع و استبدال جائز ہے۔ لہذا تمام اوقاف جو منہدم یا مستغنی ہو جائیں ان کی بیع یا نقل واجب ہے۔

القول المفتی بہ: اقسام مذکورہ میں سے قسم رابع بھی وقف کے آلات (سامان ضرورت وغیرہ) کے سلسلہ میں فتوی امام محمدؒ کے قول پر ہے کہ اگر آلات نا قابل انتفاع ہو جائیں تو اگر واقف یا اس کے ورثاء کو معلوم ہو تو ان کی ملکیت میں لوٹ جائیں گے ورنہ بحکم لقطہ ہیں، کما صرح به فى فتح القدير (۶/۲۳۸) إن الفتوى على قول محمد فى آلات المسجد والمراد بآلات المسجد نحو القنديل والحصير (شامی ۵۴۹/۳) وهكذا فى البحر (۵/۲۵۲)۔

آمدنی کے یا غیر آمدنی کے اوقاف وملبہ وقف میں قول مفتی بہ:

فرش اور چٹائی وغیرہ یعنی آلات وقف کے علاوہ وقف کی دوسری تمام چیزوں میں فتوی امام ابو یوسفؒ کی دونوں روایتوں پر مصرح ہے، متقدمین کا فتوی عدم جواز بیع و نقل پر ہے، یعنی ان لوگوں کے نزدیک وقف کے سامان کو فروخت کرنا یا بغیر فروخت کئے اس سامان کو ضرورت نہ ہونے کے وقت دوسرے وقف میں صرف کرنا جائز نہیں۔

(عند الثانى) لا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى حاوى القدسى وأكثر المشائخ عليه مجتبى وهوا لأوجه فتح اه (شامی ۵۴۸/۳)

اور متاخرین نے امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت پر فتوی دیا ہے یعنی جب وقف ویران اور منہدم ہو جائے اور لوگوں کو اس کی ضرورت نہ رہے تو اس کے سامان کو یا اس کی قیمت کو قریبی جہت کے دوسرے وقف میں صرف کر دیا جائے گا۔

ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبى يوسف فيباع نقضه باذن القاضى ويصرف ثمنه إلى المساجد (شامی ۵۴۹/۳) وفى الدر: فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر عليه تفريع إلى قولهما، هذا التفريع إنما يظهر على ما ذكره الشارح من الرواية الثانية عن أبى يوسف وقدمنا أنه جزم بها فى الإسعاف (در مختار مع الرد ۵۴۹/۳)۔

نوٹ: لیکن حضرات متاخرین مسجد کے سلسلہ میں امام ابویوسفؒ کی روایت اولیٰ کو ترجیح دیتے ہیں۔

حاصل: مسجد اور اسی طرح دوسری موقوفہ عمارتوں کے ملبے یعنی اینٹ، پتھر، کڑی وغیرہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اسی موقوفہ کو تعمیر کرنا ممکن ہو تو اس کی تعمیر میں ان کو یا ان کی قیمتوں کو صرف کر دیا جائے گا، اور اگر اس وقف کی تعمیر ممکن نہ ہو تو اسی جہت کے کسی دوسرے قریبی وقف میں وہ اشیاء اگر قابل استعمال ہوں ورنہ ان کی قیمتوں کو لگا دیا جائے گا۔ دوسری جہت کے اوقاف میں صرف کرنا جائز نہیں۔

سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا أو تداعى مسجدها إلى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشبه و ينقلونه إلى دورهم، هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم، وحكى أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب ولا ينتفع المارة به، وله أوقاف عامرة فسئل هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به، قال: نعم، لأن الواقف فرضه انتفاع المارة ويحصل ذلك بالثاني (شامی ۶/۵۵۰)

(۳) تیسری قسم یعنی جب موقوفہ اشیاء ایسی ہو جائیں کہ ان سے ان پر ہونے والا خرچ بھی حاصل نہ ہو سکے، چاہے وہ جائداد ہو یا دیگر اوقاف مستغلہ، انکا حکم دوسری قسم کا حکم ہے کہ یہ انتفاع سے بالکلیہ خارج ہیں، لہذا اس کی بیع واستبدال جائز ہے۔

أو لا يفي بمؤنته فهو جائز على الا صح (شامی ۶/۵۸۴)

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ شئ موقوفہ سے انتفاع ہو رہا ہو لیکن بیع واستبدال کی صورت میں نفع زائد ہو یعنی بدل انفع ہو، اس کے حکم میں حضرات علماء کے دو قول ہیں:

ا۔ استبدال کی صورت میں اگر نفع زیادہ ہو تو بیع واستبدال جائز ہے۔

الرابعة: أن يرغب انسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعا فيجوز على قول أبي يوسف و عليه الفتوى الخ (شامی ۳/۳۸۹)۔

۲۔ اگر شئ موقوفہ سے انتفاع ہو رہا ہو تو اس کی بیع واستبدال جائز نہیں اگرچہ بدلنے میں نفع زائد ہو۔

والعمل على قول أبي يوسف معارض بما قاله صدر الشريعة نحن لا نفتي به وقد شاهدنا في الاستبدال مالا يعد و يحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين الخ (شامی ۳/۳۸۹)

ترجیح: علامہ شامیؒ نے قول ثانی کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ بیع واستبدال اگر شرط واقف کی بنا پر نہ ہو تو بغیر ضرورت کے جائز نہیں اس بنا پر کہ وقف میں اصل اشیاء موقوفہ کو علی حالہ باقی رکھنا ہے اصل کے خلاف بغیر ضرورت کے نہ کیا جائے گا اور جب انتفاع بالکل ختم ہو جائے تو مجبوراً ضرورتاً بیع جائز ہے، اور جب نفع بالکل ختم نہ ہو بلکہ انتفاع ہو رہا ہو اور بدلنے میں نفع زائد ہو تو اس صورت میں بیع واستبدال صرف نفع کو زائد کرنے کے لئے مقصد وقف کے بالکل خلاف ہے، لہذا بیع ناجائز ہو گی۔

قال العلامة البيری بعد نقله أقول وفی فتح القدیر والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أولا عن شرطه فإن کان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف علیهم فینبغی أن لا یختلف فیه وإن کان لا لذلك بل اتفق انه أمکن أن یؤخذ بثمنه ما هو خیر منه مع کونه منتفعابه فینبغی أن لا یجوز لان الواجب إبقاء الوقف علی ما کان علیه دون زیادة . ولأنه لا موجب لتجویزه لأن الموجب فی الأول الشرط وفی الثانی الضرورة. ولاضرورة فی هذا إذ لا تجب الزیادة بل نبقیه کما کان الخ، أقول ما قاله هذا المحقق هو الحق والصواب (شامی ۳/۳۸۹)

(۵) پانچویں قسم وہ اوقاف جن سے آمدنی جاری ہو اور واقف نے بدلنے کی شرط نہ لگائی ہو اور نہ ہی استبدال میں نفع زیادہ ہو تو ایسے اوقاف کی بیع باطل ہے۔ بیع کے بعد مشتری اگر اس سے نفع اٹھائے اور پھر بیع کو لوگ ختم کردیں اور مشتری کو اس کا ثمن واپس کردیں تو ایسی صورت میں جتنے دن مشتری نے اس وقف سے فائدہ حاصل کیا ہے اتنے دن کی اجرت مثل لازم ہوگی۔

وإذاصح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه (ہدایہ/۶۲۰)۔

اگرچہ وہ اوقاف آمدنی حاصل کرنے کے نہ ہوں مثلاً مسجد ہو یا مدرسہ، کما صرح۔

و دخل مالو کان الوقف مسجداً أو مدرسة سکن فیه فتجب فیه أجرة المثل (شامی/۶۱۵)

بطلان بیع وقف سے انتفاع کا حکم: پانچویں قسم جس کا بیان سطور بالا میں ہوا اس سے انتفاع بیع کے باطل ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور بیع کو ختم کردینا واجب ہے، اگر بیع کو فوراً ختم نہ کیا اور وقف سے نفع اٹھاتا رہا تو جب لوگ بیع کو ختم کرکے مشتری کا پیسہ واپس کریں گے تو جتنے دن فائدہ حاصل کیا ہے اتنے دن کی اجرت مثل لازم ہوگی۔

کما فی الشامی حتی لوباع المتولی دار الوقف فسکنها المشتری ثم أبطل القاضی البیع کان علی المشتری أجرة المثل (فتح) وبه أفتی الرملی وغیره کما قدمناه وما فی الاسماعیلیة من الإفتاء بخلافه تبعا للقنیة فهو ضعیف کما صرح به فی البحر (شامی ۶/۶۱۵)

خلاصہ: بیع واستبدال کی سب پانچ صورتیں بنتی ہیں: (۱) واقف نے بدلنے کی شرط لگائی ہو، (۲) وقف سے انتفاع بالکل ختم ہوجائے خواہ وقف کی آمدنی صرف اتنی ہو جس سے وقف کا اپنا ذاتی خرچ بھی پورا نہ ہوسکے، (۳) کسی ایسے غاصب نے غصب کرلیا جس سے واپس لینا ممکن ہو اور غاصب اس کا عوض دینے پر راضی ہو، (۴) وقف سے انتفاع جاری ہو لیکن بیع واستبدال کی صورت میں واقف کی آمدنی زیادہ ہوجائے اور بدل مبدل عمدہ وانفع ہو، (۵) وقف سے انتفاع جاری ہو اور بدلنے کی صورت میں کوئی نفع بھی نہ ہو۔

حکم: مذکورہ صورتوں میں سے تین صورتوں میں مفتی بہ قول کے مطابق بیع واستبدال ذکر کردہ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ اور چوتھی صورت میں حضرات علماء کا اختلاف ہے۔ بہت سے علماء نے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق بیع کو جائز کہا ہے اور اسی کو قول مفتی بہ بھی بتلایا ہے، اور بہت سے علماء نے بیع ناجائز وحرام کہا ہے، علامہ شامیؒ نے استدراک قائم کرکے صاحب فتح کے قول کے ذریعہ عدم جواز کو ترجیح دیا ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اگر بیع واستبدال کو جائز کہا جائے تو اس کے ذریعہ ابطال اوقاف کا دروازہ کھلے گا، نیز یہ استبدال بلاضرورت ہے کیونکہ اوقاف کا مقصود آمدنی کا بڑھانا نہیں بلکہ ان کو حالت سابقہ پر باقی رکھنا ہے

تو خلاف مقصود کے ذریعہ بلاضرورت اس کے ضیاع کا اندیشہ کیوں پیدا کیا جائے، لہٰذا راجح عدم جواز ہے۔ پانچوں قسم کی بیع، استبدال بالاتفاق باطل ہے۔

نوٹ: بیع کے جواز و عدم جواز کا مدار صرف دو چیزوں پر ہے: ۱۔ شرط واقف، ۲۔ ضرورت، ان دونوں میں سے کوئی ایک پائی جائے تو بیع واستبدال جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

إلا فی أربع الأولی لو شرطه الواقف، الثانية إذا غصبه غاصب وأجری علیه الماء حتی صار بحرا فيضمن القيمة ويشتری المتولی بها أرضا بدلا، الثالثة أن يجحده الغاصب ولا بينة ای وأراد دفع القيمة فللمتولی أخذها يشتری بها بدلا، الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعا فيجوز علی قول أبی یوسف و علیه الفتوی كما فی فتاوی قاری الهداية، قال صاحب النهر فی كتابه إجابة السائل قول قاری الهداية والعمل علی قول أبی یوسف معارض، فما قال صدر الشریعة: نحن لا نفتی به وقد شاهدنا فی الاستبدال مالا يعد و يحصی فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين وعلی تقديره فقد قال فی الإسعاف: المراد بالقاضی هو قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل ولعمری إن هذا أعز من الكبريت الأحمر وما أراه إلا لفظا يذكر فالأقوی فيه السدّ خوفا من مجاوزة الحد والله سائل كل إنسان.

وقف کے بدل کے احکام:

بدل کی سب پانچ صورتیں بنتی ہیں کیونکہ جس کو بدلا جائے گا دو حال سے خالی نہیں: (۱) یا تو وہ وقف کا ملبہ یعنی انقاض وقف ہوگا (۲) یا تو اوقاف ہوں گے، اگر اوقاف ہوں تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں: (۱) یا تو آمدنی کے لئے اوقاف ہوں گے (۲) یا تو آمدنی کے لئے نہ ہوں گے۔ پھر یہ بھی دو حال سے خالی نہیں: (۱) اصل وقف کو قائم کرنے کی ضرورت ہوگی (۲) یا نہ ہوگی۔

(۱) انقاض: اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کے اوقاف موجود ہوں تو ان کو اگر قابل استعمال ہیں ورنہ اس کی قیمت کو ان کے اوقاف میں صرف کیا جائے گا۔

فإن احتاج الوقف إلی عود النقض أعاده الحصول المقصود به وان استغنی عنه أمسكه إلی أن يحتاج إلی عمارته (ولا يجوز) وان تعذر إعادة عينه الی موضعه بيع و صرف ثمنه إلی المرمة صرفا للبدل إلی مصرف المبدل. ملخصا (بحر الرائق رص ۲۲۰)

غیر آمدنی کے اوقاف:

(۲) غیر آمدنی کے جس وقف کو بدلنا ضروری ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے بدلے میں اسی نوع کا دوسرا وقف قرب وحسن مکانی کی رعایت کرتے ہوئے قائم کیا جائے جو بعینہٖ پہلے والے وقف کے درجہ میں وقف ہوگا۔

وفی الخانية الصحيح قول أبی یوسف لأنه شرط لا يبطل حكم الوقف لأن الوقف يحتمل الانتقال من أرض إلی أرض أخری ويكون الثانی قائما مقام الأولی الخ (بحر الرائق ر ۲۲۱)

(۳) غیر آمدنی کے جس وقف کو بدلنے اور فروخت کرنے کے علاوہ کوئی صورت نہ ہو اور اس کے بدلے دوسرے وقف کا قیام عدم ضرورت یا کسی اور وجہ سے متعذر ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اسی جہت کے دوسرے اوقاف میں اس کی قیمت اور بدل کو استعمال کیا جائے۔

رباط بعيد و استغنى عنه المارة و بجنبه رباط آخر، قال السيد الإمام أبو الشجاع تصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر جاز (شامی ۵۵۰)۔

آمدنی کے اوقاف:

(۴) آمدنی کے جس وقف کو بدلنے اور بیع کرنے کے علاوہ اور کوئی صورت نہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے بدلے یا اس کی قیمت کے بدلے ایسا وقف حاصل کیا جائے جو پہلے وقف سے انفع یا کم سے کم اس کے مساوی ہو، اور اس کی آمدنی کو موقوف علیہم پر اگر موجود ہوں ورنہ اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں استعمال کیا جائے۔

وإذا كانت موقوفة الاستغلال فالظاهر عدم اشتراط اتحاد الجنس على المنظور فيها كثرة الريع و قلة المرمة و قابلية البقاء. شرط آخر وهو اتحاد المحلة أو كون الثانية أحسن (منحۃ الخالق ۲۲۳) لو اشترى ببدل الوقف فإنه يصير وقفا كالاولى على شروطه وإن لم يذكر شيئاً (شامی ۶۲۷) فى الخلاصة قال المسجد إذا خرب أو الحوض إذا خرب ولم يحج إليه لتفرق الناس عنه صرفت أوقافه فى مسجد آخر أو حوض آخر (شامی ۶۴۶)

(۵) آمدنی کے جس وقف کو بدلنا لازم ہو اور اسی جیسے دوسرے وقف کا قیام ناممکن ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا بدل اور اس کی قیمت موقوف علیہم ورنہ اسی جیسے دوسرے اوقاف میں استعمال کیا جائے۔

ونقل فى الذخيرة عن شمس الائمة الحلوانى انه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه هل للقاضى أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر فقال نعم و مثله فى البحر عن القنية (شامی ۵۵۰)۔

اقسام اوقاف عامرہ: آباد اوقاف کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وقف حصول آمدنی کے لئے ہوں یا حصول آمدنی کے لئے تو نہ ہوں لیکن ان اوقاف کے لئے آمدنی کے اوقاف ہوں۔

(۲) اوقاف حصول آمدنی کے نہ ہوں اور نہ ہی ان کے لئے آمدنی کے اوقاف ہوں۔

احکام: پہلی قسم کا حکم: جس وقف کے پاس آمدنی ہو خواہ وہ آمدنی اسی وقف سے حاصل ہو یا ان پر موقوفہ اوقاف سے حاصل ہو تو اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ہے:

(۱) کہ اگر واقف نے اس وقف کے اخراجات کے لئے آمدنی کا کوئی حصہ متعین نہیں کیا ہے تو آمدنی میں سے پہلے اس وقف کے اخراجات ضروریہ نکالے جائیں گے اگر ضرورت ہو ورنہ اسکو موقوف علیہم کے اخراجات میں صرف کیا جائے گا۔

۱۔ الثاني عشر لو وقف على المساكين ولم يذكر العمارة يبدأ من الغلة بالعمارة و بما يصلحها و بخراجها و مؤنتها ثم يقسم الباقي على المساكين (۲۱۶/۵)۔

۲۔ فالمراد بالوقف الذی يبدأ من غلته بعمارته العين الموقوفة للغلة والعين الموقوف عليها كالمسجد إذ لا شك أن كلا موقوف عليه الغلة بمعنى أنهما مشروط صرف الغلة إلى عمارتها (تقریرات رافعی/۸۱) (شامی ۶/۵۵۹)۔

(۲) اور اگر واقف نے آمدنی سے اوقاف کے ذاتی اخراجات کے لئے حصہ مقرر کیا ہے یا مقرر نہیں کیا ہے لیکن آمدنی سے اخراجات وقف کی شرط لگائی ہے تو پہلے آمدنی سے اوقاف کے اخراجات کے لئے حصہ متعینہ یا جتنی ضرورت پڑ سکتی ہو نکال لیا جائے گا اگرچہ فی الحال کوئی ضرورت نہ ہو کیونکہ آئندہ ضرورت پڑنے کا امکان ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ جب ضرورت ہو اس وقت آمدنی نہ رہے تو اسی وضع کردہ واقف کے ذکر کردہ مصارف میں شرائط واقف کی رعایت کے ساتھ صرف کیا جائے گا۔

لوشرط الواقف تقديم العمارة ثم الفاضل للفقراء أو للمستحقين لزم الناظر امساك قدر العمارة كل سنة وإن لم يحتجه الان لجواز أن يحدث حدث ولا غلة بخلاف ما إذا لم يشترطه فليحفظ الفرق بين الشرط وعدمه (درمختار/۶/۵۲۵،۵۲۶) وكذا في البحر لو اجتمع من الغلة مقدار ما يحتاج الأرض والمسجد إلى العمارة ويمكن العمارة بها و يفضل تصرف الزيادة إلى الفقراء على ما شرط الواقف (بحر الرائق/۵/۲۱۵،۲۱۶)

(۳) اوقاف کا خرچ نکالنے کے بعد اگر موقوف علیہم افراد اور جماعت متعینہ نہ ہوں تو اخراجات ضروریہ کے بعد سب سے پہلے ان چیزوں پر صرف کیا جائے گا جو تعمیر سے معنوی طور پر زیادہ قریب ہیں یعنی جن کے نہ ہونے کی صورت میں تعطل وقف ہو جاتا ہے تو یہ بھی حقیقت میں عمارت سے ملحق ہیں پھر دوسرے مصالح میں صرف کیا جائے گا، مثلاً مسجد و مدرسہ پر وقف ہو تو اس صورت میں پہلے آمدنی سے اخراجات عمارت نکالے جائیں گے پھر امام و مؤذن اور معلمین مدرسہ کو ان کی کفایت کے بقدر دیا جائے گا، پھر چٹائی، روشنی، و دیگر مصالح وقف میں صرف کیا جائے گا۔

ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد و مدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك الى آخر المصالح (درمختار/۵۵۹،۶۶۰،۶۶۱)

قوله ثم ما هو أقرب لعمارته الخ اى فان انتهت عمارته و فضل من الغلة شئ يبدأ بما هو أقرب للعمارة وهو عمارته المعنوية التى هى قيام شعائره (شامی/۵۶۰) إلى قوله هذا إذا لم يكن معينا يعني أن الصرف إلى ما هو أقرب إلى العمارة كالإمام ونحوه إنما هو فيما إذا لم يكن الوقف معينا على جماعة معلومين كالمسجد والمدرسة (شامی/۶/۵۶۱)

(۴) اور اگر موقوف علیہم افراد و جماعت متعینہ ہوں تو اس کے اخراجات نکالنے کے بعد آمدنی ان لوگوں پر صرف کر دی جائے گی بغیر تقدم و تاخر کی رعایت کے، جیسے وقف علی الاولاد یا وقف علی الفقراء۔

اما لو كان معينا كالدار الموقوفة على الذرية أو الفقراء فانه بعد العمارة يصرف الريع إلى ما عينه الواقف بلا تقديم لأحد على أحد۔ فاغتنم هذا التحرير (شامی/۵۶۱)

اگر واقف نے وقف حصول آمدنی کے لئے کیا لیکن موقوف علیہم اسکو اپنی دوسری ضرورتوں میں استعمال کریں تو جائز ہے۔ ان کے ذمہ اجرت بھی نہیں لازم ہو گی، البتہ اخراجات وقف ان کے ذمہ ہوں گے، اور موقوف علیہم کا آمدنی کے علاوہ دوسری ضرورتوں میں استعمال کرنا جائز ہے۔

فلاعمارة على من له الاستغلال لأنه لا سكنى له فلو سكن هل تلزمه الأجرة الظاهر لا لعدم الفائدة إلا إذا احتيج للعمارة فيأخذ ها المتولي ليعمر بها (در مختار ۵۷۰،۵۷۱)

قوله لأنه لا سكنى له قال في البحر وظاهر كلام المصنف وغيره أن من له الاستغلال لايملك السكنى ومن له السكنى لا يملك الاستغلال إلى قوله قلت ويؤيده ان الخصاف سوى بين المسئلتين لكنه فرق بينهما في محل آخر بأن من له الاستغلال له السكنى لأن سكناه كسكنى غيره بخلاف العكس لأنه يوجب فيها حقا لغيره ومن له الاستغلال إذا سكن لايوجب حقا لغيره وادعى الشرنبلالي في رسالته أن الراجح هذا(شامی۔۶/۵۷۰،۵۷۱)

نوٹ: اور اگر رہائش کے لئے وقف کیا تو اسکو حصول آمدنی کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔

(۶) اور اگر واقف نے حصول آمدنی کے لئے وقف کیا اور اس کے اخراجات کی شرط موقوف علیہم کے ذمہ رکھا تو یہ شرط کالعدم ہے۔

ولو شرط الواقف غلتها له و مؤنتها عليه صحّا و هل يجبر على عمارتها؟ الظاهر لا (در مختار۶/۵۷۱،۵۷۲)

وفي الرد قلت علمت أن صحة الشرط غير صحيحة في عبارة التاتارخانية و تعليل الهداية شامل للشرط وغيره فهو دليل على عدم صحته إلى قوله لأن كلام الواقف لا يصلح ملزما له بتعميرها إذ لا ولاية له على المستحق (شامی۶/۵۷۲)

حاصل یہ ہے کہ اگر وقف سے آمدنی ہو رہی ہو یا اس وقف کے پاس آمدنی کے دوسرے اوقاف ہوں تو اس کے اخراجات اسی کی آمدنی سے پورے کئے جائیں گے اگر چہ واقف نے اخراجات کی ذمہ داری موقوف علیہم کے ذمہ رکھی ہو۔

ابقاء وقف: واقف نے آمدنی کے اوقاف کو جس عمل میں وقف کیا تھا اسکو اسی طرح باقی رکھا جائے گا، اگر باغات ہیں تو سوکھنے والے پودوں کی جگہ دوسرے نئے پودے لگائے جائیں گے، زراعت کی زمین ہے تو اس کو قابل زراعت رکھنے کی پوری کوشش کی جائے گی، اگر دوکان و مکانات ہیں تو ان کی اصلاح و مرمت وغیرہ، یہ سب اسی وقف کی آمدنی سے اپنی اسی حالت پر باقی رکھے جائیں گے، مکانات میں رنگ وروغن وغیرہ نہیں کرتا تھا تو بغیر موقوف علیہم کی اجازت کے نہیں کئے جائیں گے۔

وقف میں زیادتی: اور اگر اس وقف میں ایسی زیادتی کی ضرورت پڑے جس سے وقف کی آمدنی بڑھ جائے اور وقف کا اپنا خرچ کم ہو جائے جس میں موقوف علیہم کا فائدہ ہو تو ایسی زیادتی جس میں موقوف علیہم کا فائدہ ہو بغیر اجازت کے بھی جائز ہے۔ آمدنی میں اضافہ کرنے والی زیادتی ممنوع نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لئے اجازت شرط ہے۔

ولو كان الوقف على معين فالعمارة في ماله بقدر ما يبقى الموقوف على الصفة التي وقفه فإن خرب يبنى كذلك ولا تجوز الزيادة بلا رضاء ولو كان على الفقراء فكذلك وعند البعض تجوز والأول أصح (ہدایہ ملخصا) وبه علم أن عمارة الوقف زيادة على ما في زمن الواقف لا تجوز بلا رضا المستحقين وظاهر قوله بقدر ما يبقى منع البياض والحمرة على الحيطان من مال الوقف إن لم يكن فعله الواقف وإن فعله فلا منع (شامی ۵۶۰)

وفي حاشية الشامية مطبوعة مكتبة زكريا: قوله منع البياض الحمرة الخ قال شيخنا وقد رأيت تقييد ذلك بما إذا لم يورث البياض والحمرة زيادة في الأجرة إن كان كذلك فلا منع ثم قال وهوتقييد حسن ويظهر أن الزيادة في أماكنه كذلك، حاشية الشامية للمحشى الشيخ عادل احمد عبد الموجود والشيخ على محمد مفوض (ص ۵۶۰)

جہت آمدنی کی تبدیلی کا حکم:

موقوفہ زمین میں اگر آمدنی میں اضافہ کرنے کے لئے دوکان یا مکان (ہوٹل) وغیرہ تعمیر کردئے جائیں یا مزروعہ زمین میں باغ لگادئے جائیں تو یہ سب امور انفع للوقف ہونے کی وجہ سے جائز ہیں۔ مثلاً شہر کے اندر خالی زمین وقف کی گئی اگر اس پر دوکان یا کرایہ کے مکانات تعمیر کردئے جائیں، یا مزروعہ زمین ہے جس کی کاشت میں دشواری ہوتی ہے اگر باغ لگادئے جائیں تو دشواری دور ہوجائے گی اور وقف کی آمدنی میں اضافہ بھی ہوجائے گا تو وقف کے فائدہ کے لئے جہت آمدنی کا تبدیل کردینا جائز ہے۔

كما في البحر: وإن أراد قيم الوقف أن يبنى في الأرض الموقوفة بيوتا يستغلها بالإجارة لا يكون له ذلك لأن استغلال أرض الوقف يكون بالزرع ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها و تكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل كان للقيم أن يبنى فيها بيوتا فيواجرها لأن الاستغلال بهذا الوجه يكون أنفع للفقراء (بحر الرائق ۵/۲۱۶)

فاضل آمدنی کا مصرف:

ایک وقف کی فاضل آمدنی کو دوسرے جہت کے وقف میں یا اسی جہت کے وقف میں استعمال کرنے کی سب چار صورتیں بنتی ہیں۔ ان میں سے دو جواز کی ہیں اور دو عدم جواز کی ہیں۔ اگر جہت متحد ہو تو ایک کی فاضل آمدنی دوسرے میں استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اگر جہت مختلف ہو تو ایک کی فاضل آمدنی دوسرے میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱) واقف اور جہت وقف دونوں متحد ہوں یعنی ایک ہی شخص نے ایک جہت پر متعدد وقف کئے، ایک وقف ایک مصلحت کے لئے اور دوسرا دوسری مصلحت کے لئے، مثلاً زید نے مدرسہ پر دو زمینیں وقف کیں، ایک زمین معلمین کی تنخواہ کے لئے اور دوسری مدرسہ کی عمارت کے لئے۔

إن الوقف و محل الوقف اعنى الجهة إن اتحدت بأن كانا وقفا على المسجد، أحدهما إلى العمارة والآخر إلى إمامه أو مؤذنه (بحر الرائق ۵/۲۱۶)

حکم: اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک مصلحت سے آمدنی بچ جاتی ہے تو اسی جہت کی دوسری مصلحت میں فاضل آمدنی صرف کرنا جائز ہے۔

والإمام والمؤذن لا يستقر لقلة المرسوم للحاكم الدين أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة إن كان الواقف متحدا لان غرض الواقف إحياء وقفه و ذلك يحصل بما قلنا(بحر الرائق ۲۱۶)۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ واقف مختلف ہوں اور جہت وقف متحد ہوں یعنی چند لوگوں نے اپنی اپنی زمینوں کو ایک ہی جہت پر وقف کیا، مثلاً زید و عمرو بکر نے مسجد یا مدرسہ پر اپنی اپنی زمین وقف کیا۔

حکم: اس صورت کا حکم بھی پہلی صورت کے حکم کی طرح ہے، یعنی ایک کے فاضل آمدنی کو دوسرے میں استعمال کرنا جائز ہے۔

مسجد له أوقاف مختلفة لا بأس للقيم أن يخلط غلتها وإن خرب حانوت فيها لابأس بعمارته من غلة حانوت آخر اتحد الواقف أو لا (بحر الرائق وحاشیہ بحر ۵/۲۱۷)

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ واقف ایک ہو اور جہت مختلف ہو مثلاً زید نے ایک زمین مسجد کے لئے اور ایک زمین مدرسہ کے لئے وقف کیا، یا مکان کی ایک منزل رہائش کے لئے اور ایک منزل کرایہ کے لئے وقف کیا۔

اتحد الواقف واختلفت الجهة بأن بنى مدرسة و مسجدا وعين لكل وقفا (بحر ۲۱۶) فى الحاشية قال الرملى من اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحد هما للسكنى والآخر للاستغلال (حاشیہ بحر ۲۱۶)

حکم: اس صورت کا حکم یہ ہے کہ ایک کی فاضل آمدنی دوسرے پر صرف نہیں کی جائے گی، بلکہ واقف کی شرط و مقصد کی اتباع واجب ہے۔

فلا يصرف أحد هما للآخر وهى واقعة الفتوى، تأمل(حاشیہ بحر ۲۱۶) وفضل من غلة أحدهما لا يبدل شرط الواقف۔

(۴) واقف بھی الگ الگ ہوں اور جہت وقف بھی الگ الگ ہو، مثلاً چند لوگوں نے الگ الگ وقف الگ الگ جہت پر کیا، ایک نے مدرسہ پر دوسرے نے مسجد پر تیسرے نے مسافر خانہ پر۔

حکم: اس صورت کا حکم تیسری صورت کے حکم کی طرح ہے۔ ایک کی فاضل آمدنی دوسرے پر صرف کرنا جائز نہیں۔

و كذا إذا اختلف الواقف لا الجهة يتبع شرط الواقف (بحر الرائق ۲۱۷)۔

مذکورہ چاروں صورتوں اور ان کے احکامات سے یہ معلوم ہو گیا کہ ایک کی فاضل آمدنی کو دوسرے پر استعمال کرنا کس وقت جائز اور کس وقت ناجائز ہے۔ اب اس پر ہم تفریعاً چند مسئلہ ذکر کرتے ہیں۔

وقد علم بهذا التقرير اعمال الغلتين إحياء للوقف و رعاية شرط الواقف هذا هو الحاصل من الفتاوى (بحر الرائق ۷/ ۲۱۷)

تفریع:

(۱) مسئلہ: اگر مسجد کی موقوفہ زمین قابل کاشت نہ رہ جائے اور اس میں مصالح عامہ کے لئے حوض یا تالاب بنا دیا جائے تو لوگوں کے لئے اس کے پانی کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

أرض وقف على المسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة لا يجوز للمسلمين انتفاع بماء ذلك الحوض، قنية (ہندیہ ۲/ ۴۶۴)

(۲) مسئلہ:۔ مسجد کی آمدنی اس کی ضرورت سے زائد ہو تو اس کو فقراء و مساکین پر صرف کرنا جائز نہیں۔

الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لايصرف وإنه صحيح لكن اشترى به مستغلا للمسجد (ہندیہ ۲/ ۴۶۳)

(۳) مسئلہ: وضو کے لئے وقف کئے گئے حوض سے پانی پینا جائز نہیں۔

إذا وقف للوضوء لا يجوز الشرب منه (ہندیہ ۲/ ۴۶۵)

(۴) مسئلہ: مسجد کی آمدنی سے کپڑا خرید کر مساکین و فقراء کو دینا جائز نہیں اور دینے والے کے ذمہ ضمان آئے گا۔

ولو اشترى القيم بغلة المسجد ثوبا و دفع إلى المساكين لا يجوز وعليه ضمان ما نقد من مال الوقف (ہندیہ/ ۴۶۲)

زائد آمدنی جس کی حفاظت دشوار ہو: اگر کسی مسجد یا مدرسہ کے ایسے اوقاف ہوں جن کی آمدنی مسجد و مدرسہ وغیرہ کے خرچ سے زائد ہو اور آئندہ کے لئے بھی ضرورت محسوس نہ ہو رہی ہو تو اس آمدنی کو دوسرے مدرسہ یا مسجد یعنی اسی جہت کے دوسرے اوقاف کی ضرورتوں میں خرچ کیا جائے گا۔

وعند أبي يوسف يباع ذلك ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول إلى مسجد آخر (بحر الرائق ۵/ ۲۵۲)

اور اگر اسی وقف (موقوف علیہ) کو آئندہ ضرورت پڑنے کا اور آمدنی نہ ہونے کا اندیشہ ہو تو بقدر ضرورت اس وقف کے لئے آمدنی کو محفوظ کیا جائے گا۔ الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح لكن يشترى به مستغلا للمسجد (ہندیہ/ ۴۶۳) تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے، اور آمدنی کو محفوظ کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کوئی زمین اس وقف کے نام سے خرید لی جائے اور ضرورت کے وقت فروخت کر کے اس کی قیمت استعمال کی جائے۔ اما فيما اشتراه المتولى من مستغلات الوقف فانه يجوز بيعه بلا هذا الشرط إلى قوله والمختار أنه لا يكون وقفا فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت (منحۃ الخالق حاشیہ بحر)

وقف مجہول الجہتہ:

کسی زمین یا مکان ودوکان کا وقف ہونا لوگوں میں مشہور ہو کہ یہ چیز وقف کی ہے لیکن جہت وقف کا علم کسی کے پاس نہ ہو کہ یہ چیزیں کس مصرف کے لئے وقف کی گئیں تھیں تو انکا حکم یہ ہے کہ اس زمین کے سابقہ کاغذات اور پہلے کے منتظمین وقف کی فائلیں دیکھ کر معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وقف کس مصرف کے لئے تھا، اگر کسی طرح جہت وقف کا علم نہ ہو سکے تو ایسے اوقاف کی آمدنی کو فقراء پر صرف کیا جائے۔

فی الدر لو انقطع ثبوته فما كان فى دواوين القضاء(قوله انقطع ثبوته الخ) المراد علم أنه وقف بالشهرة ولكن جهلت شرائطه و مصارفه بأن لم يعلم حاله ولا تصرف قوامه السابقين كيف كانوا يعملون وإلى من يصرفونه فحينئذ ينظر إلى ما فى دواوين القضاة فإن لم يوجد فيها لا يعطى أحد ممن يدعى فيه حقا لم يبرهن۔ فان لم يبرهن يصرف للفقراء لأن الوقف فى الأصل لهم وقد علم مجرد كونه وقفا ولم يثبت فيه حق لغيرهم فيصرف إليهم (شامی ۶/ ۶۶۸)

حکم معلوم الجہتہ ومعدوم المصرف:

اگر وقف کی جہت معلوم ہو اور موقوف علیہم مفقود ہوں یا ان تک آمدنی کا پہونچانا دشوار ہو، مثلاً کسی مدرسہ یا مسجد یا مسافر خانہ کا وقف تھا اور اب وہ سب ختم ہو گئے، یا کسی بستی کے مصالح عامہ پر وقف تھا اور اس بستی کے لوگ معلوم نہیں کہاں گئے، یا ان کی جگہ معلوم تو ہو لیکن ان لوگوں تک پہونچانا دشوار ہو تو اس کا یہ حکم ہے کہ اسی جہت کے مصارف میں صرف کیا جائے، مدرسہ کا وقف دوسرے مدرسہ پر اور مسجد کا دوسری مسجد پر صرف کیا جائے۔ جہت کے معلوم ہوتے ہوئے دوسری جہت پر صرف کرنا جائز نہیں۔

فی رد المحتار حاصله أن المنقول عندنا أن الموقوف عليه إذا خرب يصرف وقفه إلى مجانسه فتصرف أوقاف المسجد إلى مسجد آخرو أوقاف الحوض إلى حوض آخر والا رصاد نظير الوقف(شامی ۶/ ۶۳۶)

حاصل یہ کہ بقدر ممکن واقف کے مقصد کی رعایت کی جائے گی، اسی لئے اگر موقوف علیہم کو فی الحال یا فی المآل اس فاضل آمدنی کی ضرورت ہو موقوف علیہ کے علاوہ دوسرے پر صرف نہ کیا جائے گا، اور اگر ضرورت نہ ہو تو اسی جہت پر صرف کیا جائے گا، لہذا اگر کسی آبادی کے لوگوں کے لئے وقف تھا تو چونکہ اس وقف کا اصل مقصود فقراء تھے اس لئے فقراء پر صرف کیا جائے گا۔

وقف کی دوسری قسم:

(۱) وہ اوقاف جو آمدنی کے لئے نہ ہوں بلکہ رہائش وغیرہ کے لئے ہوں تو ان کے اخراجات موقوف علیہم کے ذمہ ہوں گے۔

ولو كان الموقوف داراً فعمارته على من له السكنى ولو متعدداً من ماله لا من الغلة اذ الغرم بالغنم (در مختار / ۵۶۸،۵۶۹)

(۲)اور اگر موقوف علیہم فقیر ہوں یا خرچ نہ دیں اس وقت وقف کے اتنے حصے کو کرایہ پر دیدیا جائے گا جس سے وقف کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

ولو بنى خانا واحتاج إلى المرمة روى عن محمد أنه يعزل منه بيت أو بيتان وتواجر و ينفق من غلتها عليه (بحر ۶/ ۳۱۶)

(۳)اور اگر غیر آمدنی کے اوقاف کو موقوف علیہم آمدنی کے لئے استعمال کرنا چاہیں تو جائز نہیں، البتہ آمدنی کے اوقاف کو رہائش وغیرہ کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

من له السكنى لا يملك الاستغلال بلا خلاف واختلف فى عكسه. والراجح الجواز كما حرره الشرنبلالى فى رسالة (شامی/ ۵۶۹)

تعمیر و مرمت: اگر موقوف علیہم کے پاس آمدنی ہو، خواہ اسی سے حاصل ہوتی ہو یا اس پر موقوفہ اوقاف سے حاصل ہوتی ہو تو آمدنی کو اگر تعمیر و مرمت کی ضرورت ہو تو اس پر صرف کیا جائے گا، اگر تعمیر ضروری ہے اور تاخیر کی گنجائش نہیں ہے تو سب سے پہلے تعمیر میں استعمال کیا جائے گا، اگر بچے تو ان لوگوں کو دیا جائے گا جن کو نہ دینے میں وقف کا نقصان ہو، اور اگر نہ بچے بلکہ پوری آمدنی تعمیر و مرمت ہی میں ختم ہو جائے تو کسی کو کچھ بھی نہ ملے گا، اور اگر تاخیر کی گنجائش ہے تعمیر میں جو سب سے زیادہ ضروری ہو اس کو مقدم کیا جائے گا بعدہ بقدر کفایت ان لوگوں کو دیا جائے گا جن کو نہ دینے میں وقف کا نقصان ہو، زمانہ تعمیر میں خواہ ضروری ہو یا ضروری نہ ہو بلکہ تاخیر کی گنجائش ہو ان لوگوں کو کچھ نہ ملے گا جن کو نہ دینے میں وقف کا نقصان نہ ہو، ایسے لوگوں پر تعمیر ہر حال میں مقدم رہے گی۔

والحاصل بما تقرر و تحرر انه يبدأ بالتعمير بالضرورى حتى لو استغرق جميع الغلة صرفت كلها إليه و لايعطى أحد ولو إماما أو مؤذنا فإن فضل عن التعمير شئ يعطى ما كان أقرب إليه مما فى قطعه ضرر بيّن و كذا لو كان التعمير غير ضرورى بأن كان لا يؤدى تركه إلى خراب العين ولو أخر الى غلة السنة القابلة فيقدم الأهم فالأهم ثم من لا يقطع يعطى المشروط له إذا كان قدر كفايته وإلا يزاد أو ينقص وان لم يكن فى قطعه ضرر بيّن قدمت العمارة ليه وإن أمكن تأخيرها إلى غلة العام القابل كماهو مقتضى إطلاق المتون ولا يعطى شئ أصلا (شامی۶/ ۵۶۵)

آمدنی نہ ہو تعمیر کی ضرورت ہو:

اگر اوقاف کے پاس آمدنی نہ ہو خواہ اس وجہ سے کہ وہ آمدنی کے اوقاف نہ ہوں اور موقوف علیہم تعمیر و مرمت کا خرچ نہ دیں اپنے فقر کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے، یا وہ آمدنی کے اوقاف ہوں یا ان کی آمدنی کے لئے دوسرے اوقاف ہوں لیکن آمدنی حاصل نہ ہو، یا آمدنی تو ہو لیکن تعمیر و مرمت اس آمدنی سے نہ ہو سکے، تو ایسے اوقاف کا حکم یہ ہے کہ ان اوقاف کو اتنے دن کے لئے کرایہ پر دیدیا جائے گا جتنے دن کی آمدنی سے تعمیر وغیرہ ہو جائے۔ اور اگر کرایہ پر نہ اٹھے یعنی وہ ایسا ہو کہ لوگ اسکو کرایہ پر نہیں لیتے ہیں یا ایسی

جگہ ہو جس کی وجہ سے کرایہ نہ ملے تو قرض لے کر تعمیر کی جائے، اور اگر قرض نہ ملے اور نہ ہی کرایہ حاصل ہو تو بعض کو فروخت کر کے بقیہ وقف کو تعمیر کیا جائے، چونکہ اول اجارہ ہے پھر قرض ہے، پھر بیع ہے، اس لئے پہلے اجارہ وقف بعدہ استقراض للوقف اور پھر بیع وقف کو ذکر کیا جائے گا۔

احکام اجارۃ: جب اوقاف کی تعمیر و مرمت کے لئے اتنی آمدنی نہ ہو جس سے وقف کی تعمیر و مرمت کی جائے تو ایسی صورت میں اوقاف کو اتنی مدت کے لئے جس کے کرایہ سے وقف کی تعمیر و مرمت ہو سکے کرایہ پر دینا جائز ہے، کسی خاص مدت کی تعیین ایسی صورت میں نہیں ہے، البتہ کرایہ پر دینے میں ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے وقف ضائع نہ ہو اور مدت اجارہ کے ختم ہونے کے بعد کرایہ دار کو الگ کرنے کا اختیار باقی رہے۔

وفی فتاوی قاری الهداية : إذا لم تحصل عمارة الوقف إلا بذلك يرفع الأمر للحاكم ليؤجره اكثر اى إذا احتيج إلى عمارته من أجرته يؤجره الحاكم مدة طويلة بقدر مايعمر به(شامی ۶۰۶)

چونکہ اوقاف کے اجارہ کی مدت فقہاء متقدمین نے متعین نہیں کی تھی لیکن بعد کے فقہاء نے وقف کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے مدت اجارہ کو متعین کر دیا ہے۔ زراعت کی زمین کے لئے تین سال کی مدت اجارہ اور مکانوں وغیرہ کے لئے ایک سال مدت اجارہ متعین کی گئی ہے، لیکن جب مصلحت کا تقاضا ہو تو ایسی صورت میں کمی بیشی بھی کی جائے گی اور تجدید مدت کی علت وقف کو ضیاع سے بچانا ہے، لہذا اگر بغیر تجدید کے دوسری صورت سے یہ مقصد حاصل ہو جائے تو تجدید لازم نہ ہوگی۔

إن المختار أنه لا يجوز فى الدور أكثر من سنة إلا إذا كانت المصلحة فى الجواز وفى الضياع يجوز إلى ثلاث سنين إلا إذا كانت المصلحة فى عدم الجواز وهذا أمر يختلف باختلاف الزمان والمواضع الخ، وأشار الشارح إلى أنه لا يخالف مافى المتن لأن أصل عدول المتاخرين عن قول المتقدمين بعدم التوقيت إلى التوقيت إنما هو بسبب الخوف على الوقف فإذا كانت المصلحة الزيادة أو النقص اتبعت وهو توفيق حسن(شامی ۶/۶۰۶)

اجرت متقدمہ: جس چیز کو کرایہ پر دے کر کرایہ پیشگی وصول کیا جائے اس کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ کرایہ پر دی جانے والی چیز موجود ہو اور کرایہ وصول کر لینے کے بعد شئ مستاجرہ کرایہ دار کے سپرد کرنے کی شرط ہو۔

۲۔ شئ مستاجرہ موجود ہو اور آئندہ کسی تاریخ معینہ پر سپرد کرنے کا معاملہ ہو اور اجرت کو پیشگی ادا کرنا شرط ہو۔

۳۔ شئ مستاجرہ موجود نہ ہو اور اجرت پیشگی وصول کر کے آئندہ کسی تاریخ میں سپرد کرنے کی شرط ہو۔

احکام: پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ پیشگی اجرت وصول کر کے شئ مستاجرہ کو سپرد کر دینا جائز ہے، اور یہ عقد اجارہ لازم و درست ہے۔

أما إذا شرط فى تعجيلها ملكت بالشرط وجب تعجيلها الخ(بدائع ۴/۲۰۲)

دوسری صورت یعنی اجرت پیشگی وصول کرنا اور شئ مستاجرہ کو آئندہ کسی تاریخ میں سپرد کرنے کی شرط لگانا، اسکو اصطلاح

فقہ میں اجارۃ مضافہ کہتے ہیں، اور اس کے حکم میں حضرات علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ اجارہ مضافہ لازم ہو جاتا ہے، اور پیشگی اجرت کا وصول کرنا اور اس کی شرط لگانا درست ہے، وصول کرنے کے بعد اجرت کا مالک ہو جائے گا۔ اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ اجارہ لازم نہ ہوگا، لہٰذا وصول کردہ اجرت بحکم قرض ہوگی، اجارہ کے لازم نہ ہونیکی وجہ سے جانبین کو عقد اجارہ کے ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔ اقوال مذکورہ میں سے دونوں اقوال کی تصحیح حضرات علماء نے فرمائی ہے لیکن اول کو صحیح اور ثانی کو اصح کہا ہے اور یہی قول مفتی بہ بھی ہے، اور ضرورت کے وقت قول صحیح یعنی لزوم عقد پر فتوی کی گنجائش ہے۔

كما ذكر في الشامية مطلب في لزوم الاجارة المضافة تصحيحان. وقال: قال قاضي خان وذكر شمس الائمة السرخسي إن الاجارة المضافة تكون لازمة في إحدى الروايتين وهو الصحيح.. ويؤخذ برواية الملك هنا للحاجة. قلت وقد ذكر الشارح في أواخر كتاب الإجارة أن رواية عدم اللزوم تأيدت بأن عليها الفتوى اى فتكون أصح التصحيحين لأن لفظ الفتوى في التصحيح أقوى. لكن أنت خبير بأن رواية عدم اللزوم هنا لاتنفع لأنه يثبت للمستاجر الفسخ فيرجع بماعجله من الأجرة وان قلنا انها تملك بالتعجيل فينبغي هنا ترجيح رواية اللزوم للحاجة نظير ماقاله قاضي خان في رواية الملك (شامی ۶/۷۰۶)

تیسری صورت یعنی شئ مستاجرہ موجود نہ ہو اور عقد اجارہ کے ذریعہ پیشگی اجرت وصول کرلی جائے اور شئ مستاجرہ کو آئندہ کسی تاریخ تک تعمیر وغیرہ کرکے سپرد کرنے کا معاملہ ہو یعنی غیر موجود کا عقد اجارہ۔ اس کے حکم کی صراحت نظر سے نہیں گذری، البتہ اصول سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ غیر موجود کا عقد اجارہ منعقد نہ ہوگا۔ اور وہ کالعدم ہوگا، اجرت بحکم قرض ہوگی اور مؤجر کو دوسرے سے عقد اجارہ کرنے کا اختیار رہے گا۔ دلیل یہ ہے کہ اجارہ میں معقود علیہ منفعت ہوتی ہے لیکن اس کی جگہ پر اس کے سبب یعنی شئ مستاجرہ کو رکھ کر معاملہ درست ہو جاتا ہے، لہٰذا جب معقود علیہ نہ ہوگا تو عقد اجارہ کس پر منعقد ہوگا۔

اور صاحب بدائع عقد اجارہ ہو جانے کے بعد معقود علیہ کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں عقد اجارہ کے بقاء اور عدم بقاء پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جو چیز یقین سے ثابت ہو تو اس کی بقاء کے لئے انتفاع کا وہم بھی کافی ہے، اور جو چیز یقین سے ثابت نہ ہو تو اس کے ثبوت کے لئے وہم کافی نہیں بلکہ یقین کی ضرورت ہے، لہٰذا جب معقود علیہ موجود نہ ہو تو صرف وجود کے وہم سے عقد اجارہ کیسے منعقد ہوگا۔

والأصل فيه أن العقد المنعقد بيقين يبقى لتوهم الفائدة لأن الثابت بيقين لا يزال بالشك كما أن غير الثابت بيقين لا يثبت بالشك (بدائع ۴/۱۹۶)

اجارۃ البعض لحفظ الكل: پورے وقف کی حفاظت کے لئے بعض حصہ کو کرایہ پر دینا، مثلاً پورے قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے بعض حصہ پر دوکان تعمیر کردی جائے، تو ایسا کرنا جائز ہے۔

الثالث عشرة لو بنى خانا واحتاج إلى المرمة روى عن محمد انه يعزل منه بيت أو بيتان فتواجر و ينفق من غلته عليه (بحر/۲۱۶)

بعض علماء نے وقف کو ظالم کی دست درازی سے بچانے کے لئے اس کی بیع اور اس کے ثمن کو اس کی مثل میں صرف کرنے کا فتوی دیا، لیکن چونکہ اس فتوی سے ضیاع وقف کا اندیشہ تھا اس لئے اسکو فتوی کے لئے اختیار نہیں کیا گیا۔

كما في البحر: وفي الفتاوى قيم وقف خاف من السلطان أو من وارث يغلب على أرض وقف يبيعها و يتصدق بثمنها وكذا كل قيم إذا خاف شيئاً من ذلك له أن يبيعه ويتصدق بثمنها. قال الصدر الشهيد والفتوى على أنه لا يبيع الخ (بحر ۵/۲۱۷)۔

جب وقف کو ظالم سے بچانے کے لئے بیع کی اجازت تھی تو اجارۂ بعض حکم شرع کے عین مطابق ہے اور شامی وغیرہ میں بھی اجارہ کی اجازت مصرح ہے۔

آمدنی کا حکم: جب وقف کے بعض حصہ پر بغرض حفاظت دوکان تعمیر کر دی جائے تو دوکان سے حاصل ہونے والی آمدنی کا حکم یہ ہے کہ اس وقف کو جتنی ضرورت ہو اتنا تو اس کی ضرورت میں صرف کیا جائے۔ اور جو باقی بچے اس کے مثل دوسرے اوقاف میں صرف کیا جائے۔

يصرف ثمنه إلى حوائج المسجد فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول إلى مسجد آخر (بحر ۵/۲۵۲)

قبرستان کی دوکان کی آمدنی:

قبرستان کی حفاظت کی غرض سے جب دوکان تعمیر کی جائے تو اس کی آمدنی کا بھی مصرف وہی ہوگا جو چند صفحہ پہلے گذرا، یعنی جتنی ضرورت ہو اس قبرستان میں صرف کی جائے اور بقیہ کو دوسری قبرستانوں کی حفاظت میں خرچ کیا جائے یہی اولی واحوط ہے۔

رفاہی کاموں میں استعمال:

قبرستان کی زمین پر تعمیر شدہ دوکانوں کی فاضل آمدنی کا محتاط مصرف تو دوسرے مقابر کی حفاظت ہے، البتہ علامہ عینیؒ کی قبرستان کے بارے میں ذکر کردہ علت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے رفاہی دینی کاموں میں استعمال کرنا جائز ہے، مثلاً مسجد کی ضرریات میں یا دینی مدارس وغیرہ میں۔

قال الحافظ العينيؒ: فان قلت هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت قال ابن القاسمؒ لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين الخ (عمدۃ القاری ۴/۱۷۹)۔

وقف کے لئے قرض: وقف کی ضرورتوں کے لئے قرض لینا جائز ہے۔

شرائط: دو شرطوں کے ساتھ۔ (۱) قاضی (اوقاف کے منتظمین مسلم دیانتدار) کی اجازت ہو، (۲) وقف کو کرایہ پر دے کر اس سے کرایہ حاصل کرنا اور اس کی اجرت کو ضرورتوں میں استعمال کرنا بہت دشوار ہو۔

لا تجوز الاستدانة على الوقف إلا إذا احتيج إليها لمصلحة الوقف كتعمير و شراء بذر فيجوز بشرطين. الأول إذن القاضي. والثاني أن لا تيسر إجارة العين والصرف من أجرتها (در مختار ۶/۶۵۷)

قرض کی شکلیں اور ان کا حکم:

(۱) وقف کے پاس آمدنی ہو اور متولی اپنے پاس سے وقف کی ضرورتوں میں صرف کردے بغیر منتظم وقف کی اجازت کے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ متولی اپنی خرچ کردہ رقم خود سے لے سکتا ہے دیانۃً، البتہ اگر منتظمین سے مطالبہ کرے گا تو گواہوں کے قیام کے بغیر نہ ملے گی۔

إن الناظر إذا أنفق من مال نفسه على عمارة الوقف ليرجع في غلته له الرجوع ديانة لكن لو ادعى ذلك لايقبل منه بل لا بد أن يشهد أنه أنفق (شامی ۶/۶۵۸)

(۲) وقف میں ٹھیکہ پر تعمیر کروانا۔ مثلاً وقف کے پاس آمدنی نہ ہو اور وقف کو تعمیر کی ضرورت ہو تو متولی یا منتظمین وقف کسی بلڈر سے یہ معاملہ کرلیں کہ اس زمین پر تعمیر کردو، اس کے عوض میں تم کو اتنی رقم ملے گی۔ یا جو مصارف آئیں گے وہ وقف دے گا اور بطور اجرت کے اتنی رقم مزید ملے گی، یا تعمیر ہو جانے کے بعد اس کا اتنا حصہ آپ کو بطور ملک کے ملے گا، یعنی آپ اتنے حصہ کے مالک ہوں گے۔

حکم: مذکورہ صورتوں میں تعمیر پر آنے والے مصارف کے بقدر بلڈر کا وقف مقروض ہوگا اور جتنا خرچ آیا ہے وقف کے ذمہ قرض ہوگا، یا متعینہ رقم قرض ہوگی۔

اور معاملہ میں تعمیر کے بعد بعض حصہ وقف کے اجارہ یا بیع کی شرط لگانا شرط فاسد ہوگی جو قرض میں باطل ہو جاتی ہے، لہذا بیع واجارہ کی شرط غیر معتبر ہوگی۔ اور شرط مذکور کی بنا پر بلڈر کو اجارہ یا بیع کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا اور مطالبہ ناجائز و حرام ہوگا۔ "کل قرض جر نفعا فهو ربا" (الحدیث)، بعض حصہ کو بیع کی شرط کیساتھ بلڈر سے معاملہ کرنا ناجائز و حرام ہے کیونکہ اس میں بیع وقف ہے جو ناجائز ہے، اور اگر صرف عمارت کی بیع مانی جائے کہ جب تک اس حصہ کی عمارت موجود رہے گی بلڈر کو اس میں ہر طرح کے تصرفات کا حق ہوگا تو اجرت قفیز طحان کی قبیل سے ہوگی۔

دفع أرضه ليغرس شجرا على أن تكون الأرض والشجر بينهما نصفين لم يجز والشجر لرب الأرض وعليه قيمة الشجر (ہندیہ ۵/۴۴۵)

بیع البعض لحفظ الکل: وقف کے بعض حصہ کو یا کسی وقف پر موقوفہ وقف کو پورے وقف کی حفاظت کے لئے فروخت کرنا جائز ہے۔ یعنی کوئی وقف منہدم ہونے کے قریب ہو یا منہدم ہو گیا ہو یا معطل ہو گیا ہو اور اس کی تعمیر اور اس کی حفاظت کا کوئی طریقہ نہ ہو سوائے بعض حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے تعمیر و تحفظ کیا جائے، نہ اجارہ پر اٹھ سکے نہ قرض مل سکے تو بقدر ضرورت وقف کو فروخت کرنا جائز ہے۔

فی الخيرية إن أمكن عمارة المسجد بغلتها شيئاً فشيئاً ولا يخشى انهدام المسجد يجب عمارته منها وان لم يمكن تباع و يعمر المسجد من ثمنها قال فی التتارخانية نقلا عن فتاوی النسفی سئل عن أهل محلة باعوا وقف المسجد لأجل العمارة قال يجوز بأمر القاضی وغيره . هو موافق للقاعدة المشهورة إذ اجتمع ضرران قدم أخفهما ولا نعلم أحدا من علمائنا خالف فی هذه المسئلة لاسيما الواقف لهما متحدان (فتاوی خیریہ ۱۲۹/، حاشیہ البحر منحۃ الخالق ۵/ ۲۲۰)

بیع البعض لمصالح الوقف: وقف کے بعض حصہ کو، موقوفہ جائداد وغیرہ کو وقف کی مصلحت یعنی توسیع، آمدنی میں اضافہ وغیرہ کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں۔

قال الرملی أقول قال فی البزازية بيع عقار المسجد لمصلحته لا يجوز (منحۃ الخالق ۵/ ۲۲۱)

معطلہ مقبرہ: وہ قبرستان جو آبادی کے اندر آگئے ہیں اوران پر دفن کا سلسلہ موقوف ہو خواہ حکومت کے پابندی لگانے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے، جب قبرستان میں دفن کا سلسلہ بالکل ختم ہو جائے تو اس کا حکم انقطاع انتفاع بالکلیہ کا حکم ہے، یعنی حضرت امام ابویوسفؒ کے مفتی بہ قول کے مطابق اس کے بدلہ دوسرا قبرستان قائم کردیا جائے۔

وعن الثانی ينقل إلی مسجد آخر بإذن القاضی و مثله حشيش المسجد و كذا الرباط إلی أقرب مسجد أو رباط الخ (در مختار ۶/ ۵۴۹)

اور اگر اس کا بدلنا متعذر ہو تو اس قبرستان میں مسجد ومدرسہ اور دینی تعلیمی وتبلیغی مرکز قائم کردئے جائیں۔ البتہ تمام قبروں کو برابر کردیا جائے اور ان کو کھودا نہ جائے، اور بنیاد کی کھدائی میں جو ہڈیاں وغیرہ نکلیں ان کو احترام سے کسی جگہ دفن کردے۔ اور مقبرہ کی زمین پر بیت الخلاء، استنجاخانہ وغیرہ اگر قبریں نئی ہوں تو قائم نہ کیا جائے۔

فی العمدة أن المقابر وقف من أوقاف المسلمين. والمسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (عمدۃ ۵/ ۱۷۹) وحمل النهی علی الجلوس لقضاء الحاجة يراد به نهی التحريم وماذكره غيره من كراهة الوطأ الخ، يراد به كراهة التنزيه فی غير قضاء الحاجة وتنتفی الكراهة مطلقا إذا كان الجلوس للقراءة الخ (شامی ۱/ ۶۰۶)

قبرستان کی مسجد:

مقبرہ میں جو مسجد موجود ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ زمین قبرستان کی ہو بعد میں ضرورتاً مسجد تعمیر کرلی گئی ہو۔ (۲) وہ زمین قبرستان کی نہ ہو بلکہ مسجد کی ہو جس کو مسجد بنایا گیا ہو۔

پہلی قسم کا حکم: جو مسجد قبرستان کی زمین میں ضرورتاً تعمیر کی گئی ہو، اور اب اس کی توسیع کی سخت ضرورت ہو تو وہ قبرستان جس میں تدفین جاری ہے اگر فی الحال گنجائش توسیع کی ہو تو توسیع جائز ہے، اور جب قبرستان تنگ ہو جائے گا تو پوری مسجد کو قبرستان بنا دیا جائے گا، یا جتنے کی ضرورت ہو اتنا قبرستان بنادیا جائے گا۔

وقد قال فی جامع الفصولين: المسجد الذی يتخذ من جانب الطريق لا يكون له حكم المسجد بل هو طريق بدليل أنه لو رفع حوانطه كما كان قبله قلت الظاهر أن هذا فی مسجد جعل كله من الطريق (۶/ ۵۷۵)

دوسری قسم کا حکم: اگر وہ مسجد قبرستان کی زمین پر نہ ہو بلکہ شروع سے مسجد ہی بنائی گئی ہو تو وہ قبرستان جس میں تدفین جاری ہے اس میں توسیع اسی وقت جائز ہے جب کہ فی الحال اور فی المآل قبرستان میں اتنی گنجائش ہو کہ توسیع کے بعد بھی قبرستان تنگ نہ ہو اور آئندہ مسلمانوں کو توسیع سے ضرر لاحق نہ ہو۔

جعل شئ ای جعل البانی شیئاً من الطریق مسجدا لضیقه ولم یضر بالمارین جاز لأنها للمسلمین (۵۷۴/۶)

تنبیہ: علامہ شامیؒ کے ذکر کردہ مسئلہ سے قبرستان کی مساجد دو طرح کی ہوتی ہیں، اسی وجہ سے توسیع کے حکم میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے کہ جب پوری مسجد قبرستان ہو اور بعد میں مسجد بنائی گئی ہو تو ایسی صورت میں وہ حصہ مسجد اسی وقت تک رہے گا جب تک مسجد کی عمارت موجود ہو۔ اور اگر پہلے سے مسجد موجود ہو قبرستان کی زمین پر نہ ہو تو ایسی صورت میں توسیع شدہ زمین کو اصل کے تابع مان کر مسجد شرعی مان لیں گے، جو کبھی مسجدیت سے نکل نہ سکے گی، تو ایسی صورت میں توسیع کے لئے شرط ہوگی کہ وہ حصہ فی الحال اور فی المآل فاضل ہو لیکن تقریرات رافعی کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو توسیع ہوگی وہ مسجد شرعی نہ بنے گی، البتہ جو کراہت ہے راستہ وغیرہ میں نماز ادا کرنے کی وہ کراہت ختم ہو جائے گی، لہذا جب دیواریں اٹھادی جائیں گی تو وہ حصہ اپنی اصلی حالت میں لوٹ آئے گا، خواہ پوری مسجد وراستہ قبرستان میں ہو یا صرف توسیع شدہ حصہ قبرستان وراستہ ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔
(تقریرات رافعی ۳۸۳، ۳۸۴)

قوله قلت الظاهر ان هذا فی مسجد جعل كله من الطريق الخ. الظاهر ان حكم المسجدية فی صورتی جعل كل الطريق مسجدا أو بعضه متحققة فيهما بدون فرق بين المسئلتين لكن ما دامت حوائطه قائمة والا عاد طريقا فيهما كما ياتی ما يفيد هذا مما كتبناه عقب هذا (تقریر ۸۳)

احکام مساجد:

چونکہ مساجد کے احکام دوسرے اوقاف کے احکام سے الگ ہیں، مثلاً امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسجد کے لئے دوسرے اوقاف کی طرح قاضی کا فیصلہ ضروری نہیں، اور امام محمدؒ کے نزدیک تسلیم الی المتولی کی شرط نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں شیوع مانع مسجدیت ہے جب کہ دوسرے اوقاف میں شیوع مانع وقف نہیں، اس لئے ہم مسجد کے احکام کو الگ ذکر کر رہے ہیں۔

اعلم أن المسجد يخالف سائر الأوقاف فی عدم اشتراط التسليم إلى المتولی عند محمد وفی منع الشيوع عند أبی يوسف وفی خروجه من ملك الواقف عند الإمام وإن لم يحكم به حاكم كما فی الدرر وغيره (شامی ۵۴۴)

سب سے پہلے مسجد ہونے کی شرائط ذکر کی جائیں گی کہ مسجد ہونے کے لئے کیا شرطیں ہیں اور علماء کا اختلاف کیا ہے اور قول مفتی بہ کیا ہے۔

شرائط:

۱۔ مسجد ہونے کے لئے تمام علماء کے نزدیک سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ بانی مسجد حصہ مسجد کو اپنی ملکیت کی دوسری زمینوں سے بالکل الگ کردے اور حدود مسجد کی حد بندی کردے کہ میں نے اتنے حصہ زمین ومکان کو مسجد بنایا، اگر حد بندی نہ کرے جس کی وجہ سے مسجد کا حصہ اس کی اور زمینوں سے الگ وممتاز نہ ہو تو مسجد نہ بنے گی۔

إن المسجد لو كان مشاعا لايصح اجماعا (شامی ۵/۵۴۵)

۲۔ حضرات طرفین کے نزدیک دوسری شرط یہ ہے کہ جس حصہ کو مسجد کے لئے وقف کرے اس میں نماز ادا کرلی جائے، کیونکہ حضرات طرفین کے نزدیک وقف کو متولی کے حوالہ کردینا ضروری ہے اور وقف مسجد میں نماز ادا کرلینا تسلیم الی التولی کے قائم مقام ہے۔

أما الصلوة فيه فلأنه لابد من التسليم عند أبي حنيفةؒ و محمد فيشترط تسليم نوعه و ذلك في المسجد بالصلاة فيه أو لأنه تعذر القبض يقام تحقق المقصود مقامه (بحر ۲۴۸/۶)

البتہ ایک شخص کا نماز ادا کرلینا کافی ہے یا اذان وجماعت کے ساتھ نماز کا ادا کرنا مسجد ہونے کے لئے ضروری ہے۔ اس میں دو روایتیں ہیں اور دونوں ظاہر الروایہ ہیں:

۱۔ حضرات طرفین نے مسجد ہونے کے لئے نماز باجماعت کی شرط لگائی ہے۔

شرط الإمام و محمد الصلوة بجماعة (در مختار ۵۴۵/۵، ۵۴۶)

اشتراط الجماعة لأنها مقصودة من المسجد ولذا شرط أن تكون جهرا بأذان وإقامة وإلا لم يصر مسجداً قال الزيلعي وهذه الرواية الصحيحة. إلى قوله و صححه في الخانية أيضا و عليه اقتصر في كافي الحاكم فهو ظاهر الرواية أيضا (شامی ۵۴۶/۶)

۲۔ حضرات طرفین کی دوسری روایت یہ ہے کہ نماز باجماعت مسجد ہونے کے لئے ضروری نہیں بلکہ واقف مسجد کے علاوہ کسی ایک شخص کا نماز ادا کرلینا کافی ہے۔

وقيل يكفي واحد و جعله في الخانية ظاهر الرواية (در مختار ۵۴۶/۶)

في الحاشية وعليه المتون كالكنز والملتقى و غيرهما.

ولو صلى الواقف وحده فالصحيح انه لا يكفي .لأن الصلوة انما تشترط لأجل القبض للعامة و قبضه لنفسه لا يكفي فكذا صلاته فتح واسعاف (شامی ۵۴۶/۶)

نوٹ: مسجد کے لئے وقف کردہ زمین میں اگر نماز ادا کی جائے بلکہ وہ زمین متولی کے حوالہ کردی جائے تو کیا وہ زمین مسجد ہو جائے گی یا نہیں اس مسئلہ میں بھی حضرات علماء سے دو روایتیں منقول ہیں:

ا۔ اگر مسجد کے لئے وقف کردہ زمین متولی یا عامۃ المسلمین کے قبضہ میں دے دی جائے تو اس زمین کے مسجد ہونے کے لئے نماز کی ادائیگی ضروری نہیں بلکہ متولی کے حوالہ کردینے سے مسجد بن گئی اور اسی روایت کو اکثر علماء نے ترجیح دیا ہے۔

علمت انه بالتسليم إلى المتولي يكون مسجدا دونها. اى دون الصلاة هذا هو الأصح كما في الزيلعي وغيره وفي الفتح وهو الاوجه لان بالتسليم إليه يحصل تمام التسليم اليه تعالى و كذا لو سلمه إلى القاضي أو نائبه كما في الأسعاف (شامی ۶/۵۴۶)۔

دوسری روایت یہ ہے کہ مسجد کے لئے وقف کردہ زمین متولی یا عامۃ المسلمین کے سپرد کرنے سے مسجد نہ بنے گی بلکہ اس کے مسجد ہونے کے لئے نماز کا ادا کرنا شرط ہے۔

كما في الشامية: وقيل لا واختاره السرخسي (شامی ۶/۵۴۶)

حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک مسجد کے لئے زمین الگ کرنے کے بعد صرف اتنا کہنے سے بھی مسجد ہو جائے گی کہ میں نے اسکو مسجد بنایا۔ ان کے نزدیک نہ تو نماز کی ادائیگی مسجد ہونے کے لئے شرط ہے اور نہ ہی متولی و عامۃ المسلمین کے سپرد کرنا ضروری ہے۔ صرف اتنا کہہ کر زمین کو الگ کر دینے سے مسجد ہو جائے گی۔

وبقوله جعلته مسجداً عند الثاني (در مختار ۶/۵۴۵)

قول راجح: حضرت امام ابویوسفؒ کا قول راجح ہے، لہذا کسی زمین کے مسجد ہونے کے لئے نماز کی ادائیگی یا تسلیم الی المتولی و عامۃ المسلمین ضروری نہیں بلکہ صرف مسجد کی حدبندی کر دینے سے مسجد ہو جائے گی۔

قدم في التنوير والدرر والوقاية وغيرها قول أبي يوسفؒ و علمت أرجحيته في الوقف والقضاء (شامی ۶/۵۴۶)

عیدگاہ و جنازہ گاہ: عیدگاہ اور جنازہ گاہ کے سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جن کو مختصر طور پر ذکر کیا جارہا ہے:

جنازہ گاہ: جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے اگر کوئی شخص زمین وقف کر دے تو اس کا حکم مسجد کا حکم ہے، واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی جس کی وجہ سے اس کی بیع اور اس کی وراثت کوئی چیز نافذ نہیں ہوگی۔

في الدر: ويزول ملكه عن المسجد والمصلى قوله والمصلى شمل مصلى الجنازة و مصلى العيد قال بعضهم يكون مسجدا حتى إذا مات لا يورث عنه وقال بعضهم هذا في مصلى الجنازة (شامی ۶/۵۴۵)

عیدگاہ: عیدگاہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ عیدگاہ کے لئے اگر کوئی شخص زمین وقف کرے تو وہ واقف کی ملکیت سے نکلے گی یا نہیں اس کے احکام میں چند اقوال ہیں:

ا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی، اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے۔ اس میں نہ تو وراثت جاری ہوگی اور نہ ہی اس کی بیع جائز ہوگی اور اس میں حائضہ و نفساء کا دخول بھی حرام ہوگا اور یہ مسجد ہوگی۔

۲۔ اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ عیدگاہ کو مسجد کا حکم بالکل نہیں دیا جائے گا، البتہ امام کی اقتداء کے سلسلہ میں مسجد کے حکم

میں ہوگی کہ اگر عید کی نماز میں عید گاہ کے باہر کوئی شخص امام کی اقتداء کرلے اور صفوں کے اور مقتدی کے درمیان اگرچہ فصل ہو اقتداء درست ہوجائے گی اور باہر سے اقتداء کرنے والے کی نماز صحیح ہوجائے گی۔

أما مصلى العيد لا يكون مسجدا مطلقا وإنما يعطى له حكم المسجد فى صحة الاقتداء بالإمام وإن كان منفصلا عن الصفوف وفيما سوى ذلك فليس له حكم المسجد(شامی ۶/۵۴۵)

وقال بعضهم يكون مسجدا حال أداء الصلوة لا غير وهو والجبانة سواء(شامی ۶/۵۴۵)

حکم: اس اختلاف کی بناپر حضرات علماء نے فرمایا کہ مسجد کا حکم احتیاطا دیا جائے گا کہ اس سے جنبی اور حائضہ کو دور رکھا جائے گا۔

ويجنب هذا المكان عما يجنب عنه المساجد احتياطا الخ(خانية واسعاف)(شامی ۶/۵۴۵)

قول راجح: علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ قول اول یعنی عید گاہ اور جنازہ گاہ کا مسجد ہونا راجح ہے کیونکہ قاضی خاں قول اشہر کو مقدم رکھتے ہیں اور قول اول مسجد ہونے کا ہے۔

والظاهر ترجيح الأول لأنه فى الخانية يقدم الأشهر (شامی ۶/۵۴۵)

☆☆☆

مفتی عبید اللہ اسعدی صاحب

جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ، یوپی

اوقاف سے متعلق سوالات کا حاصل یہ ہے کہ اوقاف اور ان کی آمدنی کو کیسے بامقصد بنایا جائے جب کہ بہت سے اوقاف تعطل کا شکار ہیں اور بہت سے کار آمد ہیں مگر ان کا نفع محدود ہے جب کہ اس میں وسعت ممکن ہے یا حالات کا تقاضا وسعت دینے کا ہے۔

اوقاف کا معاملہ یہ ہے کہ اوقاف ابدیت ودوام کے حامل ہوتے ہیں، بلکہ اس کے بغیر ان کو صحیح قرار نہیں دیا جاتا اور اسی لئے وقف اصلاً انہیں اشیاء کا ہوتا ہے جن کے لئے طبعی طور پر دوام واستقلال ہوتا ہے، بایں معنی کہ ایک لا محدود مدت تک ان کا بقا سوچا جاتا ہے اور سوچا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ وقف اصلاً زمین، کھیت، باغ ومکان وغیرہ کا ہوتا ہے۔

اور اسی ابدیت ودوام کی مقصدیت واہمیت کی وجہ سے جب کوئی وقف صحیح قرار پاتا ہے تو قیامت تک اس کی اس حیثیت کو ختم نہیں کیا جا سکتا، واقف یا اس کے ورثہ اپنے ارادے ونیت سے رجوع نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کی خرید وفروخت کا حق رکھتے ہیں اسی لئے اوقاف کے لئے اس کے مطابق احکام جاری کئے گئے ہیں اور کئے جاتے ہیں۔

ان کی حفاظت وبقاء کی تدبیر کی جاتی ہے، اس کے لئے مرمت وتعمیر کی راہ بھی اپنائی جاتی ہے اور دوسری صورتیں بھی، وقف کی آمدنی کو اولاً حفاظت کی مد میں صرف کرنے کا حکم ہے، پھر خیر کے مصارف میں جو اسی کے لئے متعین کئے گئے ہوں، اور اگر حفاظت کا کام خود وقف کی آمدنی سے ممکن ہو تو اس کے لئے مختلف مناسب صورتیں تجویز کی گئی ہیں کہ ان سے کام لے کر وقف کی حفاظت بھی ہوتی ہے اور ان کا کام ونفع بھی جاری رہتا ہے۔

وقف کا حاصل یہ نہیں کہ شئ موقوف کو آدمی اپنی ملک سے نکال کر بیکار چھوڑ دے جیسے جانور چھوڑے جاتے ہیں، بلکہ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس کا انتفاع اب ذاتی وشخصی نہ رہ کر عام قومی اور ملی ہو گیا، اور اب تک آدمی اس سے اپنی دنیا کی ضرورت کی تکمیل کر رہا تھا مگر وقف کر کے وہ اپنی آخرت کو سنوارتا ہے، خواہ وقف جس چیز کا اور جس شکل وصورت میں ہو۔

بہر حال وقف اور اس کے احکام کا حاصل ومفاد یہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوقاف جب تک اپنے مناسب حال پر ہیں اور واقف کے مقصد وشرط کے مطابق فائدہ دے رہے ہیں، خواہ کم ہو یا زیادہ اور کام آرہے ہیں تو ان سے تعرض اور ان میں تصرف ایک بیجا عمل ہے۔ لیکن جب ان کی صورت حال یہ ہو جائے کہ وہ مقصد کے مطابق کام بالکل بند کر دیں، یا برائے نام ان کا کام رہ جائے، جس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں، اور حالت یہ ہو جائے کہ موجودہ صورت حال کے باقی رہتے ہوئے کچھ کرنا، اور ان سے کسی طرح کا انتفاع یا مناسب انتفاع ممکن ومتصور نہ ہو تو ان کے کام کو جاری رکھنے وکرنے کے لئے کوئی مناسب شکل واقدام کا اختیار کرنا، تاکہ وقف اور اس کا مقصد زندہ وتابندہ رہے، اس کا کیا حکم ہے؟

اس کے تحت کئی صورتیں آتی ہیں:

۱۔ معطل وبیکار وقف کے حق میں تصرف، ۲۔ کار آمد مگر ناقص کے حق میں اور مزید آمدنی کے لئے تصرف، ۳۔ مصارف میں توسیع واقف کی طے شدہ صورتوں ومواقع میں وسعت واضافہ کر کے، جیسے ایک مقصد کے لئے وقف زمین کا دوسرے کسی مقصد

میں بھی استعمال کرنا، یا آمدنی کا دوسرے مقاصد میں صرف کرنا۔

فقہاء کی تصریحات جہاں وقف کی اس حیثیت کو واضح و نمایاں کرتی ہیں جس کا تذکرہ پیچھے کیا گیا ہے، وہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورت حال میں مناسب اقدام وانتظام کی اجازت ہے۔ اور یہی بات معقول بھی ہے اس لئے کہ وقف کی حفاظت اور اس کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس اقدام وانتظام میں وقف کی جگہ کا تبادلہ جگہ کے بدلہ جگہ کا معاملہ کرکے یا خرید و فروخت کے ذریعہ، یہ سب شامل ہے، فقہاء نے صراحۃً اس کی اجازت دی ہے، اسی طرح زائد جگہ و آمدنی کو ان دوسرے مواقع و مصارف میں استعمال کرنا جن پر وقف کیا جاتا ہے اور جو عامۃ المسلمین واسلام کے مصالح سے تعلق رکھتے ہیں، اس کی بھی ضرورت میں اجازت ہے، ضرورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جگہ بالکل خالی پڑی ہے، نہ اب تک اصل مصرف میں لگی نہ آئندہ عرصہ دراز تک متوقع ہے۔ اور یہ بھی کہ جگہ تو خالی نہیں پڑی، کسی شکل میں مستعمل ہے یا آئندہ جلد نوبت آسکتی ہے مگر دوسری ضرورت درپیش ہے جو اہم ہے، جیسے مسجد کی فاضل وزائد زمین پر مدرسہ قائم کرنا، یا قبرستان کی زمین پر مسجد یا مدرسہ کی تعمیر۔

کبھی آمدنی مصارف و مقاصد سے فاضل ہی نہیں بلکہ بہت زیادہ ہوتی ہے کہ جس کی طویل عرصہ تک حفاظت مسئلہ ہوتی ہے، نہ تو یہ سوچا جاسکتا ہے کہ شئ موقوف کی کسی ضرورت میں اس کو جلد کام میں لیا جاسکے گا اور نہ کسی جگہ کسی صورت میں رکھنے پر اطمینان کیا جاسکتا ہے، نہ عوام نہ حکام، کسی کی طرف سے اطمینان نہیں ہوتا، اور دوسری طرف اسی قبیل کے اوقاف مصارف کے محتاج ہوتے ہیں اور ان کے لئے مناسب آمدنی نہیں پائی جاتی، یا دوسرے دینی و ملی کام متقاضی ہوتے ہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔

متدین اور قابل اعتماد متولیان وذمہ داران اگر ضرورت کا احساس کرکے اس طرح کا کوئی اقدام کریں اور کوئی صورت اختیار کریں تو قدیم فقہاء اور ماضی قریب وحال کے بعض فقہاء کی صراحتوں کے مطابق اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے جب کہ مقصد بیجا تصرف واستعمال نہیں بلکہ بیجا دست برد سے بچانا، اور واقف کے مقاصد کی حفاظت کے ساتھ ان کو وسعت دینا، اور اس طرح اس کے لئے ذخیرہ آخرت وثواب کا بڑھانا مقصود ہو۔

ذیل میں فقہاء کی کچھ عبارات وفتاوی ذکر کی جارہی ہیں جن کی روشنی میں احقر نے یہ رائے قائم کی ہے۔

وقف کے احکام: الأصح انه عنده جائز غير لازم كالعارية و عندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب...... وعليه الفتوى (درمختار ۴/۳۳۸،۳۳۹)

صحیح یہ ہے کہ وقف امام صاحب کے نزدیک جائز تو ہے مگر لازم نہیں مانند عاریت، اور صاحبین کے نزدیک وقف شئ موقوف کا اللہ کی ملک میں کردینا ہے اور اس کی منفعت کا جہاں طے کرے وہاں صرف کرنا...... اور فتوی اسی قول پر ہے (یعنی صاحبین کے قول پر)۔

في الدرر: الصحيح ان التابيد شرط اتفاقا لكن ذكره ليس بشرط عند أبي يوسف و عند محمد لابد أن

ينص عليه...... وأما التابيد معنى فشرط اتفاقا على الصحيح و قد نص عليه محققو المشائخ (شامی ۴/۳۴۹)

صحیح یہ ہے کہ وقف میں تابید کا پہلو حضرات صاحبین کے نزدیک شرط ہے ہاں صراحت کرنے میں دونوں کے درمیان اختلاف ہے، مگر معنیً اس پر دونوں متفق ہیں۔

فإذا تم لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن (درمختار ۴/۳۵۲)

وقف جب صحیح و مکمل ہو جائے تو نہ اس کا کوئی مالک رہ جائے گا اور نہ کسی کو اس کا مالک بنایا جائے گا، نہ اس کو عاریت میں دیا جا سکتا ہے اور نہ رہن میں۔

وقف کی حفاظت اور تعمیر و مرمت:

ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد و مدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج و البساط كذلك إلى آخر المصالح...... وإن لم يشترطه الواقف...... و تقطع الجهات للعمارة إن لم يخف ضرر (درمختار ۴/۳۶۷،۳۶۸)

اور وقف کی آمدنی کو شئ موقوف کی تعمیر میں لگائیں گے، پھر جو چیز اس قبیل کی ہو، جیسے مسجد کا امام اور مدرسہ کا مدرس وغیرہ ان کو بقدر ضرورت دیا جائے گا، پھر روشنی و فرش کے انتظام میں خواہ واقف نے شرط میں ذکر کیا ہو یا نہیں، اور تعمیر کی ضرورت کی وجہ سے دیگر چیزوں (مثلاً اشخاص) پر خرچ کو روک دیں گے (الا یہ کہ کوئی اہم جہت و مد ہو)۔

حتی کہ وقف اگر تعمیر و مرمت کا محتاج ہو تو لکھا ہے کہ یہ معاملہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کے سپرد مال موقوف کو کر دیں کہ وہ اپنے خرچ سے بقدر ضرورت اس کی تعمیر و مرمت کرادے، اور پھر اس کی آمدنی سے اس پیسے کو وصول کرتا رہے۔

اور اگر وقف کسی معین شخص پر ہے، اور تعمیر کی ضرورت ہے اور آمدنی کی کوئی جہت نہیں ہے تو جس کے لئے وقف ہے وہ اپنے ذاتی سرمایہ سے تعمیر کرائے (شامی ۴/۳۶۷)۔

جو عمارت محض سکونت و رہائش کے لئے وقف کی گئی ہو تو جن لوگوں کے لئے ہے وہ اپنے مال سے اس کا کام کرائیں، اور اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں یا وسعت نہ رکھتے ہوں تو حاکم اس کو کرائے پر دے کر اس کی تعمیر و مرمت کا کوئی نظام بنائے اور بعد میں اس کو مستحقین کے سپرد کرے (درمختار ۴/۳۷۳)

علامہ شامی نے کافی گفتگو کے بعد اخیر میں فرمایا ہے:

والحاصل لما تقرر و تحرر انه يبدأ بالتعمير الضروری حتى لو استغرق جميع الغلة صرفت كلها اليه ولايعطى أحد ولو إماما ومؤذنا فإن فضل عن التعمير شئ يعطى ماكان أقرب اليه مما فى قطعه ضرر بين و كذا لو كان التعمير غير ضروری بأن كان لا يؤدی تركه إلى خراب العين (شامی ۴/۳۷۰)

اور سابق تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ آمدنی کو ضروری تعمیر میں پہلے لگایا جائے حتی کہ اگر ضروری تعمیر ساری آمدنی کھا

جائے توسب لگادیں گے اور کسی کو نہ دیں گے نہ امام کو نہ مؤذن کو، جب بچے گا تو قریبی مواقع میں صرف کیا جائے گا کہ جہاں صرف نہ کرنے میں کھلا ہوا نقصان ہو، اسی طرح جو تعمیر ضروری نہ ہو اس میں صرف نہیں کریں گے، مثلاً وہ حصہ کہ جس کو چھوڑ دیں تو اس کی وجہ سے پورا وقف خراب وبرباد نہ ہو۔

وقف کا تبادلہ:

اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه، الأول: أن يشرطه الواقف لنفسه أولغيره أو لنفسه وغيره فالا ستبدال فيه جائز على الصحيح و قيل اتفاقا۔

والثاني: أن لايشرطه سواء شرط عدمه أوسكت لكن صار بحيث لا ينتفع با لكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلا أولا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضى ورأيه المصلحة فيه.

والثالث: أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار (شامی ۴/ ۳۸۴)

استبدال کی تین صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ واقف اس کی اپنے لئے یا غیر کے لئے یا اپنے اور غیر دونوں کے لئے شرط لگائے تو قول صحیح پر بلکہ کہا جاتا ہے کہ بالاتفاق جائز ہے۔

دوسری یہ کہ شرط نہ لگائے خواہ خاموش رہے یا یہ کہ منع کی شرط لگائے، اور وقف کا حال یہ ہو جائے کہ اس سے کسی طرح فائدہ نہ اٹھایا جاسکے، یا یہ کہ اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں تو بھی استبدال قول اصح پر جائز ہے۔ بشرطیکہ قاضی مصلحت سمجھے اور اجازت دے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ شرط تو نہیں، اور نہ ہی وقف معطل وبیکار ہے بلکہ نفع بخش ہے اور تبادلہ وبدلہ میں بہتری دکھائی دیتی ہے تو قول اصح پر استبدال جائز نہیں ہے۔

اس سلسلہ کی شرطوں کی بابت گفتگو کرتے ہوئے شامی فرماتے ہیں:

لا يخفى أن هذه الشروط فيما لم يشترط الواقف استبداله لنفسه أو غيره فلو شرطه لا يلزم خروجه عن الانتفاع ولا مباشرة القاضى له ولا عدم ريع يعمر به كما لايخفى فاغتنم هذا التحرير (شامی ۴/ ۳۸۶، ۳۸۷)

مخفی نہ رہے کہ یہ شرطیں اس وقت ہیں جب کہ واقف استبدال کی شرط نہ لگائے، اور اگر اس کی طرف سے اس شرط کی صراحت ہے تو جواز کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وقف انتفاع سے نکل جائے اور نہ قاضی کی اجازت اور نہ آمدنی نہ ہونے کی کہ جس سے اس کو آباد کیا جاسکے۔

ایک موقع پر شامی نے وقف کے اندر اس انداز کے بعض تصرفات کے لئے لکھا ہے کہ ذمہ دار، محلہ کے اہل صلاح مسلمانوں سے مشورہ کر کے کر سکتا ہے (شامی ۴/ ۳۶۰)

شامی نے علامہ البیری سے نقل کیا ہے: فتح القدیر میں آیا ہے کہ استبدال یا تو استبدال کی شرط کی وجہ سے اور اس کے بعد ہوگا یا اس کے بغیر ہوگا، تو وقف کے انتفاع کی حد سے نکل جانے کی وجہ سے ہوگا، تو اس میں اختلاف نہیں کیا جاسکتا کہ یہ جائز و درست ہے۔ اور اگر نہ تو شرط استبدال موجود ہے اور نہ ہی یہ بات کہ وقف سے انتفاع باقی نہ رہ جائے بلکہ بات صرف یہ ہے کہ اس سے اچھی آمدنی کی جگہ وذریعہ اس کے بدلے میں مل رہا ہے تو اس کو جائز نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ وقف کا اپنے حال پر باقی رہنا ضروری ہے، تبادلہ کے مجوز دو ہی ہو سکتے ہیں، ایک شرط، دوسری ضرورت، اور یہاں دونوں میں سے کوئی موجود نہیں ہے اس لئے کہ زیادتی ضروری نہیں ہے، اصل کو باقی ومحفوظ رہنا چاہئے (شامی ۴/۳۸۸)

جو وقف آباد وکار آمد ہو، محض احسن وانفع حاصل کرنے کی بات ہو تو اس کو عموماً منع لکھا ہے۔ مگر بعض حضرات نے بشرط مصلحت اس کی گنجائش ذکر کی ہے اس بابت قاری الہدایہ کا فتویٰ معروف ہے (شامی ۴/۳۸۷، ۳۸۸)

ایک وقف اور آمدنی کا دوسری جگہ صرف:

پچھلے نمبر کے تحت شامی کی جو عبارت ذکر کی گئی ہے اس میں اصل شئ موقوف کے نقل کرنے کے ساتھ اس کے اجزاء و ٹوٹ پھوٹ کو دوسری جگہ استعمال کرنے و منتقل کرنے کی بات بار بار آئی ہے۔ شامی کی نقل کے مطابق بہت سے حضرات نے اس کا فتویٰ دیا ہے، در مختار وغیرہ کی عبارت ہے:

ولو خرب ما حوله و استغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى.... وعن الثانى ينقل إلى مسجد آخر باذن القاضى و مثله... حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط و البئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه، تفريع على قولهما (در مختار ۴/۳۵۸، ۳۵۹)

مسجد کا اطراف اگر غیر آباد ہو جائے اور مسجد سے بے نیازی ہو جائے تو بھی وہ حضرات شیخین کے نزدیک ہمیشہ کے لئے مسجد رہتی ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور امام ابو یوسف کا قول ہے کہ اس کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کر دیا جائے جب کہ قاضی کی اجازت ہو، اسی طرح حکم گھاس وچٹائی کا بھی ہے۔ اور سرائے وکنواں وغیرہ جب کہ بیکار ہو جائے تو ان سب کا وقف قریب کی مسجد یا سرائے یا کنویں وغیرہ میں صرف کیا جائے اور لگایا جائے گا۔

شامی نے لکھا ہے کہ "اسعاف" میں امام ابو یوسف کی دوسری روایت کو ہی اختیار کیا گیا ہے اور اسی کے مطابق خانیہ وغیرہ میں فتاوی آئے ہیں (شامی ۴/۳۵۹)۔

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ وقف کو تبدیل کرنا اس وقت درست ہے جب کہ ویران ہو جائے اور لائق انتفاع نہ رہ جائے خواہ زمین ہو یا عمارت، اور ذخیرہ میں بحوالہ منتقی امام محمد کا قول نقل کیا ہے کہ جب وقف مساکین کے لئے نفع بخش نہ رہ جائے تو قاضی اس کو بیچ کر اس کی جگہ دوسری (زمین ومکان) خرید لے، قاضی کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ہے۔

شامی نے اس بابت بعض مسائل کی تفصیل کے ضمن میں کہا ہے:

يباع النقض بموضعين : عند تعذر عوده و عند خوف هلاكه. (بحر) (شامی ۴/۳۷۷)

وقف کی ٹوٹ پھوٹ وغیرہ کا بیچنا دو صورتوں میں درست ہے، ایک تو یہ کہ اب اس کا استعمال نہ ہو سکتا ہو، دوسرے ضیاع کا اندیشہ ہو۔

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه لأنهما حينئذ كشئ واحد وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا و مدرسة و وقف عليهما أوقافا لا يجوز ذلك (در مختار ۴/۳۶۰)۔

اگر دو وقف ہیں اور واقف اور جہت وقف ایک ہے اور ایک کی آمدنی کم ہو گئی تو حاکم دوسرے وقف کی زائد آمدنی کو اس پر خرچ کرے، اس لئے کہ دونوں کی حیثیت ایک ہے۔ اور اگر واقف دو ہیں یا ایک مگر جہت دو، کہ ایک مسجد ایک مدرسہ، تو ایک کے وقف کا دوسرے کے لئے استعمال درست نہیں ہے۔

نقل في البحر عن الولوالجية: مسجد له أوقاف مختلفة لا بأس للقيم أن يخلط غلتها كلها وان خرب حانوت منها فلا بأس بعمارته من غلة حانوت آخر لأن الكل للمسجد ولو كان مختلفا لأن المعنى يجمعهما (شامی ۴/۳۶۱)۔

ولوالجیہ میں آیا ہے کہ کسی مسجد کے اگر کئی اوقاف ہوں تو نگراں سب کی آمدنی کو باہم ملا سکتا ہے، اور اگر اس کی کوئی دوکان بیکار ہو جائے تو دوسری دوکان کی آمدنی سے اس کی تعمیر میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ سب مسجد کے لئے ہے، الگ ہونے کے باوجود دونوں میں ایک اتحاد واجتماع ہے۔

فتاوی تاتارخانیہ میں فقیہ ابواللیث کا فتوی نقل کیا ہے کہ اگر کسی سرائے تک پہونچنے کے لئے کوئی پل استعمال کیا جاتا ہو اور اس کے بغیر اس کے انتفاع اور اس تک پہونچنا ممکن نہ ہو اور وہ پل ٹوٹ جائے تو سرائے کی آمدنی سے اس پل کو بنایا جا سکتا ہے (تاتارخانیہ ۵/۸۷۷)۔

اسی طرح فقراء پر وقف کی آمدنی وقتی کار خیر میں صرف کی جاسکتی ہے، حتی کہ اس کی وجہ سے وقف کی مرمت وغیرہ مؤخر کی جاسکتی ہے اگر زیادہ نقصان نہ ہو ورنہ فاضل کو صرف کر سکتے ہیں، اسی طرح دیگر اوقاف میں گنجائش ہے، مگر جنس ونوع کا خیال رکھا جائے (تاتارخانیہ ۵/۸۷۸) اس طرح دیگر بعض حضرات سے مسجد کے اوقاف کی آمدنی کے علاوہ دوسرے اوقاف کی آمدنی کو دوسرے مصارف میں لگانے کی اجازت آئی ہے (۵/۸۶۱، ۸۸۰) لیکن امام ابوالقاسم سے مسجد کے اوقاف کی آمدنی کو بالخصوص مسجد کے استغناء وغیرہ کی صورت میں فقراء پر صرف کرنے کی اجازت نقل کی گئی ہے (۵/۸۵۲، ۸۵۴)۔

یہ بعض فقہاء احناف کے اقوال وفتاوی ہیں جو قول ضعیف کی حیثیت رکھتے ہیں جن پر ضرورتاً عمل کی اجازت دیدی جاتی ہے۔

وقف کے طویل اجارے واستفادے کے بعض نظائر:

فقہ حنفی کی کتابوں میں ایسی کئی صورتیں ملتی ہیں جن میں وقف سے مستفید ہونے والا خاص حالات وانداز میں وقف پر خرچ کے بعد ایک طویل مدت تک اس سے استفادہ کا حق رکھتاہے، اگرچہ ان صورتوں میں یہ حکم اتفاقی نہ ہولیکن بہر حال اس کوذکر کیا گیاہےاوراس کو بہت سے حضرات نے اختیار بھی کیاہے، اوران کے لئے اصطلاحات متعین ومستعمل کی گئی ہیں، مثلاً:

۱۔ مرصد: جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک وقف جائداد محتاج تعمیر ومرمت ہوتی ہے اور کوئی سرمایہ اس کے لئے نہیں ہوتا تو ایک آدی اپنا سرمایہ لگا کر اس سے استفادہ کو تیار ہوتاہے اوراس کی وجہ سے وہ بہت معمولی کرایہ دیتاہے، اور یہ سلسلہ اس وقت تک چلتاہے جب تک کہ مدت پوری کرکے، یااوقاف کے ذمہ داروں کی طرف سے رقم اداکر کے حساب نہ ہوجائے۔

۲۔ خلو الحوانیت: یعنی پگڑی کا تذکرہ بھی ان کتابوں میں اسی ضمن میں اوراوقاف کے اجارہ واستفادہ میں آیاہے۔

۳۔ الحکر والمقاطعۃ: وقف زمین کی مالیت کے برابر رقم اداکرنے کے بعد ماہانہ ایک کرایہ دے کر اس سے استفادہ۔ خود دینے والا رہے یادوسرا۔ اس کرایہ میں ردوبدل بھی ہوتا رہتاہے۔

۴۔ الکدک: وقف دوکان یا مکان میں ضرورت کے مطابق اپنے سرمایہ سے تعمیر اور پھر اس کے مطابق اس سے مستقل یا طویل مدت تک استفادہ۔

ان سب صورتوں میں ملکیت نہیں ثابت ہوتی مگر حق استفادہ مستقل یاطویل مدت کے لئے ماناجاتاہے اور کرایہ بھی ادا کیا جاتاہے جو عموماً رواجی کرایہ (اجرت مثل) سے کم ہوتاہے۔

۵۔ کھیتی وغیرہ کی زمین میں بھی اس انداز کی محنت وخرچ کرکے یہ حق حاصل کیا جاتاہے، شامی میں ان مسائل کا تذکرہ مختلف مواقع میں آیاہے، مثلاً (۶/۲۵،۲۶۔ ۴/۳۶۷، ۳۹۱، ۴۰۲، ۴۰۳ و ۵۲۱ تا ۵۲۴ وغیرہ۔ الفقہ الاسلامی ۸/۲۲۸ حاشیہ)۔

فقہ حنبلی کے بعض توسعات:

إن الوقف إذا خرب و تعطلت منافعه كدار انهدمت أو أرض خربت و عادت مواتا ولم تمكن عمارتها... ولا عمارة بعضه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته. وإن لم يمكن الانتفاع بشئ منه بيع جميعه، قال أحمد في رواية أبي داؤد: إذا كان في المسجد خشبتان لهما قيمة جاز بيعهما وصرف ثمنهما عليه..... لأن فيما ذكرنا استبقاء الوقف بمعناه عند تعذر إبقائه بصورته فوجب ذلك.... وظاهر كلام الخرقي أن الوقف إذا بيع فأى شئ اشترى بثمنه مما يرد على أهل الوقف جاز سواء كان من جنسه أوعن غير جنسه لأن المقصود المنفعة لا الجنس لكن تكون المنفعة مصروفة الى المصلحة التي كانت الأولى تصرف فيها لأنه لا يجوز تغيير المصرف مع إمكان المحافظة عليه كما لا يجوز تغيير الوقف بالبيع مع إمكان الانتفاع به..... وما فضل من حصر المسجد وزيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر أو يتصدق من ذلك على فقراء جيرانه وغيرهم... قال المروزي سألت أبا

عبدالله عن بواری المسجد إذا فضل منه الشئ أو الخشبة قال يتصدق به وأرى أنه قد احتج بكسوة البيت إذا تخرقت تصدق بها وقال في موضع آخر كان شيبة يتصدق بخلقان الكعبة.... وروى أن شيبة جاء إلى عائشة فقال: يا أم المومنين إن ثياب الكعبة تكثر عليها فننزعها فنحفر لها آبارًا فندفنها فيها حتى لاتلبسها الحائض والجنب قالت عائشة: بئس ما صنعت ولم تصب، إن ثياب الكعبة إذا نزعت لم يضرها من لبسها من حائض أو جنب ولكن لو بعتها وجعلت ثمنها في سبيل الله والمساكين فكان شيبة يبعث بها إلى اليمن فتباع فيضع ثمنها حيث أمرته عائشة وهذه قصة مثلها ينتشر ولم ينكر فيكون اجماعا ولأنه من مال الله تعالى لم يبق له مصرف فصرف إلى المساكين كالوقف المنقطع (المغنی ۵/۶۳۱، ۶۳۳، ۶۳۵و۶۳۶، حذفاواختصاراً)

وقف جب ویران وبیکار ہو جائے، مثلاً کوئی گھر گر جائے یا زمین بیکار ہو کر بنجر ہو جائے، اور اس کا آباد کرنا ممکن نہ رہ جائے، یا ساری عمارت اس طرح مخدوش ہو جائے کہ اس کی نئی تعمیر اس کے کچھ حصے کو بغیر فروخت کئے ممکن نہ ہو تو باقی کو آباد کرنے کے لئے بعض کی فروخت درست ہے، اور اگر اس کے کسی حصے سے بھی انتفاع ممکن نہ رہ جائے تو کل کا بیچنا درست ہے۔ امام احمد نے ایک روایت میں فرمایا ہے کہ کسی مسجد کی اگر دو لکڑیاں قیمتی ہوں تو ان کو بیچ کر ان کی قیمت مسجد میں صرف کی جائے، ہماری دلیل یہ ہے کہ جب صورتاً وقف کا بقاء ممکن نہ رہا تو معنیً اس کے بقاء کی یہی صورت ہے (لہذا ایسے تصرفات درست ہیں)، وقف کو بیچنے پر جو بھی چیز اس کی قیمت سے خریدی جائے اور اس سے اہل وقف کو فائدہ پہونچایا جائے تو جائز ہے، خواہ اس سے اسی کی جنس کی چیز خریدی جائے یا دوسری، اس لئے کہ مقصود تو منفعت ہے خود جنس وصورت تو مقصود نہیں ہے۔ البتہ یہ منفعت اصل وقف کے محل ومصرف میں لگائی جائے گی، اس لئے کہ جب تک اصل مصرف پر صرف ممکن ہو اس کا بدلنا اسی طرح جائز نہیں جیسے اصل وقف کا بدلنا اور بیچنا جائز نہیں جب کہ اس سے انتفاع ممکن ہو۔

اور مسجد کی چٹائی اور تیل وغیرہ سے جو کچھ بچے اور مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو تو اس کو دوسری مسجد میں صرف کرنا درست ہے، اسی طرح فقراء پر صرف وصدقہ کرنا بھی خواہ مسجد کے پڑوسی ہوں یا نہ ہوں۔ امام احمد سے مسجد کی بوریوں کے متعلق پوچھا گیا کہ اگر کچھ زائد ہو یا لکڑی تو فرمایا کہ اس کو صدقہ کر دیا جائے۔

اور اس کی دلیل ان کے نزدیک بیت اللہ کے غلاف کا معاملہ ہے کہ بیت اللہ کے کلید بردار حضرت شیبہ نے حضرت عائشہؓ سے آکر عرض کیا کہ بیت اللہ کے کپڑے بہت ہو جاتے ہیں تو ہم اس خیال سے کہ اس کو حیض والی عورتیں اور جنبی نہ پہنیں گڑھے کھود کر ان میں دفن کر دیتے ہیں۔ فرمایا کہ تم یہ ٹھیک نہیں کرتے۔ اتار دینے کے بعد جو پہنے حرج نہیں ہے، اگر ایسا کرو کہ بیچ کر قیمت کو فی سبیل اللہ اور مساکین پر صرف کر دیا کرو تو اچھا ہے۔ چنانچہ وہ ان کپڑوں کو یمن بھیج دیا کرتے تھے وہاں وہ بکتے تھے پھر ان کی قیمت حضرت عائشہؓ کے حکم کے مطابق صرف کی جاتی تھی، اور یہ قصہ وہاں چھپنے والا تھا نہیں لیکن کسی نے انکار نہیں کیا، پھر یہ کہ یہ اللہ کا مال ہے جس کا مصرف باقی نہیں رہا تو مساکین پر صرف کیا جائے گا، جیسے وہ وقف جس کی جہت منقطع اور ختم ہو جائے تو اس کو فقراء پر صرف کریں گے۔

اکابر علمائے ہند و مفتیان دیوبند کے خصوصی فتاوی:

ہندوستان کے اکابر ارباب افتاء اور بالخصوص ممتاز علمائے دیوبند نے وقف کی بابت جہاں عام احکام اور اصل مذہب کے مطابق فتاوی صادر کئے ہیں وہاں حالات اور گنجائشوں پر بھی نظر رکھی گئی ہے اور وسعت کے فتاوی بھی ان سے منقول ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مسجد کی فاضل آمدنی کو ضرورت پر دوسری مساجد میں صرف کرنے ولگانے کی بار بار اجازت دی ہے (امداد الفتاوی ۳/ ۶۱۳۔ ۶۲۰) اور اگرچہ مدارس وغیرہ میں لگانے کی اجازت نہیں دی ہے، اور فرمایا ہے کہ علاقہ کی نہ سہی ملک کی دوسری محتاج مساجد موجود ہیں، مگر ایک موقع پر یہ بھی تحریر فرمایا ہے: اب آگے امر اجتہادی ہے کہ آیا وقت استغناء صرف دوسری مساجد میں صرف کرنے کا فتوی دینے سے احتمال ضیاع کا مرتفع ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر ہو سکتا ہے تب تو دوسری جہات میں صرف کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ **لأن اتحاد الجهة مرجع كما في الرسالة**، ورنہ بضرورت اجازت دی جائے گی "**وعليه بناء ما في الرسالة**" (امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۹) معطل قبرستان میں عوامی انجمن کی اجازت دی ہے۔ بعلت اشتراک معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لئے مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے (امداد ۲/ ۶۰۰)

ایک فتوی میں تحریر فرماتے ہیں: روایات بالا سے معلوم ہوا کہ اصل اور راجح تو عدم جواز نقل ہے لیکن بعض علماء ضرورت میں جواز کے قائل ہوئے ہیں، سو بلا ضرورت شدیدہ تو اصل مذہب کو چھوڑنا جائز نہیں اور ضرورت شدیدہ میں گنجائش ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک مسجد مستغنی عنہ ہو جائے اس کا وقف دوسری مسجد میں صرف کرنا بھی جائز ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۲۳)

مولانا ظفر احمد صاحب نے اعلاء السنن میں کافی تفصیل کی ہے، اصل مذہب کی تقویت کے ساتھ المغنی کی گذشتہ عبارت مزید تفصیل کے ساتھ نیز بعض اجزاء پر تنقید کے ساتھ نقل کی ہے، اور اصل مسجد کو منتقل کرنے کی تو اجازت نہیں دی ہے، مگر فقہ حنفی کی بعض تصریحات اور آثار کی وجہ سے وسعت بھی ذکر فرمائی ہے، مثلاً راستے کو مسجد میں شامل کرنا، یا مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنانا، نیز مسجد سے متعلق ومتصل صحن یا چبوترہ میں ردوبدل کہ صحن و چبوترہ کو مسجد بنادیا جائے اور مسجد کو صحن و چبوترہ۔

استاذی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے ضرورت پر مسجد کا سامان منتقل کرنے ولگانے کی اجازت دی ہے، اور مقصود وقف کے فوت ہونے پر تبادلہ وقف کی بھی، نیز معطل قبرستان میں مسجد کی تعمیر کی بھی اجازت دی ہے (فتاوی محمودیہ ۲/ ۲۱۵، ۱۴/ ۱۶۲، ۱۹۸/۶)

استاذی مفتی نظام الدین اعظمی کے فتاوی میں ایسے مسائل اور وسعت کی بات بار بار آئی ہے، جس میں ضرورتاً موقوفہ زمین کے بیچنے، متروکہ قبرستان میں مسجد کی تعمیر (خواہ نئی ہو) یا توسیع، قبرستان کی حفاظت کے لئے دوکانوں کی چہار دیواری، اس کی فاضل آمدنی کا دوسرے مواقع میں صرف، نیز اس میں مدرسہ کی تعمیر، معطل قبرستان کو کسی طرح کار آمد بنا کر اس کی آمدنی سے فائدہ اٹھانا سب کا تذکرہ آیا ہے۔ ایک مفصل فتوی میں فرماتے ہیں: اوقاف کی فاضل آمدنی سے گورستان کی حفاظت ومرمت کی جاسکتی ہے، نیز جو قبرستان تدفین سے متروک ہو چکے ہوں یا قانوناً دفن سے روک دئے گئے ہوں اور ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس میں

U-109949

دینی ضرورت کے مطابق مسجد یا دینی مدرسہ قائم کر کے یا اس کو کسی ایسے کار خیر میں استعمال کر کے جس سے مسلم عوام اور بچوں کی مذہبی و اقتصادی تربیت و ترقی کا ایسا کام کیا جائے کہ اصل واقفین کو ثواب پہونچتا رہے (نظام الفتاوی جدید اول ۱۸۰، نیز ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۷، ۱۷۴، ۱۷۹)۔

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری کے فتاوی بھی حالات وضرورت کی رعایت میں توسع پر مبنی ہیں، استبدال و تبادلہ کے جواز کے علاوہ (رحیمیہ ۶/ ۷۳) فاضل آمدنی کی بابت متعدد فتاوی میں فرمایا ہے کہ اگر واقعی موجودہ و آئندہ ضرورت سے فاضل آمدنی ہے اور رکھنے میں ضیاع کا اندیشہ ہے تو دوسرے مواقع میں صرف کریں مگر ایک جنس کی آمدنی اسی میں صرف کریں، نیز یہ بھی فرمایا ہے۔ اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو اس زائد اور فاضل رقم سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۵، ۱۸۷)۔

خلاصہ عبارات وفتاوی:

گذشتہ عبارات و فتاوی کا حاصل یہ ہے کہ اوقاف کا بقاء اہم واقدم ہے، لہذا ان کو ختم کرنے کی کوئی صورت اختیار کرنا درست نہیں ہے، لیکن جب ان کا حال یہ ہو جائے اور حالات ایسے ہوں کہ ان کا بقاء واقف کے مقصد کا ان سے پورا ہونا نیز اس کے لئے حصول ثواب کا سلسلہ جاری رہے، یہ سب وقف میں ردوبدل وتصرف کے ذریعہ ہی ممکن ہو تو مجبوراً اس میں تبادلہ وتصرف کے اقدامات درست ہیں، ان کی حفاظت وبقاء اور ابدیت ودوام کو اولیت واہمیت دینے کی شرط کے ساتھ اصل وقف کے حق میں بھی، اور اس کی آمدنی کے حق میں بھی، اور قبرستان وغیرہ کے حق میں بھی اور مسجد کے حق میں بھی، خود فقہ حنفی میں بھی توسعات ہیں اور ائمہ مذاہب سے منقول ہیں، اس لئے فقہاء احناف اور بعد میں ہمارے اکابر ومفتیان نے بھی ضرورت و مجبوری کے حالات میں اجازت دی ہے اور ساتھ ہی اصل مذہب کو بھی نمایاں کر کے ذکر کیا ہے اور اس کی تقویت بھی کی ہے۔ اور جب مقصد وقف کی بقاء و حفاظت ہو اور اصل صورت ممکن نہ رہ جائے، اور فقہ حنفی میں گنجائش نہ ہو تو فقہ حنبلی کے توسعات سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، مثلاً ہمارے قدیم فقہاء نے تو ایک وقف کی آمدنی کو دوسری جگہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی ہے یا شاید و باید ہی دی ہے۔ مگر امام احمد سے مسجد کے وقف کی آمدنی و فاضل اشیاء کو فقراء پر صرف کرنے کی اجازت منقول ہے، اور انہوں نے مسجد کے اوقاف کو صدقہ کرنے کے جواز میں بطور دلیل بعض آثار کو ذکر کیا ہے جن کا بعض علماء احناف نے جواب ضرور دیا ہے مگر وہ جواب احتمالی ہے، کوئی اثر وغیرہ نہیں، بجز حضرت عمرؓ کی معروف روایت کے جس سے وقف کے اصل حکم میں سب استدلال کرتے ہیں کہ اس کو بیچا نہیں جا سکتا وغیر ذلک تو اس کے تو سب قائل ہیں، سوال ضرورت کے مواقع کا ہے، اور اس کا کہ دوسری صورت انتفاع وبقاء کی نہیں بن رہی ہے اور اس صورت کے اختیار کرنے میں واقف اور ملت وامت سب کا فائدہ ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے دار الاسلام ودار الکفر کی نسبت سے جو فرق کا خیال ظاہر فرمایا ہے کہ دار الکفر میں اوقاف کو واقف وبانی کی ملک میں واپسی قرار دیا جائے، کیا اس سے بہتر یہ نہ ہوگا کہ دوسرے ائمہ بلکہ خود ہمارے بعض فقہاء وعلماء کی رائے پر

عمل کرتے ہوئے ان کو امام ابو یوسف کی رائے پر وقف ہی برقرار رکھا جائے اور صورت بدل دی جائے جو ممکن ہو، مولانا نے مسجد کو چبوترہ بنانے کی بابت صاحب فتح القدیر کے قول کو یہ کہہ کر نقل کیا ہے کہ آخر جیسے مسجد کو چبوترہ بنانے کی بات ذکر کی گئی ہے، راستہ بنانے کی بات بھی نقل کی گئی ہے لیکن اس پر ان کو کوئی اشکال نہیں ہے، اور اس حکم کی تائید مولانا نے ضرورت کے احساس واعتبار کی بنا پر ہی کی ہے تو اسی کے تحت یہ گنجائش بھی ہونی چاہئے جس کی دوسرے حضرات نے صراحت بھی کی ہے۔

بعض حضرات نے مسجد کی زمین وآمدنی کو مدارس کے لئے استعمال کرنے کو منع کیا ہے، حضرت تھانوی کے فتاوی میں بار بار آیا ہے، کچھ شامی وغیرہ کی عبارت بھی نقل فرمائی ہے کہ مدرس کی کیا حیثیت ونوعیت ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۶۲۰، شامی ۴/ ۳۶۷، ۲/ ۳۷۷) مبنی یہ کہ مدرسہ ومدرس کا مسجد کی آبادی میں کیا دخل، اور اس کے مصالح سے کیا تعلق؟ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور ہندوستان میں اس کا کھلا تجربہ ہے، اور دوسری جگہوں پر بھی محسوس کیا جاسکتا ہے کہ آج مساجد کی آبادی میں بالخصوص مساجد سے متصل ومتعلق مکاتب ومدارس کا بہت بڑا دخل ہے، بچوں کے حق میں بھی اور بڑوں کے حق میں بھی، اور پھر ہمارے ملک کے حالات اور فاضل اوقاف سے انتفاع کا بھی ایک تقاضا ہے اس کو محسوس کرتے ہوئے مفتی نظام الدین صاحب اور مفتی عبدالرحیم صاحب نے فاضل آمدنی کا، نیز فاضل زمین کا مدارس کے لئے استعمال کرنا درست قرار دیا ہے۔

اور حالات کو محسوس کر کے ان حضرات نے جو وسعت دی ہے اس کو دوسری اسی انداز کی چیزوں کے لئے بنیاد بنایا جاسکتا ہے، مثلاً مسجد کی فاضل زمین پر مدرسہ کی تعمیر، زمین تو ہمیشہ مسجد کی رہے گی، اور بہتر صورت یہ ہے کہ مسجد کو زمین کا کرایہ دیا جائے یا عمارت مسجد کی آمدنی سے تعمیر کرائی جائے اور اس عمارت کا کرایہ مسجد کو ملتا رہے، تاکہ براہ راست مسجد کا انتفاع پایا جائے، لیکن ضرورت وحالات کے تحت اگر بغیر کرایہ کے ایسا معاملہ کیا جائے جب کہ مسجد اس سے مستغنی ہو اور اس کی ضروریات کا پورا نظم بھی ہو تو اس میں کوئی حرج سمجھ میں نہیں آتا بلکہ بہتر ہے کہ اس سے مزید مسجد اور اس کے اوقاف کی حفاظت ہوتی ہے، اور واقف کے مقصد کی باحسن وجوہ تکمیل ہوتی ہے۔

رہ جاتی ہے یہ بات کہ وقف میں تبادلہ وغیرہ کے تصرف کے لئے فقہاء نے قاضی کی شرط، یعنی قاضی کے فیصلہ ونظر وحکم کی قید لگائی ہے، لیکن معروف ہے کہ ایسے بہت سے مسائل میں توسع اختیار کر لیا گیا ہے، معتمد ودیانتدار علماء وذمہ داران اور ارباب حل وعقد کو قاضی کی حیثیت ضرور تا دی گئی ہے، لہذا ہندوستان میں اوقاف کے مسائل میں معتمد منتظمین کا فیصلہ معتبر ہوگا، اور مناسب ہوگا کہ یہ قید لگائی جائے اور توجہ دلائی جائے کہ وقف کے ذمہ داران ایسا فیصلہ کرنے میں صاحب نظر علماء سے رجوع کریں، ان کو شامل کریں یا کم از کم رابطہ واستفتاء کریں۔ شامی نے بعض معاملات میں محلہ کے مسلمانوں کی رائے کا ذکر کیا ہے اور ہمارے ارباب افتاء نے ایسے مسائل میں عموماً اس کا ذکر کیا ہے کہ ارباب حل وعقد ومنتظمین جب مناسب سمجھیں یعنی ضروری وبہتر خیال کریں تو ایسے اقدام کریں۔ امداد الفتاوی (۲/ ۶۳) میں بھی کچھ اس بابت تفصیل آئی ہے کہ قاضی نہ ہو تو کیا کیا جائے گا۔

☆☆☆

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی صاحب

مفتی امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ

فقہ اکیڈمی کی جانب سے اوقاف سے متعلق جو سوالات موصول ہوئے ہیں وہ یقیناً حالات اور وقت کے تقاضے کے مطابق بہت ہی اہم ہیں، ان سوالات کے جوابات لکھنے سے قبل چند باتیں بطور تمہید ذکر کی جاتی ہیں، جن سے جواب کے سمجھنے میں سہولت ہوگی۔

وقف کی لغوی اور شرعی تعریف:

وقف لغت میں روکنے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح شرع میں وقف کہتے ہیں: کسی شئ کو اپنی ملکیت سے نکال کر اس طرح محبوس کرنا کہ اصل شئ باقی رکھتے ہوئے اس سے انتفاع کیا جاسکے۔ یعنی اصل شئ محفوظ رہے اور اس کے منافع کو واقف کی صراحت کے مطابق صرف کیا جائے۔ نہایۃ المحتاج میں ہے:

"ھو لغۃ الحبس... وشرعا حبس مال یمکن الانتفاع بہ مع بقاء عینہ بقطع التصرف فی رقبتہ علی مصرف مباح موجود" (۵/ ۳۵۴، ۳۵۵)

امام ابو حنیفہؒ کے دونوں شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے وقف کی شرعی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"(وعند ھما ھو حبسھا علی) حکم (ملک اللہ تعالی و صرف منفعتھا علی من أحب) ولو غنیا" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار کتاب الوقف ۳/ ۳۵۸)

یعنی وقف شئ کو اللہ کی ملکیت میں محبوس کرنا اور اس کی منفعت کو منشاء واقف کے مطابق صرف کرنا ہے، گرچہ مالداروں پر کیوں نہ ہو۔

امام ابو حنیفہؒ چونکہ عام حالات میں وقف کے لزوم کے قائل نہیں ہیں، جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آرہی ہے، اس لئے وہ وقف کی شرعی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

(ھو) لغۃ الحبس و شرعا (حبس العین علی) حکم (ملک الواقف والتصدق بالمنفعۃ) ولو فی الجملۃ" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار کتاب الوقف ۳/ ۳۵۸)

یعنی اصل شئ کو واقف کی ملکیت میں باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع کا صدقہ کرنا ہے، یہ صدقہ کسی بھی درجہ میں ہو۔ مثلاً اپنے اور اپنے اہل و عیال پر وقف ہو، اس کے بعد فقراء و مساکین پر یا مالداروں پر۔

وقف کا حکم:

ایک بحث وقف کی صحت اور عدم صحت کی ہے کہ کسی چیز کا وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو شئ موقوف واقف کی ملکیت میں باقی رہتی ہے یا اس کی ملکیت سے نکل جاتی ہے؟ اور واقف کے لئے وقف کرنے کے بعد شئ موقوف کی خرید و فروخت یا اس

کا ہبہ یا کوئی دوسرا جائز تصرف جو اپنی ملکیت میں ہوتا ہے، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ملتے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی جائداد وغیرہ وقف کرنا چاہے تو وقف کر سکتا ہے۔ اس کا وقف صحیح ہوگا۔ اس پر تقریباً تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ بعض حضرات گرچہ عدم صحت وقف کے قائل ہیں، لیکن ان کے قول کا اعتبار نہیں ہے۔ روایات، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء صحت وقف پر متفق ہیں۔

امام ترمذی حضرت عمرؓ کے واقعہ وقف والی روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبى ﷺ وغيرهم لا نعلم بين المتقدمين منهم فى ذلك اختلافا فى إجارة وقف الأرضين وغير ذلك" (ترمذی ۱/۱۶۵)۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وقف تو صحیح وجائز ہوتا ہے، لیکن لازم نہیں ہوتا۔ یعنی شئ موقوف واقف کی ملکیت سے نہیں نکلتی ہے۔ واقف اس کو فروخت بھی کر سکتا ہے اور ہبہ بھی، ہر طرح کے جائز تصرف کا اختیار واقف کو ہوگا، اس کے انتقال کے بعد اس میں وراثت بھی جاری ہوگی۔ اس کے قائل حضرت امام ابو حنیفہؒ ہیں... البتہ دو صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک بھی شئ موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔

الف۔ واقف نے اپنی کوئی چیز وقف کر کے متولی کے حوالہ کر دیا، پھر متولی سے اپنی چیز کا مطالبہ کیا اور متولی نے دینے سے انکار کر دیا۔ جب معاملہ قاضی شریعت کے پاس پہونچا تو قاضی شریعت نے لزوم وقف کا فیصلہ دیا... اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک بھی وقف لازم ہو جائے گا اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی، اس لئے کہ یہ مجتہد فیہ مسئلہ ہے اور مجتہد فیہ مسئلہ میں قضاء قاضی رافع خلاف ہے۔

ب۔ دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری فلاں چیز وقف ہے، تو اس صورت میں وقف لازم ہو جائے گا، اور اس کے انتقال کے بعد اس میں وراثت جاری نہ ہوگی، لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ صورت در حقیقت وقف کی نہیں ہے بلکہ وصیت کی ہے، لہذا اس صورت میں وصیت کے تمام احکام نافذ ہوں گے۔ مالک اگر اپنی زندگی میں رجوع کرنا چاہے تو رجوع کر سکتا ہے۔

قال أبو حنيفة: لا يزول ملك الواقف من الوقف إلا أن يحكم به الحاكم أو يعلقه بموته فيقول إذا متّ فقد وقفت دارى على كذا " (ہدایہ ۲/ کتاب الوقف)

شرح فتح القدیر میں دوسری صورت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"(وأما تعليقه بالموت فالصحيح أنه لايزول ملكه إلا أنه تصدق بمنافعه مؤبداً فيصير بمنزلة الوصية بالمنافع مؤبداً فيلزم) وإن لم يخرج عن ملكه لأنه بمنزلته إذ لايتصور التصرف فيه ببيع و نحوه لما يلزم من إبطال

الوصية وعلى هذا فله أن يرجع قبل موته كسائر الوصايا، وإنما يلزم بعد موته"(شرح فتح القدیر ۶/ ۱۹۳)

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ شیٔ موقوف واقف ہی کی ملکیت میں رہتی ہے، اس کی ملکیت سے نکلتی نہیں ہے، البتہ واقف کو فروخت کرنے یا ہبہ وغیرہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس پر یا اس کے بعد مقرر کردہ متولی پر لازم ہے کہ شیٔ موقوف سے حاصل ہونے والے منافع کو واقف کی صراحت کے مطابق صرف کرے۔ یہ قول صحیح روایت کے مطابق امام مالکؒ کا ہے (دیکھئے کتاب المواہب الجلیل شرح مختصر الخلیل ۶/ ۱۸)

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ وقف لازم ہو جاتا ہے اور شیٔ موقوف واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے لیکن موقوف علیہ کی ملکیت میں نہیں آتی ہے۔ واقف نہ تو اس کو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ وغیرہ کر سکتا ہے، اور نہ ہی ان کے انتقال کے بعد اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے... یہ قول صاحبین (امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ) صحیح مذہب کے مطابق امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور صحابہ، محدثین اور علماء امت کا ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف کرتے ہی شیٔ موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے، اور امام محمد کے نزدیک اس وقت نکلتی ہے جب کہ اس کو متولی کے حوالہ کر دیا جائے۔ فتوی امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، اور علماء احناف کا عمل بھی اسی پر ہے۔

"وعند هما يلزم بدون ذلك وهو قول عامة العلماء وهو الصحيح ثم إن أبا يوسف يقول يصير وقفا بمجرد القول لأنه بمنزلة الإعتاق عنده وعليه الفتوى وقال محمد لا إلا بأربعة شروط" (رد المحتار کتاب الوقف ۳/ ۳۵۸۔ مزید دیکھئے: نہایۃ المحتاج فی مذہب الامام الشافعی جلد پنجم کتاب الوقف۔ المغنی لابن قدامہ الحنبلی جلد پنجم کتاب الوقف۔ مواہب الجلیل فی مذہب الإمام مالک جلد ششم کتاب الوقف)

قول راجح: صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کو جس انداز سے بیان کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحب کا قول راجح ہے، اس لئے کہ امام صاحب کے قول کی دلیل بعد میں بیان کرنا اور صاحبین کے دلائل کا جواب دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحب کا قول راجح ہے، لیکن احادیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں صحیح اور راجح قول جمہور کا معلوم ہوتا ہے۔ بہت سے صحابہ نے اپنی استطاعت کے مطابق وقف کیا، اور کسی سے بھی شیٔ موقوف کی واپسی یا اس کو فروخت کرنے اور اس کی قیمت کو اپنے مصرف میں لانے کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔

علامہ علاء الدین الحصکفی نے ابن الکمال اور ابن الشحنہ کے حوالہ سے اسی قول پر فتوی نقل کیا ہے۔

در مختار میں ہے: (وعند هما هو حبسها على) حكم (ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب) ولو غنيا فيلزم فلا يجوزله إبطاله ولا يورث عنه عليه الفتوى ابن الكمال وابن الشحنة"۔

اور علامہ شامیؒ نے فتح القدیر کے حوالہ سے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے، اس لئے کہ بے شمار احادیث و آثار اس کی تائید میں ہیں، اور صحابہ، تابعین اور بعد کے علماء کا عمل بھی اسی پر رہا ہے۔

علامہ شامی "قوله عليه الفتوى" کے تحت لکھتے ہیں:

اى على قولهما بلزومه قال فى الفتح والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه لأن الأحاديث والآثار متظافرة على ذلك، واستمر عمل الصحابة والتابعين ومن بعد هم على ذلك فلذلك ترجح خلاف قوله"(ردالمحتار ۳/ ۳۵۸)

اس قول کی بنیاد عبداللہ بن عمرؓ کی روایت پر ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو خیبر کی زمین حصہ میں ملی تو وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ خیبر کی جو زمین حصہ میں ملی ہے وہ میرے نزدیک بہت ہی پسندیدہ مال ہے، میں اس کو اللہ تعالی کے راستہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو صدقہ کردو، لیکن اصل زمین نہ تو فروخت کی جائے گی اور نہ ہبہ کیا جائے گا، اور نہ اس میں وراثت جاری ہوگی۔

"انه لا يباع أصلها ولا تباع ولا تورث ولا توهب"(مسلم ۲/ ۴۱)

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وفيه أن الوقف لا يباع ولا يوهب ولا يورث"(نووی شرح مسلم ۲/ ۴۲)

محقق ابن ہمام نے شرح فتح القدیر میں وقف کرنے والے صحابہ کی ایک لمبی فہرست شمار کی ہے، جن کا عمل لزوم وقف کی تائید کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی عبارت:

والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه لأن الأحاديث والآثار متظافرة على ذلك قولا كما صح من قوله عليه الصلوة والسلام لا يباع ولا يورث إلى آخره، وتكرر هذا فى أحاديث كثيرة واستمر عمل الأمة من الصحابة والتابعين ومن بعد هم على ذلك أولها صدقة رسول الله ﷺ ثم صدقة أبى بكر و عمر و عثمان و على والزبير و معاذ بن جبل و زيد بن ثابت و عائشة وأسماء أختها وأم سلمة وأم حبيبة و صفية بنت حيّ وسعد بن أبى وقاص و خالد بن وليد و جابر بن عبدالله و عقبة بن عامر وأبى أروى الدوسى و عبد الله بن الزبير، كل هؤلاء من الصحابة ثم التابعين بعدهم كلها بروايات و توارث الناس أجمعون ذلك فلا تعارض بمثل الحديث الذى ذكره على أن معنى حديث شريح بيان نسخ ما كان فى الجاهلية من الحامى و نحوه، وبالجملة فلا يبعد أن يكون إجماع الصحابة العملى ومن بعدهم متوارثا على خلاف قوله فلذا ترجح خلافه الخ(شرح فتح القدیر کتاب الوقف ۶/ ۱۹۳)

علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں عدم لزوم والے قول کو سنت نبویہ اور اجماع صحابہ کے خلاف قرار دیا ہے:

وهذا القول يخالف السنة الثابتة عن رسول الله واجماع الصحابةؓ فان النبى ﷺ قال لعمر فى وقفه، لا يباع أصلها ولا يبتاع ولا يوهب ولا يورث. (المغنی لابن قدامہ ۵/ ۵۹۸)

خلاصہ یہ ہے کہ روایات اور آثار صحابہ کی روشنی میں صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ وقف صحیح اور لازم ہوتا ہے، اور شی موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔ عقلا بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے، اس لئے کہ وقف سے منشاء واقف یہ ہوتا ہے کہ اس کے انتقال کے بعد بھی اس کا نفع جاری ہو، جس کا ثواب اس کو ملتا رہے، اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کہ لزوم وقف کا حکم دیا جائے، ورنہ اس کے انتقال کے بعد اس کے وارثین اس شی کے مالک ہو جائیں گے اور مقصد فوت ہو جائے گا۔

شیٔ موقوف کی واپسی واقف یا اس کے وارثین کی طرف:

راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق شیٔ موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور اس پر ملکیت کے احکام جاری نہیں ہوتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا شیٔ موقوف کسی بھی حال میں کبھی بھی واقف یا اس کے وارثین کی ملکیت میں آتی ہے یا نہیں؟

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب شیٔ موقوف اپنی افادیت کھودے، اس سے موقوف علیہم کو استغناء و بے نیازی ہو جائے تو ایسی صورت میں اگر واقف زندہ ہو تو اس کی ملکیت ورنہ اس کے وارثین کی ملکیت کی طرف وہ لوٹ آتی ہے... مثلاً وقف کی عمارت منہدم ہو گئی اور اس کا غلہ نہیں ہے جس سے اس کی تعمیر ہو سکے، یا کسی بازار میں وقف کی دوکان ہے، وہ آگ لگنے سے اس طرح جل گئی کہ اس سے انتفاع ممکن نہیں اور نہ ہی کوئی شخص اس کو اجارہ پر لینے کے لئے تیار ہے، یا کسی محلہ میں موقوف حوض ہے جو خراب ہو گیا اور اس کو ٹھیک کرنے کے لئے غلہ نہیں ہے، یا مسافر خانہ ہے جو ویران ہو گیا یا اس کی عمارت منہدم ہو گئی، تو ان تمام صورتوں میں امام محمدؒ کے نزدیک مذکورہ موقوفہ مکان و دوکان اور حوض و مسافر خانے واقف اور اس کے انتقال کے بعد اس کے وارثین کی ملکیت کی طرف لوٹ جائیں گے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورتوں میں بھی شیٔ موقوف واقف یا اس کے وارثین کی ملکیت میں نہیں آئے گی، بلکہ اگر موقوفہ دوکانیں یا مکانات یا حوض اور مسافر خانے بے مصرف اور ناقابل انتفاع ہوں تو ان کے فاضل اور ٹوٹے ہوئے آلات و دیگر سامانوں کو یا ان پر وقف جائداد کی آمدنی کو اسی جنس کے وقف پر جو اس سے قریب ہو صرف کیا جائے گا۔

مثلاً اگر حوض ہے تو قریب کے حوض پر اگر مسافر خانہ ہے تو قریب کے مسافر خانہ پر الأقرب فالأقرب کے اصول پر آمدنی صرف ہوگی۔ اسی طرح قدیم وقف کی عمارت منہدم ہو جائے تو اس کے انقاض مثلاً اینٹ اور لکڑیاں وغیرہ امام محمدؒ کے نزدیک واقف کے حوالہ کردی جائیں گی، اس لئے کہ وہی مالک ہے... اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قدیم وقف کی جدید تعمیر میں اگر ضرورت ہو تو اس میں استعمال کیا جائے گا، اگر ضرورت نہ ہو تو ان کو روک کر رکھا جائے گا، تاکہ ضرورت پڑنے پر ان کا استعمال ہو سکے، اور اگر مستقبل قریب میں ضرورت پڑنے والی نہ ہو اور رکھے رہنے میں ضیاع کا اندیشہ ہو تو قاضی شریعت کی اجازت سے ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت نئی تعمیر میں صرف ہوگی، اگر اس کو ضرورت نہ ہو تو قریب کے وقف پر صرف کیا جائے گا۔

اسی طرح مسجد کی گھاس اور اس کی چٹائیاں وغیرہ اگر ناقابل استعمال ہوں تو امام محمدؒ کے نزدیک واقف اور اس کے انتقال کے بعد اس کے وارثین مالک ہو جائیں گے... اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کو دوسری قریب کی مسجد میں منتقل کر دیا جائے گا، یا ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت مسجد میں صرف کی جائے گی۔

استبدال وقف کا حکم:

شیٔ موقوف کے تبادلہ کا مسئلہ وقف کے اہم مسائل میں سے ہے۔ سوالنامہ کے زیادہ تر سوالات کے جوابات اسی پر موقوف ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے۔ یہ تو مصرح ہے کہ وقف تام اور مکمل ہو جانے کے بعد شیٔ موقوف کو

خرید و فروخت یا ہبہ کے ذریعہ یا اس میں وراثت جاری کرکے وقفیت سے نہیں نکالا جاسکتا ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

فإذا تمّ ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن (درمختار) **(قوله لا يملك) اى لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملك اى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع و نحوه لاستحالة تمليك للخارج عن ملكه الخ**(ردالمحتار کتاب الوقف ۳/۳۶۷)

البتہ شیٔ موقوف کو دوسری شیٔ سے بدلنا یا ضرورتاً اس کو فروخت کرکے دوسری شیٔ خرید کر اس کو وقف قرار دینا درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کرام نے تفصیلی بحث کی ہے، اور اس کی تین صورتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ واقف نے بوقت وقف تبادلہ کی شرط لگادی ہو، خواہ اپنے لئے لگائی ہو یا کسی دوسرے کے لئے۔

۲۔ واقف نے بوقت وقف تبادلہ کی کوئی شرط نہیں لگائی، نہ اپنے لئے اور نہ ہی دوسرے کے لئے۔ یا باقاعدہ یہ صراحت کر دی کہ کوئی بھی اس کا تبادلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن شیٔ موقوف بالکل ناقابل انتفاع ہے، یا معمولی نفع ہے بھی تو اس نفع کے حاصل کرنے کے لئے اس پر ہونے والے اخراجات اس سے زائد ہوتے ہیں۔

۳۔ واقف نے اپنے لئے یا غیر کے لئے تبادلہ کی شرط نہیں لگائی اور شیٔ موقوف قابل انتفاع بھی ہے، اس سے آمدنی حاصل ہوتی ہے، البتہ اس کو زیادہ نفع آور بنانے کے لئے اس کا تبادلہ دوسری نفع آور شیٔ سے کیا جائے۔

پہلی صورت:

جب کہ واقف نے بوقت وقف یہ شرط لگادی کہ ضرورت پڑنے پر میں خود یا فلاں شخص اس کو دوسری شیٔ سے بدل کر یا شیٔ موقوف کو فروخت کرکے اس کی جگہ پر دوسری شیٔ خرید کر وقف کر سکتا ہے، تو اس صورت میں واقف کی صراحت کے مطابق خود واقف کو یا اس کے نامزد کردہ شخص کو شیٔ موقوف کے تبادلہ کا اختیار ہوگا، اور شرط کے مطابق شیٔ موقوف کو فروخت کرکے اس کی جگہ دوسری شیٔ خرید کر وقف کر سکتا ہے۔

(وجاز شرط الاستبدال به) أرضا أخرى حينئذ أو شرط بيعه ويشترى بثمنه أرضا أخرى إذا شاء فإذا فعل صارت الثانية كالأولى فى شرائطها وإن لم يذكرها (درمختار)

(قوله و جاز شرط الاستبدال) اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه الأول ان يشترطه الواقف لنفسه أولغيره أولنفسه و غيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا الخ(ردالمحتار کتاب الوقف ۳/۳۸۷)

واقف کی شرط کے مطابق استبدال کا حق اس لئے ہے کہ واقف کی شرط شرعاً معتبر ہے، اگر وہ غلہ یا ولایت کی شرط اپنے لئے لگادے تو اس کی یہ شرط درست ہوگی، جب اپنے لئے غلہ اور ولایت کی شرط درست ہے تو استبدال کی شرط بدرجہ اولی درست ہوگی... بلکہ کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ جس طرح شارع کی نص پر عمل کرنا واجب ہے اسی طرح واقف کی شرط پر عمل کرنا بھی واجب ہے۔

"شرط الواقف كنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به "(الدر المختار بهامش رد المحتار ۳/۴۱۶)

دوسری صورت:

دوسری صورت میں جب کہ واقف نے بوقت وقف اس طرح کی شرط نہیں لگائی۔ وقف نامہ کسی طرح کی شرط سے خاموش ہے۔ یا یہ شرط لگادی کہ کسی کو بھی حتی کہ قاضی شریعت کو بھی تبادلہ کا اختیار نہیں ہوگا۔ لیکن شئ موقوف بالکل ناقابل انتفاع ہے یا معمولی نفع ہے جس کے حصول کے لئے اس سے زائد اخراجات ہوتے ہیں، اس صورت میں قاضی شریعت مصلحت سمجھ کر شئ موقوف کو نفع آور بنانے کے لئے اس کا تبادلہ دوسری شئ سے کر سکتے ہیں۔ یہ ان صورتوں میں سے ہے جن میں واقف کی شرط کی مخالفت قاضی شریعت کے لئے جائز ہے۔

" والثانی أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلا أولا يفی بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضی ورأيه المصلحة فيه" (رد المحتار ۳/۳۸۷)

اس صورت میں تبادلہ کا اختیار اس لئے ہے کہ تبادلہ نہ کرنے کی صورت میں واقف کا مقصد فوت ہو رہا ہے، کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ شئ موقوف کی آمدنی مساکین یا دیگر کار خیر پر جس کی اس نے صراحت کی ہے صرف کی جائے جس کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہے، اور یہ اصل شئ کو باقی رکھتے ہوئے ممکن نہیں ہے، اور قاضی شریعت وقف کے مقاصد اور اس کے مصالح کے نگراں ہیں، اس کے تحفظ وبقا کے لئے کوشش قاضی شریعت کی ذمہ داری ہے، لہذا مقاصد وقف کے تحفظ وبقا کے پیش نظر قاضی شریعت اس کا تبادلہ دوسری شئ سے کردیں گے یا ضرورت پڑنے پر اس کو فروخت کر کے دوسری شئ خرید کر اس کی جگہ پر وقف کر دیں گے۔

علامہ ابن قدامہ نے اس مسئلہ پر اچھی بحث کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ اس صورت میں اصل شئ کو باقی رکھنے پر جمود اختیار کرنا مقصد واقف کو ضائع کرنا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

" وجمودنا على العين مع تعطلها تضييع للغرض " (پوری بحث کے لئے دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۵/ ۶۳۳)

اس صورت میں قاضی کو تبادلہ کا جو اختیار ہے وہ چند شرطوں کے ساتھ ہے:

۱۔ یہ اختیار اس قاضی کو ہے جو علم وعمل اور عدل میں ممتاز ہو، صاحب تقویٰ اور پابند شرع ہو۔

۲۔ شئ موقوف بالکلیہ ناقابل انتفاع ہو۔

۳۔ وقف کی کوئی آمدنی نہ ہو جس سے اس کی آبادکاری ہو سکے۔

۴۔ بیع غبن فاحش کے ساتھ نہ ہو۔

۵۔ قاضی کسی ایسے شخص سے تبادلہ نہ کرے جو اس کا قریبی رشتہ دار ہو یا پہلے سے اس کا قرض قاضی پر ہو۔

"والمعتمد انه بلا شرط يجوز للقاضی بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لايكون هناك ريع

للوقف يعمر به وأن لا يكون البيع بغبن فاحش و شرط في الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل لئلا يحصل التطرق إلى إبطال أوقاف المسلمين كما هو الغالب في زماننا...وأن لا يبيعه ممن لا تقبل شهادته له ولا ممن له عليه دين" (ردالمحتار ۳/۳۸۸)

تیسری صورت: اس صورت میں جب کہ واقف نے استبدال کی کوئی شرط نہیں لگائی، نہ اپنے لئے نہ ہی کسی غیر کے لئے، اور شئی موقوف قابل انتفاع بھی ہے البتہ اس کو زیادہ نفع آور بنانے کے لئے کسی دوسری نفع آور شئی سے اس کا تبادلہ کیا جائے، اس صوت کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کرام کے دو قول ملتے ہیں:

الف: ایک صورت میں تبادلہ جائز نہیں ہے۔ اس کے قائل امام ابو حنیفہؒ ہیں۔

ب: تبادلہ شرعاً جائز و درست ہے، یہ قول امام ابو یوسف اور حضرت ہلال کا ہے، اور ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ کا۔

عام طور پر کتب فقہ حنفی میں عدم جواز کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔ علامہ شامی نے ردالمحتار میں اور علامہ ابن ہمام نے شرح فتح القدیر میں عدم جواز ہی کے قول کو راجح قرار دیا ہے، علامہ ابن قدامہ نے بھی المغنی میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"وإن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت و كان غيره أنفع منه وأكثر رد على أهل الوقف لم يجز بيعه لأن الأصل تحريم البيع وإنما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع مع إمكان تحصيله ومع الانتفاع وإن قل ما يضيع المقصود" (المغنی لابن قدامہ ۵/۶۳۴)

اور اگر مصلحت وقف بالکلیہ ختم اور بے کار نہ ہو بلکہ کم پڑ جائے اور اس کا بدل اس سے زیادہ نفع بخش اور اہل وقف کو زیادہ آمدنی دینے والا ہو تو اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اصل بیع کی حرمت ہے۔ اور بیع کی اجازت ضرورتاً ہے تاکہ مقاصد وقف ضائع ہونے سے محفوظ ہو جائیں۔ اور جب تک انتفاع ممکن ہو گرچہ کم ہی کیوں نہ ہو مقصود ضائع نہ ہوگا۔

عدم جواز والے قول کی دو بنیادیں ہیں:

ایک تو یہ کہ قاضی حضرات دیانت دار اور صاحب تقوی نہیں ہوتے ہیں۔ اگر اس صورت میں تبادلہ کی اجازت دے دی جائے تو وہ بلاوجہ اور بلاضرورت تبادلہ کر کے اوقاف کو ضائع کر دیں گے اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے۔ دوسری بنیاد یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو شئی موقوف کی وقفیت کو باقی رکھنا ضروری ہے۔ تبادلہ کی اجازت یا تو واقف کی شرط کی بنیاد پر ہو سکتی ہے یا ضرورت کی بنیاد پر، اور اس صورت میں کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ آمدنی کو بڑھانا ضرورت میں شامل نہیں ہے۔

علامہ شامی نے صاحب نہر کے حوالہ سے صدر الشریعہ کا فتوی نقل کیا ہے:

نحن لا نفتي به وقد شاهد نا في الاستبدال مالا يعد ويحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين (ردالمحتار ۳/۳۸۹)

علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں تفصیلی بحث کے بعد فرماتے ہیں:

والحاصل أن الاستبدال إما عن شرطه الاستبدال وهو مسئلة الكتاب أو لا عن شرطه، فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم به فينبغي أن لا يختلف فيه كالصورتين المذكورتين لقاضي خان، وإن كان لا لذلك بل اتفق انه أمكن أن يؤخذ بثمن الوقف ماهو خير منه مع كونه منتفعاً به فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ماكان عليه دون زيادة أخرى ولأنه لاموجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط و في الثاني الضرورة. ولا ضرورة في هذا إذ لاتجب الزيادة فيه بل تبقيه كما كان" (شرح فتح القدیر ۶/ ۲۱۳)

بعض فتاوی میں امام ابویوسفؒ کے قول پر بھی فتوی نقل کیا گیا ہے، جیسا کہ فتاوی قاری الہدایہ میں ہے، جس کو علامہ شامی نے نقل کیا ہے:

"الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعا فيجوز على قول أبي يوسف و عليه الفتوى كما في فتاوى قارى الهداية" (ردالمحتار ۳/)

ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ نے بھی تبادلہ اور بیع کی اجازت دی ہے:

وقد روى عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستبدال والقيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان أن يبيعها و يشتري بثمنها ما هو أكثر ريعا" (منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۵/ ۲۲۳)

یہ مسئلہ منصوص نہیں ہے بلکہ مجتہد فیہ ہے، حالات اور ضرورت کے لحاظ سے اقوال فقہاء بھی مختلف ہیں اور ترجیحات و فتاوے بھی مختلف ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانے کے قضاۃ کے حالات کو سامنے رکھ کر عدم جواز کا فتوی دیا ہے، اور امام ابو یوسفؒ نے اپنے زمانے کے حالات اور تقاضے کو سامنے رکھ کر اور مزید مقاصد واقف کی حفاظت کی غرض سے جواز کا فتوی دیا ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں امام ابویوسفؒ کے قول پر فتوی دینا اور اس پر عمل کرنا احسن معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس زمانہ کے قضاۃ سرکاری ہوتے ہوں اور ان میں ظلم و تشدد اور رشوت خوری عام ہو، لیکن ہمارے اس زمانہ میں چونکہ قاضی حضرات سرکاری نہیں ہیں اس لئے الحمد للہ جہاں بھی قضاء کا نظام ہے وہاں کے قاضی حضرات رشوت خوری وغیرہ کے مرض سے دور ہیں۔ خصوصاً بہار واڑیسہ میں قضاء کا نظام بہت ہی مستحکم ہے اور یہاں کے قاضی حضرات نہایت ہی دیانتدار، صاحب تقوی اور علم و عمل اور عدل میں ممتاز ہیں۔ رشوت لیکر اوقاف کو ضائع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں تک یہ سوال ہے کہ حتی الامکان وقف کی وقفیت کو باقی رکھنا ضروری ہے، اور تبادلہ کی گنجائش یا تو وقف کی شرط کی بنیاد پر ہے یا ضرورت کی بنیاد پر، اور یہاں پر کوئی ضرورت نہیں ہے... تو میرے خیال میں اس صورت میں تبادلہ عین منشاء واقف اور مقاصد وقف کے مطابق ہے، اور اس میں اس کا تحفظ و بقا بھی زیادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ واقف کا مقصد تو یہی ہے کہ وقف کی آمدنی زیادہ سے زیادہ ہو تاکہ کار خیر پر صرف ہو اور اس کا ثواب اس کو زیادہ سے زیادہ ملے، اور اگر فروخت کر کے اس کو زیادہ نفع آور بنانے کی کوشش نہ کی جائے تو ممکن ہے کہ وہ آہستہ آہستہ معطل و بے کار ہو جائے، اور ایک ایسا وقت آئے کہ اس سے انتفاع ممکن نہ ہو، اور اس وقت یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے تبادلہ یا اس کو

خریدنے کے لئے کوئی شخص تیار بھی ہو جائے، اگر کوئی تیار بھی ہو تو ممکن ہے کہ معمولی قیمت دے... اور چونکہ قاضی مصالح کا نگراں ہے اور ہر قاضی کو تبادلہ کا اختیار بھی نہیں ہے، بلکہ قاضی الجنۃ یعنی صاحب تقویٰ، علم وعمل اور عدل میں ممتاز قاضی کو اس کا اختیار ہے، اس لئے وہ یقیناً مصالح کا خیال رکھ کر ہی تبادلہ کی اجازت دے سکتا ہے، لہذا اس صورت میں بھی راقم الحروف کی ناقص رائے میں حالات وضرورت کے پیش نظر امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہونی چاہئے۔ البتہ یہ واضح رہے کہ اگر معمولی نفع کا فرق ہو تو قاضی کو اس کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔

بانی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ نے اس صورت میں بھی قاضی شریعت کی اجازت سے تبادلہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، چنانچہ وہ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ”موقوفہ زمین کو بخیال زیادتی منافع تبدیل کرنا یا فروخت کر کے دوسری زمین خریدنا بحکم واجازت قاضی جائز ہے، بغیر اجازت وحکم جائز نہیں، پس اگر اس کی ضرورت ہے تو قاضی شریعت سے درخواست دے کر اور ثبوت بہم پہونچا کر اجازت حاصل کیجئے“ (مولانا سجاد صاحب کا یہ فتویٰ مطبوعہ نہیں ہے۔ طباعت کے بعد انشاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آنے والا ہے)

واضح رہے کہ اس صورت میں اختلاف صرف اراضی موقوفہ کے سلسلہ میں ہے، مکان موقوفہ کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بالاتفاق اس کا تبادلہ جائز نہیں ہے۔ مکان کا قیاس زمین پر نہیں کر سکتے ہیں، اس لئے کہ اگر زمین کی پیداوار کم ہو جائے تو لوگ اس کو اجارہ پر لینے بلکہ بعض دفعہ خریدنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے، اس کے برخلاف مکان اگر اس کا کچھ حصہ ویران ہو جائے تو بھی لوگ اس کو طویل مدت کے لئے اجارہ پر لے سکتے ہیں۔

”إن الخلاف فی الثالث إنما هو فی الأرض إذا ضعفت عن الاستغلا ل بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فإنه لایجوز حینئذ الاستبدال علی کل الأقوال قال ولایمکن قیاسها علی الأرض فإن الأرض إذا ضعفت لا یرغب غالباً فی استئجارها بل فی شرائها أما الدار فیرغب فی استئجارها مدة طویلة لأجل تعمیرها للسکنی“ (ردالمحتار ۳/۳۸۷)

استبدال کی مزید دو صورتیں:

مذکورہ بالا تین صورتوں کے علاوہ استبدال کی مزید دو صورتیں کتب فقہ میں ملتی ہیں:

الف۔ کسی شخص نے اراضی وقف کو غصب کیا اور اس پر پانی جاری کر دیا، یہاں تک کہ وہ سمندر ہو گیا، تو ایسی صورت میں غاصب ان اراضی کی قیمت کا ضامن ہوگا، اس قیمت سے دوسری اراضی خریدی جائیں گی جو پہلی اراضی کی جگہ پر وقف ہوں گی۔

ب۔ غاصب نے وقف کی جائداد دینے سے انکار کر دیا، اور متولی کے پاس کوئی بینہ بھی موجود نہیں ہے، پھر غاصب نے اس کی قیمت دینے کا ارادہ کیا تو متولی قیمت لے کر دوسری زمین خرید کر وقف کر دے گا۔

” لا یجوز استبدال العامر إلا فی أربع“(درمختار) (قوله إلا فی أربع) الأولی لو شرطه الواقف الثانیة إذا

غصبه غاصب وأجرى عليه الماء حتى صار بحرا فيضمن القيمة و يشترى المتولى بها أرضاً بدلاً الثالثة ان يجحده الغاصب ولا بينة اى وأراد دفع القيمة فللمتولى أخذها ليشترى بها بدلاً"(ردالمحتار ۳/ ۳۸۹)

شئ موقوف کے تبادلہ کا اختیار کس کو ہوگا:

جن صورتوں میں واقف نے تبادلے کی شرط اپنے لئے لگائی ہے یا کسی دوسرے کے لئے، ان صورتوں میں تبادلہ کا اختیار واقف کی شرط کے مطابق خود واقف کو یا اس کے نامزد کردہ شخص کو ہوگا۔ اور جن صورتوں میں واقف نے اپنے یا کسی غیر کے لئے کوئی شرط نہیں لگائی ہے اور شرعاً تبادلہ کی گنجائش ہے، ان صورتوں میں تبادلہ کا اختیار صرف قاضی شریعت کو ہوگا، جو علم و عمل اور عدل میں ممتاز ہوں۔

(وأما) الاستبدال ولو للمساكين آل (بدون الشرط فلا يملكه القاضى) والمستبدل قاضى الجنة المفسر بذى العلم والعمل الخ (در مختار)

علامہ شامیؒ استبدال کی شرطیں بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

" ولا يخفى ان هذه الشروط فيما لم يشترط الواقف استبداله لنفسه أو غيره فلو شرطه لا يلزم خروجه عن الانتفاع ولا مباشرة القاضى له ولا عدم ريع يعمر به كما لا يخفى فاغتنم هذا التحرير "(ردالمحتار ۳/ ۳۸۸)

اب رہا یہ سوال کہ جن مقامات پر قاضی شریعت موجود نہ ہوں وہاں پر یہ اختیار کس کو ہوگا، تو میرے خیال میں چونکہ متولی مصالح وقف کا نگراں اور محافظ ہے، اس لئے اگر متولی دیانتدار، صاحب تقوی اور پابند شرع ہے تو اس کو یہ اختیار ہونا چاہئے، لیکن وہ اس طرح کا تبادلہ اپنے علاقہ کے متدین اور صاحب تقوی علماء کی نگرانی میں کرے، اور اگر متولی بھی نہ ہو تو وہاں کے مسلمان کسی صاحب علم و عمل اور عدل میں ممتاز شخص کو اس کا متولی اور نگراں بنادیں، اور وہ تبادلہ کرے۔

فى الذخيرة سئل شمس الأئمة الحلوانى عن أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر استغلالها هل للمتولى أن يبيعها ويشترى بثمنها مكانها أخرى قال نعم"(منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۵/ ۲۲۳) "اتفاق المشائخ المتأخرين على أن الأفضل لأهل المسجد أن ينصبوا متوليا ولا يعلموا القاضى فى زماننا لما علم من طمع القضاة فى أمور الأوقاف صرح به فى التتارخانية و غيرها فى كثير من كتب المذهب"(منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۵/ ۲۲۳)۔

مسجد اور دیگر اوقاف میں فرق:

واضح رہے کہ تبادلہ وقف کے سلسلہ میں مذکورہ بالا پوری تفصیل مسجد کے علاوہ دیگر اوقاف یا خود مسجد پر وقف شدہ جائداد سے متعلق ہے، خود مسجد کے سلسلہ میں یہ تفصیل نہیں ہے، بلکہ مسجد مفتی بہ قول کے مطابق تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے، اس کی مسجدیت کو باقی رکھنا ضروری ہے، کسی بھی حال میں، گرچہ اس کے اردگرد آبادی ختم ہوگئی ہو، ایک شخص بھی نماز پڑھنے والا نہ ہو، پھر بھی نہ تو اس پر ملکیت کے احکام جاری ہوں گے، نہ اس کی خرید و فروخت جائز ہے، نہ اس کا تبادلہ اور نہ ہی اس میں کوئی ایسا کام کر سکتے ہیں جو احترام مسجد کے خلاف ہو۔

"(ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثانى) أبداً إلى قيام الساعة (وبه يفتى) حاوى القدسى (در مختار) (قوله ولو خرب ماحوله الخ) اى ولو مع بقائه عامراً و كذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر (قوله عند الإمام والثانى) فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى حاوى القدسى وأكثر المشائخ عليه مجتبى وهو الأوجه فتح" (ردالمحتار ۳/۳۷۱)

منشاء واقف کی رعایت اور مقاصد وقف کا تحفظ وبقا ضروری ہے:

اوقاف کے سلسلہ میں منشاء واقف کی رعایت اور مقاصد وقف کا تحفظ وبقا ضروری ہے۔ یہ خیال رکھنا پڑے گا کہ واقف نے کس مقصد کے لئے وقف کیا ہے، جس مقصد کے لئے وقف کیا ہے اسی میں اس کا استعمال ضروری ہے، دوسرے مقاصد میں استعمال منشاء واقف کے خلاف ہے۔ مثلاً اگر مسجد کے لئے اراضی وقف ہیں تو ان اراضی کی پیداوار کو مسجد ہی پر صرف کرنی ہوگی، مدرسہ یا دیگر کار خیر میں صرف نہیں کر سکتے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ مقصد وقف کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، کوئی ایسا کام نہ ہو جس سے مقصد وقف فوت ہو جائے، اگر کسی وجہ سے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو قاضی شریعت یا قاضی شریعت نہ ہوں تو متولی کی ذمہ داری ہے کہ ایسی کوشش کرے جس سے مقصد وقف کی حفاظت ہو سکے۔ مثلاً قدیم مسجد شہید کر کے نئی مسجد بنائی گئی، قدیم مسجد کے سامان مثلاً اینٹ یا لکڑیاں جن کی ضرورت نئی مسجد کو نہیں پڑی، اور ان کو فروخت نہ کرنے کی صورت میں ضائع ہونے کا یا چوری ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں مقاصد وقف کے تحفظ وبقا کے پیش نظر قاضی شریعت کی اجازت سے وہ فروخت کر دی جائیں گی اور قیمت مسجد میں صرف ہوگی، یا کوئی قبرستان ہے جو بہت ہی وسیع ہے، مردے کم دفن ہوتے ہیں، کچھ حصہ پر غیروں نے قبضہ کر لیا ہے اور بقیہ حصہ پر بھی قبضہ کر لینے کا خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں قبرستان کی حفاظت کی غرض سے چاروں طرف سے دوکان بنا کر کرایہ پر لگانے کی گنجائش ہے، قاضی شریعت کی اجازت سے ایسا کر سکتے ہیں۔

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (ردالمحتار ۳/ ۴۲۳)

"وما انهدم من بناء الواقف وآلته صرفه الحاكم فى عمارة الوقف إن احتاج إليه وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها لأنه لابد من العمارة ليبقى على التابيد فيحصل مقصود الواقف فإن مست الحاجة إليه فى الحال صرفها فيها وإلا أمسكها حتى لايتعذر عليه ذلك أو إن الحاجة فيبطل المقصود وإن تغذر إعادة عينه إلى موضعه بيع و صرف ثمنه إلى المرمة صرفا للبدل إلى مصرف المبدل" (ہدایہ کتاب الوقف ۲/ ۶۴۴)

وقف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

اس ذیل میں ایک اہم بحث یہ آتی ہے کہ ایک وقف کی فاضل آمدنی جو اس کی ضروریات سے زائد ہے، اور مستقبل قریب میں بھی اس کی ضرورت پڑنے والی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس فاضل آمدنی کو کس مصرف میں صرف کیا جائے۔ مثلاً کسی مسجد

پر کافی اراضی وقف ہیں، ان اراضی کی آمدنی ہر سال اتنی ہوتی ہے کہ مسجد کی ضروریات پر صرف ہونے کے باوجود بہت زیادہ بچ جاتی ہے، اس طرح ہر سال آمدنی میں اضافہ ہو تا رہتا ہے، جس کی ضرورت مسجد مذکور کو نہیں ہے، تو ایسی صورت میں مسجد مذکور کی موقوفہ اراضی سے حاصل ہونے والی فاضل آمدنی کو کس مصرف پر صرف کیا جائے؟...اس سلسلہ میں کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ ایک وقف کی آمدنی اولاً اسی وقف پر یا اس کی ضروریات پر صرف کی جائے گی، مثلاً مسجد پر موقوفہ جائداد کی آمدنی پہلے مسجد پر یا اس کی دیگر ضروریات جیسے امام و مؤذن کی تنخواہ یا اس کے لئے چٹائیاں یا تیل وغیرہ پر صرف کی جائے گی، لیکن اگر مسجد مذکور کی آمدنی اس کی ضروریات سے فاضل ہو جس سے مسجد کو بے نیازی ہو، یا مسجد کی گھاس یا اس کی چٹائیاں ہیں جن سے مسجد بے نیاز ہے، یا حوض یا مسافر خانہ یا کنواں ہے جس پر اراضی وقف ہیں، اور وہ حوض یا مسافر خانہ یا کنواں خراب و ویران اور بے مصرف ہو گیا، اس پر رقم صرف کرنے کی ضرورت نہیں۔ یا اس کی موقوفہ اراضی سے حاصل ہونے والی آمدنی بہت زیادہ ہے، جو اس کی ضروریات سے فاضل ہے، موقوفہ اراضی سے حاصل ہونے والی آمدنی کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اور مزید اراضی خریدنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے، نیز رقم کو محفوظ رکھنے میں ضیاع کا اندیشہ ہے، اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ متولی وغیرہ اس کا بے جا استعمال کریں، تو ایسی صورت میں ایک وقف کی آمدنی اسی جنس کے وقف پر جو اس سے قریب ہو صرف کی جائے گی۔ مثلاً کسی مسجد کی فاضل آمدنی اس سے قریب کی مسجد یا اس کی ضروریات پر، پھر اس سے جو قریب ہو، اس طرح الأقرب فالأقرب کی ترتیب سے پورے ہندوستان کی مساجد پر صرف ہو گی۔ یا حوض کی آمدنی قریب کے حوض پر، مسافر خانہ کی آمدنی مسافر خانہ پر، مدرسہ کی آمدنی مدرسہ پر صرف ہو گی۔ مسجد کی آمدنی مدرسہ پر یا مدرسہ کی آمدنی مسجد پر یا مسجد و مدرسہ کی آمدنی حوض یا مسافر خانہ یا کنواں پر صرف نہیں ہو گی۔

" (ومثله) في الخلاف المذكور (حشيش المسجد و حصره مع الاستغناء عنهما و) كذا (الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر) أو حوض (إليه) (در مختار) قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ ،لف ونشر مرتب و ظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (ردالمحتار ۳/۱۷۲)

در مختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں اسی صفحہ کے بعد یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اگر واقف اور جہت وقف دونوں متحد ہوں، تو ایسی صورت میں ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف پر صرف کر سکتے ہیں، مثلاً کسی شخص نے اپنی ایک زمین کسی مسجد کی تعمیر، چونہ گردانی وغیرہ پر وقف کی اور دوسری زمین اسی مسجد کے امام و مؤذن کی تنخواہ کے لئے وقف کی تو ایسی صورت میں چونکہ واقف اور جہت وقف دونوں متحد ہیں، اس لئے اگر امام و مؤذن کی تنخواہ اس پر موقوفہ اراضی کی آمدنی سے پوری نہیں ہو پاتی ہے تو دوسری اراضی جو اسی مسجد کی تعمیر یا چونہ گردانی وغیرہ پر وقف تھی اس کی آمدنی امام و مؤذن کی تنخواہ پر صرف ہو گی...اور اگر واقف یا جہت وقف دونوں میں سے کوئی ایک بھی مختلف ہو تو پھر ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً دو آدمیوں نے الگ الگ مسجد بنائی یا ایک شخص نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنایا اور ان دونوں پر کچھ اراضی وغیرہ وقف کیا تو مسجد کی فاضل آمدنی مدرسہ پر یا مدرسہ کی فاضل آمدنی مسجد پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر دو منزلہ عمارت وقف ہو، جس کی ایک

منزل رہنے کے لئے اور دوسری منزل آمدنی حاصل کرنے کے لئے ہو تو یہ بھی جہت وقف کے مختلف ہونے کی صورت ہے، اس میں بھی ایک کی آمدنی دوسرے پر صرف نہیں کرسکتے ہیں۔

(اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه) بسبب خراب وقف أحدهما (جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه) لأنهما حينئذ كشئ واحد (وإن اختلف أحدهما) بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا و مدرسة ووقف عليهما أوقافا (لا) يجوز له ذلك (در مختار) (قوله اتحد الواقف والجهة) بأن وقف وقفين على المسجد أحدهما على العمارة والآخر إلى إمامه و مؤذنه والإمام والمؤذن لا يستقر لقلة المرسوم للحاكم الديني أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة ان كان الوقف متحدا لأن غرضه إحياء وقفه و ذلك يحصل بما قلنا... (قوله بسبب خراب وقف أحدهما) اى خراب أماكن أحد الوقفين... (تنبيه) قال الخير الرملى أقول ومن اختلاف الجهة ما إذاكان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوى (ردالمحتار ۳/۳۷۲)

حضرت تھانویؒ امداد الفتاوی میں اس طرح کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

رہا یہ کہ وہ مصالح مسجد سے بچ جاتا ہے اور اس کے جمع رکھنے میں احتمال ضیاع کا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس فاضل کو دوسرے مساجد کے مصالح پر صرف کرنا چاہئے جو مسجد موقوف علیہ سے قریب ہو، اور اگر اس مسجد قریب میں بھی استغناء ہو تو پھر اس کے بعد جو مساجد قریب ہوں حتی کہ دوسری بلاد ہند کی مسجد تک اس کی محل ہیں (امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۴)

دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہر کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح بہ ترتیب۔ (امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۸)

فتاوی دار العلوم قدیم میں مفتی عزیز الرحمن صاحب، مفتی دار العلوم دیوبند ایک سوال (مسجد کی موقوفہ اراضی میں واقف یا غیر واقف مدرسہ بنا سکتا ہے یا نہیں؟) کے جواب میں فرماتے ہیں: نہیں بنا سکتا۔ (فتاوی دار العلوم قدیم ۶،۵/ ۲۵۳)

خلاصہ یہ ہے کہ ایک وقف کی فاضل آمدنی کو اسی نوع پر الاُقرب فالاُقرب کی ترتیب سے صرف کریں گے، دوسرے وقف پر صرف نہیں کرسکتے ہیں۔

☆☆☆

۵

شیخ عبد المحسن محمد العثمان

سکریٹری جنرل الامانة العامة للأوقاف،کویت

أحمدك اللهم، شاكراً لسابغ فضلك، وأستهديك هادياً قريباً منجياً....وأصلي وأسلم على رسولك نبي الرحمة، جاء بعقيدة التوحيد، وشريعة العدل، وحضارة الأخلاق...وعلى آله وصحبه ومن سار على هديه إلى يوم الدين. وبعد...،

مجھے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بے انتہا خوشی محسوس ہو رہی ہے جس نے مجھے اس اہم سمینار کی سرگرمیوں میں شرکت کی پر خلوص دعوت دی...، امت مسلمہ کی موجودہ صورتحال کا تقاضایہ ہے کہ ہم ایک اسلامی تہذیبی پروگرام کے آئینہ میں اپنے کو موجودہ زمانہ سے مربوط کرنے کی نوعیت پر غور وفکر کریں جس کے ذریعہ امت اسلامیہ کی وہ عظمت رفتہ پھر بحال ہو جائے جس کا تعلیم ومعاشرت کے مختلف میدانوں کے اندر ایک اہم حصہ رہا ہے۔

انسانی تہذیب کی تشکیل میں ہم اگر اپنی معاشرتی سرگرمیوں کے معیار کو بلند کرنے کے لئے کمربستہ ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اصولوں اور اپنے کامیاب تاریخی تجربات سے بھرپور استفادہ کریں، تاکہ ہماری معاشرتی ترقی اور فلاح کو مزید سرگرم بنانے والے مناسب حال اسلامی تہذیبی نقشوں اور طریقہ کار کو درجہ کمال تک پہنچانے والی تدابیر اور راہیں ہم پر آشکارا ہو سکیں، ان تدابیر سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ان ترقیاتی کاوشوں پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے جو سماج کے مختلف اداروں، خصوصاً ملکی سماجی اداروں کی طرف سے کی جارہی ہیں، اور یہ ایک امر واقعہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں عالمی سطح پر ترقیاتی عمل کی باگ ڈور بڑی حد تک ان ہی اداروں کے ہاتھوں میں ہے، صورتحال کی اس نزاکت کا تقاضا ہے کہ ہم وقف کی سنت کو ایک مؤثر اسلامی ترقیاتی پروگرام کی حیثیت سے پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کریں۔

اس مسئلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تین بنیادی عناصر ہیں:

۱۔ ہماری موجودہ زندگی میں اسلام کے بارے میں تصور

۲۔ ترقی کے بارے میں ہمارا موجودہ تصور

۳۔ موجودہ مسلم معاشرہ کے ترقیاتی نظام میں وقف کا مقام

۱۔ ہماری موجودہ زندگی میں ہمارا اسلامی تصور:

شاید کوئی یہ سوال کرے کہ کیا ہم اسلام کے بارے میں بحث کر رہے..؟ اسلام تو اپنے اصول، مرجعیت، اقدار اور قوانین و احکام کے اعتبار سے معروف ومسلم ہے۔

یہ سوال درست ہے، لیکن ہمارا موضوع بحث اس وقت وہ وسیع باب ہے جسے شریعت نے فقہ کے لئے چھوڑ دیا ہے... تاکہ ہم اپنی معاشرتی سرگرمیوں اور طرز زندگی میں اصولی اور فقہی اجتہاد کے ذریعہ زمانہ کے تقاضوں کو پورا کر سکیں، ہم لوگ اس بات کو محسوس کر رہے ہیں کہ اس وقت مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر دوسروں سے زیادہ فکری انتشار سے دوچار ہیں اور ان کی ایک بڑی اکثریت اس کا شکار ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ انتشار زبردست نقصانات کا سبب بنتا ہے اور ہر ایک الگ الگ مسلم معاشرہ کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دیتا ہے اور پورے عالم اسلام کے لئے بھی ضرر رساں بنتا ہے.... یہ ایسا خسارہ ہے جس کا اندازہ ماہرین ترقیاتی پیمانہ کے ان معیاروں کے مطابق آسانی سے لگا سکتے ہیں جو موجودہ انسانی فکر کا ماخذ ہیں، ہمارے ناقص ادراک کے مطابق یہ حقیقت ہمیں مسلسل اسلام کے متعلق گفتگو کرنے پر مجبور کرتی ہے، یہ گفتگو خواہ مخصوص سمیناروں کی سطح پر ہو یا عام محفلوں اور مجلسوں کی سطح پر... موضوع کا نازک پہلو یہ ہے کہ ہمیں کس اسلام کے متعلق گفتگو کرنے کی ضرورت ہے؟...

بہت سے ماہرین عصر حاضر کو "انفارمیشن ایج" سے تعبیر کرتے ہیں، یہ تعبیر بڑی حد تک دقت نظر پر مبنی ہے، تحقیق و مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ان معلومات کا حجم جو اس وقت صرف ایک سال میں مدون ہوتی ہیں اور جو عالمی سطح پر متداول ہوتی ہیں پوری طویل انسانی تاریخ کے مدون و متداول علوم و معارف سے زائد ہے، ہو سکتا ہے اس تخمینہ میں ہمارے درمیان اختلاف رائے ہو، لیکن اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اس وقت روزانہ مختلف ذرائع سے علوم و معارف کا بے پناہ ذخیرہ منظر عام پر آ رہا ہے، یہ ذرائع ہی ان کی تخلیق کرتے اور ان دلالوں کی ایک بڑی تعداد کے درمیان ان کو رواج دینے کی کوشش کرتے ہیں جو دانستہ یا نادانستہ ان کو قبول کرتے ہیں۔

عصر حاضر کی اس مخصوص علامت کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ بلاشبہ نشر و اشاعت کے مختلف مراکز، ذرائع ابلاغ اور ارسال و ترسیل کی بے انتہا قوت اور برق رفتاری کا حامل انٹرنیٹ کے ذریعہ انجام دی جانے والی ان علمی سرگرمیوں میں اسلام کا تناسب قابل لحاظ حد تک پایا جاتا ہے۔

چنانچہ اسلام کے حدود اربعہ کی وہ تعیین جس کے متعلق ہم گفتگو کرنا چاہتے اور خوشخبری دینا چاہتے ہیں کہ اسلام اس انفارمیشن ایج میں ایسی اہم ضرورت بن چکا ہے جس کا دعوت الی اللہ کی فطرت تقاضا کرتی ہے.... اور چونکہ جو خود پیاسا ہو وہ دوسروں کی پیاس نہیں بجھا سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم خود اپنی موجودہ زندگی میں اسلامی تصور اور حیثیت کو اجاگر کریں۔

جب انبیاء علیہم السلام اور خاتم النبیین محمد ﷺ نے فریضۂ تبلیغ ادا کیا اور دینی اقدار کی ترسیخ اور اصول شریعت کی تطبیق کا ایک مکمل نمونہ ہمارے سامنے پیش فرمادیا، پھر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے تاریخ اسلامی کے مختلف ادوار میں اپنے حالات زمانہ کے مطابق بہتر طور پر اصول شریعت کی تطبیق کے اس مبارک عمل کو جاری رکھا اور جب خدائے بزرگ و برتر کی مشیت یہی ہے کہ دعوت الی اللہ کا عمل تا قیامت جاری رہے... تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی موجودہ زندگی میں اسلام کے تطبیقی تصورات و مفاہیم کے انتشار کا ازالہ کریں... اس لئے کہ فہم و تصور کا یہ انتشار ترقیاتی کاوشوں پر بہت ہی واضح اثر ڈالتا ہے بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پسماندگی کی ایک علامت ہے جسے دور کرنا ضروری ہے۔

اگر ہمارے پاس بحیثیت امت مسلمہ اسلام کے واضح تطبیقی تصورات ومفاہیم نہیں ہیں جن پر ہمارے عوام الناس کا ایمان ہو اور اسلامی عدل کی طرف اپنے مقدمات میں وہ رجوع کرتے ہوں، اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوں اور اسلامی طریقہ کے مطابق ہی دوسروں کے ساتھ ان کا رہن سہن اور ان کے معاملات ہوں، اور جب ہماری ہی جنس کے غیر مسلموں کے لئے ان تصورات کا احاطہ مشکل ہو تو اس صورت میں میرے اپنے اندازے کے مطابق بسا اوقات مسلم معاشرے سخت داخلی اور خارجی انتشار اور کشمکش میں مبتلا رہیں گے، اور یہ داخلی وخارجی کشمکش ترقیاتی عمل اور ان کے حصول کے لئے سم قاتل ہے۔

اسلامی اصولوں کے لئے موجودہ تطبیقی تصورات کے فقدان کی ایک مثال ہم بیان کرتے ہیں... شاید اس سے ہمارے موجودہ فکری انتشار کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اور زیر بحث مسئلہ کی ماہیت واضح ہوسکے۔ یہ مثال مفہوم مال کے تعلق سے ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہم مال کے مفہوم کے کسی معاصر واضح اور متفقہ نقطۂ نظر یا اکثریت کے اتفاق پر مبنی نقطۂ نظر کے حامل ہیں، اس طور پر کہ اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا نظریہ شاذ کے درجہ میں ہو۔

ہر ایک کو معلوم ہے کہ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی کیمپوں کے درمیان سرد جنگ اور جنگ کے نتیجہ میں ہر ایک کو اپنا حمایتی بنانے کی زبردست تگ ودو کے آغاز ہی میں مسلمانوں کے درمیان ایک فکری تحریک ظہور پذیر ہوئی جس کا خیال تھا کہ اسلام ایک اشتراکی مذہب ہے، اس کے بالمقابل ایک دوسری تحریک منظر عام پر آئی جس کا دعوی تھا کہ اسلام ایک سرمایہ دارانہ مذہب ہے، اور یہ صحیح ہے کہ ان دونوں ایک دوسرا فکری رجحان بڑھ رہا ہے جو اسلام کے حقیقی تصور مال اور سماج اور اداروں سے اس کے رابطہ و تعلق کی نوعیت کو واضح کرنے کی کوشش میں ہے، مگر اس طرز فکر کی خامی یہ ہے کہ یہ عرصہ دراز تک دنیا پر چھائے ہوئے "اشتراکی اور سرمایہ دارانہ" دونوں نظریوں میں سے ہر ایک کو اپنا ہمنوا بنانے والی تحریک کی ناکامی اور کمزوری سے قوت حاصل کرنے کی کوشش میں ہے، اس کی قوت کا سرچشمہ قوت وطاقت کے ذاتی عوامل نہیں ہے۔

ہم زخموں کو کریدنا نہیں چاہتے، بلکہ اسلام کے تصور مال کی آمیزش کی ایک مثال دینا چاہتے ہیں، نویں دہائی کی ابتداء میں اپنے مسلم عرب پڑوسی عراق کی طرف سے کویت پر کیا جانے والا حملہ اس کی ایک واضح مثال ہے، پڑوسی ملک پر حملہ کے دیگر وجوہ جواز کے ساتھ ساتھ ایک وجہ جواز مال کے غلط تصور کا استعمال بھی ہے، کیا بحیثیت امت ہمارے فکری انتشار کی یہ ایک واضح دلیل نہیں ہے؟... اس انتشار کے ہوتے ہوئے مسلم معاشروں کی ترقی اور ان کی ترقی کو بروئے کار لانے کے تقاضوں کی تکمیل کبھی نہیں ہوسکتی، یہ ملکوں اور ایک ہی سماج کے مختلف طبقوں کے درمیان بہت سے جھگڑوں کے برپا ہونے کا سبب ہے، اور تباہی، ہلاکت اور زوال کا باعث ہے، اسلامی اصولوں کے تطبیقی مفاہیم میں خلط والتباس کی زد بہت سارے ان فکری عناصر پر پڑتی ہے جن پر ہمیں موجودہ ترقیاتی نظریہ کی بنیاد رکھنی چاہئے.... ان میں سے مثال کے طور پر چند یہ ہیں، ملکیت اور حقوق ملکیت کا تصور، استخلاف فی الارض کا تصور، معاشرہ میں وقف اور زکوۃ کا کردار، دعوت اور اجتہاد کا تصور، آزادی اظہار رائے اور حدود اختلاف رائے کا تصور، رفاہی امور کا تصور، فساد فی الارض اور جہاد کا تصور، اقتدار، ذمہ داری، شورائیت، اجماع اور اکثریت کے تصورات، اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے امور جن کے لئے ایسے مفاہیم کی تلاش ہے جو شریعت کے مطابق ہوں، ہمارے اس دور میں قابل عمل ہوں، اور جن پر امت کا اتفاق ہو۔

۲۔ ترقی کا موجودہ مفہوم:

ترقی سے ہماری کیا مراد ہے؟... ماہرین کی اصطلاح سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر ہم اس سوال کا جواب دینا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ”ترقی“ کا لفظ عربی زبان کے ایک مفرد کی حیثیت سے صرف عصر حاضر میں معروف ہے، اور اگر غیر عربی زبان کے مطابق ”ترقی“ تغیر اور نمو کے عمل کا نام ہے تو میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ترقی انسانی زندگی کی فطرت کا ایک حصہ اور پوری انسانی تاریخ میں ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، اور لوگوں نے ہر دور میں زمان و مکان اور حالات کے اختلاف کے باوجود ترقی کے لئے ہمیشہ جد وجہد کی ہے۔

چنانچہ آج کا مسئلہ ترقی کے وجود کا نہیں ہے، اس لئے کہ ترقی تو موجود ہے اور ہر ایک تغیر و نمو کے عمل سے گذر رہا ہے، بلکہ آج کا اصل مسئلہ ترقی کے اغراض و مقاصد اور اس کے ذرائع و وسائل کا ہے، ہم کیوں کر نمو و تغیر کو قبول کریں اور کیسے قبول کریں؟ ترقی و تغیر کے لئے مختلف اسالیب کو ہمارے اختیار کرنے کے اسباب کیا ہیں؟ اور پھر ترقی و تغیر کے اس عمل میں نفع و نقصان کی مقدار کیا ہے؟

میرا خیال ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اکثر لوگ میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ ترقی کا کوئی ایک نمونہ نہیں ہے جس کی تقلید لازمی ہو، اس لئے کہ ہر قوم، بلکہ ہر شہر کی کچھ اپنی خصوصیات ہوتی ہیں اور ان کے تدریجی حالات ہوتے ہیں جن کے زیر اثر وہ اپنی طرف سے تیار کردہ ترقی کے نمونہ کی تشکیل کرتے ہیں، بلکہ بعض کے نزدیک خصوصیت کی رعایت اور تکمیل میں اس کے نفوذ کی وجہ سے معاملہ یہاں تک پہونچ چکا ہے کہ صرف معاشرتی ترقی (یعنی الگ الگ ہر چھوٹے معاشرے کی مقامی ترقی) پر روشنی ڈالی جارہی ہے، جیسا کہ ترقی کا کوئی ایک بنیادی مرکز یا ادارہ ہو جو علاقائی پیمانے پر ہو یا پورے مسلم معاشرے یا ملک یا اسٹیٹ کو شامل ہو۔

میں چاہتا ہوں کہ تنمیہ کے مسئلہ سے متعلق کچھ بنیادی مفاہیم کی طرف اشارہ کرتا چلوں، وہ یہ ہیں:

(الف) اس بات کی ضرورت کہ مسلمان اسلام کی قیادت کو تسلیم کریں

(ب) پسماندگی سے ترقی کے تعلق کی نوعیت کا مسئلہ

(ج) ترقیاتی سرگرمیوں کے معیارات

(الف) اس بات کی ضرورت کہ مسلمان اسلام کی قیادت کو تسلیم کریں:

تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ اس بات کی واضح رہنمائی کرتا ہے کہ مسلمانوں کی سرزمین میں اسلام کی جڑیں راسخ ہیں، اور اس کی شدید ضرورت ہے کہ امت کی تمام طاقتیں اور اس کے تمام اجتماعی ڈھانچے ٹھیک ٹھیک اسلام کو قبول کریں.. اس کی تاریخی مثال یہ ہے کہ سامراجی طاقت جنوبی امریکہ کی اقوام کا اپنی فکری جڑوں سے رابطہ اور تعلق کو توڑنے میں کامیاب ہوگئی ٹھیک اسی وقت قرب مسافت کے باوجود شمالی افریقہ اور بحیرۂ روم کے مشرق میں آباد مسلم قوموں کا اسلام سے تعلق توڑنے میں ناکام رہی، لہذا مسلم معاشرے کا اسلام کی سربراہی اور قیادت کو تسلیم نہ کرنا سخت نقصانات کا باعث ہوگا جس کے نتیجہ میں ہمیں ترقی کی سنجیدہ کوششوں کو کمزور کرنے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

(ب) ترقی کا پسماندگی سے رابطہ کی نوعیت کا مسئلہ:

یہ بات معلوم ہے کہ ترقی۔ اپنے ایک مفہوم کے اعتبار سے۔ پسماندگی کے ازالہ کا نام ہے، بالفاظ دیگر ہمیں اس پسماندگی کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس کا ازالہ او خاتمہ ہم چاہتے ہیں، اس سوال کا براہ راست، واضح اور صحیح جواب ہی دراصل میرے خیال میں ترقی کے منصوبوں کی مضبوط بنیاد بنے گا، میرا خیال ہے اس جواب کے بغیر ہم خالی خولی دائرہ میں گھومتے پھرتے رہیں گے۔

تہذیبی ادبار اور سماجی واقتصادی پسماندگی کے اسباب مختلف ہیں اور اس کے پیمانے متعدد ہیں جن میں سے اہم کا احاطہ مندرجہ ذیل امور میں ممکن ہے:

۱۔ مفاہیم میں خلط ملط، فکری حرکیت کا زمانے کے ساتھ چلنے سے باز رہنا، معاشرہ کی اصل اور حقیقی ثقافت سے حاصل شدہ کسی نئے اسلوب سے مسائل زمانہ کا مقابلہ کرنے سے پیچھے ہٹنا۔

۲۔ روایت پرستی اور دوسری تہذیبوں کی تقلید ان دونوں قسم کی انتہا پسندی کے درمیان فکری تحفظ۔

۳۔ سیاسی زندگی میں جاری مفاہیم اور ان کے انطباق میں معاشرہ کے تمام افراد اور جماعتوں کے اندر التباس، خصوصاً ان تطبیقات میں جن کا تعلق حقوق وفرائض کے مفاہیم سے ہے۔

۴۔ معاشرہ کے عمومی نظام میں کمزوری اور اس کی امن وسلامتی کو درپیش بڑھتے خطرات۔

۵۔ معاشرے کے مختلف عام وخاص اداروں کے انتظام وانصرام میں کمزوری، پالیسیوں کی گڑبڑی، کرپشن کا عام ہونا اور افراد وجماعتوں کے باہمی رابطہ اور لین دین پر منفی اقدار کا تسلط۔

۶۔ اجتماعی کفالت ونگہداشت کے فقدان اور غربت ومحرومی سے دوچار طبقوں کے ساتھ مسلسل زیادتی کے باوجود سرمائے اور آمدنیوں کی تقسیم میں پایا جانے والا زبردست تفاوت۔

۷۔ معاشرہ کے مختلف طبقات کے درمیان پائے جانے والے سماجی امتیازات کو مٹانے والی اجتماعی حرکت کی مشینوں کا بند ہو جانا۔

۸۔ تعلیم وصحت اور خدمات عامہ کے معیار کی پستی اور بامقصد تفریح کے تصور کا فقدان۔

۹۔ تطبیقی علوم اور ثقافت سے عدم دلچسپی۔

۱۰۔ اقتصادی مساوات کے دونوں پہلوؤں طلب ورسد کے درمیان عدم توازن، جس کے نتیجہ میں سماج مختلف مشاکل میں پھنس کر رہ جاتا ہے جیسے افراط زر، آمدنیوں کی حقیقی قوت خرید کی گراوٹ، داخلی وخارجی قرضوں میں دب جانا جس کا بوجھ سال بسال بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اور سماج کے بہت بڑے حصے میں غربت وافلاس کا عام ہونا۔

۱۱۔ اقتصادی تنوع میں عدم توازن، چنانچہ کبھی اقتصادیات یکرخی آمدنی اور نفع آمیز ہو کر رہ جاتی ہے، آمدنی کا معیار بڑھ جاتا ہے اور سماج میں پسندیدہ اور اختیاری بے روزگاری بڑی حد تک بڑھ جاتی ہے، اور عمومی طور پر کام کرنے والی طاقتوں کی سرگرمیوں کا معیار گھٹ جاتا ہے۔

۱۲۔ مختلف شعبہ جات، پیشوں اور معیارات کے درمیان کام کرنے والے عوامل کی باڈی کی تشکیل میں عدم توازن۔

۱۳۔ بیرونی تجارتی تعلقات کا خام مواد کی برآمدات اور مکمل بنی ہوئی مصنوعات کی درآمدات پر زور صرف کرنا۔

(ج) ترقیاتی سرگرمیوں کے معیارات:

فطری بات ہے کہ ترقیاتی منصوبہ اور اس کی تنظیم کے لئے سرگرمیوں کے معیارات کی ضرورت ہوگی۔ اس موقع پر خود بخود جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ کیا خالص اقتصادی تغیرات کے اشارات ہی سے ترقی کے نتائج کو پرکھنا ضروری ہے؟ جیسے: قومی آمدنی کی بڑھوتری کا اوسط اور ہر فرد کا اس میں حصہ، کام کا پروڈکشن، ذخیرہ اندوزی کا رجحان اور اس کا حجم، سرمایہ کاریوں کا حجم، یہ اور اس طرح کے دوسرے معیارات جن کا استعمال ہی بعض ملکوں کی اقتصادیات کی درجہ بندی کرتا ہے اور یہ طے کرتا ہے کہ یہ اقتصادی طور پر پسماندہ ہیں اور اس کے نتیجہ میں اس درجہ بندی سے نکلنے کے لئے یہ ممالک خالی خولی دائرے میں چکر لگاتے پھرتے ہیں، یہاں تک کہ اس درجہ بندی کی رو سے غریب ملک کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے "چونکہ فلاں ملک غریب ہے اس لئے وہ غریب ہے"۔

چند دہائیوں سے اکثر ماہرین اقتصادیات ترقی و پسماندگی کی درجہ بندی کے لئے ان معیارات کو استعمال کرتے آئے ہیں، بہت سے غریب اور امیر اور ان ملکوں کے تجرباتی مطالعہ کے بعد جن کو اس درجہ بندی کی رو سے ترقی پذیر ملک قرار دیا گیا تھا حالانکہ وہ مختلف قسم کی پسماندگی کے مظاہر میں مبتلا تھے اس خیال کی غلطی واضح ہو چکی ہے، یہ خیال اس لئے بھی درست نہیں کہ ہمیں اس وقت ایسے معیارات کی ضرورت ہے جو مسئلہ کے وسیع اطراف وجوانب سے ہم آہنگ ہوں۔

اس مقصد کے حصول کے لئے جب ہم اسلام کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے پاس اس کے لئے ایک فکری و عملی دائرہ موجود ہے، اسلام اصول سازی کرتا ہے اور پھر زمان و مکان کے حالات سے ہم آہنگی کے لئے وسیع میدان چھوڑ دیتا ہے، اسلام اپنے اصولوں کی بنیاد پر ہمیں اس قابل بنا دیتا ہے کہ ہم پسماندگی کے آثار کا ازالہ کریں اور ترقی کو بروئے کار لائیں، اور ایسا اس طرح کہ:

۱۔ اسلام تخلیق کی حکمت اور مخلوقات میں انسان کے مقام کے سلسلہ میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، اسلام انسان کو اس پہلو سے بھی تدبر کی دعوت دیتا ہے کہ اسے اپنی ذات اور دیگر انسانوں اور مخلوقات کے تعلق سے بڑی بڑی ذمہ داریوں کا مکلف کیوں بنایا گیا ہے؟ اسی طرح اسلام مکمل طور پر فکری جمود کو رد کرتا ہے، اور ہر زمان و مکان میں مسلمانوں کو درپیش مسائل و مشکلات کا حل تلاش کرنے کے مقصد سے قوانین کی تشکیل، مفاہیم کی تجدید اور ان کی تطبیقی شکلوں کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے اجتہاد پر ابھارتا ہے۔

۲۔ فرائض کے تعلق سے مسلم معاشرہ کے افراد کے درمیان وحدت، فکری انتشار اسلام میں ممنوع ہے، انتہا پسندی اور غلو اعتدال پر مبنی اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، لہذا اس کی تعلیمات کے مطابق فکر، زندگی کے معاملات اور دوسری تہذیبوں سے تال میل میں انتہا پسندی اور غلو سے احتراز کی ضرورت ہے۔

۳۔ اسلام نے درست سیاسی زندگی کے لئے واضح اصول مقرر کیے ہیں، اور ان کے نفاذ کی تفصیلات کو ہر معاشرہ اور ہر زمانہ کے مناسب حال اجتہاد پر چھوڑ دیا ہے، مسلم معاشروں کی سیاسی زندگی میں کمزوری اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب معاشرے کے افراد اور اداروں کی طرف سے اسلامی اصولوں کی غلط تعبیر پیش کی جاتی ہے، خاص طور سے شریعت کے مقرر کردہ حقوق و فرائض کے مفاہیم کے تعلق سے جب کوئی غلط تصور سامنے آتا ہے۔

۴۔ اسلام نے حقوق و فرائض کے مفاہیم کی جو موزوں درجہ بندی کی ہے، اس کے نتیجہ میں معاشرہ کا عمومی نظام درست ہو جاتا ہے اور یہ معاشرہ کے امن کی ضمانت بھی ہے۔

۵۔ جہاں تک انتظامیہ کا تعلق ہے تو اسلام ہر ذمہ دار کو اپنے ماتحت کے ساتھ حسن سلوک پر ابھارتا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ اغراض و مقاصد اور پالیسیوں کی واضح تعیین کی جائے۔ فرائض کی بجاآوری کا معیار بلند ہو، فساد اور خرابی کے تمام مظاہر سے دور رہا جائے اور افراد و جماعتوں کے باہمی تعامل میں مثبت اقدار کی حکمرانی اور بالادستی تسلیم کی جائے۔

۶۔ اسلام نے (زکوۃ، وقف اور دیگر صدقات کے حوالے سے) دولت کی تقسیم میں توازن اور عام اقتصادی امور اور تمام ہی محتاج اور کمزور طبقات کی اجتماعی نگہداشت اور کفالت کے عمل کو بروئے کار لانے سے متعلق ایک بیش بہا اور متوازن نظام پیش کیا ہے۔

۷۔ اسلام نے رنگ، قومیت، انسان کی مالی حالت اور انسان اور انسان کے درمیان تفریق کرنے والے دیگر معیارات سے قطع نظر ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق افضل قرار دیتے ہوئے اجتماعی عمل کے ایسے معیارات ترتیب دیئے ہیں جو منتخب افراد کی صفوں میں شمولیت کی تنظیم کرتے ہیں۔

۸۔ اور جہاں تک تعلیم، صحت، جسم و جان کے حقوق، اسی طرح محنت و فرائض کی ادائیگی اور کام کو جاری رکھنے میں معاون تفریح کے درمیان توازن کا مسئلہ ہے.. تو ان تمام امور میں اسلامی تعلیمات واضح اور متعین ہیں... اسلام ان امور کو کمالیات نہیں بلکہ ضروریات کا درجہ دیتا ہے۔

۹۔ اسلام نے لوگوں کو طلب علم کے لئے جدوجہد اور مختلف قوموں کی تہذیبوں اور ان کے علوم سے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی، اسی طرح اسلام نے اپنے پیروؤں کو تلاش رزق، اپنی ضروریات کی تکمیل اور اس سلسلہ میں اسباب و ذرائع کو اختیار کرنے کی ترغیب دی.. اور یہی وہ فلسفیانہ بنیاد ہے جو تطبیقی علوم کی تحریک کے پیچھے پوشیدہ ہے۔

۱۰۔ اقتصادی میدان میں اللہ تعالی ہمیں محنت، پیداوار اور اعتدال کے ساتھ بغیر کسی تخریب اور ضیاع کے تمام موجودات اور مسخر اشیاء سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیتا ہے... وہ ہمیں زندگی سے لطف اندوز ہونے کا حکم دیتا ہے لیکن خرچ میں اسراف کے بغیر... یہ حکم اس لئے ہے تاکہ معاشی مساوات کے دونوں پہلوؤں، آمد و خرچ کے درمیان توازن برقرار رہے۔

۱۱۔ اقتصادیات کو متنوع بنانے کے سلسلہ میں مسلمانوں کو اس بات کا مکلف بنایا گیا ہے کہ رزق کے حصول کے لئے سرمایہ کے کسی ایک ذریعہ پر تکیہ کرنے کے بجائے مختلف ذرائع سے تلاش رزق کی کوشش کریں۔

۱۲۔ اسلام میں عمل کی قدریں اور کام کرنے والے کا احترام، اسکے مرتبہ، اختیارات اور کام کی نوعیت سے قطع نظر ایک ایسی طاقتور بنیاد فراہم کرتا ہے جو کچھ متعین کاموں پر توجہ مرکوز کرنے اور دوسرے کاموں کو نظر انداز کرنے کے نتیجہ میں مختلف پیشوں، شعبوں اور معیارات کے درمیان کام کرنے والی قوتوں کے ڈھانچے کی تعمیر میں واقع ہونے والی خرابی کو دور کرتی ہیں۔

۱۳۔ جہاں تک مسلم معاشرے کے بیرونی تجارتی تعلقات کا معاملہ ہے تو اس میں منافع اور اشیاء کے تبادلہ میں بڑی حد تک ممکنہ توازن کا پایا جانا ضروری ہے۔

۳۔ موجودہ مسلم معاشرہ میں ترقیاتی عملی نظام میں وقف کا مقام:

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ترقی بغیر تبدیلی کے ممکن نہیں.. وقف کا نظام شرعی اصولوں سے مربوط تغیر کے عمل کے لئے موزوں دائرہ کار فراہم کرتا ہے... اسی طرح یہ سماجی ذرائع اور وسائل کی تشکیل کا سامان فراہم کرتا ہے... خواہ وہ وسائل مادی ہوں یا بشری اور مخصوص فنی تجربات، اسلام ان ذرائع سے ترقی کے مقاصد کی تکمیل میں کام لیتا ہے، مندرجہ ذیل اہم اشارات سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔

۱۔ تاریخ نے وقف اور ترقی کے درمیان گہرے رابطہ کا پتہ دیا ہے، چنانچہ اسلامی تاریخ کے روشن ادوار میں زندگی کے مختلف میدانوں میں انجام دیئے جانے والے بیشتر عظیم تہذیبی اور ترقیاتی کارناموں میں وقف کے نظام کی کارفرمائی نظر آتی ہے... جو انہیں سرمایہ، محنت اور فنی تجربات کے ذریعہ تقویت پہنچایا کرتا تھا۔

۲۔ وقف کے ترقیاتی اقدامات سے واضح طور پر موجودہ اسلامی تہذیبی رجحانات کے اہم خطوط کی نمائندگی ہوتی ہے.. وقف کا نظام اسلام کی ترقیاتی اقدار اور عبادت و عقیدہ کی اقدار کے درمیان ہم آہنگی کو ظاہر کرنے کی اصل اور حقیقی شکل ہے.. ان ہی اقدار کی بنیاد پر اسلامی معاشرہ دوسرے معاشروں سے ممتاز ہوتا ہے۔

۳۔ نظام وقف کی ترقی سے اسلام کے اعلی اخلاق و اقدار کی حقیقت نمایاں ہوتی ہے... یعنی اسلام کے انسانی جذبہ کفالت،

دوسروں کے ساتھ ہمدردی، ان کی خیر خواہی خواہ وہ ہمارے لئے غیر معروف اور ہم سے دور ہوں، اور اس کے برعکس وہ اقدار بھی ہیں جن سے انسانیت دوچار ہے یعنی مادی فائدے کا حریص ہونا اور افراد کی اپنی شخصی مصلحت کے ساتھ اختیارات کو اپنی حد تک مرتکز کرنے کے سلسلہ میں انتہا پسندی۔ اوقافی پروجیکٹس میں معاونین اہل خیر کی شرکت معاشرے کے مستطیع افراد کی سماجی ذمہ داریوں کے اصول کو واضح کرتی ہے۔ شرعی نقطہ نظر سے مال اللہ کی ملکیت ہے اور اس نے ہمیں مال کے سلسلہ میں اپنا جانشین بنایا ہے، اور سماجی نقطہ نظر سے اللہ نے صاحب ثروت افراد کو ان کے ماحول اور معاشرہ کے بہت سارے وسائل سے نواز رکھا ہے۔۔ ایمان کی صداقت انہیں اپنے ماحول اور معاشرہ کے تعلق سے ان کی ذمہ داریوں اور فرائض کا بہتر طور پر احساس دلاتی ہے، ایمان کی صداقت ہی ان کو اس بات کا شعور عطا کرتی ہے کہ ان کی ترقی واستحکام میں ماحول و معاشرہ کا کیا کردار ہے؟ وقف کے نظام کے عام ہونے کی وجہ سے سرمایہ پر سے یہ قدیم تاریخی الزام رفع ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان انانیت پسند ہو جاتا ہے، یا اپنے شعور کو کھو بیٹھتا ہے، یا اس کے ذریعہ انسان اپنے دوسرے بھائی کا استحصال کرنے کے لئے کچھ اختیارات حاصل کرنا چاہتا ہے۔۔۔ سرمایہ کی اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کی طرف منتقلی موجودہ دور میں معاشرہ کی ترقی کی ایک نمایاں علامت ہے، اور یہی حال ہر زمانے میں رہا ہے۔

۴۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ وقف کا نظام سرکاری اور عوامی کاوشوں کے درمیان ہم آہنگی اور تطابق پیدا کرنے، انہیں ایک مشترکہ مقصد پر مرکوز کرنے اور دونوں طرف کے شکوک وشبہات کے ازالہ کا ایک بنیادی اور اہم طریق کار تھا، تاریخ اسلام کے ہر روشن اور زریں عہد میں اوقاف نے دفاعی میدان میں، غریبی دور کرنے میں، علوم وثقافت کی ترقی میں، صحتی خدمات کے میدان میں، مزدوروں کی دیکھ ریکھ کرنے اور راستوں کو پرامن بنانے کے میدان میں، مملکت کی کوششوں کے ساتھ تعاون کیا ہے۔۔ ان کے علاوہ دیگر اعلی تہذیبی اور معاشرتی فلاح وبہبود کے میدانوں میں بھی اوقاف کی خدمات مسلم ہیں۔

۵۔ وقف کا نظام مسلم معاشرہ کو اپنے مختلف طبقات اور گروہوں سے مربوط رہنے کا حقیقی موقع عطا کرتا ہے، چنانچہ خدمت عامہ کی بنیاد پر جس میں معاشرے کے تمام افراد کے حال ومستقبل کا مشترک مفاد پنہاں ہوتا ہے، وہ ایک دوسرے سے متحد ہو جاتے ہیں۔

۶۔ جہاں تک وقف کی اسکیموں کی تنفیذ وانتظام میں شرکاء کی رضاکارانہ کوششوں کا تعلق ہے۔۔ تو یہ شہریوں کے درمیان صحیح جمہوری نظام کو عملی جامہ پہنانے کی بہترین کوشش ہے، اور ہمیں کہنے دیجئے کہ جمہوریت کا مظاہرہ زبانوں اور نعروں سے پہلے عمل اور تعاون میں ہو جاتا ہے۔

۷۔ وقف کی اسکیموں کے ذریعہ خصوصی صلاحیتوں، مادی اور انسانی وسائل کی تنظیم کے نتیجہ میں انفاق عام کو صحیح رخ ملتا ہے، حکومت کے عام بجٹ کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے، نہ صرف رفاہی امور میں انفاق کو مناسب جہت ملتی ہے بلکہ معاشرتی امور کے انتظام میں بھی انفاق کو صحیح رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔۔۔ صرف حکومت ہی کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ تمام شہریوں کی ضروریات کی تکمیل کرے اور ان کی ضروری سہولتوں کی فراہمی پر مکمل خرچ کرے۔

۸۔ وقف کے ترقیاتی تجربہ کے تسلسل اور اس سے متعلق صلاحیتوں کے ارتکاز سے اوقافی اداروں کو تقویت حاصل ہوگی اور وہ بحران سے نمٹنے کا بہتر نظام بن جائیں گے، ایسا اس وقت ہوتا ہے جب وقف کے انتظامات میں سرگرم سرکاری اور قومی صلاحیتوں سے مشکلات کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی ان سے نمٹنے کے منصوبوں کے سلسلہ میں فائدہ اٹھایا جائے۔ اور قانونی پیچیدگیوں اور روٹینی طریقوں کو چھوڑ کر بحرانات سے مقابلہ کی ضروری تدابیر اختیار کی جائیں۔

۹۔ وقف اہم سماجی ترقیاتی شعبوں کے لئے مالی استحکام کی بہت معمولی رقم مختص کرتا ہے اور ان شعبوں کو حکومت کے مالیاتی نظام کے تغیرات سے محفوظ رکھتا ہے جو کبھی آمدنیوں کی قلت کی وجہ سے اور کبھی بحران اور ہنگامی صورتحال کے پیش آجانے کے نتیجہ میں زائد اخراجات کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہوجاتے ہیں، اسی طرح کبھی کبھی خصوصی امداد بھی جو رضاکارانہ انفاق میں اضافہ کا ذریعہ ہوتے ہیں اقتصادی کساد بازاری اور بحران کے زمانے میں پیش آنے والے نامساعد حالات میں اپنا اہم رول ادا کرسکتی ہے۔ ایسے مواقع پر وقف ہی دکھوں کا مداوا اور معاشی تغیرات و حوادث سے نجات کا ضامن بن کر سامنے آتا ہے۔

۱۰۔ وقف ان افراد کے لئے جو اپنی وفات کے بعد اپنی اولاد کے تحفظ کے خواہشمند ہوتے ہیں اوقافی ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ اجتماعی تحفظ کی مختلف صورتوں میں سے ایک مؤثر صورت ہے، اس اعتبار سے وقف اولاد کے حق میں زندگی کی ضمانت کی ایک بہترین دستاویز ہے، نہ صرف ایک نسل کے لئے بلکہ آئندہ آنے والی تمام نسلوں کے لئے جب تک اس کی پیداوار کی مستحق اولاد دنیا میں موجود رہے گی اس وقت تک کوئی اس میں تصرف کرنے یا اسے اپنے لئے خاص کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ اس طرح اپنی اولاد و ذریت کیلئے وقف کی ذخیرہ اندوزی آمدنی کو اس مبارک مقصد کی طرف پھیر دیتی ہے۔ اور اس طرح مال کے مالک اسراف و تبذیر کے مختلف راستوں سے اپنے سرمایہ کو بچانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

۱۱۔ افراد اور معاشرہ کے وقفی سرمائے سے ترقیاتی اسکیموں میں کام لینے کی صورت میں بڑھتی ہوئی جدید اور ترقی یافتہ مالی قوت حاصل ہوتی ہے جس سے ملکی اقتصادیات کو سپورٹ ملتا ہے۔

۱۲۔ ترقی کے لئے کوشاں مختلف ممالک میں آج عام ہو رہا ہے "پرائیویٹائزیشن کے عمل" کے نتیجہ میں ضمناً مرتب ہونے والے سماجی اور اقتصادی اثرات و مشکلات کے حل کی تلاش و جستجو میں وقف پوری سرگرمی کا مظاہرہ کرتا ہے، ان مسائل میں سرفہرست ایک طرف بے روزگاری کی صورتحال ہے اور دوسری طرف نوجوان طبقہ میں کام کی بھرپور طاقت و قوت ہے۔ ظاہر ہے کہ بے روزگاری اور نوجوانوں کی بیکاری کے مسائل سرمایہ کاری کے پرکشش میدان نہیں ہیں۔

۱۳۔ "رضاکارانہ اور رفاہی شعبوں" کے ذریعہ معاشرتی اساس کی تکمیل میں وقف کا ایک بڑا رول ہے۔ رضاکارانہ خدمت کا شعبہ دراصل سرکاری اور پرائیویٹ دونوں شعبوں کی تکمیل کرتا ہے اور جو آج پوری دنیا میں معاشرتی ترقی کے کارواں کو آگے بڑھانے میں اساسی حیثیت کا حامل ہوگیا ہے اور ترقیاتی عمل میں توازن پیدا کرنے کا یہ ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ وقف اس تیسرے شعبہ کا اساسی جز بن کر اور اس میں نمایاں کردار ادا کر کے ان مسائل و مشکلات کے حل کا ایک بنیادی اور اہم عنصر بن گیا ہے جو اس شعبہ کی کارکردگی کو متاثر کرتے ہیں۔

اس کے اولین نقاط یہ ہیں:

۱۔ رضاکارانہ اور رفاہی شعبہ کی تحریک کے لئے ایک تنظیمی چھتر سایہ کی فراہمی... باوجودیکہ بعض غیر سودی اداروں مثلاً کوآپریٹیو جمعیتوں کا اپنا وفاق ہے جو ان کی قوتوں کو یکجا رکھتا اور ان کے وسائل سے استفادہ کو وسیع کرتا ہے۔ مگر مجموعی حیثیت سے ترقی پذیر ملکوں میں رضاکارانہ رفاہی شعبہ کے لئے تنظیمی وفاق مفقود ہے جو اس شعبہ کو زیادہ نمایاں کرتا اور سرکاری اور پرائیوٹ شعبوں کی تکمیل میں اس کے رول کو طاقتور بناتا۔

۲۔ ان رضاکارانہ اور رفاہی اداروں کے درمیان تعاون اور تال میل کے ذرائع پیدا کرنا کچھ لوگوں کے نزدیک اس وقت رفاہ عامہ کی تنظیموں اور اسلامی رفاہی اداروں کی تقسیم علاحدہ کی جاتی ہے، جب کہ یہ تمام ہی ادارے مسلم معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں، اور اپنے پروگرام اور دائرہ کار کے اختلاف کے باوجود مسلم معاشرہ ہی کو اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔

۳۔ ہر ملک میں امور اوقاف کی نگرانی کرنے والے مرکزی ادارے سماجی مسائل اور ترقیاتی و رفاہی کاموں کے مختلف میدانوں سے متعلق معلومات کی کمی پر قابو پانے کی کوشش کر رہے ہیں.. اس دور میں ہر اسکیم اور منصوبہ کی افادیت کا دار و مدار علمی تحقیقات پر ہے، خواہ وہ سرکاری اسکیمیں ہوں یا غیر سرکاری یا رضاکارانہ اور رفاہی، یہ کوئی پسندیدہ بات نہ ہوگی کہ رفاہی سرمائے کو (بشمول اوقاف کے سرمائے) غیر سوچے سمجھے پروجیکٹس پر ضائع کیا جائے. یا ان کو ان مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے جو ترجیحات کی فہرست میں کسی نمایاں مقام کے حامل نہیں ہیں، اس سلسلہ میں بنیادی بات معلومات کی فراہمی ہے جن کے ذریعہ وقف کے نظام کو بہتر سے بہتر شکل دی جا سکتی ہے۔

۴۔ رضاکارانہ رفاہی ادارے کے لئے ایسے مناسب ماحول کی تشکیل جس سے مالیات کی فراہمی کے ذرائع اور نئے نئے رضاکار افراد کی تیاری میں مدد لی جا سکے۔ تمام ہی رفاہی تنظیمیں اور رضاکار ادارے لوگوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے سلسلہ میں مد و جزر کے مختلف حالات سے گزرتے ہیں.. یا تو مخصوص قائدانہ شخصیات سے وابستہ رہنے کی وجہ سے، یا مخصوص تاریخی حالات کی وجہ سے، یا از کار رفتہ مقاصد کو اپنا مطمح نظر بنانے کی وجہ سے... اس کے برعکس وقف ایک پائیدار، ہر زمانہ کا مطلوب اور اپنے متعلقہ اغراض کی تکمیل کے ذریعہ تنفیذی حرکیت کا ایک لچکدار نظام ہے، دوسرے الفاظ میں وقف ایک ایسا رفاہی اور رضاکارانہ عمل ہے جس کے اندر ہر زمانہ میں رضاکارانہ محنت کرنے والے اور مالی تعاون کرنے والے افراد پیدا کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔

۵۔ رضاکارانہ اور رفاہی خدمت کے اداروں میں قیادت کی صلاحیت رکھنے والے افراد کے تسلسل کو تقویت پہنچانے کی کوشش اور اس کے انتظامات کے طریقوں کی تجدید... تسلسل اور دوام کی صفات جن سے وقف کے ادارے متصف ہوتے ہیں، رضاکار افراد کو تسلسل کے ساتھ اپنی خدمات پیش کرنے کا موقع دیتی ہیں.. اسی کے نتیجہ میں عملی قیادت کرنے والے افراد سامنے آتے ہیں.. یہ خصوصیت صرف وقف کے نظام کی ہے اور وقف کے سوا دوسرے نظاموں کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے، دوسرے نظاموں کا حال یہ ہے کہ کبھی ان میں قیادت موجود ہوتی ہے اور کبھی خدمت کا جذبہ ہوتے ہوئے بھی ان ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی طرف آدمی کا رجحان نہیں جاتا۔

۶۔ وقف کا نظام رضاکار اور رفاہی اداروں کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ حکومت کی ترقیاتی اسکیموں اور ان کے نفاذ کی

پالیسیوں کی تشکیل میں شریک ہوں...اور ایسا وقف کی متعدد امتیازی خصوصیات کے پیش نظر ہوتا ہے...جن میں سے کچھ اہم خصوصیات یہ ہیں:

☆امور اوقاف کی تشکیل حکومت کی انتظامی اور قانونی تنظیم کے ماتحت ہوتی ہے، حکومت ان کی تشکیل اور ان کے نگراں اداروں کے لئے اپنے قوانین لاگو کرتی ہے۔

☆وقف کے اداروں کے اغراض ومقاصد ایک پائیدار حکمت عملی کے تابع ہوتے ہیں، وقف کی خصوصیت یہ ہے کہ اول روز ہی سے اس کے مقاصد متعین ہو جاتے ہیں..اور واقف کی وفات کے بعد ان اغراض میں ترمیم نہیں کی جاسکتی۔

☆وقف کے اداروں کا مالی استحکام...وقف کے سرمائے اپنے مقاصد پر وقف ہوتے ہیں، وقف کا یہ مالی استحکام وقف کے سرمائے کو ہمیشہ اچھے ثمرات عطا کرتا ہے...مالی استحکام ہی کی وجہ سے وقف منصوبہ بندی کرنے والے افراد کی نظر میں خدماتی اور ترقیاتی پروگراموں کو تقویت پہنچانے کا ایک مضبوط سہارا ہے۔

☆وقفی سرمایوں کے ذرائع واضح ہوتے ہیں...ان کے اغراض ومقاصد اور وسائل میں شکوک وشبہات کے امکانات نہیں ہوتے۔

☆عوامی توانائیوں کو ایک ایسے رخ پر منظم کیا جاتا ہے جو اغراض ومقاصد کے اعتبار سے حکومت کے ترقیاتی منصوبوں اور پالیسیوں سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔

خاتمہ:

ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت عطا کی..اور ایسے طریقہ سے اسے سمجھنے کی توفیق بخشی جس سے ہمارا معاشرہ خیر سے مالا مال ہو جائے اور اس کے ذریعہ ہمیں ہر زمانہ کے حالات وظروف کے مناسب صورتحال کی تبدیلی کے لئے پرامن دائرہ کار اور ترقی کے وسائل فراہم ہوں...ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں موجودہ تطبیقی تصورات اور عملی پروگراموں کے ذریعہ ان ربانی تعلیمات کی تنفیذ کا مکلف بنایا ہے۔ موجودہ تطبیقی تصورات اور عملی پروگراموں کے عام ضوابط میں ہم متحد ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی پوشیدہ ترقیاتی توانائیوں اور طاقتوں سے استفادہ کے طریقوں میں ہمارے درمیان اجتہاد کی بنیاد پر اختلاف رائے ہو سکتا ہے، اسلام کی خوابیدہ ترقیاتی توانائیوں میں سب سے زیادہ موثر اور فعال توانائی وقف ہے۔

آخر میں ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری امت کی فلاح و بہبود کے لئے کی جانے والی کوششوں کو کامیاب فرمائے...اور مختلف اسلامی معاشروں کی تمام سرکاری اور عوامی طاقتوں اور حلقوں سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ حتی الوسع، وقف کے ترقیاتی کارواں کو تقویت پہنچانے پر اپنے تمام تر مالی وسائل و ذرائع کو صرف کریں۔ اسی میں مسلم قوموں کا بہتر مستقبل مضمر ہے...اور موجودہ دنیا میں جہاں بے نظیر "گلوبلائزیشن" کی ہوائیں تیزی سے چل رہی ہیں، مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کی بقاو تحفظ کا واحد ذریعہ یہی وقف کا نظام ہے۔

☆☆☆

سوالنامہ

اوقاف سے متعلق چند اہم سوالات

ہندوستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں مختلف مقاصد کے لئے بے شمار اوقاف ہیں جو زمانہ قدیم سے چلے آرہے ہیں، اوقاف کی دیکھ بھال کے لئے حکومت نے سنٹرل وقف بورڈ اور صوبائی وقف بورڈس بھی قائم کر رکھے ہیں، مختلف صوبوں کے مختلف وقف ایکٹ ہیں اور مرکزی حکومت نے سنہ () میں نیا وقف ایکٹ بنایا، اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ مختلف ریاستوں میں نافذ قانون وقف اور سنٹرل وقف ایکٹ کا جائزہ وقف کے شرعی احکام کی روشنی میں لیا جائے، اس سلسلہ میں مختلف ریاستوں میں نافذ قوانین وقف اور سنٹرل قانون وقف کے جائزہ کے لئے ماہرین قانون کو زحمت دی جارہی ہے، ان کی رپورٹس آنے کے بعد انشاءاللہ کچھ متعین سوالات آپ حضرات کی خدمت میں شرعی نقطہ نظر معلوم کرنے کے لئے ارسال کئے جائیں گے، فی الوقت اوقاف سے متعلق چند اہم سوالات جو بار بار اوقاف کے ذمہ داروں اور قانون وقف کے ماہرین کی طرف سے علماء کی خدمت میں وقتاً فوقتاً پیش کئے جاتے رہے ہیں، انہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے، ان مسائل پر آپ کی واضح ومدلل رائے مطلوب ہے،

سوال نمبر ۱: بہت سے اوقاف (خصوصاً پنجاب وہریانہ اور دہلی ومغربی یوپی میں) ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف مسلمانوں کی آبادی منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں، اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے۔ اس میں قبرستان، مدارس و خانقاہیں ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل سوالات ہیں:

الف۔ ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے؟

ب۔ کیا ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے؟

ج۔ کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ایسے ویران، ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کر دئے جائیں۔

سوال نمبر ۲: بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد ومدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے، اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں دریافت طلب ہیں:

الف: کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے، مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے؟

ب: کیا مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا۔

سوال نمبر ۳: بہت سے اوقاف کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے، جو سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جا رہی ہے۔ جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہے اور منتظمین وغیرہ کی طرف سے بھی، اور نہ ہی روزمرہ کی ضروریات کے اندر اس کے صرف کو سوچا جا سکتا ہے، اور نہ آئندہ حفاظت یا اصلاح و مرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، تو کیا ایسی فاضل آمدنی کا دوسرے مواقع میں صرف کرنا درست ہوگا مثلاً:

الف: اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں؟

ب: دیگر ملی، دینی و علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں؟

سوال نمبر ۴: بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے، جو محلّہ کے اندر واقع ہے، اس کا معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ اور اس کو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ کیا ایسا کیا جا سکتا ہے کہ مکان موقوفہ کو فروخت کر کے ایسی کوئی بھی شکل اختیار کی جائے جس میں وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائے؟

سوال نمبر ۵: بہت سے اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر، کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ خاندان ختم ہو گیا، یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے، یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ۔ تو ان اوقاف کی آمدنی کا کیا مصرف ہوگا؟

سوال۔ نمبر ۶

الف: بعض اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں، اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے۔ اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کر دے کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی، جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا، اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے، کیا شرعاً ایسا معاملہ درست ہے۔ اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں، اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے۔ اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے اگر کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کر لیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

ب: اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے، وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کی جاسکتی ہے، جب کہ اس کا مقصد وقف کی حفاظت ہے اور اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے؟

سوال نمبر ۷: مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین۔ جو کہ ضرورت سے زائد ہے۔ اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے کہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو؟

سوال نمبر ۸: جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان ہو رہا ہے، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا، اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہے۔ بلکہ قبضہ ہو رہا ہے۔ تو ان قبرستانوں کے لئے کیا حکم ہوگا۔ اور ان سے انتفاع کو باقی رکھنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جاسکتی ہے؟

سوال نمبر ۹: بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں۔ ایسی بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو منع کر دیا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے، کیا حکومت کو اس طرح کا کوئی حق ہے؟

سوال نمبر ۱۰: قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرا دی جائے۔ جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس سے یہ کام کرایا جائے۔ جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ دوکانوں میں چلا جائے گا، کیا یہ درست ہوگا؟ اور بعد میں فاضل آمدنی مناسب مصارف خیر میں لگا دی جائے۔

سوال نمبر ۱۱: آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو ممکن ہے کسی زمانہ میں یہ تدفین کے لئے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کر سکیں، اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہو گئی ہے، نیز قبرستان میں بھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے، تو کیا قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے؟ اور کیا اس میں ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید و قدیم قبروں کے حکم میں فرق ہے؟

سوال نمبر ۱۲: ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیر داروں نے مساجد پر بھی اراضی وقف کی ہیں، اور شائد واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد اب ہندو اوقاف کے تحت ہیں، اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم و نسق انجام دیتا ہے، تو کیا مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست ہے؟

☆☆☆☆

تلخیص مقالات

تلخیص مقالات اوقاف

۱۔

الف: جو اوقاف مسلمانوں کی آبادی وہاں سے منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں، اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے، نیز ان پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے، ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر متبادل وقف قائم کرنے کے جواز پر تقریباً تمام مقالہ نگار علماء کرام کا اتفاق ہے، کیونکہ وقف کا مقصد ہی اس کی نافعیت کو برقرار رکھنا ہے، موجودہ صورت میں یہ مقصد متبادل وقف قائم کرنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے تو خواہ واقف نے اس کی اجازت دی ہو، یا نہ دی ہو، یا واقف کی کوئی صراحت نہ ہو، استبدال جائز ہوگا۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

قال هشام: سمعت محمداً يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي (البحر الرائق ۵/۲۱۹)

متعدد حضرات نے استبدال وقف کی اجازت کے لئے علامہ شامی وغیرہ کی عائد کردہ شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری قرار دیا ہے جن میں اہم ترین یہ ہیں:

۱۔ اراضی وقف معمولی قیمت پر فروخت نہ کی جائیں، بلکہ مروجہ قیمت حاصل کی جائے۔

۲۔ تبادلہ اوقاف کا مجاز عام متولیوں کے بجائے دیانتدار و ذمہ دار ادارہ کو بنایا جائے، یا معتمد منتظمین صاحب نظر علماء سے رجوع کر کے قدم اٹھائیں (مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی جنید عالم ندوی، مولانا زبیر احمد قاسمی وغیرہ)

ب: ایسے ویران اوقاف کو حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کرنا بھی مذکورہ نقطہ نظر اور اس کے دلائل کے تحت تمام حضرات کے نزدیک جائز ہے۔

ج: لیکن ایسے ویران اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنے کے مسئلہ میں مقالہ نگار علماء کرام کی آراء مختلف ہیں۔ بیشتر حضرات کی رائے میں مقاصد واقف کی رعایت ضروری ہے، فقہاء کرام نے اس کی صراحت فرمائی ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة (رد المحتار ۴/۴۴۵) (مولانا زبیر احمد قاسمی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا ایوب ندوی، مولانا شکیل احمد وغیرہ)

☆ بعض حضرات نے مقاصد واقف کی رعایت کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے دینی تعلیم کے ادارے یا ایسے عصری تعلیمی ادارے جہاں دینیات و دینی تربیت کا بھی نظم ہو، قائم کرنے کی گنجائش ذکر کی ہے (مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی محبوب علی وجیہی وغیرہ)۔

۲۔

الف: مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں، ان میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کے ادارے کے قیام کے مسئلہ میں بیشتر حضرات کے نزدیک دینی تعلیم کے ادارے اور مدارس قائم کئے جاسکتے ہیں، ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ بالخصوص موجودہ زمانہ میں مسجد کی آبادکاری اور تحفظ کا سب سے اہم ذریعہ مدرسہ کا قیام ہے، لہذا مدرسہ کے قیام میں خود اراضی وقف کا تحفظ ہے، اور مقاصد واقف کی تکمیل بھی، دوسری جانب مسجد اور مدرسہ کا تصور تقریباً لازم ملزوم سا اس زمانہ میں ہو چکا ہے۔ (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی)۔

☆ جواز کے قائلین میں متعدد حضرات نے دینی ادارے کی قید نہیں لگائی ہے، بلکہ دینی یا عصری دونوں کے قیام کی اجازت دی ہے (مفتی محبوب علی وجیہی، حکیم ظل الرحمن، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا ایوب ندوی، مولانا عتیق احمد قاسمی)

☆ دوسری رائے کی رو سے ایسی اراضی پر تعلیمی ادارہ قائم کرنے کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ زائد آمدنی اسی نوع کے دیگر اوقاف پر صرف کی جاسکتی ہے (مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا شکیل احمد وغیرہ)۔

☆ مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نے اس مسئلہ پر معاصر اور ماضی قریب کے اکابر مفتیان کرام کے دونوں طرح کے فتاوے ذکر کر کے ان پر سیر حاصل تنقیدی گفتگو کی ہے، اور آخر میں ایسی اراضی پر دینی اداروں کے قیام کی رائے کو ہی راجح قرار دیا ہے۔

مسجد کے لئے وقف زمینوں اور مکانات کی زائد از ضروریات آمدنی بعض حضرات کی رائے میں دینی تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے (مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی)۔

☆ بعض لوگوں نے دینی تربیت کے ساتھ عصری تعلیم کے لئے استعمال کی بھی اجازت دی ہے (مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا شمس پیرزادہ)۔

☆ لیکن متعدد حضرات نے اس جواز سے اختلاف کرتے ہوئے ایسی زائد آمدنی کو اسی جنس کے مصارف یا باعتبار اقرب مصارف میں خرچ کرنے کی رائے دی ہے (مولانا ظفر الاسلام، مولانا جنید عالم ندوی)۔

۳۔

الف: اوقاف کی زائد از ضرورت آمدنی کو اسی نوع کے دیگر اوقاف میں صرف کے جواز پر تمام مقالہ نگار علماء کرام کا اتفاق ہے۔

ب: دیگر ملی دینی و علمی کاموں میں ایسی آمدنی کے صرف کی بابت متعدد حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر ضرورت درپیش ہو تو یہ رقم ان کاموں میں خرچ کی جاسکتی ہے (ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا ایوب ندوی)۔

☆ دوسری رائے کی رو سے ایسے کاموں میں وہ رقم خرچ نہیں کی جاسکتی (مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا جنید عالم ندوی، مولانا عتیق احمد، مولانا ظفر احمد وغیرہ)۔

۴۔ کم منفعت بخش اوقاف کو فروخت کر کے ایسا متبادل وقف قائم کرنا جس سے زائد آمدنی حاصل ہو، بیشتر حضرات کے خیال میں درست ہے۔

☆ بعض حضرات کی رائے میں جب تک کوئی وقف کسی بھی درجہ میں منفعت بخش ہے، محض زائد آمدنی کی نیت سے اس کی فروختگی جائز نہیں ہوگی (مفتی محبوب علی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ایوب ندوی، مولانا شکیل احمد، مولانا عتیق احمد بستوی)

۵۔ جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، ان کی آمدنی کا مصرف اسی نوع کے دوسرے اوقاف یا قریب ترین نوع کے اوقاف ہوں گے۔ بعض حضرات نے مزید یہ وضاحت بھی کی ہے کہ اگر اسی نوع کے اوقاف نہ ہوں تو فقراء مصرف ہوں گے، کچھ لوگوں نے صدقات جاریہ کے کاموں میں صرف کرنے کی بات کہی ہے۔

۶۔ اوقاف کی مخدوش عمارتوں کی از سر نو تعمیر کے لئے کسی بلڈر سے ایسا معاملہ کہ ایک دو منزل اس کی ملکیت ہوگی اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے ہوں گی، متعدد حضرات کی رائے میں درست ہے (مولانا فضیل الرحمٰن، مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عتیق احمد)۔

☆ جبکہ بعض حضرات نے ایک دو منزل بلڈر کی ملکیت میں دینے کے بجائے اس سے کرایہ داری کا معاملہ کرنے کی رائے دی ہے، یعنی ایک محدود مدت تک عمارت کے مخصوص حصہ پر اس کا قبضہ رہے گا، جس دوران وہ اپنا خرچ وصول کر سکتا ہے، مالکانہ حقوق وقف ہی کے رہیں گے (مولانا عبیداللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، حکیم ظل الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی وغیرہ)۔

۷۔ وقف کی حفاظت کے لئے وقف کا کوئی حصہ فروخت کر کے آمدنی سے نئی تعمیر کرنے کے مسئلہ میں بھی بیشتر حضرات نے یہ رائے دی ہے کہ اگر حفاظت کی کوئی دوسری شکل نہ ہو تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔

☆ بعض حضرات نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے، اور وقف کی زمین فروخت کرنے کو درست قرار نہیں دیا ہے (مفتی حبیب اللہ قاسمی، حکیم ظل الرحمٰن، مولانا عبد القیوم پالنپوری)۔

۸۔ مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین پر جو ضرورت سے زائد ہے، مدرسہ کی تعمیر کو متعدد حضرات نے درست قرار دیا ہے (مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، جناب شمس پیر زادہ)۔

☆ بعض حضرات نے کرایہ داری کا معاملہ کرنے کی رائے دی ہے تاکہ مسجد یا قبرستان براہ راست مستفید بھی ہوتے رہیں (مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا فضیل الرحمٰن، مولانا عتیق احمد)

☆ دوسرے متعدد حضرات نے اسے درست نہیں قرار دیا ہے (مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، حکیم ظل الرحمٰن)

۹۔ ایسے غیر مستعمل قبرستان سے خواہ وہاں سے مسلم آبادی ختم ہو جانے یا آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے استعمال متروک ہو، انتفاع کو باقی رکھنے کے لئے مختلف حضرات نے مختلف شکلیں تجویز فرمائی ہیں:

☆ ایک رائے یہ ہے کہ ایسے قبرستان کے گرد دیواریں اٹھا کر انہیں محفوظ کر دیا جائے (مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی عبد الرحیم)۔

☆ دوسری رائے یہ ہے کہ اسے فروخت کر دیا جائے اور آمدنی سے دوسری جگہ قبرستان بنا لیا جائے (مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن، مولانا عتیق احمد، جناب شمس پیر زادہ، مولانا ایوب ندوی، مولانا شکیل احمد)۔

☆ تیسری رائے کے اندر یہ تفصیل ہے کہ اگر چہار دیواری سے تحفظ یقینی نہ ہو تو فروخت کر کے دوسری جگہ قبرستان بنایا جائے، اور تحفظ کے لئے مسجد یا مدرسہ یا رفاہی ادارہ بھی اس میں قائم کیا جا سکتا ہے (مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا جمیل احمد نذیری، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا عبد القیوم پالنپوری)۔

۱۰۔ اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ کسی بھی مسجد میں خواہ آثار قدیمہ کے تحت آتی ہو، نماز کی ادائیگی سے روکنے کا حکومت کو ہرگز اختیار نہیں ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پابندی کو ختم کرائیں۔

۱۱۔ قبرستان کے تحفظ کے لئے پیشگی کرایہ کی رقم لے کر اطراف میں دوکانیں بنا دی جائیں جن میں قبرستان کی چند فٹ زمین دوکان میں چلی جائے گی، بیشتر حضرات کے نزدیک یہ درست ہے۔

☆ قائلین جواز میں سے بعض حضرات نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ یہ دوکانیں وقف ہوں گی (مولانا زبیر احمد قاسمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی)۔ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، جناب شمس پیر زادہ اور حکیم ظل الرحمٰن نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اسے درست قرار نہیں دیا ہے۔

۱۲۔ قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کے جواز سے اکثر حضرات نے اتفاق کیا ہے، ان میں سے متعدد حضرات نے یہ تفصیل بھی کی ہے کہ قبرستان بہت کشادہ ہو یا ویران ہو، زیر استعمال قبرستان یا تنگ قبرستان میں اگر مسجد کی توسیع کی ضرورت درپیش ہو تو ستون اٹھا کر اوپر مسجد بنالی جائے تاکہ نیچے تدفین کا سلسلہ جاری رہے (مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی محبوب علی وجیہی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی وغیرہ)۔

☆ مفتی حبیب اللہ قاسمی اور مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی کا خیال ہے کہ قبرستان کے اندر مسجد کی توسیع درست نہیں ہوگی کیونکہ قبرستان کے لئے وقف زمین میں مسجد بنانا درست نہیں، جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے متعین کردی گئی ہے اس میں نماز تو ہو جاتی ہے لیکن شرعاً وہ مسجد ہی نہیں ہے۔

☆ مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب نے بھی قبرستان میں مسجد کی توسیع کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔

۱۳۔ مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا بیشتر مقالہ نگار حضرات کی رائے میں یہ درست ہے کیونکہ تولیت اوقاف کے لئے اسلام شرط نہیں ہے۔

ان میں سے متعدد حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر غیر مسلم ادارہ مناسب طریقہ پر دیکھ ریکھ انجام دے رہا ہو تو بہتر ہے. ورنہ وہاں سے نکالنے کی کوشش کی جائے۔

☆ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ چونکہ تولیت کے لئے امانت شرط ہے، اور امانت کا تصور بغیر اسلام ممکن نہیں لہذا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے (مولانا ظفر عالم ندوی، جناب شمس پیرزادہ)۔

☆ حکیم ظل الرحمٰن صاحب نے وضاحت کی ہے کہ کسی ہندو وقف بورڈ کا وجود میرے علم کے مطابق نہیں ہے، البتہ بعض مساجد کا انتظام غیر مسلم ادارے یا اشخاص کرتے ہیں، اور جب تک ان کا نظم و نسق درست ہے ان کی تولیت میں رکھا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

عرض مسئلہ

جناب مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب — ندوۃ العلماء ۔ لکھنؤ

جناب مولانا ظفر عالم ندوی صاحب — ندوۃ العلماء ۔ لکھنؤ

جناب مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب — مالیر کوٹلہ ۔ پنجاب

عرض مسئلہ

بابت سوالنامہ اوقاف سوال ۱، ۲، ۳، ۴، ۷، ۹

مولانا عتیق احمد قاسمی۔ندوة العلماء لکھنؤ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد وعلى آله و أصحابه أجمعين

مجمع الفقہ الاسلامی الہند نے دسویں فقہی سمینار (منعقدہ بمبئی) کے لئے جو سوالنامہ جاری کیا اس کے پہلے محور میں اوقاف سے متعلق چند اہم سوالات ہیں، اوقاف سے متعلق سوالات میں سے سوال ۱، ۲، ۳، ۴، ۷، ۹ کا عرض مسئلہ میرے ذمہ کیا گیا ہے۔اسی خدمت کو انجام دینے کے لئے کھڑا ہوا ہوں، یہ سوالات بنیادی طور پر اوقاف کے استبدال اور ایک وقف کی زائد زمین یا آمدنی دوسرے وقف پر صرف کرنے کے بارے میں ہیں۔

اوقاف کے موضوع پر مورخہ ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۷ء تک فقہ اکیڈمی کے آفس کو چالیس مقالات اور مختصر جوابات موصول ہوئے، بتیس مقالات وجوابات علماء اور اصحاب افتاء کے ہیں۔۶ر مقالات ان ہونہار فضلاء مدارس کے ہیں جو دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد کے شعبہ تخصص فی الفقہ میں زیر تربیت ہیں۔ایک مقالہ جناب عبد الرحیم قریشی ایڈوکیٹ سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ کا ہے جس میں انہوں نے نئے وقف ایکٹ کا جائزہ لے کر اوقاف کے زیر بحث مسائل میں غور وفکر کے چند پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے، ایک تحریر جناب حکیم ظل الرحمن صاحب دہلی کی ہے جس میں انہوں نے مسائل اوقاف کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کی ہے۔

۳۲ علماء واصحاب افتاء جن کی تحریریں اوقاف کے موضوع پر اکیڈمی کو موصول ہوئیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب۔ دار العلوم دیوبند	مولانا زبیر احمد قاسمی۔ سیتامڑھی بہار
مفتی محبوب علی وجیہی۔ رامپور	مولانا عبید اللہ الاسعدی۔ ہتھورا باندہ
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔ حیدر آباد	مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی۔ پنجاب
مفتی شکیل احمد سیتاپوری۔ دار العلوم اسلامیہ بستی	مولانا شمس پیرزادہ۔ بمبئی
مولانا ظفر عالم ندوی۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ	مولانا ابو بکر قاسمی۔ شکرپور بہار
مولانا عبد القیوم پالن پوری گجرات	مولانا محمد ایوب ندوی۔ بھٹکل
مفتی حبیب اللہ قاسمی۔ اعظم گڑھ	مولانا تنویر عالم قاسمی۔ سیتامڑھی بہار

مولانا ابراہیم فلاحی۔ گجرات	ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی۔ علی گڈھ
مولانا قدرت اللہ باقوی۔ (کرناٹک)	مولانا سمیع اللہ قاسمی۔ سیتامڑھی بہار
مولانا اسعد اللہ قاسمی۔ ٹانڈہ بادلی رامپور	مولانا عبد اللطیف پالن پوری۔ گجرات
مولانا اقبال احمد قاسمی۔ شکرپور بہار	مولانا محمد نور القاسمی۔ جے پور
مولانا عطاء اللہ صاحب۔ کوپاگنج مئو	مولانا ابرار خاں ندوی۔ جے پور
مولانا محمد مصطفیٰ آواپور۔ بہار	مولانا صدر عالم قاسمی۔ اعظم گڈھ
مفتی جمیل احمد نذیری۔ مبارکپور	مولانا ابوسفیان مفتاحی۔ مئو
مولانا ظفر الاسلام صاحب۔ مئو	مولانا قمر الزماں ندوی۔ پرتاپ گڈھ
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی۔ اکل کوا مہاراشٹر	عتیق احمد قاسمی دار العلوم۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ

دار العلوم سبیل حیدر آباد میں زیر تربیت فضلاء مدارس جن کے مقالات اوقاف کے موضوع پر موصول ہوئے ہیں ان کے اسماء یہ ہیں:

مولانا محمد ارشد قاسمی	مولانا محمد مستفیض الرحمٰن قاسمی
مولانا محمد طاہر مظاہری	مولانا محمد شاہد سہر ساوی
مولانا قمر عالم سبیلی	مولانا سید محمد ایوب سبیلی

دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد میں زیر تربیت فضلاء مدارس کے مقالات کے بارے میں اس تاثر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مقالات کافی محنت اور مطالعہ کے ساتھ لکھے گئے ہیں، ان میں تحقیق و تحریر دونوں کا سلیقہ پایا جاتا ہے اور مقالہ نگاروں کے روشن مستقبل کی غمازی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان ہونہار فضلاء مدارس کو دین کا خادم و مجاہد اور میدان تحقیق و تصنیف کا شہسوار بنائے۔ جناب مولانا رضوان القاسمی اور جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی قابل مبارکباد ہیں جن کی توجہات اور کوششوں سے فضلاء مدارس کی تربیت کا مفید تر کام دار العلوم سبیل السلام میں انجام پارہا ہے۔

عرض مسئلہ بابت سوال نمبر ۱

اوقاف کے سوالنامہ کا سوال نمبر ا۔ یہ ہے:

بہت سے اوقاف (خصوصاً پنجاب، ہریانہ، دہلی و مغربی یوپی میں) ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف مسلمانوں کی آبادی منتقل ہونے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں، اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے، اس میں مساجد، قبرستان، مدارس و خانقاہیں ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے، اس سلسلے میں درج ذیل سوالات ہیں:

الف۔ کیا ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے؟

ب۔ کیا ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے؟

ج۔ کیا شرعا اس کی گنجائش ہے کہ ایسے ویران، ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کردئے جائیں؟

اس سوال کے تمام اجزاء کا تعلق ان صوبوں اور علاقوں کے اوقاف سے ہے جہاں تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں کی بڑی آبادیاں تھیں، بڑے بڑے آباد اوقاف تھے لیکن تقسیم ہند کا حادثہ پیش آنے پر وہ صوبے اور علاقے مسلمانوں سے خالی ہوگئے، مساجد و مدارس ویران ہوگئے، ان پر دوسروں کا قبضہ ہوتا گیا، خانقاہیں اور ان کے اوقاف اجاڑ ہوگئے، سب سے برا حال طویل وعریض قبرستانوں کا ہوا، ان کا کوئی پرسان حال نہیں رہا، ناجائز قبضے بڑھتے گئے اگر ہمارے سامنے پنجاب، ہماچل پردیش، ہریانہ، دہلی کے اوقاف کا جائزہ ہوتا کہ تقسیم ہند سے پہلے وہاں کتنے اور کیسے کیسے اوقاف تھے اور تقسیم کے بعد ان کا کیا حشر ہوا، کتنے اوقاف باقی ہیں، کتنے ناپید ہوگئے اور کتنے معرض خطر میں ہیں تو صورت حال کی سنگینی سمجھنے میں زیادہ آسانی ہوتی۔

سوال نمبرا۔ جز الف۔ ب کے جواب میں تمام حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ مساجد کے علاوہ دوسرے ویران اوقاف جن کی آبادکاری مستقبل میں بھی ممکن نظر نہیں آتی اور ان پر قبضۂ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہے تو انہیں فروخت کر کے متبادل اوقاف قائم کرنا یا دوسری زمین یا مکان ودوکان سے ان کا تبادلہ جائز ہے، اس بارے میں بہت سے حضرات نے ائمہ مذاہب کی تصریحات اور مختلف فقہاء اور اصحاب افتاء کی عبارتیں اور فتاوی پیش کئے ہیں۔

سوال نمبرا۔ (الف، ب) میں ذکر کردہ صورتوں میں استبدال کی اجازت دینے کے بعد متعدد حضرات نے یہ بنیادی سوال اٹھایا ہے کہ اوقاف کے استبدال میں عام طور پر فقہاء اذن قاضی کی شرط لگاتے ہیں۔ بعض فقہاء نے اس سے بڑھ کر قاضی الجنۃ ہونے کی شرط لگائی ہے، ہر قاضی کے اذن کو کافی نہیں سمجھا ہے، ہندوستان میں بہت کم علاقوں میں نظام قضاء قائم ہے تو اذن قاضی کی شرط کس طرح پوری ہوگی، کیا وقف بورڈ کی اجازت اذن قاضی کی جگہ لے سکتی ہے؟

مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی اپنے مقالہ کے آغاز میں لکھتے ہیں:

اوقاف کے تعلق سے سوالات کے جوابات سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ: وقف کے مصرف میں تبدیلی، وقف کے تحفظ کے لئے اس کی فروخت اس طرح کے تمام معاملات میں قاضی اسلامی عدالت کے فیصلے کی شرط رکھی گئی ہے۔ ہمیں ہندوستان کے موجودہ نظام میں اس کا بدل تلاش کرنا ہوگا، اتنے اہم معاملے کو وقف بورڈ کے ارکان یا افسران کی صوابدید پر چھوڑنا مناسب نہ ہوگا، وقف بورڈ کی رکنیت میں سیاسی مصلحتوں کو اہمیت دی جاتی ہے نہ کہ اہلیت وصلاحیت کو۔ قاضی یا اسلامی عدالت کا بدل کیا ہو اس کے لئے ایک صورت "اوقاف کی شرعی کمیٹی" ہوسکتی ہے، جس میں سرکردہ ماہرین قانون اور علمائے دین شامل ہوں۔

جناب عبید اللہ الاسعدی صاحب اذن قاضی کی شرط کے بابت لکھتے ہیں:

"رہ جاتی ہے یہ بات کہ وقف میں تبادلہ وغیرہ کے تصرف کے لئے فقہاء نے قاضی کی شرط یعنی قاضی کے فیصلہ ونظر وحکم کی قید لگائی ہے، لیکن معروف ہے کہ ایسے بہت سے مسائل میں توسع اختیار کر لیا گیا ہے، معتمد و دیانتدار علماء وذمہ داران اور ارباب حل وعقد کو قاضی کی حیثیت ضرور تادی گئی ہے، لہذا ہندوستان میں اوقاف کے مسائل میں معتمد منتظمین کا فیصلہ معتبر ہوگا، مناسب ہوگا کہ یہ قید لگائی جائے اور توجہ دلائی جائے کہ وقف کے ذمہ داران ایسا فیصلہ کرنے میں صاحب نظر علماء سے رجوع کریں، ان کو شامل کریں یا کم از کم رابطہ واستفتاء کریں، شامی نے بعض معاملات میں محلہ کے مسلمانوں کی رائے کا ذکر کیا ہے، اور ہمارے ارباب افتاء نے ایسے مسائل میں عموماً اس کا ذکر کیا ہے کہ ارباب حل وعقد و منتظمین جب مناسب سمجھیں یعنی ضروری و بہتر خیال کریں تو ایسے اقدام کریں، امداد الفتاوی ۲/ ۶۳ میں بھی کچھ اس بابت تفصیل آئی ہے کہ قاضی نہ ہو تو کیا کیا جائے"۔

بہر حال یہ مسئلہ کافی اہم اور نازک ہے کہ قاضی نہ ہونے کی صورت میں استبدال وقف کی اجازت کون دے سکتا ہے، جن صوبوں اور علاقوں میں مسلمانوں نے نظام قضاء قائم کر رکھا ہے وہاں کا مسئلہ تو کسی حد تک آسان ہے لیکن ہندوستان کے اکثر صوبے نظام قضاء سے محروم ہیں، متولی خواہ کتنا دیانت دار ہو، اسے اپنی صوابدید سے استبدال کی اجازت دینا درست نہیں۔ اگر استبدال وقف متولی کے دائرے کا عمل ہوتا تو فقہاء نے اذن قاضی کی شرط نہ لگائی ہوتی۔ متولیوں کو استبدال اوقاف کا اختیار دینے میں (خواہ یہ اختیار کتنی پابندیوں کے ساتھ دیا جائے) اوقاف کی تباہی اور بربادی ہے۔ وقف بورڈوں کی صورت حال محتاج بیان نہیں۔ عیاں را چہ بیان۔ وقف بورڈ کے افسران یا ارکان کی اجازت کو بھی اذن قاضی کا قائم مقام قرار نہیں دیا جاسکتا، ورنہ اوقاف کی صورت حال مزید بد سے بدتر ہوتی چلی جائے گی۔

حاکم مسلم اور قاضی کی عدم موجودگی میں فقہاء نے متعدد مسائل میں عامۃ المسلمین یا ارباب حل وعقد کو قاضی کے قائم مقام مانا ہے، مثلاً متولی کے عزل ونصب کے مسئلہ میں فقہاء کی ایسی صراحتیں ملتی ہیں، علامہ شامی نے فتاوی تاتارخانیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

إن أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح المسجد فتند المتقدمين يصح ولكن الأفضل كونه باذن القاضي ثم اتفق المتأخرون ان الأفضل أن لا يعلموا القاضي في زماننا لماعرف من طمع القضاة في أموال الأوقاف (رد المحتار ۳/ ۴۳۳)

مفتی جمیل احمد نذیری لکھتے ہیں: "موجودہ زمانہ میں جب کہ قاضی موجود نہیں ہے، اکثر علاقوں کا یہی حال ہے، لہذا عوام بمنزلہ قاضی قرار پائیں گے، مساجد و مدارس اور اداروں کی کمیٹیاں عوام کی نمائندہ مانی جاتی ہیں، لہذا سارے عوام کو اکٹھا کرنے کے بجائے ان کمیٹیوں کا غور وخوض اور فیصلہ عوام کے فیصلہ کے درجہ میں ہوگا"۔

لیکن حالات سے باخبر اصحاب بصیرت سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آج کل عموماً کمیٹیاں عوام کی نمائندہ کم ہوتی ہیں، اوقاف کے متولی اور اداروں کے ذمہ دار ایسی کمیٹیاں تشکیل دے لیتے ہیں جن میں عوام کی نمائندگی کا لحاظ کم سے کم ہوتا ہے۔ ایسے

افراد کو کمیٹی کا ممبر بنایا جاتا ہے جو متولیان کے ہر فیصلہ اور رائے کی تصدیق وتصویب کریں، اس لئے میرے خیال میں استبدال وقف جیسے نازک مسئلے میں کمیٹی پر اعتماد کرنا اوقاف کے مفاد میں نہیں ہوگا، مناسب اور محتاط بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر صوبہ یا ہر ضلع میں ایک کمیٹی بنادی جائے جس میں بالغ نظر علماء واصحاب افتاء، متدین وامانت دار ماہرین قانون شامل ہوں، یہ کمیٹی استبدال اوقاف کے مسائل کو دیکھے، اس کمیٹی کی تحقیق وتفتیش اور فیصلہ واجازت کے بعد ہی متولی کو استبدال کا حق حاصل ہو، یہ کمیٹی تحقیق کرتے وقت اس علاقہ کے چند سر کردہ، دیانت دار مسلمانوں کو بھی شریک کار کرلے جہاں متعلقہ وقف واقع ہے۔

ہندوستان کے علماء کا اجماعی فیصلہ ہے کہ مسجد کی مسجدیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، اس لئے مسجد کے استبدال کی شرعا کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آل انڈیا پرسنل لابورڈ کے فیصلے کا حوالہ اس سلسلہ میں دیا جاسکتا ہے۔

فقہاء مجتہدین کی غالب اکثریت اسی رائے پر ہے، اس سلسلے میں مختلف فقہی مسالک کے مصنفین کی چند عبارتیں درج کی جاتی ہیں:

علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

استغنى عن الصلاة فيه اهل تلك المحلة او القرية بان كان فى قرية فخربت و حولت مزارع يبقى مسجدا على حاله عند ابى يوسف وهو قول ابى حنيفة و مالك والشافعى (فتح القدیر جلد۵/۴۴۶)

علامہ حصکفی الدر المختار میں تحریر فرماتے ہیں

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الامام الثانى ابدا الى قيام الساعة و به يفتى (الدر المختار مع الشامی جلد۴/۳۵۸)

امام نووی شافعی شرح المہذب میں تحریر فرماتے ہیں

وان وقف مسجدا فخرب المكان و انقطعت الصلوة فيه لم يعد الى الملك ولم يجز التصرف فيه (شرح المہذب ۱۵/۳۶۰)

مشہور شافعی فقیہہ امام قفال شاشی "حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء" میں لکھتے ہیں

فان وقف مسجدا فخرب اوخرب المكان الذى كان خليه وانقطعت الصلاة فيه لم يعد الى الملك ولم يجز التصرف فيه ولا يجوز نقصه ولا نقله الى غيره وبه قال مالك (جلد۶/۳۷)

علامہ احمد بن یحیی الونشریسی مالکی "المعیار المعرب عن فتاوی علماء افریقیہ والاندلس وبلاد المغرب" میں لکھتے ہیں:

سئل (سيدى عبد الله المعبدوسى) عن مسجد قائم معطلت منفعة و خرب ما حوله من الدور لمن يصرف وقفه المجلس عليه والمسجد ما ترجى له عمارة فى الوقت اصلا وربعه اما ارض ارجزاء لمن يكون معل للجامع الاعظم او لا ثوب المساجد اليه او يبقى موقوفا؟ فا جاب اما المسجد المصكور فان احتاج الى بناء يقام به رسمه و تبقى عليه به حرمة المسجد مخافة د ثوره فانه ينى من غلة احباسه وما فضل من ذلك فقيل يصرف الى اقرب المساجد اليه وقيل الى احو جها وان بعد و به افتى(۷/۵۶)

فقہ حنبلی کے بارے میں معروف بات تو یہی ہے کہ حنابلہ کے نزدیک ویران مساجد جن کے آباد ہونے کی کوئی امید نہ ہو ان کی فروختگی جائز ہے لیکن ابن حنبلؒ کا دوسرا قول جسے بعض حنبلی فقہاء نے راجح قرار دیا ہے یہ ہے کہ مسجد کی زمین کی بیع جائز نہیں ہے ہاں اگر مسجد کی عمارت کے بارے میں چوروں ڈاکوؤں وغیرہ کا خطرہ ہو تو اسے منتقل کیا جاسکتا ہے یا فروخت کیا جاسکتا ہے۔

ہریانہ و پنجاب وغیرہ کے ویران اوقاف خصوصاً ویران مساجد کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے اس پہلو پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس دور میں کسی علاقہ سے آبادی ختم ہونا پھر دوبارہ آباد ہو جانا پہلے زمانوں کی طرح مشکل نہیں رہا، پنجاب اور ہریانہ کے جو شہر تقسیم ہند کے وقت مسلمانوں سے کلیۃً خالی ہو چکے تھے وہاں اب دوبارہ مسلمان رفتہ رفتہ آباد ہو رہے ہیں، ملازمت اور تجارت کے سلسلے میں مسلمان وہاں آباد ہو رہے ہیں، پنجاب و ہریانہ کی زرعی، صنعتی ترقیات نے مزدوروں کا رخ اس علاقہ کی طرف موڑ دیا ہے، اس میں ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی بھی ہے، پنجاب و ہریانہ کی فیکٹریوں اور کھیتوں میں مسلمان مزدور بھی کام کر رہے ہیں، اسی طرح شہروں ہی میں نہیں بلکہ قصبات اور دیہاتوں میں مسلمان کچھ نہ کچھ آباد ہو رہے ہیں اور جہاں بھی چند مسلمان جمع ہو جائیں مسجد ان کی سب سے پہلی دینی ضرورت ہے۔ ان بدلے ہوئے حالات میں ہمارے غور و فکر کا رخ یہ ہونا چاہئے کہ ان ویران مساجد کو کس طرح آباد کیا جائے اور ان کے تحفظ کے لئے کیا کیا قانونی اور عملی تدبیریں اختیار کی جائیں، اس پہلو کی طرف جناب عبد الرحیم قریشی صاحب سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے اپنے مقالہ میں متوجہ کیا ہے۔

میرے خیال میں فقہ اکیڈمی کو پوری صراحت اور قوت سے اس بات کا اعلان و اظہار کرنا چاہئے کہ مساجد کی فروختگی اور استبدال کسی حال میں جائز نہیں ہے، کیونکہ دلائل کے اعتبار سے یہ موقف مضبوط اور پختہ ہے، مصالح و حالات کے مطابق بھی ہے۔ ہندوستان میں مساجد پر غاصبانہ قبضہ کرنے اور انہیں مندروں میں تبدیل کرنے کی منظم اور طاقتور تحریک چل رہی ہے، ایسے حالات میں استبدال مساجد کی گنجائش پیدا کرنا تمام مساجد و اوقاف کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔

سوال نمبر ا۔ (ج) میں دریافت کیا گیا تھا: کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ایسے ویران نا قابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کر دئے جائیں؟

اس سوال کے جواب میں اکیس حضرات نے لکھا ہے کہ واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، اس کی پابندی کئے بغیر مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم نہیں کئے جاسکتے، چند حضرات نے کچھ گنجائش ذکر کی ہے، لیکن ان حضرات کا منشا یہ نہیں ہے کہ فروخت شدہ اوقاف کی قیمت صرف کرنے میں واقف کے مقاصد کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔

مولانا عبید اللہ الاسعدی لکھتے ہیں: تبادلہ میں اس کا لحاظ کیا جائے کہ اصل وقف کی جو جہت ہو اس کا نظم کیا جائے اس لئے کہ اس قسم کی ضرورت دوسرے مواقع میں پائی جاتی ہے..... استبدال اور تبادلہ کی اجازت ضرورت میں اور پابندیوں کے ساتھ ہے، اور ضرورت کی رعایت میں واقف کی عدم اجازت کا بھی خیال نہیں کیا گیا ہے مگر مقصد اہم ہے، مدارس، مسافر خانے اور اسپتال آج بھی بنائے جاسکتے ہیں، ان سے واقف کے مقصد کی کسی نہ کسی درجہ میں بہر حال تکمیل ہوگی، یتیم خانہ بھی ایک اہم ضرورت ہے، نیز چھوٹے پیمانے کے ٹیکنکل ادارے جن سے معمولی گھرانے کے بچے اور بچیاں اور عورتیں ہنر سیکھ کر اپنی معیشت کا نظم کر سکیں، خالص

عصری تعلیم کے اداروں کا قیام اپنے حالات کے اعتبار سے وقف اور اس کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں۔

مفتی محبوب علی وجیہی لکھتے ہیں: واقف کی شرائط نص شارع کے حکم میں ہیں، لہذا ان کی مکمل پابندی کی جائے، البتہ جہاں مصارف وقف موجود نہ ہوں یا ان کی تکمیل کے بعد کچھ رقم فاضل رہتی ہے تو وہ مسلمانوں کے تعلیمی اور رفاہی کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں، اور ایسے پرانے اوقاف جن کی شرائط معلوم نہ ہوں ان کی آمدنی پہلے غرباء ومساکین اور پھر دینی وملی ضروریات پر خرچ کی جاسکتی ہیں۔

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی لکھتے ہیں: حتی الامکان واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے تاہم مجوزہ شرعی کمیٹی یا قاضی کی اجازت سے مسلمانوں کے ایسے رفاہی اور تعلیمی اداروں پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے جہاں دینی تربیت ہو۔

مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی لکھتے ہیں: اس شرط کے ساتھ گنجائش ہے کہ واقف کے مقاصد کی پابندی دشوار ہو۔

مولانا ظفر عالم ندوی لکھتے ہیں: قاضی شریعت یا جماعت مسلمین کے فیصلہ سے تعلیمی یا رفاہی ادارہ قائم کرنے کی گنجائش ہے۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی لکھتے ہیں: ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے اگر مصلحت متقاضی ہو ان کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنے میں حرج معلوم نہیں ہوتا۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ تقریباً تمام ہی شرکاء ویران اوقاف کی قیمتوں کے صرف کرنے میں مقاصد وقف کی رعایت ضروری قرار دیتے ہیں اور اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ مقاصد وقف کا خیال کئے بغیر کیف ما اتفق کوئی بھی تعلیمی یا رفاہی ادارہ قائم کر دیا جائے۔ مقاصد واقف کی پابندی دشوار ہو یا اس کے بعد فاضل رقم بچ جاتی ہو تو ایسی صورت میں کسی اور نیک کام میں صرف کرنا علیحدہ مسئلہ ہے جو یہاں زیر بحث نہیں ہے، قاضی شریعت یا شرعی کمیٹی بھی اجازت دینے میں اس بات کی پابند ہوگی کہ مقاصد وقف کا خیال رکھے کسی انتہائی مجبوری اور ضرورت ہی میں مقاصد وقف سے باہر صرف کرنے کی اجازت دے۔

سوال ۲ کا متن یہ ہے:

بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد ومدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے اس سلسلے میں دو باتیں دریافت طلب ہیں۔

الف۔ کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ کیا مسجد کی زائد آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا۔

سوال ۲ (الف) کے جواب میں علماء اور اصحاب افتاء کے کئی موقف سامنے آئے ہیں:

ایک موقف یہ ہے کہ مسجد کی زائد اراضی میں نہ دینی تعلیم کے ادارے قائم کئے جاسکتے ہیں نہ عصری تعلیم کے ادارے، یہ موقف درج ذیل حضرات کا ہے:

مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا عبداللطیف پالن پوری
مولانا ابراہیم فلاحی
مولانا نور القاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
مولانا عطاء اللہ قاسمی

ان حضرات نے بطور استدلال فقہاء کی وہ عبارتیں پیش کی ہیں جن میں کے مقاصد و شرائط کی پابندی لازم قرار دی گئی ہے اور ایک وقف کی فاضل آمدنی کو اسی جنس کے اوقاف میں لگانے کا حکم دیا گیا ہے، اس سلسلے میں حضرت تھانوی کا ایک فتوی بھی پیش کیا گیا ہے، حضرت تھانویؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے۔ اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں، جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے اسی طرح بہ ترتیب" (امداد الفتاوی ۲/۵۹۷)

دوسرا موقف یہ ہے کہ مسجد کی زائد اراضی جن کی مسجد کو فی الحال ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں اس کی ضرورت ہوگی اس پر دینی تعلیم کے ادارے تو قائم کئے جاسکتے ہیں۔ عصری تعلیم کے ادارے قائم نہیں کئے جاسکتے، یہ موقف درج ذیل حضرات کا ہے:

حضرت مولانا نظام الدین صاحب۔ دار العلوم دیوبند
مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی (۱)
مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا صدر عالم قاسمی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا اقبال قاسمی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

یہ موقف اختیار کرنے والوں کا استدلال سمجھنے کے لئے مولانا زبیر احمد قاسمی کے مقالہ کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں، موصوف لکھتے ہیں: یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عمارۃ مسجد اور مصالح مسجد دونوں ایک ہی درجہ کے مساوی مصارف ہیں "والاصح

---

(۱) مولانا تنویر عالم قاسمی کے نزدیک مدرسہ کی فاضل اراضی میں دینی مدرسہ کے قیام کا جواز چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے: ا۔ وہ اراضی ویران اور ناقابل انتفاع ہو جائیں جس کی وجہ سے قبضہ ختم ہو جانے کا قوی خطرہ لاحق ہو... (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ دینی ادارہ قائم کرنے کی ضرورت بھی ہو اور مدرسہ قائم ہونے کی صورت میں ان خطرات کے ختم ہو جانے کا ظن غالب ہو، اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں تو زائد زمین فروخت کر کے حاصل شدہ رقم سے دیگر مساجد کے لئے ذریعہ آمدنی پیدا کیا جائے۔

ماقال الامام ظهير الدين ان الوقف علی عمارة المسجد و مصالح المسجد سواء کذا فی فتح القدیر (فتاوی ہندیہ ۲/۴۶۲) اب اگر مصالح مسجد کے مصداق و مفہوم میں کچھ مزید عموم کر دیا جائے اور کہا جائے کہ ہر وہ کام جس سے مسجد کی حفاظت، اس کی موقوفہ اراضی کو دوسروں کی دست برد سے بچانا اور مسجد کی آبادی میں آج یا کل اضافہ ہونا متوقع ہو سب ہی مصالح مسجد میں داخل ہیں تو پھر ہمارے خیال میں مسجد کی موجودہ ضروریات سے زائد زمین پر دینی مدرسہ کے قیام کی اجازت دی جاسکتی ہے، کیونکہ دینی ادارے سے دینی تعلیم کے نتیجے میں بہ ظن غالب عام طور پر مسجد کے محافظ، مصلی، امام، موذن اور دیگر صالح قسم کے خدام ہی پیدا ہوا کرتے ہیں جو یقیناً مسجد کی آبادی میں دخیل و موثر ہوتے ہیں اور انہیں لوگوں سے مساجد آباد رہا کرتے ہیں لیکن عصری تعلیم کے ادارے سے مساجد کے آباد کرنے والے افراد شاذونادر ہی نکلا کرتے ہیں۔ اس لئے خواہ مسجد کی موقوفہ زمین زائد از ضرورت ہو یا اس کی آمدنیاں، کسی کو عصری تعلیم کے ادارے کے قیام میں صرف کرنا جائز نہیں کہا جاسکتا، یہ مصالح مسجد سے بھی خارج ہیں، چنانچہ سال و ماضی قریب کے بعض اکابر مفتیان کرام کے فتاوی بھی کچھ اس طرح کے ملتے ہیں۔

اس مؤقف کی تائید میں حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ، مفتی عبدالرحیم صاحب، حضرت مفتی نظام الدین صاحب کے فتاوی بھی مختلف حضرات نے پیش کئے ہیں۔

بعض حضرات نے مسجد کی فاضل اراضی میں دینی تعلیم اور عصری تعلیم دونوں کے ادارے قائم کرنے کو درست قرار دیا ہے۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی　　　　مولانا شمس پیرزادہ۔ بمبئی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: مسجد پر وقف اراضی اگر کافی وسیع ہو اور بہ ظاہر طویل عرصہ تک مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو تو زائد اراضی میں دینی درسگاہ یا مسلمانوں کیلئے (بنیادی دینی تعلیم و تربیت کے ساتھ) مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے، البتہ ادارہ سے مسجد کو کچھ کرایہ بھی دلانا چاہئے تاکہ اس زمین کا نفع مسجد کی طرف لوٹے اور واقف کا منشا بھی پورا ہو۔

اسی سے ملتی جلتی رائے مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی نے بھی ظاہر کی ہے، موصوف لکھتے ہیں: زائد اراضی کرایہ پر لے کر اس میں دینی تعلیم یا عصری تعلیم کا ادارہ جس میں دینی تربیت ہو قائم کیا جاسکتا ہے، مولانا قدرت اللہ باقوی کی رائے ہے کہ ان اراضی کو دینی تعلیم کیلئے استعمال کی کوشش کی جائے، بصورت دیگر عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ اگر مدرسہ کی تعمیر کر کے اس کا کرایہ مسجد کو دیا جارہا ہے تو مسئلہ زیادہ اختلافی نہیں رہ جاتا خواہ دینی مدرسہ ہو یا عصری تعلیم گاہ، جن حضرات نے مسجد کی زائد اراضی میں دینی مدرسہ اور عصری تعلیم گاہ دونوں کے قیام کی اجازت دی ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ عہد نبوی میں مسجد تعلیم گاہ بھی تھی اور مسجد کے احاطہ میں مدرسہ کا ہونا ایک معروف بات ہے، اس کے لئے واقف کی طرف سے صراحت کی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ دونوں باتیں ان لوگوں کے حق میں جاتی ہیں جو مساجد کی زائد اراضی پر صرف دینی تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے حق میں ہیں، کیونکہ عہد نبوی میں مساجد میں دین ہی کی تعلیم ہوتی تھی، اور مساجد کے احاطہ میں اگر مدارس کا ہونا معروف ہے تو وہ دینی مدارس ہیں نہ کہ عصری تعلیم کے مدارس۔

مساجد کی فاضل اراضی کا مسئلہ مساجد کی فاضل آمدنی کی طرح ہے، دونوں کی نوعیت تقریباً یکساں ہے، اوقاف کی زائد آمدنی کے مسئلہ پر سوال ۳ (ب) کے تحت گفتگو آئے گی، وہاں اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

سوال ۲ کا جز (ب) تھا: کیا مسجد کی زائد آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے جب کہ وقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کیلئے وقف کیا تھا؟

اس سوال کے جواب میں درج ذیل حضرات نے لکھا ہے کہ مسجد کی زائد آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کی جاسکتی۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری	مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی	مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا ابوسفیان مفتاحی	مولانا ایوب ندوی بھٹکلی
مولانا ابراہیم فلاحی۔ گجرات	مولانا عبدالقیوم پالن پوری
مولانا عبداللطیف پالن پوری	مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی	مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا نور القاسمی	مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا صدر عالم قاسمی	

چند حضرات علماء کی رائے یہ ہے کہ مسجد کی فاضل آمدنی جس کی مستقبل قریب میں بہ ظاہر مسجد کو ضرورت نہ ہوگی دینی تعلیم اور مدرسہ میں صرف کی جاسکتی ہے۔

(۱) مولانا عبید اللہ اسعدی	(۲) مولانا اقبال قاسمی
(۳) مولانا ابوبکر قاسمی	(۴) مولانا اسعد اللہ قاسمی
(۵) مفتی حبیب اللہ قاسمی۔	

مفتی محبوب علی وجیہی لکھتے ہیں: دینی ادارہ یا عصری تعلیم کا مرکز جس میں دینیات بھی پڑھائے جاتے ہوں ان پر مساجد کی فاضل آمدنی خرچ کی جاسکتی ہے لیکن اگر کسی وقت مسجد کو اس فاضل رقم کی ضرورت پڑے تو پھر مسجد ہی میں خرچ کی جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مساجد اور جہاں مساجد نہیں ہیں وہاں مساجد کی تعمیر پر صرف کی جانی چاہئے، کیونکہ ہندوستان میں ابھی ہزارہا ہزار دیہات اور قریہ جات ایسے ہیں جو مسجد کو ترس رہے ہیں۔۔۔۔ وہاں مسجدوں کی تعمیر اور ان میں بنیادی دینی تعلیم کے لئے مکاتب کا انتظام مدارس اور عصری درسگاہوں کے قیام سے زیادہ اہم ہے۔

مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی کی رائے ہے: مسجد کی فاضل آمدنی بہ طور قرض لی جاسکتی ہے اور اس سے مسلمانوں کے مذہبی تعلیم کے ادارے یا عصری تعلیم اور ٹیکنکل تعلیم کا ادارہ جس میں دینی تربیت ہو قائم کیا جاسکتا ہے۔

مولانا ظفر الاسلام (مئو) لکھتے ہیں: قاضی یا جماعت مسلمین کی اجازت سے سارے فاضل پیسوں کو جن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے الاقرب فالاقرب کا لحاظ کرتے ہوئے اس طرح کے دیگر مصارف پر جن میں احتیاج ہو خرچ کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی کی رائے ہے: مساجد کی فاضل آمدنی بہتر ہے دوسری مساجد پر خرچ کریں، اگر ضرورت نہ ہو تو دوسرے تعلیمی ورفاہی مقاصد میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب لکھتے ہیں: مسجد کی فاضل آمدنی کسی دوسری مسجد پر صرف کی جائے، اگر ایسی صورت ممکن نہ ہو توالبتہ تعلیمی یا رفاہی مقاصد میں استعمال کی جائے۔

مساجد کی فاضل آمدنی کو دینی تعلیم اور دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ کرنے کا مسئلہ پہلے دور میں بھی کافی معرکۃ الآراء رہا ہے، اس سلسلے کے مختلف سوالوں کے جواب میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے مساجد کی فاضل آمدنی کو تعلیمی یا رفاہی کاموں میں صرف کرنے سے منع کیا ہے اور دوسری مساجد پر صرف کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے برخلاف اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے ایک مفصل فتوی لکھا اور فتوی کے آخر میں بطور خلاصہ لکھا: ”مذکورہ بالا تحقیق کی بنا پر ایسی حالت میں کہ مسجد کے اموال کثیرہ جمع ہوں اور مسجد کو نہ فی الحال ان کی حاجت ہو اور نہ بظن غالب فی المآل، اور ان اموال کے اس طرح جمع رہنے میں ضائع ہو جانے اور متغلبین کے کھا اڑا جانے کا اندیشہ ہو تو یہ زائد از حاجت اموال جمع شدہ کسی دوسری محتاج مسجد میں خرچ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح ایسے دینی مدرسہ میں جو علوم شریعت، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہو خرچ کرنا جائز ہے“ (کفایت المفتی ۷/۲۷۵)

اس فتوی پر دیوبند اور دہلی کے اٹھارہ علماء کے تصویبی دستخط ہیں، ان میں مفتی عزیز الرحمن صاحب، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا شبیر احمد نعمانی، مولانا اعزاز علی صاحب جیسی بلند پایہ شخصیات بھی ہیں، لہذا اس فتوی کی حیثیت انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی اور دستاویزی ہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنے بعض دوسرے فتاوی میں مساجد کی فاضل رقم کو بعض دوسرے دینی اور رفاہی کاموں میں صرف کرنے کی بھی اجازت دی ہے، مثلاً مدارس دینیہ کے طلبہ کو وظائف دینا، جائز و مباح علوم معاشیہ کے نادار و غیر مستطیع طلبہ کو وظائف دینا، مساجد میں مدارس دینیہ کا اجراء، دینی ضرورتوں کے تحت دار المطالعہ کا قیام، ترک مجاہدین و مجروحین کی امداد وغیرہ۔

ماضی قریب اور حال کے ممتاز اصحاب افتاء میں سے مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ، مفتی عبدالرحیم لاجپوری ور مفتی نظام الدین صاحب نے مساجد کی فاضل رقم کو دینی مدارس کے اجراء وامداد میں صرف کرنے کا بار بار فتوی دیا ہے۔

میرے خیال میں مساجد کی فاضل آمدنی اگر ضرورت ہو تو سب سے پہلے خود ان مساجد کو آباد کرنے میں صرف کی جائے، مثلاً جن مساجد کے آس پاس مسلمانوں کی آبادی نہیں ہے یا بہت معمولی ہے اس کی وجہ سے مسجد ویران رہتی ہے، بعض اوقات مسجد میں اتنے لوگ بھی نہیں ہوتے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جاسکے ایسی مساجد کی فاضل اراضی پر فاضل آمدنی سے دینی مدارس قائم کردیے جائیں تاکہ مساجد اچھی طرح آباد ہو جائیں اور مساجد کی اراضی اور جائدادوں پر غاصبانہ قبضہ کا خطرہ بھی کم ہو جائے۔

جو مساجد ہر طرح آباد ہیں اور ان کے پاس اتنی بڑی مقدار میں فاضل آمدنی ہے کہ مساجد کو مستقبل میں بھی اس کی ضرورت پیش آنے کی امید نہیں ہے نیز اتنی بڑی رقم جمع رہنے کی صورت میں اس کے خرد برد ہونے کا بھی قوی اندیشہ ہے ایسی مساجد کی فاضل آمدنی کو دوسری مساجد کی تعمیر یا محتاج مساجد کی امداد میں صرف کیا جائے۔ ہندوستان میں اب بھی بے شمار گاؤں ہیں جہاں مسلمانوں کی تھوڑی بہت آبادی ہونے کے باوجود کوئی مسجد یا مکتب نہیں ہے، ان مسلمانوں کے کان اذان کی آواز سے ناآشنا ہیں اور وہاں کے مسلمان اور ان کے بچے بچیاں کلمہ، ایمان، روزہ، نماز اور دین کے مبادی سے ناواقف ہیں، مساجد کی فاضل آمدنی سے ایسے گاؤں میں مساجد کی تعمیر کی جائے اور بنیادی دینی تعلیم کے مکاتب قائم کئے جائیں۔

کسی قانونی یا عملی دشواری کی وجہ سے اگر کسی مسجد کی فاضل آمدنی کو دوسری مساجد کی تعمیر یا امداد میں صرف کرنا ممکن نہ ہو یا ان پر صرف کرنے کے بعد بھی فاضل بچ رہی ہو تو اسے دوسرے دینی اور رفاہی کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

عرض مسئلہ بابت سوال نمبر ۳ (الف، ب)

سوال ۳ کا متن یہ ہے:

بہت سے اوقاف کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہوتی ہے، جو سال بہ سال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے، جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہے اور منتظمین وغیرہ کی طرف سے بھی، اور نہ ہی روز مرہ کی ضروریات کے اندر اس کے صرف کو سوچا جاسکتا ہے اور نہ آئندہ حفاظت یا اصلاح و مرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، تو کیا ایسی فاضل آمدنی کو دوسرے مواقع میں صرف کرنا درست ہوگا مثلاً

الف۔ اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں۔

ب۔ دیگر ملی، دینی و علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں۔

سوال ۳ (جز۔الف) کے جواب میں تمام حضرات متفق ہیں کہ اوقاف کی فاضل آمدنی اسی نوع کے اوقاف میں صرف کی جاسکتی ہے، مثلاً مساجد کی فاضل آمدنی مساجد میں، مدارس کی فاضل آمدنی مدارس میں، مسافر خانوں کی فاضل آمدنی مسافر خانوں میں، لیکن (جز۔ب) کے جواب میں اختلاف ہے۔

اوقاف کی فاضل آمدنی دیگر ملی، دینی، علمی کاموں میں صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں اس سلسلے میں کچھ حضرات کا جواب صریح نفی میں ہے، ان کے نام یہ ہیں:

مولانا زبیر احمد قاسمی	مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی	مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا صدر عالم قاسمی	مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عبداللطیف پالن پوری	مولانا عطاء اللہ قاسمی

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

اس مسئلہ میں دوسری رائے یہ ہے کہ اگر اس نوع کے اوقاف کی ضرورت نہ ہو یا اس نوع کے اوقاف میں صرف کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تب دوسرے دینی، ملی کاموں پر فاضل آمدنی صرف کی جاسکتی ہے، اس میں بھی الاقرب فالاقرب الانسب فالانسب کا لحاظ کیا جائے، یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا عبید اللہ اسعدی	مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا عبدالقیوم پالن پوری	مولانا شمس پیرزادہ
مولانا ایوب بھٹکلی ندوی	

تیسری رائے یہ ہے کہ اوقاف کی فاضل آمدنی کو دوسری نوع کے ملی، دینی اور تعلیمی کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے خصوصا دینی تعلیم کے اجراء و فروغ میں، اس رائے کے حاملین یہ حضرات ہیں:

مفتی حبیب اللہ قاسمی	مولانا ابوسفیان مفتاحی
مفتی جمیل احمد نذیری	مولانا عبدالعظیم اصلاحی
مولانا نور القاسمی	مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا قمر الزماں ندوی	

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی لکھتے ہیں: قاضی یا مجوزہ شرعی کمیٹی کی اجازت سے دوسرے دینی، ملی کاموں میں اوقاف کی فاضل آمدنی صرف کی جاسکتی ہے۔

مولانا ظفر الاسلام (مئو) کی رائے ہے: مسجد کی زائد آمدنی تو مسجد ہی میں صرف ہوگی، دوسرے اوقاف کی زائد آمدنی دیگر ملی ور فاہی اداروں میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: اگر اس نوع کے اوقاف میں ان کا استعمال ممکن نہ ہو تو ایسے رفاہی اور تعلیمی کاموں میں ان کا استعمال ہونا چاہئے جو غریب مسلمانوں کے لئے مخصوص ہوں کیونکہ ہر وقف کا آخری مصرف فقراء ہیں۔

مولانا ابوبکر قاسمی اور مولانا ابراہیم فلاحی کے نزدیک ضرورۃً اوقاف کی فاضل آمدنی دوسرے ملی اور رفاہی کاموں پر صرف کی جاسکتی ہے۔

عرض مسئلہ بابت سوال نمبر۔٤

سوال نمبر ۴ کا متن ہے:

بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسے پر کوئی مکان وقف ہے جو محلّہ کے اندر واقع ہے، اس کا معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسے کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں اور اس کو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام

پر کوئی دوکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی، کیا ایسا کیا جا سکتا ہے کہ مکان موقوفہ کو فروخت کر کے ایسی کوئی بھی شکل اختیار کی جائے جس میں وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائے؟

استبدال بالانفع کا مسئلہ فقہاء عہد قدیم میں بھی مختلف فیہ رہا ہے، اکثر فقہاء اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام محمد کی یہی رائے ہے، ہاں امام ابویوسفؒ کے پیش نظر اوقاف کو زیادہ نفع پہنچانا ہے، جمہور فقہاء کا استدلال دو باتوں سے ہے:

(۱) اوقاف میں اصل تابید اور عدم بیع ہے، استبدال کی گنجائش انتہائی مجبوری میں ہوتی ہے جب اوقاف کو خطرہ لاحق ہو یا اس کی منفعت کلیۃً ختم ہو چکی ہو اور یہاں اس درجہ کی ضرورت اور مجبوری نہیں ہے، وقف فی الجملہ منفعت بخش ہے اور اس سے واقف کے مقاصد کسی نہ کسی درجہ میں پورے ہو رہے ہیں۔

(۲) استبدال بالانفع کی اجازت سے اوقاف کی تباہی کا راستہ کھلتا ہے، بددیانت متولیان اس بہانہ اوقاف کو کھا لیتے ہیں جیسا کہ ماضی میں ایسا بہت ہوا اور فقہاء نیز اصحاب افتاء نے اس پر خون کے آنسو بہائے۔ فقہ حنفی میں اوقاف کے مختلف فیہ مسائل میں عموماً امام ابویوسف کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ جو قول وقف کے لئے زیادہ نفع بخش ہو اس پر فتویٰ ہوتا ہے، لیکن یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ استبدال بالانفع کی اجازت دینے میں اوقاف کا زیادہ فائدہ ہے یا اس پر بندش لگانے میں، فتاویٰ قاری الہدایہ میں امام ابویوسفؒ کے قول کو مفتی بہ کہا گیا ہے، لیکن علامہ ابن ہمام اور علامہ شامی وغیرہ استبدال بالانفع کے جائز نہ ہونے کو راجح قرار دیتے ہیں۔ جوں جوں متولیان اوقاف اور قاضیوں میں دیانت وامانت کی کمی آتی گئی متاخرین فقہاء احناف نے استبدال بالانفع کو ناجائز قرار دینا ہی اوقاف کے لئے مجموعی طور پر مفید سمجھا۔

اوقاف کے موضوع پر جن حضرات علماء واصحاب افتاء کے مقالات اور تحریریں موصول ہوئی ہیں ان کے درمیان بھی دو رائیں پائی جاتی ہیں۔

استبدال بالانفع کو ناجائز قرار دینے والے حضرات یہ ہیں:

مولانا عبیداللہ اسعدی	مفتی حبیب اللہ قاسمی
مولانا عبدالقیوم پالن پوری	مولانا سمیع اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری	مولانا ایوب بھٹکلی ندوی
مولانا عطاء اللہ قاسمی	مولانا عبداللطیف پالن پوری
مولانا ابوبکر قاسمی	مولانا ابراہیم فلاحی
مولانا اقبال قاسمی	عتیق احمد بستوی
مولانا مصطفیٰ قاسمی	مولانا صدر عالم قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے ہے: کوئی دیانت دار ادارہ ہو تو گنجائش ہے لیکن حکومت کے وقف بورڈ کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

مولانا جمیل نذیری لکھتے ہیں: محتاط طریقہ سے گنجائش نظر آتی ہے لیکن سدّ اللذرائع جواز کا عام فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ مولانا نور القاسمی نے بھی اسی طرح کی رائے ظاہر کی ہے۔

درج ذیل حضرات نے استبدال بالانفع کو جائز قرار دیا ہے:

مولانا زبیر احمد قاسمی	مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی	مولانا ظفر الاسلام۔ مئو
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی	مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا ابوسفیان مفتاحی	مولانا شمس پیرزادہ
مولانا عبد العظیم اصلاحی	مولانا اسعد اللہ قاسمی
مولانا ابرار خاں ندوی	مولانا قدرت اللہ باقوی
مولانا قمر الزماں ندوی۔	

میرے نزدیک درج ذیل وجوہ کی بنا پر استبدال بالانفع کی اجازت نہ دینا ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

(۱) اوقاف میں اصل یہی ہے کہ انہیں فروخت نہ کیا جائے بلکہ حتی الامکان باقی رکھا جائے استبدال کی اجازت انتہائی ضرورت و مجبوری کی بنا پر ہوتی ہے، استبدال بالانفع میں ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔

(۲) جمہور فقہاء کا مذہب استبدال بالانفع کی ممانعت کا ہے۔

(۳) استبدال بالانفع کی اجازت دینے میں خواہ یہ اجازت کتنی شرطوں اور پابندیوں کے ساتھ ہو اوقاف کو بیچ کھانے اور ان میں خرد برد کرنے کے مواقع بڑھ جائیں گے، موجودہ دور میں امانت و دیانت کا شدید قحط ہے، وقف بورڈوں کا نظام صحیح نہ ہونے اور غلط ہاتھوں میں چلے جانے کی وجہ سے دیانت دار افراد کا اوقاف کا متولی بننا اور رہنا مشکل ہو رہا ہے، دن بہ دن حالات بدتر ہوتے جارہے ہیں، ان حالات میں استبدال بالانفع کی اجازت اوقاف کی ابتری میں اضافہ کرے گی، استبدال بالانفع کی اجازت دینے میں جلب منفعت بلکہ ازدیاد منفعت ہے اور اجازت نہ دینے میں دفع ضرر ہے اور دفع ضرر جلب منفعت سے مقدم ہے۔

استبدال بالانفع کی بحث ختم کرنے سے پہلے دو باتوں کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) جن اوقاف کو کم منفعت سمجھ کر بیچنے کی بات سوچی جاتی ہے ان کے کم منفعت بخش ہونے میں اکثر خود ہمارا دخل ہوتا ہے، پچیس پچاس سال پہلے وقف کی کوئی جائداد کرایہ پر دی گئی، اس وقت جو کرایہ (مثلاً دس بیس روپیہ) طے ہوا تھا وہی کرایہ اب بھی چل رہا ہے، حالانکہ مارکیٹ میں اس جیسی جائداد کا کرایہ بیس گنا ہو چکا ہے، اولاً تو کسی انتہائی مجبوری

کے بغیر اتنے طویل زمانے کے لئے وقف کی جائداد کرایہ پر دینا درست نہیں ہے، اور اگر کسی مجبوری میں ایسا کرنا پڑا ہے تو متولیان اور کرایہ داروں کی ذمہ داری ہے کہ وقف گذرنے کے ساتھ کرایہ میں بھی اضافہ کریں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نہ مسلمان کرایہ دار کے دل میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے کہ میں وقف کی دوکان یا مکان کتنے معمولی کرایہ میں استعمال کر رہا ہوں نہ متولی کو فکر ہوتی ہے کہ کہہ سن کر معقول کرایہ مقرر کرائے۔ اوقاف کا کرایہ معقول اور مناسب کرنے میں اگر کچھ سرکاری قوانین حائل ہیں تو انہیں بدلوانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(۲) کسی وقف پراپرٹی کی آمدنی اگر اتنی قلیل اور مختصر ہے کہ خود اس وقف کے اخراجات اس آمدنی سے پورے نہیں ہوتے بلکہ قرض لے کر وقف کے اخراجات پورے کئے جا رہے ہیں اس طرح وقف پر قرض کا بار بڑھتا جا رہا ہے، اور متولی کی فکر و تدبیر اور جد وجہد کے باوجود اس وقت کی آمدنی بڑھنے کی مستقبل قریب میں کوئی امید نہیں ہے، ایسی وقف پراپرٹی کو فروخت کر کے دوسری زیادہ منفعت بخش جائداد خریدنا استبدال بالانفع کے قبیل کی چیز نہیں ہے بلکہ فائت النفع وقف کا استبدال ہے، اس لئے شرائط استبدال کی پابندی کے ساتھ اس وقف کے استبدال کی اجازت ہونی چاہئے۔

سوال نمبر ۷ کا متن ہے:

کیا کسی وقف شدہ مخدوش عمارت نئی تعمیر کیلئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کیلئے وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کی جا سکتی ہے، جب کہ اس کا مقصد وقف کی حفاظت ہے اور اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے؟

اس صورت معاملہ کو ان حضرات نے جائز کہا ہے:

مولانا زبیر احمد قاسمی	مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	مولانا ظفر عالم ندوی
مولانا ظفر الاسلام۔ مئو	مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی
مفتی محبوب علی وجیہی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری	مولانا ایوب ندوی بھٹکلی
مولانا شمس پیرزادہ	مولانا عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابو سفیان مفتاحی	مولانا اسعد اللہ قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی	مولانا ابرار خاں ندوی

درج ذیل حضرات نے اس صورت معاملہ کو ناجائز قرار دیا ہے:

مفتی حبیب اللہ قاسمی	مولانا جمیل احمد نذیری

مولانا صدر عالم قاسمی	مولانا عبد القیوم پالن پوری
مولانا سمیع اللہ قاسمی	مولانا نور القاسمی
مولانا اقبال قاسمی	مولانا ابراہیم فلاحی
مولانا ابو بکر قاسمی	مولانا عبد اللطیف پالن پوری
مولانا عطاء اللہ قاسمی	مولانا قدرت اللہ باقوی

جناب مولانا عبید اللہ الاسعدی لکھتے ہیں کہ فقہ حنفی میں گنجائش نہیں ہے، ہاں انتہائی مجبوری اور ضرورت میں فقہ حنبلی سے اس کی گنجائش اختیار کی جاسکتی ہے۔

فقہ مالکی اور فقہ شافعی کے مطابق تعمیر وقف کی کوئی شکل نہ نکلنے پر بھی وقف کے بعض حصہ کو باقی کی تعمیر کے لئے فروخت کرنا درست نہیں ہے، فقہ حنبلی کے مطابق اس کی اجازت ہے جیسا کہ المغنی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، ابن قدامہ لکھتے ہیں:

ان الوقف إذا خرب وتعطلت منافعه كدار انهدمت أو أرض خربت وعادت مواتا ولم تمكن عمارتها ....إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته (المغنی ۵/۶۳۱، ۶۳۲)

فقہ حنفی کے معروف واصح قول کے مطابق ویران وقف کی تعمیر کے لئے اس کے بعض حصہ کی فروختگی جائز نہیں ہے، ناجائز کہنے والوں نے عام طور پر فتاوی عالمگیریہ کی اس عبارت کو پیش کیا ہے:

وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك (فتاوی عالمگیری ۲/۴۱۷)

بعض حضرات نے جامع الرموز کی یہ عبارت پیش کی ہے:

ولا يملك الواقف بالبيع ونحوه ولو لإحياء الباقي.

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی نے سوال نمبر ۷ کے جواب میں لکھا ہے: "تحفظ وقف کے لئے اس کی بھی گنجائش ہے مگر باجازت قاضی"۔ پھر جامع الرموز کی مذکورہ بالا عبارت نقل کی ہے، حالانکہ یہ عبارت گنجائش کے بجائے عدم گنجائش پر دلالت کرتی ہے۔

علامہ صدر الشریعہ صاحب شرح وقایہ کی صراحت کے مطابق بعض متاخرین فقہاء احناف نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ مجبوری کی صورت میں وقف کے کچھ حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے باقی وقف کی تعمیر ومرمت کرائی جائے، صدر الشریعۃ کی عبارت ہے:

اعلم أن بعض المتاخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي والاصح انه لا يجوز (شرح وقایہ ۲/۳۵۴)

مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ الرعایۃ میں اس عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

يعني إذا خرب الموقوف ولم يكن في غلته ما يعمر به جاز أن يبيع بعضا منه فيعمر الباقي بثمنه لأن في بيع البعض إبقاء البعض وفي تركه ذهاب كله واعدام انتفاع به ومن ابتلي ببليتين يختار أهونهما(شرح وقایہ ۲/ ۳۵۴، حاشیہ۔۱۰)

اوقاف کے مسائل میں فقہاء کی صراحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے اوقاف کے تابید کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے کلاًیا جزءاًاوقاف کی فروختگی کی اجازت بالکل آخری درجہ کی مجبوری میں دی ہے، عام حالات میں یا معمولی پریشانیوں میں اس کی اجازت نہیں دی ہے، اس لئے ویران یا محتاج تعمیر وقف کی تعمیر یا مرمت کی ضرورت پر کوئی اور راستہ نہ ہونے کی صورت میں فقہاء نے یہ مشورہ دیا ہے کہ وقف جائداد مختصر یا طویل عرصہ کے لئے کسی کو کرایہ پر دے دی جائے اور اس کرایہ سے اس کی تعمیر یا مرمت کی جائے، فقہاء احناف نے مجبوری کی صورت میں مسجد کی چھت کو کرایہ پر اٹھانے کی اجازت دی ہے، یہ سب اسی لئے کیا ہے کہ اصل وقف پورا پورا کا برقرار رہے، اس لئے میرے خیال میں عام حالات میں تو اس کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے کہ وقف کا ایک حصہ بیچ کر باقی کی تعمیر کرلی جائے، لیکن جہاں آخری درجہ کی مجبوری ہو، جدوجہد کے باوجود تعمیر وقف کی کوئی صورت نہ بن پارہی ہو، نہ اہل خیر متوجہ ہورہے ہوں، نہ کرایہ پر اٹھاکر تعمیر کی کوئی شکل پیدا ہورہی ہو اور نہ قرض پر تعمیر کے بہ قدر رقم مل پارہی ہو، اور وقف کے ویران پڑے رہنے میں اس کے لئے خطرہ ہو، ایسی مجبوری کی صورت حال میں فقہ حنبلی کے مطابق اور بعض متاخرین احناف کی رائے کے مطابق اس کی اجازت دی جانی چاہئے کہ وقف پراپرٹی کا کچھ حصہ فروخت کرکے باقی وقف کی تعمیر یا مرمت کرلی جائے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ براہ راست وقف کی ہوئی زمین وجائداد اور وقف کی آمدنی سے خریدی ہوئی زمین وجائداد کے حکم میں بڑا فرق ہے۔ پہلی قسم کی زمین وجائداد کو فروخت نہیں کیا جاسکتا، اور دوسری قسم کی زمین وجائداد کو اصل وقف کی ضرورت ومصلحت سے فروخت کیا جاسکتا ہے، مثلاً مسجد کی آمدنی سے ایک زمین خریدی گئی، اور اب مسجد کی تعمیر نو کی ضرورت ہے تو اس خرید کردہ زمین کو فروخت کرکے مسجد کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

اما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف فانه يجوز بيعه بلا هذا الشرط (اى تعذر الانتفاع)لان في صيرورته وقفاً خلافا والمختار انه لا يكون وقفاً فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت(ردالمحتار ۳/ ۴۱۹)

عرض مسئلہ بابت سوال نمبر ۹

سوال نمبر ۹ کا متن یہ ہے:

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوجانے کی وجہ سے ان کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا، اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہے بلکہ قبضہ ختم ہورہا ہے تو اب ان قبرستانوں کے لئے کیا حکم ہوگا اور ان سے انتفاع کو باقی رکھنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جاسکتی ہے؟

اس سوال میں دو طرح کے قبرستانوں کی بابت دریافت کیا گیا ہے:

(۱) جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے ان کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے۔

(۲) جو قبرستان آبادی کے اندر آگیا اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی جس کی وجہ سے قبرستان کی اراضی پر ناجائز قبضہ ہو رہا ہے۔

جواب تحریر کرنے والے بعض حضرات نے دونوں قسم کے قبرستان کو نفع بخش بنانے کی تدبیریں لکھی ہیں، بعض حضرات نے جواب لکھتے وقت صرف ایک قسم کے قبرستان کو پیش نظر رکھا اور اسی کو نفع بخش بنانے کا طریقہ بتایا۔

پہلے قسم کا قبرستان (جس کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے) سوال نمبر ۱ (الف، ب) کے ذیل میں آگیا، اس کا جواب وہی ہو گا جو سوال نمبر ۱ (الف و ب) کے تحت دیا گیا یعنی اس قبرستان کو فروخت کر کے دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کو قبرستان کی ضرورت ہو متبادل قبرستان بنا دیا جائے، خصوصاً اس وقت جب کہ قبرستان کی اراضی پر قبضہ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہو، خطرہ نہ ہونے کی صورت میں اور نگہداشت ممکن ہونے کی صورت میں ایسا بھی کیا جا سکتا ہے کہ قبرستان کو کرایہ پر اٹھا دیا جائے یا اس میں باغبانی یا کاشت کی جائے اور اس کی آمدنی سے دوسرا قبرستان بنایا جائے یا دوسرے قبرستان پر اس آمدنی کو صرف کیا جائے۔

دوسرے قسم کے قبرستان کو مد نظر رکھتے ہوئے زیادہ تر جوابات تحریر کئے گئے ہیں، ان جوابات میں قبرستان کو نافع بنانے کے لئے مختلف تجویزیں پیش کی گئی ہیں، مثلاً:

(۱) قبرستان کا احاطہ کروا دیا جائے اور اس میں دفن پر عائد پابندی ختم کرانے کی کوشش کی جائے۔

(۲) اسے فروخت کر کے دوسرا قبرستان بنا لیا جائے۔

(۳) اس قبرستان میں مسجد، مدرسہ یا کوئی رفاہی ادارہ قائم کر لیا جائے۔

(۴) اس میں باغبانی یا زراعت کی جائے اور اس کی آمدنی دوسرے محتاج قبرستانوں پر صرف کی جائے یا مسجد مدرسہ وغیرہ میں صرف کی جائے۔

☆☆☆

اوقاف سے متعلق سوال نمبر ۵ اور نمبر ۶ کا عرض مسئلہ

محمد ظفر عالم ندوی، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مسئلہ اوقاف سے متعلق میرے ذمہ سوال نمبر ۵ اور ۶ کا عرض مسئلہ ہے، سب سے پہلے ہم مقالہ نگاروں کے نام، آراء اور دلائل ذکر کریں گے، پھر اپنی بات پیش کریں گے، میرے پاس جن حضرات کے مقالے آئے ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں:

مولانا نظام الدین صاحب۔ صدر مفتی دار العلوم دیوبند	مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا عبید اللہ الاسعدی	مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا محمد ایوب ندوی شافعی	مولانا عبد القیوم پالنپوری
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی	جناب حکیم ظل الرحمن
جناب ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی	مفتی حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد۔ دار العلوم بستی	مفتی محبوب علی وجیہی
مفتی فضیل الرحمن عثمانی	مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری	مولانا اسعد اللہ قاسمی
مولانا سمیع اللہ قاسمی	مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا صدر عالم قاسمی	مولانا ارشد قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی	مولانا ابراہیم فلاحی
مولانا قمر الزماں ندوی	مولانا شاہد سبیلی
مولانا قمر عالم سبیلی	مولانا مستفیض الرحمن سبیلی
مولانا سید محمد ایوب سبیلی	مولانا مصطفی قاسمی
مولانا عبد اللطیف پالنپوری	مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا محمد اقبال قاسمی	مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا محمد طاہر مظاہری	مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مولانا تنویر عالم قاسمی	

ان علماء اور ارباب افتاء کی آراء اور دلائل ذکر کرنے سے قبل ہم سوال پڑھ دیتے ہیں تاکہ صورت مسئلہ ذہن میں تازہ رہے۔

سوال نمبر ۵: بہت سے اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ خاندان ختم ہو گیا یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو ان اوقاف کی آمدنی کا کیا مصرف ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ اسی نوع کے مصارف پر وہ آمدنی صرف ہوگی۔ یعنی اگر کسی خاص خاندان کے فقراء پر کوئی جائداد وقف تھی اور وہ خاندان ختم ہو گیا یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے تو اس کی آمدنی عام فقراء پر صرف ہوگی۔ اگر مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھی تو اس مسجد کے نہ ہونے کی صورت میں اس سے قریب تر مسجد اور اس مدرسہ کے نہ ہونے کی صورت میں اس سے قریب تر مدرسہ پر صرف ہوگی۔

اس رائے کے حاملین درج ذیل حضرات ہیں:

مولانا زبیر احمد قاسمی	مولانا ابوبکر قاسمی	مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا عبداللہ الاسعدی	مولانا عطاء اللہ قاسمی	مولانا قمر عالم سبیلی
مولانا محمد اقبال قاسمی	مولانا ارشد قاسمی	مولانا عبداللطیف پالنپوری
مولانا محمد نور القاسمی	مولانا عطاء اللہ قاسمی	مولانا صدر عالم قاسمی
مولانا ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	مولانا ابراہیم فلاحی	مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا مستفیض الرحمٰن قاسمی	مولانا تنویر عالم قاسمی	مولانا عبدالقیوم پالنپوری
مولانا ابرار خاں ندوی	مولانا ظفر الاسلام اعظمی	مولانا شاہد سہر ساوی
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی	مفتی شکیل احمد سیتاپوری	جناب شمس پیرزادہ
مفتی حبیب اللہ قاسمی	مولانا سمیع اللہ قاسمی	

دلائل:

ان حضرات نے جو دلائل دیئے ہیں ان میں عام طور پر رد المحتار کے حوالہ سے شرح الملتقی کی یہ عبارت ہے: "یصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (رد المحتار ۳/ ۳۷۲)۔ دوسری دلیل رد المحتار ہی کے حوالہ سے یہ نقل کی ہے: "وحكى أنه وقع مثله في زمن الإمام الأجل في رباط بعض الطرق خرب ولا ينتفع المارة وله أوقاف عامرة فسئل هل يجوز نقلها إلى رباط آخر لينتفع الناس به؟ قال نعم! لأن غرض الواقف انتفاع المارة ويحصل ذلك بالثاني" (رد المحتار ۳/ ۳۷۱)

بعض حضرات نے قاضی خاں کے حوالہ سے یہی دلیل اس عبارت میں پیش کی ہے:

"رباط فی طریق بعید استغنی عنه المارة و بجنبه رباط آخر قال السید الإمام أبوشجاعؒ یصرف عنه إلی الرباط الثانی کالمسجد إذا خرب واستغنی أهل القریة فرفع ذلک إلی القاضی فباع الخشب و صرف الثمن إلی مسجد آخر جاز" (قاضی خاں علی الہندیہ ۲/۳۱۵)۔

کچھ حضرات نے البحر الرائق کی یہ عبارت بھی درج کی ہے: —

"ولو وقف علی إنسان بعینه أو علیه وأولاده أوعلی قرابته وهم یحصون أو علی أمهات أولاده فمات الموقوف علیه فعلی الأول یعود إلی ورثة الواقف قال الناطقی إلی الاجناس وعلیه الفتوی" (البحر ۵/۲۰۳)

بعض حضرات نے مزید جزئیات بھی درج کئے ہیں، لیکن حاصل استدلال ایک ہی ہے۔

مذکورہ رائے کے علاوہ بعض حضرات نے کچھ اور رائیں دی ہیں جو قدرے جدا ہیں، ہم ہر ایک کو ان کے ضروری دلائل کے ساتھ مختصراً ذکر کر رہے ہیں۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی کی رائے ہے کہ جن لوگوں پر یہ جائداد وقف تھی ان میں سے اگر کوئی بھی زندہ ہوگا تو ان کے لئے ان کا حصہ الگ کر دیا جائے گا اور جو آمدنی بچ جائے گی وہ فقراء پر صرف ہوگی۔ انہوں نے معارف السنن کے حوالہ سے مزید یہ بات بھی کہی ہے کہ فقراء پر صرف کرنے کے بجائے اس آمدنی سے اگر مدارس قائم کئے جائیں یا وہ آمدنی اشاعت علم میں صرف کی جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے مماثل مصارف پر خرچ کرنے کے ساتھ فقراء پر صرف کرنے کی دو شکلیں پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ آمدنی براہ راست فقراء پر صرف ہو، دوسری یہ کہ اس آمدنی کو کسی ایسے رفاہی کام کے لئے استعمال کیا جائے جس سے استفادہ فقراء ہی کیلئے مخصوص ہو۔

ڈاکٹر قدرت اللہ صاحب کی رائے ہے کہ یہ آمدنی قومی ورفاہی کام کے لئے صرف کی جاسکتی ہے۔ مولانا ایوب صاحب ندوی شافعی کا خیال ہے کہ اس آمدنی کو واقف کے غریب رشتہ داروں پر صرف کیا جائے گا، چاہے عصبہ ہوں یا ذوی الارحام اگر وہ بھی مفقود ہوں تو اس آمدنی کو مصالح مسلمین پر صرف کیا جائے گا۔ جناب حکیم ظل الرحمن صاحب کی رائے ہے کہ اس طرح کی آمدنی کو جس کے مصارف ختم ہو چکے ہوں دیگر صدقات جاریہ پر صرف کر سکتے ہیں۔ جناب مفتی محبوب علی رامپوری نے اپنی رائے یہ پیش کی ہے کہ اگر ان اوقاف کے شرائط معلوم ہوں تو شرائط کے مطابق آمدنی صرف کی جائے گی۔ ورنہ مسلمان غرباء، تعلیم، علاج، مساجد و مدارس وغیرہ پر صرف کی جائے گی۔

جناب ابرار خاں ندوی نے ہم جنس مصارف پر صرف کرنے کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس نوٹ کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اگر اس خاندان کے فقراء ایسی جگہ منتقل ہو گئے ہیں جو سابق بستی ہی میں شمار ہوتی ہے تو وہ اپنے حصے سے محروم نہیں کئے جائیں گے اور اگر اس جگہ کا شمار سابق بستی میں نہ ہو تو وہ حصے سے محروم ہونگے۔ انہوں نے فتاوی بزازیہ کے حوالہ سے یہ جزئیہ بھی نقل کیا ہے:

"وقف على فقراء أقربائهم المقمين بخوارزم فانتقلو إلى بلد آخر إن كان مما يحصون لا تنقطع وظيفتهم وإن كان لا يحصون تنقطع ثم إن بقي هناك منهم أحد يصرف الكل إليه و إن لم يكن صرف الكل إلى الفقراء(بزازيہ علی الہندیہ ۲۷۶/۶)

جناب مولانا مصطفیٰ صاحب قاسمی نے تقریباً اسی طرح کا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر موقوف علیہ فقراء کسی دوسرے گاؤں میں منتقل ہوگئے ہوں تو وہ رقم ان فقراء تک پہونچانے کی سعی بلیغ کرنی چاہئے۔

جناب سید محمد ایوب سبیلی کا خیال ہے کہ اس آمدنی کو دوسرے مدارس، دینی، ملی ورفاہی کاموں پر صرف کر سکتے ہیں، البتہ ہم جنس پر صرف کرنا بہتر ہے۔

جناب مستفیض الرحمن صاحب نے ایک نکتہ یہ واضح کیا ہے کہ یہاں منشاء واقف ومنشاء شارع دونوں یکساں ہیں اس لئے اس وقف کی آمدنی کو ہم جنس مصارف پر بھی صرف کر سکتے ہیں اور دینی وعصری تعلیم گاہ پر بھی، اور ذمہ داران وقف کو اپنی صوابدید سے صرف کرنے کا بھی اختیار رہے گا۔ اگر وہاں وقف بورڈ ہو تو اس کے بھی حوالہ کیا جاسکتا ہے۔

ان تمام آراء اور دلائل کو اختصار سے ذکر کرنے کے بعد ناچیز اپنی بات بھی چند جملوں میں ظاہر کردینا مناسب سمجھتا ہے، میرے نزدیک اس طرح کے اوقاف کی آمدنی اسی نوع کے مصارف پر صرف کی جائے گی جیسا کہ اکثر مقالہ نگاروں کی رائے ہے۔ جن حضرات نے دوسری رائیں دی ہیں ان کی آراء اور دلائل سے محسوس ہوتا ہے کہ اوقاف اور ان کے مصارف کو عام صدقات اور کار خیر کی طرح تصور کیا ہے، حالانکہ عام صدقات وکار خیر اور اوقاف میں بڑا فرق ہے، باب وقف میں منشاء واقف کو بڑی اہمیت حاصل ہے اسی لئے فقہاء نے صراحت کی ہے: " قول الواقف كنص الشارع" أو "شرط الواقف كنص الشارع" اگر ہم اس بنیادی نکتہ کو سامنے رکھیں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ واقف کی منشاء جس مصرف میں صرف کرنے کی ہو اس وقف کی آمدنی کو اسی مصرف میں صرف ہونا چاہئے اور منشاء واقف کی رعایت اسی وقت ہو سکے گی جبکہ ہم جنس مصرف پر وہ آمدنی صرف ہو۔ اس باب کے تمام جزئیات وفتاوی اور فقہاء کی تصریحات کا احاطہ کرنے سے اسی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ (ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب)

آیئے! اب سوال نمبر ۶ کو ذہن میں تازہ کرلیں:

بعض اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں، اوقاف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھاکر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کردے کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے۔ کیا شرعاً ایسا معاملہ درست ہے؟ اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں ہے اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے، اس زمین سے فائدہ اٹھانے کیلئے اگر کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کرلیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کی رائیں مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک رائے یہ ہے کہ بلڈر کی ملکیت میں ایک یا دو منزل کا دینا درست نہیں ہے، البتہ بلڈر کو بقدر اخراجات ایک خاص مدت تک کے لئے کچھ حصوں سے انتفاع کی اجازت دی جاسکتی ہے جو کرایہ کی شکل ہوگی۔

اس رائے کے حاملین میں درج ذیل حضرات ہیں:

مولانا زبیر احمد قاسمی	مولانا ابوسفیان مفتاحی	جناب ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا عبید اللہ الاسعدی	مولانا اسعد اللہ قاسمی	جناب حکیم ظل الرحمن
مولانا ابو بکر قاسمی	مولانا عطاء اللہ قاسمی	مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مفتی جمیل احمد نذیری	مولانا تنویر عالم قاسمی	مولانا محمد نور القاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی	مولانا سمیع اللہ قاسمی	مولانا قمر عالم سبیلی
مولانا صدر عالم قاسمی	مولانا ارشد قاسمی	

ان حضرات نے عام طور پر درج ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

(۱) "وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمَ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك" (ہندیہ ۲/۴۱۷)

(۲) "انهدم الوقف وليس له من الغلة ما يعاد به بناؤه دفع النقض إلى الواقف أو وارثه" (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۷۴)

(۳) "أن الخان لو احتاج إلى المرمة آجر بيتاً أو بيتين وأنفق عليه" (ردالمحتار ۳/۳۷۶)

(۴) شجرة جوز في دار وقف فخربت الدار لم يبيع القيم الشجر لأجل عمارة الوقف لكن يكرى الدار و يعمرها ويستعين بالجوز على العمارة لا بنفس الشجرة" (فتاوی ہندیہ ۲/۴۱۷)

(۵) بعض حضرات نے شرح وقایہ کے حوالہ سے یہ عبارت بھی درج کی ہے، جس میں مفتی بہ قول کی بھی صراحت ہے:

"إعلم أن بعض المتأخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي والأصح أنه لايجوز، فان الوقف بعد الصحة لا يقبل الملك كالحر لا يقبل الرقبة" (شرح وقایہ ۲/۳۵۴)

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ بلڈر سے اس طرح کا معاملہ وقف کے تحفظ ہی غرض سے کیا جارہا ہے اس لئے اس کی اجازت ہوگی، یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مولانا محمد ایوب ندوی شافعی	مولانا محمد ابرار خاں ندوی
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی	مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی	مولانا ابراہیم فلاحی
مفتی شکیل احمد دار العلوم بستی	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی	مولانا محمد شاہد سبیلی

جناب شمس پیرزادہ | مولانا محمد طاہر مظاہری | مولانا سید محمد ایوب سہیلی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی | مولانا محمد اقبال قاسمی | مولانا مستفیض الرحمٰن قاسمی
مولانا محمد شاہد سہر ساوی

ان حضرات نے اپنی رائے کی تائید میں درج ذیل دلائل ذکر کئے ہیں:

(۱) ”إن الوقف إذا خرب و تعطلت منافعه كدار انهدمت أو أرض خربت و عادت مواتا ولم تكن عمارتها أو مسجدا انتقل أهل القرية عنه صار في موضع لا يصلى فيه أو ضاق بأهله ولم يكن توسيعه في موضعه و تشعب جميعه فلم تكن عمارته، ولا عمارة بعضه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته وإن لم يكن الإنتفاع بشئ منه بيع جميعه“ (المغنی ۶۳۲/۵)

(۲) ”وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز“ (فتاوی بزازیہ علی الہندیہ ۲۷۲/۶)

(۳) ”الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره“ (البحر ۶۳۲/۵)

(۴) مفتی عبد القیوم پالنپوری نے فتاوی ہندیہ کی یہ عبارت بھی درج کی ہے:

”وكذا وقف صحيح إذا خرب ولا ينتفع به وهو بعيد عن القرية لا يرغب أحد في عمارته ولا يستأجر أصله يبطل الوقف ويجوز بيعه، وإن كان أصله يستأجر بشئ قليل يبقى أصله وقفا، وهذا الجواب صحيح على قول محمدؒ فاما عند أبي يوسف ففيه نظر“ (ہندیہ ۳۶۵/۲) آگے ردالمحتار کی اس عبارت ”ويفتي بكل ما هو أنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه“ سے اس مختلف فیہ قول میں انفع جواز کے پہلو کو بتایا ہے۔ جناب مفتی محبوب علی صاحب نے ”قانون العدل والإنصاف“ کے حوالہ سے جواز کی یہ دلیل بھی دی ہے: ولا تباع الا إذا تعذر الإنتفاع بها“ (ص ۱۷، مادہ ۳۶)

بعض حضرات نے کچھ جزوی شرطوں کے ساتھ جواز کی رائے کو ترجیح دی ہے اور دلائل بھی دیئے ہیں۔ لیکن سب کا حاصل یہی ہے کہ بلڈر سے اس طرح کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ عمارت کے کچھ حصے یا منزل کو مستقل طور پر بلڈر کی ملکیت میں دینا صحیح نہیں ہے، ہاں! جس قدر رقم اس کی تعمیر یا مرمت میں صرف ہو اس کے عوض ایک خاص مدت تک انتفاع کیلئے کچھ حصے دیئے جاسکتے ہیں، البتہ اگر کوئی بھی بلڈر اس کیلئے تیار نہ ہو اور نہ ہی کوئی اور صورت مرمت یا تعمیر کی ہو اور مخدوش عمارت کے اس طرح رہنے سے وقف کا نقصان ہو تو ایسی صورت میں قاضی شریعت یا دیندار مسلمانوں کی جماعت جس میں عالم دین بھی ہو، کی اجازت سے اس مخدوش عمارت یا غیر نفع بخش زمین کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری عمارت یا کار آمد زمین وقف کے لئے خریدی جاسکتی ہے۔ فقہاء کی تصریحات اس سلسلہ میں بکثرت ملتی ہیں، ہم یہاں چند ضروری عبارتوں کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ اختصار اً مسئلہ کی وضاحت ہو جائے۔

علامہ شامیؒ ردالمحتار میں تحریر فرماتے ہیں:

”الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك

إلاللقاضى فالحاصل أن الموقوف عليه السكنى إذا امتنع من العمارة ولم يوجد مستأجر باعها القاضى واشترى بثمنها ما يكون و قفا"(ردالمحتار ۳/۳۸۲)

علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں نقل کرتے ہیں:

"سئل عن وقف إنهدم ولم يكن له شئ يعمر منه ولا أمكن إجارته ولا تعميره هل تباع أنقاضه من حجرٍ و طوب وخشب؟ أجاب: إن كان الأمر كذلك صح بيعه بأمر الحاكم ويشترى بثمنه وقف مكانه"(ردالمحتار ۴/۳۷۶ جدید نسخہ)

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ وقف کی مخدوش عمارت یا زمین بلڈر کے حوالہ کر کے مرمت یا تعمیر کا کام کرانا اور اس کے عوض چند منزلیں بلڈر کی ملکیت میں دے دینا صحیح نہیں ہے، ہاں جب کرایہ کی شکل ممکن نہ ہو تب استبدال کی شکل باذن قاضی یا باذن جماعت اہل حل وعقد اختیار کی جاسکتی ہے۔ (ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆☆

عرض مسئلہ۔ اوقاف

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی۔ مالیر کوٹلہ پنجاب

سوال ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۳

حضرات علماء کرام! ہم سب جانتے ہیں کہ قانون میں سب سے اہم چیز اس کا مقصد ہوتا ہے، مقصد کو پورا کرنے کے لئے اصول مقرر کئے جاتے ہیں اور اصولوں کے تحت احکامات دئے جاتے ہیں۔

قانون وقف کا مقصد آخرت کا اجر وثواب اور دنیا میں مخلوق کی نفع رسانی ہے۔ وقف کے ذریعے انسان اپنی عارضی ملکیت کو جو اس دنیا میں تصرف کرنے کے لئے اس کے خالق ومالک نے عطا کی ہے، مالک حقیقی کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ الوقف لا یملک۔ وقف کا کوئی انسان مالک نہیں ہوتا، اس کا مالک اللہ تعالی ہے۔ اور اسی لئے وقف کو بیچا نہیں جا سکتا، اس میں میراث جاری نہیں ہوتی، اور اس کا تحفظ اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ وقف کرنے والے کے لئے صدقہ جاریہ بنا رہے جس مقصد کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ مقصد پورا ہوتا رہے اور اس کے ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہے۔

اس وقت میں آپ کی خدمت میں وقف کے موضوع پر عرض مسئلہ کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ وقف کے متعلق سوالات میں سے سوال نمبر ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۳ یہ چار سوال میرے سامنے ہیں۔

سوال نمبر ۸ یہ ہے کہ مسجد یا قبرستان کیلئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جا سکتی ہے کہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو۔

اس سوال کے جوابات ۳۸ علماء کرام کی طرف سے دئے گئے ہیں جن میں سے ۲۴ علماء نے مسجد یا قبرستان کی وقف زمین پر مدرسہ کی تعمیر کو درست اور جائز قرار دیا ہے:

مولانا عبید اللہ اسعدی	مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی	مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی	مفتی محبوب علی وجیہی
مفتی ابو سفیان مفتاحی	مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا محمد قمر الزماں ندوی	مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا عبد العظیم اصلاحی	مولانا شمس پیرزادہ
مولانا سمیع اللہ قاسمی	مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مولانا ابو بکر قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی	مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا محمد طاہر مظاہری	مولانا قمر عالم سبیلی
مولانا سید محمد ایوب سبیلی	ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد ایوب ندوی	مفتی نظام الدین۔ دار العلوم دیوبند

دس علماء کرام نے اس کو ناجائز فرمایا ہے:

مولانا ظفر عالم ندوی	مفتی حبیب اللہ قاسمی
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی	حکیم ظل الرحمٰن
مولانا عبد القیوم پالنپوری	مولانا ابراہیم فلاحی
مولانا عطاء اللہ قاسمی	مولانا محمد مطیع الرحمٰن
مولانا محمد شاہد سہرساوی	مفتی شکیل احمد سیتاپوری

اور چار حضرات نے مسجد اور قبرستان کی زمین میں فرق کرتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے۔

مولانا نور القاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ مسجد کی زمین پر جائز نہیں ہے قبرستان کی زمین پر جائز ہے۔

مولانا محمد اقبال قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ قبرستان کی زمین پر جائز نہیں ہے مسجد کی زمین پر درست ہے۔

مولانا مصطفیٰ قاسمی صاحب لکھتے ہیں مسجد کی زمین پر جائز نہیں ہے قبرستان کی زمین پر جائز ہے۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری کے نزدیک جائز نہیں ہے، بوقت ضرورت کرائے کی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔

جن حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے ان میں سے اکثر کی دلیل علت مشترکہ ہے، کیونکہ مسجد اور قبرستان بھی وقف ہے اور دینی مدرسہ بھی وقف ہوتا ہے اس لئے اس پر مدرسہ کی تعمیر جائز ہونی چاہئے۔ اس سلسلہ میں سب سے محتاط رائے یہ ہے کہ مسجد یا قبرستان کے متولی یا اس کی انتظامیہ اس جگہ کو مدرسہ کی تعمیر کیلئے کرائے پر دے دے تاکہ واقف کا منشاء بھی فوت نہ ہو اور اس کا فائدہ بھی زیادہ عام ہو جائے جس سے واقف کے اجر و ثواب میں مزید ترقی کی امید ہے۔

جن حضرات نے اس کو جائز قرار نہیں دیا ان کے پیش نظر یہ بات ہے کہ وقف کے مصرف کو بدلا نہیں جاسکتا۔

جن حضرات نے مسجد اور قبرستان کے وقف میں فرق کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ مدرسہ جنس مسجد سے نہیں ہے، البتہ قبرستان کی جائز زمین پر مدرسہ کی تعمیر کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

تمام دلائل کا وزن اپنی اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے اور آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ وقف کے سلسلے میں منصوص احکام بہت کم ہیں اور زیادہ تر مسائل کا تعلق اجتہاد اور مصالح عامہ سے ہے، اور غالباً اسی لئے وقف کے مصرف کو بدلنے کے سلسلے میں بہت ہی اہم شرط قضائے قاضی کی ہے، قاضی وقت مفاد عامہ کا نگراں ہوتا ہے، اسی لئے شریعت نے اس کو ترجیحی اختیارات دیئے ہیں۔

اس ملک میں اس سہولت سے محروم ہونے کی وجہ سے اور قوت نافذہ نہ ہونے کی وجہ سے جو مشکلات پیش آتی ہیں ہمیں

اس مؤقر مجلس میں اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ کیا اس کا حل ایک باوقار اور معتبر وقف کونسل کی صورت میں ممکن ہے یا نہیں ہے۔

وقف کے تعلق سے سوال ۱۱ یہ ہے:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس سے یہ کام کرایا جائے۔ جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ دوکانوں میں چلا جائے گا کیا یہ درست ہوگا، اور بقیہ میں فاضل آمدنی مناسب مصارف خیر میں لگادی جائے؟

اس سوال کا جواب ۳۷ علماء کرام نے دیا ہے، حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے براہ راست جواب نہیں دیا بلکہ وقف کے متعلق بنیادی امور کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ۳۷ میں سے ۳۳ حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور ۴ نے اس کو ناجائز کہا ہے۔

جواز کے قائلین یہ ہیں:

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی حبیب اللہ قاسمی
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا ابوسفیان مفتاحی
مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا محمد قمر الزماں ندوی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا عبد العظیم اصلاحی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا نور القاسمی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مولانا مصطفیٰ قاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی
مولانا محمد مطیع الرحمن
مولانا محمد طاہر مظاہری
مولانا محمد شاہد سہر ساوی
قمر عالم سبیلی
مولانا سید محمد ایوب
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد ایوب ندوی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری

جن ۴ حضرات نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	حکیم ظل الرحمٰن
مولانا شمس پیرزادہ	مولانا محمد اقبال قاسمی

جن حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے ان کے سامنے وقف کا تحفظ اور اس کو ناجائز قبضوں سے بچانے کی یہ ایک مناسب صورت ہے، اور جن حضرات نے اس کو ناجائز فرمایا ہے ان کے پیش نظر یہ بات ہے کہ اس طرح قبرستان کے گرد دوکانیں بنانے سے نہ صرف یہ کہ اس کی شکل تجارتی ہو جائے گی بلکہ قبرستان کا سوگوار ماحول بھی متاثر ہوگا۔

وقف کے تعلق سے سوال نمبر ۱۲ یہ ہے:

آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سے مسجد ہے جو ممکن ہے کسی زمانہ میں یہ تدفین کے لئے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کر سکیں، اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہو گئی ہے، نیز قبرستان میں بھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے، تو کیا قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے؟ اور کیا اس میں ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید و قدیم قبروں کے حکم میں فرق ہے؟

اس سوال کے جوابات بھی ۳۸ علماء کرام سے موصول ہوئے ہیں جن میں ۳۵ علماء نے مسجد کی توسیع کو جائز قرار دیا ہے، اور صرف ۳ حضرات ہیں جنہوں نے اس سے اتفاق نہیں فرمایا۔

قائلین جواز کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا عبیداللہ اسعدی	مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی	مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی	مولانا ظفر عالم ندوی
مفتی محبوب علی وجیہی	مولانا ابوسفیان مفتاحی
حکیم ظل الرحمٰن	مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا محمد قمر الزماں ندوی	محمد صدر عالم قاسمی
مولانا عبدالعظیم اصلاحی	مولانا عبدالقیوم پالنپوری
مولانا سمیع اللہ قاسمی	مولانا نور القاسمی
محمد ابرار خاں ندوی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مولانا محمد اقبال قاسمی	مولانا مصطفیٰ قاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی	مولانا ابوبکر قاسمی

مولانا عبداللطیف پالنپوری — مولانا عطاء اللہ قاسمی

مولانا اسعد اللہ قاسمی — محمد ارشد قاسمی

محمد مطیع الرحمٰن — محمد طاہر مظاہری

محمد شاہد سہر ساوی — قمر عالم سبیلی

سید محمد ایوب سبیلی — ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

محمد ایوب ندوی — مفتی شکیل احمد سیتاپوری

مفتی نظام الدین صاحب۔ دیوبند

قائلین عدم جواز کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی حبیب اللہ قاسمی — مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی

مولانا شمس پیرزادہ

بعض حضرت نے نئی اور پرانی قبروں میں بھی فرق کیا ہے اور بعض حضرت نے یہ صورت تجویز کی ہے کہ مسجد کی توسیع اس طرح کی جائے جس میں نیچے تدفین ہوتی رہے اور چھت ڈال کر اوپر سے مسجد کا کام لیا جائے۔ اس سلسلے میں نئی پرانی قبروں کے فرق کے علاوہ غالباً وارثوں کے جذبات سے بھی اس کا تعلق ہے اس لئے ان کی اجازت اور مرضی کے پہلو کو بھی ضرور سامنے رکھنا چاہئے۔

وقف کے سلسلے میں سوال نمبر ۱۳ یہ ہے:

ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر بھی اراضی وقف کی ہیں اور شاید واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد اب ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم و نسق انجام دیتا ہے، تو کیا مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست ہے؟

اس سوال کے بھی ۳۷ علماء کرام نے جوابات عنایت فرمائے ہیں، حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے اس سوال کا جواب براہ راست تحریر نہیں فرمایا۔ ۳۷ میں سے ۲۲ حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور پندرہ نے اس کو ناجائز فرمایا ہے۔

جنہوں نے جائز قرار دیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا عبید اللہ اسعدی — مولانا زبیر احمد قاسمی

مولانا تنویر عالم قاسمی — مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

مولانا ظفر الاسلام اعظمی — مفتی حبیب اللہ قاسمی

مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی — مفتی محبوب علی وجیہی

مولانا ابو سفیان مفتاحی	حکیم ظل الرحمن۔ دہلی
مفتی جمیل احمد نذیری	مولانا عبد القیوم پالنپوری
مولانا سمیع اللہ قاسمی	مولانا نور القاسمی
محمد ابرار خاں ندوی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مولانا محمد اقبال قاسمی	مولانا مصطفیٰ قاسمی
مولانا ابو بکر قاسمی	مولانا عبد اللطیف پالنپوری
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی	مولانا محمد ایوب ندوی

جائز قرار دینے والوں نے اپنے موقف کی یہ دلیل دی ہے کہ جس طرح غیر مسلم کا وقف کرنا درست ہے اسی طرح اس کا متولی بننا بھی ناجائز نہیں ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ دیانت دار مسلم کو تولیت کا حق دیا جائے۔

جنہوں نے ناجائز قرار دیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا ظفر عالم ندوی	مولانا محمد قمر الزماں ندوی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی	مولانا عبد العظیم اصلاحی
مولانا شمس پیرزادہ	مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا عطاء اللہ قاسمی	مولانا اسعد اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی	مولانا محمد مطیع الرحمن
مولانا محمد طاہر مظاہری	مولانا محمد شاہد سہر ساوی
مولانا قمر عالم سبیلی	مولانا سید محمد ایوب
مفتی شکیل احمد سیتاپوری	

جن حضرات نے اس کو ناجائز کہا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ متولی ہونا بھی ایک طرح کی ولایت ہے اور مسلم پر غیر مسلم کو ولایت کا حق نہیں ہے۔

لیکن سوال جہاں تولیت اور ولایت کے فرق کا ہے وہاں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ یہ سوال ان اوقاف کے بارے میں ہے جو غیر مسلموں نے ہی وقف کی ہیں، اس لئے اگر وہ وقف کے مقصد کے مطابق دیانت وامانت کے ساتھ یہ خدمت انجام دے رہے ہیں تو ان کو اس سے محروم کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

☆☆☆☆

استبدال وقف

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسماء گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا انیس الرحمن
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شیر علی گجراتی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبدالقیوم پالنپوری
مفتی عبدالرحیم قاسمی
مولانا محمد سعود عالم قاسمی
مولانا عبداللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبدالجلیل قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی
مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا محمد ارشاد القاسمی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

استبدال وقف

سوال: بہت سے اوقاف (خصوصاً پنجاب وہریانہ اور دہلی ومغربی یوپی میں) ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف مسلمانوں کی آبادی منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں، اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے۔ اس میں قبرستان، مدارس وخانقاہیں ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل سوالات ہیں:

الف۔ ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے؟

ب۔ کیا ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے؟

جوابات

الف۔ ایسے اوقاف جو معطل وبیکار ہیں اور ناجائز قبضوں میں ہیں، ان کو کار آمد بنانے کے لئے دوسری کسی جگہ جہاں فائدہ اٹھایا جا سکے ان کا متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو: عبارات نمبر ۳، نیز فتاوی علمائے دیوبند

ب۔ متبادل صورت کے لئے شخصی معاملہ یا حکومت وادارے سے معاملہ سب درست ہے۔

شرنبلالی وغیرہ کے کہنے کے مطابق مسجد کے ماسوا تمام اوقاف میں نقل کی اجازت دی گئی ہے۔

ملاحظہ ہو: عبارات نمبر ۳، نیز فتاوی حضرت تھانوی ومفتی عبد الرحیم۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

الف۔ وقف کی چیز کو بیچ کر دوسری چیز اس سے خرید کرنی یا خود موقوفہ شی کا دوسری شئ سے تبادلہ کرنا فقہاء کے یہاں "استبدال وقف" کہلاتا ہے۔

اوقاف میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، ایک وقف کرنے والے کی شرط، دوسرے خود وقف کی مصلحت، فقہاء نے واقف کی شرط کو شریعت کی شرط کے مماثل سمجھا ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی خلاف شرع بات نہ ہو، وقف کی مصلحت سے مراد ہے مقاصد وقف کو باقی رکھنا، ان کو تقویت پہونچانا، اور ان کی نافعیت میں اضافہ کرنا، اس لئے مصالح وقف کی اہمیت اور احکام وقف کی بابت اس کے اثرات محتاج اظہار نہیں۔ وقف کی تبدیلی کا مسئلہ بھی انہی دو جہتوں سے متعلق ہے۔

چنانچہ اگر خود وقف کرنے والے نے اپنے لئے یا کسی اور شخص کے لئے حق استبدال کی شرط لگادی تھی اور وقف میں تبدیلی کا حق باقی رکھا تھا، تب تو بالاتفاق متعلق شخص کو اس کا حق حاصل ہوگا، کیوں کہ یہ ایک جائز اور معتبر شرط ہے، اور استبدال کا عمل واقف کی شرائط کے دائرہ میں رہتے ہوئے کیا جارہا ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری کا بیان ہے:

واجمعوا انه إذا شرط الاستبدال لنفسه من أصل الوقف ان الشرط والوقف صحيحان ويملك الاستبدال

(البحر الرائق ۵/ ۲۲۲)

اگر وقف کرنے والے نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی تو اس صورت میں اصولی طور پر وقف کا تبادلہ ممکن نہیں، کہ ایک تو اس سلسلے میں واقف کا منشا مؤید نہیں، دوسرے خود رسول اللہ ﷺ نے وقف کے بارے میں جو اصول متعین فرمایا ہے، وہ یہی کہ اس کی خرید و فروخت نہیں ہوگی، نہ کسی اور کو مالک بنایا جائے گا، بلکہ اصل شی کو باقی رکھتے ہوئے اس کی منفعت کو مقررہ مصارف پر خرچ کیا جائے، **"أن لا يباع أصلها ولا تبتاع ولا توهب ولا تورث"** لیکن اگر مقاصد وقف کو جاری اور باقی رکھنا اس کے استبدال ہی پر موقوف ہو تو پھر یہ صورت استبدال کی ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی، کیوں کہ جب واقف نے اپنے وقف کا ایک منشا متعین کر دیا ہے تو گویا یہ نگراں وقف کے لئے اس بات کی ہدایت ہے کہ وہ اس وقف کو ان مقاصد کے لئے مفید اور کار آمد بنائے رکھے، اور وقف کی افادیت، استبدال پر موقوف ہے تو گویا خود صاحب وقف کی طرف سے معنیً اور دلالۃً استبدال کی اجازت ہے، نیز منشاء نبویؐ بھی یہی ہے کہ اصل وقف کو باقی رکھ کر اسکے نفع کو دیرپا بنایا جائے اور اس کی حفاظت یقینی ہو سکے، اب اگر وقف کی حفاظت اور اس کی نافعیت ہی استبدال پر موقوف ہو تو ظاہر ہے کہ استبدال وقف ہی سے منشاء نبوی کی تکمیل ہو سکے گی، لہذا وقف کی مصالح کی بناء پر استبدال، شارع علیہ السلام اور واقف کے مقصد و منشاء کے موافق ہی ہے نہ کہ اس کے خلاف۔

یہ تو اس سلسلے میں اصولی گفتگو تھی، فقہی جزئیات بھی اسی سمت میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں، علامہ ابن ہمام نے اس سلسلے میں فقہاء کے مباحث کا تجزیہ یوں کیا ہے کہ اگر واقف کی طرف سے استبدال کی شرط ہو تب تو استبدال جائز ہے ہی، اگر واقف نے ایسی شرط نہ لگائی ہو تو ایک صورت تو یہ ہے کہ استبدال کے بغیر وقف سے نفع اٹھانا ہی ممکن نہ ہو، اس صورت میں بالاتفاق استبدال جائز ہے، **فينبغي ان لا يختلف فيه**، دوسری صورت یہ ہے کہ وقف تو اب بھی قابل انتفاع ہے لیکن استبدال کے ذریعہ اس کی نافعیت میں مزید اضافہ کیا جاسکتا ہے، ابن ہمام کا خیال ہے کہ یہ صورت جائز نہیں ہوگی۔

إنه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لا يجوز (ردالمحتار ۶/۵۸۹ مع تحقیق شیخ عادل وشیخ علی۔ بحوالہ فتح القدیر)

تاہم علامہ حصکفی نے چار صورتوں میں ایسی زمین کے استبدال کی اجازت دی ہے جو آبادکاری کے لائق ہو، اور ان میں سے ایک اس صورت کو بھی شمار کیا ہے کہ ارض وقف کی منفعت تو باقی ہو لیکن استبدال وقف کے ذریعہ اس کو زیادہ نفع خیز بنایا جاسکتا ہو، حصکفی کا بیان ہے: لايجوز استبدال العامر إلا في الأربع.

شامی نے ان چار صورتوں کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:

الأولى: لوشرطه الواقف. الثانية: إذا غصبه غاصب وأجرى عليه الماء حتى صار بحراً فيضمن القيمة، ويشترى المتولي بها أرضا بدلاً، الثالثة: ان يجحده الغاصب ولا بينة اى وأراد دفع القيمة، فللمتولي أخذها ليشتري بها بدلا، الرابعة: أن يرغب إنسان فيه يبدل أكثر غلةوأحسن صقعا، فيجوز على قول أبي يوسف وعليه الفتوى كما في فتاوى قارى الهداية (ردالمحتار ۶/۵۸۸)

پس ابن ہمام کے بیان کے مطابق ایسے اوقاف کا استبدال بالاتفاق جائز ہے، فقہاء کے یہاں اس طرح کی بہت سی جزئیات موجود ہیں، علامہ ابن ہمام رقمطراز ہیں:

قال هشام: سمعت محمداً يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه و يشتري بثمنه غيره وليس ذلك الا للقاضي (البحرالرائق ۵/۲۱۹)

ابن نجیم ہی نے شمس الائمہ حلوانی کا نقطۂ نظر یوں نقل کیا ہے:

سئل عن شمس الائمة الحلواني من أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر استغلا لها هل للمتولي أن يبيعها و يشتري مكانها أخرى قال: نعم (حوالہ سابق)

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

لكن لايبيعها إلا بإذن الحاكم و ينبغي للحاكم إذا رفع إليه ولا منفعة في الوقف أن يأذن في بيعها إذا رآه أنظر لأهل الوقف (فتح القدیر ۶/۲۲۸)

تاہم علامہ شامیؒ وغیرہ نے استبدال کی اجازت کے لئے جو شرطیں عائد کی ہیں ان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ان میں سے تین شرطیں فی زمانہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں، ایک یہ کہ اراضی وقف معمولی قیمت پر فروخت نہ کی جائیں، بلکہ ان کی مناسب اور مروجہ قیمت حاصل کی جائے، أن لا يكون البيع بغبن فاحش۔ دوسرے بیع کی اجازت دیانت دار اور ذمہ دار ادارہ کو حاصل ہوگی، اگر عام متولیوں کو استبدال کا مجاز ٹھہرایا جائے تو تحفظ کے بجائے یہ اوقاف کا ضیاع ہوگا، فقہاء نے اس کے لئے "قاضی جنت" کی شرط لگائی ہے، اور قاضی جنت سے ایسا قاضی مراد لیا ہے جو علم اور عمل صالح دونوں کا حامل ہو، أن يكون المستبدل قاضي الجنة۔ تیسرے موقوفہ اراضی اور مکانات کے بدلے، مکانات اور اراضی ہی حاصل کی جائیں، روپے، پیسے سے تبادلہ نہ ہو، یا اگر ہو تو فوراً ہی اس سے

غیر منقولہ جائداد خرید لی جائے، أن يستبدل بقعار لا بدراهم ودنانير (ردالمحتار ۶/۵۸۶)۔ کیوں کہ تجربہ ہے کہ جہاں کہیں موقوفہ اراضی کے بدلے نقد رقم ملتی ہے، نقد رقم ناجائز تصرف اور تغلب میں آجاتی ہے۔ والی اللہ المشتکی.

فقہاء حنفیہ کے علاوہ فقہاء حنابلہ کی رائے بھی یہی ہے کہ ناقابل انتفاع اوقاف کا استبدال جائز ہے، ابن قدامہ رقمطراز ہیں:

إذا خرب الوقف ولم يرد شيئاً واشترى بثمنه ما يرد على أهل الوقف وجعل وقفا كالأول...ان الوقف إذا بيع فأى شئ اشترى بثمنه مما يرد على أهل الوقف جاز سواء كان من جنسه أو من غير جنسه (المغنی ۵/۳۶۸۔۳۶۹)

ابن ہمام نے جو اس صورت میں استبدال پر فقہاء کا اتفاق نقل کیا ہے تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس پر تمام ہی فقہاء متفق ہیں، غالباً ابن ہمام کا منشا فقہاء حنفیہ کا اتفاق کرنا ہے چنانچہ ابن قدامہ نے امام مالک اور امام شافعی سے مطلقا استبدال کا ناجائز ہونا نقل کیا ہے، قال مالك والشافعي لا يجوز بيع شئ من ذلك (المغنی ۵/۳۶۸)۔ شوافع کے سب کی خود فقہاء شوافع کی کتب میں صراحت نہیں مل پائی، البتہ مالکیہ کی صراحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں امام مالک کے دو اقوال ہیں، ایک روایت ابوالفرج کی ہے:

عن مالك إن رأى الإمام بيع ذلك لمصلحة جاز ويجعل ثمنه فى مثله وهو مذهب أبى حنيفة أيضا فعندهم بيع عقار الوقف إذا خرب يجعل ثمنه فى مثله (الشرح الکبیر مع الدسوقی ۴/۹۱)

دوسرا قول عدم جواز کا ہے جو فقہ مالکی کی بنیادی ماخذ "المدونہ" میں منقول ہے، اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ فقہاء مالکیہ عام طور پر امام مالک کی مدونہ کی روایت کی طرف رجحان رکھتے ہیں، اسی لئے اس مسئلہ میں بھی مالکیہ کا رجحان عدم جواز کی طرف محسوس ہوتا ہے (دیکھئے: حاشیہ الدسوقی مع الشرح الکبیر ۴/۹۱)

زمین کے بدلہ زمین:

ب۔ وقف کا استبدال خواہ اس طرح ہو کہ فروخت کر کے اس سے دوسری چیز حاصل کر لی جائے یا دوسری زمین ہی اس زمین کے بدلے لے لی جائے دونوں ہی صورتیں درست ہیں اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے، بلکہ یہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ اس میں اوقاف کے ضائع ہونے کا خطرہ کم ہے، اور یہ علامہ شامیؒ کے منشا کے عین مطابق ہے کہ اوقاف کا تبادلہ اراضی یا مکانات سے ہونا چاہئے، نہ کہ درہم ودینار سے۔

مساجد اور دوسرے اوقاف میں فرق:

فقہاء نے مساجد اور دوسرے اوقاف کے درمیان کچھ فرق کئے ہیں، ان میں بعض کا تعلق وقف کے ثبوت اور اس کی تکمیل سے ہے اور بعض کا تعلق مال وقف کے حکم اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات سے، مجموعی طور پر چار فروق کا ذکر آتا ہے:

۱۔ امام محمدؒ کے یہاں مشاع کا وقف مطلقا درست نہیں، امام ابویوسفؒ مشترک ومشاع چیز کے وقف کرنے کی اجازت دیتے ہیں، لیکن مساجد کی بابت امام ابویوسفؒ بھی متفق ہیں کہ وقف مشاع درست نہیں ہے۔

۲۔ امام ابویوسفؒ کے یہاں وقف کے درست ہونے کے لئے متولی کے حوالہ کرنا ضروری نہیں، امام محمدؒ کے یہاں ضروری ہے، لیکن مساجد کی حد تک امام محمد بھی متولی کو سپردگی ضروری خیال نہیں کرتے۔

۳۔ امام ابو حنیفہ کے یہاں وقف کی دوسری شرائط کے پائے جانے کے بعد بھی جب تک حاکم اس کے بارے میں وقف کے درست ونافذ ہونے کا فیصلہ نہ کردے تو وقف پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا، فیصلہ کے بعد ہی وقف کی ہوئی شئ سے واقف کی ملکیت ختم ہوتی ہے، لیکن مساجد کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ حاکم کے فیصلہ کئے بغیر بھی مسجد ہونے کا تحقق ہو جاتا ہے، اور مسجد کی موقوفہ زمین وقف کرنے والے کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔

یہ تینوں شرطیں وقف کے ثبوت اور تکمیل سے متعلق ہیں، اور علامہ شامیؒ نے اس کا اس طرح تذکرہ کیا ہے:

اعلم أن المسجد يخالف سائر الأوقاف فى عدم اشتراط التسليم إلى المتولى عند محمد وفى منع الشيوع عند أبى يوسف وفى خروجه عن ملك الواقف عند الإمام وإن لم يحكم به حاكم (رد المحتار ۳/۳۶۹، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۶/۲۳۲-۲۳۳)

مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد:

۴۔ اہم اور اساسی فرق مساجد اور دوسری موقوفہ اراضی کے درمیان یہ ہے کہ مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد بن جاتی ہے، خواہ مسجد ویران اور ناقابل استعمال ہو گئی ہو یا اس پر ظلماً قبضہ کر لیا گیا ہو، بہر صورت وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، چنانچہ علامہ ابن نجیم رقمطراز ہیں:

فى الخلاصة وفى فتاوى النسفى بيع عقار المسجد لمصلحة المسجد لايجوز وإن كان بأمر القاضى وإن كان خرابا (البحر الرائق ۵/۲۲۳)

یہی رائے فقہاء شوافع کی ہے، علامہ نووی کا بیان ہے:

أما المسجد فإنه إذا انهدم و تعذرت إعادته فإنه لايباع بحال لإمكان الانتفاع به حالا بالصلوة فى أرضه (شرح مہذب ۱۵/۳۶۱)

اس سے بھی زیادہ واضح اور صریح نووی کی یہ عبارت ہے:

وإن وقف مسجدا فخرب المكان وانقطعت الصلوة فيه لم يعد إلى الملك ولم يجز التصرف فيه (شرح مہذب ۱۵/۳۶۰)

فقہ حنبلی کے ترجمان عالی مقام ابن قدامہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے:

إن المساجد لا تباع وإنما تنقل آلاتها (المغنی ۵/۳۶۷)

مولانا خالد سیف الله رحمانی

الف۔ متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ ایسے ویران اوقاف کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے لیکن استبدال وقف کی بنیادی شرط مسلمان قاضی عدل کی اجازت ہے جو ہندوستان کے اکثر علاقوں میں مفقود ہے، وقف بورڈ کو قاضی عدل کے قائم مقام نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ اس کی تشکیل خالص سیاسی بنیادوں پر ہوتی ہے، متدین اور امین افراد وقف بورڈ میں کم ہی پہنچ پاتے ہیں۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

الف۔ غیر آباد وقف کو فروخت کر کے دوسری جگہ متبادل وقف قائم کرنا:

اوپر تمہید میں استبدال وقف سے متعلق پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، جس کی روشنی میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر مذکورہ موقوفہ قبرستان مدارس اور خانقاہیں یا ان پر موقوفہ جائداد جو مسلمانوں کے وہاں سے منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران اور غیر آباد ہیں، اور ان پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے۔ اگر ان اوقاف کے کاغذات موجود ہیں اور ان کاغذات میں یہ صراحت موجود ہے کہ خود واقف کو یا اس کے نامزد کردہ شخص کو شئ موقوف فروخت کر کے متبادل وقف قائم کرنے کا اختیار ہوگا، بلاشبہ خود واقف کو یا اس کے نامزد کردہ شخص کو واقف کی شرط کے مطابق مذکورہ اوقاف کو فروخت کر کے دوسری جگہ متبادل وقف قائم کرنے کا اختیار ہوگا ۔ اور اگر وقف ڈیڈ میں اس طرح کی صراحت موجود نہیں ہے تو بھی چونکہ شئ موقوف فی الحال بے مصرف اور ویران ہے، مزید اس کے ضیاع کا اندیشہ ہے، اس لئے منشاء واقف کے تحفظ وبقا کے پیش نظر قاضی شریعت کی اجازت سے ان اوقاف کو فروخت کر کے دوسری جگہ متبادل وقف قائم کر سکتے ہیں۔ اگر قاضی شریعت موجود نہ ہوں تو پھر صاحب تقوی اور پابند شرع متولی اپنے علاقہ کے ایسے علماء کے مشورہ سے جو علم وعمل اور عدل میں ممتاز ہوں یہ کام کر سکتا ہے۔ اگر متولی بھی موجود نہ ہو تو پھر وہاں کے مسلمان کسی عالم باعمل اور عدل میں ممتاز شخص کو متولی بنادیں وہ یہ کام کر سکتا ہے۔

ب۔ کسی فرد یا حکومت سے تبادلہ:

ان اوقاف کا تبادلہ بھی شرعاً جائز ودرست ہے، خواہ حکومت سے کریں یا کسی فرد سے، مذکورہ اوقاف کو حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔

فروخت کرنے یا تبادلہ کرنے میں مساجد اور دیگر اوقاف کے درمیان فرق ہے۔ مذکورہ صورت میں اوقاف کو فروخت کرنے یا تبادلہ کرنے کا جو اختیار ہے وہ عام اوقاف کا حکم ہے، مسجد کا یہ حکم نہیں ہے، چونکہ جس جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے وہ جگہ تاقیامت مسجد کے حکم میں رہتی ہے، اس کی مسجدیت کو تاقیامت باقی رکھنا ضروری ہے، اس لئے نہ تو مسجد کی جگہ کو فروخت کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کا تبادلہ کر سکتے ہیں، اور نہ اس میں کوئی ایسا کام کر سکتے ہیں جو احترام مسجد کے خلاف ہو۔

مفتی جنید عالم قاسمی ندوی

مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اولاً فقہاء کرام کی تصریحات اور فقہی روایات ہی نقل کردی جائیں تاکہ سوالوں کا باضابطہ جواب مدلل ہونے کے علاوہ مختصر انداز کا بھی کافی وشافی بن سکے:

الرواية الأولى : قال محمد الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه و يشترى بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي (بحر الرائق ۵/۲۱۹)۔ والثانية : إن أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح (شامی ۳/۴۰۹)۔ والثالثة: قال مولانا أشرف على التهانوى قلت لما جاز نصب المسلمين متولياً مع وجود القاضى لبعض العوارض فكيف مع عدم القاضى (امداد الفتاوی ۲/۶۱۵)۔ والرابعة: والظاهر أن حكم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر وأمثالها حكم الوقف على الفقراء (شامی ۳/۳۸۲)۔ والخامسة: مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامی ۳/۴۲۳)۔ والسادسة: حاصله أنه يعمل بقول أبى يوسف حيث أمكن وإلا فبقول محمد (ایضا ۵۱۹)۔ والسابعة: ولا يملك القاضى التصرف فى الوقف مع وجود الناظر ولو من قبله (ایضا/ ۳۸۱)۔ والثامنة: ولو اشترى ببدل الوقف فإنه يصير وقفا كالاول على شروطه وإن لم يذكر شيئا (ایضا/ ۴۰۶)۔ والتاسعة: قوله إلى أقرب مسجد أو رباط، لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه (ایضا/ ۳۷۱)۔

مذکورۃ الصدر فقہی روایتوں کی روشنی میں سوال (ا) کے جوابات حسب ذیل ہیں:

الف۔ مسلمانوں کی آبادی منتقل ہوجانے کی وجہ سے جو اوقاف ویران ہوچکے ہیں اور اب بحالت موجودہ ان کی آبادی اور واقف کے مقصد کی تکمیل ناممکن بن چکی ہے، بلکہ ان اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کے قبضہ ودخل بڑھتے جانے کے سبب ان اوقاف کا وجود ہی خطرہ میں پڑگیا ہے۔

خواہ وہ اوقاف، مدارس اور مساکین وفقراء پر ہوں، یا عین مدارس اور خانقاہ ومقابر ہی ہوں، تمام ہی قسم کے اوقاف کو فروخت کرکے واقف کے منشاء ومقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسرے مقام پر اسی نوع کا دوسرا متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے فروخت کرنے کا حق ہر عام وخاص کو نہیں ہوگا، بلکہ اگر متولی قدیم دیندار وامین موجود ہے تو وہ فروخت کرے گا، ورنہ قاضی شریعت، یہ بھی نہ ہوں تو عامۃ المسلمین جسے نیا متولی بناکر اختیار دیں گے وہ بھی فروخت کرکے دوسرا متبادل وقف قائم کرسکتا ہے۔

ب۔ بیع نام ہی ہے ایک چیز کے عوض دوسری چیز لینے کا، تو جب مذکورہ بالا مسطورہ جواب سے اوقاف کے ناقابل انتفاع ہوجانے کی صورت میں تبادلہ کا جواز معلوم ہوگیا تو اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ویران اوقاف کو حکومت یا کسی بھی فرد کے حوالہ کرکے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کرکے مقاصد اوقاف کی تکمیل کی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

اشیاء موقوفہ میں اس بات کی رعایت ضروری ہے کہ وہ اشیاء باقی رہیں اور ان سے حاصل شدہ نفع واقف کے منشاء کے

مطابق کار خیر میں خرچ ہوتا ہے۔

اراضی وقف کے تبادلہ کا مسئلہ ان چند اہم مسائل میں سے ہے جن کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے، اور علماء سلف نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ واقف نے وقف کرتے وقت اس کی صراحت کردی ہو کہ اسے یا اس کے قائم مقام متولیان کو اراضی وقف کے تبادلہ کا اختیار ہوگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے ایسی کوئی صراحت نہیں کی، وقف نامہ اس بارے میں ساکت ہے، یا واقف نے صراحت کردی ہو کہ خود وہ یا کوئی اور ان اراضی موقوفہ کا تبادلہ نہیں کرسکتا۔

پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

اول یہ کہ ان اراضی وقف سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا ہو، یا نفع تو ہوتا ہو مگر اس نفع کو حاصل کرنے میں اخراجات نفع کے برابر یا اس سے بھی زائد ہوں۔

دوم یہ کہ اس جائداد سے کچھ نہ کچھ نفع تو ہوتا ہے لیکن اگر اس کا تبادلہ دوسری اراضی سے کردیا جائے تو نفع کے زائد ہونے کی توقع ہے۔

پہلی صورت میں جبکہ واقف نے اپنے لئے یا دوسروں کے لئے تبادلہ کا اختیار رکھا ہو، اگر اراضی وقف سے آمدنی ختم ہوگئی ہو تو اس اراضی کا دوسری ایسی اراضی سے تبادلہ کرنا جس سے نفع زیادہ حاصل ہو جائز ہوگا۔

و اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه الأول أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه و غيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا (ردالمحتار ۳/۳۸۷)

فلو شرطه لايلزم خروجه عن الانتفاع و لا مباشرة القاضي و لاعدم ريع يعمر به كما لايخفى (ردالمحتار ۳/۳۸۸)

دوسری صورت کی پہلی شق میں اگر اراضی وقف سے کوئی نفع نہیں ہے یا خرچ نفع سے زائد ہے تو اگرچہ واقف نے اس کے تبادلہ کی اجازت نہ دی ہو یا تبادلہ پر روک لگائی ہو، لیکن قاضی مصلحت وقف کو دیکھتے ہوئے تبادلہ کی اجازت دے سکتا ہے۔

و الثانی أن لايشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شئ أصلا أو لايفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الاصح إذا كان باذن القاضی (ردالمحتار ۳/۳۸۷)

دوسری صورت کی دوسری شق میں جبکہ اراضی وقف کی آمدنی بالکل ختم نہ ہوئی ہو تو عام طور پر فقہاء تبادلہ کی اجازت نہیں دیتے ہیں، مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی قاضی کی اجازت سے تبادلہ صحیح ہے، اور ایک روایت امام محمدؒ سے بھی یہی ہے۔

الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة و أحسن صقعا فيجوز على قول أبی يوسف و عليه الفتوى كما فی فتاوی قاری الهداية (ردالمحتار ۳/۳۸۹)

و قد روى عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال و القيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان له أن يبيعها و يشترى بثمنها ما هو أكثر ريعا (منحۃ الخالق علی البحر ۵ / ۲۲۳)

الف، ب۔ ایسے اوقاف جو مسلمانوں کے منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں، دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے ایسے اوقاف کو حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے بدلہ میں دوسری اراضی حاصل کرنا یا اس کو فروخت کر کے دوسری زمین خرید کر اسکی جگہ پر وقف کرنا جائز ہوگا۔

تبادلہ کی اجازت مسجد کے علاوہ دوسرے اوقاف یا خود مسجد کے لئے وقف شدہ اراضی کے بارے میں ہے وہ زمین جس پر مسجد بنی ہوئی ہے، اور جس میں نماز پڑھی گئی ہو اس کو بدلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسجد مفتی بہ قول کے مطابق تا قیامت مسجد رہتی ہے۔

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا.... أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتي حاوى القدسي (در مختار ۳ / ۳۷۱)

مولانا عبد الجلیل قاسمی

نیکی اور خیر کے کاموں کی بقاء، مقاصد شریعت کی تکمیل اور فقراء و ضعفاء کی مدد جیسے اعمال خیر کے لئے اللہ تعالیٰ شانہ نے جان و مال کو خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

خیر کے کاموں میں مال خرچ کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ وقتی ضرورت اور لازمی مصارف میں صدقات نافلہ و صدقات واجبہ خرچ کیا جائے تاکہ حاجتمندوں کی ضرورت پوری ہو۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وقتی حاجت کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اجتماعی ضرورت اور اپنے بعد آنے والی نسلوں کی ضروریات کا خیال کرتے ہوئے ٹھوس اموال کو ہمیشہ کے لئے وقف کر دیا جائے تاکہ اصل شئ کو باقی رکھتے ہوئے اسکے منافع استعمال میں لائے جائیں اور اس سے واقف کو اس کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ اجر و ثواب ملتا رہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث، صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعوله (مشکوۃ المصابیح)

رسول اللہ ﷺ نے صدقہ جاریہ چھوڑنے کی نہ صرف ترغیب دی ہے بلکہ عملی طور پر بھی اسے اختیار کر کے انسانیت کے لئے بہترین اسوہ چھوڑا ہے۔ اور اپنی زندگی میں ایسے آٹھ باغ جو مدینہ میں تھے وقف کیا (روى البيهقي انه صلى الله عليه وسلم جعل سبع حيطان بها بالمدينة صدقة على بني عبد المطلب وبني هاشم و ذكر الماوردى ثماني حيطان) بلکہ اپنی زندگی کے تمام اندوختہ کو بھی وقف قرار دیا (ما ترك رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا بغلته البيضاء وسلاحه وأرضا

جعلها صدقة، وروى أبو بكر قول النبي صلى الله عليه وسلم نحن معاشر الأنبياء ما تركناه صدقة (بخاری) اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ میں جتنے بھی اصحاب مال تھے انہوں نے بھی کسی نہ کسی خیر کے کام میں مکان وزمین وغیرہ وقف کیا (قال جابر بن عبد الله لم يكن أحد من أصحاب النبي ذو مقدرة إلا وقف) (المغنی لابن قدامہ ۵/۵۴۵) اور اس کا اثر بعد کی صدیوں میں بھی یہ رہا کہ تمام ایسی جگہوں میں جہاں مسلمان آباد ہوئے انہوں نے خیر کے کاموں میں زمین ومکان وغیرہ وقف کیا، اور آج عالم اسلام کا کوئی خطہ اس سے خالی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اوقاف کی حفاظت اور نگرانی کے لئے تمام اسلامی ممالک میں "وزارت اوقاف" اور وقف کے ادارے قائم ہیں۔

وقف کی صورت حال:

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اوقاف نے جہاں دینی تعلیم کی نشرواشاعت مسکینوں وبیواؤں کی مدد، مسافروں ومجاہدوں کی نصرو حمایت اور اسلامی زندگی کی بقاء واستحکام میں ایک موثر کردار ادا کیا، وہیں یہ بھی حقیقت ہے کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اوقاف کی بڑی تعداد قلت پیداوار یا تعطل کا شکار ہوکر اپنا سابقہ کردار کھو چکی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ وقف اپنی ابتداء میں چاہے وہ مکانات ہوں، زرعی اراضی ہوں یا باغات ہوں۔ اپنی بہتر پیداوار وآمدنی کی وجہ سے مقاصد کے لئے بہت مفید ہوتا ہے، مگر بعد میں آہستہ آہستہ طول دہر سے مکان کی بنیاد جب کمزور ہو جاتی ہے پھر وہ منہدم ہو جاتا ہے، یا باغات واراضی کی دیکھ بھال کی کمی سے پیداوار صفر کے درجہ میں آجاتی ہے تو وقف اپنے مقصد میں ناکام ہو جاتا ہے، جب کہ ذاتی باغات یا اراضی میں نئے درخت اور پودے لگائے جاتے ہیں اور ان کی دیکھ بھال ہوتی ہے، اس لئے وہ زرخیزی کو باقی رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں انقلابات دہر کی بناپر کبھی پوری کی پوری آبادی وہاں سے منتقل ہو جاتی ہے اور اوقاف بنجر بن جاتے ہیں۔ آج بیشتر ممالک کی اوقاف کی جائدادیں اپنے بنجر پنا، بوسیدگی، اور کھنڈر پنے کے ذریعہ پہچانی جاتی ہیں، بلکہ ایسے ممالک جہاں سے مسلمان مختلف سیاسی حالات اور ظلم وتشدد کی بناپر نقل وہجرت سے دوچار ہوئے ہیں۔ جیسے برما، ہندوستان، روس، صقلیہ وغیرہ وہاں تو اوقاف کی حالت یہ ہے کہ یا تو ظالمین وغاصبین کے قبضہ میں ہیں۔ جس میں افراد بھی ہیں اور حکومتیں بھی یا اگر موجود ہیں تو بنجر پنا کا شکار ہوکر غیر نافع ہو گئے ہیں۔ خود ہندوستان کی وہ ریاستیں جہاں سے مسلمان ۴۷ء یا اسکے قبل ہجرت کرگئے، یا شہید ہو گئے اور بستیاں ویران ہو گئیں جیسے ریاست پنجاب، ہریانہ، اترپردیش، وغیرہ کے بعض علاقے وہاں کی مساجد، اور ان کی جائدادیں، مدرسے وخانقاہیں اور مسافرخانے وغیرہ سے متعلق سیکڑوں اوقاف ایسے ہیں جن پر افراد یا حکومتوں کا قبضہ ہو گیا ہے، اور جو باقی ہیں وہ معرض خطر میں ہیں، اور ان کی حفاظت مشکل ہے، نیز ان کی واقفین کے منشا وارادوں کے مطابق ان کا استعمال بھی ناقابل عمل ہو گیا ہے، اس لئے یہ سوال انتہائی اہم ہے کہ ایسے اوقاف کا کیا کیا جائے؟

وقف کا حکم:

اوقاف کے بارے میں گرچہ شریعت اسلامی کا عمومی حکم یہی ہے کہ جب کسی کار خیر کے لئے وقف کیا جائے۔ اور وہ وقف مکمل وصحیح ہوکر لازم ہو جائے تو واقف کے منشاء وارادہ کے مطابق اسکے منافع کا استعمال کیا جائے گا اور اصل شئ کو باقی رکھا جائے گا،

چنانچہ امام برہان الدین مرغینانی، امام ابویوسف اور امام محمد کے مسلک پر وقف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(وهو) حبس العين على حكم ملك الله تعالى فيزول ملك الواقف عنه إلى الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد، فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث (الہدایہ مع فتح القدیر ۶/۲۰۳) ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه (الہدایہ مع فتح القدیر ۶/۲۳۵)

لیکن سوال یہ ہے کہ واقف نے جس کار خیر کے لئے وقف کیا اور جن لوگوں پر اسکے منافع کو خرچ کرنے کا ارادہ کیا تھا اگر وہ افراد ہی ختم ہو جائیں تو ایسے اوقاف کو کیا کیا جائے، اگر اس حکم کو باقی رکھا جائے کہ نہ ان کو فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ دینے والے کی ملکیت میں یا اس کی وفات کے بعد اسکے وارثین کی ملکیت میں وہ جائداد آسکتی ہے تو اوقاف کا تعطل لازم آئے گا۔ جیسے کسی آبادی میں مسجد تھی وہاں کی آبادی دوسری جگہ پر منتقل ہو گئی اور پھر وہاں دوسرے لوگ آکر آباد ہو گئے جو مسلمان نہیں ہیں ان کا مسجدوں پر قبضہ بھی ہو سکتا ہے، اسکے سامان ولکڑیاں اور اینٹ وغیرہ کو لوٹ بھی سکتے ہیں، اور اس جگہ کو رہائش وغیرہ کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں، بلکہ ہندوستان کے مختلف علاقوں اور شہروں کی درجنوں مساجد غیر مسلمین کے زیر قبضہ جاچکی ہیں جن کو وہ رہائش خانوں یا مویشی خانوں وغیرہ میں تبدیل کر چکے ہیں، اس لئے ان ویران مساجد کے شرعی احکام پر غور کرنا ضروری ہے۔

ویران مساجد کا حکم اور استبدال وقف:

مساجد کی حیثیت "بیت اللہ" اور شعار اسلام کی ہے، ان کی حفاظت، دیکھ بھال، اور تعمیر و آباد کرنا ایمان والوں کا وصف ہے، اور ان کی تخریب اہل کفر کا کام ہے، اس لئے مسلمانوں کے اوپر ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی نمازوں سے آباد کریں، اور اس کی ظاہری تعمیر وترقی میں حصہ لیں۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام ابویوسف (ایک قول کے مطابق) یہ کہتے ہیں کہ اگر مسجدیں بستی کے ویران ہونے کی وجہ سے ویران ہو جائیں یا دوسری مسجد کے بن جانے کی وجہ سے اس آبادی کو اس مسجد کی ضرورت نہ رہ جائے۔ بہر حال جو مسجد ایک بار بن گئی ہے اس کی مسجدیت ختم نہ ہوگی بلکہ تاابد رہے گی۔

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني، أبداً الى قيام الساعة (الدر المختار ۴/۳۵۸) وهو قول أبي حنيفة و مالك والشافعي فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله و نقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى (حاوى القدسى) وأكثر المشائخ عليه (مجتبى) وهو الأوجه (فتح) الخ بحر، (رد المحتار ۴/۳۵۸)

اور امام ابویوسف کا دوسرا قول ہے کہ ایسی مسجد کے سامان کو قاضی کی اجازت سے فروخت کر کے اس کی قیمت دوسری مسجد میں صرف کر دی جائے۔

وعن الثاني: ينقل إلى مسجد آخر باذن القاضي جزم به في الإسعاف حيث قال، ولو خرب المسجد وما

حوله و تفرق الناس عنه لايعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد (ردالمحتار ۳۵۹/۴)

یہی ایک قول امام احمد کا ہے:

وعن أحمد يباع نقضه ويصرف إلى مسجد آخر (فتح القدیر ۶/۲۳۶)۔ وقدروى علي بن سعيد عن الإمام أحمد ان المساجد لاتباع ولكن تنقل آلتها (مجموع فى المناقلة والاستبدال۔ تحقیق محمد سلیمان الاشقر /۵۱)

ایسا ہی قول بعض اصحاب شافعی سے منقول ہے:

ولهم في آلة الوقف كاخشابه ان تعطلت وجه لمساغ بيعها، وسوغوا نقل آلة المسجد إذا تعطل الانتفاع به بخراب المحلة ونحوه إلى مسجد آخر ولم يخرجوا الأول عن كونه وقفا (مجموع في المناقلة والا ستبدال۔ تحقیق محمد سلیمان الاشقر /۵۱)

امام ابو یوسفؒ کے اس دوسرے قول کو مشائخ احناف میں سے امام ابو شجاع، شمس الائمہ حلوانی، شیخ الاسلام، علامہ ابن عابدین وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔

وفي الخانية: رباط بعيد استغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السيد الامام أبو شجاع تصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي فباع الخشب و صرف الثمن إلى مسجد آخر جاز۔ ونقل في الذخيرة عن شمس الائمة الحلواني انه سئل عن مسجد أو حوض خرب لا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر. قال نعم۔ و مثله في البحر عن القنية (ردالمحتار ۳۵۹/۴)

فتاوی خانیہ میں ہے کہ مسافر خانہ جو رہ گذر سے دور ہو اور گذرنے والے اس سے قریبی سرائے کی وجہ سے مستغنی ہوں تو سید الامام ابو شجاع کا قول ہے کہ اس کا سامان وغلہ دوسرے سرائے میں استعمال کیا جائے گا۔ جیسے کہ مسجد ویران ہو جائے اور گاؤں والوں کو اس کی ضرورت نہ ہو، پھر معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے، اور وہ لکڑی فروخت کر دے اور اس کی قیمت دوسری مسجد میں لگادے تو جائز ہے۔ نیز ذخیرہ میں شمس الائمہ حلوانی سے منقول ہے کہ ان سے ایسی ویران مسجد یا حوض کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کی آبادی وہاں سے منتقل ہو گئی ہو اور لوگوں کو اس کی ضرورت نہ ہو تو کیا قاضی کے لئے یہ جائز ہے کہ اس کی اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض میں صرف کرے تو انہوں نے کہا، ہاں۔

علامہ ابن عابدین شامی اس مسئلہ پر اور لوگوں کی رائے نقل کرنے کے بعد اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسجد اور حوض کے درمیان کوئی فرق کئے بغیر مذکورہ بالا مشائخ کا اتباع کیا جانا چاہئے، جیسا کہ امام ابو شجاع اور امام حلوانی نے فتوی دیا ہے۔ وكفى بهما قدوة۔

اسکے بعد پھر "ذخیرہ" میں فتاوی نسفی کے حوالہ سے یہ ملا کہ شیخ الاسلام سے ایک ایسے محلہ کے بارے میں سوال کیا گیا جس

کے افراد اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوگئے ہیں اور اس کی مسجد خراب وخستہ ہورہی ہے اور کچھ لٹیرے اس کی لکڑیوں کو اٹھا کر اپنے گھروں کو لے جارہے ہیں تو کیا اس محلّہ کے رہنے والوں میں سے کسی کے لئے اس کی اجازت ہے کہ قاضی کی اجازت سے اس کی لکڑیوں کو فروخت کردے اور اس کی قیمت کو محفوظ رکھے تاکہ کسی دوسری مسجد میں یا اسی مسجد میں پھر صرف کرسکے۔ توانہوں نے جواب دیا، ہاں۔ (ردالمحتار ۴/۳۶۰)

ا۔ مساجد کے بارے میں اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ویران وشکستہ مساجد کے سامان۔ مثلاً فرش، چٹائیاں، کتابیں، واٹر پمپ، پنکھا وغیرہ کو دوسری مساجد میں یا توبعینہ منتقل کردیا جائے یا اسے فروخت کردیا جائے، جیسا کہ امام ابویوسف سے منقول ہے اور ایک قول میں امام صاحب بھی یہی کہتے ہیں، اور یہی فتوی شمس الائمہ حلوانی اور امام ابوشجاع نے دیا ہے۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں

وأما الحصير و القنديل فالصحيح من مذهب أبي يوسف أنه لا يعود إلى ملك متخذه بل يحول إلى مسجد آخر أو يبيعه قيم المسجد للمسجد لأنه ما جعله مسجدا ليصلى فيه أهل تلك المحلة لاغيره بل يصلى فيه العامة مطلقا أهل تلك المحلة وغير هم.قال محمد ..... ولو جعل جنازة و ملاء ة و مغتسلا وقفا فى محلة ومات أهلها كلهم ، لايرد إلى الورثة بل يحمل الى مكان آخر. فان صح هذا من محمد فهو رواية فى الحصر والبوارى انها لا تعود إلى الورثة (فتح القدیر ۶/۲۳۷)

یہی مسلک علماء ہند میں مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ کا ہے (کفایت المفتی ۷/۲۹۹-۳۰۰)

۲۔ اور اگر مسجد ویران وشکستہ ہو جس میں لکڑیاں، اینٹیں، چھپڑ، لوہے، دروازہ وغیرہ ہوں جن کی ضرورت اس مسجد میں نہ ہو اور اسکے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو توانہیں بھی امام ابوشجاع اور امام حلوانی کے فتوی پر عمل کرتے ہوئے دوسری مسجد میں بعینہ لگادی جائے، یا ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت لگادی جائے۔

فقہاء کی عبارتوں سے انقاض مسجد کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ جہاں قاضی موجود ہو اس کی اجازت سے ہی اسکو منتقل کیا جائے، اور جہاں قاضی نہ ہو وہاں اہل محلّہ، یا وقف بورڈ، اصحاب فتوی کے مشورہ سے منتقل کریں یا فروخت کریں (قاضی خاں حاشیہ فتاوی ہندیہ ۳/۳۴۲) لیکن فقہاء کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انقاض مسجد کی منتقلی کے لئے قاضی کی اجازت ضروری نہیں ہے، انقاض مسجد کو منتقل کرنے کے جواز کے قول کو مفتی کفایت اللہ صاحب، مفتی عزیز الرحمن عثمانی، علامہ انور شاہ کشمیری وغیرہ نے بھی اختیار کیا ہے (فتاوی مظاہر علوم/۱۵۰)

مفتی کفایت اللہ صاحب ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

مساجد اگر ایسی حالت میں ہو جائیں کہ ان میں پنجگانہ جماعت نہیں ہوتی اور ان کی حاجت نہ رہی تو ان کو محفوظ مقفل کر کے چھوڑ دیا جائے، اور یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کا سامان چرا کر لے جائیں گے تو ایسی چیزوں کو جو چرائی جاسکتی ہوں دوسری قریب ترین مسجد میں منتقل کر دینا چاہئے۔

ایک دوسرے جواب میں لکھتے ہیں: مسجد منہدم شدہ میں اگر وہ لکڑیاں کام میں نہ آسکیں تو دوسری مسجد میں یا مسجد کے موقوفہ مکانات میں استعمال کی جاسکتی ہیں (کفایت المفتی ۷/ ۳۰۰،۲۹۹)

مولانا انیس الرحمن قاسمی

تقسیم ہند کے بعد ویران شدہ اوقاف:

ہندوستان تقسیم ہو جانے کے بعد پنجاب، ہریانہ، ہماچل پردیش، دار السلطنت دہلی وغیرہ کے بے شمار اوقاف ویران ہو چکے ہیں جن میں مساجد، مدارس، قبرستان، خانقاہ غرضیکہ ہر قسم کے اوقاف شامل ہیں، پنجاب وہریانہ میں لاکھوں مساجد میں غیر مسلموں کی فیملی رہتی ہے اور ہزاروں مساجد بند پڑی ہیں سینکڑوں مدارس پر مالکانہ قبضہ ہو چکا ہے قبرستانوں پر آبادیاں بس گئی ہیں نئی دہلی میں سینکڑوں چھوٹی بڑی مساجد بند پڑی ہیں اور جو مسلمان ان مقامات پر جا کر آباد ہو گئے ہیں ان کے لئے ان مساجد کو منجانب حکومت کھلوا دینا ضروری ہے مگر کھولی نہیں جا رہی ہیں، اس صورت حال کو دیکھ کر ہر صاحب ایمان کے دل پر کیا اثر پڑتا ہوگا ہر دیکھنے والے کو معلوم ہے، انبالہ شہر میں کافی لمبی چوڑی ایک عمارت کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے جس میں باضابطہ سرکاری اسکول چل رہا ہے، معلوم ہوا کہ یہ مسجد تھی اور مسجد کے آثار موجود ہیں اور کئی مساجد جن کے مینار ومحراب سب موجود ہیں مگر ان میں فیملی رہ رہی ہے جن کو از خود دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، اللہ تعالی غیب سے کوئی شکل پیدا فرمائیں، تمام ہی مسلمانوں کو ان عبادت گاہوں کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

ویران مساجد کا تبادلہ:

جب کسی جگہ مسجد بن کر تیار ہو جاتی ہے اس وقت سے قیامت تک کے لئے وہ مسجد ہی رہتی ہے، اسکو کسی دوسرے امور میں منتقل کرنا کسی بھی انسان کے لئے جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر وہ مقام ویران ہو جائے اور وہاں سے تمام مسلمان دوسری جگہ منتقل ہو جائیں اور پورا علاقہ اجاڑ ہو جائے، مسجد بالکل ویران ہو جائے اور اس پر اغیار کا قبضہ ہونا شروع ہو جائے تب بھی وہ مقام مسجد ہی کے حکم میں رہے گا، قیامت تک اس مقام کو کسی دوسرے امور میں منتقل کرنا جائز نہیں ہوگا، یہی صحیح اور مفتی بہ قول ہے۔

لہذا جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو جائے تو پھر اس کی عمارت باقی رہے یا نہ رہے، اس میں نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، وہ زمین تا قیامت مسجد ہی رہے گی اس کو عبادت کے علاوہ کسی اور کام میں لانا جائز نہیں، لہذا اس کو بیچنا، کرایہ پر دینا، یا اس کا تبادلہ کرنا کوئی جائز نہیں۔ (مستفاد فتاوی رحیمیہ ۶/ ۹۰)

اشکال: اس پر اشکال یہ ہو سکتا ہے کہ اگر مسجد کسی دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتی ہے تو جن مساجد پر اغیار کے تغلب کی وجہ سے ان کا قبضہ ہے اور ان میں فیملیاں رہنے لگ گئیں ہیں اور حیض ونفاس اور جنابت کی حالت میں ان میں رہائش ہوتی ہے جو کہ مسجد کی بے حرمتی ہے اور ان میں سالہا سال سے نماز بھی نہیں ہوتی ہے تو اس کے باوجود ان مسجدوں کو یوں ہی چھوڑے رکھنے میں کیا فائدہ ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی جگہ ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے تو وہ قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے اس میں نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، اس کی عمارت باقی ہو یا نہ ہو، وہاں مسلمان ہو یا نہ ہو، اس میں مسجد کا احترام باقی رہتا ہو یا نہ ہو، اس میں اغیار کے تغلب کی وجہ سے مالکانہ قبضہ بھی ہو گیا ہو، اس کو منہدم کر کے اس کی حقیقت بدل دی گئی ہو اور اس میں کھیتی کرنا شروع کر دیا ہو وہاں پر دوسری عمارت بنائی گئی ہو، ہر حال میں وہ مسجد ہی رہے گی، اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب کبھی وہ مسلمان کے قبضہ میں آجائے گی تو اس کو اس وقت مسلمان زندہ کر سکیں گے اور نماز کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو جائے گا، اس کو علماء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

اور اگر مسجد کا علاقہ اجاڑ ہو جائے اور اس میں اس محلہ اور گاؤں والوں کی نماز کا سلسلہ منقطع ہو جائے کہ اگر وہ کسی گاؤں میں تھی، پھر وہ ویران ہو کر کھیت بن گئی تو علی حالہ مسجد ہی رہے گی، اور یہی حضرت امام ابو یوسف کا مذہب اور امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے (اعلاء السنن ۱۳ / ۲۱۲)

ویران قبرستان، مدارس، خانقاہ کا تبادلہ:

اگر قبرستان، مدارس، خانقاہ وغیرہ ویران ہو جائیں، اور وہاں دور دور تک مسلمانوں کی کوئی آبادی نہ ہو، اور ایسی حالت میں حفاظت بھی نہیں ہو پاتی ہے اور حکومت بھی حفاظت میں کوئی دلچسپی نہیں لیتی ہے اور اغیار ان اوقاف پر مالکانہ قبضہ کا سلسلہ شروع کر دیں تو اولاً حکومت سے ان کی حفاظت کی مانگ کی جائے، اگر اس میں کامیابی نہ ہو سکے تو ایسی نہایت مجبوری اور ناگزیر حالات میں قبضہ ناجائز سے حفاظت اور واقفین کے اغراض کو زندہ کرنے کیلئے مساجد کے متعلقہ اوقاف اور ملکیت اور افتادہ قبرستان اور مدارس کی وہ عمارتیں اور جائداد جن پر ناجائز قبضہ ہونا شروع ہو گیا ہے ان کو متبادل قیمت پر فروخت کر کے دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے اور حفاظت کی بھی ذمہ داری ہے تو وہاں پر اسی جنس کے اوقاف کا سلسلہ جاری کرنا شرعاً جائز اور درست ہو گا، تاکہ افتادہ اوقاف پھر سے غرض واقف کے موافق زندہ ہو کر آباد ہو جائیں، نیز اگر مدرسہ تھا تو اس کی رقم سے مدرسہ، اگر قبرستان تھا تو اس کی رقم سے قبرستان بنا دیا جائے، ہاں البتہ ہر ایک کی رقم سے مسجد بنانا بھی جائز ہو سکتا ہے کیونکہ مسجد اعلیٰ درجہ کا وقف ہے (مستفاد کفایت المفتی ۷ / ۶۲)

اس کو اعلاء السنن میں اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

وكذلك سائر الوقف عنده إلا أنها إذا خرجت عن انتفاع الموقوف عليهم به جاز استبدالها باذن الحاكم بأرض أو دور أخرى تكون وقفا مكانها (اعلاء السنن ۱۳ / ۱۱۴)

اور ایسے ہی ہر نوع کے وقف کا حکم حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، مگر موقوف علیہ کے اس سے فائدہ اٹھانے کے دائرہ سے نکل چکا ہو تو حاکم یا ذمہ داران کی اجازت سے دوسری زمین یا دوسرے مکان کے عوض میں تبادلہ جائز ہے جب کہ اس زمین یا مکان کو اس کے مقابلہ میں وقف ہی قرار دیا جائے۔

اور اس کو البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

سئل الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها للمتولی أن یبیعها ویشتری بثمنها أخری قال نعم الخ (البحر الرائق ۵/ ۲۵۲، فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۷۸)

امام شمس الائمہ حلوانی سے مسجد کے اوقاف کے بارے میں پوچھا گیا جو بالکل معطل اور ویران ہو چکے ہوں اور ان سے آمدنی حاصل کرنا متعذر ہو گیا ہو تو کیا متولی کے لئے ان کو فروخت کر کے ان کی رقم سے دوسرا خرید لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ تو فرمایا جی ہاں جائز ہوگا۔

یصرف وقفها لاقرب مجانس لها (شامی ۶/ ۵۴۹)

ان کی آمدنی کو ان سے قریب ترین ہم جنس اوقاف میں صرف کیا جائے۔

اسی کو عمدۃ القاری شرح بخاری میں ان الفاظ سے نقل فرمایا گیا ہے:

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (عمدۃ القاری ۴/ ۱۷۹)

اگر مسلمانوں کے قبرستان میں سے کوئی افتادہ ہو جائے پھر اس میں لوگ مسجد بنادیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ اس لئے کہ قبرستان بھی مسلمانوں کے دفن کے کام کے لئے منجملہ اوقاف میں سے ایک وقف ہے، کسی کو اسکا مالک بننے کا حق نہیں ہے، لہذا جب پرانا اور افتادہ ہو جائے تو اس کو مسجد کے حق میں منتقل کرنا جائز ہے، اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے۔

اس کو شامی میں اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

الثالثة ان يجحده الغاصب ولا بينة اى وأراد دفع القيمة فللمتولى أخذها يشترى بها بدلا (شامی ۶/ ۵۸۸)

تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب انکار کرے اور گواہ بھی نہ ہو اور وہ قیمت دینا چاہتا ہے تو متولی کے لئے قیمت لے کر اس کا متبادل وقف کی زمین خرید لینا جائز ہے۔

مساجد و دیگر اوقاف کا فرق اور غیر جنس میں خرچ:

مساجد اور دیگر اوقاف میں بڑا فرق ہے کہ مساجد کو بنیاد سمیت فروخت کرنا اور ان کا تبادلہ کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے اور دیگر اوقاف کا ناگزیر حالات میں تبادلہ جائز ہے، نیز جن اوقاف میں تبادلہ جائز ہے ان کا تبادلہ ہم جنس ہی میں جائز ہوتا ہے یا ان سے اعلی اور ارفع اوقاف میں جائز ہو سکتا ہے، مثلاً اگر مدرسہ تھا تو تبادلہ میں مدرسہ ہی ہونا چاہئے یا مسجد، مگر قبرستان یا مسافرخانہ میں تبادلہ جائز نہ ہوگا، غرض کہ اقرب اجناس یا ارفع واعلی اجناس میں جائز ہے ادنی میں نہیں، جیسا کہ فقہاء کی عبارات سے واضح ہوتا ہے، اس کو اعلاء السنن میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

والفرق بينها وبين المساجد أن المساجد لا تبطل بخرابها أو خراب ماحولها" واستغناء عنها الجهة التى

عنيت له لأنها لم تجعل مساجد لأهل المحلة والقرية بل للعامة ولا يشترط، للمسجدية البناء بل العرصة وحدها مسجد كما لا يخفى بخلاف سائر الوقف التى سبلت ثمرتها فإنها إذا خربت و تعطلت منافعا تبطل الجهة التى عنيت له وهى إعانة الموقوف عليهم بغلتها(اعلاء السنن ۱۳/ ۲۱۴)

مساجد اور دیگر اوقاف میں بڑا فرق ہے کہ مسجدیں ویران ہو جائیں اور اس کے گرد و نواح اجاڑ ہو جائے اور جس مقصد کیلئے متعین کیا گیا ہے اس سے استغناء ہو جانے کی وجہ سے مسجد باطل نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ مساجد صرف محلّہ یا ایک گاؤں کے لئے متعین نہیں ہوتیں بلکہ عامۃ المسلمین کے لئے وقف ہوتی ہیں اور شرعی مسجد کے لئے بناء اور عمارت شرط نہیں بلکہ تنہا خالی زمین بھی مسجد ہو سکتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اس کے بر خلاف دیگر تمام اوقاف کے جن کے منافع کا سلسلہ ختم ہو گیا ہو، اس لئے کہ جب ایسے اوقاف ویران ہو گئے یا کئے گئے تو وہ مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے اور مقصد ان کی آمدنی سے موقوف علیہم کی مدد ہوتی ہے۔

اس کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

مبادلة الوقف بدار آخر انما يجوز إذا كانتا فى محلة واحدة أو محلة أخرى خيرا وبالعكس لايجوز(در مختار مع الشامی ۶/ ۵۸۶) وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أورباط أو بئر إليه وتحته فى الشامية يصرف وقفها لأقرب مجانس لها(شامی ۶/ ۵۴۹)

وقف کو دوسرے مکان سے بدلنا اس وقت جائز ہے جب کہ دونوں ایک محلّہ میں ہوں یا دوسرے محلّہ میں اس سے بہتر ہو، اور اس کے بر عکس جائز نہیں ہے اور ایسا ہی موقوفہ چھاؤنی اور کنواں وغیرہ جب قابل انتفاع نہ رہ جائے تو مسجد کی موقوفہ زمین اور موقوفہ سرحدی چھاؤنی اور کنواں اور حوض کو اس کے قریب ترین اجناس میں منتقل کرنا جائز ہے، اور شامی میں ہے کہ ان موقوفہ اشیاء کو اقرب اجناس کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

استبدال وقف:

مسائل وقف کے ذیل میں استبدال کی بحث نہایت ہی اہم اور قابل توجہ ہے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی کے وقف سے متعلق سوالنامہ کے زیادہ تر سوالات اسی سے متعلق ہیں۔ اس لئے اس بحث کو تفصیل اور وضاحت سے تحریر کرنا ضروری ہے۔ نصوص فقہیہ سے یہ صراحۃ ثابت ہے کہ وقف کے مکمل اور تام ہو جانے کے بعد اشیاء موقوفہ کی خرید و فروخت اور ہبہ درست نہیں ہیں، اور واقف کی موت کی صورت میں اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔

ہدایہ میں ہے:

"واذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه" (ہدایہ، فتح القدیر علی ہامش ۶/ ۲۰۵)

علامہ علاء الدین الحصکفی نے تحریر کیا ہے: فإذا تم ولزم لا یملك ولا یعار ولا یرهن ..اور صاحب ردالمحتار نے "لا یملك" کے ذیل میں تحریر کیا ہے:

"ای لا یکون مملوکا لصاحبه ولایملك ای لا یقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه" (ردالمحتار ۶/۵۳۹)

اب رہا یہ سوال کہ اشیاء موقوفہ کو دوسری اشیاء سے بدلنا یا ضرورتاً اسے فروخت کر کے دوسری اشیاء خرید کر کے اسے "وقف" قرار دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء نے تفصیل سے بحث کیا ہے۔

استبدال وقف کے سلسلہ میں فقہاء کے حسب ذیل اقوال ہیں:

مالکیہ۔ امام مالکؒ کے نزدیک حسب ذیل دو صورتوں میں استبدال وقف بالکل ہی ممنوع ہے:

الف: ایک مسجد کا تبادلہ دوسری مسجد سے جائز نہیں ہے۔ استبدال مسجد کے عدم جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

ب: وقف عقار کی صورت میں ہو، اور اس سے اناج اور غلہ پیدا ہوتا ہو، تو ایسی صورت میں ارض موقوفہ کی بیع اور تبادلہ جائز نہیں ہوگا، البتہ مسجد، مقبرہ اور عام راستہ کی توسیع کی صورت میں ضرورتاً اراضی موقوفہ کا تبادلہ جائز ہوگا۔ فقہ مالکی کی معروف کتاب شرح مختصر خلیل میں ہے:

"لا بأس ببیع الدار المحبسة وغیرها، ویکره الناس السلطان علی بیعها إذا احتاج الناس الیها لجامعهم الذی فیه الخطبة و کذلك إذا احتاج الطریق إلیها ، وإذا کان النهر بجانب طریق عظیمة من طرق المسلمین التی یسلك علیها العامة فحضرها حتی قطعها فإن أهل تلك الأرض التی حولها یجبرون علی بیع ما یوسع به الطریق" (شرح مختصر خلیل المسمی بالتاج والاکلیل ۶/۴۲)

عقار کی صورت میں اکثر فقہاء مالکیہ استبدال کے عدم جواز کے قائل ہیں، اگرچہ مقصد وقف فوت ہو رہا ہو، اور اراضی موقوفہ سے انتفاع واستغلال ختم ہو گیا ہو، البتہ اس صورت میں بعض مالکیہ استبدال کو جائز قرار دیتے ہیں۔

وقف منقول کی صورت میں مالکیہ کے نزدیک استبدال جائز ہے، امام مالکؒ سے منقول ہے:

"ماضعف من الدواب المحبسة فی سبیل الله تعالی حتی لایکون فیه قوة علی الغزو بیع واشتری بثمنه ماینتفع به من الخیل فیجعل فی سبیل الله" (شرح مختصر خلیل المسمی بالتاج والاکلیل ۶/۴۱)

مالکیہ کے نزدیک عقار اور منقول کے استبدال میں فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عقار میں مستقبل میں انتفاع کی امید رہتی ہے جب کہ منقول میں انتفاع کی امید نہیں رہتی ہے، بلکہ ضیاع کا خطرہ رہتا ہے، اس لئے عقار میں تنگی اور منقول میں توسع سے کام لیا گیا ہے۔

شافعیہ: استبدال وقف کے بارے میں شافعیہ کی رائے مالکیہ کی رائے سے زیادہ قریب ہے، ان کے نزدیک بھی اس میں تشدد اور تنگی سے کام لیا گیا ہے۔ اگر عقار بالکل ہی قابل انتفاع نہ رہے تو اس صورت میں عقار موقوف کا استبدال درست ہوگا یا نہیں؟ اس میں شافعیہ کے دو قول ہیں:

ایک قول جواز کا ہے، اور دوسرا قول عدم جواز کا ہے، فقہ المذہب میں ہے:

وان وقف نخلة فجفت أو بهيمة فزمنت أوجذوعا على مسجد فتكسرت ففيه وجهان: أحدهما: لا يجوز بيعه كما ذكرنا في المسجد، والثاني: يجوز بيعه لأنه لا يرجى منفعته فكان بيعه أولى من تركه بخلاف المسجد (المہذب)

حنابلہ: حنابلہ کے نزدیک استبدال وقف میں زیادہ توسع سے کام لیا گیا ہے۔

حنفیہ: حنفیہ کے نزدیک استبدال وقف میں زیادہ توسع ہے، صرف مسجد کی حد تک توسع کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے، حنفیہ کے نزدیک استبدال کی حسب ذیل تین صورتیں ہیں:

۱۔ وقف کرتے وقت واقف نے اپنے لئے یا وقف کے متولی کے لئے استبدال کی شرط لگائی ہو، مثلاً وقف کرتے وقت واقف نے یہ کہا کہ میری یہ زمین وقف ہے اس شرط کے ساتھ کہ مجھے اس کے استبدال کا حق حاصل ہوگا، ایسی صورت میں وقف درست قرار پائے گا، امام ابو یوسف اور بعض روایات کے مطابق امام محمدؒ کے نزدیک استبدال کی شرط بھی درست قرار پائے گی۔ امام محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ وقف درست قرار پائے گا اور شرط باطل قرار پائے گی، فقہائے حنفیہ میں سے ہلال اور خصاف بھی استبدال کی شرط کے جواز کے قائل ہیں، فتاوی قاضی خاں میں امام ابو یوسف اور امام ہلال کے قول کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

علامہ ابن ہمام نے استبدال وقف کے سلسلہ میں فقہاء حنفیہ کا نقطہ نظر اور مسلک مختار کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ولو شرط أن يستبدل بها أرضا أخرى تكون وقفا مكانها فهو جائز عند أبي يوسف و هلال والخصاف وهو استحسان وكذا لو قال على أن أبيعها واشترى بثمنها أخرى مكانها وقال محمد يصح الوقف ويبطل الشرط..وفي فتاوى قاضي خان قول هلال و أبي يوسف هو الصحيح" (فتح القدیر ۶)

شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں استبدال وقف کی مذکورہ بالا صورت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے، اگر واقف نے یہ شرط لگائی کہ اگر وہ چاہے تو ارض موقوفہ کا دوسری زمین سے تبادلہ کر سکتا ہے، تو یہ شرط امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہوگی، امام محمدؒ کے نزدیک اور یہی اہل بصرہ کا بھی قول ہے، وقف جائز ہوگا اور استبدال کی شرط باطل قرار پائے گی۔ اس لئے کہ یہ شرط بقاء وقف میں مؤثر نہیں ہوگی اور وقف اس کے ذریعہ تام جائے گا (المبسوط للسرخسی ۱۲/ ۴۲)

علامہ ابن عابدین شامی نے البحر الرائق کے حاشیہ میں امام محمدؒ سے وقف اور شرط دونوں کے بطلان کا قول نقل کیا ہے (حاشیہ منحۃ الخالق علی البحر الرائق)۔

حنفیہ کا قول مختار یہ ہے کہ اگر واقف اپنے لئے یا متولی کے لئے استبدال وقف کی شرط لگا دے تو وقف درست قرار پائے گا اور شرط بھی نافذ ہوگی، اس لئے یہ اس قسم کی شرط لزوم وقف اور اس کی تابید کے منافی نہیں ہے، جہاں تک وقف کے لزوم و تابید کا

سوال ہے تو یہ کسی ارض معینہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ اس کے وقف کے زوال سے وقف زائل ہو جائے گا۔ وقف کا اصل مقصد یہ ہے کہ اصل شئ کو باقی رکھتے ہوئے اس کی منفعت موقوف علیہم پر صرف ہوتی رہے۔ اور یہ مقصد استبدال وقف کی صورت میں بھی حاصل رہتا ہے۔

استبدال کی شرط لگانے کی صورت میں واقف اور متولی کو اختیار ہوگا کہ وہ اراضی موقوفہ کا تبادلہ کر کے یا اسے فروخت کر کے دوسری اراضی وقف کرے اگرچہ قاضی کی طرف سے استبدال کی اجازت حاصل نہ ہو، کیونکہ واقف کی شرائط شریعت اسلامی کی طرف سے دی گئی ولایت خاصہ کی وجہ سے نافذ قرار پاتی ہیں۔

اشتراط کی صورت میں واقف کو استبدال کا حق حاصل ہوگا چاہے شئ موقوفہ کی ذات سے فائدہ اور نفع کا سلسلہ جاری ہو۔

فقہاء حنفیہ کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ مسجد کے بارے میں استبدال کی شرط درست نہیں ہے، اشتراط کی صورت میں وقف درست قرار پائے گا اور شرط باطل ہوگی۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے اپنے لئے یا غیر کے لئے استبدال کی شرط نہیں لگائی مگر وقف قابل انتفاع نہیں رہا، مثلاً وقف کا مکان منہدم ہو گیا، اور اس کی تعمیر کی کوئی صورت نہیں رہی، یا ارض موقوفہ قابل کاشت نہیں رہی، پیداوار سے زیادہ اس پر خرچ آرہا ہو تو آیا ایسی صورت میں استبدال وقف کی اجازت ہوگی یا نہیں، فقہاء حنفیہ کی اکثریت جواز کی قائل ہے.. شمس الائمہ الحلوانی سے سوال کیا گیا کہ اگر اوقاف مسجد کی نافعیت ختم ہوگئی اور استغلال کی شکل باقی نہ رہے تو ایسی صورت میں متولی وقف کو اوقاف کو فروخت کرنے اور اس کی جگہ دوسری اراضی خریدنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ (انفع الوسائل ر ۱۱۳)

امام محمد بن الحسن شیبانی سے بھی اس صورت میں استبدال وقف کا جواز ثابت ہے.. فتاوی الطرطوسی میں ہے:

"وروى عن محمد أنه إذا ضعفت الأرض الموقوفة والقيم يجد بثمنها ما هو أكثر ريعا في المنتقى قال هشام سمعت محمدا يقول في الوقف: إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي" (انفع الوسائل ر ۱۱۳)

حسب ذیل دو صورتوں میں بھی متولی کو استبدال وقف اور وقف کی فروختگی کا حق حاصل ہوگا:

ا۔ غاصب نے وقف کی جائداد غصب کرلی، وقف کا متولی اس جائداد کی واپسی سے عاجز ہو، اور کسی دلیل سے غصب کا ثابت کرنا مشکل ہو، غاصب ارض موقوفہ کی قیمت کی ادائیگی پر آمادہ ہو، تو ایسی صورت میں غاصب سے ارض موقوفہ کا معاوضہ اور بدل لازمی طور پر قبول کرلیا جائے گا، اور اس کے ذریعہ عقار خرید کر کے مغصوب کے بدلہ میں اسے "وقف" قرار دیا جائے گا۔

۲۔ غاصب نے ارض موقوفہ کو غصب کر کے اس میں تالاب بنادیا، اس طرح کہ وہ حصہ دریا کا جز بن گیا، جس کی وجہ سے وہ زمین قابل کاشت نہ رہی، اس صورت میں متولی غاصب سے ارض موقوفہ کی قیمت وصول کرے گا، اور اس سے دوسری زمین خرید کر کے اسے "وقف" کردے گا۔

۳۔ استبدال وقف کی تیسری صورت یہ ہے کہ اوقاف قابل انتفاع اور قابل استغلال ہوں، اوقاف پر آنے والے مصارف سے زیادہ آمدنی اور فائدہ ہو، جسے مصارف وقف پر صرف کیا جاتا ہو، مگر اس کا امکان ہو کہ استبدال کے ذریعہ اوقاف کو زیادہ مفید اور نفع بخش بنایا جائے، یعنی اوقاف کے عدم تعطل کے باوجود صرف زیادہ مفید اور نفع بخش بنانے کی غرض سے اوقاف کی اراضی کا دوسری اراضی سے تبادلہ کیا جائے، اس صورت میں استبدال وقف جائز ہوگا یا نہیں؟۔ اس میں ائمہ احناف کا شدید اختلاف پایا جاتا ہے، امام ابو یوسفؒ اس صورت کے بھی جواز کے قائل ہیں، چنانچہ ذخیرہ میں ہے:

"روی عن أبی یوسف أنه قال: لابأس باستبدال الوقف مما روی عن علی بن أبی طالبؓ أنه وقف علی الحسن والحسین، فلما خرج إلی صفین قال إن نأت بهم الدار فبیعوها وأقسموا ثمنها بینهم" (المحاضرة فی الوقف، ۱۶۴)

امام ابو یوسف کا استدلال یہ ہے کہ استبدال وقف کی صورت میں وقف کا زیادہ فائدہ ہے، کہ اس صورت میں استبدال وقف، مقصد وقف کے منافی بھی نہیں ہے، بلکہ عین مطابق ہے، فقیہ ہلال اس صورت کے عدم جواز کے قائل ہیں (المحاضرۃ فی الوقف، ۱۶۴)

علامہ ابن الہمام حنفی بھی عدم جواز کے قائل ہیں، ان کے نزدیک استبدال وقف یا تو شرط کی وجہ سے جائز ہوگا یا پھر ضرورت کی بنیاد پر، مذکورہ صورت میں نہ تو واقف کی طرف سے شرط پائی جاتی ہے اور نہ ہی ضرورت کا تحقق ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

"فینبغی أن لا یجوز (ای الاستبدال فی حال وجود غلة) لأن الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیه دون زیادة أخری، ولأنه لا موجب لتجویزه لأن الموجب فی الاول الشرط وفی الثانی الضرورة ولا ضرورة فی هذا إذ لا تجب الزیادة فیه بل تبقیه کما کان" (فتح القدیر، ۶/۲۱۲)

علامہ ابن عابدین شامی نے عدم جواز کے قول کو "اصح" اور "مختار" قرار دیا ہے (رد المحتار ۶/۵۸۴)۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بھی عدم جواز کے قول ہی کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے (المغنی لابن قدامہ حنبلی ۵/۶۳۴) مگر فتاوی قاری الہدایہ میں امام ابو یوسف کے قول کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے... علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

"الرابعة أن یرغب الإنسان فیه ببدل أکثر غلة وأحسن صقعا فیجوز علی قول أبی یوسف وعلیه الفتوی کما فتاوی قاری الهدایة" (رد المحتار ۶/)

شرائط استبدال:

استبدال وقف کی حسب ذیل شرطیں ہیں:

۱۔ وقف کا استبدال اور اس کی بیع غبن فاحش کے ذریعہ نہ ہو۔

۲۔ متولی ایسے شخص سے بیع کا معاملہ نہ کرے جس کے حق میں اس کی شہادت مقبول نہیں ہے، اور نہ ایسے شخص سے

معاملہ کرلے جس کا دَین اس کے ذمہ ہو، اس لئے کہ دونوں صورتوں میں اس کا احتمال ہے کہ متولی وقف کی اصلی قیمت سے کم قیمت پر اسے فروخت کردے، لہذا موضع تہمت ہونے کی وجہ سے دونوں صورتوں میں اسے استبدال اور بیع سے روک دیا گیا ہے۔

۳۔ وقف کی فروخت کی گئی زمین کے مقابلہ میں خریدی گئی زمین زیادہ سود مند اور نفع بخش ہو (المحاضرة فی الوقف۔ ابو زہرة/۱۶۶۔۱۶۷)

۴۔ استبدال دنانیر ودراہم اور کرنسیوں کے ذریعہ نہ ہو بلکہ عقار ہی کے ذریعہ ہو۔

استبدال وقف کے لئے قاضی کی اجازت:

اشتراط کی صورت میں تو واقف کو شرط کی بنیاد پر استبدال وقف کا حق حاصل ہوگا، اور قاضی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی، البتہ عدم اشتراط کی صورت میں استبدال کا حق براہ راست واقف یا متولی کو حاصل ہوگا، یا اس کے لئے قاضی کی اجازت ہوگی۔

فقہاء حنفیہ نے استبدال کو قاضی کی اجازت کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے، اور یہ حق ہر قاضی کو نہیں دیا گیا ہے بلکہ قاضی الجنۃ کو اس کا مجاز ٹھہرایا گیا ہے، "قاضی الجنۃ" سے مراد وہ قاضی ہے جو صاحب علم وعمل اور صاحب زہد وتقویٰ ہو۔

صاحب اسعاف نے استبدال وقف کی بحث میں تحریر کیا ہے:

وأما إذا لم يشترط فقد أشار في السير إلى أنه لايملكه إلا القاضي إذا رأى المصلحة في ذلك، ويجب أن يخصص برأي أول القضاة الثلاثة المشار إليه بقوله عليه الصلوة والسلام: "قاض في الجنة وقاضيان في النار" المفسر بذي العلم والعمل لئلا يحصل التطرق إلى إبطال الوقف، كما هو الغالب في زماننا" (الاسعاف، ۳۲)

علامہ ابن عابدین شامی نے بھی استبدال وقف کے جواز کے لئے قاضی الجنۃ کی اجازت کو ضروری قرار دیا ہے (ردالمحتار ۶/۵۸۷)

لہذا عدم اشتراط کی صورت میں شرائط استبدال کی رعایت کرتے ہوئے صاحب علم وعمل قاضی کی اجازت سے استبدال وقف درست ہوگا، قاضی الجنۃ کی اصطلاح بہت ہی مناسب اور تحفظ اوقاف کے لئے بہتر ہے، اگر علی الاطلاق تمام قضاۃ کو اس کا مجاز بنا دیا جاتا تو اس کا غالب اندیشہ تھا کہ دنیادار قضاۃ ناجائز طور پر لوگوں کو اوقاف کی خرید وفروخت کی اجازت دے کر اوقاف کی املاک کے ضیاع وہلاکت کی راہ ہموار کرتے۔ بہار واڑیسہ یا ہندوستان کی وہ ریاستیں جن میں باضابطہ نظام قضاء قائم ہے، اور قضاۃ مقرر ہیں ان ریاستوں اور مقامات میں استبدال وقف کے لئے اذن قاضی ضروری ہوگا، البتہ جہاں باضابطہ نظام قضاء قائم نہیں ہے، وہاں مستند علماء جو صاحب علم وعمل ہوں ان کی اجازت استبدال کے لئے کافی ہے۔

اوقاف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

مسائل اوقاف کے ذیل میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اوقاف کی فاضل آمدنی جو اس کے مصارف اور اس کی ضروریات سے زائد ہو، اور مستقبل قریب میں بھی ضرورت پڑنے کی توقع نہ ہو تو ایسی حالت میں فاضل آمدنی کا مصرف کیا ہوگا، اور

اسے کہاں صرف کیا جائے گا۔ مثلاً کسی قبرستان، مدرسہ یا مسجد پر کافی اراضی وقف ہوں، اراضی موقوفہ میں دکانیں ہوں، اور آمدنی کے دیگر ذرائع ہوں، اوقاف سے حاصل شدہ آمدنی اس کے متعینہ مصارف پر صرف کرنے کے باوجود آمدنی کا کچھ حصہ بچ جاتا ہو، اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی صراحت کے مطابق اگر وقف سے حاصل آمدنی کی وقف کو آئندہ مستقبل قریب میں بھی ضرورت نہ ہو تو، الأقرب فالأقرب کے قاعدہ کے مطابق مسجد کے وقف کی فاضل آمدنی کو اس مسجد سے قریب تر دوسری مسجد کی ضروریات پر صرف کیا جائے گا، قبرستان کے وقف کی فاضل آمدنی کو اس سے قریبی قبرستان کی ضروریات میں صرف کیا جائے گا، اسی طرح مدرسہ کے وقف کی فاضل آمدنی کو اس سے قریبی مدرسہ کی ضروریات میں صرف کیا جائے گا، پھر اس سے جو قریب ہو، ایک جنس کے اوقاف کی فاضل آمدنی اسی جنس پر صرف کرنا ضروری ہوگا، اس کی اجازت نہیں ہوگی کہ مسجد کے وقف کی آمدنی قبرستان یا مدرسہ یا دیگر رفاہ عام کے کاموں کی ضروریات میں صرف کیا جائے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضی أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر قال نعم، ولو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج إلى العمارة أو عن العكس هل يجوز للقاضی صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلى عمارة ماهو محتاج إلى العمارة قال لا" (۲/۴۷۸)

علامہ ابن عابدین شامی نے تحریر فرمایا ہے:

"وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفى شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (ردالمحتار ۶/۵۵۱)

البتہ اگر واقف اور جہت وقف دونوں میں اتحاد ہو تو ایسی صورت میں ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر صرف کی جاسکتی ہے، مثلاً ایک صاحب خیر نے اپنی ایک دکان کسی مسجد کی تعمیری ضروریات کے لئے وقف کی اور دوسری دوکان اسی مسجد کے امام و مؤذن اور دیگر عملہ کی تنخواہ کے لئے وقف کی تو ایسی صورت میں ایک موقوفہ دکان کی فاضل آمدنی دوسرے وقف کے مصرف میں صرف کی جاسکتی ہے، اور اگر واقف یا جہت وقف میں سے کسی ایک میں بھی اختلاف ہو تو ایسی صورت میں ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر صرف نہیں کی جاسکتی ہے، مثلاً ایک شخص نے دو مسجدیں الگ الگ بنائیں، یا ایک شخص نے اپنی طرف سے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنایا، دونوں پر اپنی اراضی وقف کی تو مسجد کی فاضل آمدنی مدرسہ کی ضروریات میں یا مدرسہ کی آمدنی مسجد کی ضروریات پر صرف کرنا درست نہیں ہوگا۔

درمختار میں ہے:

"(اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه) بسبب خراب وقف أحدهما (جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه..وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين) أو رجل مسجداً و مدرسة ووقف عليهما أوقافا لايجوز له ذلك" (ردالمحتار ۶/۵۵۱)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اوقاف کی فاضل آمدنی کا مصرف ذکر کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

''مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں مسجد نہ ہو تو دوسرے شہر کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے اسی طرح بہ ترتیب (امداد الفتاوی ۲ر ۶۱۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ اوقاف کی زائد اور فاضل آمدنی کو اسی جنس کے اوقاف کی ضروریات میں الأقرب فالأقرب کی ترتیب سے صرف کیا جائے گا، دوسری جنس کے اوقاف پر صرف کرنا درست نہیں ہوگا۔ تمہیدی کلمات کے بعد اصل سوالات کے جوابات تحریر کئے جاتے ہیں:

الف۔ غیر آباد وقف کا تبادلہ:

اگر موقوفہ قبرستان، مدارس، خانقاہیں یا ان پر موقوفہ اراضی وہاں کے مسلمانوں کے منتقل یا فسادات میں تباہ و برباد ہو جانے کی وجہ سے ویران اور غیر آباد ہیں اور اوقاف کی املاک پر حکومت وقت یا غیر مسلموں کے قبضہ کا خطرہ ہے، اگر وقف نامہ میں واقف یا اس کے منتخب کردہ متولی کو اشیاء موقوفہ کی فروختگی اور تبادلہ کا اختیار دیا گیا ہو تو بلاشبہ واقف یا اس کے متولی کو واقف کے شرط کے مطابق اوقاف کے فروخت کرنے اور دوسری جگہ متبادل وقف قائم کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور اگر ''وقف نامہ'' میں اس کی صراحت نہیں کی گئی ہو تو بھی چونکہ اشیاء موقوفہ فی الحال بے فائدہ اور ویران ہیں، ضیاع کا اندیشہ ہے، اس لئے تحفظ اوقاف، مصالح اوقاف اور منشاء واقف کی رعایت کرتے ہوئے قاضی شریعت (قاضی الجنۃ) کی اجازت سے مذکورہ اوقاف کو فروخت کر کے دوسری جگہ زیادہ مفید متبادل اوقاف قائم کرنے کی گنجائش ہوگی، قاضی شریعت کے موجود نہ ہونے کی صورت میں متدینین اور اصحاب زہد و تقوی علماء کی اجازت سے بھی تبادلہ کی گنجائش ہوگی۔

ب۔ اشخاص یا حکومت سے تبادلہ:

مذکورہ بالا صورت میں ویران اور بے مصرف اوقاف کا تبادلہ چاہے اشخاص سے کیا جائے یا مرکزی و ریاستی حکومتوں سے، ہر صورت میں اوقاف کے تبادلہ اور مذکورہ اوقاف کو اشخاص یا حکومتوں کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری اراضی یا مکانات حاصل کر کے مقاصد اوقاف کو باقی رکھنے کا طریقہ اپنایا جاسکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

جو اوقاف ویران ہو چکے ہیں، مسلمانوں کی آبادی وہاں نہ ہونے کی وجہ سے ان کا آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق ان کو بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے اور ان پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے، مساجد کے علاوہ ایسے تمام اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی رعایت کرتے ہوئے ان کی جگہ متبادل وقف ایسی جگہ قائم کرنا جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو

شرع اسلامی کی رو سے جائز اور درست ہے، استبدال وقف کے سلسلہ میں فقہاء نے جو تفصیلات بیان کی ہیں ان کے پیش نظر سوال میں مذکور صورت کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے استبدال وقف پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

والثانی أن لا یشترطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة بأن لا یحصل منه شئ أصلا أو لا یفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان باذن القاضی ورأیه المصلحة فیه(ردالمحتار علی الدر المختار ۴/۳۸۴)۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں بڑی تفصیلی بحث کی ہے، استبدال کی شرطوں، اس کے جواز وعدم جواز کے پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے اور اس سلسلہ کے جزئیات کو بھی پیش کیا ہے، طوالت کے خوف سے علامہ موصوف کے کلام کو یہاں پیش کرنے سے گریز کیا جارہا ہے۔

مساجد ودیگر اوقاف میں فرق ہے، ویران یا غیر مفید ہونے کی صورت میں عام اوقاف کا استبدال درست ہے لیکن مساجد کا استبدال اور منتقلی جمہور فقہاء کی رائے کے مطابق ہرگز درست نہیں، علامہ حصکفیؒ نے در مختار میں لکھا ہے:

ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الإمام والثانی أبدا إلی قیام الساعة وبه یفتی (در مختار ۴/۳۵۸)

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھا ہے:

وکذا لو خرب ماحوله ولیس له ما تعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر...فلا یعود میراثا ولا یجوز نقله ونقل ماله إلی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أو لا وأکثر المشائخ علیه وهو الأوجه(ردالمحتار علی الدر المختار ۴/۳۵۸)

علامہ ابن نجیم مصریؒ نے مسجد کی حیثیت متعین کرتے ہوئے امام ابو یوسفؒ کا قول بعدم استبدال کا نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

وقال ابو یوسفؒ هو مسجد أبدا إلی قیام الساعة لا یعود میراثا ولا یجوز نقله، ونقل ماله إلی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أولا وهو الفتوی"(البحر الرائق ۵/۲۵۱)

فتاوی ہندیہ میں اسی طرح فتاوی قاضی خاں (ص/۱۷۵) وفتح القدیر (۶/۲۲۸) میں بہت سے جزئیات موجود ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت بھی مسجد کا استبدال اور اس کی تبدیلی جائز نہیں۔ فتاوی ہندیہ سے ایک جزئیہ یہاں بطور نظیر درج کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ کی پوری نوعیت واضح ہو جائے:

ولو کان مسجد فی محلة ضاق علی أهله ولا یسعهم أن یزیدوا فیه فسألهم بعض الجیران أن یجعلوا ذلك المسجد له لیدخله فی داره ویعطیهم مکانه عوضاً ماهو خیرله، فیسع فیه أهل المحلة قال محمدؒ لا یسعهم ذلك (فتاوی ہندیہ ۲/۴۵۷)۔

اس جگہ یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ مسجد کا حکم الگ ہے اور اسکے اوقاف کا حکم الگ ہے، مساجد کے اوقاف کا حکم عام اوقاف کی طرح ہے، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے واقدیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے:

"والوقف على المسجد ليس كالمسجد فی حرمة البيع والاستبدال مطلقاً"۔

آگے فتاوی ظہیریہ کے حوالہ سے ایک فتوی نقل ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کے اوقاف کا حکم مساجد سے جدا ہے۔

سئل الحلوانی عن أوقاف المساجد تعطلت و تعذر استغلالها هل للمتولی أن يبيعها ويشتری بثمنها أخری؟ قال: نعم" (اعلاء السنن ۱۳/۱۹۶)

مولانا ظفر عالم ندوی

الف۔ کیا ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے؟

یہ اوقاف جب مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں تو ان کو قائم رکھنے کی کوئی وجہ نہیں، ان اوقاف کی زمینوں کی فروخت سے جو آمدنی ہو اس سے دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کر دینا چاہئے، اس سلسلہ میں واقف کے مقاصد کا خیال رکھنا ضروری ہے الا یہ کہ کوئی مقصد غیر شرعی ہو۔

ب۔ کیا ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے؟

مساجد کا تقدس اور حرمت سب سے بڑھ کر ہے، قبرستان اور مقبروں کو مساجد کے مقام پر نہیں رکھا جاسکتا۔ مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد ہوتی ہے لیکن قبرستان اور مقبرے ایک مدت گزرنے کے بعد ضرور ناختم کئے جاسکتے ہیں۔ ایسا کرنے میں شریعت کا کوئی حکم مانع نہیں ہے۔

مولانا شمس پیرزادہ

الف۔ مذکورہ حالات میں ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری ہے۔

ب۔ بالکل اختیار کی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

الف، ب۔ ناقابل انتفاع اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے، متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

والثانی أن لایشرطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة بأن لایحصل منه شیٔ أصلاً أولا یفی بمؤنته فهو أیضاً جائز علی الأصح إذا کان باذن القاضی ورأیه المصلحة فیه (ردالمحتار ۳ / ۴۲۴)

استبدال کی دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو، خواہ استبدال نہ کرنے کی شرط لگائی ہو یا اس سے سکوت اختیار کیا ہو لیکن موقوفہ جائداد بالکلیہ قابل انتفاع نہ ہو اور اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہوتا ہو، یا اس سے اس کا خرچ نہ پورا ہوتا ہو، اس صورت میں بھی اصح مذہب کے مطابق استبدال جائز ہے اگر قاضی کی اجازت سے ہو اور وہ اس میں مصلحت سمجھے۔

موجودہ زمانہ میں جب کہ قاضی موجود نہیں ہیں، اکثر علاقوں کا حال یہی ہے، لہذا عوام بمنزلۂ قاضی قرار پائیں گے (امداد الفتاوی ۲ / ۶۱۵) مساجد و مدارس اور اداروں کی کمیٹیاں عوام کی نمائندہ مانی جاتی ہیں، لہذا سارے عوام کو اکٹھا کرنے کے بجائے ان کمیٹیوں کا غور و خوض اور فیصلہ عوام کے فیصلے کے درجہ میں ہوگا۔

البحرالرائق میں ہے:

والمعتمد انه بلا شرط یجوز للقاضی بشرط أن یخرج عن الانتفاع بالکلیة وأن لا یکون هناك ریع للوقف یعمر به وأن لا یکون البیع بغبن فاحش وشرط فی الاسعاف ان یکون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل کیلا یحصل التطرق إلی إبطال اوقاف المسلمین کما هو الغالب فی زماننا الخ.... و یجب أن یزاد آخر فی زماننا وهوان یستبدل بعقار لا بالدراهم والدنانیر فانا قد شاهدنا النظار یاکلونها وقل ان یشتری بها بدل و لم نر أحداً من القضاة یفتش علی ذلك مع کثرة الاستبدال فی زماننا مع أنی نبهت بعض القضاة علی ذلك وهم بالتفتیش ثم ترك (البحرالرائق ۵ / ۲۲۳)

معتمد یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو تو بھی قاضی کے لئے استبدال جائز ہے، بشرطیکہ جائداد موقوفہ انتفاع سے بالکلیہ نکل گئی ہو اور وہاں پر وقف کی کوئی ایسی آمدنی نہیں جس سے اسے آباد و تعمیر کیا جاسکے، اور بیع، غبن فاحش کے ساتھ نہ ہو، اور اسعاف میں شرط لگائی ہے کہ استبدال کرنے والا قاضی جنت ہو، یعنی ایسا قاضی جو صاحب علم بھی ہو اور صاحب عمل بھی، تاکہ اوقاف مسلمین کے ضیاع وابطال کا راستہ نہ کھل جائے، جیسا کہ یہی ہمارے زمانہ میں غالب ہے، اور ہمارے زمانہ میں ایک مزید شرط کا اضافہ ضروری ہے وہ یہ کہ استبدال، جائداد غیر منقولہ سے ہو دراہم و دنانیر سے نہ ہو، اس لئے کہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ متولی حضرات نقد پیسے کھا جاتے ہیں اور بہت کم اس کے ذریعہ متبادل خرید ا جاتا ہے، اور ہم نے کسی قاضی کو نہیں دیکھا کہ وہ اس کی تفتیش کرے جب کہ ہمارے زمانہ میں بکثرت استبدال ہو رہا ہے، حالانکہ میں نے بعض قاضیوں کو اس پر آگاہ کیا، انہوں نے تفتیش کا ارادہ کیا، پھر ترک کر دیا۔

النہر کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر پورا اطمینان ہو کہ دراہم ودنانیر ضائع نہیں ہوں گے اور ان کے عوض دوسری زمین خرید لی جائے گی تو دراہم ودنانیر سے بھی استبدال جائز ہے (در مختار ۴۲۵/۳)

وأجاز بعضهم الاستبدال به نقوداً مادام المستبدل قاضي الجنة (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲۲۲/۸)

بعض فقہاء نے نقود کے ذریعہ استبدال کی اجازت دی ہے جب کہ استبدال کرنے والا قاضی جنت ہو۔

استبدال کے جواز کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ:

أن لا يبيعه ممن لا تقبل شهادته له ولا ممن له عليه دين (ردالمحتار ۴۲۵/۳)

ایسے شخص کو فروخت نہ کرے جس کی گواہی اس کے حق میں قبول نہ ہو اور نہ ایسے شخص کو فروخت کرے جس پر اس کا قرض ہو۔

مزید یہ کہ جس علاقہ کی زمین بدلے میں لی جارہی ہے وہ علاقہ پہلے علاقہ سے بہتر مانا جاتا ہو (ایضا)

البتہ مساجد کا معاملہ دوسرے اوقاف سے جدا ہے، اگر کسی مسجد کا وہی حال ہو جو سوال میں درج ہے، تو بھی اس کی بیع وشراء جائز نہیں، اس کا متبادل قائم کرنے کی گنجائش نہیں، مسجد ابدالآباد کے لئے مسجد ہوتی ہے، محض احاطہ بندی وباؤنڈری ہی کرا کے اسے محفوظ رکھا جائے، مگر محفوظ رکھنا بہر حال ضروری ہے، فتح القدیر میں ہے:

(قوله ولو خرب ماحول المسجد واستغنى عنه) اى استغنى عن الصلوٰة فيه أهل تلك المحلة أو القرية بأن كان في قرية فخربت وحولت مزارع يبقى مسجداً على حاله عند أبي يوسف وهو قول أبي حنيفة و مالك والشافعي (فتح القدیر ۴۴۶/۵)

اگر مسجد کے آس پاس کا علاقہ ویران ہو جائے اور اس محلہ یا بستی کے لوگ اس مسجد میں نماز پڑھنے سے بے نیاز ہو جائیں، مثلاً مسجد جس بستی میں تھی وہ ویران ہو گئی اور کھیت بن گئی تو بھی مسجد علی حالہ مسجد باقی رہے گی، یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی ہے۔

در مختار میں ہے:

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتي (در مختار ۴۰۶/۳)

اگر مسجد کے ارد گرد کا حصہ ویران ہو جائے تو بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قیامت تک مسجد رہے گی اور اسی پر فتوی ہے۔

مولانا جمیل احمد نذیری

الف۔ وہ اوقاف جہاں کے مسلمانوں کی آبادی کے منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہوں اور دور دور تک مسلم آبادی نہ ہونے کی وجہ اس اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہو، اس میں مساجد،

قبرستان، مدارس، اور خانقاہیں، ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلم آبادی ہو متبادل اوقاف قائم کئے جاسکنے میں قدرے تفصیل ہے، جو مندرجہ ذیل ہے:

مساجد: جس جگہ مسجد قائم ہے اور جس زمین کا رقبہ کہ مسجد کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے اور اس میں نماز ادا ہونے لگی ہے اس کی عمارت قائم رہے یا منہدم ہو جائے، اس وقت اس میں کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے، اس جگہ کی مسلم آبادی رہے یا ویران ہو جائے اور مسلم آبادی کہیں اور منتقل ہو جائے، بہر حال وہ جگہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، تو اس مسجد کو فروخت کرنا اور فروخت کر کے کسی دوسرے مقام پر جہاں کہ مسلم آبادی ہو، متبادل وقف قائم کرنا یعنی مسجد منتقل کرنا جائز نہیں ہے، یہی ہمارے شیخین امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ وہ جگہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، نہ اسکو منتقل کرنا جائز ہے اور نہ وہ واقف کے ورثہ کے درمیان میراث بن سکتی ہے، چاہے اس میں لوگ نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں، لہذا صورت مسئولہ میں مسجد کو اپنی حالت پر باقی رکھنے کے لئے پوری کوشش کیجائے اور محفوظ کر دیا جائے تاکہ بے ادبی سے محفوظ رہے، اس باب میں فقہائے کرام کی تصریحات مندرجہ ذیل ہیں:

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً الى قيام الساعة وبه يفتى، حاوى القدسى (وقال الشامى) فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى، حاوى القدسى. وأكثر المشائخ مجتبى وهو الأوجه (فتح) و كذا فى البحر (٢٥٢،٢٥١/٥) وبه علم أن الفتوى على قول محمدؒ فى آلات المسجد. وعلى قول ابى يوسف فى تابيد المسجد. (در مختار ٤٠٦/٣)

یعنی مسجد ویران ہو جائے اور وہاں کے باشندے اس سے بے نیاز ہو جائیں، اور صورت حال ایسی ہو گئی ہے کہ اس میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے یا یہ کہ مسلم آبادی کہیں اور منتقل ہو گئی ہے پھر بھی وہ مسجد ہی رہے گی ہمیشہ کے لئے، اس کا متبادل جائز نہیں ہے۔

والفتوى على قول أبى يوسفؒ انه لا يعود إلى ملك مالك أبداً لأن المسجد وإن خرب وا ستغنى عنه أهله لا يعود إلى ملك البانى كذا فى المضمرات، اور نیز (فتاوی ہندیہ ٤٧٠/٢) پر ہے: سئل القاضى الامام شمس الائمه محمود الا وزجندى عن مسجد لم يبق له قوم و خرب ما حوله واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة، قال لا.

یعنی مسجد کی ویرانی اور لوگوں کی بے نیازی کی صورت میں مسجد کو قبرستان بنانا جائز نہیں ہے۔ بلکہ وہ مسجد ہی تا قیامت رہے گی۔ کذا فی الحاشیۃ علی حامش الہندیۃ (٢٨٨/٣) وفی البدائع (٢٢١/٦)

خلاصہ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق صورت مسئولہ میں مسجد کو فروخت کر کے اس کی متبادل مسجد بنانا جائز نہیں ہے جو جگہ مسجد ہو چکی وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی چاہے مسلمانوں کی آبادی رہے یا منتقل ہو جائے، اس میں لوگ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں،

قبرستان:

صورت مسئولہ میں اس طرح کے قبرستان کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال کر کے کسی دوسری جگہ جہاں مسلم

آبادی ہے اس کا متبادل وقف بشکل قبرستان وغیرہ قائم کیا جانا جائز ہے، کیونکہ پہلی قبرستان سے انتفاع کی کوئی بھی شکل نہیں ہے، بلکہ اہانت کی شکلیں موجود ہیں، لہذا اسے فروخت کر کے دوسری جگہ مسلم آبادی میں متبادل وقف قائم کرنے میں خیر محض اور نفع خالص ہے، اس سلسلے میں فقہاء رحمہم اللہ کی عبارتوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے، چنانچہ در مختار مع شامی (۱/ ۶۶۲) میں ہے:

ويخير المالك بين إخراجه و مساواته بالأرض والبناء عليه إذا بلي وصار ترابا۔

اور (۱/ ۶۶۷) پر علامہ شامیؒ یہی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

و مقتضاه جواز المشي فوقه . و كذا في البحر (۱/ ۱۹۵)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب قبرستان بوسیدہ ہو جائے اور برابر ہو کر مٹی ہو جائے تو اس پر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے اور اس پر چلنا جائز ہے، جب کہ یہاں انتفاع کی شکل موجود تھی کہ مردے دفن کئے جائیں، اور جہاں پر قبرستان سے مسلمانوں کو کسی طرح کے انتفاع کی کوئی شکل نہ ہو بلکہ اسکو قبرستان باقی رکھنے میں اہانت کا یقین ہو تو ایسی صورت میں اسے فروخت کر کے دوسری جگہ مسلم آبادی میں متبادل وقف قائم کرنا کیونکر نا جائز ہوگا، علامہ عینیؒ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری (۴/ ۱۷۹) میں تعمیر مسجد نبوی سے متعلق ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفيه جواز التصرف في المقبرة المملوكة بالهبة والبيع، فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين! قلت، قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن مقابر المسلمين وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز أحد لأن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكها لأحد فمعناهما على هذا واحد. وذكر أصحابنا أن المسجد إذا خرب ودثر ولم يبق حوله جماعة والمقبرة إذا عفت ودثرت تعود ملكا لأربابها فاذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً وموضع المقبرة مسجدا وغير ذلك، فإذا لم يكن لها أرباب تكون لبيت المال.

اس کا حاصل یہ ہے کہ جو قبرستان لوگوں کی ملکیت ہے اس سے انتفاع کی شکل نہ رہنے کی صورت میں اسکو فروخت کرنا جائز ہے، اور مسجد جب ویران ہو جائے اور اس کے آس پاس مسلم آبادی باقی نہ بچے اور قبرستان کے نشانات جب مٹ جائیں تو اگر وہ مملوک ہے تو مالکین کی ملکیت میں لوٹ آئیگی پھر مسجد کی جگہ گھر بنانا اور قبرستان کی جگہ مسجد وغیرہ بنانا جائز ہے، اور جب مالکین نہ ہوں تو بیت المال کے حوالے ہو جائے گی۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ جب قبرستان کے آس پاس کی مسلم آبادی کہیں دوسری جگہ منتقل ہو گئی ہو اور اس کے سبب قبرستان سے انتفاع کی کوئی شکل باقی نہ رہے بلکہ غیروں کے تسلط کے سبب اہانت کا یقین ہو تو ایسے قبرستان کو فروخت کر کے مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے اس کا متبادل وقف قائم کرنا جائز ہے کہ اسی میں خیر محض اور نفع خالص ہے۔

خلاصہ کلام: یہ کہ ہے صورت مسئولہ میں قبرستان کو فروخت کر کے مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے اس کا متبادل وقف قائم کرنا جائز ہے۔

مدارس وخانقاہیں:

صورت مسئولہ میں مدارس وخانقاہیں جہاں واقع ہیں وہاں کی مسلم آبادی منتقل ہو جانیکی وجہ سے دور دور تک مسلم آبادی نہ ہونے کے سبب ویران ہو چکے ہیں جس کے سبب ان پر غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے بلکہ بڑھکر ان کو اپنے تصرف میں لا چکے ہیں اور بے حرمتی کر رہے ہیں، اور مسلمانوں کے لئے ان سے انتفاع کی کوئی شکل باقی نہیں ہے تو ایسی صورت میں ان مدارس و خانقاہوں کو مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے فروخت کر کے دوسری جگہ مسلم آبادی میں ان کا متبادل وقف قائم کرنا جائز ہے، کہ اسی میں خیر محض اور نفع خالص ہے۔۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں ایسی جگہوں کے مدارس وخانقاہیں فروخت کر کے دوسری جگہ مسلم آبادی میں اس کا متبادل وقف قائم کرنا جائز ہے۔۔ واللہ اعلم۔

ب۔ صورت مسئولہ میں ایسے اوقاف جن سے مسلمانوں کے انتفاع کی کوئی شکل باقی نہ رہے اسے حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کرنے کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے! واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: ایسے اوقاف کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کرنا درست ہے۔۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

الف۔ اس زمانہ میں ایماندار اور دیانتدار آدمی کا ملنا بہت دشوار ہے اس لئے وقف کی بیع اور تبدیلی میں احتیاط بہت ضروری ہے، پس صورت مذکورہ میں مساجد کو چھوڑ کر بمجبوری اوقاف کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسرا اوقف شرائط واقف کے مطابق کیا جاسکتا ہے، تاکہ واقف کی منشاء پوری ہو سکے اور اس کو اجر ملتا رہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس تبدیلی کے لئے کسی جج یا ایسی اتھارٹی سے جو اس کی مجاز ہو، اجازت لے لی جائے، پس ایسے اوقاف جن کے ضائع ہونے کا خطرہ ظن غالب کے درجہ میں ہے یا ان کی آمدنی ختم ہو چکی ہے یا کسی غاصب کے قبضہ میں ہے جس سے اس کو چھڑانا ممکن نہیں ہے، ان کو فروخت کر کے اس رقم سے دوسری جگہ خرید کر شرائط وقف کے مطابق وقف کردیا جائے، قانون العدل والانصاف مؤلفہ محمد قدری پاشا مطبوعہ مصر میں ہے:

إنما يجوز بيع الوقف يشترى بثمنه ما يكون وقفاً بدلا عنه إذا شرط الواقف استبداله سواء شرط له أو لغيره أو سوغت الضرورة والمصلحة للقاضي بيعه و الاستبدال به.

ب۔ اگر اس وقف سے مقاصد وقف حاصل نہ ہو رہے ہوں تو حکومت یا کسی فرد کو دے کر اس سے بہتر منفعت کی چیز جس سے مقاصد وقف پورے ہوتے ہوں جج یا کسی مجاز اتھارٹی کی اجازت سے تبدیلی جائز اور درست ہے۔ کما بینته من قانون العدل والانصاف (ص ١٦، مادہ ٣٥ ، اور ص ٩٣، مادہ ١٣٣)

مساجد اور دیگر اوقاف میں فرق ہے، اوقاف کی تبدیلی و منتقلی باجازت جج وقف کی بقاء، احیاء اور ترقی کے لئے جائز ہے، لیکن مساجد کی بیع یا تبدیلی ممکن نہیں ہے کیونکہ مسجد بننے کے بعد وہ جگہ قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے، اس کی مسجدیت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے چاہے شکل و صورت کچھ بھی ہو جائے، فتاوی قاضی خاں میں ہے:

وعند ابی یوسف یبقی المسجد بعد خراب ماحوله مسجداً۔

اور شامی میں تحت قوله **مثله حشیش المسجد و به علم أن الفتوی علی قول محمد فی آلات المسجد وعلی قول أبی یوسف فی تابید المسجد۔**

اس لئے مسجد کی بیع یا تبدیلی ممکن نہیں ہے، کبھی بھی اللہ تعالی نے مسلمانوں کو موقع عطا فرمایا تو جن مسجدوں پر غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ ہو گیا ہے ان سے واگذاشت کر کے ان کو مسجد ہی بنایا جائے گا، اس لئے محکمہ اوقاف وغیرہ کے لئے ضروری ہے کہ سرکاری کاغذات وغیرہ میں ان کو مسجد ہی لکھوایا جائے، البتہ ایسی مسجدیں جو ویران ہو گئیں تو ان کا سامان نکال کر دوسری حاجتمند مسجدوں میں لگایا جاسکتا ہے یا اس سامان کی قیمت دوسری مسجدوں میں خرچ کی جاسکتی ہے، شامی میں ہے:

جزم به الاسعاف حیث قال ولو خرب المسجد و ماحوله وتفرق الناس عنه لایعود إلی ملك الواقف عند أبی یوسف و یباع نقضه باذن القاضی و یصرف ثمنه إلی بعض المسجد۔

مفتی محبوب علی وجیہی

الف۔ چونکہ "**شرط الواقف کنص الشارع**" ہے، اس لئے شرط واقف وجہت وقف ملحوظ رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر (اس موقوفہ کو فروخت کر کے) متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔

"**قال فی التنویر: و مثله حشیش المسجد وحصیره مع الاستغناء عنها والرباط والبئر إذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلی أقرب مسجد أو رباط أوبئر، وقال الشامیة لایجوز صرف وقف مسجد خرب إلی حوض وعکسه، و فی شرح الملتقی یصرف وقفها لأقرب مجانس لها**" (رد المحتار ٣/ ٥١٣)

تنویر و شامیہ کی عبارت سے جہاں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ موقوف علیہ سے اگر استغناء ہو جائے تو وقف کی آمدنی مجانس اقرب میں خرچ کی جائے گی وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موقوفہ کو فروخت کر کے اس کا متبادل وقف کیا جاسکتا ہے، اسی کی تائید عالمگیری کے اس جزئیہ سے بھی ہو رہی ہے:

" سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد أو حوض خرب ولایحتاج إلیه لتفرق الناس هل للقاضی أن یصرف أوقافه إلی مسجد آخر أو حوض آخر قال نعم " (فتاوی ہندیہ ۲/ ۳۵۲) (بنایہ ۲/ ۱۰۰۷)

ب۔ ہاں اس کی گنجائش ہے کہ ویران اور نا قابل انتفاع اوقاف کو بیچ کر یا کسی فرد یا حکومت کے حوالے کر کے دوسری جگہ لے لی جائے، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حکومت وہ جگہ ملی ورفاہی مقاصد کے خلاف استعمال نہ کرے، مثلاً اس جگہ اسلحہ، بار، وغیرہ کے کارخانے قائم کردئے گئے جن کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہونچانا ہو، بہر حال اس سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کی اولاً آراء درج کردی جائیں:

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثانى أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى ... وعاد إلى الملك اى ملك البانى أو ورثته عند محمد (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۳/ ۵۱۳) اگر مسجد کا گردو پیش ویران ہو جائے اور اس سے مستغنی ہو جایا جائے تو بھی ہمیشہ قیامت تک کے لئے مسجد ہی رہے گی اور اسی پر فتوی ہے۔

دلائل کی رو سے شیخین کی بات میں قوت ہے، جیسا کہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

" فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله على مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى حاوى القدسى وأكثر المشائخ عليه مجتبى وهو الأوجه فتح (شامی ۳/ ۵۱۳)

علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

وإذا خرب مكان موقوف فتعطل نفعه بيع وصرف ثمنه فى نظيره وكذلك إذا خرب بعض الاماكن الموقوف عليها (فتاوی ابن تیمیہ ۳۱/ ۹۲) علامہ ابن تیمیہ کا توسع مسئلہ مجوثہ پر غالباً اس اصل کے توسع کے باعث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ " شرط الواقف كنص الشارع "اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں نکلتا کہ واقف کے منشاء کے مطابق عمل وجوبی ہے بلکہ یہ اصل وقف کی مراد پر دلالت کرنے میں مثل نص کے ہے۔

ومن قال من الفقهاء إن شروط الواقف نصوص كألفاظ الشارع فمراده أنها كالنصوص فى الدلالة على مراد الواقف لا فى وجوب العمل بها (فتاوی ابن تیمیہ ۳۱/ ۴۷)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب بحر الرائق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

وإنما الكلام الآن من شروط الواقفين فقد أفادوا هنا انه ليس كل شرط يجب اتباعه فقالوا هنا إن اشتراطه أن لايعزله القاضى شرط باطل مخالف للشرع وبهذا علم أن قولهم شرط الواقف كنص الشارع ليس على عمومه (۵/ ۲۴۳)

نیز عالم اسلام کے ایک متبحر عالم قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب اطال اللہ عمرہ نے بحث ونظر کے ایک شمارہ میں بڑی تفصیل سے جائزہ لینے کے بعد فیصلہ دیا ہے کہ "موجودہ صورت حال یہ ہے کہ قدیم، مردہ اور غیر آباد قبرستانوں کو اگر لیز پر

لگادیا جائے تو ہزارہا قبرستان جو ابھی آباد ہیں اور ان کا تحفظ خطرہ میں ہے ایسے قبرستانوں کے تحفظ کی صورت نکالی جاسکتی ہے، لہذا میرے نزدیک شرع اسلام کی رو سے ایسے مردہ اور قدیم قبرستانوں کی تعمیرات یا کاشت کے لئے لیز پر دیا جاسکتا ہے، اور اس طرح کی آمدنی کو اولاً دیگر مقابر کے تحفظ، یا ایسے شہروں اور آبادیوں کے لئے قبرستان کی اراضی حاصل کرنے پر خرچ کرنا چاہئے جہاں قبرستان کی ضرورت ہے، اگر اس طرح کے مدات پر خرچ کے بعد رقم بچ جائے تو اسے مدارس، مسافر خانوں، نادار بچوں کی تعلیم اور دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ کیا جاسکتا ہے (بحث و نظر ص ۱۰۵۔ ج ۵۔ شمارہ ۲۱)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف غیر مسجد کا بصورت تعطل استبدال باذن قاضی جائز ہے، مفتی موصوف نے شامی کی یہ عبارت استدلالاً پیش کی ہے:

والثانی أن لا یشترطه سواء عدمه أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة بأن لا یحصل منه شی أصلا أو لایفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان باذن القاضی ورأیه المصلحة فیه (احسن الفتاویٰ ۶/۴۲۱)۔

حنبلی مسلک کے ایک بڑے عالم منصور بن یوسف البھوتی اپنی کتاب (شرح الاقناع موسوم کشاف القناع صفحہ ۲۹۴) پر لکھتے ہیں:

فإن تعذر الإنفاق من الموقوف علیه لعجزه أو غلبته أو نحوهما بیع الوقف وصرف ثمنه فی عین أخری تکون وقفا لمحل الضرورة.

اس کی تائید فتاوی ابن تیمیہ (۳۱/۲۲۶) کے فتوی سے بھی ہوتی ہے:

قال فی ترغیب القاصد .... الخامس إذا تعطل الوقف فله أحوال الثانیة أن یبقی منه بقیته متمولة کالشجرة إذا عطبت والفرس إذا أعجف والمسجد إذا خرب فإن ذلك یباع ویصرفه فی تحصیله.

ابوالفرج ابن قدامہ مقدسی کی رائے بھی پیش خدمت ہے:

وجملة ذلك أن الوقف إذا خرب و تعطلت منافعه کدار انهدمت أو أرض خربت وعادت مواتا.....جاز بیع بعضه لتعمر به بقیته وإن لم یمکن الانتفاع بشیء منه بیع جمیعه (مغنی ابن قدامہ ۶/۲۲۵)۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

الف۔ اوقاف کی بیع تو شرعاً جائز نہیں ہے، علامہ شامی کی رائے یہ ہے کہ بیع باطل ہے لیکن جن اوقاف کی بابت دریافت کیا گیا ہے ان کی بیع مجبوری کی وجہ سے جائز ہے، اور مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی ایسے دوسرے مقام پر جو ان اوقاف سے زیادہ قریب ہو متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔

مطلب بیع الوقف باطل لا فاسد (شامی ۳/۳۹۴) وکذا الرباط والبئر والحوض إذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلی أقرب مسجد أو رباط أو بئر (درمختار ۳/۳۷۱)

ب۔ ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد واقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے۔

اس سلسلے میں تمام اوقاف کا حکم یکساں ہے، خواہ وہاں مدارس کے اوقاف ہوں یا مساجد اور مقابر و خانقاہوں کے، واقف کے شرائط کی رعایت کرتے ہوئے ایسے تمام ویران غیر منتفع اوقاف کے معاوضہ یا تبادلہ کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے (شامی ۳/۳۸۷)۔

مولانا حبیب اللہ قاسمی

فتاوی خیریہ (از شیخ خیر الدین بن احمد علی رملی ۹۹۳-۱۰۸۱ھ) میں ایسی مسجد کے متعلق جو کسی وجہ سے ویران اور غیر آباد ہو جائے مفصل بحث کی گئی ہے، عبارت یہ ہے:

إن المسئلة فيها خلاف بين الائمة الأسلاف ، فقال أبو يوسفؒ : يبقىٰ مسجداً إلى قيام الساعة لايعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا .

الف۔ مقاصد وقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف ایسے اوقاف کو فروخت کر کے باجازت قاضی یا مجوزہ شرعی کمیٹی کی اجازت سے قائم کرنے کی گنجائش ہے۔

ب۔ ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان مقاصد وقف کو جاری رکھنے کے لئے حاصل کی جاسکتی ہے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

الف، ب۔ جو اوقاف ویران ہو چکے ہیں اور وہاں سے مسلمان منتقل ہو گئے ہیں یا جن پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے یا جہاں واقف کے مقاصد کی تحصیل تقریباً ناممکن ہو گئی ہے، ان اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد کا خیال رکھتے ہوئے مسلمانوں کی آبادی میں متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، نیز تفصیل مذکور کے مطابق اراضی کا اراضی سے تبادلہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

مفتی شکیل احمد سیتا پوری

الف، ب۔ وقف کے سلسلے میں مسئلہ معروف ہے کہ:

الوقف لايباع ولا يوهب ولا يورث (ہدایہ ۱/۶۱۷)۔

پنجاب وہریانہ ودہلی ومغربی (یوپی) کے بھی مسجد وغیر مسجد جملہ اوقاف کی نسبت اس پر ہی عمل مناسب ہے، اس وقت جب کہ صورت حال یہ ہے کہ مسلمان متولیوں اور ٹرسٹیوں کی طرف سے ان کا دیانتدارنہ انتظام بھی نہیں ہو پارہا ہے۔ ان میں خرد برد

عام اور مالی بد عنوانیاں اس کے نظام کا حصہ بن چکی ہیں، ان حالات میں ان کی فروخت اور منتقلی دوسرے لفظوں میں ان اوقاف کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مخصوص حالات میں یہ اوقاف مسائل سے گھرے ہوئے ہیں لیکن ان کی فروخت ان کے مسائل کا کسی طرح حل نہیں ہے۔ بحمد اللہ ان علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی ہونا شروع ہو گئی ہے، ضرورت اس کی ہے کہ پوری امت کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ میں ان کے لئے الگ متحرک (Cell) بنایا جائے اور مسلمانوں کی تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں اور قوموں کے پروگراموں کا یہ لازمی حصہ بنیں۔ خلاصہ یہ کہ فروخت اور منتقلی کے بجائے ملت اسلامیہ ہند یہ ان کی حفاظت پر کمربستہ ہو، اس عمل میں امکانی کچھ اوقاف کا ضائع ہو جانا اس کے مقابلہ میں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ عمومی خرید و فروخت کے ذریعہ بڑے پیانے پر ان کے ضیاع کا خطرہ مول لیا جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اوقاف کا مقصود مخلوق کو نفع رسائی ہے۔ وہ کسی کی مملوک نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ ملکیت سے حُر کی طرح سے آزاد ہوتے ہیں، اسی لئے اوقاف پر ملکیت کے آثار، بیع، ہبہ، وراثت وغیرہ جاری نہیں ہوتے، البتہ مقصود یعنی انتفاع کے ختم ہونے کی صورت میں دوبارہ اس کے نفع کو جاری کرنے کے لئے بیع واستبدال کی اجازت حضرات فقہاء شروط وقیود کے ساتھ دیتے ہیں، اور ان شروط و قیود کا اہم مقصد وقف کی ضیاع سے حفاظت ہے، لہذا حتی الامکان فقہاء کی ذکر کردہ شرائط کی پابندی واجب ہے۔ انہی شرائط میں سے ایک شرط منقولات سے عدم استبدال کی ہے، لہذا بقدر ممکن اس کی رعایت کرتے ہوئے روپیہ پیسہ سے وقف کو ہرگز نہ بدلا جائے، البتہ نفع کے بالکلیہ معدوم ہونے کی صورت میں وقف کو غیر منقولات زمین ومکان وغیرہ سے بدل کر اسی وقف کو دوبارہ جاری کرنے کی اجازت ہے۔ اور اگر اسی وقف کو کسی وجہ سے جاری کرنا ممکن نہ ہو تو نوع سابق کے قریبی اوقاف میں صرف کرنا جائز ہے دوسرے مصرف میں استعمال ناجائز ہے۔ بیع واستبدال کے سلسلے میں مسجد کے علاوہ بقیہ تمام اوقاف خواہ وہ اوقاف مسجد ہوں یا دوسرے اوقاف سب کا حکم ایک ہے۔

الظاهر ان حكم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر وأمثالها حكم الوقف على الفقراء (شامی ۶/ ۵۷۳)

الف۔ روپئے سے فروخت کرنے میں وقف کے ضیاع کا اندیشہ ہے اس لئے بقدر ممکن احتراز واجب ہے۔

ب۔ کی جاسکتی ہے۔ نفس مسجد کے علاوہ بقیہ تمام اوقاف کا حکم ایک ہے۔

مولانا مفتی محمد حنیف صاحب

منتقلی وقف کا حکم:

الف، ب۔ آبادی کے منتقل ہونے کی وجہ سے مقصد وقف فوت ہو چکا ہے، ایسی صورت میں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے، وہاں متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں علامہ ابن عابدین شامی کی یہ تحریر مشعل راہ کا درجہ رکھتی ہے:

لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شئ أصلا أو لايفى بموئنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه (ردالمحتار ۶/ ۵۸۴)۔

استبدال وقف اسی صورت میں جائز ہے جب کہ مکمل طور پر اس وقف سے انتفاع کی صورت ختم ہو چکی ہو، اس طور کہ اس وقف سے کوئی شئی حاصل ہی نہ ہو، یا اس کے اخراجات بھی پورے نہ ہوتے ہوں تو صحیح تر قول کے مطابق جب قاضی کی اجازت ہو اور اس میں مصلحت بھی ہو تو استبدال جائز ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جب مقصد وقف فوت ہو گیا تو استبدال وقف کی گنجائش ہے، اسی طرح اگر واقف نے استبدال کی شرط لگادی ہو تو بھی جائز ہے، جیسا کہ علامہ حصکفی کی عبارت سے ظاہر ہے:

أو شرط بيعه ويشترى بثمنه أرضا أخرى (الدر على الرد ۶/ ۵۸۳)۔

یا واقف نے بیع کی شرط لگادی ہو تو اس کے ثمن سے دوسری زمین خریدنا بھی جائز ہے۔ (در علی الرد ۶/ ۵۸۳)

البتہ تیسری صورت یعنی جب کہ فی الجملہ وقف سے نفع ہو رہا ہو تو ایسی حالت میں استبدال کو فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے، پس خلاصہ یہ ہے کہ جب واقف نے استبدال کی اجازت دی ہو یا وقف کا مقصد ہی فوت ہو چکا ہو تو دونوں صورتوں میں متبادل وقف قائم کرنے کی اجازت ہوگی، ہاں صرف زیادتی منفعت کے لئے استبدال وقف کی اجازت نہ ہوگی۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

الف۔ ایسی صورت میں ایسے اوقاف کو باستثناء مسجد فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے، جو اسی جنس کا ہو۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

قوله وجاز شرط الاستبدال به اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه، الأول: أن يشرطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا، والثانى: أن لايشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شئ أصلا أو لايفى بموئنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه، والثالث: أن لايشرطه أيضا ولكن فيه نفع فى الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لايجوز استبداله على الأصح المختار كذا حرره العلامة قنالى زاده فى رسالته الموضوعة فى الاستبدال الخ (شامی ۶/ ۵۸۳)

صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

نقل عن الشيخ الامام الحلوانى فى المسجد والحوض إذا خرب ولايحتاج إليه لتفرق الناس عنه انه تصرف أوقافه إلى مسجد آخر او حوض آخر (۵/ ۲۵۲)۔

شروط الاستبدال: إذا كان الوقف عقارا غير مسجد فالمعتمد أنه يجوز للقاضی الاستبدال به للضرورة بلا شرط الواقف بشروط ستة:

ا۔ أن يخرج الموقوف على الانتفاع به بالكلية ای يصبح عديم المنفعة.

۲۔ ألا يكون هناك ريع للوقف يعمر به.

۳۔ ألا يكون البيع بغبن فاحش.

۴۔ أن يكون المستبدل قاضی الجنة، وهو ذو العلم والعمل لئلا يؤدی الاستبدال إلى إبطال أوقاف المسلمين كما هو الغالب فی الزمن الاخير.

۵۔ أن يستبدل به عقار لا دراهم و دنانير لئلا يأكلها النظار ولأنه قل أن يشتری بها الناظر بدلا وجاز بعضهم الاستبدال به نقودا مادام المستبدل قاضی الجنة.

۶۔ أن لا يبيعه القاضی لمن لا تقبل شهادته له ولا لمن له عليه دين خشية التهمة و المحاباة فإذا لم تتوافر هذه الشروط كان بيع الوقف باطلا لا فاسدا وإذا صح بيع الحاكم بطل وقفيته ما باعه ويبقى الباقی على ما كان (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۸/۲۲۱،۲۲۲)

مذکورہ بالا شروط کو ملحوظ رکھتے ہوئے فروخت کرنے کی اجازت ہے اور متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ جواب نمبر اول میں ذکر کردہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کیا جاسکتا ہے۔

وفی القنية مبادلة دارالوقف بدار أخرى إنما يجوز إذا كانتا فی محلة واحدة أو محلة أخرى خيرا، ان أرض الوقف لوقل ريعها فللقيم أن يبيعها و يشتری بثمنها أرضا أخرى ريعها أكثر نفعا للفقراء فجوز استبدال الأرض بالأرض. (بزازیہ بامش علی ہندیہ ۶/۲۵۴)

اور مسجد میں کسی طرح تبدیلی جائز نہیں ہے۔

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الامام والثانی أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى حاوی القدسی (شامی ۶/۵۴۸)

مولانا شیر علی صاحب

الف، ب۔ خلاصہ اس سوال کا یہ ہے کہ جو اوقاف ویران اور معطل ہو چکے ہوں، وہاں سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو چکی ہو، اوقاف سے نفع اور انتفاع کی کوئی صورت باقی نہ ہو تو ایسی صورت میں ان اوقاف کو کیا کیا جائے۔ یونہی معطل بیکار چھوڑ دیا جائے جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ اوقاف غیروں کی ملکیت اور استعمال میں آجائے گا، یا اس کے بدل واستبدال کی شرعی گنجائش ہوگی۔

جی ہاں ایسے اوقاف کا متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، اگر اسکے بقا اور انتفاع کی کوئی شکل نہ ہو تو اس کو فروخت کرکے دوسرا متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔ قریب قریب تمام فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ علامہ حصکفی در مختار میں لکھتے ہیں:

وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض (۳۵۲/۴)

اسعاف اور قاضی خاں کے حوالہ سے ہے:

رباط بعيد استغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السيد الإمام أبو الشجاع تصرف غلته إلى الرباط الثاني (ص۳۵۹)۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ہے:

حوض و بئر و رباط ودابة و سيف...فقد ذكر التتارخانية وغيرها جواز نقلها (صفحہ ۳۶۰)

اسی طرح ابن ہمام کی فتح القدیر میں بھی جائز لکھا ہے:

إذا ضعفت الارض عن الاستغلال و يجد القيم بثمنها اخرى مما أكثر ريعا كان له أن يبيعها و يشترى بثمنها ما هو أكثر ريعا (صفحہ ۲۲۱)۔

اسی طرح ابن ہمام نے ظہیریہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

سئل الحلوانى عن اوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذرت استغلالها هل للمتولى بيعها و يشترى بثمنها أخرى قال نعم.

اسی طرح ابن ہمام نے ہشام کے واسطے سے امام محمد کی روایت نقل کی ہے:

وروى ابن هشام عن محمد أنه قال إذا صار الوقف بحيث لاينتفع به المساكين فللقاضى أن يبيعه ويشترى بثمنه غيره (صفحہ ۲۳۷)

اور جن لوگوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ واقف یا اس کے وارث کی جانب لوٹ آئے گا، اس قول کی تردید اور اسے غیر مفتی بہ قرار دیتے ہیں:

وعلى هذا لايفتى على قوله برجوعه إلى ملك الواقف و ورثته بمجرد تعطله و خرابه (صفحہ ۲۳۷) وهكذا فى الشامى (۳۷۹/۴).

لہذا نہ واقف، نہ واقف کے وارثوں کی جانب لوٹایا جائے گا بلکہ اس کا متبادل وقف قائم کیا جائے گا۔

اسی طرح قاضی خان کے حوالے سے ابن ہمام لکھتے ہیں:

وقف على مسكين خرب ولاينتفع به ولايستاجر أصله يبطل الوقف ويجوز بيعه (صفحہ ۲۳۷)

اسی طرح ابن نجیم کی بحر الرائق میں ہے:

الوقف إذا صار بحيث لاينتفع به المساكين فللقاضی أن يبيعه ويشتری بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضی (۲۲۳/۵۔ ۲۲۴)

اسی طرح منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

سئل عن أوقاف المسجد إذا تعطلت هل للمتولی أن يبيعها و يشتری مكانها أخری قال نعم (۲۲۳/۵، ۲۲۴/۵)۔

قاضی کی طرح متولی بھی معطل اوقاف کو فروخت کرکے اس کے بدلے دوسرے اوقاف کو خرید سکتا ہے۔ ابن نجیم نے بحر الرائق میں شمس الائمہ حلوانی کے قول کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر استغلالها هل للمتولی أن يبيعها ويشتری مكانا آخر قال نعم (۲۲۳/۵)

اسی طرح مجمع الانہر میں ہے:

حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنه فللقاضی أن يصرف أوقافه إلی مسجد أو حوض آخر (۷۴۹/۱)۔

اسی طرح ہندیہ میں ہے:

وقف صحيح علی أقوام مسمين خرب ولا ينتفع به وهو بعيد من القرية لا يرغب أحد فی عمارته ولا يستأجر أصله يبطل الوقف ويجوز بيعه (صفحہ ۴۸۰)

اسی طرح قاضی خاں میں ہے:

فإذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها أرضا أخری هی أنفع للفقراء وأكثر ريعا كان له أن يبيع هذه الأرض ويشتری بثمنها أرضا أخری (۳۰۰/۳ بر حاشیہ ہندیہ)

حاصل کلام:

فقہاء کی ان تمام عبارتوں سے معلوم ہوا کہ وہ اوقاف جو معطل اور ویران ہو جائے اس کا متبادل وقف اسے فروخت کرکے قائم کیا جاسکتا ہے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ اسے فروخت کرکے اسی جیسا وقف اختیار کیا جائے گا، اگر مسجد پر وقف تھا تو اس رقم سے خرید کر زمین یا مکان وغیرہ مسجد پر وقف کردیا جائے گا، اگر سرائے خانہ یا حوض تھا تو اسی طرح سرائے خانہ یا حوض بنوادیا جائے گا، اور قریبی مسجد پر اس کی آمدنی استعمال ہوگی۔ كذا فی الشامی.

وفی شرح المنتقی يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (صفحہ ۳۵۹) یعنی دونوں کی جہت ایک ہوگی۔

معطل و ویران اوقاف کو لقطہ میں داخل کرنا:

فقہاء کے کلام میں اس کی بھی اجازت ملتی ہے کہ ایسے اوقاف کو لقطہ میں داخل کردیا جائے۔ چنانچہ ابن نجیم کی بحر الرائق میں ہے:

حوض محلة خرب وصار بحال لا يمكن عمارته فهو للواقف ولورثته فإن كان واقفه وورثته لا تعرف فهو لقطة وزاد في فتاوى الخلاصة إذا كان كاللقطة يتصدقون به على فقير ثم يبيعه الفقير ثم ينتفع بثمنه(د، ۲۲۴)۔

ابن ہمام ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

حوض محلة خرب وصار بحيث لا تمكن عمارته فهو للواقف ولورثته فإن كان واقفه وورثته لا تعرف فهو لقطة كذا في الخلاصه . إذا كان كاللقطة يتصدقون به على فقير ثم يبيعه الفقير فينتفع بثمنه(ص ۲۲۱)

خیال رہے کہ وقف کا ملک واقف کی جانب لوٹنا قول غیر مفتی بہ ہے:

وقال صدر الشهيد...لأن الوقف بعد ما خرج إلى الله تعالى لا يعود إلى ملك الواقف (فتح/۲۲۱)

اسی طرح علامہ شامی نے رجوع الی الوارث کو ضعیف اور نا قابل فتوی قرار دیا ہے:

وأما عود الوقف بعد خرابه إلى ملك الواقف أو ورثته فقد قدمنا ضعفه(۳۷۹/۴)۔

لقطہ اوراس کا مصرف:

ماقبل سے یہ معلوم ہوا کہ اوقاف معطلہ اور ویران کو فقہاء کرام کے ایک قول میں لقطہ مانا گیا ہے۔ اور لقطہ کا مصرف جہاں یہ ہے کہ فقراء پر تصدق ہو، وہاں علامہ "حصکفی" نے لقطہ کا مصرف بیت المال بھی بتایا ہے، یعنی لقطہ کا مال جس کا مالک نہ مل رہا ہو اسے بیت المال میں داخل کردیا جائے۔ اور بیت المال کا مصرف عام نوائب المسلمین ہے جس میں رفاہی کام بھی داخل ہے۔

كذا في الدر المختار : فهو مصرف جزية و خراج و مصرف زكوة و عشر مر في الزكاة و مصرف خمس ركاز مر في البر وبقي رابع وهو لقطة . وتركة بلا وارث(۲۱۹/۴)۔

الانتباہ: خیال رہے کہ ویران و معطل اور نا قابل انتفاع و استغلال اوقاف کے استبدال کی اجازت مطلقاً کھلے عام ہر ایک کو ہر وقت اجازت نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے فقہاء نے شرطیں ذکر کی ہیں جو متعدد مقام پر موضوع کے ذیل میں مذکور ہیں، جن میں لابدی شرطیں یہ ہیں:

۱۔ غبن فاحش کے ساتھ انتہائی کم قیمت میں فروخت نہ کیا جارہا ہو۔

۲۔ اس کے بدلہ زمین ہی خریدی جائے، روپیہ پیسہ کی شکل میں یا غیر منقولہ شکل میں اسے نہ منتقل کیا جائے، کہ یہ قریب الہلاکت ہوتے ہیں اور جو ابقاء وقف اور انفع للوقف کے خلاف ہے۔

۳۔ ایسا متولی یا قاضی فروخت کرسکتا ہے جو نہایت صالح اور امانت دار ہو، جسکی تشریح فقہاء قاضی الجنۃ سے کرتے ہیں۔

علامہ زحیلی نے بھی ان شرطوں کو ذکر کیا ہے(الفقہ الاسلامی ۸/ ۲۲۲)۔

لہذا ان اوقاف کا استبدال نہایت احتیاط سے شروط مذکورہ کی رعایت کرتے ہوئے کیا جائے گا۔

مساجد اور دوسرے اوقاف میں فرق:

مفتی بہ اور محقق قول کے اعتبار سے مسجد کو منتقل یا فروخت یا اس کا متبادل دوسری مسجد میں نہیں کیا جاسکتا ہے۔

در مختار میں ہے:

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثانى أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتي.

علامہ شامی اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لوخرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه فلايعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر.

حتی کہ لوگ نماز چھوڑ چکے ہوں۔ آبادی ختم ہونے کی وجہ سے یا اور کسی غلط اقدام مثلاً دوسروں کا غاصبانہ قبضہ ہو جانے کی وجہ سے، تب بھی اس کی مسجدیت باقی رہے گی۔

چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں: سواء كانوا يصلون فيه أولا۔ اور اسی پر فتوی بھی ہے۔ وهو الفتوى . وأكثر المشائخ عليه وهو الأوجه (۳۵۸/۴)۔

نہ مسجد کی مسجدیت منتقل ہو سکتی ہے نہ مسجد کی تعمیر۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

انه لايجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر كما مر عن الحاوى (۳۵۹/۴)

شیخ سراج الدین نے بھی یہی فتوی دیا ہے۔

اسی طرح بزازیہ میں ہے: خربت القرية والمسجد ولا يصلى فيه أحد عند الثانى هو مسجد أبداً لأن كونه مسجدا لايتوقف فى الابتداء على الصلوة عنده فكذا فى البقاء (۲۷۰/۶)

اسی طرح ہندیہ میں ہے: والفتوى على قول أبى يوسفؒ انه لا يعود إلى ملك مالك أبدا، كذا فى المضمرات (۴۵۸/۲) وإذا خرب المسجد واستغنى أهله وصار بحيث لا يصلى فيه ..قيل هو مسجد أبدا وهو الأصح كذا فى خزانة (۴۵۸/۲)

اسی طرح فتح القدیر میں ہے: يبقى مسجداً على حاله عند أبى يوسف وهو قول أبى حنيفة ومالك والشافعى.

فقہاء کرام کی ان تمام عبارتوں سے یہ بات بالکل منقح اور واضح ہو گئی کہ دیگر اوقاف اور مساجد میں فرق ہے۔ جب ایک مرتبہ مسجد مسجد بن جائے گی، شرعی مسجد ہو جائے گی تو پھر اب خواہ مدتوں ویران و معطل ہو جائے یا نماز متروک ہو جائے، در و دیوار منہدم ہو جائے، اسکی مسجدیت باقی رہے گی، مفتی بہ قول کے اعتبار سے مسجد ہی رہے گی۔ حتی کہ کفر و شرک کا غلبہ ہو جائے، اس میں بت رکھ دئے جائیں، نماز، ذکر، عبادت الٰہی متروک ہو جائے، شرعی مسجد کی حیثیت باقی رہے گی۔ کیا کعبہ پر ایک طویل زمانے تک مشرکین کا قبضہ نہیں رہا، بت نہیں رکھے گئے، پھر بھی مسجد رہی کہ جب اسلام کا اقتدار ہوا بت ہٹا کر اس کی مسجدیت باقی رکھی گئی۔

كذا فى فتح القدير: واستدل أبو يوسف وجمهور العلماء بالكعبة فإن الإجماع على عدم خروج موضعها عن المسجدية والقربة (۲۳۷/۶)۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

الف،ب۔ یہ بندے کے نزدیک جائز ہے۔

مولانا ایوب ندوی

یہاں یہ بات بتانے کی قطعا ضرورت نہیں ہے کہ تقسیم ملک کے بعد ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کی آبادی کے پاکستان کی طرف منتقل ہو جانے کے سبب تقریبا بہت سے اوقاف ویران ہو چکے ہیں، اور اگر کسی بستی میں کچھ اوقاف پائے بھی جاتے ہیں تو وہاں دور دراز تک مسلمانوں کی آبادی کے نہ ہونے کے سبب ان اوقاف کی اراضی کو آباد رکھنا یا واقف کے منشا اور اس کے اغراض ومقاصد کے تحت ان اراضی کی پیداوار کو استعمال کرنا، ایک حد تک ناممکن سا ہو گیا ہے، بلکہ دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ اس قسم کے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے۔

اوقاف کی خرید و فروخت اور اس میں تبدیلی کا شرعی حکم:

اب ایسی صورت میں اوقاف کے تحفظ کی خاطر سب سے پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا ایسے قریب الہلاک اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے اغراض ومقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی پائی جاتی ہو، اس کا متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کے کلام کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے وہ اوقاف جو مسلمانوں کی آبادی کے منتقل ہو جانے سے بالکل ویران ہو چکے ہیں، اور وہاں پر مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور انہیں واقف کی منشا کے مطابق بروئے کار لانا ممکن نہیں رہ گیا ہے، تو اگر یہ اوقاف مساجد ومقابر موقوفہ کے علاوہ ہیں، تو انہیں چند شرائط کے ساتھ فروخت کر کے واقف کے مقاصد کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے ان کے متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، اب وہ شرائط کیا ہیں اور استبدال کی کتنی صورتیں جائز ہیں، تو اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم مصری نے الاشباہ والنظائر میں اور علامہ شامی نے ردالمحتار میں شرح وبسط کے ساتھ کلام کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ استبدال کی پانچ صورتیں ہیں:

۱۔ اگر واقف نے وقف کے دوران ہی اپنے لئے یا کسی دوسرے شخص کے لئے استبدال کی شرط رکھی ہو تو صحیح قول کے مطابق بلاشبہ استبدال جائز ہے، شامی میں ہے:

اعلم أن الاستبدال على ثلاثة أوجه: الأول أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه و غيره، فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا... الخ (ردالمحتار ۳/۴۲۴) وفي الهندية إذا شرط في أصل الوقف أن يستبدل به أرضا أخرى إذا شاء ذلك فتكون وقفا مكانها فالوقف والشرط جائز عند أبي يوسفؒ وكذا لوشرط أن يبيعها ويستبدل بثمنها مكانها، وفي واقعات القاضي الإمام فخر الدين قول هلالؒ مع أبي يوسفؒ وعليه الفتوى، كذا في الخلاصة (فتاوی عالمگیری ۲/۳۹۹) وفي البزازية وإن قال الواقف وقفت على أن اشترى بثمنها أرضا أخرى إن احتاج إلى ذلك صح استحسانا لأن الأولى وإن تعينت للوقف قيمتها يقوم مقامها في الحكم (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۵۶)۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ استبدال کی تو شرط نہ لگائی ہو، لیکن وہ وقف بالکل ویران ہو کر رہ گیا ہو، اور اس سے منتفع ہونے کی امید نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی اصح قول کے مطابق استبدال جائز ہے، شامی میں ہے:

والثاني أن لايشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شئ أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الاصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه (رد المحتار ۳/ ۴۲۴) وفي البزازية شرط في أصل الوقف لايستبدل أو البيع و شراء أرض أخرى بثمنها صح الشرط والوقف عند الثاني و عند محمد و هلال الوقف جائز و الشرط باطل.... وعليه الفتوى لأن الوقف يحتمل للانتقال من أرض إلى أرض. و ذكر القاضي قول هلال مع الثاني (بزازیہ علی الہندیہ ۶/ ۲۵۶)۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نہ واقف نے استبدال کی کوئی شرط لگائی اور نہ ہی وقف ویران ہوا ہے، بلکہ اس کو باقی رکھتے ہوئے کچھ نہ کچھ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، تو اس صورت میں اصح اور مختار قول یہ ہے کہ استبدال جائز نہیں ہے۔

قال ابن عابدين في رد المحتار: والثالث أن لايشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة و بدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار كذا حرره العلامة قنالي زادة في رسالته الموضوعة في الاستبدال وأطنب فيها عليه الاستبدال وهو ماخوذ من الفتح أيضا كما سنذكره عند قول الشارح لايجوز استبدال العامر (رد المحتار ۳/ ۴۲۴)۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ اشیاء موقوفہ کو غاصب نے قبضہ کر کے اس میں ایسا تصرف کر دیا ہے کہ وہ اراضی ناقابل کاشت ہوگئی، اور اب وہ قیمت دینے پر رضامند ہے، یا غاصب نے اس زمین کے وقف ہونے کا انکار کر دیا اور اس پر متولی کے پاس کوئی بینہ نہیں ہے، لیکن غاصب قیمت دینا چاہتا ہے، تو ان صورتوں میں بھی متولی کے لئے جائز ہے کہ قیمت لے کر ان اراضی موقوفہ کے بدلے دوسری جگہ زمین خرید لے۔

في رد المحتار نقلا عن الاشباه الثانية إذا غصب غاصب وأجرى عليه الماء حتى صار بحرًا فيضمن القيمة و يشتري المتولي بها أرضا بدلا، الثالثة أن يجحده الغاصب ولا بينة اى و أراد دفع القيمة فللمتولي أخذها ويشتري بها بدلا (رد المحتار ۳/ ۴۲۶، الاشباہ والنظائر ۱۰۳۔ کتاب الوقف) وفي هامش الاشباه قوله يجحده الغاصب اى فيصالحه الناظر على مال صلحا عن انكار (ہامش الاشباہ ۳۰۱) وقال في الخانية فإن أرض الوقف إذا غصبها غاصب وأجرى الماء عليها حتى صار بحرًا لا يصلح للزراعة يضمن قيمتها ويشتري بقيمتها أرضا أخرى فتكون الثانية وقفاً على وجه الأولى (خانیہ علی الہندیہ ۳/ ۳۰۶) وفي البزازية غصب أرض الوقف غاصب وأجرى عليها الماء حتى صار بحرًا يضمن قيمتها ويشتري بالقيمة أرض أخرى ويكون وقفاً مكانها (بزازیہ علی الہندیہ ۶/ ۲۵۶)۔

۵۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ اراضی موقوفہ کو کوئی شخص لینے کا خواہش مند ہے، اور وہ اس کے بدلہ میں اس سے بہتر اور زیادہ پیداوار والی زمین دینا چاہتا ہے، تو حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں استبدال جائز ہے، اور حضرات فقہاء نے اس قول کو مفتی بہ بھی کہا ہے۔

وفي الاشباه الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن وصفاً فيجوز على قول أبي يوسف و عليه الفتوى كما في فتاوى قارى الهداية (الاشباہ ر ۱۰۳، ردالمحتار ۳ر۴۲۶)۔

مندرجہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء نے لوگوں کے بدلتے ہوئے حالات کو پیش نظر رکھ کر چند صورتوں میں استبدال کو جائز اور بعض جگہ استبدال کو ناجائز قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی جس قول کے جواز و عدم جواز کا قول کہا ہے اس کے مفتی بہ ہونے کی تصریح بھی فرمادی ہے، علامہ ابن الہمام نے بھی مختصراً استبدال کے جواز وغیرہ پر کلام کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطه فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لايختلف فيه وإن كان لا لذلك بل اتفق انه أمكن أن يوخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لايجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة ولأنه لا موجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا (اى الثالث) إذ لاتجب الزيادة بل تبقيه كما كان الخ (فتح القدیر بحوالہ ردالمحتار ۳ر۴۲۷) قال ابن عابدين أقول ما قاله هذا المحقق هو الحق والصواب (ردالمحتار ۳ر۴۲۷) قال الراقم في الرابع والخامس أيضا الضرورة، فافهم.

لیکن صاحب شرح وقایہ نے کتاب الوقف میں استبدال کے سلسلہ میں حضرات صاحبین کا اختلاف درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

ونحن لا نفتي به فقد شاهدنا في الاستبدال من الفساد ما لايعد و لايحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة إلى إبطال أكثر أوقاف المسلمين وفعلو ما فعلوا .. الخ (شرح وقایہ ۲ر۳۵۳، ومثلہ فی ردالمحتار ۳ر۴۲۶)

مندرجہ سطور میں صدر الشریعۃ علیہ الرحمہ نے استبدال کی صورت میں جن مفسدات کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان مفسدات کی پیش بندی کے لئے حضرات فقہاء نے آٹھ شرطوں کے ساتھ استبدال کو مشروط کہا ہے جو حسب ذیل ہیں:

شرائط استبدال:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وقف ویران ہو گیا ہو، اور اس کی آمدنی اور اس کا نفع بالکل ختم ہو گیا ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اس جگہ وقف کی کوئی دوسری بلند جگہ نہ ہو کہ جہاں دوسری تعمیر ہو سکے۔

(۳) وقف کی بیع اور اس کا استبدال غبن فاحش (بہت زیادہ گھاٹے) کے ساتھ نہ ہو۔

(۴) بدلنے والا قاضی علم و عمل دونوں کا جامع ہو، اور وہ استبدال ہی میں وقف کے لئے مصلحت سمجھتا ہو۔

(۵) اراضی موقوفہ کا تبادلہ دوسری اراضی ہی سے ہو، روپے پیسے، دراہم و دنانیر سے نہ ہو، اس لئے کہ اس صورت میں خطرہ ہے کہ کہیں بدلنے والے لوگ استبدال سے پہلے ہی وقف کے روپے کو ہضم نہ کر جائیں۔

(۶) وقف کے تبادلہ کا معاملہ مقبول الشہادت شخص ہی سے کیا جائے، ایسے شخص سے نہ کیا جائے جس کی شرعاً شہادت قبول

نہیں ہوتی ہے، لہذا اگر کوئی شخص چھوٹے بچے وغیرہ سے اوقاف کا تبادلہ کرے تو یہ جائز نہیں ہے، نیز وقف کے تبادلہ کا معاملہ ایسے شخص سے نہ کیا جائے جس کا دَین بدلنے والے پر باقی ہو، کیونکہ خطرہ ہے کہ بدلنے والا کہیں وقف کو دَین کے عوض فروخت نہ کردے، یا دوسرے لفظوں میں ممکن ہے کہ دائن اپنے دَین کے عوض وقف کی اراضی کو رکھ لے اور بدلنے والے مدیون سے کہدے کہ میرے دَین کے عوض تم ہی وقف کا ثمن ادا کردو، نیز حضرت امام ابو یوسفؒ نے جب وقف کی بیع سامان کے عوض کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، تو پھر وہ کیونکر دَین کے عوض وقف کے فروخت کرنے کا فتویٰ دیں گے۔

(۷) ایک وقف مکان کا دوسرے مکان سے تبادلہ کرنے کے لئے صاحب قنیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ ایک ہی محلہ کے اندر ہو، کیونکہ اگر وقف مکان کا تبادلہ دوسرے محلّے کے مکان سے کیا جائے تو اگر چہ ممکن ہے کہ اس کی قیمت زیادہ ہو، لیکن دوسرے محلہ میں واقع ہونے کی وجہ سے احتمال ہے کہ لوگوں کی رغبت اس سے کم ہو جائے، البتہ اگر دوسرا محلہ پہلے محلّہ سے بہتر ہو، اور وہاں کے باشندے نیک ہوں، نیز تبادلہ کی وجہ سے آمدنی میں اضافہ ہو جانے کی توقع ہو تو اس صورت میں پہلے محلّہ میں واقع وقف مکان کو دوسرے محلّہ کے مکان سے بدل سکتے ہیں، ورنہ تبادلہ جائز نہیں۔

(۸) علامہ قنالی زادہ نے اپنے رسالہ میں استبدال کے جواز کے لئے آٹھویں شرط یہ ذکر کی ہے کہ بدل اور مبدل منہ ایک ہی جنس سے ہو، کیونکہ فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ اگر خود واقف نے اپنے لئے وقف گھر کو کسی دوسرے گھر سے استبدال کی شرط لگائی ہو تو خود اس کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس وقت گھر کا تبادلہ گھر کے بجائے کسی زمین سے کردے، یا اس کے برعکس معاملہ کرے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بظاہر اس شرط کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ تبادلہ کی جس صورت میں خرچہ کم ہو اور آمدنی زیادہ آئے تو یہ تو اچھی بات ہے (مستفاد از ردالمحتار ۳/۴۲۵)

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرات فقہاء نے جس طرح بعض صورتوں میں واقف کو استبدال کی اجازت دی ہے، اسی طرح قاضی کو بھی دی ہے، لیکن صاحب فتاویٰ خانیہ کا کلام قاضی کے سلسلہ میں مختلف ہے، ایک جگہ انہوں نے بغیر واقف کی شرط کے مطلقاً قاضی کو استبدال کی اجازت دی ہے، اور کہا ہے کہ جہاں وہ مصلحت دیکھے وقف کا استبدال کرے، لیکن دوسری جگہ مطلقاً منع کیا ہے، اگر چہ وقف ویران ہی کیوں نہ ہو جائے، لیکن مفتی بہ قول یہ ہے کہ بغیر کسی شرط کے قاضی کے لئے استبدال کی شرعاً اجازت ہے، البتہ قاضی پر لازم ہوگا کہ وہ مندرجہ بالا شرائط کا لحاظ کر کے واقف وقف کا استبدال کرے، البتہ فقہ کی مشہور کتاب اسعاف سے نقل کرتے ہوئے فتاویٰ عالمگیری، اور ردالمحتار میں لکھا ہے کہ قاضی علم و عمل کا پیکر ہو، تاکہ ظالم قاضیوں کی طرف سے اوقاف مسلمین کے ابطال کا جو خطرہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے حوالہ سے بیان کیا گیا وہ سامنے نہ آئے۔

قال العلامة عبد الحی فی عمدة الرعاية الاستبدال بدون الشرط لایمکنه إلا للقاضی الغیر الجائر بشروط أحدها أن یخرج الموقوف عن الانتفاع بالکلیة الخ (عمدۃ الرعایہ بر حاشیہ شرح وقایہ ۲/۳۵۳)۔

یہاں یہ بات مدنظر رہے کہ مساجد و مقابر موقوفہ کا تبادلہ اگر چہ وہ ویران ہی کیوں نہ ہو جائیں، شرعاً جائز نہیں ہے۔

قال فی الهداية ومن اتخذ أرضه مسجداً لم یکن له أن یرجع فیه ولا یبیعه ولا یورث عنه (ہدایہ ۲/۶۳۵) **وفی**

الهندية نقلا عن فتاوى الحجة لو صار أحد المسجدين قديما و تداعى إلى الخراب فأراد أهل السكة بيع القديم و صرفه فى الجديد فإنه لايجوز اما على قول أبى يوسفؒ فلأن المسجد وإن خرب واستغنى عنه أهله لايعود إلى ملك البانى (الى قوله) والفتوى على قول أبى يوسف..... كذا فى المضمرات(ہندیہ ۴۵۸/۲) سئل القاضى الإمام شمس الائمة محمود الاوزجندى عن مسجد لم يبق له قوم و خرب ما حوله واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة قال لا وسئل هو أيضا عن المقبرة فى القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها و استغلالها قال لا ولها حكم المقبرة، كذا فى المحيط(فتاوی عالمگیری ۴۷۰/۲-۴۷۱) قال فى هامش الهندية ، قوله لا، هذا لاينافى ما قاله الزيلعى فى باب الجنائز من أن الميت إذا بلى وصار تراباً جاز زرعه، والبناء عليه، لأن المانع هنا كون المحل موقوفا على الدفن فلا يجوز استعماله فى غيره، فليتأمل وليحرر (حاشیہ عالمگیری ۴۷۱/۲)۔

مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں سوال میں پوچھے گئے اجزاء کے جوابات حسب ذیل ہیں:

الف۔ ویران اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے، تبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے(مستفاد از فتاوی عبدالحی ۲۶۷)

وفى البزازية وعن محمدؒ ضعفت الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنه أرضا أخرى أكثر ريعا منه له البيع و شراء ما هو أكثر منه ريعا(بزازیہ علی الہندیہ ۲۷۱/۶) وفى الخانية روى عن محمدؒ....قال إذا ضعفت الأرض الموقوفة على الاستغلال والقيم يجد بثمنها أرضا أخرى هى أنفع للفقراء وأكثر ريعا كان له أن يبيع هذه الأرض ويشترى بثمنها أرضا أخرى جوّز رحمه الله تعالى استبدال الأرض بالأرض (فتاوی خانیہ علی ہامش الہندیہ ۳۰۰/۳)

ب۔ ویران اوقاف کو حکومت کے بجائے کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری رکھنے کی شکل شرعاً اختیار کی جاسکتی ہے۔

قال فى رد المحتار فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع و يحصل عنها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن لأن الأرض أدوم وأبقى وأغنى عن كافة الترميم والتعمير... الخ(ردالمحتار ۴۲۵/۳)۔

فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد ومقابر کا تبادلہ کسی حال میں جائز نہیں، البتہ دیگر ویران اوقاف کا تبادلہ شرعاً شرائط استبدال کو ملحوظ رکھ کر کیا جاسکتا ہے(والتفصيل كما مر) نیز مسجد، مدرسہ، حوض وغیرہ کے اوقاف کا حکم عام اوقاف کا ہے کہ ان کا تبادلہ شرائط استبدال کے ساتھ جائز ہے۔

مولانا ابو بکر قاسمی

الف، ب۔ جس جگہ مساجد قائم ہیں پھران کی عمارت رہے یانہ رہے، اس میں نماز پڑھی جاتی ہویانہ پڑھی جاتی ہو، اس کے پاس سے

مسلمانوں کی آبادی بالکل ختم ہو جائے یا باقی رہے وہ جگہ جمہور کے راجح مذہب کے موافق قیامت تک مسجد کے حکم میں رہے گی، اس کے کسی حصہ کو بیچنا، کرایہ پر دینا، رہن رکھنا یا اس کے ورثاء کو دینا جائز نہیں، لہذا جن علاقوں میں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہیں اور وہاں کی مساجد پر غیر مسلموں یا حکومت کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہو، ایسی مساجد کو حتی الامکان (قبضہ چھڑوا کر) اپنی حالت پر برقرار رکھنے اور محفوظ کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے، اور ان کے سامان کے چوری ہو جانے کا خطرہ ہو تو یا عمارت توڑ دیے جانے کا یقین ہو تو اسے توڑ کر دوسری ضرورت مند قریب کی مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اور ان کی اصل جگہوں کو محفوظ کر لی جائے کہ بے حرمتی نہ ہو۔

حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس جگہ مسجد قائم ہے اور جس رقبہ کو مسجد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، اس کی عمارت قائم رہے یا نہ رہے، اس میں کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے، اس جگہ بستی آباد رہے یا ویران ہو جائے ہر حال میں وہ جگہ علی الدوام تا قیامت مسجد ہی رہے گی، دوسری زمینوں کی طرح فنا نہ ہوگی بلکہ جنت میں پہنچا دی جائے گی، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "قد ذهب الأرضون كلها يوم القيامة إلا المساجد فإنها ينضم بعضها إلى بعض" یعنی قیامت کے روز ساری زمینیں فنا ہو جائیں گی، سوائے مساجد کے کہ وہ آپس میں مل جائیں گی (جامع صغیر سیوطی ۱/۱۰۹)

اس لئے فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الامام والثانى أبداً إلى قيام الساعة (وبه يفتى) (در مختار)۔

یعنی اگر اطراف مسجد منہدم اور ویران ہو جائے اور مسجد کی کوئی حاجت باقی نہ رہے تب بھی امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ جگہ ہمیشہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی اور اسی پر فتوی ہے۔

شامی میں ہے:

فلايعود ميراثاً ولايجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وهو الفتوى (ايضاً فيه) ولو خرب المسجد و ما حوله و تفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبى يوسف ، فيباع نقضه بإذن القاضى و يصرف ثمنه إلى بعض المساجد الخ (ايضاً فيه) قال فى البحر و به علم أن الفتوى على قول محمد في آلات المسجد و على قول أبي يوسف فى تابيد المسجد...الخ. و المراد بآلات المسجد نحو القنديل و الحصير بخلاف أنقاضه لما قدمناه عنه قريباً من أن الفتوى على أن المسجد لايعود ميراثا و لايجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر (۳/ ۵۱۳)۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ جن مقامات کو مسلمان مساجد کی طرح وقف کر کے شرعی مسجد بنا لیتے ہیں، جمہور فقہاء (امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف وغیرہ) کے نزدیک اس قسم کی جگہوں کا حکم یہ ہے کہ وہ مکان اب قیامت تک کے لئے مسجد بن گیا، اس کو کسی صورت میں بھی بیچنا جائز نہیں... چنانچہ مسلکِ شافعی کے امام خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں: ولو انهدم مسجد و تعذرت إعادته أو تعطل بخراب البلد مثلا لم يعد ملكا ولم يبع بحال.... (مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۲) اور فقہاء مالکیہ میں سے علامہ مواقؒ تحریر فرماتے ہیں: "وفى الطرر عن ابن عبدالغفور لايجوز بيع مواضع المساجد

الخربة لأنها وقف ولا بأس ببيع نقضها" طرر میں ابن عبدالغفور سے یہ عبارت منقول ہے کہ ویران مساجد کی جگہوں کو بیچنا وقف ہونے کی بنا پر جائز نہیں، البتہ ان کا ملبہ بیچنا جائز ہے (التاج الاکلیل للمواق حاشیہ حطاب ۴۲/۶) (فقہی مقالات اول ص ۲۴۰ تا ۲۴۵)۔

مسجد کے علاوہ دوسرے اوقاف (مدارس، خانقاہیں، قبرستان یا ان پر اور مسجد پر وقف اراضی و مکانات) کو بھی جہاں تک ممکن ہو قانونی طور سے ان کی حفاظت کی کوشش کی جائے، اور اگر ان کی حفاظت کی کوئی صورت نہ ہو اور دوسروں کے غلط قبضہ کا یقین ہو تو ان اوقاف کا زمین یا قیمت لے کر یا دونوں لے کر تبادلہ کرنے کی گنجائش ہے۔

مولانا عبد القیوم پالنپوری

واقفین کا مقصد وقف سے یہی ہوتا ہے کہ خلق خدا جائداد موقوفہ سے فائدہ اٹھائے، لوگوں کی اجتماعی ضرورتوں کی تکمیل ہو جس کے نتیجہ میں خدائے عزوجل ہماری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرمائے، اور مقصود اصلی آخرت کی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار اور بہرور کرے، خواہ وہ انسان اپنی جائداد کو مساجد، مدارس، خانقاہوں وغیرہ میں سے جس نوع پر وقف کرے اس کا مقصد وہی ہوا کرتا ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے۔

موجودہ صورتحال میں سخت ضرورت ہے کہ اراضی موقوفہ کا جائزہ لیکر اس کی ویرانی و بربادی کو ختم کیا جائے، اور اس کی حفاظت کے اسباب مہیا اور فراہم کر کے اسے قابل انتفاع بنایا جائے، جہاں ان اراضی سے ملت کی اجتماعی ضرورتوں کو بروئے کار لانا ہے وہیں واقف کے منشاء و مقصد کی تکمیل بھی ہے۔

مذکورہ بالا تمہید کے بعد مرسلہ سوالوں کے جوابات یہ ہیں:

الف۔ وہ وقف جو اپنا مقصد کھو چکا ہے، ویرانی و بربادی کا شکار ہے، وہ اپنی موجودہ شکل میں ناقابل انتفاع ہے، جس پر غیروں کا قبضہ و تسلط کا خطرہ یقینی درجہ تک پہونچ چکا ہے تو ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کرنے کی اجازت شریعت نے دی ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ ذخیرہ اور منتقی کی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

والحاصل أن الموقوف عليه السكنى إذا امتنع من العمارة ولم يوجد مستأجر باعها القاضي واشترى بثمنها ما يكون وقفا (بحر الرائق، ۲۱۹/۵)

حاصل یہ ہے کہ جس شخص پر رہائش کے لئے وقف کیا جائے اگر وہ خود موقوف مکان کی تعمیر نہ کرائے اور نہ کرایہ دار ملے تو قاضی اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے دوسری زمین و مکان خریدے، جو وقف قرار پائے گا۔

ب۔ جب مشروط صورت میں اوقاف کی فروختگی کا ثبوت اور اس کا جواز اوپر معلوم ہو چکا تو پھر یہ سوال کہ: "کیا ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین و مکان حاصل کر کے الخ" میرے خیال میں تحصیل حاصل اور عبث ہے۔

جس زمین پر مسجد قائم ہے وہ اوقاف کی زمین اور دیگر اوقاف کی زمین میں فرق یہ ہے کہ بوقت ضرورت تمام اوقاف کی زمینوں کو بالاتفاق فروخت کیا جاسکتا ہے، لیکن امام شیخینؒ کے نزدیک جس زمین پر مسجد قائم ہے اسے کسی حال میں فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

مسجد کے اوقاف اور دیگر یعنی مدارس، قبرستان وغیرہ کے اوقاف میں تبدیلی کا حق صرف قاضی کو ہے کہ قاضی حالات یعنی ضرورت شدیدہ، غیر شدیدہ کا جائزہ لیکر تبدیلی اور عدم تبدیلی کا فیصلہ کرے۔

قال في الذخيرة وفي المنتقى قال هشام سمعت محمداً يقول الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي (بحر ۵/۲۱۹)۔

مولانا تنویر عالم قاسمی

الف۔ اصل یہ ہے کہ جب کوئی شئی شرعی قواعد کے مطابق وقف ہو جائے تو اس کی بیع ناجائز ہوتی ہے، جس زمین کو شرعی مسجد بنا دی گئی اس کی بیع کسی حال میں درست نہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وقف اور مسجد بن چکی، جائداد منقولہ جو کہ مسجد کی ملک ہے وہ اس بارے میں مسجد کے حکم میں نہیں، جب مسجد غیر آباد ہو جائے اور کوئی توقع اس کی آبادی کی نہ رہے اور اس جائداد کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کی بیع درست ہے، اور ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ بعینہ اس جائداد کو کسی قریبی مسجد میں صرف کیا جائے، اگر یہ دشوار ہو تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو دوسری مسجد میں صرف کیا جائے، اور غیر آباد مسجد کا احترام باقی رکھنے کے لئے اگر اس کی چہار دیواری نہ ہو تو اس کا احاطہ بنایا جائے، جو جائداد غیر منقولہ زمین وغیرہ مسجد کے لئے خریدی گئی، مسجد کے غیر آباد ہونے یا ضرورت شدیدہ پیش آنے کے وقت اس کی بیع اہل محلہ کی رائے سے درست ہے، اور جو جائداد غیر منقولہ خود واقف نے وقف کی ہے اس کی بیع درست نہیں، بلکہ مسجد کے غیر آباد ہونے کی صورت میں اس جائداد کی آمدنی کو دوسری قریبی مسجد پر اہل محلہ کی رائے سے صرف کرنا درست ہے (فتاوی محمودیہ۔۶/۱۹)۔

اصل اور راجح تو عدم جواز نقل ہے، لیکن بعض علماء ضرورت میں جواز کے قائل ہوئے ہیں، سو بلا ضرورت شدیدہ تو اصل مذہب کو چھوڑنا جائز نہیں، اور ضرورت شدیدہ میں گنجائش ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک مسجد مستغنی عنہ ہو جائے تو اس کا وقف دوسری مسجد میں صرف کرنا بھی جائز ہے (امداد الفتاوی ۲/۷۲۳)۔

ب۔ جس جگہ مسجد قائم ہے اور جس زمین کے رقبہ کو مسجد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس کی عمارت قائم رہے یا منہدم ہو جائے، اس میں کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے، اس جگہ کی بستی آباد رہے یا ویران ہو جائے، ہر حال میں وہ جگہ علی الدوام تا قیامت مسجد ہی رہے گی دوسری زمینوں کی طرح فنا نہ ہوگی بلکہ جنت میں پہنچادی جائے گی، لہذا صورت مسئولہ میں حتی الامکان مسجد کو اپنی حالت پر برقرار رکھنے کی سعی بلیغ کی جائے اور محفوظ کر دیا جائے کہ بے ادبی سے مصئون و محفوظ رہے۔ اگر سامان ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو

اسے دوسری مسجد کے لئے بنا لیا جائے، اگر عمارت توڑ دئے جانے کا یقین ہو تو اسے بھی توڑ کر دوسری مسجد کے لئے رکھ لیا جائے، اور اصل جگہ محصور کر لی جائے تاکہ بے حرمتی سے محفوظ رہ سکے (رحیمیہ ۲/ ۱۸۳)، بحالت مجبوری اسکو منظور کیا جاسکتا ہے کہ حکومت اس جگہ کے عوض دوسری مسجد بنوادے (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۹)۔

مفتی عبد الرحیم قاسمی ،بھوپال

وقف کی حقیقت عرفیہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین و جائداد وغیرہ کو اپنی ملکیت سے نکال کر اللہ تبارک و تعالی کے ملک میں ودیعت کردے تاکہ وہ شئ موقوف باقی رہے اور اسکے منافع کو حسب تصریح واقف مصارف خیر میں صرف کیا جاتا رہے۔ قرون اولی سے وقف کرنے کا دستور چلا آرہا ہے، اسلاف کے بہت سارے اوقاف آج بھی مساجد، مدارس، خانقاہوں و مسافر خانوں وغیرہ کی شکل میں موجود ہیں۔

اوقاف کے منافع سے استفادہ حسب تصریح واقف لازم و ضروری ہے جیسا کہ فقہاء کی صراحت ہے کہ شرط الواقف کنص الشارع (رد المحتار ۳/ ۴۵۶) واقف کی صراحت کے خلاف کسی وقف کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

فی زمانہ بہت سارے اوقاف سے استفادہ ناممکن ہو گیا ہے کیونکہ ان اوقاف کے دور دور تک مسلم آبادی نہیں ہے جو ان سے استفادہ کرے یا مسلم آبادی تو ہے مگر ان اوقاف پر کسی کا غاصبانہ قبضہ ہے، تو ان حالات میں ان اوقاف کی جگہ دوسرے اوقاف قائم کرنا جائز ہو گا یا نہیں اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی آراء حسب ذیل ہیں:

استبدال وقف کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ واقف وقف کرنے کے وقت استبدال کی شرط اپنے لئے یا دوسرے کے لئے یا اپنے اور دوسرے کے لئے لگائی ہو تو بالاتفاق وقف کا استبدال جائز ہے۔

۲۔ واقف نے وقف کرتے ہوئے استبدال کی نفی کر دی ہو یا استبدال کے متعلق خاموش ہو (نہ اثبات کیا ہو اور نہ نفی) اور وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے بالکلیہ نفع حاصل نہیں کیا جاسکتا ہو، تو باجازت قاضی استبدال جائز ہو گا۔ یا کوئی شخص وقف پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہو یا کوئی ایسا کام کیا ہو مثلاً باندھ باندھا ہو یا تالاب کی کھدائی کر دیا ہو جس سے موقوفہ زمین سیلابی ہو گئی ہو اور قابل زراعت نہیں رہی، اس وقت غاصب زمین کا ضمان قیمتاً دے۔ یا غاصب نے تو غصب کر لیا مگر اس کا اعتراف نہیں کرتا اور نہ ہی متولی و قیم کے پاس بینہ ہو تو اس وقت غاصب کچھ دے رہا ہو، تو ان صورتوں میں استبدال جائز ہو گا۔

۳۔ واقف نے وقف کرتے وقت استبدال کی شرط نہیں لگائی ہے اور وقف سے فی الجملہ نفع حاصل ہو رہا ہو مگر اس حال میں ہو کہ اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ وقف قائم کر دیا جائے تو وقف کی آمدنی بڑھ جائے گی تو اس مقصد کے لئے استبدال اصح قول کے مطابق جائز نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ استبدال دو صورتوں میں جائز ہے: (۱) شرط (۲) ضرورت

ضرورت کی وجہ سے جائز ہے مگر وہ چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

۱۔ وہ وقف بالکلیہ قابل انتفاع نہ ہو

۲۔ مستبدل متولی یا قیم ہو۔

۳۔ استبدال باجازت قاضی ہو۔ ایسے قاضی کی اجازت جس کی دیانت وامانت مسلمؔ ہو اور علم و عمل میں فائق ہو۔

۴۔ فقدان قاضی کی صورت میں جماعت مسلمین کی اجازت سے ہو۔ جماعت مسلمین سے مراد ایسے افراد کی جماعت ہے جو دیانت وامانت وغیرہ کے اعتبار سے معتمد ہوں۔

اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه الأول أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقاً والثانى أن لايشترطه سواء شرط عدمه أوسكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شئ أصلا ولا يفى بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان باذن القاضى ورأيه المصلحة فيه والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع فى الجملة وبدله خير منه ريعاً و نفعاً وهذا لايجوز استبداله على الأصح المختار كذا حرره العلامة قنالى زادة فى رسالته الموضوعة فى الاستبدال وأطنب فيها عليه الاستبدال وهو ماخوذ من الفتح(ردالمحتار ۳/ ۴۲۴)۔

وقد اخلف كلام قاضيخان فى موضع جوزه القاضى بلا شرط الواقف حيث رأى المصلحة فيه فى موضع منع منه ولو صارت الأرض بحال لاينتفع بها والمعتمد أنه بلا شرط يجوز للقاضى بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لايكون هناك ريع للوقف يعمربه وأن لايكون البيع بغبن فاحش وشرط فى الإسعاف أن يكون المستبدل قاضى انجنة المفسر بذى العلم والعمل لئلا يحصل التطرق إلى إبطال أوقاف المسلمين كما هو الغالب فى زماننا (ردالمحتار ۳/ ۴۲۵)۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: نئی عیدگاہ بننے کے بعد پرانی عیدگاہ بالکل ویران ہے ایا اسے مفت یا قیمتاً خرید کر مدرسہ میں داخل کرنا جائز ہے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے کہ عیدگاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں، ایسی ضرورت کے موقع پر قول ثانی انسب ہے اور وقف غیر مسجد کا بصورت تعطل استبدال باذن القاضی جائز ہے (شامی ۳/ ۳۹۹) تحقیق مذکور کے مطابق معطل عیدگاہ کی جگہ مدرسہ بنوانے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس عیدگاہ کے عوض اس کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ قیمتی زمین کسی قریب تر شہری عیدگاہ کے لئے وقف کی جائے، یہ استبدال باذن قاضی ہو، اور فقدان قاضی کی صورت میں باتفاق جماعت مسلمین واللہ اعلم بالصواب (احسن الفتاوی ۶/ ۴۶۱)۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: واقف نے وقف نامہ میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہو یا وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے تو

فروخت کرنے کی اجازت ہے، اگر کچھ بھی نفع حاصل ہو تو اسے فروخت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ شامی میں ہے:

(قوله وجاز شرط للاستبدال به)اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه الخ (بحوالہ شامی ۳/۵۳۵، فتاوی رحیمیہ ۶/۷۳)۔

استاذی حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: حامدا و مصلیا! جو زمین مسجد کے مصارف کے لئے وقف ہو چکی ہے اس کی بیع ناجائز ہے، اس کی اجازت نہیں کہ اسکو فروخت کر کے اس سے زیادہ آمدنی کی زمین خریدی جائے۔

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملّك اى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه (شامی ۳/۵۰۷)

البتہ مسجد کی زمین پر کسی کا غاصبانہ قبضہ ہو جائے، اس کی واگذاری کرانا ممکن نہ ہو تو مجبوراً معاوضہ لے کر دوسری زمین خرید کر وقف کر دی جائے، یا اگر وقف شدہ زمین قابل انتفاع نہ رہے تب بھی اجازت ہے کہ اسکو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری زمین لے کر اس کو وقف کر دی جائے، پھر زمین، مکان ودوکان جو بھی مسجد کا تھا اور اس مجبوری کی وجہ سے فروخت کر دیا گیا اور اب وہ مسجد نہیں رہی اور خریدار نے کوئی اس میں غیر اسلامی حرکت کی تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے نہ کہ منتظمین (فتاوی محمودیہ ۱۵/۲۱۹)۔

ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: حامدا و مصلیا! واقف نے جب کہ وقف نامہ میں جائداد موقوفہ ہر قسم کے انتقال کو صراحتاً منع کر دیا ہے تو متولی کو کسی طرح اس کے انتقال کا حق نہیں، البتہ اگر جائداد بالکل ناقابل انتفاع ہو جائے تو شرعی قاضی کو اس کا استبدال چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

هذا إذا شرط الاستبدال فى أصل الوقف وأما إذا لم يشترط فقد يخصص برأى أول القضاة الثلثة المشار إليه بقوله عليه الصلوة والسلام قاض فى الجنة و قاضيان فى النار المفسر بذى العلم والعمل لئلا يحصل التطرق إلى إبطال أوقاف المسلمين كما هو الغالب فى زماننا (اسعاف ۲۷)**والمعتمد يجوز للقاضى بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لايكون هناك ريع للوقف يعمر به وأن لا يكون البيع بغبن فاحش كذا فى بحر الرائق وشرط فى الاسعاف أن يكون المستبدل قاضى الجنة المفسر بذى العلم كذا فى نهر الفائق** (فتاوی عالمگیری ۲/۹۹۱)

اور صورت مسئولہ میں مکان مذکور قابل انتفاع ہے اور ایک رقم اس پر صرف کرنے کے بعد زیادہ آمدنی کی امید ہے، اور واقف نے مکان کی مرمت وغیرہ کے لئے ایک جز متعین کیا ہے۔ الخ (فتاوی محمودیہ ۱/۵۱۸)

اسی سوال کے جواب میں حضرت مولانا سید عبد اللطیف نور اللہ مرقدہ (سابق ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور) تحریر فرماتے ہیں:

وقف نامہ میں اصل چیز یہ ہے کہ شرائط واقف جن کی واقف نے تصریح کی ہو ان کا اتباع کیا جائے کہ نص الواقف كنص

الشارع کتب فقہ باب الوقف میں منجملہ مسلمہ اصول موضوعہ ہے، البتہ جن شرائط کی تصریح واقف نے نہ کی ہو، یا مبہم یا مجمل چھوڑی ہوان میں قاضی کے اجتہاد اور تصرف کی گنجائش ہے، وقف نامہ ہذا میں مصارف اور شرائط کو بالکل واضح کر دیا ہے، مجمل نہیں چھوڑا، اور جن صورتوں میں فقہاء کے کلام سے قاضی کو تصرف کا حق معلوم ہوتا ہے وہ خاص خاص صورتوں میں ہے، مثلاً موقوفہ چیز کا بالکل قابل انتفاع نہ رہنا، جو صورت مسئولہ میں مفقود ہے (فتاوی محمودیہ ۱/۵۲۰)۔

الف۔ عبارات بالا سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اوقاف جو نقل آبادی کی وجہ سے بالکل ویران ہو گئے ہوں اور ان اوقاف کے قرب میں مسلمانوں کی آبادی بالکل ختم ہو گئی ہو، بلکہ ان اوقاف کے دور دور تک کوئی مسلمان آباد نہ ہو، اور ان اوقاف کو آباد کرنے والا کوئی نہ ہو اور آئندہ بھی آباد ہونے کا امکان نہیں ہو، اور وہ اوقاف حکومت یا غیر مسلموں کے دست برد سے محفوظ نہ ہو، اور وہ اوقاف جو محفوظ ہوں مگر آئندہ محفوظ رہنے کی ضمانت نہ دی جاسکتی ہو، اور وہ اوقاف بالکل معطل ہوں، نا قابل انتفاع ہوں، تو ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو متبادل وقف قائم کر لیا جائے۔

ب۔ ایسے ویران اوقاف کو حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اسکے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جائے۔

مولانا نذر توحید مظاہری

وقف کے لغوی معنی:

الوقف فی اللغة الحبس عن التصرف

یعنی تصرف سے روکنے کا نام وقف ہے (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/۱۵۳)

وقف کی اصطلاحی تعریف:

وقف کی اصطلاحی تعریف میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وقف کہتے ہیں عین کا روکنا واقف کی ملکیت میں اور نفع کا صدقہ کرنا جس کو چاہے، حبس العین علی تلك الواقف و تصدق بالمنفعة إلی من أحب إلیه .

صاحبین کے نزدیک وقف کہتے ہیں عین کا روکنا اللہ تعالی کی ملکیت میں اور اس کے نفع کا صدقہ کرنا جس پر واقف چاہے حبس العین إلی حکم ملك الله تعالی والمنفعة علی وجه تعود منفعته إلی العباد (فتاوی ہندیہ ۲/۳۵۱)

اور بحر الرائق میں ہے: حبس العین إلی حکم ملك الله تعالی وصرف منفعتها علی من أحب، (البحر الرائق ۵/۲۵۲)۔

وقف کے تام اور لازم ہونے اور نہ ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں وقف دو طریقے سے تام اور لازم ہوتا ہے: (۱) قضاء قاضی کے ذریعہ یعنی قاضی متولی مقرر کر دے اور واقف اسے شی موقوفہ دیدے۔ (۲) وصیت کے ذریعہ یعنی واقف یہ کہہ دے کہ فلاں چیز میرے مرنے کے بعد مسجد کے لئے یا مدرسہ کے لئے وقف ہے۔

ولا يلزم إلا بأحد الأمرين إما أن يحكم به القاضي أو يخرجه مخرج الوصية (شامی ۳/ ۳۵۸)

ان الإمام لم يقل بكون الوقف جائز غير لازم مطلقا بل هو عنده لازم إذا علقه الواقف بالموت أو قضى به القاضي (شامی ۳/ ۳۶۱)

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وقف اس وقت تام اور لازم ہوگا جب کہ واقف شئ موقوفہ کو متولی کے سپرد کردے تو اس کی ملکیت ختم ہوجائے گی اور وقف تام ہوجائے گا۔ (ہدایہ ۲/ ۶۳۷)

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ شئ موقوفہ واقف کی ملکیت سے محض قول سے نکل جاتی ہے، اور وقف تام اور لازم ہوجاتا ہے، مثلاً واقف یہ کہے کہ میں فلاں چیز مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کرتا ہوں، تو محض اس کے قول کی بنیاد پر واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور وقف تام اور لازم ہوجاتا ہے، جس طرح اعتاق سے، محض غلام کو یہ کہہ دینے سے کہ میں نے تجھ کو آزاد کیا تو آزاد ہوجاتا ہے۔ (بنایہ شرح ہدایہ ۶/ ۱۹۴)

امام مالک وشافعیؒ اور اکثر اہل علم علماء کا قول بھی امام ابو یوسف کے مطابق ہے اور ان کے یہاں بھی قول سے وقف تام اور لازم ہوجاتا ہے، اور یہی مفتی بہ قول ہے جیسا کہ اوپر کی عبارتوں سے واضح ہے۔

ارکان وقف: وقف ایسے الفاظ خاصہ کے ذریعہ ہو جو وقف پر دلالت کرے، صاحب بحر الرائق نے اس طرح کے الفاظ تقریباً ستائیس ذکر کئے ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے (البحر الرائق ۵/ ۲۰۵)

سبب وقف: تقرب إلى الله.

وقف کے شرائط:

(۱) عقل اور بلوغ کا ہونا، یعنی وقف کرتے وقت واقف کا عاقل و بالغ ہونا۔ (۲) حریت، یعنی واقف کا آزاد ہونا۔ (۳) قربت فی ذاتہ کا ہونا، یعنی شئ موقوفہ کو جس چیز پر وقف کیا جارہا ہو اس کا فی نفسہ باعث قربت ہونا ضروری ہے۔ (۴) وقف کرتے وقت شئ موقوفہ واقف کی ملکیت میں ہو۔ (۵) واقف بے عقلی اور قرض کی وجہ سے مجحور نہ ہو۔ (۶) شئ موقوفہ متعین ہو مجہول نہ ہو۔ (۷) منجز ہو معلق نہ ہو، یعنی اس طرح نہ کہا ہو کہ اگر میرا لڑکا آئے گا تو میرا گھر وقف ہے وغیرہ۔ (۸) واقف شئ موقوفہ کو فروخت کرکے اپنے مصرف میں ثمن خرچ کرنے کی شرط نہ لگایا ہو۔ (۹) واقف نے وقف کرتے وقت خیار شرط نہ لگایا ہو۔ (۱۰) تابید یعنی شئ موقوفہ کو ہمیشہ ہمیش کے لئے وقف کیا ہو۔ یہ شرط تمام ائمہ کے نزدیک ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کا وقف کرتے وقت ذکر کرنا ضروری نہیں ہے، فتوی بھی امام ابو یوسفؒ ہی کے قول پر ہے۔

الصحيح أن التابيد شرط اتفاقاً لكن ذكره ليس بشرط عند أبي يوسفؒ وعند محمدؒ لابد أن ينص عليه (شامی ۳/ ۳۶۵)

(۱۱) واقف ایسی جہت ذکر کرے جو کبھی بھی ختم ہونے والی نہ ہو۔ (۱۲) غیر منقولی اشیاء ہو جیسے زمین، گھر وغیرہ، منقولی اشیاء نہ

ہو، البتہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک منقولی اشیاء کا بھی وقف جائز ہے (فتاوی ہندیہ ۲/۳۵۷)

وقف کے متعلق جوابات دینے سے قبل بطور تمہید تبادلہ و فروخت کے سلسلہ میں کچھ باتیں عرض کی جاتی ہیں جن کو حضرت علامہ شامیؒ نے ذکر کیا ہے تاکہ سوالات کے جوابات سمجھنے میں آسانی ہو۔

تبادلہ اور خرید و فروخت کی قسمیں:

شئ موقوف کے تبادلہ اور خرید و فروخت کی پانچ صورتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی قسم: واقف نے بوقت وقف شرط لگادی ہو کہ متولی یا میں خود اگر تبادلہ یا فروخت کی ضرورت محسوس کروں تو تبادلہ یا فروخت کر سکتا ہوں تو ایسی صورت میں شئ موقوف کا تبادلہ اور فروخت جائز ہے۔ (شامی ۳/۳۸۷)

دوسری قسم: واقف نے تبادلہ کی کوئی شرط نہ لگائی ہو، نہ ہی اپنے لئے اور نہ ہی کسی غیر کے لئے، لیکن شئ موقوف بالکل ناقابل انتفاع ہے تو اس کو فروخت کر کے اس کی جگہ پر دوسرا وقف قائم کرنا یا اس کا تبادلہ کسی دوسری شئ سے درست ہوگا، لیکن تبادلہ یا فروخت کرنے کا اختیار ہر کس و ناکس کو نہیں ہوگا بلکہ قاضی شریعت جو ذی علم باعمل ہو، اور قاضیٔ شریعت کے مفقود ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین جو دین دار اور ذی علم ہوں ان کی اجازت سے تبادلہ یا فروخت جائز ہوگا۔ (شامی ۳/۳۸۷)

تبادلہ و فروخت کی تیسری صورت:

واقف نے شرط نہیں لگائی اور شئ موقوف بالکل ناقابل انتفاع بھی نہیں ہے لیکن جس شئ سے موقوف شئ کا تبادلہ کیا جا رہا ہے وہ زیادہ نفع بخش ہے تو اس صورت میں امام ابویوسفؒ کا قول یہ ہے کہ استبدال جائز ہے، بعض حضرات نے اسی پر فتویٰ نقل کیا ہے، لیکن علامہ شامی نے صحیح اور معتمد قول یہ نقل کیا ہے کہ اس طرح کا تبادلہ جائز نہیں ہے اور خود ان کا رجحان بھی عدم جواز کی طرف ہے، اس لئے کہ اس زمانے میں قاضی حضرات میں پوری دیانت داری نہیں تھی جس کی وجہ سے حیلہ بہانہ کے ذریعہ اوقاف میں خرد برد کر دیا کرتے تھے، اس طرح اوقاف ضائع ہو جایا کرتے تھے، اور ہر متولی کے اندر اتنی صلاحیت بھی نہیں تھی کہ وقف کے مسئلہ کو صحیح ڈھنگ سے پیش کر سکے، اب اس وقت کے حالات کے پیش نظر امام ابویوسفؒ کے قول پر عمل کرنا جیسا کہ بعض حضرات نے فتویٰ بھی نقل کیا ہے، زیادہ بہتر اور اقرب الی الفقہ معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں بھی قاضی شریعت جو ذی علم اور باعمل ہو اور قاضی کے مفقود ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین جو دین دار اور احوال وقف سے واقف ہو ان کی اجازت ضروری ہوگی۔

استبدال کی چوتھی صورت:

شئ موقوفہ کو غاصب نے غصب کر لیا اور اس پر پانی بہایا، یہاں تک کہ وہ دریا ہو گیا اور قابل زراعت نہیں رہا تو غاصب اس کے قیمت کا ضامن ہوگا اور متولی اس سے دوسری زمین خرید کر وقف کرے۔ (فتح القدیر ۵/۵۸، شامی ۳/۳۸۹)

استبدال کی پانچویں صورت:

غاصب نے زمین غصب کیا اور وہ انکار کرتا ہے اور اس پر کوئی بینہ نہیں ہے اور غاصب کچھ رقم متولی کو دیتا ہے تو متولی اس رقم سے دوسری زمین خریدلے تو اس طرح کا تبادلہ اور فروخت جائز ہے۔ (شامی ۳؍۳۸۹)

علامہ شامیؒ کے تبادلہ کی ان صورتوں کو ذکر کرنے کے بعد اب فقہ اکیڈمی کے سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں:

الف۔ ایسے اوقاف جہاں سے مسلمانوں کی آبادی منتقل ہوجانے کی وجہ سے ویران ہوچکا ہو اور دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق اسے بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہو تو ایسے اوقاف کو فروخت یا تبادلہ کرکے دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو وہاں مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے دوسر امتبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے اس کی گنجائش ہے، یہ صورت علامہ شامیؒ کے ذکر کردہ تبادلہ کی بالکل دوسری صورت ہے۔

الثانی أن لا یشترطه سواء شرط عدمه أوسکت لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة بأن لا یحصل منه شئ أصلا أو لایفی بمؤنته فهو جائز علی الأصح إذا کان باذن القاضی ورأیه المصلحة فیه (شامی ۳؍۳۸۷)

ب۔ اسی طرح ویران اوقاف کو کسی فرد یا حکومت کے حوالہ کرکے اس کے عوض دوسری جگہ یا زمین حاصل کرکے متبادل وقف مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کیا جاسکتا ہے ان دونوں صورتوں میں قاضی شریعت یا جماعت مسلمین کی اجازت شرط ہوگی۔

مسجد اور دوسرے اوقاف میں فرق ہے، تبادلہ یا فروخت مسجد کے علاوہ اوقاف میں کیا جاسکتا ہے، مسجد اگرچہ آبادی ختم ہوجانے کی وجہ سے ویران ہوگئی ہو، منہدم ہوگئی ہو پھر بھی وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، عمارت کے منہدم ہوجانے سے مسجدیت ختم نہیں ہوگی۔

ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الإمام والثانی أبدا إلی قیام الساعة وبه یفتی (حاوی القدسی در مختار ۳؍۳۷۱)

عند الإمام والثانی فلایعود میراثا ولایجوز نقله ونقل ماله إلی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أولا وهو الفتوی حاوی القدسی (شامی ۳؍۳۷۱)

مولانا محمد سعود عالم قاسمی

الف، ب۔ وہ اوقاف جن سے واقف کے مقاصد بروئے کار لانا ناقابل عمل امر ہو ایسے اوقاف کو فروخت کرکے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

الف۔ اوقاف کے سلسلے میں اگر واقف نے وقف نامہ میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہو یا وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہوسکے یا وقف کے تحفظ کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور اس پر غاصبانہ قبضہ ہو کر نفس وقف ہی کے باطل ہو جانے کا مظنہ ہو تو مجبوراً دوسری زمین سے اس کا تبادلہ کر لیا جائے یا اسے فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو متبادل وقف قائم کیا جائے۔

اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه: الأول أن يشرطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا والثانى أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلا أولا يفى بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان باذن القاضى ورأيه المصلحة فيه والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع فى الجملة وبدله خير منه ريعاً و نفعاً وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار كذا حرره العلامة قنالى زاده (شامی ۳/ ۳۸۷، فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۸۸، فتاوی رحیمیہ ۶/ ۷۲)۔

ب۔ وقف کے احکام بہت نازک ہیں واقف کی غرض اور مقصد کا لحاظ اور اس کی شرائط کی پابندی ضروری ہے، لہٰذا جن صورتوں میں شریعت نے ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرنے کی اجازت دی ہے ان صورتوں میں مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں ضرورت ہو متبادل وقف قائم کرنا چاہئے۔ واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان اوقاف کی قیمت سے مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا جائز نہیں ہے۔

فإذا تم ولزم لايملك ولايملّك ولايعار ولا يرهن (در مختار) (قوله لايملك) اى لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملك اى لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليكه الخارج عن ملكه ولا يعار ولا يرهن لاقتضاء هما الملك درر و يستثنى من عدم تمليكه مالو اشترط الواقف استبداله (شامی ۳/ ۳۶۷)

وان اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً و مدرسةً ووقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلك (در مختار) (قوله لا يجوز له ذلك) اى الصرف المذكور (شامی ۳/ ۳۷۲) (احسن الفتاوی ۶/ ۴۲۲) (فتاوی محمودیہ ۱۸/ ۱۸۶)

مولانا عبد اللطيف پالنپوری

اوقاف کے سلسلہ میں حضرات فقہاء کے کلام کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بچند شرائط انہیں فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، اب وہ شرائط کیا ہیں؟ تو اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم علیہ الرحمہ نے الاشباہ والنظائر میں اور علامہ شامی نے "رد المحتار" میں شرح وبسط سے کلام کیا ہے جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) اگر واقف نے وقف کے دوران ہی اپنے لئے یا کسی دوسرے شخص کے لئے استبدال کی شرط رکھی ہو تو صحیح قول کے مطابق بلاشبہ استبدال جائز ہے۔

واعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه: الأول أن يشرطه الواقف لنفسه أولغيره أولنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا (ردالمحتار ۳/ ۴۲۴، وہکذا فی الفتاوی العالمگیریہ ۲/ ۳۹۹)

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی تو شرط نہ لگائی ہو، لیکن وہ وقف بالکل ویران ہو کر رہ گیا ہو اور اس سے منتفع ہونے کی امید نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی اصح قول کے مطابق استبدال جائز ہے۔

" والثانی ان لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلا أو لا يفی بمؤنته فهو أيضا جائز على الصحيح إذا كان بإذن القاضی ورأيه المصلحة فيه" (ردالمحتار ۳/ ۴۲۴)

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ نہ واقف نے استبدال کی کوئی شرط لگائی اور نہ ہی وقف ویران ہوا ہے، بلکہ اس کو باقی رکھتے ہوئے کچھ نہ کچھ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے تو اس صورت میں اصح اور مختار قول یہ ہے کہ استبدال جائز نہیں ہے۔

" والثالث ان لا يشرطه ايضا ولكن فيه نفع فی الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار كذا حرره العلامة قنالی زاده فی رسالته الموضوعة فی الاستبدال وأطنب فيها عليه الاستبدال وهو مأخوذ من الفتح . الخ (ردالمحتار ۳/ ۴۲۴)

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ واقف کے بعد اراضی موقوفہ کو کسی غاصب نے قبضہ کر کے ایسا تصرف کر دیا کہ وہ اراضی ناقابل کاشت ہوگئی، یا غاصب نے اس کے وقف میں ہونے کا انکار کر دیا اور اس پر متولی کے پاس کوئی بینہ نہیں ہے، لیکن غاصب قیمت دینا چاہتا ہے تو ان صورتوں میں بھی متولی کے لئے جائز ہے کہ غاصب سے قیمت لے کر ان اراضی موقوفہ کے بدلے میں دوسری جگہ زمین خرید لے۔

فی رد المحتار نقلا عن الاشباه والنظائر (قولها‌إلا فی أربع) الأولى لو شرطه الواقف ، الثانية إذا غصبه غاصب وأجرى عليه الماء حتى صار بحراً فيضمن القيمة و يشترى المتولى بها أرضا بدلا ، الثالثة أن يجحده الغاصب ولا بينة ای وأراد دفع القيمة فللمتولى أخذها ويشترى بها بدلا " (ردالمحتار ۳/ ۴۲۶، الاشباہ والنظائر ۱۰۳ تا ۱۰۴، فتاوی خانیہ ۳/ ۳۰۰، فتاوی بزازیہ ۳/ ۲۵۶)

(۵) پانچویں صورت یہ ہے کہ اراضی موقوفہ کو کوئی شخص لینے کا خواہش مند ہے، اور وہ اس کے بدلے اس سے بہتر اور زیادہ پیداوار والی زمین دینا چاہتا ہے تو حضرت امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس صورت میں بھی استبدال جائز ہے، اور حضرات فقہاء نے اس قول کو مفتی بہ بھی قرار دیا ہے۔

فی الاشباه: الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن وصفا فيجوز على قول أبی يوسف و عليه الفتوى كما فی فتاوى قارى الهداية (الاشباہ والنظائر ۱۰۳ تا ۱۰۴، ومثلہ فی ردالمحتار ۳/ ۴۲۶)

مندرجہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء نے لوگوں کے بدلتے ہوئے حالات کو پیش نظر رکھ کر چند شرائط کے

ساتھ استبدال کو جائز قرار دیا ہے اور ساتھ ہی قول جواز کے مفتی بہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے، علامہ ابن الہمام نے بھی مختصراً استبدال کے جواز پر کلام کیا ہے، لکھتے ہیں:

والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أولا عن شرطه فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ماكان عليه دون زيادة ولأنه لاموجب لتجويزه لأن الموجب فى الأول الشرط وفى الثانى الضرورة ولا ضرورة فى هذا(فى الثالث)إذ لاتجب زيادة بل تبقيه كما كان (قال ابن عابدين) أقول ما قاله هذا المحقق هو الحق الصواب (ردالمحتار ۳/ ۴۲۷، بحوالہ فتح القدیر)

لیکن صاحب شرح وقایہ نے کتاب الوقف میں استبدال کے سلسلہ میں حضرات صاحبین کا اختلاف درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

ونحن لا نفتي به فقد شاهدنا فى الاستبدال من الفساد وما لا يعد لا يحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة إلى إبطال أكثر أوقاف المسلمين وفعلوا ما فعلوا (شرح وقایہ ۲/ ۳۵۳، ۳۵۴)

(ہم اس کا فتویٰ نہیں دیتے اس لئے کہ ہم نے استبدال کی صورت میں جو فساد دیکھا ہے اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا، ظالم قاضیوں نے اس کو اوقاف کے ختم کرنے کا ایک بہانہ بنالیا ہے اور پھر جو سمجھ میں آیا کیا)۔

مندرجہ سطور میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے استبدال کی صورت میں جن مفسدات کی طرف اشارہ کیا ہے، ان مفسدات کی پیش بندی کے لئے حضرات فقہاء نے آٹھ شرطوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وقف ویران ہوگیا ہو اور اس کی آمدنی اور اس کا نفع بالکل ختم ہوگیا ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اس جگہ وقف کی کوئی دوسری بلند جگہ نہ ہو کہ جہاں دوسری تعمیر ہوسکے۔

(۳) وقف کی بیع اور اس کا استبدال غبن فاحش (بہت زیادہ خسارہ) کے ساتھ نہ ہو۔

(۴) بدلنے والا قاضی علم وعمل دونوں کا جامع ہو۔

(۵) اراضی موقوفہ کا تبادلہ دوسری زمین ہی سے ہو، دراہم ودنانیر، روپے پیسے سے نہ ہو، اس لئے کہ اس صورت میں خطرہ ہے کہ کہیں بدلنے والے لوگ استبدال سے پہلے ہی روپے کو ہضم نہ کرجائیں۔

(۶) وقف کا تبادلہ ایسے شخص سے نہ کیا جائے جس کی شرعاً شہادت قبول نہیں ہوتی ہے، اور نہ ایسے شخص سے کیا جائے جس کا دین (قرض) بدلنے والے پر ہو، کیونکہ خطرہ ہے کہ بدلنے والا کہیں وقف کو دَین کے عوض نہ فروخت کردے، حالانکہ حضرت امام ابویوسف علیہ الرحمہ نے وقف کی بیع سامان کے عوض کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، پھر وہ کیونکر دَین کے عوض وقف کے فروخت کرنے کا فتویٰ دیں گے۔

(۷) ساتویں شرط یہ ہے کہ ایک وقف کا تبادلہ دوسرے وقف سے ایک ہی محلہ کے اندر کیا جائے، اور اگر دوسرے محلہ کے اندر کیا جائے تو شرط یہ ہے کہ وہ محلہ پہلے محلہ سے بہتر ہو، اگر بہتر نہ ہو تو پھر تبادلہ جائز نہیں ہے۔

(۸) آٹھویں شرط علامہ قنالی زادہ نے یہ ذکر کی ہے کہ بدل اور مبدل منہ ایک ہی جنس سے ہو، لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بظاہر اس شرط کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جہاں تبادلہ کی صورت میں خرچ کم ہو اور آمدنی زیادہ آئے تو یہ اچھی بات ہے، یاد رہے کہ حضرات فقہاء نے جس طرح بعض صورتوں میں واقف کو استبدال کی اجازت دی ہے اسی طرح قاضی کو بھی اجازت دی ہے، لیکن صاحب فتاویٰ قاضی خاں کا کلام قاضی کے سلسلہ میں مختلف ہے۔

ایک جگہ انہوں نے بغیر واقف کی شرط کے مطلقاً قاضی کو استبدال کی اجازت دی ہے کہ جہاں وہ مصلحت دیکھے وقف کا استبدال کرے، لیکن دوسری جگہ مطلقاً منع کیا ہے، اگرچہ وقف ویران ہی کیوں نہ ہو جائے۔

لیکن مفتی بہ قول یہ ہے کہ بغیر کسی شرط کے قاضی کے لئے استبدال کی شرعاً اجازت ہے جب کہ وہ مندرجہ بالا شرطوں کا لحاظ کر کے استبدال کرے، البتہ فقہ کی مشہور کتب "اسعاف" سے نقل کرتے ہوئے فتاویٰ عالمگیری اور ردالمحتار میں لکھا ہے کہ قاضی علم و عمل دونوں کا پیکر ہو، تاکہ ظالم قاضیوں کی طرف سے اوقاف مسلمین کے ابطال کا جو خطرہ اوپر صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے وہ سامنے نہ آئے۔

یہاں پر یہ بات ملحوظ رہے کہ مساجد و مقابر کے اوقاف کا تبادلہ اگرچہ وہ ویران ہی کیوں نہ ہو جائیں شرعاً جائز نہیں ہے۔

سئل القاضی الإمام شمس الائمة محمود الأوزجندی عن مسجد لم یبق له قوم و خرب ما حوله واستغنی الناس عنه هل یجوز جعله مقبرة قال لا وسئل هو أیضا عن المقبرة فی القریٰ إذا اندرست ولم یبق فیها أثر الموتیٰ لا العظم الخ (فتاوی ہندیہ ۲/۷۰، ۴۷۱، ۵۴-۴۵۵، ہدایہ ۲/۶۴۵، المبسوط ۱۲/۶۴۵، بزازیہ ۳/۲۷۰)۔

الف۔ ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسری جگہ پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے، ایسے مراحل ونوازل کے مواقع کے سلسلہ میں صاحب فتاویٰ خانیہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

قال إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنها أرضا أخریٰ هی أنفع للفقراء وأکثر ریعاً کان له أن یبیع هذه الأرض ویشتری بثمنها أرضا أخریٰ جوّز رحمه الله تعالی استبدال الأرض بالأرض (الفتاوی الخانیہ ۳/۳۰۰)

وقال شمس الأئمة السرخسی فی المبسوط: ومن ذلك أنه إذا شرط فی الوقف أن یستبدل به أرضا أخری إذا شاء ذلك فهو جائز عند ابی یوسف وعند محمد وهو قول أهل البصرة الوقف جائز و الشرط باطل لأن هذا الشرط لا یوثر فی المنع من زواله والوقف یتم بذلك ولا ینعدم به معنی التابید فی أصل الوقف فیتم الوقف بشروطه ویبقی الاستبدال شرطا فاسدا فیکون باطلا فی نفسه کالمسجد إذا شرط الاستبدال به أو شرط أن یصلی فیه قوم دون قوم فالشرط باطل واتخاذ المسجد صحیح فهذا مثله (المبسوط ۱۲/۴۱، ۴۲)

ب۔ ویران اوقاف کو حکومت کے بجائے کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض میں دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری رکھنے کی شکل شرعاً اختیار کی جا سکتی ہے، قال ابن عابدین الشامی فی ردالمحتار:

فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع ويحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن لأن الأرض أدوم وأبقى وأغنى عن كافة الترميم والتعمير بخلاف الموقوفة للسكن لظهور أن قصد الواقف الانتفاع بالسكن (ردالمحتار ۳/۴۲۵)

حضرات فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد و مقابر موقوفہ اور دیگر اوقاف میں فرق ہے، مساجد و مقابر موقوفہ کا تو تبادلہ کسی حال میں جائز نہیں ہے، البتہ دیگر عام ویران اوقاف کا تبادلہ شرعاً کیا جاسکتا ہے، نیز مسجد و مدرسہ وحوض وغیرہ کے اوقاف کا حکم عام اوقاف کا ہے کہ ان کا تبادلہ شرائط استبدال کے ساتھ جائز ہے۔

قال ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه لأنه يحرز عن حق العباد وصار خالصاً لله تعالى الخ (ہدایہ ۲/۶۴۵)

والظاهر أن حكم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر وأمثالها حكم الوقف على الفقراء (ردالمحتار ۳/۴۱۹)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

موقوف شئ خالص اللہ کی ملکیت ہوتی ہے، اس میں دوام وثبات ہوتا ہے، وقف کی اصل حضرت ابراہیمؑ کی ذات اقدس ہے ، انہوں نے بیت اللہ شریف اور خانہ کعبہ کی زمین وقف کر کے خانۂ کعبہ تعمیر فرمایا تھا (حاشیہ شرح وقایہ دربیان وقف) علامہ ابن ہمام نے صیغہ تمریض استعمال کرتے ہوئے یہ بات بھی کہی ہے کہ ارض کعبہ اس سے قبل ہی سے موقوف تھی۔

وقف صدقات ہی کی طرح خالص اللہ کی ملکیت ہوتی ہے، پھر اللہ کی جانب سے بندے اس کے مستحق ہوتے ہیں، وقف کے اندر اصل یہی ہے کہ وقف ایسی چیزوں کی ہونی چاہئے جس میں دوام ہوتا ہے اور زوال کو قبول نہیں کرتا ہے، بایں وجہ منقولی اشیاء کا وقف درست نہیں ہے، گرچہ شروط وقیود کے ساتھ منقولی اشیاء کا وقف بھی درست ہے، اب وقف کا جو بھی پہلو اختیار کیا جائے خواہ وہ غیر منقولی ہو یا منقولی ہو، ہر پہلو میں منافع للناس ہی مضمر اور پوشیدہ ہے، پھر وقف میں تملیک شرط ہے یعنی مالک بنانا، جس طرح صدقات وزکوۃ میں تملیک شرط ہے، یہ بات دیگر ہے کہ صورتوں میں قدرے اختلاف اور تفاوت ہے۔

اس تمہید و تقدیم کے بعد اب اوقاف کے بارے میں عرض یہ ہے کہ بہت سے وہ اوقاف جو مسلمانوں کی آبادی منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں، یا وہ اوقاف جہاں بھی ہیں وہاں دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق بروئے کار لانا نا قابل عمل ہو گیا، اس میں مساجد و مقابر خانقاہیں ہر طرح کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت اور غیر مسلمانوں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے۔

الف۔ ایسی صورتوں میں ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد وقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے تبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے اور منشاء حدیث کے خلاف بھی نہیں ہے۔

ب۔ ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض کسی دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کے جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

اسلام ایک مکمل دین اور کامل دستور العمل ہے، جس میں انسان کے زندگی گذارنے کے لئے تمام اسباب ووسائل فراہم اور مہیا ہیں، مذہب اسلام کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ اس نے انسان کے معاشی مشکلات اور اقتصادی پریشانی کو دور کرنے کے لئے مختلف مدات کو متعین کیا ہے تاکہ انسان صحیح طریقے سے زندگی گذار سکے، ان مدات میں ایک اہم شعبہ اوقاف کا ہے جس میں ایک شخص اپنی جائداد کو للہ فی اللہ وقف کرتا ہے، تاکہ محتاج وضرورت مند اپنی ضرورتوں کو پوری کر سکیں، اسکے ساتھ ہی موجودہ دور میں حکومت اور متولیان وقف کی بے راہ روی اور حرص وہوس کی وجہ سے اوقاف کے چند نئے مسائل ابھر کر سامنے آگئے ہیں، ذیل میں ان سوالوں کے جوابات جدید وقدیم فقہ وفتاوی کی کتابوں سے دئے جارہے ہیں (واللہ من وراء القصد وھو یھدی السبیل)

الف۔ ایسے اوقاف کو جو مسلمانوں کی آبادی کے منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں اگر وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہو، اور واقف کے مقاصد کو بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہو تو ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب اوقاف کے ضائع ہو جانے کا ظن غالب ہو، یا بالکل ہی ناقابل انتفاع ہو جائیں، تو فروخت کر کے ان کے بدلے میں متوازی ومماثل دوسری چیزیں خرید کر وقف کر دی جائیں۔

قال هشام سمعت محمدا يقول الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضى أن يبيعه ويشترى بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضى(بحر الرائق ۵/۲۰۷)

ہشام کہتے ہیں کہ امام محمدؒ سے کہتے ہوئے سنا کہ جب وقف اس پوزیشن میں ہو جائے کہ اس سے مساکین فائدہ نہ اٹھا سکیں تو قاضی کو حق ہے کہ وہ اسکو بیچ دے اور اس کی قیمت سے اسی کے متوازی خرید لے، یہ حق صرف قاضی ہی کو ہے۔

عن شمس الأئمة الحلوانى ينقل الذخيرة حين سئل عن أوقاف المسجد إذا تعطلت هل للمتولى أن يبيعه ويشترى مكانه أخرى قال نعم. والمختار أنه يجوز بيعها إن احتاجوا إليه قال الفقيه أبو جعفر ينبغى أن يكون ذلك بأمر الحاكم احتياطا فى موضع الخلاف(بحر الرائق ۵/۲۰۷)

شمس الائمہ حلوانی نقل کرتے ہیں، جب ان سے اس مسجد کے اوقاف کے بارے میں سوال کیا گیا جو معطل اور بیکار ہو، کیا متولی کو یہ حق ہے کہ وہ اس کو بیچ کر دوسری خرید لے تو انہوں نے کہا ہاں، اور مناسب اور درست یہ ہے کہ بیچنا جب واقعتاً ضروری ہو تو جائز ہے، فقیہ ابو جعفر کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ مختلف فیہ مقامات میں یہ حکم حاکم کی اجازت سے ہو۔

ب۔ ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے لیکن عمومی صورت میں نہیں، یہ اس صورت میں ہے جب اوقاف پر حکومت اور غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہو اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہوں ان کو آباد کرنا ممکن ہو گیا ہو۔

— مولانا قمر الزماں ندوی

سوالات کے جوابات تحریر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ استبدال وقف کے شرائط و حالات پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ آگے مسائل کے حل کرنے اور اسے اچھی طرح سمجھنے میں مدد مل سکے۔

حنفی نقطہ نظر: احناف کے نزدیک شرائط استبدال وقف تین ہیں:

ا۔ ایک تو یہ کہ واقف نے خود اپنے لئے یا کسی دوسرے شخص کے لئے یا اپنے ساتھ ساتھ دوسرے کے لئے بھی استبدال کی شرط لگادی ہو، بایں طور کہ جب چاہیں گے اس وقف کا تبادلہ کردیں گے، تو اس صورت میں استبدال جائز ہوگا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے کوئی شرط نہیں لگائی، بایں طور کہ بالکل خاموش رہا یا عدم استبدال کی صراحۃً شرط لگادی، لیکن آگے چل کر وقف کی ایسی حالت ہو گئی کہ یا تو اس سے بالکلیہ استفادہ مفقود ہو گیا ہے یا صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ وہ سارا کا سارا اوقف شدہ چیز کے خرچ میں صرف ہو جاتا ہے، تو ایسی صورت میں بھی استبدال وقف جائز ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے کوئی شرط نہیں لگائی، بایں طور کہ بالکل خاموش رہا یا عدم استبدال کی شرط لگادی ہے، لیکن وقف سے کچھ نہ کچھ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے، اور استبدال میں فائدہ زیادہ نظر آتا ہے، تو ایسی صورت میں صحیح قول کے مطابق زیادہ فائدہ کے لئے استبدال جائز نہیں ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ردالمحتار ۳/۳۸۷)

مالکی مذہب: مالکیہ نے اوقاف کی تین قسمیں بیان کی ہیں، اور ہر ایک کے لئے الگ الگ احکام بھی بیان کئے ہیں:

ا۔ مساجد کی خرید و فروخت کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے۔

۲۔ زمینوں (عقار) کی بھی خرید و فروخت جائز نہیں گرچہ وہ خراب ہو رہی ہوں، اور نہ ہی اسی جنس کی دوسری زمین سے ان کا استبدال جائز ہے، نیز ان کی لکڑیوں کی بیع بھی جائز نہیں ہے، ہاں اگر ان لکڑیوں کا موقوفہ زمین میں واپس آنا ممکن نہ ہو تو اسی جیسی دوسری موقوف زمین میں منتقل کرنا جائز ہے، مالکیہ کے مسلک کے اعتبار سے صرف ایک صورت میں موقوفہ زمینوں کو فروخت کرسکتے ہیں اور وہ ہے مسجد یا راستہ کو کشادہ کرنے کے لئے۔

۳۔ موقوفہ سامان یا جانور کو اس صورت میں فروخت کرنا جائز ہے جب کہ ان کی منفعت ختم ہو چکی ہو، بایں طور کہ جانور بوڑھاپے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہو گیا ہو، یا کپڑا اتنا پرانا ہو کہ اس کا استعمال ممکن نہ ہو۔ یہ مسلک تو مشہور مالکی فقیہ ابن القاسم کے مطابق ہے لیکن ایک دوسرے فقیہ ابن ماجشون ان سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی بھی بیع جائز نہیں۔

شافعی فکر: شوافع کے مسلک کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۔ مساجد: ان میں تصرف کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، نہ خرید و فروخت کے ذریعہ اور نہ کسی دوسرے ذرائع سے، خواہ مسجد منہدم ہو گئی ہو یا محلہ اور شہر کی آبادی ختم ہونے کی وجہ سے اس میں نماز ادا نہ کی جاتی ہو، ایسی صورت میں اس مسجد کے "غلہ" کو دوسری مسجد جو قریب ترین ہو لگایا جاسکتا ہے۔

۲۔ مسجد کی چٹائیاں: عدم انتفاع کی صورت میں ان کی بیع جائز ہے، لیکن ان کی قیمت مصالح مسجد پر ہی صرف کرنا ضروری ہوگا۔

۳۔ ان کے علاوہ موقوفہ جانور اور درخت وغیرہ، اگر ان سے انتفاع کی کوئی صورت نہ ہو تو فروخت کیا جاسکتا ہے بلکہ فروخت کردینا بہتر ہے اور ان کی قیمت فقراء و مساکین اور مصالح مسلمین میں صرف کردیا جائے۔

حنبلی مذہب: اوقاف کی منفعت جب کالعدم ہو جائے تو فروخت کردینا جائز ہے، ہاں اگر ان سے تھوڑا بھی انتفاع ہو رہا ہو تو بیچنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ اصلاً اوقاف کی بیع ناجائز ہے، اس کی اجازت صرف ضرورت اور اوقاف کے مقصود کو بچانے کے لئے دی گئی ہے، اسی طرح مساجد کو بھی صرف اس وقت منتقل کرنا جائز ہے جب کہ اس سے انتفاع ممکن نہ ہو (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/۲۲۱۔۲۲۷)

پنجاب وہریانہ وغیرہ کے اوقاف کی منتقلی:

بہت سے اوقاف خصوصاً پنجاب وہریانہ، دہلی اور مغربی یوپی میں ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف مسلمانوں کی آبادی منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے اس میں مساجد، قبرستان، مدارس اور خانقاہیں ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے، ایسی صورت میں:

الف۔ اوقاف کو فروخت کرکے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، چنانچہ علامہ شامی نقل فرماتے ہیں:

عن شمس الأئمة الحلوانی أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه هل للقاضی أن يصرف أوقافه إلى مسجد أوحوض فقال نعم... ولا سيما فی زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد وكذلك أوقافه ياكلها النظار أو غيرهم ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج إلى النقل إليه (ردالمحتار ۳/۳۷۲)

شمس الائمہ حلوانی سے مروی ہے کہ ان سے ایسی مسجد اور حوض کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ویران ہو گئی ہو اور لوگوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کی ضرورت باقی نہ ہو تو کیا قاضی کو اختیار ہے کہ وہ ان کے اوقاف کو کسی مسجد یا حوض کی طرف

منتقل کردے؟ توانہوں نے فرمایا کہ جی ہاں اختیار ہے... اور خاص طور سے ہمارے زمانہ میں، اس لئے کہ اگر مسجد اور اس کے علاوہ مثلاً سرائے اور حوض جب منتقل نہ کی جائیں گی تو چور اور شر پسند عناصر اس وقف کی ٹوٹی پھوٹی چیز پر اپنا قبضہ جمالیں گے، جیسا کہ مشاہدہ ہے، اور اسی طرح اس کے اوقاف کو منتظمین وغیرہ کھاجائیں گے، اور منتقل نہ کرنے سے ایک خرابی یہ بھی لازم آئے گی کہ وہ مسجد جو ضرورت مند ہے وہ بھی ویران اور خراب ہو جائے گی۔

نیز دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلا أو لايفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان باذن القاضي ورأيه المصلحة فيه (ردالمحتار ۳/ ۳۸۷)

لیکن اگر وقف کی یہ حالت ہو گئی ہو کہ اس سے انتفاع بالکل نہ ہو رہا ہو بایں طور کہ اس سے کچھ حاصل ہی نہ ہوتا ہو یا اس کی آمدنی سے وقف کی ضرورت بھی پوری نہ ہوتی ہو تو بھی صحیح قول کے مطابق تبادلہ جائز ہے جب کہ قاضی کی اجازت سے ہو اور قاضی اس میں مصلحت دیکھتا ہو۔

اور اس سلسلہ میں فقیہ عصر ڈاکٹر وہبہ زحیلی یوں روشنی ڈالتے ہیں:

إذا انهدم وقف ولم يكن له شئ يعمر منه ولا أمكن إجارته ولا تعميره ولم تبق إلا أنقاضه من حجر و طوب و خشب صح بيعه بأمر الحاكم (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/ ۲۲۱)

جب وقف منہدم ہو گیا ہو اور اس کی تعمیر کے لئے کچھ نہ ہو، اور نہ ہی اس کو اجارہ پر دینا ممکن ہو اور نہ ہی اس کی تعمیر ممکن ہو، اور سوائے اس کی ٹوٹی پھوٹی چیز مثلاً پتھر، اینٹ، اور لکڑی کے کچھ بھی باقی نہ ہو تو حاکم کی اجازت سے اسے فروخت کر دینا جائز ہے۔

علامہ شامی ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں:

قال هشام سمعت محمداً يقول الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشترى بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي (ردالمحتار ۳/ ۳۸۲)

ہشام فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد کو کہتے ہوئے سنا کہ وقف جب اس حالت میں پہونچ جائے کہ اس سے مساکین کا فائدہ ختم ہو گیا ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ وہ اسے فروخت کر دے اور اس کے ثمن سے دوسری چیز خرید لے، اور یہ اختیار صرف قاضی کو ہے۔

ب۔ نیز ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری رکھنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ یہ بھی مبادلۃ المال بالمال ہے، گو دونوں کی جنس ایک ہے۔

مولانا محمد نور القاسمی

نظام اوقاف اسلام کا وہ نادر الوجود شاہکار ہے، قبل اسلام جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، مصر و یونان میں بڑی بڑی تہذیبوں نے جنم لیا، جنہوں نے معاشی دنیا میں تہلکہ مچادیا، مگر وہ وقف کے تصور تک نہ پہونچ سکیں، افلاطون نے مدنیت کے قانون مرتب کرنے

میں شہرۂ آفاق کارنامہ انجام دیا، مگر اس کی پرواز وقف کی اس عدیم المثال ایجاد تک نہ ہو سکی، دنیا کے بڑے بڑے فلاسفر، مصلحین، دانشوران اور سیاست دانوں نے سماج کی ترقی کا بیڑا اٹھایا مگر وقف کا نعم البدل پیش نہ کر سکے۔

صرف اور صرف اسلام ہی دنیا کا وہ تنہا مذہب ہے، جس نے امت کو اس عظیم نعمت سے نوازا، حضور ﷺ نے بذات خود مدینہ میں بہت ساری جائدادیں وقف کیں، صحابہ کرامؓ نے بھی اوقاف میں حصہ لیا، اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے اوقاف آج تک باقی ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: مجمع الانہر ار ۳۰۷)

تاریخ اوقاف کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اوقاف وہ نسخہ کیمیا ہے، جس کے ذریعہ افلاس وتنگ دستی، غربت ونا داری کا علاج، اور معاشی واقتصادی مسائل کی عقدہ کشائیاں کی جاتی ہیں اور یہ ایک ایسا قابل فخر تمدنی کارنامہ ہے جس کے ذریعہ غرباء کی امداد، مساکین کی اعانت، یتیموں کی سرپرستی، بیواؤں کی خبر گیری، قرض داروں کی گلو خلاصی اور بے سہارا طبقہ کی دستگیری ہوتی ہے، یہی نہیں بلکہ معاشی بدحالی میں پھنسے ہوئے اور ذہنی پستی میں دبے ہوئے لوگوں کو سماج میں آبرومندانہ زندگی بسر کرنے کی ضمانت بھی ہے۔

لیکن افسوس صد افسوس! کہ گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ اس مجرب نسخہ کو فراموش کر دیا گیا، اور ملت کے مفید وکار آمد منصوبے مال ودولت کا شکوہ کر رہے ہیں، کیونکہ ملت کے بے شمار اوقاف ہماری غفلتوں کی وجہ سے ویران، ناقابل استعمال اور بے توجہی کا شکار ہیں۔ خدا جزاء خیر دے، "اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا" کے دردمند افراد کو، جنھوں نے اس جانب توجہ کی، اور ہندوستانی اوقاف کو قابل استعمال بنانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟ اس کے لئے اکیڈمی نے سوالات مرتب کرکے شرعی نقطۂ نظر معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔

خدا سے دعا ہے کہ سوالات کے جوابات عرض کرنے میں صحیح اور شرعی حل پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اوقاف کا تبدیل کرنا:

الف۔ موجودہ نازک حالات میں مقابر وخانقاہوں کو فروخت کرنا اور ان کو تبدیل کرنا کیسا ہے؟ اور کیا شریعت اسلامیہ میں اوقاف سے فائدہ اٹھانے کی خاطر اس کی گنجائش ہے؟ تو اس سلسلہ میں تھوڑی تفصیل اور شرائط ہمارے فقہاء نے بیان کی ہیں کہ:

اگر واقف زندہ ہے تو اسے اس کا کلی اختیار ہے کہ وہ اپنی وقف کردہ شی کو بیچ کر اس کی جگہ دوسری چیز وقف کر دے، لیکن اگر وقف کرنیوالا زندہ نہ ہو، اور اس نے وقف کو بیچنے کی نہ وصیت کی ہو، اور نہ ہی شرط لگائی ہو، بلکہ وقف کو بیچنے، تبدیل کرنے سے منع کیا ہے، یا منع نہ کیا ہو اور نہ ہی اجازت دی ہے بلکہ خاموش ہے، تو ایسی صورت میں اگر موقوف بالکل ویران وتباہ حالی کا شکار ہو جائے، مقاصد وقف فوت ہو رہے ہوں، اور انہیں بروئے کار لانے کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو کہ انہیں بیچ دیا جائے اور اس کی جگہ اسی پیسے سے متوازی اور اسی طرح کا وقف جہاں آبادی ہے قائم کر دیا جائے، تو اس حالت میں صرف قاضی کو استبدال وقف اور اس کی خرید وفروخت کی اجازت ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے اجازت نہیں ہے۔

فقہ حنفی کے مایہ ناز فقیہ علامہ ابن عابدین (متوفی۔ ۱۲۵۲ھ) ان صورتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

والثاني: أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلاً أو لا يفي بمؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح، إذا كان باذن القاضي ورأيه المصلحة فيه (دیکھئے: ردالمحتار ۳/۳۸۷، فتاوی ہندیہ ۲/۴۰۱، احکام الوصایا والاوقاف / ۲۰۳)

دوسری صورت یہ ہے کہ وقف کرنے والے نے اس کو تبدیل کرنے کی شرط نہ لگائی ہو، اگر اس نے عدم استبدال کی شرط لگائی ہے یا اس سلسلہ میں بالکل خاموش رہا، لیکن موقوف شئ اس حال میں ہو کہ اس سے بالکل فائدہ نہ اٹھایا جاسکتا ہو، اس طور پر کہ اس سے اصلاً کوئی چیز حاصل نہ ہو یا اس کا خرچ اس سے پورا نہ ہوتا ہو تو اصح قول کے مطابق قاضی کی اجازت ہو اور اس کی رائے مصلحت پر مبنی ہو تو استبدال جائز ہوگا۔

نیز مشہور فقیہ علامہ ابن نجیم مصری (متوفی۔ ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:

شرط الوقف عدم الاستبدال فللقاضي الاستبدال إذا كان اصلح (الاشباہ والنظائر، مجمع الانہر ۱/۷۳۶)

شرط وقف عدم استبدال ہے اور استبدال کا حق صرف قاضی کو ہے اگر وہ استبدال کو بہتر سمجھے۔

نیز علامہ شامی نے قاضی جس کو استبدال وقف کا حق حاصل ہے اس کے لئے کچھ اوصاف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

وشرط في الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل لئلا يحصل التطرق إلى أوقاف المسلمين كما هو الغالب في زماننا (ردالمحتار ۳/۳۸۸، مجمع الانہر ۱/۷۳۶)

اور اسعاف کے اندر شرط لگائی گئی ہے کہ تبدیل کرنے والا قاضی علم کے ساتھ عمل کا بھی پیکر ہو (یعنی علم و عمل کا جامع ہو) تاکہ مسلم اوقاف کے ضیاع کا باعث نہ ہو، جیسا کہ ہمارے دور میں اکثر ہو رہا ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشیں رہے کہ قاضی کے لئے ضروری ہوگا کہ اس ویران وقف کو تبدیل کرنے یا فروخت کرنے کے بعد اسی کے متوازی و مماثل وقف قائم کرے، اور یہ دوسرا وقف اپنی تمام شرائط کے ساتھ جس طرح پہلا وقف تھا جاری ہوگا۔

فقہ حنفی کے رمز شناس فقیہ علامہ آفندی نے اس کو یوں ذکر کیا ہے:

وصح شرط أن يستبدل به اى بالوقف غيره اى يبيعه ويشترى بثمنه أرضا أخرى إذا شاء عند أبي يوسف استحسانا فإذا فعل صارت الثانية كالاولى في شرائطها (مجمع الانہر ۱/۷۳۶، درمختار ۳/۳۸۷)

یہ شرط لگانا کہ وہ جب چاہے گا وقف کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسری زمین خرید سکتا ہے امام ابویوسفؒ کے نزدیک استحساناً درست ہے، لیکن جب وہ ایسا کرے گا تو دوسرا وقف پہلے وقف کی طرح ہوگا تمام شرائط کے اندر۔

نیز موجودہ دور کے مشہور عالم دین حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا فتویٰ بھی یہی ہے، مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اگر ضائع ہوجانے کا ظن غالب ہوجائے یا بالکل ناقابل انتفاع ہوجائے تو اس کو فروخت کرکے اس کے بدلہ میں اسی موقوفہ کے متوازی و مماثل دوسری چیزیں خرید کر وقف کردی جائیں گی" (نظام الفتاوی ۱/۶۰)

اوقاف کو حکومت کے حوالہ کرنا:

ب۔ اوقاف کے قرب وجوار میں مسلم آبادی نہ ہونے کے سبب جہاں یہ مسائل درپیش ہیں، ان کو حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کرکے اس کے عوض مناسب جگہ اس کے متوازی چیز لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن زیادہ بہتر اور مناسب ہے کہ اوقاف کو مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کی جائے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب کا معروف فتوی ہے:

"مسجد کا پرانا سامان اور ملبہ جو اسی مسجد کی تعمیر جدید میں کام نہ آسکتا ہو، فروخت کردینا جائز ہے، بہتر ہے کہ مسلمان کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت کو اسی مسجد کی ضرورت تعمیر میں یا جس قسم کا سامان تھا، اسی کے مثل میں صرف کردیا جائے (کفایت المفتی)۔

مولانا ابرار خاں ندوی

الف۔ بہت سے اوقاف ویران ہو چکے ہیں اور جن مقامات پر اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے تو کیا ایسے اوقاف کو فروخت کرکے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو وہاں متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے؟

اس کا حکم یہ ہے کہ وقف تام اور مکمل ہو جانے کے بعد اس کا بیچنا، خریدنا، ہبہ کرنا، رہن رکھنا وغیرہ کچھ بھی جائز نہیں، شامی میں ہے:

فإذا تم اى الوقف ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن (شامی ۳/۵۰۷)

ہاں اگر ضائع ہونے کا ظن غالب ہو جائے یا بالکل ہی ناقابل انتفاع ہو جائے تو اسکو فروخت کرکے اس کے بدلہ میں اسی موقوفہ کے متوازی و مماثل دوسری چیزیں خرید کر وقف کردی جائے (نظام الفتاوی۔۱۶۰)

ب۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کرکے اسکے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کرکے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی کوشش کی جائے۔

شامی میں ہے: "وجاز شرط الاستبدال الخ" میں استبدال کی دوسری شرط یہ ذکر فرمائی ہے: "أن لا يشرطه الاستبدال سواء شرط عدمه أو سكت ولكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلاً أو لا يفی بمؤنته فهو أيضا جائز إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه (شامی ۳/۴۲۴)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر وقف سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو رہا ہو لیکن ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اسکو دوسری زمین یا مکان سے بدلنا جائز ہے، لیکن اس میں مسلم ذمہ داروں سے مشورہ اور رائے لینا بھی ضروری ہے۔

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

وقف کی حقیقت کیا ہے؟ کن اشیاء میں وقف صحیح ہے اور کن میں صحیح نہیں ہے؟ اس کی بتدریج تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

وقف کی لغوی تعریف: اکثر لغت میں اس کی تعریف حبس سے کی ہے، یعنی ٹھہرنا، اور لسان العرب میں "خلاف الجلوس" یعنی بیٹھنے کے مقابلے میں کھڑے ہونے سے کیا ہے۔

وقف کی اصطلاحی تعریف: وقف کی اصطلاحی تعریف اکثر کتب فقہ میں امام صاحب کے نزدیک یہ ہے:

حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة على الفقراء، وزاد فتح القدير على من أحب فيدخل فيه الغني، وزاد في الهندية على وجه تعود منفعتها إلى العباد۔

کسی سامان کو واقف کی ملکیت میں محصور کر کے اس کی منفعت کو فقراء پر صدقہ کرنا۔ "فتح القدیر" میں مزید ہے: منفعت کا صدقہ کرنا جس پر چاہے تو غنی بھی اس کے تحت داخل ہو جائے گا۔ اور "ہندیہ" میں ہے: اس طرح کر دینا کہ منفعت بندوں کو پہونچتی رہے۔ اور صاحبین کے نزدیک وقف کی اصطلاحی تعریف **حبس العين على حكم ملك الله تعالى** (سامان کو اللہ تعالی کی ملکیت کے حکم میں کر دینا) ہے۔

وقف کا حکم:

چونکہ امام صاحب کے نزدیک وقف کی اصطلاحی تعریف "**حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة على الفقراء أو على من أحب**" ہے، اس لئے نہ وقف لازم ہوگا اور نہ شئ موقوف واقف کی ملکیت سے باہر ہوگی حتی کہ واقف کو شئ موقوف بیچنے اور ہبہ کرنے کا اختیار ہے، اور واقف کے مرنے کے بعد شئ موقوف میں وراثت بھی جاری ہوگی۔

لیکن تین صورتیں ایسی ہیں جن میں بالاتفاق شئ موقوف واقف کی ملکیت سے باہر ہو جاتی ہے:

(۱) کوئی شخص مسجد کے لئے وقف کرتا ہے تو شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی بالاتفاق۔

(۲) قضاء قاضی یعنی قاضی نے شئ موقوف ہونے کا فیصلہ کر دیا تو واقف کی ملکیت سے باہر ہو جائے گی۔

(۳) اگر واقف اپنی موت کے ساتھ معلق کر دے تو شئ موقوف واقف کی ملکیت سے باہر ہو جائے گی۔ اور صاحبین کے نزدیک چونکہ وقف کی تعریف "**حبس العين على حكم ملك الله**" ہے، لہذا جب واقف کا وقف کرنا صحیح ہو گیا تمام شرائط کے ساتھ تو وقف لازم ہو گیا، اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے باہر ہو کر اللہ تعالی کی ملکیت میں داخل ہو گئی۔

لیکن صاحبین کے مابین بھی تھوڑا اختلاف ہے: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مطلقاً وقف کر دینے سے وقف ہو جاتا ہے اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ وقف کے اندر تسلیم شرط ہے اس لئے جب تک سپرد نہ کیا جائے یا استعمال میں نہ لے آیا جائے تب تک وقف لازم نہیں ہوگا اور شئ واقف کی ملکیت سے باہر نہیں ہوگی، لہذا جب تسلیم (سپردگی) ہو جائے یا شئ موقوف مستعمل ہونے لگے تو وقف لازم بھی ہو گیا اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج بھی ہو گئی۔ لیکن اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کا قول اقرب الی الفقہ اور راجح معلوم ہوتا ہے۔

مسجد اور دیگر اوقاف میں فرق:

مسجد کے اندر تو بالاتفاق شئ موقوف واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جب تک اس مسجد کے اندر نماز نہ پڑھے واقف کی ملکیت سے نہیں نکلتی ہے اور قبرستان، پیاؤ (پانی پینے یا پلانے کے نظم کی کوئی شکل)، حوض، مسافر خانہ، و دیگر اوقاف کے اندر امام صاحب کے نزدیک چونکہ وقف کی تعریف حبس العین علی ملك الواقف والتصدق بالمنفعة علی الفقراء ہے، لہذا مسجد کے علاوہ ان تمام صورتوں میں شئ موقوفہ واقف کی ملکیت سے نہیں نکلے گی، لہذا اس کو بیچنے اور ہبہ کرنے کا اختیار ہے اور اس میں وراثت بھی جاری ہو گی، ہاں دو صورتوں میں واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے اور وقف لازم ہو جاتا ہے۔

(۱) قضاء قاضی، یعنی قاضی صاحب نے فیصلہ کر دیا ہے تو واقف کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی اور وقف لازم ہو جائیگا۔

(۲) تعلق بالموت، یعنی اپنے موت کے ساتھ متعلق کر دے کہ میرے مرنے کے بعد یہ شئ وقف ہے تو یہ وقف لازم ہو جائے گا، اور صاحبین کے نزدیک چونکہ وقف کی تعریف" حبس العین علی حکم ملك الله" یعنی عین کا خاص کرنا اللہ تعالی کی ملکیت میں ہے، اس لئے ان تمام صورتوں میں وقف لازم ہو جائے گا اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو کر اللہ تعالی کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مطلقاً وقف کر دینے سے شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے اور چونکہ امام محمدؒ کے نزدیک تسلیم (سپردگی) شرط ہے لہذا جب مسافر خانہ میں کوئی رہنے لگے یا قبرستان میں ایک بھی مردہ دفن ہو جائے یا اس کے علاوہ تسلیم (کسی شکل میں سپردگی) ہو جائے تو وقف لازم ہو گیا اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو گئی۔

امام صاحبؒ کی دلیل:

حضور ﷺ کا قول ہے: "لا حبس عن فرائض الله" یعنی اللہ تعالی نے فرائض کے معاملہ میں جو حکم دیا ہے اس کے اندر وقف جاری نہیں ہو گا۔ یعنی اس کو خاص نہیں کیا جائیگا، اور جب کوئی شخص انتقال کرتا ہے تو اس کی متروکہ اشیاء کو اللہ تعالی نے اسکے وارثین میں تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے، اور جب وارثین کا حق اس سے متعلق ہو گیا تو اس کو اس کے مرنے کے بعد کیونکر روک کر رکھا جا سکتا ہے، اور وہ دونوں صورتیں جن میں وقف لازم ہو جاتا ہے اس میں بیان کرتے ہیں کہ حاکم چونکہ مجتہد ہے اس وجہ سے اس کے حکم سے وقف لازم ہو جائے گا، اسی طرح سے تعلق بعد الموت میں چونکہ وصیت ثلث مال میں صحیح ہے اس لئے مرنے کے بعد معلق کرتا ہے تو وقف لازم ہو جائے گا۔

اس کے بعد دوسری دلیل دیتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص قبرستان کی زمین وقف کرتا ہے، اسی طرح سے پیاؤ یا مسافر خانہ وقف کرتا ہے تو قبرستان میں خود مدفون بھی ہو سکتا ہے اور مسافر خانہ میں بھی خود بھی ٹھہر سکتا ہے، اگر موقوف چیز اس کی ملکیت سے زائل ہو جاتی تو قبرستان میں اس کو دفن نہیں کیا جا سکتا تھا اور مسافر خانہ میں ٹھہر بھی نہیں سکتا تھا اس لئے کہ وہ مال غیر

ہو گیا، لہذا وقف نہ لازم ہو گا اور نہ ہی واقف کی ملکیت سے خارج ہو گا لیکن وقف بہر حال صحیح ہو جائے گا، جیسا کہ عاریت میں رہتا ہے کہ شئ مستعار اس کی ملکیت میں رہتی ہے اور اس کے منافع کا حق دوسروں کو دیدیتا ہے، یعنی ملکیت تو مالک کی رہتی ہے لیکن اس کو شئ سے نفع حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے۔

صاحبین کی دلیل: ان کی دلیل یہ ہے کہ جب واقف نے کہا "وقفت داری" تو اس میں دو احتمال ہے، ایک تو یہ کہ وہ شے اس کی ملکیت میں ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ شئ موقوف اس کی ملکیت سے خارج ہو گئی، اور جب دونوں کا احتمال ہے تو ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح شمار کر کے کسی ایک پر عمل کیا جائے گا، لہذا جب ہم نے غور و خوض کیا تو ایک حدیث شریف سامنے آئی، جس کی بنا پر ہم نے دوسرے کو راجح قرار دیکر مسئلہ کو صاف کر دیا، حدیث شریف یہ ہے جب حضرت عمرؓ نے خیبر کی زمین کا وقف کرنا چاہا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا اس کے عین کو صدقہ کرو، یہی محل استدلال ہے کہ جب تک شئ موقوف واقف کی ملکیت سے نہیں نکلتی تب تک صدقہ کا تحقق کس طرح ہو گا یعنی عین کا صدقہ کس طرح سامنے آیگا، لہذا جب عین کا صدقہ ہو جائے گا تو وقف بھی لازم ہو جائے گا اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی، اب جب شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو گئی تو نہ اس کو بیچنے اور نہ ہی اس کو ہبہ کرنے کا اختیار ہے اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہو گی، یہی وجہ ہے اس کو ترجیح دینے کی۔

صاحبین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ضرورت بھی یہی ہے کہ وقف لازم ہو جائے، اس لئے کہ جب تک وقف لازم نہیں ہو گا ہمیشہ کے لئے واقف کو وقف کا ثواب حاصل نہیں ہو گا بلکہ جب وہ شئ موقوف کو بیچ دیگا یا ہبہ کر دے گا یا اس میں وراثت جاری ہو گی تو اس کا ثواب منقطع ہو جائے گا، لہذا جب تک وقف لازم نہیں ہو گا موقوف شے اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہو گی اور اس کو ثواب نہیں ملے گا۔

اس کے بعد وقف کے شرائط کو بیان کرتے ہیں کہ کن کن شرطوں کی بنا پر وقف صحیح ہو جاتا ہے اور کون سی شرط ایسی ہے جس کی وجہ سے وقف فاسد ہو جائے گا اور کون سی شرط سے شرط فاسد اور وقف صحیح ہو جائے گا۔

شرائط واقف:

(۱) پہلی شرط تو یہ ہے کہ واقف آزاد ہو، اسی لئے اگر کوئی غلام وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح نہیں ہو گا بلکہ وقف باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہے، جو کچھ اس کے پاس ہے اس کے آقا کی ملکیت ہے۔

(۲) واقف بالغ ہو، اس لئے کہ اگر نابالغ وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح نہیں ہو گا، ہاں اس کا وقف موقوف رہیگا قاضی کی اجازت پر، اگر قاضی صاحب اجازت دیتے ہیں تو اس کا وقف بھی نافذ ہو جائے گا۔

(۳) واقف عاقل ہو، اسی لئے اگر کوئی مجنون، دیوانہ، پاگل کسی شئ کا وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح نہیں ہو گا، وجہ یہ ہے کہ وقف کہتے ہیں بغیر کسی عوض کے اپنے ملک کو زائل کرنا بنیت ثواب، اور نابالغ اور مجنون کا مال نقصان والے تصرفات کا محل نہیں ہے۔

(۴) یہ ہے کہ وقف کرتے وقت شیٔ موقوف واقف کی ملکیت میں ہو، لہذا اگر کوئی شخص ارض مغصوبہ کا وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح نہیں ہو گا، اس لئے کہ وہ جس چیز کا وقف کر رہا ہے اس کا وہ مالک نہیں ہے، اسی طرح سے اگر وہ بعد میں ارض مغصوبہ کا مالک بن جاتا ہے کسی وجہ سے بھی تو وقف درست نہیں ہو گا، اس لئے کہ بوقت وقف شیٔ موقوف کا اس کی ملکیت میں موجود ہونا شرط ہے اور وہ شخص وقف کرتے وقت اس کا مالک نہیں تھا۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ وقف منجز ہو معلق نہ ہو، یعنی اس شرط کے ساتھ وقف کرتا ہے کہ اگر میرا لڑکا آگیا یا فلاں شخص کا انتقال ہو گیا تو میری زمین وقف ہے تو وقف صحیح نہیں ہو گا، اس لئے وقف بلا شرط ہو اور صاف وضاحت کے ساتھ وقف کرے۔

(۶) یہ ہے کہ شیٔ موقوف معلوم ہو مجہول نہ ہو، یعنی جو چیز وقف کرتا ہے اس کا متعین کرنا ضروری ہے، لہذا اس کے برخلاف اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میری زمین وقف ہے تو وقف درست نہیں ہو گا، اس لئے کہ وقف کے اندر متعین کرنا ضروری ہے کہ کتنی اور کون سی زمین وقف کر رہا ہے ورنہ وقف باطل ہو جائے گا۔

(۷) یہ ہے کہ مجور علیہ نہ ہو، یعنی قاضی کی طرف سے اس کو تصرف سے منع نہ کیا گیا ہو، جیسا کہ کوئی دیوانہ ہے یا مقروض ہے اس کی وجہ سے قاضی نے اس کو مجور علیہ قرار دیا ہے تو اس کا وقف صحیح نہ ہو گا۔

(۸) ایک شرط یہ بھی ہے کہ واقف شیٔ موقوف کی آخری جہت ایسی بیان کرے جو کبھی ختم ہونے والی نہ ہو، یہ شرط طرفین کے نزدیک ہے ان کے برخلاف امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ آخری جہت بیان فرمانے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اس کے بعد فقراء اور مساکین پر خود بخود وقف ہو جائے گی، مثلاً کوئی شخص کہتا ہے کہ میری فلاں زمین زید پر وقف ہے، اس کے بعد اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا تو طرفین کے نزدیک وقف درست نہیں ہو گا، لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ زید کی اولاد کے بعد وہ شیٔ خو: بخود فقراء پر وقف ہو جائے گی، بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۹) یہ ہے کہ وقف مؤبد ہو موقت نہ ہو، اس لئے کہ وقف کہتے ہیں غیر محدود طریقے پر اپنی ملکیت کو زائل کرنا اور موقت میں ایسا نہیں ہے، لہذا اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد ایک سال کے لئے زمین فقراء پر وقف ہے تو یہ وقف باطل ہو جائے گا۔

(۱۰) یہ ہے کہ وقف کو خیار شرط کے ساتھ معلق نہ کیا ہو، لہذا اگر کسی شخص نے خیار شرط کے ساتھ معلق کیا ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تین دن تک خیار شرط ہے اس کے بعد خیار باطل ہو جائے گا، اور امام محمد مطلقاً خیار کو باطل قرار دیتے ہیں، یہ اختلاف مسجد کے علاوہ میں ہے ورنہ مسجد کے بارے میں بالاتفاق خیار باطل ہو جائے گا۔

(۱۱) یہ ہے کہ وقف کرتے وقت بیع کی شرط نہ لگایا ہو اس لئے کہ وقف کرنے سے شیٔ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے، اور جب بیع کی شرط لگائے گا تو پھر اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہو گی، اس وجہ سے کہ بیع کی شرط وقف میں جائز نہیں ہے۔

(۱۲) یہ ہے کہ وقف غیر منقول اشیاء میں ہو، جیسے زمین اور مکان وغیرہ، ہاں وہ اشیاء جو غیر منقولی کے تابع ہیں جیسے زمین کی کاشتکاری کے لئے ہل بیل کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ اس کے تابع ہے، لہذا اس طرح کی اشیاء غیر منقول کے تابع ہو کر وقف صحیح ہو جائے گا اس قاعدے کے تحت جس کو ہدایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

کم من شئ یثبت تبعا لم یثبت مقصوداً الخ (بہت سی چیزیں تبعاً تو ثابت ہوتی ہیں اور اصالۃً ثابت نہیں ہوتیں)

اوقاف کے اندر شرطوں کی بحث:

اب بیان کیا جاتا ہے کہ اوقاف کے اندر شرائط کی حیثیت کیا ہے، وقف کے اندر جتنی شرطیں ذکر کی گئیں ہیں تمام شرطیں پائی جاتی ہیں تو وقف صحیح اور درست ہو جائے گا، اور اگر تمام شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں تو وقف باطل ہو جائے گا، لیکن بعض شرطیں ایسی ہیں جو کہ شروط فاسدہ کہلاتی ہیں، جنکی وجہ سے وقف صحیح اور شرط باطل ہو جاتی ہے۔ مثلاً وقف کی ایک شرط یہ ہے کہ واقف آزاد اور عاقل و بالغ ہو، لہذا اگر غلام یا مجنون اور بچہ وقف کرتا ہے تو وقف باطل ہے، اسی طرح سے وقف کے لئے شئ کا معلوم ہونا شرط ہے لہذا اگر کوئی شخص مجہول شئ کا وقف کرتا ہے تو وقف باطل ہو جائے گا۔

شرائط کی دوسری قسم میں اختلاف ہے، مثلاً کوئی شخص وقف کرتا ہے خیار شرط کے ساتھ تو اس کے بارے میں امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وقف درست ہو جائیگا اور خیار کی شرط فاسد ہے، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کے لئے تین دن تک کے لئے خیار ہوگا اور تین دن گذر جانے کے بعد خیار باطل ہو کر وقف صحیح ہو جائے گا، یہی مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ موقوفہ اشیاء کے بدلنے کی شرط لگائے۔

شرائط کی تیسری قسم:

اگر کوئی شخص مسجد کے لئے زمین وقف کرتا ہے اور اس کے اندر کسی قسم کی شرط لگاتا ہے تو بالاتفاق وقف صحیح اور درست ہو جائے گا اور شرط فاسد قرار پائے گی۔

وقف کے الفاظ:

علامہ شامی نے ردالمحتار میں ذکر کیا ہے کہ وقف کے الفاظ تقریباً (۲۰) ہیں جن میں کچھ کا شمار انہوں نے کیا ہے، مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میری فلاں زمین کا غلہ ہمیشہ کے لئے وقف ہے، یا یہ کہتا ہے کہ میری فلاں جائداد زید پر موقوف ہے، اس کے بعد اس کی اولاد پر، اس کے بعد فقراء پر، اسی طرح سے یہ کہے کہ میری فلاں زمین فقراء پر صدقہ ہے، یا اپنے مرنے کے ساتھ معلق کر دیا کہ میری فلاں زمین فقراء پر وقف ہے تو اس کے ثلث مال میں سے وقف جاری کیا جائے گا۔ لیکن اصل لفظ جو ہے موقوفہ، یعنی موقوفہ کا لفظ استعمال کرنے سے بلا تامل وقف ہو جائے گا، یعنی یہ کہدینا ہی کافی ہے کہ میری فلاں زمین موقوف ہے "ارضی هذه موقوفة" اس طرح کے الفاظ کہہ دینے سے وقف صحیح ہو جائے گا، یہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب کہ کسی معین شخص کے لئے وقف نہ کیا ہو، اگر معین شخص کے لئے وقف کیا ہے تو اس معین شخص کے مرنے کے بعد شئ مذکورہ خود بخود فقراء پر وقف

ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں علامہ شامیؒ نے یہ ذکر کیا ہے کہ صدر الشہید کا قول یہ ہے کہ مشائخ بلخ کا اسی پر فتوی ہے، انہوں نے عرف کا اعتبار کیا ہے، عرف یہ ہے کہ جب انسان کسی معین شخص پر وقف کرتا ہے اور اسکے بعد کچھ نہیں ذکر کرتا ہے تو خود بخود شی مذکور فقراء پر وقف ہو جائے گی، وجہ یہ ہے کہ عموماً وقف جو کیا جاتا ہے فقراء پر ہی کیا جاتا ہے۔

منقولی اشیاء کا وقف:

منقولی اشیاء کے اندر امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ کراع یعنی سواری کا جانور اور ہتھیار کے علاوہ کسی منقولی اشیاء میں وقف صحیح نہیں ہے، اور کراع اور اسلحہ کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اسمیں بھی وقف درست نہیں ہو لیکن چونکہ ان دونوں کے بارے میں نص وارد ہے اس وجہ سے اس کو جائز قرار دیا، اس لئے کہ وقف کے اندر تابید شرط ہے اور کراع و اسلحہ ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں ہے، لہذا قیاس تو یہ کہتا ہے کہ وقف درست نہ ہو لیکن اس کے بارے میں حدیث ہے، حضور علیہ ﷺ نے فرمایا:

أما خالد فقد حبس أدرعا وأفراسا له في سبيل الله وأما طلحة حبس درعه في سبيله الخ (خالد نے اپنی زرہیں اور گھوڑے اللہ کے راستے میں دیدئے ہیں اور طلحہ نے اپنی زرہ اللہ کے راستے میں دیدیا ہے)

اس حدیث کی بنا پر ان دونوں میں وقف درست ہے، اور امام محمد فرماتے ہیں کہ وہ شی جس کو عرف عام میں وقف کیا جاتا ہے جیسے قرآن کریم، کلہاڑی وغیرہ، تو چونکہ شریعت میں عرف کا بہت بڑا دخل ہے اس وجہ سے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے ان اشیاء میں بھی وقف درست ہو جائے گا۔ انکی دلیل "**ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن**" اس لئے کہ مسلمان کسی برائی کو حسن نہیں کہہ سکتا ہے، اور امام محمد کا قول **أقرب إلى الفقه** معلوم ہوتا ہے یہی قول ہمارے یہاں مفتی بہ قرار پاکر فتوی اسی پر دیا جاتا ہے۔

غیر مسلم کا کیا ہوا وقف:

غیر مسلم کا کیا ہوا وقف صحیح اور درست ہے، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ جس چیز کے لئے وقف کر رہا ہے وہ شی ہمارے یہاں بھی قربت اور ان کے یہاں بھی قربت ہو یعنی باعث ثواب ہو، لیکن اگر کسی ایک کے یہاں قربت ہو اور دوسرے کے یہاں باعث قربت نہیں ہے تو صحیح نہیں ہے، دونوں کے نزدیک قربت ہونے کی مثال، جیسے کوئی غیر مسلم فقراء کے لئے وقف کرتا ہے تو ان کے یہاں بھی قربت ہے اور ہمارے یہاں بھی باعث ثواب ہے، اسی طرح بیت المقدس کے لئے وقف کو وہ بھی قربت مانتے ہیں، لہذا اس صورت میں وقف درست قرار پائیگا۔

مشترک اشیاء کا وقف:

مشترک اشیاء کا وقف صحیح بھی ہے اور نہیں بھی ہے، اگر مشترک اشیاء ایسی ہیں جو قابل تقسیم نہ ہو تو ایسی صورت میں بالاتفاق اشیاء کا وقف صحیح ہے، مثلاً چھوٹا کمرہ یا غسل خانہ ہے، اب اس میں دو آدمی شریک ہیں ان میں سے ایک اپنے حصہ کو وقف کرنا چاہتا ہے تو اس کا وقف بالاتفاق درست ہے اس لئے کہ یہ ایسی زمین ہے جو نا قابل تقسیم ہے۔

اور اگر مشترک اشیاء ایسی ہیں جو قابل تقسیم ہیں تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ مشترک اشیاء کے وقف کو

جائز قرار دیتے ہیں اس لئے کہ تقسیم قبضہ کو مکمل کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور ان کے نزدیک قبضہ شرط نہیں ہے، لہذا مشترک اشیاء کا وقف درست ہو جائے گا، اور امام محمد کے نزدیک چونکہ تسلیم (سپردگی) شرط ہے اور مشترک اشیاء میں تسلیم نہیں پایا جاتا ہے، لہذا مشترک اشیاء کا وقف صحیح نہیں ہے۔

شئ موقوف کا تبادلہ:

اگر واقف شئ موقوف کے تبادلے کی شرط لگاتا ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر تبادلے کی شرط لگاتا ہے تو وقف صحیح ہو جائے گا اور شرط باطل ہو جائے گی، اسی طرح سے اگر شرط لگاتا ہے کہ شئ موقوف کو بیچ کر اس کیقیمتسے دوسری شئ خریدی جائے گی، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ شرط بھی درست ہے، لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وقف صحیح ہو جائے گا اور شرط فاسد ہو جائے گی، لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی اس کو ایک ہی مرتبہ کا اختیار ہوگا، دوسری مرتبہ پھر اس کا تبادلہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا اختیار نہیں ہے اس لئے کہ پہلی مرتبہ تبادلہ سے شرط ختم ہو گئی، اب شرط مفقود ہے اس لئے اختیار نہیں ہوگا۔

دلیل: فإن شرائط الواقف معتبرة ما لم تخالف الشرع (واقف کی شرطیں اگر مخالف شرع نہ ہوں تو معتبر ہیں)

واقف کے کن کن شرطوں کی رعایت ضروری ہے:

واقف ایسی شرطیں لگاتا ہے جو کہ شرع کے مخالف نہ ہو تو قاضی کے لئے ایسی شرطوں کی رعایت ضروری ہے، مثلاً واقف اپنی جائداد کو وقف کرتا ہے اور شرط لگاتا ہے کہ اس زمین کا غلہ اس پر خرچ ہوگا تو یہ صحیح ہے، اسی طرح سے اگر یہ شرط لگاتا ہے کہ اس کی ولایت اسکے لئے ہے تو یہ شرط لگانا بھی صحیح اور درست ہے، اور ایسی شرطوں کی رعایت قاضی پر ضروری ہے، لہذا موقوفہ اشیاء کی ولایت اس کے لئے ثابت ہوگی۔

شئ موقوف کا مقصد اگر فوت ہو جائے تو کیا حکم ہے:

امام محمدؒ کے نزدیک مطلقاً شئ موقوف کا مقصد اگر فوت ہو جائے، یا وقف کوئی ایسی پرانی چیز میں ہے جو بیکار پڑی ہوئی ہے تو یہ تمام اشیاء واقف کی طرف لوٹ آئیں گی بشرطیکہ واقف باحیات ہو، ورنہ اگر واقف کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثاء میں تقسیم ہوں گی، اور مسجد کے بارے میں امام صاحب اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر مسجد ٹوٹ جائے اور ویران ہو جائے اور وہاں پر کوئی مسلمان آباد نہیں ہے جو مسجد کی دوبارہ تعمیر نو کر کے آباد کرے تب بھی وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، جب وہاں مسلمان پہونچنے لگیں تو ان کو اس جگہ پر مسجد بنانا ضروری ہوگا، لیکن امام ابو یوسف کی ایک ہدایت یہ ہے کہ اگر ان اشیاء کا مقصد فوت جائے تو چاہے وہ مسجد ہو، یا اوقاف کی دیگر اشیاء ہوں ان سب کو قاضی کے حکم سے بیچ کر قریب والی مسجد میں اس کے ثمن کو صرف کیا جائیگا، اسی طرح سے جو بھی اوقاف کی چیزیں بیکار پڑی ہوئی ہیں یا اس کا مقصد فوت ہو گیا ہے تو قاضی کے حکم سے اس کو بیچ کر اس ثمن کو قریب والے اوقاف میں صرف کیا جائے گا بشرطیکہ وقف کسی معین شخص کے لئے نہ ہو بلکہ عام فقراء کے لئے ہو۔

الف، ب۔ ایسے اوقاف کے استبدال کے سلسلے میں فرق ہے کہ اگر مساجد ہیں تو بالاتفاق وہ مسجدیں قیامت تک مسجد ہی رہیں گی اس سے مسجد کا حکم ختم نہیں ہوگا، بلکہ اس جگہ جب بھی مسلمان آکر آباد ہونگے ان کے لئے اس جگہ مسجد تعمیر کرنا ضروری ہوگا۔ ہاں مسجد کے وہ سامان جو مصرف کے لائق نہیں اس کو قریب والی مسجد کی طرف منتقل کیا جاسکتا ہے، اور اس کے اندر بھی ارباب حل وعقد کے مشورہ سے اگر کیا جاسکتا ہے تو اس وقف کو منتقل کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، اور دوسرے اوقاف کے سلسلے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر واقف کے مقاصد کو باقی رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر متبادل وقف قائم کیا جاتا ہے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے اس لئے کہ فقہاء کا قاعدہ ہے "شرط الواقف کنص الشارع"۔

جو مسجد غیر آباد ہو چکی ہے کہ وہاں نماز پڑھنے کی کوئی صورت نہیں رہی اس جگہ کو محفوظ کر دیا جائے، مفتی بہ قول کے مطابق وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، ہاں اس مسجد کا سامان دوسری مسجد میں یعنی کار آمد نہ ہو تو ارباب حل وعقد کی رائے سے اس سامان کو فروخت کر کے قیمت دوسری مسجد میں صرف کر دی جائے لیکن مسجد کا سامان بلا قیمت مدرسہ یا مسافر خانہ وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔ شامی میں ہے:

ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبدا إلی قیام الساعة وبه یفتی، وروی الملك عن محمد وعن الثانی ینقل إلی مسجد آخر بإذن القاضی وكذا الرباط والبئر والحوض إلی أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض۔

قوله وخرب ما حوله ای ولو مع بقائه عامراً وكذا لو خرب ولیس له ما یعمر وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر قوله وعند الثانی جزم به فی الاسعاف حیث قال لو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا یعود إلی ملك الواقف عند أبی یوسف فیباع نقضه بإذن القاضی ویصرف القاضی إلی بعض المساجد قوله إلی أقرب مسجد أو رباط، لف ونشر مرتب وظاهره انه لا یجوز صرف وقف مسجد خرب إلی حوض وعكسه۔

اس پوری عبارت سے پورا مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ مسجد اور دیگر اوقاف کے اندر فرق ہے، لہذا مسجد کے علاوہ ان اوقاف کے سامان کو جن کا مقصد بالکل فوت ہو چکا ہے دوسرے اوقاف کے اندر صرف کیا جاسکتا ہے، چاہے وہ اوقاف قبرستان ہو یا حوض یا مسافر خانہ کسی بھی قسم میں ہو، اور اگر بالکلیہ طور پر انتفاع منقطع ہو جائے تو قاضی شرعی جہاں قائم ہے ورنہ ارباب حل وعقد کو چند شرائط کے ساتھ اس کا متبادل وقف قائم کرنے کی اجازت ہے۔

والمعتمد انه یجوز القاضی بشرط أن یخرج عن الانتفاع بالكلیة وأن لا یكون هناك ریع لوقف یعمر به وأن لا یكون البیع بغبن فاحش كذا فی البحر الرائق. وشرط فی الاسعاف أن یكون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم۔

یعنی بالکلیہ طور پر نا قابل انتفاع ہے یا اس کی آمدنی اتنی نہیں ہو رہی ہے جس سے اس کی تعمیر ہو سکے اور بیع بڑے خسارے

سے بھی نہیں ہو رہی ہے تو اس صورت میں قاضی جنت جو کہ ذی علم ہو اس کے حکم سے استبدال جائز ہے۔ ایک بات باقی رہ جاتی ہے کہ اگر واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کئے جا سکتے ہیں یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ "شرط الواقف کنص الشارع" یعنی واقف کی شرط شارع کے نص کی طرح ہے۔

مولانا سمیع الله قاسمی

اشیاء موقوفہ کا حکم:

الف، ب۔ جب کسی شئ کو وقف کر دیا گیا تو وہ شئ واقف کی ملکیت سے نکل جانے کی وجہ سے نہ تو فروخت کی جا سکتی ہے نہ ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس میں اجراء وراثت ہی ممکن ہے، نہ اس کا استبدال ہی جائز ہے۔

فإذا تم الوقف ولزم لا يملك ولا يرهن قوله لا يملك اى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليكه الخارج عن ملكه (ردالمحتار ۳/ ۴۲۴) **(ولو خرب ما حوله و استغنى عنه يبقى مسجدا عند الامام والثانى) أبداً إلى قيام الساعة** (ردالمحتار ۳/ ۵۱۳)

اشیاء موقوفہ میں تبادلہ کی گنجائش:

اگر کوئی ایسی صورت حال پیش آجائے کہ مقاصد اوقاف باقی نہ رہ سکیں، مثلاً وہ جگہیں جہاں یہ اوقاف ہیں مسلمانوں کے بالکلیہ ختم ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکی ہوں، دور دور تک مسلمانوں کا نام و نشان نہیں ہے، اور ان اوقاف کا بروئے کار لانا مشکل ہو گیا ہو، اور ایسے اوقاف پر حکومت کا ناجائز قبضہ ہو تا جا رہا ہو، تو ان مذکورہ صورتوں میں تین علتوں کی بنا پر اوقاف کو فروخت کرنے یا کسی دیگر افراد کو حوالہ کر کے اس کے عوض متبادل اوقاف قائم کرنے کی احقر کے نزدیک گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

ایک علت تو مقاصد اوقاف کا معطل اور برباد ہونا ہے کیونکہ فقہاء کا اصول ہے "**إن مراعاة غرض الواقف واجبة**" (ردالمحتار ۳/ ۴۶۴) (واقف کی غرض کی رعایت واجب ہے)۔

دوسری علت عدم حفظ اوقاف ہے جو کہ حکومت کے ناجائز قبضہ کی وجہ سے رونما ہو رہی ہے۔

وفى فتح القدير فمن أرض الوقف إذا غصبها الغاصب وأجرى عليها الماء حتى صارت بحراً لا تصلح للزراعة يضمن قيمتها ويشترى بها أرضا أخرى فتكون أرضا مكانها الخ (فتح ۵/ ۴۳۹)

وقف کی زمین کو اگر کوئی غصب کر لے اور اس میں اتنا پانی ڈالے کہ وہ پانی کی زیادتی کی وجہ سے قابل کاشت نہ رہ جائے تو وہ قیمت کا ضامن ہو گا اور اس سے دوسری زمین خرید کر اس کو اس کی جگہ وقف قرار دیا جائے گا۔

تیسری علت فقدان منافع اوقاف ہے، کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب اوقاف کے منافع بالکلیہ مفقود ہو جائیں تو ان اوقاف کو فروخت کر کے بدل قائم کئے جا سکتے ہیں۔

والثانى لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلا أولا يفى بمؤنته فهو أيضا جائز (ردالمحتار ۳/ ۴۲۴)

الفقه الاسلامی وأدلته کے اندر ہے: (شروط الاستبدال) أن یخرج الموقوف عن الانتفاع به بالکلیة ای یصبح عدیم المنفعة (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/ ۲۲۲)

استبدال کے سلسلے میں اوقاف مساجد اور دیگر اوقاف کے حکم میں مساوات:

استبدال کے سلسلے میں اوقاف مساجد اور دیگر اوقاف کے احکام مساوی ہیں، یعنی جس طرح دیگر اوقاف کے مجبوری کی وجہ سے بدل قائم کئے جاسکتے ہیں اسی طرح مساجد کے اوقاف کے بھی بدل قائم کئے جاسکتے ہیں۔

مولانا محمد صدر عالم قاسمی

الف۔ ایسے اوقاف جو مسلمانوں کی اجتماعی نقل آبادی کے سبب ویران ہو چکے ہیں، یا اوقاف ایسے مقامات پر ہیں کہ دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناممکن ہو چکا ہے پھر بھی ایسے اوقاف کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

إذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه (ہدایہ ۲/ ۶۴۰)

نیز فتاوی عالمگیری میں ہے:

"الوقف مرسلا لم یذکر فیه شرط الاستبدال لم یکن له أن یبیعها و یستبدل بها وإن کان أرض الوقف سبخة لا ینتفع بها کذا فی فتاوی قاضی خان" (الفتاوی الہندیہ ۲/ ۳۳۰)۔

ب۔ ہاں ایسے اوقاف کا استبدال جائز ہے یعنی ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر لیا جائے، یہ عوض معوض کی نوع کا ہی وقف قرار پائے گا، اور معوض کے ہی مقاصد اس پر جاری ہوں گے۔

والمعتمد أنه یجوز للقاضی بشرط ان یخرج عن الانتفاع بالکلیة و أن لا یکون هناك ریع للوقف یعمر به وأن لا یکون البیع بغبن فاحش کذا فی البحر الرائق. (فتاوی عالمگیری ۲/ ۳۳۰)۔

استبدال وقف کے سلسلے میں مساجد اور دوسرے اوقاف کا حکم قطعاً یکساں نہیں ہے بلکہ دونوں میں بنیادی فرق ہے، اور وہ یہ کہ مساجد کے علاوہ دوسرے تمام اوقاف حتی کہ مساجد پر وقف جائداد کا استبدال بشرائط جائز ہے، لیکن مساجد کا استبدال جائز نہیں ہے، کیونکہ جو جگہ ایک بار مسجد ہو گئی وہ ابد الآباد تک مسجد ہی رہے گی، اور وہ جگہ شخصی تصرفات وملکیت سے خارج ہو کر حق تعالی کی ملک ہو جاتی ہے۔

قال الله تعالی: "إن المساجد لله"

وفی رد المحتار: إن المسجد إذا خرب یبقی مسجداً أبداً۔

مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں: جب مسجد کی جگہ ویران ہو جائے اور مسجد میں

نمازی نہ رہیں اور اس کو آباد رکھنے کی کوئی صورت متصور نہ ہو تو اس کو مقفل کر کے محفوظ کر دیا جائے اور اس کا روپیہ کسی دوسری حاجتمند مسجد میں صرف کر دیا جائے (کفایت المفتی ۷/ ۶۲)۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی

اوقاف کا شرعی حکم کیا ہے:

اوقاف کے بارے میں شریعت کا اصل حکم تو یہی ہے کہ واقف نے جس غرض کے لئے کوئی چیز وقف کی ہے وہ موقوفہ چیز اس دائرہ تک محدود رہے اس کو کسی دوسرے مصرف میں لانا یا اس کو فروخت کرنا یا دوسری جگہ سے تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ فقہاء کرام اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ موقوفہ چیزوں میں واقفین کی غرض کی رعایت کرنا ضروری ہے، لہذا جس شخص نے مسجد کے لئے زمین وقف کی ہے تو وہ زمین مسجد ہی کی رہے گی اس کو مدرسہ میں تبدیل کرنا اور اس جگہ پر مدرسہ قائم کرنا جائز نہیں ہوگا، یہی دوسرے اوقاف کا حکم ہے، فقہاء فرماتے ہیں:

شرط الواقف کنص الشارع (شامی ۳/ ۴۵۶)

واقف کا شرط لگانا شارع کے حکم کے مانند ہے۔ واقفین کے غرض کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ (شامی ۳/ ۴۶۴)

غیر اسلامی ملک ہندوستان میں بہت سے اوقاف، مثلاً مساجد و مدارس و قبرستان وغیرہ ایسے ویران اور معطل ہو چکے ہیں کہ اب وہاں کوئی ایسی صورت حال نہیں پائی جاتی کہ ان کو آباد کیا جائے، یا تو اس لئے کہ وہ اوقاف ایسے علاقوں میں ہیں جہاں موجودہ دور میں مسلمان آباد نہیں ہیں بلکہ غیر مسلم لوگ آباد ہیں اور یا اس لئے کہ وہ غیر مسلموں کے قبضہ میں ہیں، تو ایسی صورت حال میں ان اوقاف کو شرعی اعتبار سے بروئے کار لانا ناممکن سا ہے، ایسی صورت میں واقفین کی رعایت کرتے ہوئے ان اوقاف کو بروئے کار لانے کے لئے ہمارے سامنے مندرجہ ذیل احکامات سامنے آتے ہیں، جن کو بالترتیب بیان کیا جاتا ہے:

مسجد کے بارے میں حکم:

جس جگہ مسجد قائم کر دی گئی ہو وہ شرعی اعتبار سے مسجد بن جاتی ہے، اب اس کے بعد کسی وجہ سے وہ مسجد بالکل ویران اور برباد ہو جائے اور اس میں کبھی کوئی نماز نہ پڑھی جاتی ہو بلکہ مقفل ہو یا اور دوسرے کام اس مسجد میں کئے جانے لگے ہوں، یا ان میں دفاتر، اسکول وغیرہ قائم کر دیئے گئے ہوں، یا جانور وغیرہ باندھے جانے لگے ہوں تو ایسی صورت میں معروف و راجح مسلک یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے، خواہ وہ کتنی ہی ویران و برباد ہو جائے پھر بھی شریعت کا اصل حکم یہی ہے کہ وہ مسجد ہی رہے، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام شافعی، امام مالک رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے، صاحب فتح القدیر نے اس کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

ولو خرب ماحول المسجد واستغنی عنه ای استغنی عن الصلوٰۃ فیه أهل تلك المحلة أو القریة بأن کان

في قرية فخربت وحولت مزارع يبقى مسجداً على حاله عند أبي يوسف و هو قول أبي حنيفة ومالك والشافعي (فتح القدیر ۵/۴۴۶)

اور اگر مسجد کے ارد گرد ویران ہو جائے اور لوگ محلہ والے یا گاؤں والے اس میں نماز پڑھنے سے بے نیاز ہو جائیں، اس طرح سے کہ گاؤں پوری طرح ویران ہو جائے اور ان جگہوں کو کھیت بنالیا جائے تو ایسی حالت میں بھی وہ مسجد ہی رہے گی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، یہی قول امام ابو حنیفہؒ و شافعیؒ و مالکؒ کا ہے۔

دیگر اوقاف کا شرعی حکم:

تمام اوقاف کے بارے میں اصل حکم تو یہی ہے کہ جس مقصد کے لئے واقف نے کوئی شئ وقف کی ہے وہ واقف کی غرض کے مطابق اس دائرے تک محدود رہے اس سے تجاوز نہ کرے، اور اس کو کسی دوسری جگہ سے تبدیل کرنا یا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصریؒ کی مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

ولو كان الوقف مرسلاً لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له أن يبيعها ويستبدل بها وإن كانت الأرض سبخة لاينتفع بها لأن سبيل الوقف أن يكون مؤبداً لا يباع (البحر الرائق ۵/۲۰۶)

اور اگر وقف مطلق ہے واقف نے بدلنے کی شرط ذکر نہیں کی تو اس کو فروخت کرنا اور دوسری جگہ سے تبادلہ کرنا جائز نہیں ہے، زمین اگرچہ دلدلی ہو جس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا ہو، اس لئے کہ وقف کی راہ تو یہی ہے کہ موقوفہ زمین ابدی ہوتی ہے اس کو فروخت نہیں کیا جاتا۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ موقوفہ جگہ کو تبدیل کرنا یا فروخت کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ واقف نے وقف کرتے وقت یہ شرط لگادی ہو کہ اگر موقوفہ جگہ سے فائدہ نہ ہو تو اس کو تبدیل کرنے یا فروخت کرنے کی اجازت ہے، اس کے علاوہ فروخت کرنا یا دوسری جگہ سے تبدیل کرنا جائز نہیں ہے۔

لیکن جب ہم دوسری طرف نظر کرتے ہیں تو اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ اگر اس موقوفہ جگہ کا دوسری جگہ سے تبادلہ یا اس کو فروخت نہیں کیا جاتا تو اس جگہ پر غیر مسلموں اور شر پسندوں کا قبضہ ہو جائے گا اور اس جگہ سے غلط کام لئے جانے لگیں گے، تو ایسی صورت کے بارے میں فقہاء کرام سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے، البتہ ویران شدہ مساجد و حوض و رباط وغیرہ کے انقاض کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں کہ ان کو قریبی مساجد و حوض و رباط وغیرہ میں خرچ کیا جائے تو یہ درست ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

والذي ينبغي متابعة المشائخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد أو حوض كما افتى به الإمام أبو شجاع والإمام الحلواني وكفى بهما قدوة ولاسيما في زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذه أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد و كذلك أوقافه يأكلها النظار أو غيرهم (رد المحتار ۳/۴۰۷، بمعناه في البحر ۵/۲۵۲، الفتح ۵/۴۴۶)

اور مشائخ کی پیروی مناسب ہے نقل أنقاض (بیکار ہو جانے والی اشیاء) کے بارے میں، مسجد اور حوض کے درمیان بلا فرق کئے، جیسا کہ نقل انقاض کا امام ابو شجاع اور امام حلوانیؒ نے فتویٰ دیا اور ہم کو ان دونوں کی اقتداء کافی ہے، خاص طور سے ہمارے زمانے میں، کیونکہ مسجد، رباط، حوض وغیرہ کے انقاض کو اگر منتقل نہیں کیا جائے گا تو اس پر شر پسند اور چور وغیرہ قبضہ کر لیں گے، جیسا کہ مشاہدہ ہے، اور ایسے ہی ان اوقاف کا حکم ہے جس کو متولی وغیرہ ہتھیالیں۔

اس عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب اوقاف بالکل ایسی حالت میں پہونچ جائیں کہ اب ان سے کچھ نفع کی امید نہ ہو اور واقفین کی غرض بھی اس سے پوری نہ ہوتی ہو تو ایسی صورت میں ان اوقاف کو فروخت کر کے یا دوسری جگہ سے تبدیل کر کے مسلمانوں کی آبادی میں (خاص طور سے جہاں پسماندہ لوگ ہوں) اس مصرف میں خرچ کیا جائے جس کے لئے واقف نے وقف کیا تھا تو یہ جائز ہے بلکہ ایسی جگہ میں خرچ کرنا واجب اور ضروری ہے (امداد الفتاوی ۲/۶۷۱)۔

مولانا اسعد الله قاسمی

اوقاف کی ابتداء حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ہوئی جو ایک ضابطہ اور ایک اصول بن گیا اور اسی ضابطے اور اصول کے مطابق دنیا میں آج تک وقف کا باقاعدہ نظام مساجد، قبرستان، مکاتب، مدارس، اور مسافرخانہ وغیرہ کی شکل میں چلا آرہا ہے، جس کا مقصد عام لوگوں کو فائدہ پہونچانا ہوتا ہے (شامی ۳/۳۵۷) لیکن کبھی کبھی اس کے ساتھ بڑی بڑی پیچیدگیاں بھی پیش آتی ہیں جن کو قرآن وحدیث اور اصول وقواعد کی روشنی میں حل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے متبادل وقف قائم کرنا:

کتب احناف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی علاقہ میں اوقاف ناقابل استعمال یا ویران ہو جائے جیسا کہ بعض جگہوں میں نقل آبادی کی وجہ سے ہو گیا ہے تو ایسے اوقاف کو حکومت یا کسی ادارہ یا کسی فرد کے حوالہ کر کے یا اس کو فروخت کر کے جہاں مسلمانوں کی آبادی موجود ہے وہاں متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی وقف شدہ زمین اس قابل ہو جائے کہ جس سے انتفاع ممکن نہ ہو تو اس کو کسی کے حوالہ کر کے اس کے عوض ان سے متبادل زمین حاصل کی جاسکتی ہے، نیز ذخیرہ اور منتقی کے حوالہ سے دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ہشامؒ نے کہا کہ میں نے امام محمدؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی وقف کی زمین اس قابل ہو جائے کہ جس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے تو قاضی کو چاہئے کہ اس ناقابل استعمال زمین کو فروخت کر کے اس کی جگہ کوئی متبادل وقف قائم کر دے۔

ولو صارت الأرض بحال لا ينتفع بهاجاز شرط الاستبدال به أرضا أخرى حينئذ (درمختار ۳/۳۸۷)

في الذخيرة و في المنتقى قال هشام سمعت محمدا يقول إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشترى بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي ..... كلام المشائخ ان محل الاستبدال عند التعذر (شامی ۳/۳۸۲)

حنابلہ اور مالکیہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ اگر وقف شدہ چیز نا قابل استعمال ہو جائے جس کو اگر اہل وقف کی طرف واپس کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں یا اس کے باقی نہ رکھنے ہی میں کوئی مصلحت ہو تو اس کو فروخت یا کسی کے حوالہ کر کے اس کی جگہ اس کا کوئی متبادل قائم کیا جا سکتا ہے۔

إذا خرب الوقف ولم يرد شيئا بيع واشترى بثمنه ما يرد على أهل الوقف وجعل وقفا كالأول ... إن الوقف إذا بيع فأى شئ اشترى بثمنه مما يرد على أهل الوقف جاز سواء من جنسه أو من غير جنسه (المغنی ۵/۳۶۹)

اگر وقف ویران ہو جائے اور اس سے آمدنی حاصل نہ ہو پائے تو اسے فروخت کر دیا جائے اور اس کی قیمت سے کوئی ایسی چیز خریدی جائے جو اہل وقف پر لوٹا دی جائے اور اس کو بھی پہلے وقف کی طرح وقف کر دیا جائے، خواہ وہ وقف کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے۔

رواية أبى الفرج عن مالك إن رأى الإمام بيع ذلك لمصلحة جاز ويجعل ثمنه فى مثله (شرح الکبیر ۴/۹۱)

ابو الفرج کی امام مالکؒ سے روایت ہے کہ اگر امام موقوفہ جائداد کو فروخت کرنے میں مصلحت سمجھے تو اس کا ایسا کرنا جائز ہے لیکن اس کے ثمن کو اسی نوع کے اوقاف میں لگا دے۔

مساجد اور دیگر اوقاف میں فرق:

مساجد اور دیگر اوقاف میں فقہاء احناف نے مختلف انداز اور مختلف طرز سے فرق کو ظاہر کیا ہے، امام ابو حنیفہؒ کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جب کوئی چیز وقف کرتا ہے تو وہ اس کی ملکیت سے اس وقت تک نہیں نکلتی ہے جب تک حاکم اس کے نکلنے کا فیصلہ نہ کر دے لیکن مساجد چونکہ محض اللہ تعالی کی خوشنودی اور رضا اور عبادت کے لئے وقف کی جاتی ہیں اس لئے یہ وقف کرتے ہی واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہیں، حاکم کے فیصلے کی اس میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک مساجد کے سواء دیگر اوقاف کے درست ہونے کے لئے شرط ہے کہ اس کو وقف کرنے کے بعد متولی کے سپرد کر دیا جائے لیکن مساجد کا وقف بغیر متولی کے سپرد کئے درست ہو جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ چونکہ اوقاف کے درست ہونے کے لئے متولی کو سپردگی شرط قرار نہیں دیتے اس لئے وقف مشاع جو قابل قسمت ہو اس کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن مساجد اور مقابر میں وقف مشاع جائز قرار نہیں دیتے ہیں۔

اعلم أن المسجد يخالف سائر الأوقاف فى عدم اشتراط التسليم إلى المتولى عند محمد وفى منع الشيوع عند أبى يوسف وفى خروجه عن ملك الواقف عند الإمام وإن لم يحكم به حاكم. (شامی ۳/۳۶۹)

مسجد تمام اوقاف کے مخالف ہے متولی کی طرف سپردگی کی شرط نہ ہونے میں امام محمد کے نزدیک، اور وقف مشاع مسجد میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ممنوع ہے، امام صاحب کے نزدیک اوقاف واقف کی ملکیت سے نہیں نکلے گا جب تک حاکم نہ فیصلہ کر دے لیکن مسجد میں ایسا نہیں ہے۔

مسلک شافعی و حنبلی:

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے یہاں بھی مساجد اور دیگر اوقاف میں فرق کیا گیا ہے، چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ مساجد جب منہدم ہو جائیں اور نوبت یہ آجائے کہ ان کا اعادہ کبھی ممکن نہ ہو سکے تو اس کے باوجود اس کو فروخت کیا جا سکتا ہے نہ اس میں کسی طرح کا تصرف کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کو مالک کی ملکیت کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے بخلاف دیگر اوقاف کے کہ جب وہ اس مرحلہ میں آجائے کہ اس سے انتفاع ناممکن ہو جائے تو اس کو فروخت کر کے اس کا متبادل قائم کیا جا سکتا ہے۔

ابن قدامہ نے بھی یہی بات تحریر کی ہے کہ مساجد جب اس مرحلہ میں آجائیں کہ ان میں نماز پڑھنا ناممکن ہو جائے تو اس کو فروخت نہیں کیا جائے گا بخلاف دیگر اوقاف کے کہ جب وہ اس قابل ہو جائیں کہ ان سے انتفاع ممکن نہ ہو تو ان کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔

أما المسجد فإنه إذا انهدم و تعذرت إعادته فانه لايباع بحال لإمكان الانتفاع به حالا بالصلوة في أرضه (شرح مہذب ۱۵/۳۶۱)

مسجد جب منہدم ہو جائے اور اس کا اعادہ متعذر ہو جائے تو اس کو کسی بھی حالت میں نہیں بیچا جائے گا، کیونکہ ممکن ہے اس زمین میں کبھی نہ کبھی نماز پڑھی جائے۔

وإن وقف مسجدا فخرب المكان وانقطعت الصلوة لم يعد إلى الملك ولم يجز التصرف فيه (شرح مہذب ۱۵/۳۶۰)

اگر کسی نے مسجد وقف کیا پس وہ جگہ ویران ہو گئی اور نماز پڑھنا اس جگہ میں بند ہو گیا تو وہ مالک کی ملکیت کی طرف نہیں لوٹے گی اور نہ اس میں تصرف جائز ہوگا۔

قال أبو بكر: وقدروى على بن سعيد أن المساجد لا تباع وإنما تنقل آلاتها (المغنی ۵/۳۶۸)۔

ابو بکر نے کہا کہ علی بن سعید کی روایت ہے کہ مساجد فروخت نہیں کی جائے گی، البتہ اس کے اسباب منتقل کئے جائیں گے۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

☆☆☆☆

ناقابل انتفاع اوقاف سے
تعلیمی و رفاہی اداروں کا قیام

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابو سفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شیر علی گجراتی
مولانا ابو بکر قاسمی
مفتی عبد الرحیم قاسمی
مولانا محمد سعود عالم قاسمی
مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا ایوب ندوی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا عطاء اللہ قاسمی

ناقابل انتفاع اوقاف سے تعلیمی ورفاہی اداروں کا قیام

سوال: کیاشرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ایسے ویران، ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیران کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یارفاہی ادارے قائم کردئے جائیں؟

جوابات

تبادلہ میں اس کالحاظ کیاجائے گا کہ اصل وقف کی جو جہت ہواس کا نظم کیا جائے اس لئے کہ اس قسم کی ضرورت دوسرے مواقع میں پائی جاتی ہے، اور وہ صورت اپنائی جائے کہ جس میں واقف کے مقصد اور صورت وشرط کی حتی الامکان رعایت پائی جائے۔

اس لئے کہ استبدال وتبادلہ کی اجازت ضرورت میں اور پابندیوں کے ساتھ ہے، اور ضرورت کی رعایت میں واقف کی عدم اجازت کا بھی خیال نہیں کیاگیاہے مگر مقصد اہم ہے، مدارس، مسافر خانے اور اسپتال آج بھی بنائے جاسکتے ہیں، ان سے واقف کے مقصد کی کسی نہ کسی درجہ میں بہرحال تکمیل ہوگی، یتیم خانہ بھی ایک اہم ضرورت ہے، نیز چھوٹے پیانے کے ٹیکنیکل ادارے جن سے معمولی گھرانے کے بچے وبچیاں اور عورتیں ہنر سیکھ کراپنی حیثیت کا نظم کرسکیں۔ جیساکہ مفتی نظام الدین صاحب کے فتاوی میں ذکر آیاہے، خالص عصری تعلیم کے اداروں کا قیام اپنے حالات کے اعتبار سے وقف اوراس کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

اوقاف کا مقصد مسلمانوں کے فلاح وبہبود کی عمومی خدمت نہیں بلکہ واقف کی شرط کے دائرہ میں رہتے ہوئے اوراس کے منشاکی تکمیل کرتے ہوئے فلاحی کام کرنے کی گنجائش ہے، لہذا ضروری ہوگا کہ استبدال وقف کے بعد متبادل وقف کوانہی مقاصد میں استعمال کیاجائے، جن مقاصد کے لئے اسے وقف کیاگیاتھا، علامہ شامی نے اس سلسلے میں یہ اصول بیان کیاہے:

وحاصله: ان المنقول عندنا أن الموقوف عليه إن خرب يصرف وقفه إلى مجانسه فتصرف أوقاف المسجد إلى مسجد آخر و أوقاف الحوض إلى حوض آخر (ردالمحتار ۵/۳۶۵)

لہذا واقف کے مقصد ومنشاکو نظرانداز کرتے ہوئے وقف کااستعمال درست نہیں، بلکہ مساجد سے متعلق اوقاف کو مساجد پراور قبرستان کے اوقاف کو قبرستان ہی پر استعمال کرناضروری ہوگا، ہاں ویران مدارس اور تعلیم گاہوں کے اوقاف تعلیمی اغراض کے

لئے استعمال ہوں گے، لیکن ان میں بھی یہ ضروری ہوگا کہ دینی درس گاہوں کے اوقاف دینی تعلیم ہی کے لئے خرچ ہوں، کیوں کہ عام طور پر جولوگ دینی تعلیمی ادارہ پر کوئی چیز وقف کرتے ہیں وہ اسی مقصد میں اس کے استعمال کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

دوسرے فقہاء کا بھی یہی نقطہ نظر ہے، فقہاء مالکیہ میں علامہ علیش مالکی کا بیان ہے:

(شرطه) اى الواقف وجوبا (إن جاز) الشرط فيجب العمل به ولا يجوز العدول عنه إلا ان يتعذر فيصرف فى مثله كما تقدم فى القنطرة و نحوها (شرح منح الجليل ۴/ ۶۴)

مولانا خالد سیف الله رحمانی

اس کی گنجائش نہیں ہے، اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد وقف ہی میں صرف کیا جانا ضروری ہے، واقف کے مقاصد کو نظر انداز کر کے دوسرے تعلیمی یا رفاہی کاموں میں صرف کرنا درست نہیں۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

مقاصد واقف کے خلاف کام کرنا:

چونکہ منشاء واقف اور مقاصد وقف کی رعایت ضروری ہے کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے ہیں جو منشاء واقف اور مقاصد وقف کے خلاف ہو، لہذا صورت مذکورہ میں مذکورہ نا قابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم نہیں کر سکتے ہیں، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

مفتی جنید عالم قاسمی ندوی

ویران نا قابل استعمال و انتفاع اوقاف کو فروخت کر کے اس کی آمدنی سے واقف کے منشاء و مقصد کی رعایت کئے بغیر مطلقاً تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنا درست نہیں۔

فقہاء کی صراحت کہ سابق نا قابل انتفاع اوقاف کو فروخت کر کے اس کا جو بدل حاصل ہوگا اس سے جو چیز خریدی جائے گی بعینہ وقف سابق کے حکم میں ہوگی۔

پھر واقفین کے اغراض و مقاصد کی رعایت بھی ضروری ہے، اس لئے اولاً تو کوشش یہی کی جائے گی کہ ویران اوقاف مثلاً مساجد و مدارس، رباط، کنواں اور حوض وغیرہ کی قیمت سے مسجد و مدرسہ رباط و حوض وغیرہ ہی بنایا جائے، اور اگر حالات و موانعات کے سبب یہ ممکن نہ ہو تو اسی نوع کے دیگر قدیم محتاج اوقاف پر خرچ کیا جائے۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

اس طرح کے اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے منشاء کے خلاف مسلمانوں کے تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ واقف کے منشاء کی رعایت بہر حال ضروری ہے، مشہور جزئیہ ہے:

شرط الواقف كنص الشارع اى فى المفهوم و الدلالة و وجوب العمل به(در مختار ۳/۴۱۶)
على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة(رد المحتار ۳/۴۱۶)

مولانا عبد الجلیل قاسمی

ویران اوقاف کی آمدنی غرض واقف کے خلاف مصرف میں لگانا:

مساجد کے علاوہ دیگر ویران اوقاف کو فروخت کر کے اس کے متبادل اوقاف کا انتظام کرنا جائز ہے جیسا کہ ماقبل کی سرخیوں کے تحت گذر چکا ہے، اب سوال یہ ہے کہ ان ویران اوقاف کی رقم سے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر خلاف جنس دینی امور میں مثلاً تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غرض واقف کے خلاف عمل کرنا جائز نہیں ہے اس کی پابندی کرنا ذمہ داران وقف پر لازم ہوتا ہے، نیز شریعت نے واقف کی شرطوں کو نصوص شرعیہ کا درجہ دیا ہے اس لئے خلاف جنس کے لئے تصرف جائز نہیں ہوگا، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ(شامی ۶/۶۶۵)

بے شک فقہاء نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ وقف کرنے والوں کی غرض اور مقصد کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے۔

شرط الواقف كنص الشارع(شامی کراچی ۴/۴۳۳، شامی دیوبند ۶/۶۴۹)

واقف کی شرط شارع کی صراحت کے درجہ میں ہوتی ہے۔

اور الاشباہ والنظائر میں ہے:

شرط الواقف لأن مخالفته كمخالفة النص(الاشباہ والنظائر، ص/۱۹۲)

اور الاشباہ میں واقف کی شرط کے متعلق لکھا ہے کہ اسکی مخالفت نص شرعی کی مخالفت کے مرادف ہے۔

اور شامی میں اس سے بھی واضح عبارت موجود ہے:

وهو أن يكون البدل والمبدل من جنس واحد(شامی ۶/۵۸۶)

اور وہ شرط یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ دونوں ایک ہی جنس کے ہوں۔

ہاں اتنی رعایت ضرور ہے کہ اگر بدل اپنے مبدل منہ سے زیادہ اعلی اور ارفع ہے اور بدل زیادہ پائیدار اور زیادہ آمدنی کا ذریعہ ہے اور مقاصد وقف کے واضح خلاف بھی نہیں ہے تو خلاف جنس میں تبدیلی جائز ہے مگر اس کی آمدنی ہم جنس میں خرچ کرنا لازم ہوگا، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

والظاهر عدم اشتراط اتحاد الجنس فى الموقوفة للاستغلال لأن المنظور فيها كثرة الريع وقلق المرمة والمؤنة فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع، ويحصل منها غلة أقدر أجرة الحانوت كان أحسن لأن الأرض أدوم وأبقى و أغنى عن كافة الترميم والتعمير بخلاف الموقوفة للسكن(شامی زکریا دیوبند ۶/۵۸۶ شامی کراچی ۴/۳۸۶)

اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں اتحاد جنس کی پابندی لازم نہیں اس لئے کہ اسمیں کثرت نفع اور قلت مرمت اور قلت خرچ پیش نظر ہوتی ہے، لہذا جب دوکان کھیتی سے تبدیل کی جائے گی اور اس میں دوکان کے مقابلہ میں زیادہ مقدار میں آمدنی ہے تو تبدیلی زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ زمین دائمی باقی رہتی ہے اور ترمیم وتعمیر سے بے نیاز ہوتی ہے برخلاف رہائش موقوفہ کے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

شرعی نقطۂ نظر سے واقف کے منشا اور مقاصد وقف کی رعایت ضروری ہے، لہذا استبدال اوقاف کی صورت میں بھی کسی ایسے کام کی اجازت نہیں ہوگی جو واقف کے منشا اور مقاصد اوقاف کے خلاف ہو، ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی اور رعایت کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی ورفاہی اداروں کا قیام درست نہیں ہوگا، ہر صورت میں منشاء واقف اور مقاصد وقف کی رعایت ضروری ہوگی۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ واقف کے مقاصد کی رعایت کرنا واجب ہے جب کہ وہ اصول شرع سے متصادم نہ ہوں، علامہ ابن عابدین شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة (ردالمحتار ۴/۴۴۵)

لیکن اگر قاضی شریعت یا دیندار مسلمانوں کی جماعت جس میں کم از کم ایک عالم دین ہو، کا اگر یہ فیصلہ ہو جائے کہ ویران اور ناقابل استعمال وناقابل انتفاع اوقاف کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے دینی تعلیمی ادارہ یا رفاہی ادارہ قائم کرنا بہتر ہے تو فقہ اسلامی کی رو سے اس کی اجازت ہوگی۔

مولانا ظفر عالم ندوی

واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، الا یہ کہ کوئی مقصد خلاف شرع ہو، ایسی صورت میں کوئی جائز صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔

مولانا شمس پیرزادہ

ایک مقولہ یا اصول ہے " **عبارة الواقف كنص الشارع** "وقف کرنے والے کی عبارت شارع کے نص کی طرح ہے، اس کے مفہوم میں وجوب اور قداسۃ شامل کر کے بعد کے لوگوں نے اوقاف سے متعلق بڑا جامد رویہ اپنایا ہے، حالانکہ اس کا مفہوم جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے تحریر کیا ہے یہ ہے کہ وقف کرنے والے کی عبارت اپنے مفہوم کی دلالت میں ویسے ہی ہے جیسے شارع کی نص اپنے مفہوم کے سلسلہ میں قطعی ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ واقف کی عبارت اپنے وجوب میں شارع کے نص کی

طرح ہوتی ہے، اگر ایسا مفہوم لیا جائے تو ایک عام شخص کو شارع قرار دینے کے ہم معنی ہوگا، اس لئے ویران اور نا قابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے اگر مصلحت متقاضی ہو تو اس کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنے میں حرج نہیں معلوم ہوتا، اس سے واقف کے ثواب میں اضافہ ہی ہوگا، اس لئے کہ پہلی شکل میں اس سے منفعت موقوف ہوگئی تھی جس سے اس کا ثواب بھی موقوف ہوسکتا ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

ویران، نا قابل استعمال اوقاف کو فروخت کرنے کے بعد ان کا متبادل اسی طور پر قائم کیا جائے جس سے واقف کا مقصد حاصل ہو، واقف کے منشاء و مقصد کی خلاف ورزی شرعاً جائز نہ ہوگی۔

اشباہ میں ہے:

شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم شرط الواقف کنص الشارع ای فی وجوب العمل به و فی المفهوم والدلالة (غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر ۲/ ۲۲۸)

واقف کی شرط واجب الاتباع ہے، فقہاء کا قول ہے کہ واقف کی شرط نصِ شارع کی طرح ہے، یعنی مفہوم اور دلالت میں اور عمل کے واجب ہونے میں نصِ شارع کی طرح ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

(قوله ای فی المفهوم والدلالة الخ) کذا عبر فی الاشباه والذی فی البحر عن العلامة قاسم فی الفهم والدلالة وهو المناسب لأن المفهوم عندنا غیر معتبر فی النصوص (ردالمحتار ۳/ ۴۵۶)

اشباہ میں بھی مفہوم اور دلالت کے ہی الفاظ ہیں، لیکن البحر الرائق میں علامہ قاسمؒ سے فہم اور دلالت کے الفاظ منقول ہیں، یہی الفاظ مناسب ہیں کیونکہ مفہوم ہمارے نزدیک نصوص میں معتبر نہیں۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں تمام ایسے ویران اور نا قابل استعمال اوقاف فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کئے جانے کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

علامہ عینیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

و ذکر أصحابنا إذا خرب ودثرلم یبق حوله جماعة والمقبرة إذا عفت ودثرت تعود ملکا لأربابها فإذا عادت ملکا یجوز أن یبنی موضع المسجد دارا و موضع المقبرة مسجداً وغیر ذلك فإذا لم یکن لها أرباب تکون لبیت المال (عمدۃ القاری ۴/ ۱۷۹)

یعنی مسجد اور قبرستان کے ویران ہونے کی صورت میں اور واقف کی ملک میں آجانے کے بعد خود واقف کے لئے اپنی شئ مملوک میں مسجد کو گھر بنانے اور قبرستان کو مسجد بنانے کی اجازت ہے، اور غیر واقف کے لئے واقف کے مقاصد کی پابندی واجب ہے، اگر واقف کے مقاصد میں مسلمانوں کے تعلیمی ادارے یا رفاہی ادارے قائم کیا جانا شامل ہے تو بنا سکتے ہیں، ورنہ نہیں، کیونکہ واقف کے مقاصد کی رعایت واجب ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ (۴/ ۴۶۴) میں لکھتے ہیں:

مراعاة غرض الواقفين واجبة اور (۳/ ۳۰۵) پر لکھتے ہیں: فان شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله أن يجعله ماله حيث شاء مالم يكن معصية، وله أن يخص صنفاً من الفقراء.

اور قواعد الفقہ کے (صفحہ ۸۵) پر ہے: شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة۔

اور الاشباہ والنظائر کے (صفحہ ۲۷۵) پر ہے: فيجب اتباع شرط الواقفين في أوقافهم ۔ یعنی واقف کی شرط کی اتباع واجب ہے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے، واللہ اعلم...

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں ایسے ویران وناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی و رعایت کے بغیر مسلمانوں کے تعلیمی ادارے یا رفاہی ادارے قائم کرنیکی شرعاً گنجائش نہیں ہے.... واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

واقف کی شرائط نص شارع کے حکم میں ہیں، لہٰذا ان کی مکمل پابندی کی جائے، البتہ جہاں مصارف وقف موجود نہ ہوں یا ان کی تکمیل کے بعد کچھ رقم فاضل رہتی ہے تو وہ مسلمانوں کے تعلیمی اور رفاہی کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں، اور ایسے پرانے اوقاف جن کے شرائط معلوم نہ ہوں ان کی آمدنی پہلے غرباء و مساکین اور پھر دینی و ملی ضروریات پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

مساجد و غیر مساجد کے اوقاف میں فرق ہے جیسا کہ (امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۲) پر حضرت تھانوی نے در مختار و شامی وغیرہ کی عبارتوں کو نقل فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ وقف مسجد میں سے صرف انہیں مصارف میں صرف کرنا جائز ہے جن کو مسجد کی آبادی میں دخل ہے، نیز صفحہ مذکورہ کے حاشیہ پر حضرت نے لکھا ہے کہ "دو سال ہوئے کہ (المشیر جلد ۲، نمبر ۲۶، صفحہ ۱۰، کالم ۲) مورخہ ۱۱/ جولائی ۱۹۱۲ء میں میرا ایک لکھا ہوا جواب اس کے خلاف چھپ گیا سو وہ میری غلطی تھی، صحیح جواب یہ ہے کہ وقف مسجد میں سے مدرسہ میں صرف نہیں ہو سکتا۔ نیز (احسن الفتاوی ج ۶) کتاب الوقف میں کئی ایک استفتاء کے جوابات سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں کی حیثیت جداگانہ ہے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان ویران اوقاف کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنا درست نہیں۔

لأن شرط الواقف کنص الشارع (در مختار، الاشباہ والنظائر)

مفتی حبیب اللہ قاسمی

حتی الامکان واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، تاہم کیونکہ وقف کا مقصد امور مذہبی سے متعلق ہوتا ہے اس لئے قاضی کی یا مجوزہ شرعی کمیٹی کی اجازت سے مسلمانوں کے رفاہی اور ایسے تعلیمی اداروں پر جن میں تربیت دینی ہو خواہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم بھی ہو خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، تعلیمی یا رفاہی ادارے نہیں قائم کئے جاسکتے۔

شرط الواقف کنص الشارع اتفق الفقهاء علی هذه العبارة (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۱۷۸/۸) یعنی فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وقف کرنے والے کے شرائط نص شارع کی طرح قابل رعایت ہیں۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

نہیں۔ مقصود واقف کی رعایت بہر حال واجب ہے۔

مولانا محمد حنیف صاحب

منشاء واقف کی عدم رعایت:

عام حالات میں واقف کے منشا کی خلاف ورزی درست نہیں، لیکن بعض مواقع ایسے ضرور ہیں جہاں فقہاء نے منشاء واقف سے اختلاف، کو بھی روا رکھا ہے، اور یہ اس وقت ہے جب کہ وقف کا مفاد اسی میں ہو، چنانچہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

أو کان فی الزیادة نفع للفقراء فللقاضی المخالفة دون الناظر (شامی: ۵۸۷/۶)

واقف کی شرائط کے خلاف کرنے میں فقراء کے لئے نفع ہو تو قاضی کو اس کی اجازت ہے نہ کہ نگران (متولی) کو۔

سوال سے ظاہر ہے کہ اگر واقف کے منشا کے خلاف عمل نہ کیا جائے تو فقراء و مساکین کا اس سے نفع اٹھانا تو در کنار بلکہ اوقاف کے ضائع ہونے کا یقین ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں شرط واقف کی خلاف ورزی کی بھی گنجائش ہے۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

وقف کے بعد مصرف بدلنا خود واقف کے لئے بھی جائز نہیں ہے، اس لئے ایک مصرف سے استغناء کے وقت اسی مصرف کے مماثل میں صرف کرنا چاہئے، وقف کے احکام بہت نازک ہیں، واقف کی غرض اور مقصد کا لحاظ اور اس کی عائد کردہ شرائط کی پابندی ضروری ہے۔ شرط الواقف کنص الشارع۔

(اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه) بسبب خراب وقف أحد هما وجاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه لأنهما حينئذ كشئ واحد وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا و مدرسة و وقف عليهما أوقافا (لا) يجوز ذلك اى الصرف المذكور (شامی ۴/ ۳۶۰ مطبوعہ کراچی)

اس لئے ان اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

مولانا شیر علی

جس مقصد کے لئے واقف نے وقف کیا ہو اس کی پابندی ضروری ہے۔

مولانا ایوب ندوی

ویران و نا قابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

لأن مراعاة غرض الواقفين واجبة (ردالمحتار ۳/ ۴۶۴) شرط الواقف كنص الشارع (الاشباہ والنظائر تحت القاعدة الاولی ص/ ۵۵، قواعد الفقہ ۸۵، ردالمحتار ۳/ ۴۵۶) و بيع أرض الوقف لا يجوز (فتاوی خانیہ علی الہندیہ ۳/ ۳۱۰)

مولانا ابو بکر قاسمی

ویران نا قابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، واقف کے منشاء کی رعایت کئے بغیر کسی طرح کا تعلیمی یا رفاہی ادارہ قائم کرنا قطعاً درست نہیں، لہذا ایسے اوقاف فروخت کر کے واقف کے اغراض و مقاصد کے تحت نئے اوقاف قائم کرنے پڑیں گے جس کی تائید مندرجہ ذیل روایتوں سے ہوتی ہے۔

مراعة غرض الواقفين واجبة (شامی ۳/ ۴۲۳)

(قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ) لف و نشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه (شامی ۳/ ۳۷۱)

مولانا تنویر عالم قاسمی

جس کام کے لئے واقف نے وہ قطعہ زمین وقف کیا ہے اسکے خلاف میں استعمال کرنا جائز نہیں، اور کسی کو بھی شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ واقف کی غرض کے خلاف کسی دوسرے کام میں اس وقف کو صرف کرے یا منتقل کرے۔

نص الواقف كنص الشارع (فتاوی محمودیہ ۶/ ۲۱۰)۔

مفتی عبد الرحیم قاسمی

ویران وناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کرتے ہوئے ان کی جگہ اسی طرح کے اوقاف قائم کئے جائیں (جیسا کہ ماقبل کی عبارتوں سے واضح ہے)۔

مولانا نذر توحید مظاہری

ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت یا تبادلہ کرنے میں واقف کے مقاصد کی پابندی کرنا ضروری ہے، واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر مسلمانوں کے رفاہی یا تعلیمی ادارہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، شامی میں ہے:

متی ذکره للوقف مصرفاً لا بدّ أن یکون فیه تنصیص علی حاجة وإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع. (شامی ۳/۳۷۶)

شرائط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم ودلالة وجوب العمل به (حوالہ مذکورہ)

مولانا سعود عالم قاسمی

اگر مسجد غیر آباد مقام پر ہے اس کا حکم بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے ورنہ غیر مسلم حاوی ہو جائیں گے، اور ایسے ویران ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کر دیئے جائیں۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

ویران وناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

(قوله ویجعل آخر لجهة قربة لا تنقطع) یعنی لابد أن ینص علی التابید عند محمد خلافا لأبی یوسف (ردالمحتار ۳/۳۹۹)

(شرط الواقف کنص الشارع) (ردالمحتار ۳/۴۵۶) مراعاة غرض الواقفین واجبة (ردالمحتار ۳/۳۶۴)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

ویران، ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنے کی گنجائش ہے اس شرط کے ساتھ کہ واقف کے مقاصد کی پابندی دشوار ہو کیوں کہ اوقاف کا مقصد منافع للناس ہے جو ہر دو صورت میں حاصل ہے۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

ویران ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیران کے ذریعے مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا درست نہیں ہے، واقف کے منشا کا خیال بہر حال ضروری ہے۔

مولانا قمرالزماں ندوی

ایسے ویران ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیران کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم نہیں کئے جاسکتے ہیں، بلکہ انہی جیسا دوسرا وقف قائم کرنا ہوگا، اور اگر ممکن نہ ہو تو اس کی قیمت انہی جیسے دیگر اوقاف جو اس سے قریب ترین ہوں اس میں صرف کیا جائے گا (یہی مسلک علامہ ابن تیمیہ کا بھی ہے، فقہ السنۃ ۳ر ۳۸۴) چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه (الدر المختار)

سرائے اور کنواں سے جب انتفاع ختم ہو جائے تو مسجد، سرائے اور حوض کے وقف کو قریب کی مسجد یا سرائے، کنواں یا حوض پر خرچ کیا جائے گا۔

مولانا محمد نور القاسمی

ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرنے کے بعد اسی کے مماثل وقف میں صرف کرنا ضروری ہوگا، واقف کے مقاصد کی خلاف ورزی کرنا، اور ان کو دیگر امور دینی، علمی ملی اور رفاہی کاموں میں صرف کرنا درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ شریعت اسلامیہ نے واقف کے مقاصد اور شرائط کا اعتبار کیا ہے، جب کہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہوں۔

محقق زماں علامہ شامی لکھتے ہیں:

لايجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه، وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (ردالمحتار ۳ر ۳۷۱)

ویران و برباد مسجد کے وقف کو حوض میں صرف کرنا یا اس کے برعکس کرنا، جائز نہیں ہے، اور "شرح الملتقی" میں ہے کہ اس کے وقف کو اسی جنس کے قریب وقف میں صرف کیا جائے گا۔

نیز علامہ آفندی رقمطراز ہیں:

وفي القنية حوض أو مسجد خرب وتفرق الناس عنه فللقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر (مجمع الأنہر ۱ر ۷۴۹، نیز دیکھئے: الدر المختار ۳ر ۳۷۱)

"قنیہ" میں ہے کہ حوض یا مسجد خراب یا بربادی کا شکار ہو جائیں اور لوگ وہاں سے دوسری جگہ چلے گئے ہوں تو قاضی کے لئے جائز ہے کہ ان کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض میں صرف کرے۔

فقہ حنفی کے مایہ ناز فقیہ علامہ شامی نے اس کی مزید صراحت یوں بیان کی ہے:

وفي الخانية : رباط بعيد استغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السيد الإمام أبو شجاع تصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية .....صرف الثمن إلى مسجد آخر (تفصیل کے لئے دیکھئے: ردالمحتار ۳/۲۷-۳۷۱، در المنتقی مع المجمع ۱/۷۴۸)

"خانیہ" میں مذکور ہے کہ رباط دوری پر ہو اور گذرنے والا اس سے بے نیاز ہو جائے اور اس کے دوسری جانب دوسرا رباط ہو تو شیخ ابو شجاع فرماتے ہیں کہ اس کا منافع دوسرے رباط میں صرف کیا جائے گا، جس طرح مسجد غیر آباد و برباد ہو جائے، اور گاؤں کے لوگ اس سے بے نیاز ہوں تو قاضی اس کے سامان کو بیچ کر دوسری مسجد میں صرف کرے گا۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ ناقابل استعمال اور ویران اوقاف کو دوسرے علمی، دینی، تعلیمی امور میں صرف کرنا درست نہیں ہوگا، مگر قبرستان جو ناقابل تدفین ہو چکا ہو، اس کا حکم اس سے کچھ مختلف ہے جو انشاء اللہ آگے آئے گا۔

مولانا ابرار خاں ندوی

اور یہ سوال کہ واقف کے مقاصد کی رعایت کے بغیر ایسے اوقاف کو فروخت کر کے اس سے مسلمانوں کے تعلیمی، رفاہی ادارے قائم کرنا یہ جائز نہیں۔ کیونکہ واقف کی شرط کو نص شارع کے حکم میں مانا گیا ہے۔ شامی میں ہے:

" نص الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه كما صرح به في شرح المجمع (شامی ۳/۴۹۷)

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

استبدال اوقاف کے اندر مقاصد واقف کی پابندی:

فقہاء نے صراحت کی ہے: صرحوا بأن مراعاة غرض الواقف واجبة (ردالمحتار ۳/۴۶۴) کہ واقف کے مقاصد کی پابندی بہر صورت ضروری ہے، اس لئے علی الاطلاق کسی وقف پر مسلمانوں کے تعلیمی ور فاہی ادارے قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ہاں جہاں مقاصد اوقاف کا حصول ہو رہا ہو احقر کے نزدیک ان جگہوں میں اس کی گنجائش رہے گی۔

مولانا محمد صدر عالم قاسمی

مسلمہ فقہی قاعدہ " شرط الواقف كنص الشارع " کے پیش نظر واقف کے مقاصد کی پابندی بہت ضروری ہے، اس لئے ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو اگر فروخت کر دیا گیا تو اس روپئے سے واقف کے خلاف مقصد تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم نہیں کئے جاسکتے بلکہ اس سے دوسری زمین خرید کر واقف کے مقاصد جاری کئے جائیں گے، اور اگر واقف کے شرائط و مقاصد معلوم نہ ہو سکیں تو فقراء و مساکین اس کے حقدار ہیں۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی

منشاء واقف کی رعایت:

اگر کوئی یہ چاہے کہ اراضی اوقاف کو فروخت کر کے منشاء واقف کی رعایت کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کی تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کئے جائیں تو قائم نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ واقف جو بھی شرط لگاتا ہے وہ معتبر سمجھی جاتی ہے، لہذا اس کی رعایت کی جانی چاہئے کیونکہ واقف جو شرط لگاتا ہے وہ وجوب عمل میں شارع کے نص کی طرح ہوتی ہے، لہذا اگر کوئی چیز واقف کی شرط کے مخالف ہو اس کو گویا شارع کے نص کے مخالف سمجھا جائے گا، اور اگر خدانخواستہ کوئی فیصلہ واقف کی شرط کے خلاف کردیا جائے تو اس کو بلادلیل سمجھا جائے گا، کیونکہ واقف کے جائز منشاء کی رعایت واجب ہے، چنانچہ ابن عابدین شامی رقم طراز ہیں:

وقال: لأن شرط الواقف معتبر فیراعی (شامی ۳/۳۸۴) **قال الحنفیة شرط الواقف کنص الشارع ای فی الفهم والدلالة ووجوب العمل به ....إن کل ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص والحکم به بلا دلیل سواء أکان کلام الواقف نصا ام ظاهرا لأنه یجب اتباعه عملا بقول المشائخ شرط الواقف کنص الشارع** (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۱۷۹)

مسلک مالکی:

محمد علیش نے شرح منح الجلیل میں لکھا ہے کہ اگر واقف کوئی شرط لگائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہوگا بغیر کسی دشواری کے اس سے عدول کرنا جائز نہیں ہوگا، اس سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ واقف کے منشاء کی رعایت کی جائے گی۔

(شرطه) ای الواقف وجوبا (ان جاز) الشرط فیجب العمل به ولا یجوز العدول منه إلا أن یتعذر فیصرف فی مثله کما تقدم فی القنطرة ونحوها (شرح منح الجلیل ۴/۶۴)

واقف کا شرط لگانا وجوباً اگر شرط جائز ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہوگا اور اس سے عدول کرنا ناجائز ہوگا، مگر یہ کہ اس پر عمل کرنا متعذر ہو جائے تو اسی کے مثل کی طرف لوٹا دیا جائے گا جیسا کہ پل وغیرہ کے مسائل میں گذرا۔

مولانا ارشد قاسمی

مساجد اور قبرستان کی زائد اراضی کا تعلیمی اور رفاہی مقاصد کے لئے استعمال

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا انیس الرحمٰن
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شیر علی گجراتی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مفتی عبد الرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابو سفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا محمد ارشاد القاسمی
مولانا ابو بکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

مساجد اور قبرستان کی فاضل اراضی کا تعلیمی اور رفاہی مقاصد کے لئے استعمال

سوال: بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد و مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے، اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں دریافت طلب ہیں:

الف: کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے، مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے؟

ب: کیا مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا۔

جوابات

الف۔ مسجد کی ضرورت و مصارف سے زائد و فاضل زمین دینی مدارس و اداروں کے قیام میں استعمال کی جاسکتی ہے، دینی مدارس سے مقصد وقف و واقف کی جو تکمیل ہوگی وہ عصری اداروں سے نہیں ہوسکتی۔

ب۔ مسجد کی ضرورت سے فاضل آمدنی جس کا مسجد میں آئندہ صرف کرنا جلدی سوچا نہیں جاسکتا اور حفاظت بھی اہم ہے، اس کو دینی تعلیم و مدرسہ کے لئے استعمال کرنا درست ہے، مسجد و مدرسہ ایک دوسرے سے اس طرح مرتبط ہیں کہ ایک سے دوسرے کی بقاء ہے، اس لئے مسجد کی فاضل زمین یا آمدنی کو دینی تعلیم کی نشر و اشاعت کے کاموں میں لگانا درست و مناسب ہے، ہر عہد کے مسلمانوں نے مسجد کے ساتھ تعلیم و مدرسہ کا اور مدرسہ کے ساتھ مسجد کا نظام رکھا ہے اور یہ وقف کی حفاظت کا بھی ایک ذریعہ ہے۔

مفتی عبدالرحیم صاحب نے اس کی صراحت کی ہے، حضرت تھانوی کے کلام میں بھی گنجائش ہے، البتہ اس کا لحاظ کیا جائے کہ اس کی ضرورت اس محلہ و علاقہ میں اہم ہو تو خرچ و صرف میں اس کو ترجیح دیں ورنہ دوسری شدید ضرور تمند مساجد پر صرف کو مقدم رکھیں، اس کے بعد اس کام کو کریں۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

مساجد کی اراضی اور آمدنی سے تعلیمی ادارہ کا قیام:

جیسا کہ مذکور ہوا، اصولی طور پر حتی المقدور واقف کے منشا کی رعایت ضروری ہے، اسی پس منظر میں علامہ حصکفی نے لکھا ہے:

حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنها وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد و الرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجداً و رباط أو بئر أو حوض.

علامہ شامیؒ نے اس پر اس نوٹ کا اضافہ کیا ہے:

فظاهره، أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه و في شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (ردالمحتار ۶/۵۴۹)

غالباً یہی نقطۂ نظر دوسرے فقہاء کا بھی ہے، فقہ مالکی کے ترجمان علامہ دسوقی کا بیان ہے:

منقوض الحبس من الأحجار والآجر ...لا يجوز بيعه فإذا لم يمكن عودها فيما حبست فيه جاز نقلها في مثله (حاشیۃ الدسوقی ۴/۹۱، نیز دیکھئے: شرح منح الجلیل ۴/۶۱-۶۲)

فقہاء شوافع میں امام نووی نے جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شوافع بھی یہی رجحان رکھتے ہیں:

أما غير المنهدم فما فضل من غلة الموقوف على مصالحه يشترى به عقار ويوقف عليه (شرح مہذب ۱۵/۳۶۱)

ابن قدامہ حنبلی نے ایسی فاضل آمدنی کو اسی کے مماثل مصرف میں خرچ کرنے کے علاوہ فقراء پر بھی خرچ کرنے کی اجازت دی ہے:

ما فضل من حصر المسجد و زيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر و يتصدق من ذلك على فقراء جيرانه و غيرهم (المغنی ۵/۳۷۰)

یہ اجازت غالباً اس اصول پر مبنی ہے کہ ہر وقف کا آخری مصرف فقراء ہی ہوا کرتے ہیں، علامہ ابن تیمیہ نے حنابلہ کے مسلک کو مزید وضاحت سے اس طرح بیان کیا ہے:

كما يقول مثل ذلك في زيت المسجد و حصيره إذا استغنى عنها المسجد تصرف إلى مسجد آخر يجوز صرفها عنده في فقراء الجيران واحتج على ذلك بأن عمر ابن الخطابؓ كان يقسم كسوة الكعبة بين المسلمين فكذلك كسوة سائر المساجد (مجموعۃ الفتاوی ۳۱/۲۱۳)

پھر اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ تعلیم کسی بھی سماج کی نہایت اہم ضرورت ہے، اور قوموں اور ملتوں کے تحفظ کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، اس لئے فقہاء نے جس زمانہ میں اپنی کتابیں لکھیں اور نئے پیش آمدہ واقعات پر شرعی احکام کا انطباق کیا، اس وقت طاقتور یا کمزور اور اچھی یا بری مسلم حکومت موجود تھی، جس نے تعلیمی نظام قائم کر رکھا تھا، اور عام مسلمان بڑی حد تک تعلیمی ادارے کے قیام سے مستغنی تھے، اب ہندوستان جیسے ممالک میں مسلمانوں کو خود ہی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑے گا، اور عام طور پر مسلمانوں کی معاشی پسماندگی ایک ایسا کھلا راز ہے جس سے دوست و دشمن سبھی واقف ہیں۔

پس فقہاء کے مقرر کئے ہوئے اصول اور موجودہ زمانے کے مصالح کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ:

الف۔ مسجد پر وقف اراضی اگر کافی وسیع ہو اور بظاہر طویل عرصہ تک مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو تو فاضل اراضی میں دینی درسگاہ یا مسلمانوں کے لئے مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے، البتہ ادارہ سے مسجد کو کچھ کرایہ بھی دلانا چاہئے تاکہ اس زمین کا نفع مسجد کی طرف بھی لوٹے، اور واقف کا منشا بھی پورا ہو۔

ب۔ مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مساجد اور جہاں مساجد نہیں ہیں وہاں مساجد کی تعمیر پر صرف کی جانی چاہئے کیوں کہ ہندوستان میں ابھی ہزارہا ہزار دیہات و قریہ جات ایسے ہیں جو مسجد کو ترس رہے ہیں، اور جہاں لوگوں کے کان اب بھی اذان کی آواز سے نا آشنا ہیں، وہاں مسجدوں کی تعمیر اور ان میں بنیادی دینی تعلیم کے لئے مکاتب کا انتظام مدارس اور عصری درسگاہوں کے قیام سے زیادہ اہم ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

الف۔ مسجد پر موقوفہ اراضی میں دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ مسجد کو آباد رکھنے کے لئے ایسے اداروں کے قیام کی شدید تر ضرورت ہو۔

ب۔ مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد میں استعمال نہیں کی جا سکتی۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

الف۔ مسجد کی موقوفہ فاضل اراضی میں دینی یا عصری ادارہ قائم کرنا:

مسجد کی موقوفہ اراضی میں گرچہ اس کی ضروریات سے فاضل کیوں نہ ہوں، کوئی بھی ادارہ قائم نہیں کر سکتے ہیں، خواہ وہ دینی ادارہ ہو یا عصری، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ منشاء واقف اور مقاصد وقف کے خلاف ہے، جب کہ منشاء واقف کی رعایت ضروری ہے۔

ب۔ مسجد کی فاضل آمدنی کا استعمال تعلیمی یا رفاہی ادارہ کے لئے:

اگر مسجد کی فاضل آمدنی ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس سے مزید اراضی خرید کر وقف کر دیا جائے تاکہ آئندہ ضرورت پڑنے پر کام دے، اور اگر مزید اراضی خریدنے کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے رکھے رہنے میں ضیاع کا اندیشہ ہے تو اس کو قریب کی مسجد یا اس کی دیگر ضروریات پر صرف کریں گے۔ اگر قریب کی مسجد کو ضرورت نہ ہو تو پھر اس سے قریب کی مسجد پر، اسی طرح الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے مساجد ہی پر وہ رقم صرف کی جائے گی۔ تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے مسجد کی فاضل آمدنی کا استعمال نہیں کر سکتے ہیں، اس سے احتراز لازم ہے۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

الف۔ مساجد پر وقف اراضی کا اصل مصرف تو یہی ہے کہ بوقت ضرورت اگر ممکن ہو تو نفس مسجد کی توسیع کی جائے یا اس کی آمدنی سے مساجد کی حقیقتاً تعمیر و مرمت ہو یا حکماً تعمیر و آبادی کی ضرورتیں پوری کی جائیں، مثلاً امام، مؤذن و دیگر خدام مسجد، فرش اور روشنی وغیرہ کا نظم کیا جائے، فقہاء لکھتے ہیں:

فیقدم أولا العمارة الضروریة ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر (شامی ۳/ ۳۷۷) قال أبو نصر للقیم أن یفعل ما فی ترکه خراب المسجد کذا فی فتاوی قاضی خان (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۶۲)

بہر حال مصارف بالا تو فقہاء کی تصریحات سے ثابت ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ مسجد پر وقف اراضی اگر فی الحال مسجد کی ہر قسم کی ضروریات سے زائد ہوں تو کیا اس زمین پر مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا کوئی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے؟

اس کا جواب متقدمین فقہاء اور ماضی قریب کے معروف اکابر مفتیان کرام کی تصریحات و فتاوی سے نفی ہی میں نکلتا ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عمارۃ مسجد اور مصالح مسجد دونوں ایک ہی درجہ کے مساوی مصارف ہیں۔

"والاصح ما قال الامام ظهیر الدین أن الوقف علی عمارة المسجد و مصالح المسجد سواء" کذا فی فتح القدیر (أیضا)۔

اب اگر مصالح مسجد کے مصداق و مفہوم میں کچھ مزید عموم کر دیا جائے اور کہا جائے کہ ہر وہ کام جس سے مسجد کی حفاظت اس کی موقوفہ اراضی کو دوسروں کی دست برد سے بچانا اور مسجد کی آبادی میں آج یا کل اضافہ ہونا متوقع ہو، سب ہی مصالح مسجد میں داخل ہیں تو پھر ہمارے خیال میں مسجد کی موجودہ ضروریات سے زائد زمین پر دینی مدرسہ کے قیام کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

کیونکہ دینی ادارے سے دینی تعلیم کے نتیجے میں بظن غالب عام طور پر مسجد کے محافظ مصلی، امام مؤذن اور دیگر صالح قسم کے خدام ہی پیدا ہوا کرتے ہیں جو یقیناً مسجد کی آبادی میں دخیل و مؤثر ہوتے ہیں اور انہیں لوگوں سے مساجد آباد رہا کرتی ہیں۔

لیکن عصری تعلیم کے ادارے سے مساجد کے آباد کرنے والے افراد شاذ و نادر ہی نکلا کرتے ہیں، اس لئے خواہ مسجد کی موقوفہ زمین زائد از ضرورت ہو یا اس کی آمدنیاں۔ کسی کو عصری تعلیم کے ادارے کے قیام میں صرف کرنا جائز نہیں کہا جاسکتا، یہ مصالح مسجد سے بھی خارج ہیں، چنانچہ حال و ماضی قریب کے بعض اکابر مفتیان کرام کے فتاوی بھی کچھ اسی طرح کے ملتے ہیں، **هذا ما عندی والعلم عند الله۔**

ب۔ جب واقف نے اراضی و مکانات مساجد کے لئے وقف کیا ہے تو اس کی آمدنی مسجد کی تعمیر و مرمت اور دیگر ضرورتوں مثلاً امام مؤذن اور دیگر خدام فرش و روشنی وغیرہ کی تکمیل میں خرچ ہونی چاہئے، اگر ان تمام ضروری اخراجات سے بھی زائد آمدنی ہو اور مستقبل قریب میں اس کے خرچ ہونے کی توقع نہ ہو بلکہ ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اسے کیف ما اتفق کسی بھی دینی ادارے کے مدد و تعاون میں خرچ نہیں کرنا ہے بلکہ مصالح مسجد کے تحت اس مسجد کی کسی زائد از ضرورت زمین پر دینی مدرسہ قائم کر دیا جائے اور پھر اس مدرسہ میں زائد آمدنیاں خرچ کی جائیں، لیکن دوسرے رفاہی ادارے کا قیام تو کسی تاویل کے تحت ہماری نظر میں صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

الف۔ مسجد پر وقف اراضی میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا تو جائز نہیں ہوگا، البتہ اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ ان اراضی سے مسجد کو جو آمدنی ہوتی ہے اتنا کرایہ مسجد کو دیا جائے۔ اور اجارہ پر ان اراضی کو حاصل کر کے ان پر مسلمانوں کے فائدے کے لئے کوئی ادارہ قائم کیا جائے، تو اس کی اجازت دی جا سکتی ہے، اگر چہ وقف کی اراضی کو طویل اجارہ پر دینا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں وقف کے ضائع ہو جانے کا ڈر ہے مگر یہ اندیشہ کسی فرد کو دینے میں تو ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے رفاہی ادارہ قائم کرنے میں نہیں ہے۔

ب۔ مسجد کی آمدنی تعلیمی و رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔ منشاء واقف کی رعایت بہر حال ضروری ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔

مولانا عبد الجلیل قاسمی

الف، ب۔ ویران مساجد کے اوقاف میں عصری تعلیمی ادارہ قائم کرنا:

ایسے ادارے جو خالص دینی نہیں جیسے عصری تعلیم کے ادارے، تو ایسے ادارے قائم کرنے کی ویسی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ مدرسہ کی ہے، البتہ ایسے رفاہی شفاخانہ جو مسلمانوں کے لئے بالخصوص فقراء کے لئے ہوں تو ان کو بھی قائم کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے اگر مصلحت عامہ اس کی متقاضی ہو اور ویران مساجد کے ایسے اوقاف کی اراضی موجود ہوں جن کے مصارف منقطع ہو گئے ہوں تو قاضی کی اجازت سے یا جہاں نظام قضاء نہ ہو وہاں وقف بورڈ و متدین علماء کی اجازت سے قائم کیا جا سکتا ہے، گرچہ اصل اصول یہی ہے کہ ایسے اوقاف اسکے متماثل دیگر اوقاف و مصارف میں خرچ ہوں۔

ایسی ویران مساجد کی مسجدیت کو باقی رکھتے ہوئے اس کی حفاظت و بقاء اور آباد کرنے کے لئے وقتی طور پر اس میں دینی تعلیم کا نظم کیا جا سکتا ہے، بالخصوص اراضی مسجد کے اس حصہ میں جو مسجد سے خارج ہوتی ہے اس میں مدرسہ یا مکتب قائم کیا جائے۔ حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ ایک فتوی میں لکھتے ہیں:

مسجد کے احاطہ میں زمین فاضل ہے اور وہ نماز پڑھنے کے لئے نہیں ہے یعنی حقیقتاً وہ مسجد نہیں تو اگر اس میں مدرسہ و مکتب بنایا جائے تو جائز ہے، بلکہ ان دونوں ضرور بنانا چاہئے تاکہ مسجد کی آبادی ہو اور بچے تعلیم پائیں (فتاوی امارت شرعیہ زیر طبع)

بہر حال آج کے دور میں مساجد کی آبادی اور تعلیم دین کی اشاعت کے لئے ویران مساجد میں درس دینا، اور اس سے ملحق اراضی میں دینی مدرسہ بنانا عین مصلحت شرعی ہے۔ اور واقف کی غرض اصلی "تسبیل منفعت" کی تعمیل ہے۔

آباد مساجد کی فاضل اراضی میں دینی و عصری ادارے قائم کرنا:

اور اگر ایسی مساجد جو آباد ہوں اور ان کی ضرورت سے زائد اوقاف ہوں تو ان کی فاضل و افتادہ اراضی میں اگر مدرسہ قائم کرنے کی ضرورت ہو تو متولی کی اجازت سے مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت مولانا سجادؒ نے فتوی دیا ہے، البتہ دیگر اداروں کے قیام کی ضرورت داعی ہو تو اسکے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ کرایہ پر مسجد کی فاضل اراضی کو حاصل کیا جائے پھر اس پر ادارہ قائم کیا جائے۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

الف۔ مسجد کی فاضل اراضی میں رفاہی ادارے کا قیام:

مسجد پر وقف شدہ اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں ان میں عصری تعلیم گاہ مثلاً جونیر ہائی اسکول، یا رفاہی ادارے مثلاً ہسپتال وغیرہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کمیٹی کی اجازت سے ان رفاہی امور کے لئے مناسب کرایہ لیکر یہ ادارے چلائے جائیں اور جائداد مسجد ہی کی ملکیت میں قائم رہے تو ایسی صورت میں جائز ہو سکتا ہے، اور اسی طرح کرایہ پر لے کر اپنی تعلیم گاہ بھی قائم کی جاسکتی ہے مگر بلا معاوضہ جائز نہیں ہوگا، یہ مسئلہ فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

جامع مسجد پر موقوفہ مال ہے اس کی آمدنی جمع ہو گئی ہے پھر اسلام پر کوئی حادثہ پیش آجائے جیسا کہ روم کا حادثہ ہے، اور اس حادثہ میں خرچہ کی ضرورت ہے تو اگر جامع مسجد کے وقف شدہ مال کی فی الحال مسجد کو ضرورت نہیں ہے تو حاکم کے لئے جائز ہے کہ اس مال کو اس میں خرچ کردے لیکن یہ بطور قرض ہوگا، تو گویا کہ یہ مال غنیمت سے قرض لینے کے درجہ میں ہو جائے گا۔ (قاضی خاں علی الہندیہ ۲۷۸/۳)

ب۔ مسجد کے اوقاف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

مسجد کے اوقاف اور اس کی مملوکہ جائداد کی آمدنی اسی مسجد میں خرچ کرنا لازم ہوتا ہے لیکن اگر اس مسجد کی تمام ضروریات پر خرچ کرنے کے بعد کافی مقدار میں بچ جائے اور یوں ہی رکھی رہ جائے تو ایسی صورت میں اس فاضل آمدنی کو اس کے قریب ترین دوسری مسجد ہی میں خرچ کرنے کی گنجائش ہوتی ہے مگر مسجد کے علاوہ کسی دوسرے ادارے میں خرچ کرنا کسی حال میں جائز نہ ہوگا۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۵۴۹/۶)

مسجد کے وقف کی آمدنی اس کے قریب ترین جنس میں خرچ کرنا چاہئے۔

ہاں البتہ اگر اس کے پاس میں کوئی مسجد ضرورت مند نہیں ہے تو اس سے دور کی مسجد میں لگائی جائے، اور اگر دور تک بھی کوئی مسجد اور ضرورتمند نہیں ہے تو قریب کے دینی مدارس و مکاتب میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے، اور اگر مدارس و مکاتب بھی نہ ہوں تو مصیبت زدہ فقراء میں بھی تقسیم کی گنجائش ہے، مگر اسکولوں، ہسپتالوں میں خرچ کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اور یہ اس وقت ہے جب کہ واقف نے کوئی شرط نہ لگائی ہو اور متولی کو اختیار دیا ہو، یہ مسئلہ فقہاء کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

فی فضل يصرف إلى عمارة المسجد دهنه و حصيره وما فيه مصلحة المسجد على أن للقيم أن يتصرف في ذلك على ما يرى وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك (قاضی خاں علی الہندیہ ۲۸۸/۳)۔

لہذا جو فاضل رقم بچ جائے اس کو مسجد کی تعمیر اور اس کے تیل اور اس کی چٹائی اور ان امور میں جو مساجد کے مصالح میں سے ہوں خرچ کرے، اس شرط پر کہ جب متولی اور ذمہ دار کو یہ اختیار دیا ہو کہ وہ جہاں چاہے خرچ کرے، اور جب یہ مسجد مستغنی ہو جائے تو مسلمانوں کے ضرورتمند فقراء میں صرف کردے تو جائز ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

الف۔ مساجد کی فاضل اراضی موقوفہ میں دینی یا عصری اداروں کا قیام:

مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہو اس میں کسی بھی طرح کے ادارہ کا قیام خواہ وہ دینی درسگاہ ہو یا عصری شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی، عدم جواز کی علت یہ ہے کہ واقف نے اپنی اراضی مسجد کی ضروریات کے لئے وقف کیا، کسی ادارے کے قیام یا اس کی ضروریات کے لئے نہیں، وقف میں منشاء واقف اور مقاصد وقف کی رعایت ضروری ہوتی ہے اس لئے اس طرح کے تصرف کی شرعاً اجازت نہیں ہوگی۔

ب۔ مساجد کی فاضل آمدنی کا استعمال:

مسجد کی آمدنی کو ضروریات مسجد ہی میں صرف کرنا ضروری ہے، اسے تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہوگا، اگر کسی مسجد کے پاس فاضل اور ضروریات سے زائد آمدنی ہو اور مستقبل قریب میں مسجد کو اس کی ضرورت پڑنے کی امید نہیں ہو تو ایسی صورت میں مقاصد وقف کی رعایت کرتے ہوئے بہتر اور مفید طریقہ یہ ہے کہ اس رقم سے مزید اراضی خرید کر وقف کر دیا جائے، تاکہ ضرورت پڑنے پر اس سے کام لیا جاسکے، اور اگر مزید اراضی خریدنے کی ضرورت نہ ہو، اس کا تحفظ دشوار ہو اور اسے روک رکھنے میں "ضیاع" کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو کسی قریب کی مسجد یا اس کی دیگر ضروریات پر صرف کیا جائے گا، اور اگر قریب کی مسجد کو ضرورت نہ ہو تو اس سے قریب کی دوسری مسجد یا اس کی ضرورت پر صرف کیا جائے گا، اسی طرح "الا قرب فالا قرب" کے قاعدہ سے مساجد ہی پر اس رقم کا صرف کرنا ضروری ہوگا، اسے رفاہی یا تعلیمی اداروں کے مقاصد کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہوگا۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

الف۔ جو اراضی مسجد کے لئے وقف ہیں تاکہ ان سے مسجد کی ضروریات پوری ہوں لیکن فی الحال وہ مسجد کی ضرورت سے زائد ہیں، ان اراضی میں تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا درست نہیں ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اوقاف مصرف سے زائد ہیں ان کو قاضی شریعت کی اجازت سے اسی نوع کے اوقاف میں منتقل کرنے کی اجازت ہوگی لیکن غیر نوع میں منتقل نہیں کر سکتے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے صراحت کی ہے:

لا يجوز صرف وقف المسجد خرب إلى حوض و عكسه، وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (رد المحتار ۴/۳۵۹)

علامہ ابن ہمامؒ نے بھی فتح القدیر میں صراحت کی ہے:

وهكذا نقل عن شيخ الإسلام الحلواني في المسجد والحوض إذا خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه أنه يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر.... (فتح القدیر شرح ہدایہ ۶/۲۳۷)

حضرت تھانویؒ نے ایک فتوی کے جواب میں وضاحت کی ہے کہ مذکورہ عبارت جو ردالمحتار کی ہے اگرچہ ویران اوقاف و ویران مساجد کے سلسلہ میں ہے لیکن حکم کی بنیاد استغناء پر ہے، اس لئے یہ حکم عام ہے خواہ اوقاف ویران ہوں یا نہ ہوں، حضرت تھانویؒ کے الفاظ یہ ہیں:

قلت هذه الرواية وإن كانت منقولة في صورة خراب المسجد وغيره لكن ما كان مبنى الحكم الاستغناء كان الحكم عاما وإن لم يخرب وهذا ظاهر عندي (امداد الفتاوی جدید ۲/ ۵۹۳)

مذکورہ تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کی اراضی پر تعلیمی و رفاہی ادارہ قائم کرنا درست نہیں ہے، ہاں ان کی آمدنی دوسری ضرورت مند مساجد پر صرف کی جاسکتی ہے۔

ب۔ اسی طرح مسجد کی آمدنی بھی تعلیمی یا رفاہی مقاصد میں صرف نہیں کی جاسکتی ہے، فتاوی ہندیہ میں صراحت کے ساتھ یہ جزئیہ موجود ہے کہ مسجد کی زائد و فاضل آمدنی فقراء پر بھی صرف نہیں کی جاسکتی، جب کہ باب وقف میں اس کی گنجائش موجود رہتی ہے کہ جہاں جہت وقف ختم ہو جائے تو وہ اوقاف فقراء کے لئے ہو جاتے ہیں۔ فتاوی ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

"الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح، ولكن يشترى به مستغلا للمسجد" (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۶۳)

مولانا ظفر عالم ندوی

الف۔ ایسی صورت میں زائد اراضی پر مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے کیونکہ مسجد کے احاطہ میں مدرسہ کا ہونا ایک معروف بات ہے اسکے لئے واقف کی طرف سے صراحت کی ضرورت نہیں۔

مغنی میں ہے: وما فضل من حصر المسجد وزيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر أو يتصدق من ذلك على فقراء جيرانه وغيرهم (مغنی ۶۳۵/۵)

مسجد کی چٹائیوں اور تیل میں جو بچ گیا اور اس کی ضرورت نہیں رہی اس کو دوسری مسجد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، یا قریب کے فقراء وغیرہ پر صدقہ کیا جاسکتا ہے۔

اور فقہ السنہ میں علامہ ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

وما فضل من ريع الوقف واستغنى عنه فإنه يصرف في نظير تلك الجهة كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه صرف في مسجد آخر لأن الوقف غرضه في الجنس والجنس واحد (فقہ السنہ: السید سابق ۳/ ۵۲۹)

وقف کی آمدنی سے جو بچ گیا اور اس کو خرچ کرنے کی ضرورت نہیں رہی اسے اس جیسی دوسری چیز پر صرف کیا جاسکتا ہے، مثلاً مسجد کہ اگر اسکے وقف کی آمدنی اسکے مصالح پر خرچ کرنے کے بعد بچ جاتی ہے تو اسے دوسری مسجد پر صرف کیا جاسکتا ہے، کیونکہ واقف کا مقصد جنس پر صرف کرنے سے ہے اور اس صورت میں جنس ایک ہی رہتی ہے۔

ب۔ جو چیز مسجد کے لئے وقف کی گئی اس کی آمدنی مسجد ہی پر صرف ہونی چاہئے الا یہ کہ مسجد کے احاطہ میں مدرسہ ہو جیسا کہ معروف ہے۔ فاضل آمدنی کو کسی دوسری مسجد پر صرف کرنا چاہئے، اور اگر ایسی صورت ممکن نہ ہو تو البتہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مولانا شمس پیرزادہ

الف۔ عہد نبوی میں مسجد تعلیم گاہ بھی رہی ہے، اس لئے مسجد پر وقف اراضی جو مسجد کی ضروریات سے زائد ہے مسلمانوں کے لئے دینی وعصری (نہ کہ دینی یا عصری) تعلیم کا ادارہ قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔

ب۔ اگر مسجد کی آمدنی اس کے اپنے اخراجات سے بہت فاضل ہے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوسری مساجد پر خرچ کیا جائے۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو کسی مکاتب کے لئے رقم جمع کرنے پر ابھارا جو ضرورت سے کچھ زیادہ ہی جمع ہوگئی تو اس کو آپؓ نے دوسرے مکاتیب پر خرچ کرنے کا حکم دیا۔ البتہ اگر اسی طرح کا مصرف موجود نہ ہو تو خیر وثواب کے دوسرے کاموں پر خرچ کیا جاسکتا ہے، اور اگر تعلیمی ورفاہی مقاصد زیادہ توجہ کے طالب ہوں تو ان کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

الف، ب۔ مسجد کو زیادہ آباد کرنے کے لئے مسجد سے متعلق مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

"مسجد کی زائد رقم قریب کی حاجتمند مسجد میں اور مدرسہ کی زائد رقم نزدیک کے ضرورتمند مدرسہ میں استعمال کی جائے، اور مسجد کی آبادی میں اضافہ مقصود ہو تو زائد رقم سے مسجد سے متعلق مدرسہ بھی کھول سکتے ہیں (فتاوی رحیمیہ ۲/۱۸۷)

اگر مدرسہ کی رقم زیادہ ہو تو اس مدرسہ کو ترقی دی جائے، اس سے لامحالہ اس کے مصارف بڑھ جائیں گے اور زائد رقم کا مصرف نکل آئے گا۔

اسی طرح کا ایک فتوی، فتاوی محمودیہ میں بھی ہے، مفتی محمود حسن صاحب" تحریر فرماتے ہیں:

"اگر مسجد کی آمدنی کا روپیہ زیادہ، صرف کم، اور اتنا روپیہ ہر وقت موجود رہتا ہے کہ ضرورتِ شکست وریخت وغیرہ بسہولت پوری ہوسکے، اور روپیہ جمع رہنے میں خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس روپئے سے مسجد کے لئے جائداد، دوکانیں، زمین وغیرہ خرید لی جائیں۔ اگر اس میں دشواری ہو اور یا روپیہ جائداد خریدنے کے بعد بھی زائد بچ رہے تو پھر اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کرلیا جائے تاکہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو، کیونکہ آبادی کو ترقی دینا مسجد کی بڑی مصلحت ہے (فتاوی محمودیہ ۱/۵۰۹)

مولانا جمیل احمد نذیری

الف۔ مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے فاضل ہیں، پھر بھی اسمیں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کے لئے ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے چند وجوہ سے واقف نے مسجد کے لئے وقف کیا ہے، فی الحال اگرچہ فاضل ہے لیکن آئندہ اس سے مسجد کی ضرورت متعلق ہو سکتی ہے، تو وقف میں تبدیلی لازم آئیگی، جو نا جائز ہے، اور واقف کا مقصود فوت ہو جائے گا، حالانکہ غرض واقف کی رعایت رکھنا واجب ہے چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں۔

مراعاة غرض الواقفين واجبة (۳/۴۶۴)۔ نیز فرماتے ہیں: فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع (۳/۳۹۵)۔ اور قواعد الفقہ میں ہے: شرط الواقف كنص الشارع فى وجوب العمل به (صفحہ ۸۵)۔ اور الاشباہ والنظائر میں ہے: فيجب اتباع شرط الواقفين فى أوقافهم (صفحہ ۲۷۵)

واقف نے مسجد ہی کے لئے وقف کیا ہے، لہذا اگر فی الحال ضرورت مسجد سے فاضل ہے پھر بھی واقف کے مقصد کے خلاف دوسرا کام لینا جائز نہیں ہے، اور فتاوی ہندیہ میں ہے: وقف مسجد سے فاضل کو فقراء کو دینا درست نہیں ہے، لیکن اس فاضل شئی سے مسجد کی ضروریات کی چیزیں خریدی جاسکتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس فاضل زمین پر دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، عبارت یوں ہے:

الفاضل من وقف المسجد قيل يصرف وانه صحيح ولكن تشترى به مشتغلات للمسجد كذافى المحيط،سئل القاضي الإمام شمس الاسلام الأوزجنديؒ عن أهل المسجد تصرفوا فى أوقاف المسجد يعنى آجر والمشتغل وله متول، قال لا يصح تصرفهم ولكن الحاكم يمضى فيه ما فيه مصلحة المسجد أوفى وقف على مسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة لا يجوز للمسلمين انتفاع ماء بذلك الحوض كذا فى القنية (۲/ ۴۶۳۔۴۶۴)

مسجد پر موقوف زمین قابل کاشت نہ رہنے کی وجہ سے اگر کسی نے عوام کے لئے حوض بنادیا تو مسلمانوں کے لئے اس حوض کے پانی سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، تو اسی طرح صورت مسئولہ میں دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں مسجد کی فاضل زمین پر دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو ضروریات مسجد ہی کے لئے استعمال کیا جانا ضروری ہے، واللہ اعلم۔

ب۔ جب کہ واقف نے زمینوں اور مکانات کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے تو مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کی جاسکتی، نیز شرعا اس کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ ایک وقف کی رقم و آمدنی دوسرے وقف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، در مختار میں ہے:

وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أورجل مسجدا أو مدرسة ووقف عليهما أوقافا لايجوزله ذلك اى الصرف المذكور (در مختار ۳/۴۰۸)

یعنی دو آدمیوں نے الگ الگ مسجد بنوایا، یا ایک ہی آدمی نے مسجد اور مدرسہ بنایا، اور دونوں پر کچھ اوقاف وقف کیا ہے تو قاضی کو حق نہیں ہے کہ ایک کے وقف کی آمدنی دوسرے پر خرچ کرے، لیکن اگر واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہے کہ ضرورت سے زائد آمدنی سے بوقت ضرورت دوسرے غریب حاجتمندوں کی امداد کریں اور کار خیر میں خرچ کریں تو واقف کی شرط کے موافق یعنی وقف نامہ میں جو تحریر ہے اس کے موافق دوسرے وقف کی امداد کرنا اور کار خیر میں خرچ کرنا صحیح ہوگا، البتہ اگر کوئی وقف بہت مالدار ہو تو وقف کو اچھی طرح جاری رکھتے ہوئے بھی زائد رقم اس قدر ہو کہ وقف کو اس رقم کی ضرورت نہیں ہے فی الحال، اور دوسرا اوقف ضرور تمند ہے تو اس کو قرض دے سکتے ہیں۔

چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے: اما المال الموقوف علی المسجد الجامع لم تکن للمسجد حاجة فللقاضی أن یصرف فی ذلك لكن علی وجه القرض فیکون دیناً فی مال الفیئ (۴۶۳/۲)

اگر کسی وقف کے خزانے میں روپئے اس طرح زائد ہوں کہ نہ ان کی فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی اور یہ روپئے یوں ہی جمع رہے تو ضائع ہو جائیں گے، یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہو جائے گا، تو ایسی حالت میں قریب کے دوسرے حاجتمند اوقاف کو زائد روپئے امداد کے طور پر بلا قرض دینا جائز ہوگا، مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم و آمدنی قریبی ضرورتمند مسجد کو اور مدرسہ کی زائد رقم و آمدنی قریبی ضرورتمند مدرسہ کو دیا جائے، یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے، اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو اس سے زائد اور فاضل رقم سے مسجد سے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ ۱۸۵/۲)

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں چونکہ یہاں واقف نے زمینوں اور مکانات کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے اور واقف کے مقصد کی رعایت رکھنا واجب ہے، اور واقف کی شرط پر عمل کرنا ایسا ہی واجب ہے جیسے نص شارع پر، لہذا مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شرعا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں یہ اجازت بھی تحریر کر دی ہو کہ مسجد کی فاضل آمدنی سے دینی مدرسہ یا کوئی اور رفاہی کام کیا جاسکتا ہے تب درست ہے۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

الف۔ دینی ادارہ یا عصری تعلیم کا مرکز جس میں دینیات بھی پڑھائے جاتے ہوں ان پر مساجد کی فاضل آمدنی خرچ کی جاسکتی ہے، لیکن اگر کسی وقت مسجد کو اس فاضل رقم کی ضرورت پڑے تو پھر مسجد میں ہی خرچ کی جائے گی کسی دوسرے ادارہ کو نہیں دی جاسکتی؛ کیونکہ واقف نے مسجد کے لئے وقف کی ہے، چنانچہ در مختار وغیرہ میں ہے: شرط الواقف کنص الشارع۔

ب۔ واقف کی شرط کے خلاف بلا ضرورت عمل جائز نہیں ہے، لہذا مسجد کے لئے جو وقف ہے اس کو مسجد ہی پر خرچ کیا جائے، اماموں اور مسجد کے کارندوں کی تنخواہ میں ضرورت زمانہ کے اعتبار سے اضافہ کیا جائے، جس سے وہ مطمئن زندگی گذار سکیں، مسجد کی

صفائی اور دیکھ ریکھ پر خرچ کیا جائے، اس کے بعد بھی اگر رقم بچے تو اہل محلہ کے مشورہ واجازت سے یا وہ اتھارٹی جو اس کے نظم ونسق کے لئے مقرر ہو، اس کی اجازت سے یہ رقم تعلیمی اور رفاہی کاموں پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

الف۔ اگر وہ موقوفہ علی المسجد زمین زائد از ضرورت ہے تو اس پر مدرسہ یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم نہیں کیا جاسکتا، اس کی تائید احسن الفتاویٰ کے ایک سوال وجواب سے ہو رہی ہے: ''اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا مکان مسجد میں دیدینا الخ...... اب لوگوں نے یہ کہکر کہ مسجدیں تو دو ہیں اس پر مدرسہ بنوادیا تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ تو حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے جواب دیا کہ وصیت کے مطابق مسجد ہی میں صرف کرنا ضروری ہے، مدرسہ بنانا جائز نہیں (احسن الفتاویٰ ۶ر۴۲۱)

ب۔ مسجد کی آمدنی زائد از ضرورت ہوتے ہوئے بھی درج ذیل عبارت کی روشنی میں کسی ملی ورفاہی کاموں پر حتی کہ دوسری مسجد میں بھی صرف نہیں کی جاسکتی:

ولو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج إلى العمارة وعلى العكس هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلى عمارة ما هو محتاج إلى العمارة قال لا كذا في المحيط (عالمگیری ۲ر۱۰۴۲)۔

لیکن چونکہ فی زمانہ زائد از ضرورت پیسوں کے ضائع ہونے کا اندیشہ قوی ہے جیسا کہ قیم اور منتظمین کی دیانت کے فقدان پر علامہ شامی اور دیگر محققین علماء اور صاحب افتاء نے قائم کیا ہے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ قاضی یا اس کے نہ ہونے کی صورت میں باتفاق جماعت مسلمین سارے پیسوں کو اقرب فالاقرب کا اعتبار کرتے ہوئے اسی طرح کے دیگر مصارف پر جن میں احتیاج ہو خرچ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

الف۔ مسجد کے اوقاف کو موقوفہ مسجد میں لگانا ضروری ہے، اگر مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہو تب ان اوقاف مسجد سے دینی وتعلیمی ادارہ کھولنا جائز ہے۔

ب۔ مسجد کی فاضل آمدنی جس کی فی الحال یا فی المآل ضرورت نہ ہو تو تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال کرنا جائز ہے (دیکھئے: کفایت المفتی ۷ر۲۷۵، ۳۰۱، ۳۰۲)

مفتی حبیب الله قاسمی

الف۔ مسجد کی ضروریات سے زائد جو اراضی ہے اس کو کرایہ پر لے کر اس میں دینی تعلیم یا عصری تعلیم کا ادارہ جس میں دینی تربیت ہو قائم کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ مسجد کی زائد آمدنی سے بطور قرض رقم لی جاسکتی ہے اور اس سے مسلمانوں کے مذہبی تعلیمی ادارے قائم کئے جاسکتے ہیں، یا عصری تعلیم، ٹیکنیکل تعلیم کے ادارے جس میں تربیت دینی ہو قائم کئے جاسکتے ہیں۔

اما المال الموقوف علی المسجد الجامع لم تکن للمسجد حاجة للمال فللقاضی أن یصرف فی ذلك لکن علی وجه القرض فیکون دیناً فی مال الفئ (فتاوی عالمگیری ۲/۴۶۴)

اگر آمدنی زائد نہیں ہے تو مسجد کی آمدنی مسجد کی ضروریات پر ہی خرچ کی جائے گی۔

وإن اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدین أو رجل مسجداً و مدرسة ووقف علیهما أوقافا لا یجوز ذلك (ای الصرف المذکور) (در مختار مع الشامی ۳/۵۱۵)

مفتی فضیل الرحمن ہلالؔ عثمانی

الف، ب۔ وما فضل من حصر المسجد و زیته ولم یحتج إلیه جاز أن یجعل فی مسجد آخر أو یتصدق من ذلك علی فقراء جیرانه وغیرهم، وأری أنه قد احتج بکسوة البیت إذا انخرقت تصدق بها (المغنی ۵/۶۳۵)

مسجد کی چٹائیاں اور اس کا تیل اگر ضرورت سے زائد ہو تو دوسری مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے، یا فقراء پر صدقہ کر دیا جائے، جیسا کہ خانہ کعبہ کا پردہ جب بوسیدہ ہو جاتا ہے تو اسکو صدقہ کر دیا جاتا ہے۔

مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی کاموں میں نہیں صرف کی جاسکتی۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

الف۔ مسجد پر وقف اراضی میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم نہیں کیا جاسکتا، الا یہ کہ واقف کی طرف سے وقف نامہ میں اس کی صراحت ہو تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

ب۔ مسجد کے لئے وقف اراضی کی آمدنی کو تعلیمی اور رفاہی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا، متعلقہ مسجد سے زائد ہونے پر اسے قریب کی مستحق مساجد پر صرف کیا جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اوقاف غیر محتاج الیہ یعنی وہ اوقاف جن کی موقوف علیہم کو حاجت وضرورت باقی نہ رہ جائے، خواہ موقوف علیہم کے فقدان کی وجہ سے یا ازدیاد وقف اور تقلیل موقوف علیہم کی وجہ سے، تو ان اوقاف کا حکم اوقاف غیر منتفعہ کا حکم ہے، کیونکہ غیر انتفاع کی توضیح حضرات فقہاء نے تفرق ناس وعدم حاجت سے فرمائی ہے، اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر انتفاع کا مدار یعنی اصل علت عدم حاجت پر ہے، لہذا اشتراک علت کی وجہ سے حکم کا تعدیہ لازم ہے۔

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه الخ(قوله و لو خرب ما حوله) اى ولو مع بقائه عامرا وكذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه (شامی ۶/۵۴۸)۔

عبارت مذکورہ سے ظاہر ہے کہ غیر انتفاع کا مدار استغناء پر ہے، لہذا جس موقوف علیہ کے پاس وقف اس کی ضرورت سے اتنے زیادہ ہوں جن کی ضرورت موقوف علیہ کو نہ توفی الحال ہو اور نہ آئندہ ضرورت پڑنے کی کوئی امید ہو، تو اس کا حکم وقف غیر منتفع کا ہے، یعنی اگر وقف سے آمدنی ہو رہی ہو تو اس کی آمدنی کو اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں استعمال کیا جائیگا، اور اگر آمدنی نہ ہو رہی ہو یا آمدنی ہو رہی ہو لیکن عدم ضرورت کی وجہ سے حفاظت دشوار ہو تو اسکو بدل کر کے اسی نوع کا دوسرا وقف قائم کیا جائے، ورنہ اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں استعمال کیا جائے۔

وحكى أنه وقع مثله فى زمن سيدنا الإمام الأجل فى رباط فى بعض الطرق خرب ولا ينتفع المار به وله أوقاف عامرة فسئل هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به قال نعم لأن الواقف غرضه انتفاع المارة ويحصل ذلك بالثانى (شامی ۳/۳۷۲)

اوقاف غیر منتفع کی آمدنی اور اس کی قیمت کو دوسرے اوقاف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

لايجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه (شامی ۶/۵۴۹)

اوقاف غیر محتاج الیہ (وقف مستغنی عنہ) کو دوسرے نوع کے اوقاف میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

أرض وقف على المسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة لا يجوز للمسلمين انتفاع بماء ذلك الحوض. قنية (ہندیہ ۲/۴۶۴)

لہذا مسجد پر موقوفہ اوقاف کو جو مسجد کی ضرورت سے فاضل ہو دوسرے رفاہی کاموں میں استعمال کرنے کی گنجائش نہیں۔

الف۔ مسجد پر وقف اراضی میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنے کی بالکل گنجائش نہیں۔

ب۔ مسجد کی آمدنی کو رفاہی مقاصد میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

مولانا محمد حنیف صاحب

الف۔ مسجد کی زائد آمدنی کا حکم:

اس سلسلہ میں علماء احناف تو یہی کہتے ہیں کہ عین وقف کو باقی رکھتے ہوئے اس کی زائد از ضرورت آمدنی دوسرے دینی و ملی اداروں میں لگائی جاسکتی ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن نجیم مصری نے مسلمان قیدی کی رہائی، غازیوں کی اعانت اور دیگر فقراء و مساکین کی حاجت روائی کا ذکر کیا ہے (البحر الرائق ۵؍۲۰۹)

گو مذکورہ مثال میں دینی درسگاہ کی صراحت نہیں، لیکن اس سے اتنا ضرور واضح ہو رہا ہے کہ آمدنی کو دوسری جگہوں میں جہاں دینی و ملی کام ہو رہا ہو، صرف کیا جاسکتا ہے، لہذا مدارس وغیرہ پر بھی صرف کی اجازت ہونی چاہئے، کیونکہ تعلیم و تربیت کے ذریعہ بھی مسلمانوں کی اعانت ہی ہو رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ حصکفیؒ نے مسجد کی زائد آمدنی کو امامِ مسجد، مدرس اور مؤذن کی تنخواہ پر صرف کرنے کی اجازت دی ہے اور بہت خوب فرمایا ہے:

وفضل من الغلة شئ يبدأ بما هو أقرب للعمارة، وهو عمارته المعنوية التي هي قيام شعائره (در علی الرد ۶؍۶۵۰)

بچی ہوئی آمدنی کو سب سے پہلے ان چیزوں پر صرف کیا جائے گا جو اس مقصد سے زیادہ قریب ہو یعنی جس سے دین کے شعائر کا قیام عمل میں آتا ہو۔

علامہ حصکفی کی عبارت "کامام مسجد و مدرس يعطون بقدر كفايتهم" (در علی الرد ۶؍۵۵۹) کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی علیہ الرحمہ نے امام و مدرس کو بھی شعائر دینیہ میں شمار کیا ہے، لہذا مقصد حقیقی و معنوی دونوں پر مسجد کی آمدنی خرچ کرنے کی گنجائش ہے، تو جب مدرس کی تنخواہ کی اجازت ہے تو تعمیر مدرسہ و مکاتب کی بدرجہ اولی اجازت ہوگی، کیونکہ یہ صورت وقف کو باقی رکھنے کی ہے۔

ب۔ اگر آمدنی مسجد کے لئے خاص کردی گئی ہو:

جیسا کہ پہلے سوال کے تحت مذکور ہوا کہ بعض صورتوں میں وقف کے مفاد کے تحفظ کے لئے واقف کی خلاف ورزی بھی درست ہے، اور یہاں جو آمدنی جمع ہے، اس سے کچھ حاصل نہیں بلکہ نقصان ہی کا اندیشہ ہمہ وقت دامن گیر رہتا ہے، لہذا اس صورت میں بھی زائد آمدنی کو دینی و ملی مصالح پر صرف کیا جائے تو جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہوگا۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

الف۔ فقہاء کرام کہتے ہیں کہ ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، لیکن فقہاء کرام یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر ایک مسجد کا سامان بیکار پڑا ہو اور ضیاع کا اندیشہ ہو تو اقرب المساجد میں منتقل کرنا جائز ہے۔

(حشيش المسجد و حصيره مع الاستغناء عنهما) وكذا (الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد و الرباط والبئر) والحوض (إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه) (شامی ۴؍۳۵۹)

اور ساتھ ساتھ حضرت علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ مسجد کا سامان اگر استعمال سے زائد ہو تو اسی مسجد میں جو مدرسہ یا مکتب ہو تو اس مسجد کا سامان اس مکتب ومدرسہ میں استعمال کیا جاسکتا ہے، اس پر نظر کرتے ہوئے موجودہ دور میں اسی مسجد ومدرسہ کے متولی اور کمیٹی والے دوسری جگہ جہاں ضرورت ہو مسجد ومدرسہ کی آمدنی سے وہی مسجد ومدرسہ اپنے زیر نگرانی قائم کرسکتے ہیں اور وہ مدرسہ ومکتب اسی مسجد کے لوازمات میں ہوں گے، یہ بندہ کی رائے ہے۔

ب۔ جب ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف میں استعمال کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے تو پھر رفاہی کاموں میں کیسے استعمال کی جاسکتی ہے۔ مولانا شیر علی

الف۔ وقف کی ایک نوع کو دوسری نوع پر صرف کرنا درست نہیں۔ ہاں البتہ واقف ایک ہو، جہت ایک ہو تو فاضل آمدنی کو صرف کیا جاسکتا ہے۔

كذا فى مجمع الأنهر: إذا اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر إليه وإن اختلف أحدهما فلا (۱/۷۴۹)۔

اسی طرح ہندیہ میں ہے: کہ مسجد کی فاضل آمدنی کو فقراء کو نہیں دیا جاسکتا: **الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا يصرف وإنه صحيح(۲/۴۶۳)**

ابن نجیم کی بحر الرائق میں ہے: **لا يجوز لمتولى الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر . أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسة ومسجدا وعين لكل وقفا وفضل من غلة أحدهما لا يبدل شرط الواقف . وكذا اختلف الواقف لا الجهة يتبع شرط الواقف (۵/۲۳۴)۔**

ہاں البتہ فاضل آمدنی کو مدرسہ پر یا دینی تعلیمی امور میں اس وقت صرف کیا جاسکتا ہے جب کہ فاضل آمدنی تعمیر اور ضروری اخراجات اور اسی طرح مزید مسجد کو آمدنی کے ذرائع کی ضرورت نہ ہو، اور زائد آمدنی سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ضرورت سے زائد فاضل آمدنی کو مدارس پر اور دینی تعلیم پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب کہ واقف نے کچھ شرط نہ لگائی ہو، اگر شرط لگادی اور مصرف بیان کردیا ہو تو دوسری جگہ اس کو صرف کرنا درست نہ ہوگا۔ چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

فإن انتهت عمارته وفضل من الغلة شي يبدأ بما هو أقرب للعمارة وهو عمارته المعنوية التى هى قيام شعائره قال فى الحاوى القدسى والذى يبدأ به من ارتفاع الوقف اى من غلة عمارته شرط الواقف أم لا ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم ...هذا إذا لم يكن معينا(۴/۳۶۷)

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فاضل اوقاف کے مصارف کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **فيقدم أولاً العمارة**

الضرورية ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر بقدر مايقوم به الحال فإن فضل شئ يعطى بقيته المستحقين إذ لاشك أن مراد الواقف انتظام حال مسجده أو مدرسته لامجرد انتفاع أهل الوقف...هذا إذا لم يكن معينا.

پھر مزید لکھتے ہیں کہ فاضل آمدنی کو دین اور شعائر دین میں کہاں خرچ کیا جاسکتا ہے: یعنی أن الصرف إلى ما هو أقرب إلى العمارة كالإمام ونحوه إنما هو فيما إذا لم يكن الوقف معينا على جماعة معلومين كالمسجد والمدرسة. اما لوكان معينا كالدار الموقوفة على الذرية أو الفقراء فانه بعد العمارة يصرف الريع إلى ما عينه الواقف بلا تقديم لأحد على أحد (۳۶۸/۴)۔

اس عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اوقاف مساجد کی آمدنی جو ضرورت تعمیر واستغلال سے فارغ ہو مدارس پر جو مصالح اور شعائر میں داخل ہے صرف کیا جاسکتا ہے۔

ابن نجیم بحر الرائق میں لکھتے ہیں: ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم قدر كفايتهم۔

ظاہر ہے کہ مساجد کا احیاء تعلیم اور مدارس سے ہے، اسی وجہ سے مدارس اور علم دین کی اشاعت کو مصالح میں شامل کیا گیا ہے۔ حاشیہ منحۃ الخالق میں لکھتے ہیں: انما هو عدم النفع الحاصل من انتظام مصالح المساجد باقامة شعائرها (صفحہ ۲۳۱)

پھر حاوی قدسی کی عبارت "كذلك إلى آخر المصالح" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اى مصالح المسجد فيدخل المؤذن والناظر لأنا قدمنا انهم من المصالح وقدمنا أن الخطيب داخل تحت الإمام لأنه إمام الجامع فتحصل به أن الشعائر التى تقدم فى الصرف مطلقاً بعد العمارة الإمام والخطيب والمدرس والوقاد والفراش والمؤذن والناظر (ص ۲۳۲)۔

اس عبارت سے بھی اس امر کی نشاندہی ہوئی ہے کہ اوقاف مسجد کی فاضل آمدنی کو مدارس اور مدرس پر لگایا جاسکتا ہے۔

ابن نجیم نے تو بحر الرائق میں لکھا ہے کہ کسی واقف نے دو وقف میں سے ایک مسجد کے صرفہ کے لئے اور ایک امام و موذن کے لئے وقف کر دیا ہے، اور ادھر امام و مؤذن کی تنخواہ کم پڑتی ہے تو گنجائش ہے کہ وقف مسجد میں سے فاضل آمدنی کو امام و موذن پر جو مصالح مسجد میں داخل ہے خرچ کر سکتا ہے۔ اور اسی مصالح مسجد میں مسجد کا مدرسہ بھی داخل ہے۔ خیال رہے کہ عام مدرسہ نہیں بلکہ اسی مسجد کا مدرسہ اس فاضل آمدنی کا اولین مصرف ہوگا۔

علماء اکابر کے فتوی سے تائید:

فتاوی محمودیہ میں مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ نے بھی اس امر کی اجازت دی ہے کہ فاضل آمدنی کو مدارس میں لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ سوال میں ہے:

ایک کثیر الاوقاف جامع مسجد ہو اور واقف سے کچھ شرائط منقول نہ ہوں، آمد مصارف سے بہت زیادہ ہو اور شکست وریخت

مسجد کے لئے روپیہ جمع و موجود ہو، اور زیادہ روپے جمع رہتے ہیں تو کیاان اوقاف مسجد کی زائد آمدنی کو تعلیم دین اور تبلیغ اسلام اور تدریس علوم شرعیہ پر صرف کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداو مصلیا!صورت مسئولہ میں اگر مسجد کی آمدنی کا روپیہ زیادہ، صرف کم، اور اتنا روپیہ ہر وقت موجود رہتا ہے کہ ضرورت شکست وریخت وغیرہ بسہولت پوری ہو سکے، اور روپیہ جمع رہنے میں خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس روپیہ سے مسجد کے لئے جائداد، دوکانیں، زمین وغیرہ خریدلی جائیں۔ اگر اس میں دشواری ہو اور روپیہ جائداد خریدنے کے بعد بھی بچ رہے تو پھر اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کرلیا جائے۔ تاکہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو۔ کیونکہ آبادی مسجد کو ترقی دینا مسجد کی بڑی مصلحت ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱؍۵۰۹)

ب۔ مسجد کی آمدنی تعلیمی یارفاہی امور پر صرف کرنے کی اجازت نہیں

كذا في الهندية: الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا يصرف وإنه صحيح (۲؍۴۶۳)

اولاً مسجد کی آمدنی مساجد کے مصالح میں خرچ کی جائے گی اور مسجد کے مصالح میں رفاہی امور نہیں ہیں۔ البتہ مسجد میں مدرسہ ہو اور فاضل آمدنی تعمیر اور استغلال سے بھی زائد ہو اور جمع رکھنے کی بھی ضرورت نہ ہو تو تعلیم و تدریس جو مصالح میں داخل ہے حسب ضرورت خرچ کیا جاسکتا ہے۔ جس کی تفصیل "الف" کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

الف۔ ان اراضی کو دینی تعلیم کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی جائے، بصورت دیگر عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ اگر موقوف علیہ مسجد کے ماتحت کوئی تعلیمی ادارہ ہو تو اس مسجد کی آمدنی کو اس تعلیمی ادارہ پر خرچ کر سکتے ہیں، اگر موقوف علیہ مسجد کو آمدنی کی بالکل ضرورت نہ ہو تو دیگر مساجد پر اس آمدنی کو خرچ کرنا چاہئے۔

مولانامحمد ایوب ندوی

الف، ب۔ مسجد کی فاضل آمدنی واراضی کو تعلیمی ورفاہی کاموں میں استعمال کرنا:

جن مقامات پر مساجد و مدارس یا مقابر کے لئے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے، اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے، اسی طرح مسجد کے پاس بہت سی فاضل اراضی ہیں، جن کی مسجد کو نہ فی الحال ضرورت ہے، اور نہ تعمیر مسجد کے لئے آئندہ ضرورت پڑ سکتی ہے، تو کیا مسجد کی فاضل اراضی پر دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے، نیز کیا مسجد کی فاضل آمدنی، تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے، جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد کے لئے وقف کیا تھا، نیز ان کی آمدنیاں بھی مسجد ہی کے لئے وقف تھیں، تو اس سلسلہ میں عام طور سے فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کی فاضل اراضی یا آمدنیوں کو

تعلیمی ورفاہی ادارے کی تعمیر اور ان کے مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی جگہ سخت ضرورت ہو، اور مسجد کو اس رقم کی ضرورت نہ ہو، تو بطور قرض کے مسجد کی فاضل رقم دی جاسکتی ہے، اسی طرح مسجد یا دیگر اوقاف کی فاضل آمدنی کو اسی نوع کے قریبی اوقاف پر خرچ کیا جاسکتا ہے، لہذا ایک مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مسجد کی ترقی وتعمیر میں اور اسی طرح ایک مدرسہ کی دوسرے مدرسہ میں ایک حوض کی دوسرے حوض کی تعمیر میں خرچ کی جاسکتی ہے، چنانچہ در مختار میں ہے:

حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والربا ط والبئر والحوض إلى اقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه، قال في رد المحتار وظاهره انه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (ردالمحتار ۳/۴۰۷) **وفي الخانية: إذا اجتمع من مال الوقف على الفقراء أو على المسجد الجامع ثم نابت الإسلام نائبة بأن غلبت جماعة من الكفرة فاحتيج في ذلك إلى مال لدفع شرهم قال رحمه الله تعالى ما كان من غلة المسجد الجامع يجوز للحاكم أن يصرف ذلك على وجه القرض إذا لم يكن للمسجد حاجة إلى ذلك المال ويكون ذلك دينا** (فتاوی خانیہ علی الہندیہ ۳/۳۱۲)

لیکن حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے کفایت المفتی میں اس سلسلہ میں بزبان عربی ایک تفصیلی فتوی لکھا ہے، اور خود ہی عربی عبارت کا انہوں نے ترجمہ بھی فرمادیا ہے، حضرت مفتی صاحب موصوف کے اس فتوی پر تقریباً انیس (۱۹) گرامی قدر علماء کے دستخط ثبت ہیں جس کے سبب حضرت مفتی صاحب کے اس فتوی کو ایک دستاویزی حیثیت حاصل ہو گئی ہے، لہذا مذکورہ تفصیلی فتوی کا ترجمہ من وعن مفتی صاحب مدظلہ ہی کے الفاظ میں لکھا جاتا ہے، البتہ حوالہ کی جو عبارتیں ہیں ان کو حتی الامکان من وعن نقل کیا جائے گا۔

جواب نمبر ۲۳۷: **ان الحكم إلا لله**، شرط واقف کی رعایت ضروری ہے، یہاں تک کہ فقہاء نے فرمایا ہے: شرط واقف مثل نص شارع کے ہے، اسی طرح اشباہ اور در مختار وغیرہ میں مذکور ہے، اور اسی قاعدہ پر فقہاء نے بہت سے احکام جزئیہ مہمہ متفرع کئے ہیں، پھر شرط کبھی تو صراحۃً ثابت ہوتی ہے، مثلاً واقف نے ایک شئی کسی مسجد معین پر وقف کر کے تصریح کر دی کہ دوسری چیز پر صرف نہ کی جائے، اور کبھی شرط کا ثبوت دلالۃً بحکم عرف ہوتا ہے، جیسے واقف نے کسی مسجد معین پر جائداد وقف کر دی اور یہ تصریح نہ کی کہ کسی دوسری چیز میں صرف کی جائے یا نہ کی جائے، اور یہ حکم ماہرین فقہ پر ظاہر ہے، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اوقاف کی زائد از حاجت آمدنی کے بارے میں کہ آیا وہ فاضل آمدنی کسی دوسرے مصرف میں خرچ ہو سکتی ہے یا نہیں، فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء تو مطلقاً منع کرتے ہیں، اور بعض اس شرط سے اجازت دیتے ہیں کہ دونوں وقفوں کا واقف اور جہت وقف متحد ہو تو ایک کی فاضل آمدنی دوسرے پر خرچ ہو سکتی ہے، اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ امام جیسی مصلحت دیکھے اس کے مطابق خرچ کر سکتا ہے، تو فقہاء کے یہ تین گروہ ہوئے، اور ان کے یہ تین قول ہو گئے۔ فرقہ اولی نے تو قاعدہ مذکورہ کو لیا، اور اس پر نہایت سختی سے عمل کیا، اور اس کے خلاف کی اجازت نہ دی۔ اور فرقہ ثانیہ نے ذرا نرمی برتی لیکن دونوں جانب کی رعایت مد نظر رکھی، یعنی قاعدہ مذکورہ کا بھی لحاظ

کیا، اور محاصل اوقاف کو ضائع ہونے سے بھی محفوظ رکھنے کا خیال کیا۔ اور فرقہ ثالثہ نے امام وحاکم اسلام کو مختار بنادیا کہ وہ غرض واقفین کو ملحوظ رکھتے ہوئے جہاں مناسب سمجھے خرچ کرے، کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وقف کرنے والوں کی غرض یہی ہوتی ہے کہ ان کے اوقاف امور خیر اور خدا کی راہ میں خرچ ہوں، اور متغلبین کے کھانے کے لئے یا ضائع ہونے کے لئے نہ چھوڑ دیئے جائیں، فرقہ اولی اور فرقہ ثانیہ کے قول تو نہایت صاف اور ظاہر ہیں، اور روایات فقہیہ کے لحاظ سے نہایت قوی ومستحکم اور پھر ایک قول دوسرے سے اقوی ہے۔ مانعین کی دلیلوں میں سے اشباہ کی یہ عبارت ہے:

صرح في البزازية وتبعه في الدرر والغرر بأنه لا يصرف فائض وقف لوقف آخر اتحد واقفهما أو اختلف (الاشباہ مطبوعہ دیوبند / ص ۱۹۲)

بزازیہ میں تصریح ہے اور درر وغرر میں بھی اس کا اتباع کیا ہے کہ ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے میں خرچ نہ کی جائے، خواہ دونوں کا واقف ایک ہو یا مختلف۔

ناقل حروف محمد ابو بکر عرض کرتا ہے کہ علامہ حموی نے حاشیہ اشباہ میں فتاوی بزازیہ، اور درر وغرر کی عبارت کے نقل کرنے کے سلسلہ میں علامہ ابن نجیمؒ کی تغلیط کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اگر واقف اور جہت میں اتحاد ہو تو ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

قال المصنف لا يجوز صرف فائض الوقف اتحد واقفهما أو اختلف وهو يضاده فقد أساء في النقل (الى قوله) قد أطلق صاحب هذا الكتاب المنع نقلا عن الدرر و الغرر والبزازية والحال أن ما في الدرر و الغرر نقلا عن البزازية انما هو التفصيل (حاشیہ اشباہ للحموی / ۱۹۲) قلت ما قال المحشي فهو الصحيح وانظر إلى البزازية في كتاب الوقف قبيل نوع في الفاظ جارية في الوقف تحت نوع في وقف المنقول (بزازیہ علی الہندیہ ۲۶۱/۶)۔

اور جو لوگ کہ اتحاد واقف وجہت وقف کی صورت میں اجازت دیتے ہیں، منجملہ ان کی دلیلوں کے در مختار کی یہ عبارت ہے:

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه لأنهما حينئذ كشيء واحد (در مختار مع رد المحتار ۴۰۸/۳)

واقف اور جہت وقف متحد، اور ایک وقف کی آمدنی کم ہو جانے سے اس کے موقوف علیہم کا وظیفہ کم ہو جائے تو حاکم کو جائز ہے کہ دوسرے وقف کی بچی ہوئی آمدنی سے خرچ کرے، کیونکہ اس صورت میں دونوں وقف شئ واحد کا حکم رکھتے ہیں۔ اور اس حکم کا معارض وہ حکم ہے جو فتاوی قاضی خاں میں ہے، وہ یہ ہے کہ ناظر کو جائز ہے کہ وقف کی فاضل آمدنی کو جہات خیر میں جس طرح مناسب سمجھے خرچ کرے۔

اور جو لوگ کہ امام کو مطلقاً اجازت دیتے ہیں، ان کی دلیلوں میں حاشیہ حموی علی الاشباہ کی یہ عبارت ہے:

ويعارضه ما في فتاوى الإمام قاضي خان في أن الناظر له صرف فائض الوقف إلى جهات برّ بحسب ما يراه (حاشیہ حموی علی الاشباہ / ص ۱۹۲)

ان تمام بیانات سے ظاہر ہو گیا کہ مسئلہ اختلافی ہے، لیکن جب ہم نے اس پر اچھی طرح غور کیا تو ان اقوال مختلفہ کو جمع کرنے کی ایک صورت ہماری سمجھ میں آگئی وہ یہ ہے کہ مانعین غالباً اس صورت میں منع کرتے ہیں، جب کہ مسجد موقوف علیہ تعمیر کی محتاج ہو، خواہ فی الحال ہو یا فی المآل، جیسا کہ حاشیہ حموی میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، حاشیہ مذکورہ کی عبارت یہ ہے:

قال بعضهم: الذی فیها (ای فی التاتارخانیة) لا یصرف القاضی الفاضل من وقف المسجد(ثم قال) والظاهر أن ذلك لجواز احتیاج المسجد إلی عمارة کثیرة فینبغی أن یعید لها ما صرف إلیها بشراء مستغل وینبغی أن یکون أوقاف المدارس والرباط فی حکمه بخلاف ما لیس من هذا القبیل من الأوقاف (حاشیہ حموی علی الاشباہ، ص ۱۹۲)

بعضوں نے کہا کہ تاتارخانیہ میں یہ مذکور ہے کہ قاضی وقف مسجد کی فاضل آمدنی خرچ نہ کرے، پھر محشی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ ممانعت کا حکم اس لئے ہے کہ مسجد کے محتاج تعمیر ہونے کا امکان ہے، اسلئے مناسب ہے کہ عمارت ممکنہ کے لئے اس قدر روپیہ رکھا جائے کہ بوقت ضرورت صرف کیا جاسکے، اور مناسب ہے کہ مدارس اور رباط کے وقف بھی اسی حکم میں ہوں، بخلاف ان اوقاف کے جو اس قسم کے نہیں۔

خاکسار کا کہنا ہے کہ اس عبارت میں ممانعت کے حکم کو معلل باحتیاج مسجد ہونا بیان کیا ہے، پھر محشی کا یہ قول 'مناسب' ہے، اس امر کی جانب مشیر ہے کہ عمارت ممکنہ کے لئے روپیہ جمع رکھنا امر مستحسن ہے، واجب نہیں، کیونکہ حاجت اگرچہ مآلاً ممکن الوجود ہے لیکن فی الحال تو معدوم ہے، ورنہ وہ مال فاضل نہیں بلکہ مشغول ہوگا۔ اور مجوزین جو اجازت دیتے ہیں وہ اس صورت میں کہ وقف مستغنی ہو، پھر ان میں دو فریق ہو گئے، ایک فریق نے بصورت استغناء اجازت تو دی لیکن اتحاد واقف وجہت وقف کا لحاظ مد نظر رکھا تاکہ حتی الامکان شرط واقف کی رعایت ہو سکے، اور دوسرے فریق نے حفاظت مال وقف کے خیال کو مقدم رکھا، اور غرض واقف کی رعایت کی، کہ اس کا مال خدا کی راہ میں خرچ ہو اور فضول برباد نہ ہو، اور اس صورت میں بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دینے کی حاجت نہیں کیونکہ ہر فریق کی نظر ایک خاص شرعی امر پر ہے، اور ہر ایک کا قبلۂ توجہ ایک امر مستحسن ہے، پس مفتی کو گنجائش ہے کہ وہ واقعہ سوال میں جواز نقل کا فتوی دے، تاکہ خدا کے مال ضائع ہونے سے بچیں، اور ظالمین متغلبین کے ہاتھ سے محفوظ رہیں، جو کہ اوقاف کے مال بے باکی سے ہضم کر جاتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیتے، پھر اگر تم چاہتے ہو کہ فریق ثالث کے قول کے مؤیدات معلوم کرو، تو ان روایات حدیثیہ اور فقہیہ کا بغور ملاحظہ ہو۔

روایات فقہیہ: فتاوی عالمگیری میں ہے کہ کسی کو راستہ میں سخت سردی لگی وہ کسی مسجد میں داخل ہوا، مسجد میں کسی شخص کی لکڑیاں رکھی تھیں، اس کی حالت یہ تھی کہ اگر آگ نہ سلگائے تو ہلاک ہو جائے، تو مسجد کی لکڑیاں سلگانا اولی ہے، اس سے کہ کسی غیر شخص کی لکڑیاں جلائے (عالمگیری)

خاکسار کہتا ہے کہ جب ایک شخص کی جان بچانے کے لئے مسجد کی لکڑیاں سلگانے کی اجازت دیدی گئی تو اگر ایک جماعت مسلمین کی جان بچانے کے لئے اموال مسجد خرچ کئے جائیں تو بدرجہ اولی جائز ہوگا۔

وفی الهندیة یجوز إدخال الحبوب وأثاث البیت فی المسجد للخوف فی الفتنة العامة، کذا فی القنیة
(فتاوی عالمگیری بحوالہ الاشباہ ۲۱۲)

خاکسار کہتا ہے کہ دیکھو ضرورت شدیدہ کے وقت مسجد کو ایک ایسے کام کے لئے استعمال کرنا جائز ہو گیا جو غرض مسجد کے خلاف ہے۔ اور در مختار میں ہے کہ مسجد میں نقش و نگار سوائے محراب کے اور جانبوں میں بنانے کا مضائقہ نہیں ہے، چونے سے یا سونے کے پانی سے بشرطیکہ بنانے والا اپنے مال سے بنائے نہ کہ مال وقف سے کہ یہ حرام ہے، اور اگر متولی مال وقف سے نقش و نگار بنوائے، یا سفیدی کرائے تو ضامن ہوگا، ہاں اگر ظالموں کی طمع کا خوف ہو تو مضائقہ نہیں۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ مصنف کا یہ قول کہ طمع کا خوف ہو الخ، یعنی جب کہ متولی کے پاس مسجد کا مال جمع ہو جائے، اور مسجد کو تعمیر کی حاجت نہ ہو، ورنہ متولی ضامن ہوگا، جیسا کہ قہستانی میں نہایہ سے منقول ہے (در مختار مع ردالمحتار ۱/ ۴۸۶ تا ۴۸۷)

خاکسار کہتا ہے کہ، دیکھو، مسجد کے استغناء عن العمارۃ اور مال کے ضائع ہونے کے خوف کی صورت میں ایک ایسے کام میں خرچ کرنے کی اجازت دیدی کہ بصورت عدم خوف ہلاک اس میں خرچ کرنے سے متولی ضامن ہوتا تھا، اور ردالمحتار کتاب الوقف میں پہلے شمس الائمہ حلوانی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ جب کوئی مسجد ویران ہو جائے، اور اس کی حاجت نہ رہے تو اس کے اوقاف مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز ہے، پھر فرمایا کہ مناسب یہی ہے کہ جواز نقل میں مشائخ مذکورین کا اتباع کیا جائے، اور مسجد اور حوض کا فرق نہ کیا جائے، جیسا کہ امام حلوانی اور امام ابو شجاع نے فتوی دیا ہے، اور ان دونوں کی اقتداء کافی ہے، بالخصوص ہمارے اس زمانے میں، کیونکہ مسجد یا رباط یا حوض خراب شدہ کا اسباب اگر نقل نہ کیا جائے تو چور اور متغلبین اسے اٹھالے جاتے ہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے، اور اس کے اوقاف کو خود متولی یا اور اشخاص کھا جاتے ہیں، اور اس کا اسباب نقل نہ کرنے سے دوسری محتاج مسجدیں بھی ویران رہ جاتی ہیں (ردالمحتار کتاب الوقف ۳/ ۳۰۷)۔

اور فتاوی عالمگیری میں ہے کہ کچھ مال ہے جو سبیل خیر کے لئے اور غیر معین فقراء کے لئے وقف ہے، اور کچھ مال مسجد جامع کے لئے وقف ہے، اور ان دونوں کی آمدنی جمع ہے، پھر اسلام کو کوئی حادثہ پیش آیا، جیسے کہ روم کا حادثہ اور اس حادثہ میں خرچ کی حاجت ہوئی تو مسجد جامع کا جو مال ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مسجد کو فی الحال اس کی حاجت نہ ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ اس مال کو اس اسلامی حادثہ میں بطور قرض خرچ کرلے، اور پھر مال غنیمت میں سے ادا کردے، اور مال موقوف علی الفقراء کی تین صورتیں ہیں: کہ یا تو وہ محتاجوں میں صرف کیا جائے، یا اغنیائے مسافرین میں یا اغنیائے غیر مسافرین میں۔ پہلی اور دوسری صورت میں بغیر لحاظ قرض خرچ کرنا جائز ہے۔ اور تیسری صورت میں پھر دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ کوئی قاضی اغنیاء غیر مسافرین میں خرچ جائز سمجھتا ہو، تو اسے بلا لحاظ قرض خرچ کرنا جائز ہے، دوسرے یہ کہ قاضی اسے ناجائز سمجھتا ہو تو بطور قرض خرچ کرلے، اور مال غنیمت پر دین رہے (واقعات حسامیہ)۔ (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۶۴)

خاکسار کہتا ہے کہ اس قول سے کہ مسجد کو فی الحال حاجت نہ ہو، یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ اگر مسجد کو فی المآل بھی حاجت نہ ہو تو بلا لحاظ قرض بھی خرچ کرنا جائز ہوگا، اسی طرح وقف فقراء کا اغنیاء پر خرچ کر دینا بھی اسی کا مؤید ہے، نیز کسی قاضی کے

جائز سمجھنے سے خرچ کرنے کی اجازت دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے مگر یہ سب باتیں ضرورت شدیدہ اور نائبہ عظیمہ پیش آنے کی حالت میں ہیں۔

روایات حدیثیہ:

منجملہ روایات حدیثیہ کے یہ روایت بھی ہے جو امام مسلمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے کہ:

لولا أن قومك حديثو عهد بجاهلية أو قال بكفر لأنفقت كنز الكعبة فى سبيل الله (مسلم شریف ۱/۴۲۹)

اگر تمہاری قوم ابھی قریب العہد بکفر نہ ہوتی تو میں کعبہ کا خزانہ سبیل خدا میں خرچ کر دیتا۔

اور منجملہ ان کے وہ روایت ہے جو امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی صحیح میں ابووائل سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں شیبہ کے ساتھ کعبہ میں کرسی پر بیٹھا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ اسی مقام پر حضرت عمر بیٹھے تھے، اور فرمایا تھا کہ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس میں نہ چاندی چھوڑوں نہ سونا، سب تقسیم کر دوں (صحیح بخاری۔ باب کسوۃ الکعبہ ۱/۲۱۷)

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمر کا تقسیم مال کعبہ کا ارادہ کرنا پہلی حدیث کے ان الفاظ کی تفسیر کرتا ہے، جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ کعبہ کا خزانہ راہ خدا میں خرچ کر دیتا، اور اس تقریر سے یہ وہم بھی دور ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر کا ارادہ محض حجت نہیں، کیونکہ انہوں نے خود اس ارادے کو چھوڑ دیا، جب کہ شیبہ نے کہا کہ تمہارے دونوں ساتھیوں نے ایسا نہیں کیا، تو حضرت عمر نے فرمایا کہ وہ دونوں شخص ایسے ہیں کہ ان کی اقتداء کی جاتی ہے، تو حضرت عمر کا یہ فرمانا اس پر دال ہے کہ تقسیم نہ کرنا ہی فعل پسندیدہ اور شارع علیہ السلام کی مرضی کے موافق تھا، اور تقسیم کرنا ممنوع تھا، اس لئے حضرت عمر نے بھی تقسیم نہ کیا، وجہ اس وہم کے دور ہونے کی یہ ہے کہ ترک انفاق آنحضرت ﷺ نے ایک خاص علت سے کیا تھا، اور وہ قریش کا قریب العہد بکفر ہونا ہے، جیسا کہ مسلم کی روایت میں اس کی تصریح ہے، تو حضرت عمر کا ارادہ آنحضرتؐ کے ارادہ کے مطابق اور ان کا ترک آنحضرتؐ کے ترک کے موافق واقع ہوا، اگرچہ آنحضرت ﷺ کے ترک کی وجہ اور تھی، اور وہ وجہ حضرت عمر کے زمانے میں موجود نہ تھی، لیکن انہوں نے بوجہ شدت شوق اقتضائے آثار پیغمبر آپ کا اتباع کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ابن صلاح نے فرمایا: امام کو اختیار ہے کہ (غلاف کعبہ کو) بیچے یا یوں ہی مسلمانوں کو عطا کر دے، اور انہوں نے استدلال کیا اس واقعہ سے جو ازرقی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر ہر سال غلاف کعبہ اتارتے اور حجاج کو تقسیم کر دیتے تھے (حاشیہ بخاری۔ باب کسوۃ الکعبۃ ۱/۲۱۷)۔

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ غلاف کعبہ اس لئے تقسیم کر دیتے تھے کہ کعبہ کو اس کی حاجت نہ تھی، کیونکہ اس پر تو ہر سال نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے، تو اترا ہوا غلاف اگر تقسیم نہ کیا جاتا تو ضائع ہو جاتا، یا دربان بیچ کر اپنی حاجتوں میں خرچ کر لیتے، اور حضرت عمرؓ کے قول میں چاندی سونے سے مراد وہ خزانہ ہے جو کعبہ میں مدفون تھا، کعبہ کو جو مال دئے جاتے تھے وہ اس پر خرچ ہوتے تھے، اور جو بچتا

تھا وہ اس میں دفن کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ علامہ عینی نے قرطبی سے نقل کیا ہے۔ یہ تو او قاف مساجد اور اس کے مثل کا حکم تھا، رہے اور او قاف تو اس میں حاکم اسلام کو ذرا اختیار وسیع ہے۔

یہ تھیں وہ روایات حدیثیہ وفقہیہ جن سے قول ثالث کے لئے استناد واستیناس میں پیش کیا جاسکتا ہے، اور اسی وجہ سے مفتی کو گنجائش ہے کہ وہ اس قول پر فتوی دیدے، بشرطیکہ اس کو وقف کے لئے اصلح اور عامہ مسلمین کے لئے انفع سمجھے، جیسا کہ علامہ شامی نے مسجد کے سامان شکستہ نقل کرنے کے بارے میں امام حلوانی اور امام ابو شجاع کے قول کو قابل اتباع بتایا ہے، باوجودیکہ اصل مذہب عدم جواز نقل ہے۔ اور یہ کیوں؟ صرف ضرورت شدیدہ کی وجہ سے۔

مذکورہ بالا تحقیق کی بنا پر ایسی حالت میں کہ مسجد کے اموال کثیر جمع ہوں، اور مسجد کو نہ فی الحال ان کی حاجت ہو، اور نہ بظن غالب فی المآل، اور ان اموال کے اسی طرح جمع رہنے میں ضائع ہو جانے اور متغلبین کے کھا اڑا جانے کا اندیشہ ہو، تو یہ زائد از حاجت اموال جمع شدہ کسی دوسری محتاج مسجد میں خرچ ہو سکتے ہیں، اسی طرح کسی ایسے دینی مدرسہ میں جو علوم شریعت تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہو، خرچ کرنا جائز ہے (کفایت المفتی ۷؍۲۶۵ تا ۲۷۵)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے مندرجہ تفصیلی فتوی پر جن جلیل القدر علماء نے تائیدی دستخط کئے ہیں، ان میں علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی عزیز الرحمن دیوبندی، مفتی محمد سہول صاحب بھاگلپوری، مولانا مرتضی حسن چاندپوری اور مولانا اعزاز علی صاحب وغیرہم اکابر علماء بھی ہیں۔ اس مفصل فتوی میں مسجد کی فاضل آمدنی کے سلسلہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے روایات حدیث اور تصریحات فقہاء کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے، اور جس علت کی بنیاد پر مسجد کی فاضل آمدنی کو دوسری مسجد کی ضروریات یا دیگر رفاہی کاموں میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے اس کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسجد پر وقف اراضی فی الحال یا فی المآل مسجد کی ضرورت سے زائد ہو تو اس پر مسلمانوں کے لئے دینی تعلیم کا ادارہ قائم کرنا شرعاً جائز ہے، لیکن عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا مسجد کی اراضی پر جائز نہیں ہے، اگرچہ وہ زمین مسجد کی ضروریات سے فاضل ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ دینی ادارہ کی تعمیر درحقیقت مسجد کی معنوی تعمیر ہے، لیکن عصری تعلیم کے ادارہ کی تعمیر کی شرعاً یہ حیثیت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ یہاں مسجد کی فاضل اراضی پر دینی ادارہ کے قائم کرنے کے جواز کا جو فتوی دیا گیا ہے وہ فتوی اگرچہ جمہور علماء اسلام کی تصریحات کے خلاف ہے، لیکن جائز قرار دینے کی علت یہ ہے کہ مسجد کی فاضل اراضی کے سلسلہ میں بہت سی جگہ دیکھا گیا ہے کہ لوگوں نے اسے غصب کر کے اپنا مکان وغیرہ بنالیا ہے، اور اس کے مالک بن بیٹھے ہیں، جب کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ وقف زمین کا مالک ہو جائے، اور اگر مسجد کی فاضل اراضی پر دینی تعلیم کا ادارہ قائم کر دیا جائے تو اس صورت میں مسجد کا وقف بھی علی حالہ باقی رہتا ہے، علاوہ ازیں دینی ادارہ کی تعمیر مسجد کی معنوی تعمیر ہے، لہذا مذکورہ اسباب کی بنا پر احقر کے نزدیک مسجد کی فاضل اراضی پر دینی ادارہ کی تعمیر کی شرعاً گنجائش ہے، اور اس کی نظیر راقم سطور کے نزدیک پرانے قبرستان پر مسجد بنانے کا جواز ہے۔

مولانا ابوبکر قاسمی

الف، ب۔ مسجد پر وقف اراضی کی آمدنی مسجد کی ضروریات سے زائد ہے اس کی نہ فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ، تو مسجد کی آبادی کی غرض سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ جاری کیا جائے اس آمدنی سے تو جائز ہے، اور اس سے بھی آمدنی بچ جائے اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو قریب کی پھر بعید کی علی الترتیب دیگر مساجد کی ضروریات میں صرف کی جائے، اس آمدنی کو مسجد سے غیر متعلق دینی مدرسہ میں خرچ کرنا یا اس رقم سے عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا یا رفاہی کاموں میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، فتاوی محمودیہ میں ہے: لیکن مسجد کی آبادی کے لئے مسجد سے متعلق مدرسہ دینی قائم کرنا شرعا درست ہے کہ یہ بھی مصالح مسجد میں سے ہے (محمودیہ، فتاوی رحیمیہ ۲/۱۸۵)۔ مساجد اور مقابر کی رقم دنیوی تعلیم کے (کالج اور اسکول میں پڑھنے والے) طلبہ کو بطور امداد دینا ناجائز ہے (فتاوی رحیمیہ ۲/۱۸۵)۔

مولانا عبد القیوم

شریعت نے منشاء واقف اور شرط کو نص شرعی کا درجہ دیا ہے، واقف کی شرط کے مطابق ہی شئ موقوف سے انتفاع اور اس کا استعمال درست ہوگا۔

شرط الواقف کنص الشارع ای فی وجوب العمل به و فی المفهوم والدلالة (اشباہ/۱۹۵ قدیم نسخہ)

جس کا تقاضہ یہ ہے کہ شئ موقوف کا استعمال اسی خاص متعین نوع پر درست ہوگا جس پر واقف نے وقف کیا ہے اسکے علاوہ دوسرے وقف پر جائز اور درست نہ ہوگا، الا یہ کہ شئ موقوف ویران اور برباد ہو جائے اور اس سے انتفاع ختم ہو جائے تو ایسی صورت میں اس شئ موقوف کو بیچ کر حاصل شدہ رقم سے دوسری مناسب جگہ اسی نوع کے وقف پر خرچ کریں گے جس نوع پر واقف نے وقف کیا تھا، نوع کے تبادلہ کے ساتھ استعمال درست نہ ہوگا، جیسا کہ نمبر دو کی عبارت اس پر دال ہے (شامی ۳/۱۷ ۳)

مذکورہ بالا تمہید کے بعد عرض یہ ہے کہ ایسے مقامات جہاں مساجد کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، جنکی آمدنی مسجد کے مصارف سے بہت زیادہ ہے، تو کیا اس قسم کی اراضی پر جو فی الحال مسجد کی ضرورت سے زائد ہے مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے؟ مقصد وقف یہی ہے کہ حاصل شدہ آمدنی کو مسجد کے مصالح وضروریات میں صرف کی جائے۔

لا شك أن مراد الواقف انتظام حال مسجده أو مدرسة لا مجرد انتفاع اهل الوقف (شامی ۳/۷۷ ۳)

فيقدم أولاً لعمارة الضرورية ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر (شامی ۳/۷۷ ۳)

الف۔ سوال میں ذکر کردہ زائد اراضی پر صرف دینی ادارہ قائم کرنے کی اجازت ملنی چاہئے، بشرطیکہ وہ اراضی ویران اور ناقابل انتفاع ہو جائے جس کی وجہ سے قبضہ ختم ہو جانے کا قوی خطرہ لاحق ہو، خواہ وہ خطرہ حکومت کی طرف سے ہو یا عوام کی طرف سے، اور دوسری شرط یہ کہ دینی ادارہ قائم کرنے کی ضرورت بھی ہو، اور مدرسہ قائم کرنے سے وہ خطرات ٹل جائیں جو خطرات پیچھے بیان کئے گئے۔

اگر وہاں پر بتقاضائے حالات دینی ادارہ قائم کرنے کی فی الحال ضرورت نہیں لیکن زائد زمین مسجد کے قبضہ سے نکل جانے کا قوی خطرہ درپیش ہے تو ایسی صورت میں زائد زمین فروخت کر کے حاصل شدہ رقم سے دیگر مساجد کیلئے ذریعہ آمدنی کو حاصل کیا جائے

ب۔ اور اگر وہاں پر مدرسہ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ زائد زمین مسجد کے قبضہ سے نکل جانے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں حاصل شدہ زائد آمدنی کو صرف دیگر محتاج مساجد کے مصالح وضروریات میں خرچ کرنے کی اجازت ملے گی۔

وجہ ظاہر ہے کہ آمدنی جمع ہو کر چند سالوں میں ایک بڑا سرمایہ بن جائے گی، جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ ہے، ایسی رقم خطرہ سے خالی نہیں ہے، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہو سکتا ہے اور منتظمین کی طرف سے خیانت کا بھی، یہ خطرات اس زمانہ میں تجربات ومشاہدات کی وجہ سے احتمالی نہیں رہے بلکہ واقعی ہو چکے۔

جب فقہاء نے ناجائز قبضہ کرنے والوں کے خوف وخطرہ سے اراضی کے انتقال کی اجازت دی ہے تو جب یہی خطرات آمدنی میں پیدا ہو جائے تو بدرجہ اولی آمدنی کا انتقال درست ہوگا۔

اوپر مشروط طور پر دینی ادارہ قائم کرنے کی اجازت اس لئے ہے کہ ہر واقف کا اصل مقصد، حصول ثواب اور رضائے خداوندی ہے، یہ مقصد صرف دینی ادارہ قائم کرنے میں علی حالہ برقرار رہتا ہے، اگر واقف زندہ ہوتا اور وہ اپنے وقف کردہ جائداد کی ویرانی کو دیکھتا تو کیا وہ دینی ادارہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا، یقیناً اجازت دیتا، لہٰذا زائد زمین میں مشروط طور پر دینی ادارہ کا قیام دلالۃً واقف کے منشاء ومقصد کے مطابق ہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا تنویر عالم قاسمی

الف، ب۔ جس وقف کی وہ آمدنی ہے اس کا وقف نامہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ واقف نے کس کس کام میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے، ایک مسجد کے لئے مخصوص طور پر جو وقف ہو اس کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں، لیکن مسجد کی آبادی کے لئے مسجد سے متعلق مدرسہ دینی قائم کرنا شرعاً درست ہے کہ یہ بھی مصالح مسجد میں سے ہے۔ ھکذا یفهم مما فی البحر الرائق (۲۱۵/۵)۔ دنیوی تعلیم مصالح مسجد میں سے نہیں اس میں خرچ کرنا درست نہیں دینی تعلیم خواہ قرآن کریم کی تعلیم ہو خواہ مسائل شرعیہ کی تعلیم ہو اور پھر چاہے عربی زبان میں ہو چاہے اردو میں چاہے گجراتی میں سب کا حکم ایک ہے (فتاوی محمودیہ ۱۸۶/۱۰)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

الف۔ ایسی اراضی جو مسجد پر وقف ہو اور جو فی الحال مسجد کی ضرورت سے زائد ہو تو ایسی اراضی پر منشاء واقف کے خلاف کوئی کام کرنا جائز نہیں ہے (جیسا کہ ماقبل کی عبارتوں سے واضح ہے)۔

ب۔ مسجد کی آمدنی یا اسی طرح وہ زمین ومکان کی آمدنی جو مسجد کے لئے وقف ہو منشاء واقف کے خلاف صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

الفاضل من وقف المسجد هل یصرف إلی الفقراء قیل لا وانه صحیح ولکنه یشتری به مستغلا للمسجد (تاتارخانیہ ۸۶۱/۵)

مولانا نذر توحید

الف، ب۔ مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ مسجد سے تعلیمی یا رفاہی کام لئے جاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

الف۔ مسجد کی وقف اراضی میں چاہے وہ مسجد کی ضروریات سے زائد ہوں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ بوقت ضرورت یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ مسجد کے پیسے سے تعمیر کرلیں اور اسکو مدرسہ کے واسطے کرایہ پر لے لیں، مدرسہ کی جانب سے مسجد کو کرایہ ادا کردیا کریں، یا وہ زمین کرایہ پر لے کر مدرسہ تعمیر کیا جائے کہ زمین مسجد کی ہو جس کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے ادا کردیا جایا کرے اور عمارت مدرسہ کی ہو۔ (فتاوی رحیمیہ ۶/۹۵، فتاوی محمودیہ ۱۸/ ۲۲۰، احسن الفتاوی ۶/ ۴۲۲)

ب۔ جب ایک مسجد کی آمدنی بلا مجبوری دوسری مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے تو پھر مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے کیسے استعمال کی جاسکتی ہے (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۵، فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۱۶۶) فتاوی عالمگیری میں ہے:

وقف المسجد هل يصرف الى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح ولكن يشترى به مستغلا للمسجد

(فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۶۳)

ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں بوقت ضرورت زائد آمدنی کو دوسرے نیک کام میں استعمال کرنے کے لئے لکھا ہو تو شرط کے مطابق دوسرے وقف وغیرہ نیک کاموں میں خرچ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز ہے (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۴)

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

جن مقامات پر مساجد ومدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے مثلاً ایک مسجد ہے، اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے تو مناسب یہ ہے کہ ایک وقف کا سامان دوسرے وقف میں منتقل کرنے کے مسئلہ میں امام ابو شجاع اور امام حلوانیؒ کے فتویٰ کی اتباع کی جائے کہ اس مسئلہ میں ان کے نزدیک مسجد یا حوض کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، خصوصاً ہمارے زمانے میں، اس لئے کہ مسجد، سرائے یا حوض وغیرہ کو اگر منتقل نہ کیا جائے تو اس کے شکستہ حصے چور اور غارت گر اٹھالے جائیں گے، جیسا کہ مشاہدہ وتجربہ ہے، نیز خود اوقاف کے نگراں وغیرہ اسے کھاجائیں گے، اور منتقل نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسری مسجد بھی جس کو اس کی ضرورت ہے ویران ہوجائے گی (اسکی تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے: رد المحتار ۳/ ۴۰۶، ۴۰۷، ہدایہ ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، المبسوط ۱۲/ ۴۲، تا ۴۳۔ فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۸۱۔ بدائع الصنائع ۶/ ۲۱۸، ۲۲۱)

مسجد کی فاضل رقم کے سلسلے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا موقف:

سوال نمبر (۷۱۹) کے جواب میں فرماتے ہیں:

الجواب : فی الدر المختار ،ومثله حشیش المسجد و حصیره مع الاستغناء عنها و كذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه الخ، في رد المحتار لف ونشر مرتب فظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه، وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها(۳/ ۵۷۴)

قلت وهذه الرواية وإن كانت منقولة في صورة خراب المسجد وغيره لكن ما كان مبنى الحكم الاستغناء كان الحكم عاما وإن لم يخرب وهذا ظاهر عندي۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس آمدنی کو دوسری مساجد میں بھی صرف کر سکتے ہیں لیکن ترتیب سے کہ اول اقرب مساجد میں اور اگر اس میں ضرورت نہ ہو تو پھر اسی طرح اقرب فالاقرب میں (امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۳ تا ۵۹۴، احسن الفتاوی ۶/ ۴۲۶ تا ۴۲۷، رد المحتار مع الدر المختار ۳/ ۲۰۷)

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا موقف:

اسی طرح کے سوال کے جواب نمبر (۷۲۳) میں آپ کے فتوی کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

"مذکورہ بالا تحقیق کی بنا پر ایسی حالت میں کہ مسجد کے اموال کثیرہ جمع ہوں اور مسجد کو نہ فی الحال ان کی حاجت ہو اور نہ بظن غالب فی المآل، اور ان اموال کے اسی طرح جمع رہنے میں ضائع ہو جانے اور متغلبین کے کھا اڑا جانے کا اندیشہ ہو تو یہ زائد از حاجت اموال جمع شدہ کسی دوسری محتاج مسجد میں خرچ ہو سکتے ہیں، اسی طرح کسی ایسے دینی مدرسہ میں جو علوم شریعت تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہو خرچ کرنا جائز ہے" (کفایت المفتی ۷/ ۲۷۵، مسلم مع النووی ۱/ ۴۲۹۔ باب نقض الكعبة وبناءها)

الف۔ مسجد کی اراضی موقوفہ پر جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے مسلمانوں کے لئے کوئی دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا شرعی نقطۂ نظر سے ممنوع وحرام ہے۔

سئل القاضي الامام شمس الائمة محمود الاوزجندي عن مسجد لم يبق له قوم و خرب ما حوله واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة قال لا، وسئل هو أيضا عن المقبرة في القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها قال لا، ولها حكم المقبرة كذا في المحيط (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۷۰ تا ۴۷۱)

ب۔ مسجد کے اوقاف کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی گنجائش ہے جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا، اسی طرح کے سوال کے جواب نمبر (۲۵۹) میں مفتی کفایت اللہ صاحب قلمبند فرماتے ہیں: جب کہ مسجد کی جمع شدہ رقم مسجد کی حاجت سے زیادہ ہو اور آئندہ بھی مسجد کو بظن غالب اس رقم کی حاجت پڑنے کا احتمال نہ ہو تو دوسری محتاج مسجد پر یہ رقم صرف کی جا سکتی ہے، اس اجازت میں وہ مقدار شامل ہو گی جس سے مسجد حالاً و مآلاً مستغنی ہو، واللہ اعلم (کفایت المفتی ۷/ ۲۹۷)۔

اور جواب نمبر (۲۵۶) میں ہے کہ جب مسجد کی آمدنی اس قدر کثیر ہو کہ مسجد کو اس کی نہ فی الحال حاجت ہو اور نہ فی المآل، تو ایسی حالت میں جمع شدہ زائد رقم کو کسی دوسری محتاج مسجد میں یا دینی تعلیم میں خرچ کیا جاسکتا ہے (کفایت المفتی ۷ / ۳۰۰)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں: رہا یہ کہ وہ مصالح مسجد سے بچ جاتا ہے اور اس کے جمع رکھنے میں احتمال ضیاع کا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس فاضل آمدنی کو دوسرے مساجد کے مصالح پر صرف کرنا چاہئے جو مسجد موقوف علیہ سے قریب ہو اور اگر اس مسجد قریب میں بھی استغناء ہو تو پھر اس کے بعد جو مساجد قریب ہوں حتی کہ دوسری بلاد ہند کی مساجد تک اس کی محل ہیں (امداد الفتاوی ۲ / ۵۹۲، فتاوی رحیمیہ ۲ / ۱۸۴ تا ۱۸۷)

عن عائشة زوج النبی ﷺ انها قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول لولا أن قومك حديثو عهد بجاهلية او قال بكفر لأنفقت كنز الكعبة فی سبيل الله ولجعلت بابها بالأرض ولأدخلت فيها من الحجر (مسلم ۱ / ۴۲۹ تا ۴۳۰)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر تمہاری قوم جدید الاسلام نہ ہوتی، یا فرمایا کہ اگر وہ کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتے تو میں یقیناً کعبہ کا خزانہ راہ خدا میں خرچ کر دیتا اور میں کعبہ کو از سر نو تعمیر کرتا اور حطیم کا حصہ اندر داخل کر دیتا اور اس کے دو دروازے کر دیتا کہ ایک سے لوگ داخل ہوں اور دوسرے سے باہر نکلیں اور دروازہ کو زمین سے ملا دیتا۔

علامہ نووی اس حدیث کی توضیح و تشریح اس طرح فرماتے ہیں: وفيه دليل لجواز إنفاق كنز الكعبة ونذورها الفاضلة عن مصالحها فی سبيل الله .... ومذهبنا أن الفاضل من وقف مسجد أو غيره لا يصرف فی مصالح مسجد آخر ولا غيره بل يحفظ دائماً للمكان الموقوف عليه الذی فضل منه فربما احتاج إليه والله اعلم (نووی علی ہامش المسلم ۱ / ۴۲۹)

خلاصہ یہ کہ متقدمین کے فتویٰ سے ہٹ کر متاخرین محقق علماء کا دوسری رائے قائم کرنے کی علت یہ ہے کہ وقف اپنے مقاصد کو پورا نہیں کر رہا ہے، اور اگر اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو غاصبین اس پر قبضہ کر لیں گے، درانحالیکہ دوسری مساجد کو ضرورت ہے، پس اگر اس ویران مسجد کے سامان دوسری ضرورت مند مساجد کو منتقل کرنا ممنوع قرار دیا جائے تو اس فتویٰ کے ذریعہ دوسری مساجد کو ویران کرنا لازم آئے گا، لہذا مصلحت شرع اس کی متقاضی ہے کہ اس انتقال کو درست قرار دیا جائے۔

مولانا محمد مصطفی قاسمی

بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد و مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی آبادی وہاں معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے، اس بارے میں دو باتیں پیش نظر ہے:

الف۔ مصارف سے زیادہ آمدنی ہم جنس ہی پر صرف کیا جائے، غیر ہم جنس میں صرف کرنے کی گنجائش نہیں ہے مگر انہیں شرطوں کے ساتھ جو مذکور ہوئے، مثلاً مسجد پر جو اراضی وقف ہیں فی الحال مسجد کی ضروریات سے بہت زیادہ ہیں تو دوسری مسجد میں صرف کیا جائے گا، دوسری قسم میں مثلاً مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم گاہ قائم کرنا اس کی اجازت حضرات فقہاء کے یہاں نہیں ملتی ہے۔

لا يجوز تغيير المصرف مع إمكان المحافظة عليه كما لايجوز تغيير الوقف بالبيع مع إمكان الانتفاع به (المغنی ۵/ ۶۳۳)

ب۔ واقف کے مقاصد کالحاظ ممکن حد تک ضروری اور لازم ہے۔

وينظر في الوقف من شرطه للواقف (المغنی ۵/ ۶۴۶)

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

الف۔ ایسے مقامات جہاں مساجد اور مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہوں اور مسلمانوں کی آبادی بہت ہی معمولی رہ گئی ہو، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہوں، اور مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہو تو اس صورت میں اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ اگر مسجد میں اس کی ضرورت بالکل نہ ہو تو مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اوقاف کی زائد آمدنی وقف شدہ چیزوں ہی میں صرف کیا جائے، اگر واقف وقف کرتے وقت استبدال کی شرط نہیں لگائی تھی تو وقف تام ہو جانے کے بعد اس عبارت "واما الاستبدال ولو للمساكين بدون شرط فلايملك" کی وجہ سے یہ استبدال جائز نہ ہوگا۔

ب۔ مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنا اس صورت میں بالکل درست نہیں ہے، جبکہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا ہو۔

مولانا قمر الزماں ندوی

زائد از ضروریاتِ مسجد کا مصرف:

بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد اور مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں اور مسلمانوں کی آبادی وہاں معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے کہیں زیادہ ہے، ایسی زائد آمدنی سے جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے، اس سے نہ تو دینی یا عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی مسجد کی آمدنی کو رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، بلکہ اس آمدنی کو مسجد کی مرمت وغیرہ میں صرف کیا جائے، نیز مصالح مسجد مثلاً امام، خطیب، مسجد کی لائٹ وروشنی اور چٹائی وغیرہ میں صرف کیا جائے گا، پھر بھی اگر کچھ بچ جائے تو دوسری قریب کی مسجد میں صرف کیا جائے گا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے شیخ اشرف علی تھانویؒ (م: ۱۳۶۲ھ) کی عبارت ملاحظہ ہو:

"مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح بہ ترتیب (امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۶)

اور علامہ علاء الدین حصکفیؒ (م: ۱۰۸۸ھ) تحریر فرماتے ہیں:

ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد و مدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح و إن لم يشترطه الواقف لثبوته اقتضاءً (الدر المختار مع الرد ۳/۶۷۳)

اس کی آمدنی پہلے اس کی عمارت پر اور پھر اس کو آباد کرنے والے ذرائع پر خرچ کی جائے گی، مثلاً مسجد کا امام اور مدرسہ کا مدرس ان کو انکی کفایت کے بقدر دیا جائے گا، پھر چراغ اور چٹائی پر خرچ کیا جائے گا، اسی طرح آخری مصلحت تک، گرچہ واقف نے اس کی شرط نہ لگائی ہو، اس لئے کہ یہ اقتضاء ثابت ہے۔

اس عبارت میں "مدرس مدرسہ" سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ مدرسہ بھی مصارف مسجد میں شامل ہے، اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ اشرف علی تھانویؒ (م: ۱۳۶۲ھ) رقمطراز ہیں:

"اس سے مراد یہ ہے کہ وقف علی المسجد میں امام وغیرہ مصارف ضروریہ سے ہے اور وقف علی المدرسہ میں مدرس وغیرہ مصارف ضروریہ سے ہے، اور یہ مراد نہیں کہ وقف علی المسجد میں یہ سب مصارف ہیں بلکہ دو ورق کے بعد ایک جزئی مصرح ہے کہ اگر مسجد کے وقف میں مدرس بھی مشروط فی الوقف ہو وہ خود مصارف لازمہ سے نہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی ۲/۵۹۷)۔

مولانا محمد نور القاسمی

اوقاف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

الف، ب۔ اوقاف جن کی آمدنی مصارف سے زیادہ ہو، اور آئندہ بھی اس کا مصرف نظر نہ آرہا ہو، بلکہ اس طرح ذخیرہ اندوزی کا خطرہ ہے اور ذمہ داران اوقاف اور حکومت کی طرف سے دست درازی کا خدشہ بھی ہو، تو ایسی ضرورت سے زائد آمدنی کو کن امور میں صرف کر سکتے ہیں؟ .... تو اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ مسجد کی فاضل آمدنی کو کسی دوسرے علمی، دینی، ملی کاموں میں بھی صرف کرنا درست نہیں ہوگا، بلکہ اس مسجد کی ضروریات سے زائد رقم کو دوسری مساجد میں صرف کریں گے، اگر وہاں کی مساجد کو ضرورت نہ ہو تو دوسرے مقامات میں مساجد کی ضروریات میں استعمال کرنا ہوگا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا فتوی ملاحظہ ہو:

"مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو، تو دوسرے شہر کی مساجد میں صرف کریں، جو زیادہ قریب ہو، اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح بترتیب (امداد الفتاوی ۲/۵۹۶)

مولانا ابرار خان ندوی

الف۔ مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے اس میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اس میں مسجد کی آمدنی کے لئے مکان، دوکان وغیرہ تعمیر کی جائے تاکہ اس کی آمدنی کو مسجد کی ضروریات میں استعمال کیا جائے، عالمگیری میں ہے:

" الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح. ولكن يشترى به مستغل للمسجد كذا في المحيط (عالمگیری ۲/ ۴۶۳)

ب۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی کاموں میں استعمال کی جاسکتی ہے، جبکہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسجد کی آمدنی مسجد ہی کے کام میں استعمال ہوگی۔ اسے تعلیمی اور رفاہی کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، جب کہ واقف نے بھی اس کی اجازت نہیں دی ہو، اور اوپر شامی کی عبارت (۴۹۷/۳) " شرط الواقف كنص الشارع" سے بھی معلوم ہوا کہ اس کو دوسرے کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

الف۔ مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے تاکہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو کیوں کہ آبادی کو ترقی دینا بڑی مصلحت ہے۔

الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح ولكن يشترى به مستغل للمسجد (مسجد کے وقف کی فاضل آمدنی فقراء پر صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں، صحیح قول یہ ہے کہ ایسا نہ کرے اس سے مسجد کی آمدنی کے ذرائع کا نظم کیا جائے)

اور عالمگیری میں دوسری جگہ فرمایا ہے:

الذى يبدأ من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أم لا ثم إلى ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة (وقف کی آمدنی سب سے پہلے وقف کی عمارت وتعمیر پر لگے گی خواہ واقف نے شرط رکھی ہو یا نہ رکھی ہو، اس کے بعد پھر عمارت سے متعلق امور میں مثلاً مسجد کا امام اور مدرسے کا مدرس)

اور اگر یہ بھی دشوار ہو تو مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مسجد میں صرف کی جاسکتی ہے لیکن مسجد کے علاوہ دیگر کاموں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

ب۔ چونکہ واقف نے مسجد کے ان مکانات کو جو مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا اس لئے واقف کے مقاصد کی رعایت ضروری ہے، لہذا دوسری تعلیمی یا رفاہی کاموں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: "فان شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع"، یعنی واقف کی شرط کا اعتبار کیا جائے گا اگر شریعت کے مخالف نہ ہو۔ دوسرا قاعدہ ہے: "شرط الواقف كنص الشارع اى فى وجوب العمل به وفى المفهوم والدلالة الخ" (واقف کی شرط شارع کی نص کے درجہ میں ہے یعنی اس سے عمل کے واجب ہونے کے حق میں اور مفہوم ودلالت کے سلسلہ میں) لہذا اس صورت میں جب کہ واقف نے مذکورہ اوقاف کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا، اس لئے وقف کی آمدنی سے دوسری تعلیمی یا رفاہی کاموں میں صرف کرنا جائز نہیں ہوگا۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی

الف۔ مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں، اس زائد اراضی پر اگر کوئی دینی ادارہ قائم کرلیا جائے تو اس کی گنجائش اس وجہ سے معلوم ہوتی ہے کہ دونوں کے درمیان اتحاد درجہ قرب اور مقاصد واقف جو کہ " التقرب الی الله و حصول الثواب" ہے موجود ہے۔

ب۔ مسجد کی زائد آمدنی کو علی الاطلاق تعلیمی یا رفاہی مقاصد میں صرف نہیں کیا جاسکتا، بلکہ الا قرب فالا قرب کا لحاظ کرتے ہوئے دیگر محتاج مساجد میں صرف کیا جائے گا، البتہ اگر اس نوع کے اندر ضرورت محسوس نہ ہو تو پھر جس نوع کے اندر مقاصد واقف کا حصول ہو رہا ہو وہاں صرف کیا جائے گا۔

مولانا صدر عالم

الف۔ مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضرورت سے زائد ہیں ان پر مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیمی ادارہ نہیں قائم کیا جاسکتا ہے کیونکہ ایسا کرنا جہت وقف کی تبدیلی ہے، جسکا اختیار لزوم وقف کے بعد خود واقف کو بھی نہیں چہ جائیکہ کسی دوسرے کو۔

ماکان من شرط معتبر فی الوقف فلیس للواقف تغییره ولا تخصیصه بعد تقرره ولا سیما بعد الحکم

(ردالمحتار، ص ٦٨٥)

ب۔ مسجد اور مسجد کے اوقاف کی آمدنی صرف ان ہی مصارف میں خرچ کرنا جائز ہے جن کو مسجد کی آبادی میں دخل ہے اگر واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا ہے تو کسی دوسرے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔

مولانا عطاء الله قاسمی

الف۔ مساجد کی ضرورت سے زائد زمین و آمدنی کو کہاں خرچ کیا جائے:

جب مساجد کی زمین و آمدنی اتنی کثیر مقدار میں جمع ہو جائیں کہ فی الحال اس مسجد میں اس زمین و آمدنی کی ضرورت نہیں ہے اور آئندہ بھی بالفرض بوقت ضرورت اس جیسی دوسری مسجد تعمیر کی جائے تو وہ مسجد بھی تعمیر ہو جائے اور اس کے بعد بھی فاضل رقم و زمین بچی رہنے کی امید ہے تو ایسی صورت میں فقہاء کرام نے اجازت دی ہے کہ اس جیسی دوسری مسجد کا اندازہ کر کے باقی رقم مسلمان فقراء پر تقسیم کرنا جائز اور درست ہوگا، چنانچہ قاضی خاں فرماتے ہیں:

فما فضل من ذلك يصرف إلى عمارة المسجد ودهنه و حصيره و ما فيه مصلحة المسجد على ان القيم ان يتصرف في ذلك على ما يرى وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك لأن جنس هذه القربة مما لا ينقطع و يبقى ما بقى الاسلام (خانیہ علی الہندیہ ٣/٢٨٨ وہکذا خانیہ ٣/٣٢٠)

جو زائد آمدنی ہو وہ مسجد کی تعمیر، تیل، فرش وغیرہ میں صرف کی جائے اور مسجد کی جو دیگر ضرورتیں ہوں، متولی حسب

مصلحت اس میں خرچ کرسکتا ہے اور جب وہ مسجد اس آمدنی سے مستغنی ہو جائے تو پھر مسلمان فقراء کو تقسیم کردی جائے، تو ایسا کرنا جائز ہے اس لئے کہ یہ بھی قربت میں داخل ہے، اور جب تک اسلام باقی رہے گا یہ قربت بھی ختم نہیں ہوگی۔

صاحب معارف السنن اس کی اور وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب مذکورہ بالا صورت میں رقم فاضل بچ جائے تو اس کے ذریعہ سے مدرسہ قائم کرنا اور اشاعتِ علم میں خرچ کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ واقف نے اس کی صراحت نہ کی ہو۔

قال الراقم ومما تبين لي بعد فحص و بحث كثير أنه إذا اجتمعت أموال كثيرة تزيد على بناء المسجد فيجوز صرف الزائد إلى إنشاء مدرسة ونشر علم وإن لم يكن من شرط الواقف (معارف السنن ۳/۳۰۱)

مرتب نے کہا کہ جو بات بہت زیادہ بحث و تمحیص کے بعد حاصل ہوئی ہے کہ جب اموال کثیرہ جمع ہو جائیں جو نئی مسجد کی تعمیر سے بھی زائد ہو تو پھر زائد آمدنی کو مدرسہ قائم کرنے اور علم پھیلانے میں خرچ کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ یہ واقف کی شرط میں نہ ہو۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہوئی کہ اگر بوقت ضرورت اعادہ مسجد سے زائد آمدنی بچ جائے تو اس زائد آمدنی کے ذریعہ مدرسہ قائم کرنا اور علم دین کی اشاعت میں صرف کرنا خواہ کسی طریقہ سے علم دین کی اشاعت کی جائے جائز اور درست معلوم ہوتا ہے۔

مولانا اسعد الله قاسمی

مسجد پر موقوفہ اراضی جس کی آمدنی مسجد کے موجودہ اخراجات سے زیادہ ہو:

الف، ب۔ اگر کسی مسجد پر موقوفہ اراضی کی آمدنی مسجد کے موجودہ اخراجات سے زیادہ ہو یا مسجد پر موقوفہ اراضی کے علاوہ کسی اور وقف کی آمدنی اس کی ضرورت سے زیادہ ہو اور بظاہر آئندہ اس موقوفہ کام کے لئے اس زائد آمدنی کے استعمال کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو تو اس کے ذریعہ اگر مسلمانوں کا دینی یا عصری تعلیمی ادارہ یا اسی نوع کی دوسری چیز قائم کرنا چاہیں تو قائم کیا جاسکتا ہے۔

دلیل: قاضی خاں نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسجد کی آمدنی اتنی زیادہ ہو کہ مسجد کو فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے تو اس کو فقراء مسلمین کو دیدیا جائے گا اور ایسا کرنا جائز ہے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر اس زائد آمدنی سے دینی یا عصری تعلیمی ادارہ قائم کرنا چاہیں تو قائم کرسکتے ہیں۔

إذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك لأن جنس هذه القربة مما لا ينقطع (خانیہ علی ہندیہ ۵/۳۰۷)

جب مسجد کی آمدنی زیادہ ہو جائے تو اس کو فقراء مسلمین کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور ایسا کرنا جائز ہے اس لئے کہ اس جنس کی قربت ان میں سے نہیں ہے جو منقطع ہو جائے۔

مسلک مالکی وحنبلی:

مسلک حنابلہ اور مالکیہ کی کتب سے بھی یہی بات مترشح ہوتی ہے کہ اگر اس زائد آمدنی سے دینی یا عصری تعلیمی ادارہ قائم کرنا چاہیں تو قائم کر سکتے ہیں۔

ابن قدامہ رقمطراز ہیں:

وما فضل من حصر المسجد وزيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل فى مسجد آخر أو ليتصدق من ذلك على فقراء جيرانه وغيرهم (المغنی ۵/۳۷۰)

اگر مسجد کی چٹائی اور اس کے تیل میں سے کچھ بچ جائے اور مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو تو اس کو دوسری مسجد میں دے دینا جائز ہے یا اس کو مسجد کے قریب فقراء یا اس کے علاوہ فقراء کو دیدیا جائے۔

مسلک شافعی:

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی وقف کی آمدنی اس کی ضرورت سے زیادہ ہو اور اس کو فقراء مسلمین کو دینا چاہیں یا اس سے دینی یا عصری تعلیمی ادارہ قائم کرنا چاہیں تو قائم نہیں کر سکتے جیسا کہ اس پر یہ عبارت دال ہے:

اما غير المنهدم فما فضل من غلة الموقوف على مصالحه يشترى به عقار ويوقف عليه بخلاف الموقوف على عمارته يجب ادخاره لأجلها (شرح مہذب ۱۵/۳۶۱)

جو کچھ موقوفہ آمدنی سے بچ جائے جو اس کے مصالح پر موقوف ہو اس کے ذریعہ زمین خریدی جائے گی اور اس پر وقف کردی جائے گی بخلاف اس وقف کی آمدنی کے جو موقوف ہو کسی وقف کی عمارت وتعمیر کے لئے، اس کا ذخیرہ کرنا اسی عمارت کے لئے واجب ہوگا۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

☆☆☆☆

اوقاف کی زائد آمدنی کا مصرف

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی

مولانا عتیق احمد قاسمی

مولانا زبیر احمد قاسمی

مولانا انیس الرحمٰن

مفتی نسیم احمد قاسمی

مولانا شمس پیرزادہ

مفتی جمیل احمد نذیری

مفتی محبوب علی وجیہی

مولانا حبیب اللہ قاسمی

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

مولانا مفتی محمد حنیف

مولانا شیر علی

مولانا ایوب ندوی

مولانا عبد القیوم پالنپوری

مفتی عبد الرحیم قاسمی

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی

مولانا قمر الزماں ندوی

مولانا ابرار خاں ندوی

مولانا سمیع اللہ قاسمی

مولانا عطاء اللہ قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

مفتی جنید عالم قاسمی

مولانا عبد الجلیل قاسمی

مفتی شبیر احمد قاسمی

مولانا ظفر عالم ندوی

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

مولانا ابو سفیان مفتاحی

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

مولانا سلطان احمد اصلاحی

مولانا محمد رضوان قاسمی

مولانا محمد ارشاد القاسمی

مولانا ابو بکر قاسمی

مولانا تنویر عالم قاسمی

مولانا نذر توحید مظاہری

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی

مولانا محمد نور القاسمی

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

مولانا محمد صدر عالم قاسمی

مولانا اسعد اللہ قاسمی

اوقاف کی زائد آمدنی کا مصرف

سوال: بہت سے اوقاف کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے، جو سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے۔ جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہے اور منتظمین وغیرہ کی طرف سے بھی، اور نہ ہی روزمرہ کی ضروریات کے اندر اس کے صرف کو سوچا جا سکتا ہے، اور نہ آئندہ حفاظت یا اصلاح و مرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، تو کیا ایسی فاضل آمدنی کا دوسرے مواقع میں صرف کرنا درست ہوگا مثلاً:

الف: اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں؟

ب: دیگر ملی، دینی و علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں؟

جوابات

الف، ب: اوقاف کی فاضل آمدنی کو اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا مقدم ہے، عموماً فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، اور اگر اس جنس کے مصارف موجود نہ ہوں تو پھر ان کاموں و مواقع میں صرف کریں جو اصل وقف سے اقرب اور اس سے زیادہ مناسبت رکھنے والے ہوں، اور اس میں واقف کے لئے بھی ثواب زیادہ ہو۔

مثلاً مسجد کی آمدنی کو محلہ و شہر کی دیگر ضرورتمند مساجد میں، اور ضرورت نہ پائی جائے تو مدارس کے لئے، اسی طرح اس کا عکس بھی ہے، نیز دیگر اوقاف میں بھی اس کا لحاظ کریں گے، اور ضرورت پر اس میں وسعت بھی برتی جا سکتی ہے جیسا کہ جواب نمبر (۱) کے تحت تفصیل آچکی ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

الف، ب۔ سوال نمبر (۲) کے جواب میں اوقاف کی زائد آمدنی کے مصرف کی بابت اصولی بات آچکی ہے، وہی اصول اوقاف کی زائد آمدنی کے بارے میں جاری ہوں گے، یعنی اس زائد آمدنی کو ضیاع اور تغلب سے بچانے کے لئے اس کا استعمال اولاً اسی

نوع کے اوقاف میں ہو، اور اگر اس نوع کے اوقاف میں اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو پھر چونکہ ہر وقف کا آخری مصرف فقراء ہیں، اس لئے ایسے رفاہی اور تعلیمی کاموں میں ان کا استعمال ہونا چاہئے جو غریب مسلمانوں کے لئے مخصوص ہوں، واللہ اعلم۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

الف، ب۔ اوقاف کی فاضل آمدنی کو محفوظ رکھا جائے اور اسے اوقاف کی آئندہ پیش آنے والی ضرورت ہی میں صرف کیا جائے، ہاں اگر فاضل آمدنی کے ضائع ہونے یا غلط ہاتھوں میں پہنچ جانے کا ظن غالب ہو تو اسی نوع کے دوسرے اوقاف کی ضروریات میں یا اسی نوع کا دوسرا اوقف قائم کرنے میں فاضل آمدنی کو صرف کیا جاسکتا ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

ایک وقف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

الف، ب۔ اس کا جواب بھی تقریباً آ ہی گیا ہے۔ اگر واقعۃً ایک وقف کی آمدنی اس کی ضروریات سے فاضل ہوتی ہے، اور ہر سال رقم جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے، جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ ہے، بلکہ خطرہ سے خالی نہیں، تو ایسی صورت میں اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات پر وہ رقم صرف کی جائے گی، الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے صرف کرنی ہوگی۔ دیگر دینی، ملی اور علمی کاموں اور مساجد وغیرہ پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

الف۔ جب اوقاف کی آمدنی متعینہ مصارف سے بہت زائد ہوں، روز مرہ کی ضروریات میں اس کے خرچ کا امکان ہی نہیں اور آئندہ جمع ہوتے ہوتے ایک بڑا سرمایہ بنکر حکومت یا منتظمین کی دست درازی کا خطرہ پیدا کردے تو ایسے اوقاف کی زائد آمدنیاں اسی نوع کے دیگر قریب تر اوقاف کی ضروریات میں خرچ کی جاسکتی ہیں، یعنی کسی مسجد کی زائد آمدنی دوسری قریب تر محتاج مسجد پر، اور مدرسہ ومقابر وخانقاہ کی زائد آمدنیاں قریب تر مدرسہ ومقبرہ وخانقاہ پر خرچ کی جاسکتی ہیں۔

فليصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه (شامی ۳/۴۷۱)

ب۔ ایک نوع کے اوقاف کی زائد آمدنی دوسری نوع کے اوقاف کے ضروریات میں خرچ نہیں کی جاسکتی، اس لئے دیگر دینی، علمی اور ملی کاموں میں خرچ کی گنجائش نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

الف، ب۔ اگر کسی وقف کی آمدنی اس کے مصارف سے زائد ہے، اور طویل عرصہ تک اسکی حفاظت دشوار ہے اور آئندہ بھی مصرف میں خرچ ہونے کی امید نہیں ہے تو فاضل آمدنی اسی نوع کے دیگر اوقاف کی ضروریات میں صرف کی جائے گی، دوسرے دینی وعلمی کاموں پر صرف کرنا جائز نہیں ہوگا۔

ظاهره أنه لايجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفي الشرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (ردالمحتار ۳/۱۷۲)

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

رہا یہ کہ وہ مصالح مسجد سے بچ جاتا ہے اور اس کے جمع رکھنے میں احتمال ضیاع کا ہے، تو اسکی صورت یہ ہے کہ اس فاضل کو دوسرے مساجد کے مصالح پر صرف کرنا چاہئے جو مسجد موقوف علیہ سے قریب ہو، اور اگر اس مسجد قریب میں بھی استغناء ہو تو پھر اس کے بعد جو مساجد قریب ہوں حتی کہ دوسری بلاد ہند کی مساجد تک اسکی محل ہیں (امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۴)

مدرسہ جنس مسجد میں سے نہیں اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں، جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح بہ ترتیب (امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۱۸)

مولانا عبد الجليل قاسمی

اوقاف کی زائد آمدنی کا دوسرے مصرف میں خرچ کرنا:

الف، ب۔ ایسے اوقاف جو کسی مسجد یا درگاہ وغیرہ کار خیر کے لئے وقف ہوں اور ان کی آمدنی اتنی زیادہ ہو کہ جس مسجد یا درگاہ وغیرہ کے لئے وقف کیا گیا ہو اسکو نی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ اسکو ضرورت ہوگی اور آمدنی سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جا رہی ہو جس کی حفاظت بھی دشوار ہو، اور حکومت یا منتظمین کی طرف سے اس میں دست درازی و کھا جانے کا خطرہ بھی درپیش ہو تو سوال یہ ہے کہ ایسے اوقاف کی فاضل آمدنی کا کیا مصرف لیا جائے۔

۱۔ کیا اسی نوع کے دوسرے ضرورت منداوقاف میں خرچ کیا جائے۔

۲۔ یا ان کے علاوہ بھی حسب ضرورت دیگر دینی و ملی کاموں میں خرچ کیا جائے۔

یہ ایسا مسئلہ ہے جو گذشتہ صدیوں میں پیش آیا تھا جس طرح آج کل درپیش ہے، اور فقہاء اسلام نے ہر دور میں اس کا جواب دیا ہے۔ مگر ان کا جواب متفقہ نہیں ہے بلکہ حالات و زمانہ کے اعتبار سے مختلف ہے، چنانچہ فقہاء احناف کے ایک طبقہ نے تو اس بنیادی نکتہ کو سامنے رکھا ہے کہ واقف نے جس کام کے لئے وقف کیا ہے اس کی پوری پوری پابندی کی جائے اور وقف کی آمدنی اسی وقف میں استعمال کی جائے، اور اسکے علاوہ کسی دوسرے وقف یا کسی دیگر، دینی و ملی مصرف میں خرچ نہ کی جائے، جیسا کہ فقہ حنفی کی معتبر کتب فتاوی (البزازیہ، اور الدرر) وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے، لیکن فقہاء احناف کا دوسرا طبقہ جہت وقف اور واقف کے اتحاد کی

صورت میں ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے محتاج وقف میں خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے، چنانچہ الدر المختار میں ہے:

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه، لأنهما حينئذ كشئ واحد، وإن اختلف أحد هما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً و مدرسة ووقف عليهما أوقافا لا يجوزله ذلك (الدر المختار مع رد المحتار ۴/۳۶۰)

واقف اور جہت وقف متحد ہو اور ایک وقف کی آمدنی کم ہو جانے سے اسکے موقوف علیہم کا وظیفہ کم ہو جائے تو حاکم کے لئے جائز ہے کہ دوسرے وقف کی بچی ہوئی آمدنی سے اس پر خرچ کرے کیونکہ اس صورت میں دونوں وقف شئ واحد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور اگر واقف یا جہت وقف مختلف ہو جیسے دو شخصوں نے دو مسجدیں بنائیں یا ایک شخص نے ایک مسجد اور مدرسہ بنایا اور دونوں کے لئے وقف کیا تو ایک وقف کی آمدنی دوسرے پر صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

فقہاء احناف کا تیسرا طبقہ اس صورت حال میں متولی اوقاف کو مطلقاً یہ اجازت دیتا ہے کہ ایک وقف کی فاضل آمدنی کو دوسرے وقف یا کار خیر میں صرف کر سکتا ہے، علامہ حموی لکھتے ہیں:

ويعارضه ما فى فتاوى الامام قاضي خان من أن الناظرله صرف فائض الوقف إلى جهات برّ بحسب ما يراه.

اور عدم اجازت والے حکم کا معارض وہ قول ہے جو فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ ناظر کو جائز ہے کہ وقف کی فاضل آمدنی کو جہات خیر میں جس طرح مناسب سمجھے خرچ کرے۔

علامہ حموی نے عدم اجازت والے قول کی توجیہ یہ کی ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ ممانعت کا قول اس صورت میں ہے جب کہ مسجد کو دیگر عمارتوں کی احتیاج ہو اور یہ ظاہر ہے کہ اسکے لئے روپیہ جمع کر کے رکھا جائے گا تاکہ بوقت ضرورت صرف کیا جاسکے، اور مناسب ہے کہ مدارس اور رباط کے اوقاف بھی اسی حکم میں ہوں۔

بہر حال فقہاء احناف کا وہ طبقہ جو ایک وقف کے مال زائد کو دوسرے وقف میں استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے، اس میں بھی بعض افراد تو اتحاد واقف و اتحاد جہت کی شرط لگاتے ہیں، مگر بعض ایک مسجد کے مختلف اوقاف کو چاہے واقف ایک ہو یا مختلف ایک ہی قرار دیکر خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، چنانچہ خانیہ میں ہے:

مسجد له أوقاف مختلفة لاباس للقيم أن يخلط غلتها كلها وإن خرب حانوت منها فلا باس بعمارته من غلة حانوت آخر لأن الكل للمسجد ولو كان مختلفا لأن المعنى يجمعها.

علامہ شامی نے البحر کے حوالہ سے اس قول کو نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے، و مثله فى البزازيه "تأمل"۔

اس طرح فقہاء احناف کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ "مجتہد فیہ" ہے اور اس بارے میں تین اقوال ہیں: پہلا قول عدم اجازت کا ہے، دوسرا قول مشروط اجازت کا ہے، اور تیسرا مطلق اجازت کا ہے۔ اور اسی آخری قول کو فقہاء ہند میں مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، مفتی عزیز الرحمن عثمانی، شیخ الہند محمود حسن، علامہ انور شاہ کشمیری، اور علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ نے اختیار کیا ہے، مفتی کفایت اللہ صاحب کے تحریر کردہ کئی فتاوی پر ان اکابر نے دستخط کئے ہیں۔ ایک فتوی میں وہ لکھتے ہیں:

ایسی حالت میں کہ مسجد کے اموال کثیرہ جمع ہوں اور مسجد کو نہ فی الحال اس کی حاجت ہو اور نہ ظن غالب فی المآل، اور ان کے اموال کے اسی طرح جمع رہنے میں ضائع ہو جانے اور متغلبین کے کھا یا اڑا جانے کا اندیشہ ہو تو یہ زائد از حاجت اموال جمع شدہ کسی دوسری محتاج مسجد میں خرچ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح کسی ایسے دینی مدرسہ میں جو علوم شریعت تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہو خرچ کرنا جائز ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی نے فقہاء احناف کے ایسے کئی اقوال نقل کئے ہیں جس میں انہوں نے بعض صورتوں میں مسجد کے اوقاف سے ضرورت کے وقت قرض لینے، کسی فتنہ کے موقع پر مسجد میں اسباب و سامان کے ساتھ رہنے، زائد آمدنی کی صورت میں مال کے ضائع ہونے کے اندیشہ سے مسجد کے نقش و نگار میں اسے استعمال کرنے، مسجد کی لکڑی کو جلا کر ٹھنڈک زدہ شخص کو اپنی جان بچانے کی اجازت دی ہے۔ یہ سارے اقوال فتاوی ہندیہ، الدر المختار اور رد المحتار وغیرہ کتب فتاوی میں منقول ہیں۔ ان اقوال کو نقل کر کے تیسرے قول کی تائید میں بعض احادیث کو نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

منجملہ ان روایات حدیثیہ کے یہ روایت ہے جو امام مسلمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ:

سمعت رسول اللہ ﷺ يقول " لولا ان قومك حديثو عهد بجاهلية اوقال بكفر، لأنفقت كنز الكعبة فى سبيل الله"۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، فرماتے تھے کہ اگر تمہاری قوم قریب العہد بکفر نہ ہوتی تو میں کعبہ کا خزانہ سبیل خدا میں خرچ کر دیتا۔

اور منجملہ ان کے وہ روایت ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو وائل سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں شیبہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں کرسی پر بیٹھا تھا تو انہوں نے کہا کہ اسی مقام پر حضرت عمرؓ بیٹھے تھے اور فرمایا تھا کہ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس میں نہ چاندی چھوڑوں نہ سونا، سب تقسیم کر دوں الخ۔

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمر کا تقسیم مال کعبہ کا ارادہ کرنا پہلی حدیث کے ان الفاظ کی تفسیر کرتا ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ کعبہ کا خزانہ راہ خدا میں خرچ کر دیتا، اور اس تقریر سے یہ وہم بھی دور ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر کا ارادہ مخفیہ حجت نہیں کیونکہ انہوں نے خود اس ارادہ کو چھوڑ دیا جب کہ شیبہ نے کہا کہ تمہارے دونوں ساتھیوں نے ایسا نہیں کیا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ وہ دونوں شخص ایسے ہیں جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔ تو حضرت عمر کا یہ فرمانا اس پر دال ہے کہ تقسیم نہ کرنا ہی فعل پسندیدہ اور شارع علیہ السلام کی مرضی کے موافق تھا۔ اور تقسیم کرنا ممنوع تھا۔ اس لئے حضرت عمر نے بھی تقسیم نہ کیا۔

وجہ اس وہم کے دور ہونے کی یہ ہے کہ ترک انفاق آنحضرت ﷺ نے ایک خاص علت سے کیا تھا۔ اور وہ قریش کا قریب العہد بکفر ہونا ہے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں اس کی تصریح ہے، تو حضرت عمر کا ارادہ آنحضرت ﷺ کے ارادہ کے مطابق اور ان کا ترک آنحضرت ﷺ کے ترک کے موافق واقع ہوا، گرچہ آنحضرت ﷺ کے ترک کی وجہ اور تھی اور وہ وجہ حضرت عمر کے زمانہ میں موجود نہ تھی، لیکن انہوں نے بوجہ شدت شوق اقتضاء آثار پیغمبرؐ آپ کا اتباع کیا۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ علامہ ابن الصلاح کا قول ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ غلاف کعبہ کو بیچے یا یونہی مسلمانوں کو عطا کر دے، اور انہوں نے استدلال کیا اس واقعہ سے جو ازرقی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر ہر سال غلاف کعبہ اتارتے اور حجاج کو تقسیم کر دیتے۔

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمر غلاف کعبہ کو اس لئے. تقسیم کر دیتے تھے کہ کعبہ کو اس کی حاجت نہ تھی، کیونکہ اس پر تو ہر سال نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ تو اترا ہوا غلاف اگر تقسیم نہ کیا جاتا تو ضائع ہو جاتا، یا دربان بیچ کر اپنی حاجتوں میں خرچ کر لیتے اور حضرت عمر کے قول میں چاندی سونے سے مراد وہ خزانہ ہے جو خانہ کعبہ میں مدفون تھا، کعبہ کو جو مال دیئے جاتے تھے وہ اس پر خرچ ہوتے تھے۔ اور جو بچتا تھا وہ اس میں دفن کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ علامہ عینی نے قرطبی سے نقل کیا ہے، یہ تو اوقاف مساجد اور اسکے مثل کا حکم تھا۔ رہے اور اوقاف تو اس میں حاکم اسلام کو ذرا اختیار وسیع ہے۔ جیسا کہ متتبع پر ظاہر ہے۔

یہ تھیں وہ روایات حدیثیہ وفقہیہ جن سے قول ثالث کے لئے استفادہ واستیناس کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے مفتی کو گنجائش ہے کہ وہ اس قول پر فتوی دیدے، بشرطیکہ اسکو وقف کے لئے اصلح اور عامۃ المسلمین کے لئے انفع سمجھے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے سامان شکستہ مسجد کے نقل کرنے کے بارے میں امام حلوانی اور امام ابو شجاع کے قول کو قابل اتباع قرار دیا ہے۔ باوجود یہ کہ اصل مذہب عدم جواز نقل ہے، اور یہ ضرورت کی بنا پر ہے (کفایت المفتی۔ ۷)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسی مساجد یا اوقاف کی زائد آمدنی جسے ان مساجد یا اوقاف کو نہ فی الحال حاجت ہے اور نہ ظن غالب میں مستقبل میں اس کی ضرورت ہو تو اس آمدنی کو اسی نوع کے قریبی اوقاف میں جنکو ضرورت ہو خرچ کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر قریبی اوقاف کو بھی حاجت نہ ہو تو مسلمانوں کے لئے ان کے تعلیمی دعوتی وغیرہ امور میں صرف کیا جائے یا کسی دیگر مصرف خیر میں خرچ کیا جائے جو مسلمانوں کے لئے انفع ہو، بہتر ہے کہ ایسے اموال کے بارے میں اپنے شہر کے مفتی کے مشورہ سے وقف کے متولی خرچ کریں۔ اور اگر مسجد ہو اور اس کی کمیٹی ہو تو باہمی مشورہ سے یا مصلیان کے مشورہ سے خرچ کیا جائے۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

غیر محفوظ آمدنی کا مصرف:

الف۔ جن اوقاف کی آمدنی ان کے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے جس میں ہر سال اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور اس کی حفاظت بھی نہایت خطرناک ہوگئی ہے اس کو دوسرے مغائر اداروں میں خرچ کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ ہم جنس قریب ترین اوقاف میں صرف کرنا جائز ہو سکتا ہے، مثلاً اگر مسجد کے اوقاف کی آمدنی ہے تو قریب ترین مسجد میں، قبرستان کے اوقاف کی آمدنی ہے تو دوسرے قریب ترین قبرستان میں صرف جائز ہو سکتا ہے، اس کے برخلاف دوسرے اجناس میں جائز نہ ہوگا (مستفاد از کفایت المفتی ۷/ ۶۲، امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۳، فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۵۱)

ب۔ اور اگر دوسرے خلاف جنس اداروں کو ضرورت ہے تو بطور قرض لے سکتے ہیں، ہاں البتہ ایسی فاضل آمدنی کو غیر مستطیع نادار

دینی طلبہ کو بطور امداد اور وظائف دینے کی گنجائش ہو سکتی ہے (کفایت المفتی ۷/۳۰۳) جیسا کہ قاضی خاں کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك (قاضی خاں علی الہندیہ ۳/۲۷۸)

اور جب یہ اس سے مستغنی ہو جائے تو مسلم فقراء میں تقسیم کر دیا جائے تو یہ جائز ہے۔

وفي الشامية قال صدقة موقوفة على فلان جاز ويصرف بعده إلى الفقراء (شامی ۶/۵۳۶)

اور شامی میں ہے کہ کہا کہ فلاں پر بطور صدقہ وقف ہے تو اس کے بعد فقراء کو دیدیا جائے گا۔

فما فضل يصرف إلى الفقراء (تاتارخانیہ ۵/۷۴۹)

لہذا جو فاضل ہو فقراء کو دیدیا جائے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

وقف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

الف، ب۔ اگر واقعتہً کسی وقف کی آمدنی اس کی ضروریات سے فاضل اور زائد ہو اور ہر سال زائد رقم جمع ہو کر ایک بڑے سرمایہ کی شکل اختیار کر لیتی ہو، جس کی ایک لمبے عرصہ تک حفاظت و نگہداشت مشکل ہو، اس کے ضیاع کا بھی خطرہ لاحق ہو، اور اس زائد رقم کی نہ تو روزمرہ کی ضروریات کے اندر صرف کرنے کی ضرورت ہو اور نہ آئندہ حفاظت یا وقف کی اصلاح و مرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے اس کی ضرورت پڑنے کی امید ہو تو ایسی صورت میں اس فاضل آمدنی کو اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا ضروری ہوگا، دیگر ملی دینی، علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں ہوگا، ایک وقف کی فاضل آمدنی اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں "الاقرب فالاقرب" کے اصول پر صرف کی جائے گی۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

الف۔ وقف کی آمدنی اس وقف کے متعین مصارف سے زیادہ ہو اور اس زیادہ آمدنی کے مصرف کا اس کے متعین مصارف میں طویل عرصہ تک خرچ کرنے کا امکان نہ ہو تو اسی نوع کے مصارف میں اس زائد آمدنی کو صرف کرنا درست ہوگا۔ خصوصاً جب کہ اسکے ضائع ہونے اور اس پر حکومت کی دست درازی کا اندیشہ ہو تو اس وقت اس کا بچانا اور دوسرے اوقاف میں صرف کر دینا ہی اولیٰ اور بہتر ہے۔

علامہ حصکفیؒ نے درمختار میں ویران اوقاف کی آمدنی کو دوسرے اوقاف میں صرف کرنے کے جواز پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

ومثله حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنها وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض (الدر المختار ۴/۳۵۹)

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

لف و نشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (ردالحتار علی الدر المختار ۴/ ۳۵۹)

جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اسی قسم کے فتوی کے جواب میں اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ در مختار یا ردالمحتار کی عبارتوں میں جواز کا پہلو اگرچہ ویران مساجد اور ویران اوقاف کے سلسلہ میں ہے لیکن حکم کی بنیاد استغناء پر ہے اس لئے یہ حکم عام ہے، خواہ ویران اوقاف ہوں یا غیر ویران ہوں۔ (امدادالفتاوی جدید ۲/ ۵۹۳)

ب۔ لیکن اس نوع کے اوقاف کے علاوہ دوسری نوع مثلاً مسجد کی آمدنی ہے تو اسکو تعلیمی یا رفاہی کاموں پر صرف کرنا درست نہ ہوگا، جیسا کہ فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کا ایک فتوی بہت ہی واضح ہے۔ راندیر، ضلع سورت کی ایک مسجد کی زائد آمدنی کے مصرف کے سلسلہ میں لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ اس مسجد کی زائد آمدنی کے ضیاع کا اندیشہ ہے اور مسجد کو حاجت بھی نہیں ہے کیا اس سے دینی مدرسہ کی مدد کی جاسکتی ہے، جب کہ وہ مدرسہ مسجد سے علیحدہ ہو۔ حضرت تھانویؒ نے جو جواب دیا، میں ان ہی کے الفاظ کو نقل کر رہا ہوں۔

الجواب: مدرسہ جنس مسجد سے نہیں اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح بہ ترتیب (امدادالفتاوی جدید ۲/ ۵۹۶)

مولانا ظفر عالم ندوی

الف۔ جی ہاں بالکل جائز ہوگا۔ کیونکہ واقف کا اصل منشاء جنس سے ہے اور اس صورت میں جنس ایک ہی رہتی ہے۔ اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو فاضل آمدنی کا کوئی مصرف نہیں رہ جاتا۔

ب۔ واقف نے جس مقصد کے لئے وقف کیا ہے اس سے ملتا جلتا مقصد اگر پورا کیا جاسکتا ہو تو اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو پھر اسے دیگر ملی، دینی و علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

مولانا شمس پیرزادہ

الف۔ مذکورہ صورتحال میں فاضل آمدنی کو بلاشبہ اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ اور اگر ان سے زیادہ فوری توجہ کے مستحق ملی، دینی و علمی کام یا مساجد ہوں تو ان پر بھی خرچ کرنے میں حرج نہیں محسوس ہوتا، کسوۂ کعبہ بھی وقف ہوتا ہے مگر حضرت عمرؓ اسے تقسیم کر دیا کرتے تھے اور بعد کے ادوار میں بھی اس پر عمل رہا، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی موقوف شئی کے ضائع یا بیکار جانے کا اندیشہ ہو تو اسے دوسری حاجات میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

یہ سوال اور استبدال وقف کا سوال تقریباً ایک ہی جیسا ہے، پھر بھی یہ مسئلہ ذرا تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

در مختار میں ہے:

حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد و الرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه (در مختار ۳/۴۰۷)

مسجد کی گھاس پھوس، لکڑیاں وچٹائیاں وغیرہ اگر ان کی ضرورت نہ ہو، ایسے ہی رباط، کنواں وغیرہ، جب کہ ان سے منتفع نہ ہوا جائے، پس مسجد، رباط، کنویں اور حوض کے اوقاف، قریبی مسجد، رباط، کنویں اور حوض پر خرچ کئے جائیں گے۔

ردالمحتار میں ہے:

(قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ) لف و نشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها(ردالمحتار علی الدر المختار ۳/۴۰۷)

مسجد ورباط وغیرہ کا تذکرہ لف ونشر مرتب کے طور پر ہے، اس کا ظاہر یہ ہے کہ ویران مسجد کا وقف، حوض پر، اور ویران حوض کا وقف مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں ہے، اور شرح الملتقی میں کہ ان کے اقرب مشابہ میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

قریبی مشابہ میں عیدگاہ کی ضرورت نہ رہنے پر، عیدگاہ کو مسجد بنانے کا فتوی، فتاوی رحیمیہ ج ۶ ص ۸۲ پر موجود ہے۔

نظام الفتاوی جلد دوم مطبوعہ دیوبند ص ۱۹۱ تا ۱۹۳ بعنوان "ٹونک کے ایک وقف کا شرعی حکم" میں مسجد کی زائد آمدنی کو، جس کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہو، مسلم ذمہ داروں کے مشورہ سے دوسرے اہم کار خیر میں خرچ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی مفتی دارالعلوم دیوبند کے ہی ایک فتوی کی نقل احقر کے پاس موجود ہے جس میں ایک غیر مستعمل عیدگاہ کو مسجد بنانے یا دینی تعلیم کے لئے دینی مدرسہ قائم کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اور وجہ یہ لکھی ہے کہ:

"ان دونوں صورتوں میں واقف کا منشاء تقرب الی اللہ اور حصول ثواب بذریعہ اکمل حاصل ہوگا، لہذا یہ دونوں عمل منشاء واقف کے خلاف نہ ہو کر جائز رہے گا۔

امداد الفتاوی جلد دوم ص ۵۷۹ پر ایک سوال وجواب بعنوان "بنانمودن مکان انجمن در قبرستان معطل" یوں موجود ہے:

سوال نمبر (۷۰۲) ایک قبرستان عرصہ پچیس سال سے ویران پڑا ہے اور اس میں موتی بھی دفن نہیں کئے جاتے، اب اس میں ایک مکان "انجمن اسلام" بنانا چاہتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عینی شرح بخاری میں ہے: قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجداً لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.

جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے۔

عینی کی مذکورہ عبارت سے علتِ مشترکہ "وقف ہونا" معلوم ہوا، اس سے پتہ چلا کہ استبدال وقف اوراوقاف کی زائد آمدنی کے صرف کے سلسلہ میں اس دوسری چیز کا نفع مسلمین کے لئے وقف ہونا بھی کافی ہوگا۔

امداد الفتاوی کے مذکورہ سوال وجواب کو مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے بھی اپنی کتاب "موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل" میں نقل کیا ہے، اور اس کا عنوان قائم کیا ہے:

"قبرستان کی موقوفہ زمین پر مسجد یا نفعِ عام کے لئے عمارت بنانا۔

مولانا جمیل احمد نذیری

الف۔ صورت مسئولہ میں جب بہت سے اوقاف کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے تو اگر کسی وقف کے خزانہ میں روپے اس طرح زائد ہوں کہ نہ ان کی فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑیگی، اور یہ روپے یوں ہی جمع رہ جائیں گے تو ضائع ہو جائیں گے یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہو جائے گا تو ایسے حالات میں قریب کے دوسرے حاجتمند اوقاف کو زائد روپے امداد کے طور پر دینا جائز ہوگا، مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریبی ضرورتمند مسجد کو اور مدرسہ کی زائد رقم قریبی ضرورتمند مدرسہ کو دیا جائے، یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے، اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو، اس زائد اور فاضل رقم سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ در مختار میں ہے:

وعن الثانی ینتقل إلی مسجد آخر باذن القاضی. ومثله حشیش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما وکذا الرباط والبئر إذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلی أقرب مسجد أو رباط أوبئر أوحوض إلیه۔

اس پر علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

جزم به فی الاسعاف حیث قال ولو خرب المسجد وما حوله و تفرق الناس عنه لا یعود إلی ملك الواقف عند أبی یوسف فیباع نقضه باذن القاضی ویصرف ثمنه إلی بعض المساجد. قوله و مثله حشیش المسجد الخ ای الحشیش الذی یفرش بدل الحصیر کما یفعل فی بعض البلاد کبلاد الصعید کما أخبرنی به بعضهم، قال الزیلعی وعلی هذا حصیر المسجد وحشیشه إذا استغنی عنهما یرجع إلی مالکه عند محمد و عند أبی یوسفؒ ینتقل إلی مسجد آخر وعلی هذا الخلاف الرباط والبئر إذا لم ینتفع بهما وصرح فی الخانیة بأن الفتوی علی قول محمد، وقال فی البحر: وبه علم أن الفتوی علی قول محمدؒ فی آلات المسجد وعلی قول أبی یوسف فی تابید المسجد والمراد بالات المسجد نحو القندیل والحصیر.

علامہ شامیؒ کے اس تحریر سے واضح ہو گیا کہ صورت مسئولہ میں اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں فاضل آمدنی کو

صرف کرنا جائز ہے، یہی فتوی دیا ہے امام ابو شجاع اور امام حلوانیؒ نے۔ اور علامہ شامیؒ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کی صورت میں عدم جواز کا فتوی دیا تھا لیکن پھر جب مجھکو یہ خبر پہونچی کہ بعض ظالموں نے ان پتھروں کو اپنے لئے لے لیا تو میں اپنے فتوی پر شرمندہ ہوا، پھر ذخیرہ میں دیکھا کہ فتاوی نسفی میں مذکور ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ فاضل آمدنی کو اسی نوع کے اوقاف میں صرف کر سکتے ہیں، واللہ اعلم۔۔ اور آلات مسجد اور آمدنی کے باب میں امام محمدؒ کے قول پر فتوی ہے کہ استغناء کی صورت میں اس کو بیچنا جائز ہے اور بیچ کر قریبی ضرور تمند وقف میں لگانا جائز ہے۔

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے، یہی مفتی بہ ہے۔ واللہ اعلم

ب۔ صورت مسئولہ میں دیگر ملی، دینی و علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں فاضل آمدنی کو صرف کرنا جائز ہوگا، اس تفصیل کے ساتھ کہ مساجد کے اوقاف قریبی ضرور تمند مساجد میں صرف کریں، اور دینی و علمی کاموں کے اوقاف کو قریبی ضرور تمند علمی کاموں میں صرف کریں اور ملی کاموں کے اوقاف کو قریبی ضرور تمند ملی کاموں میں ہی خرچ کریں۔ لیکن علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق ایک وقف کی فاضل آمدنی کو دوسرے ضرور تمند اوقاف میں بغیر تفصیل کے صرف کرنا جائز ہے، اور اسی کو راجح کرنا چاہئے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد أو حوض کما أفتی به الإمام أبو شجاع و الإمام الحلوانی و کفی بهما قدوة، وفی شرح الملتقی یصرف وقفها لأقرب مجانس لها (۴۰۷/۳)۔

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں ایسے اوقاف کی فاضل آمدنی کو دیگر دینی، ملی و علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں صرف کرنا درست ہے۔ واللہ اعلم

مولانا ابو سفیان مفتاحی

ایسی فاضل آمدنی کا دیندار اور متقی لوگوں کی کمیٹی کے ذریعہ قاضی کی اجازت سے خرچ کرنا جائز ہے، چنانچہ فقہاء نے دیندار کو قاضی الجنة سے تعبیر کیا ہے۔

الف۔ اولاً اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا ضروری ہے۔

ب۔ اس کے بعد اگر رقم بچے تو دینی، علمی، ملی اور کمزور مساجد وغیرہ میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

الف۔ جی ہاں، اسی طرح کے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔

الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء ؟ قيل لا يصرف وانه صحيح ولكن يشترى به مستغل للمسجد (محیط ۲۴۱/۳) أرض وقف على مسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة لا يجوز للمسلمين انتفاع بماء ذلك الحوض (القنية ۲٤۱/۳)

ب۔ اس کا جواب بین النفی والاثبات ہے، یعنی مسجد کی زائد آمدنی تو مسجد ہی میں خرچ ہوگی لیکن مسجد کے علاوہ کی زائد از ضرورت آمدنی مسجد میں بھی اور دیگر ملی ورفاہی اداروں، مدرسوں ونادار فقراء ویتامی پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

الف۔ عام حالات میں تو ایک نوع کے سامان اوقاف کو دوسرے نوع کے اوقاف میں یا اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں استعمال کرنا جائز نہیں، لیکن سوال میں جن اوقاف کا تذکرہ ہے انکی فاضل آمدنی کو اسی نوع کے قریب ترین اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے۔

وفی شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۳۷۱/۳)

ب۔ دیگر ملی ودینی وعلمی کاموں میں یا مساجد میں لگانا بھی جائز ہے (کفایت المفتی ۲۷۵/۷)

مفتی حبیب الله قاسمی

الف۔ ایسی جمع شدہ زائد آمدنی اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

ب۔ دیگر ملی ودینی، علمی کاموں اور مساجد میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے، یہ سب امور قاضی یا شرعی کمیٹی کی اجازت سے انجام دیئے جائیں۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

الف، ب۔ اوقاف کی فاضل آمدنی اسی نوع کے اوقاف میں صرف کی جاسکتی ہے، دیگر ملی ودینی وعلمی کاموں میں نہیں، اس لئے کہ مقاصد واقف نیز شرائط واقف کا لحاظ ضروری ہے۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

الف، ب۔ ہاں ایسے اوقاف کی زائد آمدنی کو الف وب میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

وقف کی وہ فاضل آمدنی جس کی وقف کو نہ توفی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پڑنے کی امید ہے، مزید بر آں اس کے ضیاع کا بھی اندیشہ ہو تو اس کا حکم او قاف مستغنی عنہ کا حکم ہے، یعنی اس آمدنی کو اسی نوع کے دوسرے اوقاف کی ضرورتوں میں استعمال کیا جائے۔

وعند أبي يوسف يباع ذلك و يصرف عنه إلى حوائج المسجد فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول إلى مسجد آخر (بحر الرائق ۲۵۲/۵)

الف۔ اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں استعمال کرنا جائز ہے۔

ب۔ دیگر ملی دینی علمی کاموں میں صرف کرنا جائز نہیں۔

مولانا محمد حنیف صاحب

جب کثیر مقدار آمدنی کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو:

الف، ب۔ ماقبل کے دونوں سوال بھی تقریباً یکساں ہیں اور ہر ایک کا تعلق آمدنی ہی کے تصرف سے ہے، اس سلسلہ میں قاضی خاں کی عبارت چشم کشا ہے:

إذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك لأن جنس هذه القربة مما لا ينقطع (خانیہ علی الہندیہ ۲۸۸/۳)

جب اس مسجد کو آمدنی کی ضرورت نہ رہے تو اسے فقراء مسلمین پر خرچ کیا جائے گا، اور اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی قربت ہے جو منقطع نہیں ہوتی۔

تقریباً فقہاء احناف نے مذکورہ صورت میں آمدنی کے تصرف کی اجازت دی ہے، چونکہ یہاں مصلحت بھی ایسی جگہوں پر تصرف کی متقاضی ہے، اور مصلحت کی تمام فقہاء نے اوقاف جیسے مسائل میں بہت حد تک رعایت کی ہے، جیسا کہ ابن نجیم وغیرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے (البحر الرائق ۲۲۷/۵)

مولانا محمد رضوان قاسمی

الف، ب۔ ایک وقف میں استغناء کے وقت اسکے مماثل دوسرے ضرورت منداوقاف میں خرچ کر سکتے ہیں الاقرب فالاقرب کی رعایت کرتے ہوئے۔

حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما و كذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أوحوض إليه۔

لف ونشر مرتب و ظاهره أنه لايجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی مطبوعہ کراچی ۳۵۹/۴)

مولانا شیر علی

الف۔ اسی نوع کے اوقاف میں فاضل آمدنی کو صرف کیا جاسکتا ہے، کذا فی الشامی:

جاز للحاکم أن یصرف من فاضل الوقف الآخر علیه لأنهما حینئذ کشئی واحد.

اسی طرح شامی نے بحر کے حوالہ سے بیان کیا ہے:

مسجد له أوقاف مختلفة لا بأس للقیم أن یخلط غلتها کلها وإن خرب حانوت منها فلا بأس بعمارته من غلة حانوت آخر لأن الکل للمسجد. هکذا فی عبارة البحر (۵/ ۲۳۴)۔

ب۔ نہیں کر سکتے۔

کذا فی الشامیه إذا کان الوقف منزلین أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال فلا یصرف أحدهما للآخر (صفحہ ۳۶۱)

مولانا محمد ارشاد القاسمی

الف۔ جائز ہے۔

ب۔ اس نوع کے اوقاف نہ ہوں یا نہیں ضرورت نہ ہو تو اس نوع سے قریبی نوع میں اس کی آمدنی خرچ کر سکتے ہیں۔

مولانا ایوب ندوی

دیگر اوقاف کی فاضل آمدنیوں کا حکم:

الف، ب۔ جن اوقاف کی آمدنی ان کے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے، جو سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بن جاتی ہے، اور اس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں خواہ یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا ہو یا منتظمین کی خیانت کا، دوسری طرف یہ آمدنی جن اوقاف کی ہے ان کی اصلاح و مرمت کے لئے اس رقم کی نہ فی الحال ضرورت ہو اور نہ آئندہ ہو، اور نہ ہی اس آمدنی کو مذکورہ اوقاف کی روزمرہ کی ضروریات ہی میں خرچ کیا جاسکتا ہو، تو ایسی صورت میں شریعت کا اصل حکم یہ ہے کہ مذکورہ اوقاف کی فاضل آمدنی کو اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کیا جائے، البتہ اگر کسی جگہ کوئی حادثہ پیش آجائے، یا قوم و ملت کا کوئی اہم کام در پیش ہو یا کسی جگہ کوئی مسجد تعمیر ہو رہی ہو اور وہاں رقم کی ضرورت ہو، نیز کسی ملی و دینی اور علمی کاموں کی تکمیل کے لئے رقم درکار ہو تو ایسے موقع پر عام اوقاف کی فاضل آمدنیوں کو خرچ کرنے کی شرعاً گنجائش ہے، یہاں تک کہ مسجد کی بھی فاضل آمدنی کو غریب و نادار مسلمانوں کی امداد یا دیگر دینی و علمی کاموں میں خرچ کرنے کی بعض علماء و فقہاء نے اجازت دی ہے، چنانچہ کفایت المفتی میں متعدد فتاوی کے اندر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے مسجد کی فاضل آمدنی کو دوسری مسجد کے علاوہ دیگر دینی و علمی کاموں میں خرچ کرنے کی نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ اجازت دی ہے، حضرت مفتی صاحب کا ایک طویل و مدلل فتوی اوپر درج کیا جاچکا ہے، ذیل میں چند اور فتاوی ملاحظہ ہوں:

الجواب ۲۳۶: جب کہ مسجد موقوف علیہ کا مال اس قدر جمع ہو جائے کہ مسجد کو نہ فی الحال اس کی ضرورت ہو اور نہ آئندہ ضرورت پڑنے کا اندیشہ ہو، اور جمع رہنے میں مال کے تلف ہو جانے کا بظن غالب خوف ہو، اور دوسری مسجد کو تعمیر کی حاجت ہو کہ بغیر تعمیر اس کی ویرانی کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں مسجد اول الذکر کا مال اقرب الی المساجد المحتاجۃ الی العمارۃ میں لگا دینا جائز ہے (کفایت المفتی ۷/ ۲۶۴)

الجواب ۲۴۰: اگر مسجد کا مال اس قدر جمع ہو کہ مسجد اس کی نہ فی الحال محتاج ہو اور نہ بظن غالب فی المآل، اور اس رقم کے اس طرح جمع رہنے کی حالت میں طمع طامعین اور تصرف متغلبین کا اندیشہ ہو، تو بے شک یہ رقم موجودہ ضرورت میں جو اسلام اور مسلمین کے لئے ایک حادثہ اور نائبہ کبری ہے، خرچ ہو سکتی ہے، یعنی ترک و مجروحین و یتامی و بیوگان کی امداد کے لئے بھیجی جا سکتی ہے (کفایت المفتی ۷/ ۲۷۸)

الجواب ۲۵۳: اگر مساجد کی آمدنی مسجد کے مصارف کو پورا کرنے کے بعد اس قدر فاضل رہے کہ مسجد کو اس کی نہ فی الحال حاجت ہو اور نہ آئندہ اس کا خوف ہو کہ مسجد اس کی حاجتمند ہو گی، تو ایسی فاضل جمع شدہ رقم کو تعلیم میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے، اگر دینی تعلیم کا مدرسہ مسجد ہی میں قائم ہو تو اس کی فاضل آمدنی کو اسی مدرسہ میں خرچ کرنا ایک طرح مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے، اور اگر مسجد سے خارج مدرسہ قائم ہو تو متولیان مسجد کی اس متفقہ رائے سے خرچ ہو سکتی ہے کہ مسجد اس سے مستغنی ہے (کفایت المفتی ۷/ ۲۹۱)

الجواب ۲۶۵: جب مسجد کی آمدنی اس قدر کثیر ہو کہ مسجد کو اس کی نہ فی الحال حاجت ہو اور نہ فی المآل تو ایسی حالت میں جمع شدہ رقم کو کسی دوسری محتاج مسجد میں یا دینی تعلیم میں خرچ کیا جا سکتا ہے (کفایت المفتی ۷/ ۳۰۰)

الجواب ۲۶۵: مذکورہ سوال رقوم جو اوقاف متعلق مساجد کی آمدنی میں سے ضروریات مساجد پوری ہونے کے بعد فاضل بچی ہوئی ہیں، اور بظاہر مساجد کو ان رقوم کی نہ فی الحال حاجت ہے اور نہ آئندہ احتیاج کا خطرہ ہے، ایسی رقوم سے مساجد میں مدارس دینیہ کا اجراء یا دینی ضرورتوں کے ماتحت دار المطالعہ کا قیام جائز ہے، مسجد یا اس کی متعلقہ وقف عمارت میں تعلیم کا اجراء مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے، اور تعمیر مسجد شعائر اللہ میں شمار کی گئی ہے، اور مصرف وقف مسجد میں شامل ہے، ایسی رقوم کو مولود شریف یا تعزیہ یا مرثیہ خوانی پر خرچ کرنا جائز نہیں، اور کسی انجمن کی دینی ضروریات میں دینا اگر جائز بھی ہو تاہم تعلیم پر خرچ کرنا بہتر اور افضل ہے (کفایت المفتی ۷/ ۳۰۲)۔

الجواب ۲۶۷: مساجد کے اوقاف کی آمدنی دراصل تو مساجد کے مصارف کے لئے ہوتی ہے، مگر جب آمدنی تمام مصارف پورے کرنے کے بعد بھی فاضل بچ جائے اور مساجد کو اس کی فی الحال بھی حاجت نہ ہو اور آئندہ حاجت پڑنے کا خوف بھی نہ ہو تو ایسی فاضل آمدنی نادار اور غیر مستطیع دینی طلبہ کو امدادی وظائف میں دی جا سکتی ہے، نیز جائز اور مباح علوم معاشیہ کے نادار اور غیر مستطیع طلبہ کو بھی دینا جائز ہے۔ دینی علوم کے نادار طلبہ زیادہ مستحق ہیں (کفایت المفتی ۷/ ۳۰۲)

الجواب ۲۶۷: مسجد کے اوقاف کی آمدنی کا اصل حکم یہ ہے کہ اسی مسجد پر صرف کیا جائے جس کے لئے وقف ہے، البتہ اگر آمدنی اتنی زیادہ اور رقم اتنی جمع ہو گئی ہو کہ مسجد کو نہ فی الحال اس رقم کی حاجت ہے اور نہ اس کا اندیشہ ہے کہ آئندہ مسجد کو اس رقم کی حاجت پڑے گی، تو اس زائد از حاجت رقم میں سے کسی دوسری محتاج مسجد کو امداد دی جاسکتی ہے، قبرستان کی مسجد یا جنازہ گاہ یا ان کی متعلقہ ضروریات میں کسی مالدار مسجد کی زائد از حاجت رقم سے امداد کرنا متولیان مسجد کے لئے سخت ضرورت کے وقت جائز ہے (کفایت المفتی ۷/۳۰۴) فتاوی عالمگیری میں ہے:

سئل نجم الدين فى مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلى عمارة المسجد قال نعم إن لم تكن وقفا على وجه آخر قيل له فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد قال إلى ما هى وقف عليه (فتاوی عالمگیری ۲/۴۷۶)

وفى مجموع النوازل أشجار فى مقبرة يجوز صرفها إلى المسجد إن لم يكن وقفاً على جهة أخرى فإن تداعت حوائط المقبرة إلى الخراب لا يصرف اليه بل إلى الجهة الموقوفة إن عرفت (فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶/۲۶۱)

قال فى الهندية تحت الوقف على المسجد: إن للقيم أن يتصرف فى ذلك على ما يرى وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك كذا فى الظهيرية ، رجل وقف أرضا له على مسجد ولم يجعل آخره للمساكين تكلم المشائخ فيه والمختار انه يجوز فى قولهم جميعا كذا فى الواقعات الحسامية (عالمگیری ۲/۴۶۰)

مولانا ابوبکر قاسمی

الف، ب۔ اسی نوع کے قریب کے پھر بعید کے علی الترتیب اوقاف پر خرچ کرنا جائز ہے، ان اوقاف کی آمدنی کو خلافِ جنس پر علمی، ملی کاموں یا مساجد میں خرچ کرنا درست نہیں ہے، اگر اسی جنس کے اوقاف میں صرف کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو پھر مساجد، مدارس دینیہ وغیرہ کے مواقع میں صرف کرنا درست ہوگا (کذا فی فتاوی محمودیہ ۱۲/۲۵۱)

مولانا عبد القیوم پالنپوری

اوپر لکھا جاچکا کہ مقصدِ واقف اور شرطِ واقف نص شارع کے درجہ اور حکم میں ہے، جہاں تک ممکن ہو مقصد وقف فوت نہ ہونے پائے۔

الف، ب۔ اس لئے شئ موقوف کے مصارف سے زائد آمدنی (جس پر خیانت کا اندیشہ ہو) کو اسی نوع کے مصالح وضروریات میں خرچ کرنے کی اجازت ہوگی، اسکے علاوہ دیگر ملی و دینی علمی وغیرہ امور میں صرف نہیں کرسکتے۔

مولانا تنویر عالم قاسمی

الف۔ اگر مسجد کی آمدنی کا روپیہ زیادہ صرف کم، اور اتنا روپیہ ہر وقت موجود رہتا ہے کہ ضرورت شکست و ریخت وغیرہ بسہولت پوری ہو سکے اور روپیہ جمع رہنے میں خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس روپے سے مسجد کے لئے جائداد، دوکانیں، زمین وغیرہ خرید لی جائیں، اگر اس میں دشواری ہو یا روپیہ جائداد خریدنے کے بعد بھی زائد بچ رہے تو پھر اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کرلیا جائے تاکہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو کیونکہ آبادی کو ترقی دینا مسجد کی بڑی مصلحت ہے، اگر یہ بھی دشوار ہو تو اقرب مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے
(محمودیہ ۱؍۵۰۹)

ب۔ مساجد کی وقف رقم یتیم خانہ میں بطور وقف نہیں دے سکتے، ایک وقف کے روپے دوسرے وقف میں استعمال کرنا جائز نہیں، ممنوع ہیں، در مختار میں ہے:

وإن اختلف أحد هما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا و مدرسة ووقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلك اى الصرف المذكور.

یعنی دو شخص علیحدہ علیحدہ مسجد بنائے یا ایک ہی شخص نے مسجد اور مدرسہ بنایا اور دونوں کے لئے جدا جدا وقف کئے تو قاضی کو حق نہیں کہ ایک کے وقف کی آمدنی دوسرے وقف پر خرچ کرے (در مختار مع الشامی)

ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہے کہ ضرورت سے زائد آمدنی سے بوقت ضرورت دوسرے غریب حاجتمند وقفوں میں امداد کریں اور کار خیر میں خرچ کریں واقف کی شرط کے مطابق، یعنی وقف نامہ میں جو تحریر ہے اسکے مطابق دوسرے وقف کی امداد کرنا اور کار خیر میں خرچ کرنا صحیح ہوگا، البتہ اگر کوئی وقف بہت مالدار ہو، وقف کو اچھی طرح سے جاری رکھتے ہوئے بھی زائد رقم اس قدر ہو کہ وقف کو اس رقم کی ضرورت فی الحال نہیں اور دوسرا وقف ضرور تمند ہے تو اس کو قرض دے سکتے ہیں۔

أما المال الموقوف على المسجد الجامع لم تكن للمسجد حاجة للمال فللقاضى أن يصرف فى ذلك لكن على وجه القرض فيكون ديناً فى مال الفئ (فتاوی عالمگیری)۔

اگر کسی وقف کے خزانہ میں روپے اس طرح زائد ہوں کہ نہ انکی فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی، اور یہ روپے یونہی جمع رہیں تو ضائع ہو جائیں گے یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہو جائے گا تو ایسے حالات میں قریب کے دوسرے ضرور تمند اوقاف کو زائد روپے امداد کے طور پر (بلا قرض) دینا جائز ہو جائے گا، مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریبی ضرور تمند مسجد کو اور مدرسہ کی زائد رقم قریبی ضرور تمند مدرسہ کو دی جائے۔

یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو اس زائد اور فاضل رقم سے مسجد سے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کرسکتے ہیں (رحیمیہ ۲؍۱۸۵)۔

مساجد اور مقابر کی رقم دنیوی تعلیم کے (کالج اور اسکول میں پڑھنے والے) طلبہ کو بطور امداد دینا جائز ہے (فتاوی رحیمیہ ۲؍۱۸۵)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

الف۔ جن اوقاف کی آمدنی متعین مصارف سے بہت زیادہ ہو اور سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بن جائے، خدانخواستہ وقف کی عمارت منہدم ہو جائے تو اس سرمایہ سے دوبارہ تعمیر کے بعد رقم بچ جائے اور اس کی حفاظت بھی مشکل ہو تو فاضل آمدنی اسی نوع کے اوقاف محتاج کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہوگا۔

وسئل أبوبكر عمن وقف أرضا له على عمارة المسجد وشرط أن ما فضل من عمارته يصرف إلى الفقراء فاجتمعت الغلة والمسجد غير محتاج إلى العمارة فى الحال قال تحبس الغلة وهكذا كان يقول الفقيه أبو جعفر وقد ذكرنا هذه المسئلة قبل قال الفقيه أبو الليث والصحيح عندى أنه إذا اجتمع من الغلة مقدار ما احتاج المسجد والأرض للعمارة يمكن العمارة منها وتبقى زيادة شئ من الغلة تصرف الزيادة إلى الفقراء على ماشرط الواقف وفى العتابية قال الصدر الشهيد وهو المختار للفتوى (تاتارخانیہ ۵/۸۵۶)۔

مولانا نذر توحید مظاہری

الف، ب۔ اوقاف کی فاضل آمدنی دیگر ملی، دینی، علمی اور مساجد وغیرہ کے سلسلہ میں صرف کرنا درست ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

الف، ب۔ اگر وقف اس قدر مالدار ہو کہ اس مال کی اسکو نہ فی الحال ضرورت ہو نہ آئندہ، اور اگر دوسرے نیک کام میں استعمال نہ کیا جائے تو یہ مال ضائع ہو جائے گا یعنی ناجائز استعمال ہوگا اور واقف کا مقصد پورا نہ ہوگا تو ایسے وقف میں سے قریبی ضرورت مند وقف کو بطور امداد مفت دینا جائز ہے، صورت مذکورہ میں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریب کی حاجت مند مسجد میں اور مدرسہ کی زائد رقم نزدیک کے ضرورت مند مدرسہ میں استعمال کی جائے۔

و مثله ... حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما و كذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه (در مختار) (قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ) لف و نشر مرتب و ظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفى شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۳/۳۷۱) (فتاوی رحیمیہ ۲/۱۸۷) (امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۳ تا ۶۱۵)۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

جن اوقاف کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے، جو سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جا رہی ہے، جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہے اور منتظمین وغیرہ کی طرف سے بھی، اور نہ ہی روزمرہ کی ضروریات کے اندر اسکے صرف کو سوچا جا سکتا ہے اور نہ آئندہ حفاظت یا اصلاح و مرمت

وغیرہ کے کاموں کے لئے، تو ایسے مراحل پر ایسی فاضل آمدنی کا دوسرے مواقع یعنی یتیم خانہ، مسافر خانہ، ہسپتال، دار المطالعہ و لائبریری، خانقاہ و دار الاصلاح، مدارس اسلامیہ، نادار بچوں کی کفالت و تعلیم، نادار غیر مستطیع عصری علوم حاصل کرنے والے اسٹوڈنٹ (Student) اور دیگر رفاہی کاموں پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب (۲۶۶) میں رقمطراز ہیں: مذکورہ سوال رقوم جو اوقاف متعلقہ مساجد کی آمدنی میں سے ضروریات مساجد پوری ہونے کے بعد فاضل بچی ہوئی ہیں اور بظاہر مساجد کو ان رقوم کی نہ فی الحال حاجت ہے اور نہ آئندہ احتیاج کا خطرہ ہے، ایسی رقوم سے مساجد میں مدارس دینیہ کا اجراء یا دینی ضرورتوں کے ماتحت دار المطالعہ کا قیام جائز ہے، مسجد یا اس کی متعلقہ وقف عمارت میں تعلیم کا اجراء مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے اور تعمیر مسجد شعائر اللہ میں شمار کی گئی ہے اور مصرف وقف مسجد میں شامل ہے، ایسی رقوم کو مولود شریف یا تعزیہ یا مرثیہ خوانی پر خرچ کرنا جائز نہیں، اور کسی انجمن کی دینی ضروریات میں دینا اگر جائز بھی ہو، تاہم تعلیم پر خرچ کرنا بہتر اور افضل ہے (کفایت المفتی ۷/۳۰۱،۳۰۲)

جواب (۲۶۷): مساجد کے اوقاف کی آمدنی دراصل تو مساجد کے مصارف کے لئے ہوتی ہے مگر جب آمدنی تمام مصارف پورے کرنے کے بعد بھی فاضل بچ جائے اور مساجد کو اس کی فی الحال بھی حاجت نہ ہو اور آئندہ حاجت پڑنے کا خوف بھی نہ ہو تو ایسی فاضل آمدنی نادار اور غیر مستطیع دینی طلبہ کو امدادی وظائف میں دی جاسکتی ہے، نیز جائز اور مباح علوم معاشیہ کے نادار اور غیر مستطیع طلبہ کو بھی دینا جائز ہے، دینی علوم کے نادار طلبہ زیادہ مستحق ہیں (کفایت المفتی ۷/۳۰۲)

الف۔ اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے۔

ب۔ دیگر ملی، دینی و علمی کاموں اور مساجد اور قبرستان کی احاطہ بندی، دار الشوریٰ، دالان و چوپال کی تعمیر و مرمت پر، مفلس و قلاش کے مکان کی تعمیر پر، مفلس و نادار بیوہ کی لڑکیوں کی شادی و بیماری پر اوقاف کی فاضل رقم کو خرچ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا محمد مصطفی قاسمی

بہت سے اوقاف کی آمدنی متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے جو سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہے اور منتظمین وغیرہ کے طرف سے بھی، اور نہ ہی روز مرہ کی ضروریات کے اندر اس کے صرف کو سوچا جاسکتا ہے اور نہ ہی آئندہ اصلاح و مرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، ایسی صورتوں میں:

الف۔ اسی نوع کی ضروریات میں صرف کیا جائے۔

ب۔ دوسری نوع کی ضروریات میں صرف کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

لا يجوز تغيير المصرف مع إمكان المحافظة عليه كما لا يجوز تغيير الوقف بالبيع مع إمكان الانتفاع به (المغنی ۵/ ۶۳۳)

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

ایسے اوقاف جن کی آمدنی متعین مصارف سے بہت زیادہ ہو اور سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جاتی ہو اور طویل عرصہ تک حفاظت دشوار ہی نہیں بلکہ خالی از خطرہ نہ ہو، تو ایسی صورت میں فاضل آمدنی کا دوسرے اوقاف کی ضروریات، نیز ملی و دینی، علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں استعمال کرنا بالکل درست ہوگا، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر... (شامی ۴/ ۴۰۷)

مسجد کی گھاس مسجد کی چٹائی اسی طرح رباط اور کنواں جب مسجد کی ضرورت سے زیادہ ہو اور اس سے انتفاع بھی ناممکن ہو تو مسجد کے وقف کو رباط اور حوض کو کسی قریبی مسجد یا رباط یا کنویں میں صرف کر دینا چاہئے۔

مولانا قمر الزماں ندوی

دیگر اوقاف کی زائد آمدنی کا مصرف:

الف۔ بہت سے اوقاف ایسے ہیں جن کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہوتی ہے، جو سال بسال جمع ہو کر بڑا سرمایہ بنتی جاتی ہے جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہوتا ہے اور منتظمین وغیرہ کی طرف سے بھی، اور نہ ہی روزمرہ کی ضروریات کے اندر اس کے صرف کو سوچا جا سکتا ہے اور نہ آئندہ حفاظت یا اصلاح و مرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، ایسی صورت میں فاضل آمدنی دوسرے مواقع میں صرف کرنا درست ہے، مثلاً اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کر دیا جائے اور یہی بہتر ہے، چنانچہ مفتی نظام الدین اعظمی (حفظہ اللہ) تحریر فرماتے ہیں:

''اس کی آمدنی سے دوسرے محتاج اعانت قبرستان پر خرچ کرنا یا مستقل دوسرا قبرستان قائم کرنا زیادہ قابل ترجیح ہوگا'' (نظام الفتاوی ۱/ ۱۷۵)

ب۔ نیز اس زائد آمدنی کو دیگر ملی، دینی و علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں بھی صرف کرنا جائز ہے، چنانچہ مولانا موصوف (مدظلہ العالی) تحریر فرماتے ہیں:

''اور اگر دوسرا قبرستان محتاج اعانت نہ ہو تو اس کی آمدنی دینی مدارس پر خرچ کی جائے یا اس میں مسجد کی تعمیر کر دی جائے یا دینی مدرسہ قائم کر دیا جائے (نظام الفتاوی ۱/ ۱۷۵)

علامہ ابن تیمیہ کی عبارت اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں:

فانه يصرف ريع الوقف عليه إلى غيره وما فضل من ريع وقف عن مصلحته صرف فی نظيره أو مصلحة المسلمين من أهل ناحيته ولم يحبس المال دائما فلا فائدة (مجموعۃ الفتاوی ۳۱/۱۸)

کسی پر وقف شدہ چیز کی آمدنی اسی پر خرچ کی جائے گی اور جو اس کے مصالح سے بچ جائے اس کو اسی مثل میں یا اسی محلہ کے مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کیا جائے گا اور مال کو بلا فائدہ ہمیشہ روکے رکھنا جائز نہ ہوگا۔

ملی و دینی اور علمی کام مثلاً مدارس و مکاتب کی تعمیر نیز مساجد بھی مصالح مسلمین میں سے ہیں لہٰذا ان میں صرف کرنے میں کوئی حرج نہیں، واللہ اعلم۔

مولانا محمد نور القاسمی

الف، ب۔ دیگر اوقاف کا حکم یہ ہے کہ ان کی فاضل آمدنی انہی جیسے اوقاف میں صرف کرنا تو درست ہے لیکن دیگر اوقاف میں خرچ کیا جائے، یہ جائز نہ ہوگا۔۔۔۔۔۔ فتاوی ہندیہ کا یہ جزئیہ ملاحظہ ہو:

ولو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة، وهناك مسجد محتاج إلى عمارة أو العكس هل يجوز للقاضی صرف وقف ما استغنى عنه العمارة إلى عمارة ما هو محتاج إلى العمارة، قال، لا، كذا فی المحيط.

لوگ گرچہ وہاں سے دوسری جگہ نہ گئے ہوں، لیکن حوض عمارت سے بالکل بے نیاز ہو اور وہاں کوئی مسجد ہو جس کو عمارت کی ضرورت ہے یا اس کے برعکس مسئلہ ہو، تو کیا قاضی کو یہ اجازت ہوگی کہ وہ وقف جس کو عمارت کی ضرورت نہیں ہے محتاج عمارت میں صرف کر سکے؟ وہ کہتے ہیں نہیں، یعنی قاضی کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہوگا، اسی طرح محیط میں بھی ہے۔

لیکن راقم کی ناقص رائے یہ ہے کہ جو آمدنی مصارف سے زائد ہو، اور جمع رہنے میں ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہو، تو اہل حل وعقد کے مشورہ سے اس کو دیگر تعلیمی وعلمی کاموں میں استعمال کرنا درست ہونا چاہئے، لیکن یہ اسی وقت اجازت ہوگی جب کہ منشاء واقف کے خلاف نہ ہو اور لوگوں کی جانب سے بے جا استعمال نہ کرنے میں اطمینان بھی ہو۔۔۔۔۔۔ اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم مصری نے ایک جزئیہ نقل کیا ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ اگر کسی نے گھر کو مسجد پر اس شرط کے ساتھ وقف کیا کہ اس کی فاضل آمدنی فقراء کے لئے ہوگی" ای علی انه ما فضل من عمارته فهو للفقراء"۔ اس کے بعد کثیر رقم جمع ہو اور مسجد کو عمارت کی ضرورت بھی نہ ہو تو شیخ ابو بکر سے جب یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ کیا اب اس زائد رقم کو فقراء پر صرف کریں گے، انہوں نے کہا، نہیں کر سکتے، رقم چاہے کتنی جمع کیوں نہ ہو جائے، کہ بعد میں مسجد کو کبھی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے، فقیہ ابو جعفر نے بھی اس سوال کا جواب یہی دیا، لیکن علامہ ابن نجیم کا رجحان جواز کا ہے:

ولكن الاختيار عندی إذا علم أنه قد اجتمع من الغلة مقدار ما لو احتاج المسجد والدار إلى العمارة أمكن العمارة منها، صرف الزيادة على الفقراء على ما شرط الواقف (الاشباہ والنظائر)

لیکن میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ پیسہ یا آمدنی اتنی مقدار میں جمع ہو چکی ہے کہ مسجد وگھر کو اگر عمارت کی ضرورت پڑی تو اس سے عمارت کی تعمیر ممکن ہے، تو واقف کی شرط کے مطابق زیادہ رقم فقراء پر صرف کی جائے گی۔

مولانا ابرار خان ندوی

الف، ب۔ صورت مسئولہ میں دوسرے ضرورت منداسی نوع کے وقف کوزائد آمدنی بطور قرض دی جائے۔ عالمگیری میں ہے:

" اما المال الموقوف علی المسجد الجامع لم تکن للمسجد حاجة للمال فللقاضی أن یصرف فی ذلك لکن علی وجه القرض فیکون دینا فی مال الفیٔ (عالمگیری ۲/ ۴۶۳)

اور اگر کسی وقف کے خزانہ میں روپیہ اس قدر زائد جمع ہو کہ نہ فی الحال ان کی ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑیگی، اور یہ روپے یوں ہی جمع رہیں تو ضائع ہو جائینگے یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہو گا تو ایسے حالات میں قریب کے ضرورت مند وقف کوزائد رقم امداد کے طور پر (بلا قرض) دینا جائز ہوگا، مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریب کی ضرورتمند مسجد کو، اور مدرسہ کی زائد رقم قریب کے ضرورت مند مدرسہ کو دی جائے، اور یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے۔ اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو اس زائد و فاضل رقم سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۰)

اس خلاصہ سے دونوں سوالوں کے جواب حل ہوئے ہیں کہ اولاً اسی نوع کے اوقاف میں فاضل رقم خرچ کی جاوے، اور ضرورۃً دوسرے رفاہی کام مثلاً مسجد کی آبادی کی خاطر مدرسہ کے لئے بھی زائد رقم استعمال کر سکتے ہیں۔

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

الف۔ اس سوال کے اندر چونکہ ایسی چیزوں کی صراحت موجود ہے جن میں اوقاف کی آمدنی اس کی متعینہ مصارف سے بہت زائد ہے اور سال بسال جمع ہو کر بہت بڑا سرمایہ بن گئی ہے جس کی بناپر حکومت اور منتظمین کی طرف سے خطرہ بھی ہے، لہذا اسی نوع کی ضروریات میں صرف کیا جاسکتا ہے، عالمگیری میں ہے:

الفاضل من وقف المسجد هل یصرف إلی الفقراء قیل لا یصرف وانه صحیح ولکن یشتری به مستغل للمسجد۔

ب۔ دیگر علمی، دینی اور ملی کاموں یا مساجد وغیرہ میں صرف نہیں کیا جاسکتا ہے۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی

الف، ب۔ وہ اوقاف جن کی آمدنی فاضل از ضرورت ہو، کثیر تعداد میں ہونے کی وجہ سے اس کی حفاظت دشوار ہو جائے تو ان آمدنیوں کے اصل مصارف ان کے انواع واجناس ہیں۔ لیکن اگر کسی دوسرے نوع کے اندر غایت درجہ کا قرب اور غرض واقف کا ایفاء موجود ہے تو پھر ان دیگر انواع واجناس کی جانب منتقلی کی گنجائش ہے۔

مولانا صدر عالم

الف، ب۔ جن اوقاف کی آمدنی اسکے مصارف سے زیادہ ہے اس فاضل رقم کو اسی نوع کے دوسرے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کیا جا سکتا ہے، موقوف علیہ کی جنس کا دوسرا موقوف علیہ جو اس سے قریب ہے وہ زیادہ مستحق ہے، پھر اس کے بعد کسی بھی خطہ میں اس نوع کا وقف ہو تو اس میں خرچ کیا جائے گا۔ لیکن موقوف علیہ کے علاوہ دیگر ملی دینی و علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ ایسا کرنا جہت وقف کی تبدیلی ہوگی جس کا اختیار کسی کو نہیں، نہ خود واقف کو اور نہ امام المسلمین کو۔

ما كان من شروط معتبرة فى الوقف فليس للواقف تغييره ولا تخصيصه بعد تقرره ولا سيما بعد الحكم (ردالمحتار)

مولانا عطاء الله قاسمی

حکومت و منتظمین سے خطرہ کے وقت زائد آمدنی کا مصرف:

الف، ب۔ جو اوقاف ایسے ہیں کہ ان کی آمدنی اتنی کثیر مقدار میں جمع ہو جائے کہ ان اوقاف کے بارے میں لوگوں کا یقین ہو کہ ان اوقاف کو زائد آمدنی کی ضرورت نہیں پڑے گی، نیز حکومت و منتظمین کا بھی خطرہ ہے کہ حکومت ان اوقاف کو اپنے قبضہ میں لے کر اس سے دوسرے کام لے گی جو واقف کی منشاء کے خلاف ہوگا، اسی طرح منتظمین اس اوقاف کو قبضہ میں لے لیں گے تو اس سے بچنے کے لئے ان اوقاف کی زائد آمدنی کو دینی کاموں میں خرچ کرنا جائز اور درست ہوگا، جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

قال الراقم (إلى قوله) فيجوز صرف الزائد إلى إنشاء مدرسة ونشر علم وإن لم يكن من شرط الواقف و عبارة الخانية فيه صريحة وإن كان قيدها صاحب المهدية " بغير وقف المسجد" و يكاد يجب لو كان هناك مظنة لضياع مال المسجد المجتمع بغصب المتولي أو غيره (معارف السنن ۳۰۱/۳)

راقم نے کہا (الی قولہ) زائد آمدنی کو مدرسہ قائم کرنے اور علم کی اشاعت میں خرچ کرنا درست ہے اگرچہ یہ واقف کی شرط میں نہ ہو، اور خانیہ کی عبارت اس بارے میں صریح ہے اگرچہ صاحب مہدیہ نے "بغیر وقف المسجد" کی قید لگائی ہے، اور جب کہ مسجد کا مال ضائع ہونے کا اندیشہ اور گمان ہو تو پھر اس آمدنی کو مذکورہ جگہوں میں خرچ کرنا واجب ہے، کیونکہ متولی وغیرہ ایسی صورتوں میں ہتھیا لیتے ہیں۔

اس عبارت کے اندر صاحب مہدیہ کی قید "بغیر وقف المسجد" سے یہ بات عیاں ہے کہ غیر مسجد کے بارے میں زائد آمدنی کو فقراء پر تقسیم کرنے کے صاحب مہدیہ بھی قائل ہیں، مسجد کے بارے میں نہیں، لیکن صاحب معارف السنن نے اس عبارت سے تمام اوقاف کا یہی حکم مراد لیا ہے، لہذا اس عبارت کو سامنے رکھ کر اس دور میں اگر مذکورہ عبارت کے مطابق عمل کی اجازت دی جائے تو اس کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی فائدہ پہونچ سکتا ہے۔

مولانا اسعد الله قاسمی

☆☆☆☆

کم آمدنی کے وقف کا استبدال

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا انیس الرحمٰن
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مولانا شیر علی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مفتی عبد الرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا محمد ارشاد القاسمی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

کم آمدنی کے وقف کا استبدال

سوال: بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے، جو محلہ کے اندر واقع ہے، اس کا معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ اور اس کو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ کیا ایسا کیا جاسکتا ہے کہ مکان موقوفہ کو فروخت کر کے ایسی کوئی بھی شکل اختیار کی جائے جس میں وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائے؟

جوابات

اس کو عموماً پسند نہیں کیا گیا ہے، اور یہی رائے مناسب ہے، اس لئے کہ ہر مرحلہ میں وسعت ہونے پر حدود کا لحاظ بالکل باقی نہیں رہ جائے گا، اس لئے ضرورت کے مواقع میں بھی تبادلہ کی اجازت پابندی کے ساتھ دی گئی ہے۔

پھر یہ کہ مقصد آمدنی کا بڑھانا ہے، اور صورت حال یہ ہے کہ عموماً وقف کے مکانات کا کرایہ بہت معمولی چل رہا ہے، لوگ سالہا سال نہیں دسیوں سال اور پشتہا پشت سے قابض ہوتے ہیں اور بہت معمولی کرایہ ادا کرتے ہیں، جب کہ وقف کا ضابطہ یہ ہے کہ اجرت مثل پر یعنی رواجی اجرت جو ہوتی ہو اس پر معاملہ ہونا چاہئے، اسی لئے وقف کی زمین کو طویل عرصہ تک کے لئے کرایہ پر دینے سے منع کیا گیا ہے، اس لئے تبادلہ کے بجائے صحیح حال پر لانے کی سعی و کوشش کرنی چاہئے، اور اگر واقعتہً مسجد کی ضرورت سے زیادہ ہے اور موجودہ وقف کی آمدنی سے کسی طرح اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی تو احسن کے ساتھ تبادلہ کو سوچا جاسکتا ہے، جیسا کہ بعض فقہاء کی رائے ہے۔ یہ ضرورت کی وجہ سے ضعیف روایت پر عمل کے تحت قرار دیا جاسکتا ہے۔ بلکہ ضرورت پورا نہ ہونے کی بنا پر یہ جواز استبدال کی معروف و متفق علیہ صورتوں میں داخل ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

کم آمدنی کے وقف کا استبدال:

کم آمدنی کے حامل وقف کو فروخت کر کے زیادہ آمدنی دینے والے متبادل وقف کا حصول کے سلسلے میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے، اور علامہ شامی نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، ابن ہمام کا خیال ہے کہ جو وقف قابل انتفاع ہو زیادہ نفع کے لئے اس کا استبدال درست نہیں، شارح اشباہ علامہ البیری نے اسی کو حق وصواب قرار دیا ہے، اور اسی پر صدر الشریعہ کا فتوی ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ صورت درست ہے، اور بعض اہل علم نے اسی پر فتوی دیا ہے (دیکھئے: رد المحتار ۶/۵۸۹)

لیکن اگر فقہاء کی عبارت میں غواصی کی جائے اور عبارتوں کی تہہ میں اتر کر ان کے مقصد ومنشا کو سمجھا جائے تو محسوس ہوگا کہ ہر دو رائے کے حاملین نے مصالح وقف کو ملحوظ رکھا ہے، جن حضرات نے زیادہ آمدنی کے لئے استبدال کی اجازت دی ہے، ان کا نقطہ نظر تو واضح ہی ہے کہ اس صورت میں وقف کا مفاد ہے، اور جن حضرات نے منع کیا ہے انہوں نے بچشم سر اس حقیقت کا مشاہدہ کیا کہ خدا ناترس قضاۃ اور حکام نے اس کو وقف کی جائدادوں میں خرد برد اور تغلب کے لئے ایک حیلہ بنالیا ہے، اسی لئے ان حضرات نے ممانعت فرمائی کہ کم نفع آور صحیح وقف باقی تو رہے گا، ورنہ اندیشہ یہ ہے کہ سرے سے وقف ہی کا وجود باقی نہ رہے، اسی لئے شامی نے صدر الشریعہ کا قول نقل کیا ہے:

نحن لا نفتي به وقد شاهدنا في الاستبدال مالا يعد ولا يحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين (رد المحتار ۶/۸۹-۵۸۸)

لہذا یہ مصالح پر موقوف ہے، اگر کوئی دیانتدار ادارہ اس کا ذمہ دار ہو تو ضرور اس کی گنجائش ہے، لیکن اگر حکومت کے وقف بورڈ کو اس کی اجازت دے دی جائے تو غالباً وہی کچھ ہوگا جس کا صدر الشریعہ نے رونا رویا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر دوسرے فقہاء کا رجحان عام طور پر اس کے جائز نہ ہونے کی طرف ہے، علامہ شمس الدین دسوقی مالکی رقمطراز ہیں:

(لا عقار) حبس من دور و حوانيت و حوائط و ربع فلا يباع ليستبدل به غيره (حاشیۃ الدسوقی ۴/۹۱)

فقہاء حنابلہ میں ابن قدامہ کا بیان ہے:

إن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت وكان غيره أنفع منه وأكثر رد على أهل الوقف لم يجز بيعه (المغنی ۵/۳۶۹)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اوقاف کو کم منفعت بخش ہونے کی وجہ سے فروخت نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

وقف شدہ مکان کو فروخت کرنا:

اس سے قبل گذر چکا ہے کہ استبدال کی تیسری صورت میں جب کہ شئی موقوف قابل انتفاع ہے لیکن کم منفعت بخش ہے، اس کو زیادہ نفع آور بنانے کے لئے دوسری نفع آور شئی سے اس کا تبادلہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک ناجائز۔ یہ اختلاف اراضی وقف کے سلسلہ میں ہے، مکان کے سلسلہ میں نہیں ہے۔ ایسی صورت میں موقوفہ مکان کا تبادلہ بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ لہذا مذکورہ صورت میں جو مکان کسی مسجد یا مدرسہ پر وقف ہو، اس کا تبادلہ کسی دوکان سے جو کسی تجارتی مقام پر ہو جائز نہیں ہے، گرچہ اس سے معمولی کرایہ آتا ہو، جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہ ہوتی ہوں۔

"إن الخلاف فی الثالث إنما هو فی الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فانه لا يجوز حينئذ الاستبدال علی كل الأقوال قال ولا يمكن قياسها علی الأرض فإن الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالبا فی استئجارها بل فی شرائها أما الدار فيرغب فی استئجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنی" (ردالمحتار ۳/۳۸۷)

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

جو اوقاف اپنی موجودہ شکل وحالت میں قابل انتفاع ہیں مگر ان کی منفعت کم درجہ کی ہے اور آمدنی اتنی قلیل ہوتی ہے کہ موقوف علیہم کی ضروریات کی تکمیل بھی نہیں ہو پاتی، اور اس کے متعلق یہ اندازہ و توقع ہو کہ اگر اسے فروخت کر کے اس کا متبادل دوسرا وقف حاصل کیا جائے تو اس سے آمدنی بہت بڑھ جائے گی اور پھر موقوف علیہم کی ساری ضرورتیں فراغت و سہولت سے پوری ہوتی رہیں گی، تو ایسی صورت میں ان اوقاف کے تبادلہ وبیع کی اجازت ہوگی؟ تو اس کا جواب کتب فقہ میں اصح اور مختار قول کے مطابق نفی میں مذکور ہے:

لكن فيه نفع فی الجملة و بدله خير منه ريعا و نفعاً لا يجوز استبداله علی الاصح (شامی ۳/۳۸۷)

لیکن صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ ایسے مسائل جن میں علماء کا اختلاف ہے ان میں ایسے قول پر فتوی دیا جانا چاہئے جو وقف کے لئے مفید تر ہو، يفتی بكل ماهو أنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۳/۴۰۱)

اور اس کی روشنی میں علامہ شامی نے ایک سے زائد مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے مرجوح قول پر فتوی دیا جانا نقل کیا ہے اور آخر میں اسی صورت مسئولہ کا ذکر کیا ہے اور اس کا جواب بھی جائز ہی نکلتا ہے "منها عدم استبدال ما قل ريعه" (شامی ۳/۴۰۱)

اس لئے اگر واقعتاً مکان موقوفہ کی آمدنی کم تر ہو اور ضروریات کے لئے ناکافی ہو تو متولی یا قاضی اسے فروخت کر کے زائد آمدنی والا دوسرا مکان وغیرہ خرید کر متبادل وقف قائم کر سکتے ہیں۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

اراضی کا تبادلہ دوسری اراضی سے زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے جائز ہے یا نہیں، یہ تو مختلف فیہ ہے اکثر فقہاء نے اجازت نہیں دی ہے۔ امام ابویوسفؒ اور ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ جواز کے قائل ہیں، لیکن اگر وقف کا مکان بالکل نا قابل انتفاع نہ ہو، صرف آمدنی کم ہو جائے تو زیادہ آمدنی کے لئے اس کا تبادلہ صحیح نہیں ہے۔

ان الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فانه لايجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال (ردالمحتار ۳/۳۸۷)

البتہ اگر مکان نا قابل انتفاع ہو تو اسکا تبادلہ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ دوسرا مکان اسی محلہ میں ہو یا اس سے اچھے محلّہ میں ہو، صرف آمدنی کا زائد ہونا جواز تبادلہ کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

وفي القنية مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة أخرى خيرا وبالعكس لايجوز و إن كانت المملوكة أكثر مساحة وقيمة وأجرة لاحتمال خرابها في ادون المحلتين لدنائتها، وقلة الرغبة فيها (ردالمحتار ۳/۳۸۸)

مولانا عبد الجليل قاسمی

اوقاف کی تبدیلی وفروختگی:

اوقاف کی جائدادوں کی بہتری اور منشاء واقف کی صوری یا معنوی تکمیل کے لئے ان کی تبدیلی یا فروختگی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس بارے میں فقہاء کرام نے بنیادی طور پر اوقاف کے بارے میں اس بنیادی اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ وقف کو برقرار رکھا جائے، اور اس کی بربادی یا ناجائز قبضہ وکھا جانے کی صورتوں پر بند لگاتے ہوئے جن قیود وشرائط کے ساتھ اجازت دی ہے اس کا خلاصہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب نے تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اراضی وقف کے تبادلہ کا مسئلہ ان چند اہم مسائل میں سے ہے جنکی اہمیت ہر دور میں رہی ہے۔ مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت وہ ہے جسمیں واقف نے خود وقف کرتے وقت اس کی صراحت کردی ہو کہ اسے یا اسکے قائم مقام متولیان کو اراضی وقف کے تبادلہ کا حق ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے ایسی کوئی صراحت نہیں کی ہے، اور اس باب میں وقف نامہ خاموش ہے یا اسکی صراحت موجود ہے کہ واقف خود یا کوئی اور ان اراضی وقف کا تبادلہ نہیں کرسکتا، پھر اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو ان اراضی وقف سے بالکلیہ کسی طرح کی آمدنی اور نفع حاصل نہ ہو سکتا ہو، یا تھوڑی بہت آمدنی ہو بھی تو اس آمدنی کے حاصل کرنے پر ہونے والے اخراجات آمدنی سے زائد ہوں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس جائداد سے کچھ نہ کچھ آمدنی تو حاصل ہوتی ہے، لیکن اگر اس کا تبادلہ کردیا جائے تو زیادہ آمدنی حاصل ہونے کی توقع ہے۔

پہلی صورت میں جب کہ واقف نے خود تبادلہ کا اختیار اپنے لئے یا دوسروں کے لئے رکھا ہو اور اراضی وقف سے آمدنی حاصل نہیں ہوتی ہو تو اس اراضی کا تبادلہ کر کے دوسری اراضی حاصل کرنا جس سے وقف کو فائدہ پہنچے جائز ہے۔

دوسری صورت میں اگر بالکلیہ اراضی وقف آمدنی سے محروم ہے یا خرچ آمد سے زائد ہے تو اگر چہ واقف نے اسکے تبادلہ کی اجازت نہیں دی ہو، یا تبادلہ پر روک لگائی ہو، لیکن قاضی مصلحت وقت کو دیکھتے ہوئے تبادلہ کی اجازت دے سکتا ہے۔

اور تیسری صورت میں جب کہ اراضی وقف بالکل بے مصرف نہیں ہیں محض آمدنی کے اضافہ کے لئے تبادلہ چاہا جائے تو قول اصح اور مختار یہی ہے کہ ایسی صورت میں اضافہ آمدنی کی خاطر اراضی وقف کے تبادلہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

واضح رہے کہ یہ حکم اراضی کا ہے، وقف کے مکانات کا نہیں، وقف کا مکان اگر اس کا کچھ حصہ ویران ہو جائے تو اسے باتفاق رائے نہیں بدلا جاسکتا۔

اعلم أن الاستبدال......إلى قوله على كل الاقوال (ردالمحتار ۳/ ۵۳۶)

واضح رہے کہ اگر وقف نامہ میں واقف یا متولی وقف کے لئے تبادلہ اراضی وقف کی اجازت صراحتاً موجود ہو تب تو مطابق شرائط وقف واقف یا متولی مفاد وقت کو سامنے رکھتے ہوئے اراضی وقف کا تبادلہ کر سکتا ہے۔ اور اگر وقف نامہ میں تبادلہ کی اجازت مصرح نہیں ہے یا یہ صراحت موجود ہے کہ اراضی کا تبادلہ نہیں کیا جاسکتا، ان ہر دو صورتوں میں اگر ضرورت داعی ہو تو حکم قاضی سے ہی تبادلہ ہو سکتا ہے کہ وہ مصالح کا نگراں ہے۔

اور قاضی کے حکم سے تبادلہ کے لئے ضروری ہے کہ:

(۱) اراضی بالکلیہ بے مصرف ہو جائیں۔

(۲) اور وقف کے پاس ایسی آمدنی نہ ہو جس سے ان اراضی کو دوبارہ آبادی کے قابل بنایا جاسکے۔

(۳) اراضی کے بدلہ اراضی ہی حاصل کی جائے کہ روپیہ پیسہ اگر لیا گیا تو اسکے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

(۴) اس کی بھی رعایت رکھنا چاہئے کہ یہ تبادلہ غبن فاحش کے ساتھ نہ ہو۔

(۵) قاضی یا متولی وقف کسی ایسے شخص کے ساتھ اراضی وقف کا تبادلہ نہ کرے جو اس کا ایسا قریبی رشتہ دار ہو جس کی شہادت اسکے حق میں مقبول نہ ہو، جیسے باپ، بیٹا، بیوی وغیرہ۔ اسی طرح ایسے شخص کے ساتھ بھی تبادلہ نہیں کیا جائے جس کا کوئی دین قاضی یا اس متولی وقف پر واجب ہو۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی قاضی کو اختیار حاصل ہو گا جو علم و عمل اور عدل میں ممتاز ہو۔

(واما الاستبدال......بدون الشرط فلا يملكه إلا القاضى) (درر) و شرط فى البحر خروجه عن الا نتفاع بالكلية و كون البدل عقارا و المستبدل قاضى الجنة المفسر بذى العلم والعمل (در مختار ۳/ ۵۳۶، ۵۳۷) والمعتمد أنه بلا شرط يجوز للقاضى بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمربه وأن لا يكون البيع بغبن فاحش (ردالمحتار ۵۳۷)

یہ مسئلہ کہ اگر اراضی وقف سے آمدنی تو حاصل ہوتی ہو لیکن اگر اس کا تبادلہ دوسری اراضی سے کرلیا جائے یا اسے فروخت کر کے دوسری اراضی حاصل کرلی جائے تو وقف کی آمدنی میں اضافہ ہوگا، کیا اضافہ آمدنی کے خیال سے اراضی وقف کا تبادلہ یا بیع درست ہوگا؟ اس بارے میں حضرت امام ابویوسفؒ جواز کی طرف گئے ہیں۔ اور اسی قول پر مذکور الصدر فتوی مبنی ہے، لیکن عام طور پر علماء محققین بدلے ہوئے حالات میں اموال وقف میں بیجا تصرف اور اس کی بربادی کو دیکھتے ہوئے اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اور ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ جواز مبنی بر ضرورت ہے۔ اور اضافہ آمدنی ضرورت نہیں، اس سے بڑی ضرورت وقف کی حفاظت اور اسکو اہل ہوس کی دست برد سے بچانا ہے۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

زیادہ منفعت کے لئے تبادلہ:

اگر وقف کی موجودہ شکل میں منفعت تو ہے مگر بہت معمولی مقدار میں ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورت پوری نہیں ہوتی ہے، اور اگر اس کو فروخت کر کے دوسری زمین یا مکان دوسری جگہ لے لیا جائے تو منفعت زیادہ ہوسکتی ہے جس سے ضروریات با آسانی پوری ہوسکتی ہیں تو کیا ایسی صورت میں زیادہ منفعت کے حصول کے لئے استبدال جائز ہوسکتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وقف کی اراضی عمارتی شکل میں نہیں ہے بلکہ صرف سادی زمین ہے تو قول ضعیف کے مطابق انفع عوض میں تبدیلی جائز ہے۔ مگر قول راجح اور قول مفتی بہ کے مطابق انفع کے عوض میں بھی تبادلہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ غرض واقف کو حتی الامکان باقی رکھنا لازم ہوتا ہے اور جو وقف کم منفعت کے ساتھ اپنی جگہ باقی رہ سکتا ہے اس میں تبادلہ جائز نہیں ہوگا، اور اگر عمارتی شکل میں مکان یا دوکان وغیرہ ہے اور اس کی کچھ منفعت بھی باقی ہے تو بالاتفاق تبادلہ جائز نہیں ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

والثالث أن لا يشترط أيضا ولكن فيه نفع في الجملة و بدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار (قوله) ان الخلاف في الثالث انما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فانه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الاقوال (شامی زکریا دیوبند ۶/ ۵۸۴)

اور تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے کوئی شرط نہیں لگائی لیکن شئ موقوف میں فی الجملہ نفع ہے اور تبادلہ میں زیادہ فائدہ اور زیادہ نفع ہے تو بھی صحیح اور مفتی بہ قول کے مطابق اس کا تبادلہ جائز نہیں ہے، اور بے شک تیسری صورت کا یہ اختلاف صرف زمین کے بارے میں ہے کہ جب آمدنی اس کی کمزور ہو جائے برخلاف دوکان و مکان (عمارت) کے جب کہ اس کے بعض حصہ کے خراب ہونے کی وجہ سے آمدنی کمزور ہوگئی ہے اور کلی طور پر منفعت ختم نہیں ہوئی تو اس وقت بیشک تمام اقوال پر تبادلہ جائز نہیں ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

وقف کردہ مکان کی فروختگی:

اگر شئی موقوف قابل انتفاع ہو مگر اس کی منفعت کم ہو، تو ایسی صورت میں اس وقف کو زیادہ نفع بخش اور مفید بنانے کے لئے دوسری نفع بخش چیز کے ذریعہ اس کا تبادلہ درست ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ائمہ احناف میں سے امام ابو یوسفؒ جواز کے قائل ہیں، فقیہ ہلال اور دیگر ائمہ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، امام ابو حنیفہؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ واضح رہے کہ یہ اختلاف اراضی موقوفہ کے استبدال کی صورت میں ہے، مکان کے سلسلہ میں نہیں ہے، محض نفع بخش بنانے کے لئے مکان موقوف کا تبادلہ بالاتفاق جائز نہیں ہے، لہذا صورت مذکورہ میں کسی مسجد یا مدرسہ پر موقوف مکان کا تبادلہ ایسی دکان یا مکان سے جو کسی تجارتی یا مرکزی مقام پر واقع ہو جائز نہیں ہوگا، اگرچہ موقوفہ مکان سے معمولی کرایہ آتا ہو جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں۔

علامہ ابن عابدین شامی نے ارض موقوفہ اور مکان موقوف کے استبدال کے مابین فرق کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

"ان الخلاف فی الثالث إنما هو فی الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال علىٰ كل الاقوال قال ولا يمكن قياسها على الأرض فإن الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالبا فی استيجارها مدة طويلة لاجل تعميرها للسكنى" (ردالمحتار ۶/ ۵۸۴)

مولانا ظفر عالم ندوی

اگر کسی وقف کا مکان یا دوکان کم نفع بخش ہو اسکو فروخت کر کے زیادہ نفع بخش مکان یا دوکان خریدنا تاکہ وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائے، اسکے جواز و عدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان کافی اختلاف رہا ہے، عام طور پر فقہاء کی رائے عدم جواز کی ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ نے عدم جواز کے پہلو کو ترجیح دی ہے، فتح القدیر میں وضاحت کی ہے:

ينبغی أن لايجوز (ای الاستبدال فی حال وجود غلة) لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة أخرى (فتح القدیر ۵/ ۲۲۹)

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے زمین کے استبدال کو جائز تو قرار دیا ہے لیکن مکان کے استبدال کو ناجائز ہی قرار دیا ہے، موصوف فرماتے ہیں:

"ان الخلاف فی الثالث إنما هو فی الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فانه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الاقوال"

مزید تشریح کرتے ہوئے آگے تحریر فرماتے ہیں:

ولايمكن قياسها على الأرض فان الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالبا فی استنجارها بل فی شرائها أما الدار فيرغب فی استنجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنى (ردالمحتار ۴/ ۳۸۵، المبسوط للسرخسی ۱۲/ ۴۴)

علامہ شامیؒ نے زمین اور مکان کے سلسلہ میں جو فرق کیا ہے اور جو بنیاد بتائی ہے وہ یہ ہے کہ مکان کا استبدال اس لئے درست

نہیں ہے کہ مکان قابل رہائش ہونے کی وجہ سے خواہ جہاں بھی ہو لوگوں کو کرایہ پر لینے میں رغبت رہتی ہے۔ لیکن اگر موجودہ دور میں مکان کے کرایہ کے سلسلہ میں عام لوگوں کا جو رجحان ہے وہ دیہات میں نہیں بلکہ شہر میں ہے، بلکہ دیکھا یہی جاتا ہے کہ موجودہ دور میں دیہات میں رہائش کے لئے مکان کرایہ پر لینے کا رواج ہی نہیں ہے، اس جائزہ سے یہ معلوم ہوا کہ فی زمانناد یہات میں مکان کے بجائے زمین ہی کے سلسلہ میں عام لوگوں کی رغبت زیادہ ہوتی ہے، اس لئے رغبت والی بنیاد فی زماننا بہت کمزور ہو جاتی ہے، لہذا ناچیز کی رائے ہے کہ کم نفع بخش مکان جو دیہات میں ہو اسے فروخت کر کے اگر شہر میں زیادہ نفع بخش مکان دستیاب ہو تو اسکے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ یہ انفع للواقف بھی ہے اور مقاصد وقف کے منافی بھی نہیں ہے۔ ذخیرہ میں صراحت ہے:

روى عن أبي يوسف أنه قال: لا باس باستبدال الوقف لما روى عن على ابن طالبؓ انه وقف على الحسن والحسين فلما خرج إلى صفين قال: إن نأت بهم الدار فبيعوها واقسمو ثمنها بينهم ولم يكن شرط البيع فى أصل الوقف (الذخیرہ بحوالہ محاضرات فی الوقف لابی زہرۃ ر ۱۶۴)

امام ابوزہرہؒ نے صراحت کی ہے کہ فتوی قدیم زمانہ ہی سے اس صورت میں بھی جواز استبدال ہی کا رہا ہے:

"والفتوى من قديم الزمان على جواز الاستبدال فى هذه الحال كسابقتها وعليه العمل فى المحاكم العربية، إن استثنينا البلاد السعودية فإن العمل فيها على مقتضى المذهب الحنبلي، وإن الاستبدال فيه مصلحة ظاهرة" (محاضرات فی الوقف لابی زہرۃ ر ۱۶۵)

مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ ناچیز کے نزدیک فی زمانناوہ مکان یا دوکان جو کم نفع بخش ہو اسے فروخت کر کے زیادہ نفع بخش مکان خریدنا درست ہے اور مصلحت وقف کے موافق ہے۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

ایسی صورت میں مکان فروخت کر کے دوکان خرید لینے کی گنجائش ہے، کیونکہ موجودہ آمدنی وقف کے لئے ناکافی ہو رہی ہے۔ لیکن یہ صورت اختیار کرنے سے پہلے اس بات کی طرف سے اچھی طرح اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ دوکان مستقل طور سے وقف رہے گی۔

مولانا شمس پیرزادہ

اگر موقوفہ جائداد بصورت موجودہ نفع بخش نہ رہی ہو یا جس کی منفعت بہت گھٹ گئی ہو تو اس کو اس سے بہتر جائداد میں بدلنا جائز ہو گا کیونکہ قدیم شکل میں باقی رکھنے کی صورت میں واقف کا مقصد اچھی طرح پورا نہیں ہو رہا ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

اگر واقف نے وقف نامہ میں اس کی اجازت دی ہو تو جواز میں کوئی شبہ نہیں، لیکن اگر اجازت نہ دی ہو تو اس صورت میں اس کا جواز مختلف فیہ ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے عدم استبدال کو اصح اور مختار قرار دیا ہے:

والثالث أن لا يشرطه أيضاً ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعاً و نفعاً وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار (ردالمحتار ۳/۴۲۴)

استبدال کی تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے شرط نہیں لگائی لیکن استبدال میں فی الجملہ نفع ہے اور اس کا بدل اس سے آمدنی اور نفع میں بہتر ہے، یہ استبدال اصح اور مختار مذہب کے مطابق جائز نہیں۔

علامہ شامی، علامہ حصکفیؒ کی درج ذیل عبارت "لا يجوز استبدال العامر إلا في أربع" کے تحت لکھتے ہیں:

الاولى لوشرطه الواقف، الثانية إذا غصبه غاصب و أجرى عليه الماء حتى صار بحرا فيضمن القيمة و يشترى المتولى بها أرضاً بدلا، الثالثة أن يجحده الغاصب ولا بينة اى وأراد دفع القيمة فللمتولى أخذها ويشترى بها بدلاً، الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة و أحسن صقعاً فيجوز على قول أبي يوسف و عليه الفتوى كما في فتاوى قارى الهداية (ردالمحتار ۳/۴۲۶)

پہلی صورت یہ ہے کہ واقف نے خود شرط لگائی تھی، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی غاصب نے اسے غصب کر کے اس پر پانی چلا دیا اور وہ دریا بن گیا، لہذا غاصب قیمت کا ضامن ہوگا اور متولی اس سے اس کے بدلے میں کوئی زمین خریدے گا، تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب غصب کا انکار کرے اور گواہ بھی نہ ہوں، لیکن غاصب قیمت دینا چاہے، لہذا اس صورت میں بھی متولی قیمت سے زمین خریدے گا، چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقف میں ایسے بدل کے ذریعہ رغبت رکھے جس کا ماحصل بھی زیادہ ہو اور علاقہ وخطہ بھی پہلے سے اچھا ہو، لہذا ایسی صورت میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر استبدال جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے، جیسا کہ فتاوی قاری الہدایہ میں ہے۔

امام ابن ہمام لکھتے ہیں:

والحاصل أن الاستبدال إما عن شرطه الاستبدال وهو مسئلة الكتاب أو لا عن شرطه فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لا يختلف فيه كالصورتين المذكورتين لقاضي خان وإن كان لا لذلك بل اتفق انه أمكن أن يؤخذ بثمن الوقف ما هو خير منه مع كونه منتفعاً به فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ماكان عليه دون زيادة أخرى ولأنه لاموجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة فيه بل تبقيه كما كان (فتح القدیر ۵/۴۴۰)

خلاصہ یہ ہے کہ استبدال یا تو واقف کے استبدال کی شرط لگانے کی وجہ سے ہوگا، یہی مسئلہ ہدایہ میں مذکور ہے، یا پھر اس کی شرط کے بغیر ہوگا، پس اگر وقف موقوف علیہم کے انتفاع سے نکل چکا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس میں اختلاف نہ کیا جائے جیسے وہ دو

صورتیں جو فتاویٰ قاضی خاں میں ذکر ہوئیں، لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ ایسا اتفاق پڑا ہو کہ وقف کے ثمن سے وقف سے بہتر جائداولیٰ جا سکتی ہو، جب کہ وقف بھی قابل انتفاع ہو تو مناسب یہ ہے کہ یہ صورت جائز نہ ہو اس لئے کہ واجب وقف کا علی حالہ باقی رکھنا ہے، جائز قرار دینے کا موجب نہیں اس لئے کہ پہلی صورت میں موجب شرط واقف تھی، دوسری صورت میں ضرورت تھی، اس تیسری صورت میں ضروری بھی نہیں کیوں کہ وقف میں زیادتی واجب بلکہ اس کو جس طرح تھا اسی طرح باقی رکھنا واجب ہے۔

قاری الہدایہ کے حوالہ سے جو جواز کا فتویٰ نقل ہوا ہے وہ عام محققین کے نزدیک احتیاط کے خلاف ہے، چنانچہ خود علامہ شامیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں:

ما أفتى به قاری الهداية من جواز الاستبدال إذا كان للوقف ريع مخالف لما مر في الشروط من اشتراط خروجه عن الانتفاع بالكلية (ردالمحتار ۴۲۶/۳)

وقف کی آمدنی کے باوجود، استبدال کے جواز کا قاری الہدایہ نے جو فتویٰ دیا ہے وہ ان شرطوں کے مخالف ہے جو گزریں، یعنی یہ شرط کہ استبدال اس وقت جائز ہے جب وقف بالکلیہ انتفاع سے نکل جائے۔

ایک اور جگہ اس قول، کہ صاحب علم وعمل قاضی کو اس کی اجازت ہے، پر صاحب نہر کا رد یوں نقل کرتے ہیں:

ولعمرى ان هذا اعز من الكبريت الاحمر وما اراه الا لفظاً يذكر فالاحرى فيه السد خوفاً من مجاوزة الحد والله سائل كل انسان (ردالمحتار ۴۲۷/۳)

میری زندگی کی قسم! یہ کبریت احمر سے بھی زیادہ دشوار ہے، میرا خیال یہ ہے کہ یہ محض ایک لفظ ہے جس کا ذکر کر دیا جاتا ہے (ورنہ صاحب علم وعمل قاضی ملتے کہاں ہیں؟) پس زیادہ لائق و مناسب یہ ہے کہ اس طرح کا فتویٰ نہ دیا جائے حدود الٰہی کے تجاوز کے خوف سے، اور اللہ ہر ایک سے سوال کرنے والا ہے۔

دوسری جگہ علامہ بیریؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

اقول ما قاله هذا المحقق هو الحق الصواب (ردالمحتار ۴۲۶/۳)

میں یہ کہتا ہوں اس محقق (امام ابن ہمامؒ) نے جو کہا ہے وہ حق اور درست ہے۔

یہی بات علامہ قنائیؒ سے بھی (ردالمحتار ۴۲۴/۳) پر نقل کی ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ بڑا نازک ہے، محتاط طریقہ سے گنجائش نظر آتی ہے، لیکن سداً للذرائع جواز کا عام فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، جس کو ضرورت پیش آئے وہ اصحاب افتاء سے رجوع کرے، حالات بتائے، جو فتویٰ ملے اس پر عمل کرے۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں جو اوقاف دینی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے الخ، یہ مکان جو مسجد یا مدرسہ پر وقف ہے وہ ان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہے، اور اس وقف کی ضرورتیں پوری نہیں ہو پاتیں، اور

واقف نے وقف نامہ میں یہ اجازت دے رکھی ہے کہ ضرورت پوری کرنے کے لئے جو چاہیں کرلیں، اور واقف کی شرط پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس کے مقصد کی رعایت کرنا بھی لازم ہے، لہذا ایسے وقف کو فروخت کرکے کسی تجارتی مقام پر کوئی دکان خریدی جائے کہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوف کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی تو اسکو فروخت کرکے اس کے تبادلہ میں کوئی ایسی شکل اختیار کرنا جس میں وقف کی زیادہ آمدنی ہوجائے اور ضرورتیں پوری ہوجائیں، جائز ہے۔

چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه، الاول أن يشرطه الواقف لنفسه أو لغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل اتفاقا. والثانى أن لا يشرطه الواقف سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار حيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلاً أولا يفى بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح، إذاكان بإذن القاضى ورأيه المصلحة فيه والثالث: أن لايشرطه أيضا ولكن فيه نفع فى الجملة و بدله خير منه ريعا و نفعاً و هذا لا يجوز استبداله على الاصح.

اس کا حاصل یہ ہے کہ تبادلہ کی تین صورتیں ہیں: (۱) واقف نے تبادلہ کی شرط اپنے لئے یا اپنے غیر کے لئے لگائی ہے تو یہ جائز ہے، (۲) واقف نے عدم کی شرط لگائی ہے یا سکوت اختیار کیا لیکن وہ وقف بالکل قابل انتفاع نہیں ہے، اس طرح کہ اس وقف سے کچھ حاصل نہیں ہورہا ہے، یا اس کی ضرورت بھر حاصل ہورہا ہے، تو قاضی کی اجازت سے یا بربناء مصلحت اس کا تبادلہ جائز ہے، تو ہمارا مسئلہ مبحوث عنہا اسی دوسری صورت کی قبیل سے ہے، لہذا اسکو قاضی کی اجازت سے یا مصلحت کی بناپر فروخت کرکے اس کے تبادلہ میں تجارتی مقام پر دکان خریدی جاسکتی ہے۔

شامی (۳/۴۲۴) میں ہے:

و فى القنية: مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما يجوز إذا كانتا فى محلة واحدة أو محلة الأخرى خيرا۔

یعنی ایک مکان موقوف کا تبادلہ دوسرے مکان سے جب کہ اس میں خیر و بھلائی ہو تو جائز ہے، چاہے دونوں ایک ہی محلّہ میں ہوں یا دوسرا دوسرے محلّہ میں ہو، اور ظاہر ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں اس کو فروخت کرکے تبادلہ میں دکان لینے میں خیر ہی مقصد ہے، لہذا جائز ہے۔

فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع و يحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن لأن الأرض أدوم وأبقى وأغنى عن كافة الترميم والتعمير.

وقف دکان کے بدلہ میں زمین خرید لینا بہتر ہے، لیکن ہمارے عہد میں زمین سے زیادہ مفید دکان ہے لہذا دکان خرید لینا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں واقف کی اجازت کے ساتھ مکان موقوف کو فروخت کرکے تبادلہ میں کسی تجارتی مقام پر کوئی دکان خرید لینا جائز ہے تاکہ تمام ضرورتیں با آسانی پوری ہوجائیں۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

جب تک وقف سے نفع حاصل ہو رہا ہے اس وقت تک اس کی تبدیلی جائز نہیں ہے، جیسا کہ شامی میں ہے:

والثالث أن لا يشترطه أيضا و لكن فيه نفع فى الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار، كذا حرره العلامة قنالى زاده فى رسالته الموضوعة فى الاستبدال ـ ولكن (اقول فى هذا الزمان ان التبديل من الأنفع يجوز ولو كان هذا غير الأصح عند الفقهاء) (محبوب علی عفی عنہ)

مفتي محبوب علي وجيهي

قاضی خاں، نسفی وخلاصہ میں عدم جواز ہے:

وفى الخلاصة وفى فتاوى النسفى عقار المسجد لمصلحة المسجد لايجوز أن يباع وإن كان بأمر القاضى وإن كان خرابا (بحر الرائق ۵/۲۰۶)

جب کہ شمس الائمہ حلوانی نے جواز کا فتوی دیا ہے نیز بعضوں نے مثلاً امام ظہیر الدینؒ نے جواز کا فتوی دیکر رجوع فرمالیا ہے، مشائخ میں سے بعض لوگ جواز کا فتوی اس وقت دیتے ہیں جب کہ شئ موقوفہ سے انتفاع بالکل ختم ہو جائے، بعض کے نزدیک منفعت من کل الوجوہ معطل ہو جائے یا منفعت کم ہو جائے، بہر دو نوع استبدال جائز ہے۔ حضرت امام محمدؒ سے روایات دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ منفعت کی کمی کی صورت میں متولی کو اس بیع کا اختیار ہے، لیکن بتمامہا تعطل کی صورت میں خود قاضی کو اختیار ہے، صاحب قنیہ نے بھی جواز ہی کا فتوی دیا ہے:

" وفى القنية مبادلة دار الوقف بدار أخرى انما يجوز إذا كانتا فى محلة واحدة أو تكون المحلة المملوكة خيرا من المحلة الموقوفة، وفى شرح منظومة ابن وهبان لو شرط الواقف أن لا يستبدل هل يجوز استبداله ؟ قال الطرطوسى إنه لا نقل فيه ومقتضىٰ قواعد المذهب ان للقاضى أن يستبدل إذا رأى المصلحة فى الاستبدال (بحر الرائق ۵/ ۲۲۳)

(میرے خیال میں فقدان قضا کی صورت میں اتفاق جماعت مسلمین ضروری ہوگا)

بہر کیف صورت مسئولہ میں ازدیاد منفعت کی خاطر اوقاف کو فروخت کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ائمہ کی عبارات مؤید ہیں:

وقد روى عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان له أن يبيعها ويشترى بثمنها ما هو أكثر ريعا (بحر الرائق ۵/۲۰۶)

حضرت امام محمدؒ سے روایت کی گئی ہے کہ جب موقوفہ زمین میں پیداوار زیادہ نہ ہو اور متولی کو ایسی زمین مل رہی ہو جو زیادہ پیداوار والی ہے تو اسے چاہئے کہ اسے فروخت کر کے دوسری زائد پیداوار والی زمین خرید لے۔

وفى المنتقى قال هشام سمعت محمدا يقول الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضى أن يبيعه ويشترى بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضى (بحر الرائق ۵/۲۰۷)

نیز حضرت امام ابو یوسفؒ نے تو بدون کسی شرط کے استبدال کا فتوی دیا ہے: " ما فی الخلاصة و فی شرح الوقاية أن أبا يوسف يجوز الاستبدال فی الوقف من غير شرط إذا ضعفت الأرض من الريع" (بحر ۵/۲۰۷)
لفظ ضعفت الارض سے معلوم ہوا کہ تمامہا تعطل کے بغیر بھی اس کو بیچنا صحیح ہے اس کے قبل بھی ایک دوسرے سوال کے ضمن میں شمس الائمہ حلوانی کا فتوی نقل کیا جا چکا ہے، بحر الرائق کی عبارت " وقد شاهدنا فی الاستبدال من الفساد مالا يعد ولا يحصی الخ" اور دیگر کتب فقہیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قیم (متولی) دیندار ہوں تو ایسا کرنا درست ہے ورنہ نہیں، کیونکہ اس رقم کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

جو زمین وقف کی جاتی ہے یا جو مکان وقف کیا جاتا ہے اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ بعینہ یہ زمین یا مکان باقی رہے اور اس سے منافع حاصل کئے جائیں وہ زمین یا مکان تجارت کے لئے نہیں دی جاتی، لہذا اس کا فروخت کرنا اور زیادہ آمدنی کے لئے مکان کا دوسری جگہ خریدنا جائز نہیں الا یہ کہ موقوفہ مکان سے انتفاع ہی ختم ہو جائے (دیکھئے: فتاوی محمودیہ ۱۵/۱۷۵)

مفتی حبیب الله قاسمی

اصلاً وقف قابل بیع نہیں ہے، اور اگر اصولی طور پر اس کی اجازت دے دی جائے تو اندیشہ ہے کہ لوگ وقف کی بیع کرنے لگیں گے، قاضی یا قابل اعتماد شرعی کمیٹی کی اجازت سے ایسا کرنا ممکن ہے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

اگر اوقاف سے معمولی آمدنی ہے تو آمدنی بڑھانے کے لئے اوقاف کو فروخت کرنا درست نہیں ہے۔
لكن تكون المنفعة مصروفة إلى المصلحة التى كانت الاولى تصرف فيها لانه لا يجوز تغيير المصرف مع إمكان المحافظة عليه كما لا يجوز تغيير الوقف بالبيع مع إمكان الانتفاع به (المغنی ۵/۶۳۳)
یعنی اوقاف کی آمدنی کا انہی مصالح میں صرف کرنا ضروری ہے جن میں وہ صرف کی جاتی تھی، کیونکہ حتی الامکان مصرف کو بدلنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ وقف کی بیع جائز نہیں ہے جب کہ اس سے انتفاع ممکن ہو۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

وقف مکان کو فروخت کر کے دوکان خریدنے کے بجائے اسی مکان کو دو منزلہ سہ منزلہ کر دیا جائے اور کرایہ بڑھا کر آمدنی بڑھانے کی کوشش کی جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اوقاف کا مقصود ان کو علی حالہ باقی رکھ کر اس کی آمدنی سے انتفاع کرنا ہے، آمدنی خواہ کم ہو یا زائد، جب تک آمدنی ہو رہی ہے اس وقت تک آمدنی بڑھانے یا کسی دوسرے غرض کے لئے مفتی بہ اور قول راجح کے مطابق بیع واستبدال جائز نہیں، البتہ بوقت مجبوری حضرت امام ابویوسفؒ کے قول پر عمل کر کے استبدال کی گنجائش ہے۔

الثالث أن لايشترطه أيضا و لكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا و نفعا هذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار (شامی ۵۸۴)۔

مولانا محمد حنیف صاحب

نفع کی زیادتی کے لئے استبدال وقف کا حکم:

اوپر استبدال وقف کی تین صورتیں ذکر کی گئی ہیں، جن میں سے تیسری صورت یہی ہے کہ استبدال کی وجہ سے وقف کی آمدنی میں اضافہ ہو سکتا ہو، اس سلسلہ میں اکثر علماء احناف یہی فرماتے ہیں کہ محض نفع کی زیادتی کی غرض سے متبادل وقف قائم کرنا جائز نہیں، جیسا کہ ابن عابدین رقمطراز ہیں:

ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار (شامی ۶/ ۵۸۷)

لیکن اس وقف میں فی الجملہ نفع ہو اور اس کا بدل نفع و آمدنی کے اعتبار سے بہتر ہو، ایسی صورت میں صحیح تر اور مختار قول کے مطابق استبدال وقف جائز نہیں ہوگا۔

علامہ ابن نجیمؒ نے امام محمدؒ سے جواز نقل کیا ہے (البحر الرائق ۵/ ۲۲۳)، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کی بابت علماء کی آراء میں خاصا اضطراب پایا جاتا ہے، بلکہ بعض فقہاء کے تو دونوں طرح کے اقوال ہیں، اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ جواز وعدم جواز کا تعلق اپنے اپنے زمانہ اور احوال کے اعتبار سے تھا تو بے جا نہ ہوگا، جیسا کہ علامہ ابن نجیم علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

أن أبا يوسفؒ يجوز الاستبدال في الوقف من غير شرط إذا ضعفت الارض من الريع و نحن لا نفتي به و قد شاهد نا في الاستبدال من الفساد مالا يعد ولا يحصى الخ (البحر الرائق ۵/ ۲۲۳)

امام ابویوسفؒ کا قول استبدال وقف کے متعلق بغیر کسی شرط کے جواز کا ہے، اگر موقوفہ زمین کی آمدنی کم ہو جائے، لیکن ہم استبدال کا فتوی نہیں دیتے، کیونکہ ہم نے استبدال وقف کی شکل میں فساد و بگاڑ کے بے شمار واقعات دیکھے ہیں۔

استبدال کے ناجائز ہونے کی علت پر ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں استبدال کو اوقاف کی بربادی وضیاع کا باعث بنا لیا جاتا تھا، جب کہ یہاں مقصد اس کے برعکس ہے اور منشاء وقف کی افادیت کو بڑھانا ہے، نہ کہ ضائع کرنا، لہذا اس صورت میں بھی استبدال کو جائز ہونا چاہئے، خود علامہ شامی نے امام ابویوسفؒ کے قول کو اختیار کیا ہے، فرماتے ہیں: " وعليه الفتوى" (رد المحتار ۶/ ۵۸۸)۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

متولی وقف بسبب وجوہ مذکور فی السوال ایسا کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ تبدیلی انفع ہو اور کسی خطرہ کا اندیشہ نہ ہو۔

وفی الاشباہ أیضا یتعین الافتاء فی الوقف بالأنفع له کما له فی شرح المجمع و حاوی القدسی.

علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وفی القنیة مبادلة دار الوقف بدار اخری انما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة او محلة أخری خیرا وبالعکس لایجوز (۳۸۶/۴ مطبوعہ کراچی) ان أرض الوقف لو قل ریعها فللقیم أن یبیعها ویشتری بثمنها أرضا أخری ریعها أکثر نفعا للفقراء فجوز الاستبدال الأرض بالأرض (بزازیہ الہامش علی الہندیہ ۲۵۴/۶)

مولانا شیر علی

ضرورت کی وجہ سے کہ آمدنی کم ہے صرفہ پورا نہیں ہوتا، یا وقف کا نقصان ہو رہا ہے تو اس سے بہتر شکل اختیار کی جاسکتی ہے۔ اس وقف کو فروخت کر کے دوسرا حاصل کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ ابن نجیم بحر الرائق میں لکھتے ہیں:

ونقل عن شمس الائمة الحلوانی انه یجوز للقاضی والمتولی أن یبیعه ویشتری مکانه آخر وان لم ینقطع ولکن یؤخذ بثمنه ما هو خیر منه للمسجد لا یباع.

اسی طرح امام محمد سے بھی یہ منقول ہے کہ آمدنی کم ہو جائے، زمین یا وقف مکان کمزور یا پرانا ہو کرنا قابل رغبت ہو جائے تو ایسی صورت میں اسے فروخت کر کے اس کے بدلہ اس سے بہتر صورت اختیار کی جاسکتی ہے تاکہ زیادہ نفع حاصل کیا جاسکے۔ ابن نجیم کی بحر میں ہے:

وقد روی عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنها أخری هی أکثر ریعا کان له أن یبیعها ویشتری بثمنها ما هو أکثر ریعا (۲۲۳/۵)۔

اسی طرح ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے:

إذا ضعفت الأرض عن الاستغلال ویجد القیم بثمنها أخری هی أکثر ریعا کان له أن یبیعها ویشتری بثمنها ماهو أکثر ریعا (۲۲۱/۶)

یہی عبارت فتاوی قاضی خان میں بھی ہے۔ علامہ شامی نے بھی جواز اور گنجائش کا قول نقل کیا ہے، اس مسئلہ پر مفصل کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اعلم أن الا ستبدال علی ثلثة وجوہ. الاول أن یشرطه الواقف لنفسه أو لغیره فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح. وقیل اتفاقا. والثانی أن لا یشرطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بأن لا یحصل منه شئ أصلا أولا یفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان باذن القاضی ورأیه المصلحة فیه والثالث أن لایشرطه أیضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعا و نفعا وهذا لایجوز استبداله علی الاصح (ص ۳۸۴).

خلاصہ: خلاصہ یہ نکلا کہ قلت آمدنی کی وجہ سے صرفہ نہ نکل رہا ہو، ضرورتیں پوری نہ ہوتی ہوں تو فروخت بالحسن جائز ہوگا۔ محض زیادتی نفع کے لئے گنجائش نہیں جیسا کہ الثانی اور الثالث کی عبارت سے واضح ہو رہا ہے۔

علامہ شامی نے حاشیہ منحۃ الخالق میں اس کی اجازت دی ہے: إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستبدال والقيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان له أن يبيعها ويشتري بثمنها ما هو أكثر ريعا (۲۳۷/۵)۔

خیال رہے کہ اس قسم کے استبدال کی اجازت کم از کم دو لابدی شرطوں کے ساتھ ہوگی (۱) روپیہ یا جائداد منقولہ کی شکل نہ ہوگی بلکہ عقار اس کا متبادل وقف حاصل کیا جائیگا۔ (۲) ہر ایک کو اجازت نہ ہوگی بلکہ صالح دیانتدار متولی کو اجازت مل سکتی ہے۔

علامہ عبدالحی فرنگی محل نے بھی زائد انتفاع کی بنیاد پر (جب کہ اخراجات پورے نہ ہو رہے ہوں) اس سے بہتر شکل اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ مجموعۃ الفتاوی میں ہے:

الجواب: قاضی اگر مصلحتے در استبدال وقف داند میتواں کرد... ودر اشباہ فی آرد.... الرابعة أن يرغب انسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن وصفا فيجوز على قول أبي يوسف و عليه الفتوى. اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت اور منافع کی وجہ سے قاضی اور متولی فروخت کر کے انفع صورت اختیار کر سکتا ہے۔ (قدیم مجموعۃ الفتاوی ۸۹/۳)۔

خلاصہ: انفع للوقف کے مدنظر کہ ضرورتیں اور اخراجات پورے نہیں ہوتے تو استبدال کی شرطوں کے ساتھ استبدال کی اجازت ہے۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

جائز نہیں۔

مولانا ایوب ندوی

کم منفعت بخش اوقاف کو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام میں دوکان خریدنا:

اگر کسی جگہ اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے، جو محلہ کے اندر واقع ہے، جس کا معمولی کرایہ ملتا ہے، جس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی، مگر اس کے باوجود اس مکان موقوفہ یا مذکورہ اوقاف کو فروخت کر کے کسی دوسرے تجارتی مقام پر کوئی دوکان وغیرہ خریدنا شرعاً جائز نہیں ہے، اگرچہ اس شکل میں وقف کی آمدنی کے زیادہ ہو جانے کی امید ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن فتاوی خانیہ اور بزازیہ میں ایک جزئیہ امام محمد علیہ الرحمہ سے منقول ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم منفعت والے وقف کو زیادہ منفعت والی زمین کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔

روى عن محمدؒ ما هو أعلى من هذا وهو ان أرض الوقف لو قل ريعها فللقيم أن يبيعها ويشترى بثمنها أرضا أخرى ريعها أكثر نفعا للفقراء فجوز استبدال الأرض بالأرض (بزازیہ علی الہندیہ ۲۵۴/۶)

مگر اصح اور مفتی بہ قول کے مطابق کم منفعت والے اوقاف کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ استبدال کی تیسری صورت کے ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل گذر چکی ہے۔

اور فقہ حنبلی میں بھی قلیل المنفعت اوقاف کو فروخت کر کے اس کا متبادل کثیر النفع وقف خریدنا جائز نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے:

وإن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت وكان غيره أنفع منه وأكثر ردا على أهل الوقف لم يجز بيعه لأن الاصل تحريم البيع وانما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع مع إمكان تحصيله ومع الانتفاع وإن قل ما يضيع المقصود (المغنی لابن قدامہ ۶/۲۲۷)

البتہ قلیل المنفعت اراضی موقوفہ میں زیادہ نفع کے حصول کے لئے عمارت بنا کر کرایہ پر دینا جائز ہے (کفایت المفتی ۷/۹۵ جواب ۸۴)

ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس فی استیجار بیوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل كان للقيم أن يبني فيها بيوتا فيواجرها (فتاوی عالمگیری ۲/۴۱۴).

مولانا ابوبکر قاسمی

کسی مسجد و مدرسہ پر موقوفہ مکان یا زمین جس کی آمدنی کم ہو، اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسرا مکان یا دوکان خریدنا جس سے آمدنی زیادہ ہو جائز نہیں ہے، البتہ موقوف مکان بالکل قابل انتفاع نہ ہو تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے دوسرا مکان یا دوکان خرید کر وقف کر دینا جائز ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

والمعتمد انه (الاستبدال) بلاشرط الواقف يجوز للقاضی بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية الخ (۳/۵۳۷) و فيه أيضاً: وفی الفتح والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطه، فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم، فينبغی أن لا يختلف فيه وإن كان لا لذلك، بل اتفق انه أمكن أن يوخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعاً به، فينبغی أن لايجوز، لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة، ولأنه لاموجب لتجويزه لأن الموجب فی الأول الشرط، وفی الثانی الضرورة، ولاضرورة فی هذا إذ لا تجب الزيادة بل تبقيه كما كان (اقول ما قاله هذا المحقق هو الحق الصواب) الخ كلام البيری (ردالمحتار ۳/۵۳۹)

مولانا عبد القیوم پالنپوری

ایسے اوقاف جو اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، اس کا معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں، تو کیا اجازت ملے گی کہ اسکو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے جس سے اس کی آمدنی کئی

گنا زیادہ آنے لگے، اور اس سے مدرسہ یا مسجد کی ضرورتیں بھی پوری ہونے لگے، اصح اور مختار مذہب کے مطابق ایسے اوقاف کو فروخت کرنا درست نہیں کیونکہ یہ اوقاف فی الجملہ قابل انتفاع ہے (شامی ۳/۳۸۷)

لیکن صاحب در مختار نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ مسائل وقف جن میں علماء کا اختلاف ہے ایسے قول پر فتوی دیا جائے جو وقف کے لئے مفید تر ہو۔

یفتی بکل ما هو أنفع للوقف فیما اختلف العلماء فیه (در مختار ۳/۴۰۱)

چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس کی روشنی میں اس مقام پر بہت سے ایسے مسائل وقف ذکر کئے ہیں جن میں علماء کا اختلاف ہے اور مرجوح قول پر محض وقف کے فائدے کے پیش نظر فتوی دیا گیا ہے، اور ایسا ہی فتاوی بزازیہ میں ہے:

عن محمد ضعفت الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنه أرضا أخری أکثر ریعا منه له البیع وشراء ماهو أکثر منه ریعا (فتاوی بزازیہ بر عالمگیری ۶/۲۷۱)

مولانا تنویر عالم قاسمی

جب کہ اس کی مرمت میں روپیہ اس کی آمدنی سے زائد خرچ ہوتا ہے اور جدید تعمیر کی گنجائش نہیں تو اس کی منفعت مفقود ہے۔ ایسی حالت میں اس کو فروخت کر دیا جائے تو درست بلکہ قابل تحسین ہے، خاص کر جب کہ نو خرید کردہ مکان سے آمدنی نسبۃ زیادہ ہوگی (فتاوی محمودیہ ۱۴/۱۶۲)۔

واما الاستبدال ولو للمساکین بدون الشرط فلا یملکه إلا القاضی وشرط فی البحر خروجه عن الانتفاع بالکلیة وکون البدل عقارا والمستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل (الدر المختار علی رد المحتار ۳/۳۸۸)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

وہ اوقاف جو اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہوں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہو اور وہ محلہ کے اندر واقع ہو جس سے معمولی کرایہ ملتا ہو، اور اگر اسکو فروخت کر کے دوسری جگہ قائم کیا جائے تو زیادہ آمدنی ہوگی، تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے (ماقبل کی عبارتوں سے واضح ہے)۔

مولانا نذر توحید مظاہری

کم منفعت بخش اوقاف فروخت کر کے موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ منفعت کے لئے جو دینی کاموں میں صرف کرنے کے بعد ضروری ہیں اس سلسلہ میں دوسری شکل زیادہ آمدنی کے لئے اختیار کی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

جو زمین یا مکان کسی مسجد یا مدرسہ پر وقف ہے، آمدنی کم ہونے کی وجہ سے اس کو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام پر دوسرا مکان یا زمین خریدنا تا کہ وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائز نہیں ہے۔

والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطه فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لا يختلف فيه وإن كان لا لذلك بل اتفق انه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة ولأنه لا موجب لتجويزه لأن الموجب في الاول الشرط وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة بل تبقيه كماكان . اقول ماقاله هذا المحقق هو الحق والصواب (شامی ۳۸۹/۳ ،فتاوی محمودیہ ۳۱۹/۱۵)۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

کم منفعت بخش وقف کی بیع:

اگر کوئی وقف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہے، مثلاً کسی مسجد یا مدرسے پر کوئی مکان وقف ہے جو محلہ کے اندر واقع ہے اس سے معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسے کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں اور اگر اس کو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام پر کوئی دکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی مگر اس کے باوجود اس مکان موقوفہ یا مذکورہ اوقاف کو فروخت کر کے کسی دوسرے تجارتی مقام و مارکیٹ پر دکان خریدنا، مکان خریدنا، شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہے، اگرچہ اس شکل میں وقف کی آمدنی کے زیادہ ہو جانے کی امید ہی کیوں نہ ہو۔

وبيع ارض الوقف لا يجوز فكذلك ما كان تبعا له (الفتاوی الخانیہ ۳۱۰/۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ میرے والد ماجد حضرت عمرؓ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی ہے، وہ نہایت نفیس اور قیمتی ہے اس سے بہتر کوئی مالیت میں نے نہیں پائی، آپ اس کے بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ایسا کرو کہ اصل زمین کو محفوظ (یعنی وقف) کر دو اور اسکی پیداوار اور آمدنی کو صدقہ قرار دے دو۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو اسی طرح وقف کر دیا اور فی سبیل اللہ صدقہ قرار دیدیا اور طے فرمادیا کہ یہ زمین نہ کبھی بیچی جائے ،نہ ہبہ کی جائے، نہ اس میں وراثت جاری کی جائے، اور اس کی آمدنی اللہ کے واسطے خرچ ہو، فقیروں، مسکینوں اور اہل قرابت پر اور غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں اور جہاد کے سلسلہ میں اور مسافروں اور مہمانوں کی خدمت میں اور جو شخص اس کا متولی اور منتظم ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مناسب حد تک اس میں سے خود کھائے اور کھلائے بشرطیکہ اس کے ذریعہ مال جوڑنے اور مالدار بننے والا نہ ہو۔

عن نافع عن ابن عمر ... قال إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها قال فتصدق بها عمر انه لايباع أصلها ولا تباع ولا تورث ولا توهب قال فتصدق عمر في الفقراء وفي القربى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل

والضيف ولا جناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف أو يطعم صديقا غير متمول فيه (بخاری ۱/۳۸۸ تا ۳۸۹، مسلم ۲/۴۱، ترمذی ۱/۲۵۶، نسائی ۲/۱۲۶، ابوداؤد ۲/۳۹۸، ابن ماجہ ۲/۱۷۳، فتح الباری ۵/۴۶۸ تا ۴۷۴) تشریح و توضیح کے لئے دیکھئے (شرح معانی الآثار ۲/۲۲۹ تا ۲۳۰، الاشباہ والنظائر ۱۰۳ تا ۱۰۹)

یہ حدیث وقف کے باب میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، ۷ھ میں خیبر جنگ کے نتیجہ میں فتح ہوا تھا، وہاں کی زمین عام طور سے بڑی زرخیز تھی، فتح کے بعد اس کی زمینوں کا قریباً نصف حصہ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم کردیا، حضرت عمرؓ کے حصہ میں جو قطعہ زمین آیا انہوں نے محسوس کیا کہ میری ساری مالیت میں وہ نہایت قیمتی اور گرانقدر چیز ہے، انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں رہنمائی چاہی تو آپ نے ان کو وقف کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ صدقہ جاریہ رہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کردیا اور اس کے مصارف بھی متعین فرمادیئے، جمہور فقہاء نے وقف مسجد کی زمین کی بیع ناجائز ہونے اور مالک کی ملکیت میں دوبارہ نہ لوٹنے پر حضرت عمرؓ کے اس وقف کے واقعہ سے استدلال کیا ہے جو اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے، فقہاء مالکیہ میں سے علامہ مواق رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ابن عرفة من المدونة وغيرها، يمنع بيع ما خرب من ربع الحبس مطلقا .... وعبارة الرسالة، ولا يباع الحبس وان خرب ...... وفي الطرر عن ابن عبد الغفور: لا يجوز بيع مواضع المساجد الخربة، لأنها وقف، ولا بأس بيع نقضها

ابن عرفہ مدونہ وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ وقف مکان کی بیع مطلقاً جائز نہیں، اگرچہ وہ ویران ہو جائے...... اور رسالہ میں یہ عبارت درج ہے کہ وقف کی بیع جائز نہیں اگرچہ وہ ویران ہو جائے.... طرر میں ابن عبدالغفور سے یہ عبارت منقول ہے کہ ویران مساجد کی جگہوں کو بیچنا وقف ہونے کی بنا پر جائز نہیں، البتہ ان کا ملبہ بیچنا جائز ہے (التاج والاکلیل للمواق، حاشیہ حطاب ۶/۴۲ بحوالہ فقہی مقالات ۱/۲۴۱ مولانا محمد تقی عثمانی زمزم بکڈپو، دیوبند)

فقہاء شوافع میں سے امام خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولو انهدم مسجد، وتعذرت إعادته أو تعطل بخراب البلد مثلا، لم يعد ملكا ولم يبع بحال، كالعبد إذا عتق.... ولم ينقض إن لم يخف عليه لإمكان الصلاة فيه ولإمكان عوده كما كان .....فإن خيف عليه نقض، وبنى الحاكم بنقضه مسجداً آخر إن رأى ذلك وإلا حفظه....

اگر مسجد منہدم ہو جائے اور اس کو دوبارہ درست کرنا ممکن نہ ہو یا اس بستی کے اجڑ جانے سے وہ مسجد بھی ویران ہو جائے تب بھی وہ مسجد مالک کی ملکیت میں نہیں آئے گی اور نہ اس کو بیچنا جائز ہوگا، جیسا کہ غلام کو آزاد کردینے کے بعد اس کی بیع حرام ہو جاتی ہے، پھر اگر اس مسجد پر غیر مسلموں کے قبضے کا خوف نہ ہو تو اس کو منہدم نہ کیا جائے، بلکہ اس کو اپنی حالت پر برقرار رکھا جائے اس لئے کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ مسلمان دوبارہ یہاں آکر آباد ہو جائیں اور اس مسجد کو دوبارہ زندہ کردیں... البتہ اگر غیر

مسلموں کے تسلط اور قبضہ کا خوف ہو تو اس صورت میں حاکم وقت مناسب سمجھے تو اس مسجد کو ختم کردے اور اس کے بدلے میں دوسری جگہ مسجد بنادے اور یہ دوسری مسجد پہلی مسجد کے قریب ہونا زیادہ بہتر ہے اور اگر حاکم وقت اس مسجد کو توڑنا اور مسمار کرنا مناسب نہ سمجھے تو پھر اس کی حفاظت کرے (مغنی المحتاج ۲/۳۹۲)

فقہاء حنابلہ میں سے علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وإن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية ، لكن قلت وكان غيره أنفع منه وأكثر ردا على أهل الوقف لم يجز بيعه لأن الأصل تحريم البيع وانما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع مع إمكان تحصيله ومع الانتفاع وإن قل ما يضيع المقصود۔

اگر وقف کی مصلحت اور منفعت بالکلیہ ختم نہ ہوئی ہو، لیکن اس میں کمی آگئی ہو اور دوسری صورت میں اہل وقف کے لئے زیادہ نفع بخش اور بہتر ہے، تب بھی اس وقف کی بیع جائز نہیں، اس لئے کہ وقف میں اصل بیع کی حرمت ہی ہے لیکن وقف کی مصلحت کے لئے اور اس کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ضرورت کے وقت بیع اس وقت جائز ہے جب کہ بیع کا مقصد بھی تحصیل مقصود ہو، لیکن اگر موجودہ حالت میں وقف کی بیع کے بغیر ہی اس سے نفع اٹھانا ممکن ہو، اگرچہ وہ نفع قلیل مقدار میں ہو تو اس صورت میں مقصود وقف بالکلیہ ختم ہونے کی وجہ سے اس وقف کی بیع جائز نہیں ہوگی (المغنی لابن قدامہ ۶/۲۲۷)

میرے نزدیک مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق اس سلسلے میں جمہور کا مسلک راجح ہے، لہذا کسی مسجد کے شرعی مسجد بن جانے کے بعد یا وقف کے شرعی وقف بن جانے کے بعد اس کو بیچنا جائز نہیں، اگر مسجد کو بیچنے کی اجازت دیدی جائے تو پھر لوگ مسجدوں کو بھی گرجا گھر کی طرح جب چاہیں گے بیچ لیں گے اور مسجدیں ایک تجارتی سامان کی حیثیت اختیار کرلیں گی۔

مولانا محمد مصطفی قاسمی

بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسے پر کوئی مکان وقف ہے جو محلّے کے اندر واقع ہے اس سے معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں مگر ایک صورت میں، اور وہ یہ کہ کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونیوالی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کہیں زیادہ ہوگی۔

اس بارے میں شرعی حل یہ ہے کہ اگر دوسرے مقام پر دوکان و مکان خریدنے کے نتیجے میں آمدنی کئی گنا زیادہ ہے تو فروخت کیا جاسکتا ہے اور اگر معمولی زیادتی ہے تو فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے۔

وإن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت وكان غيره أنفع منه وأكثر رداعلى أهل الوقف لم يجز بيعه لأن الاصل تحريم البيع وانما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع (المغنی ۵/۶۳۴)

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

وہ اوقاف جو اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے لیکن اس کا کرایہ بہت معمولی ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں تو اس صورت میں اس کم منفعت بخش اوقاف کو فروخت کر کے دوسرے مقام پر اگر تجارتی دکان خرید لی جائے جس سے آنے والی آمدنی اس سے کئی گنا زیادہ ہو تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

وفی المنتقی قال هشام سمعت محمدا يقول الوقف إذا صار بحيث لاينتفع به المساكين فللقاضی أن يبيعه ويشتری بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضی (شامی ۴/۴۱۹)

منتقی میں ہے ہشام کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ وقف جب اس حیثیت میں ہو جائے کہ اس سے مساکین کا فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو تو قاضی کے لئے حق ہے کہ وہ اس کو بیچ دے اور اس کی قیمت سے دوسرا خرید لے اور یہ حق صرف قاضی کے لئے ہے۔

علامہ ابن نجیمؒ مصری لکھتے ہیں:

وقد روی إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستعمال والقيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان له أن يبيعها ويشتری بثمنها ما هو أكثر ريعا.

اور روایت کی گئی ہے کہ جب موقوف شدہ زمین ہی استعمال کے لائق نہ رہے اور متولی اس کی قیمت سے دوسری جگہ اس سے زیادہ نفع بخش پائے تو اسکو حق ہے کہ وہ اسکو بیچ کر اس کی قیمت سے اس سے زیادہ نفع والے کو خرید لے۔

وعن شمس الائمة الحلوانی حين سئل عن أوقاف المسجد إذا تعطلت هل للمتولی أن يبيعها ويشتری مكانها أخرى قال نعم (بحر الرائق ۵/۲۰۷)

شمس الائمہ حلوانی سے مروی ہے کہ جب ان سے مسجد کے اوقاف کے سلسلے میں پوچھا گیا جب کہ وہ بیکار ہو گیا ہو تو کیا متولی کے لئے جائز ہے کہ وہ اسکو بیچ دے اور اس کی جگہ دوسری زمین خرید لے، انہوں نے کہا: ہاں!

مولانا قمر الزماں ندوی

اوقاف کو زیادہ منفعت بخش بنانے کے لئے فروخت کرنا:

بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے جو محلّے کے اندر واقع ہونے کی وجہ سے معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں، اور اس کو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہو سکتی ہے، اس سلسلہ میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے مکان موقوفہ کو فروخت کر کے وقف کی آمدنی بڑھانے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق جو مفتی بہ ہے اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ جو زیادہ منفعت بخش ہو خرید کی جاسکتی ہے، چنانچہ علامہ شامی نقل فرماتے ہیں:

الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعاً فيجوز على قول أبي يوسف و عليه الفتوى كما في فتاوى قاري الهداية (ردالمحتار ۳/ ۳۸۹، نیز ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۲۲۲)

چوتھی صورت یہ ہے کہ لوگ زیادہ آمدنی اور بہترین جائے وقوع کی وجہ سے تبادلہ کے خواہاں ہوں تو امام ابو یوسف کے قول کے مطابق جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے، جیسا کہ قاری الہدایہ کے فتاوی میں ہے۔

لیکن علامہ شامی آگے تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ آج کل دیانتداری کا فقدان ہے اور ہر طرف ظلم وزیادتی کا دور دورہ ہے، دلوں میں خوف خدا کا نام ونشان تک نہیں، ذمہ دار اور ظاہراً اچھے لوگوں کا دامن بھی اس سے پاک نہیں، اس لئے آج کے دور میں سدا للذریعہ امام ابویوسفؒ کے قول پر فتوی دینا زیادہ مناسب ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

وقد شاهدنا في الاستبدال مالا يعد ولايحصى فان ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين وعلى تقديره فقد قال في الاسعاف المراد بالقاضي وهو قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل ولعمري أن هذا أعز من الكبريت الأحمر وما أراه إلا لفظا يذكر فالأحرى فيه السد خوفا من مجاوزة الحد والله سائل كل إنسان (ردالمحتار ۳/ ۳۸۹)۔

استبدال کے سلسلہ میں ہم نے ان گنت مرتبہ مشاہدہ کیا ہے کہ ظالم قاضی اس استبدال کو مسلمانوں کے اوقاف کو باطل کرنے کا حیلہ بناتے ہیں، اسی وجہ سے اسعاف میں مصنف نے کہا کہ قاضی سے مراد قاضی الجنۃ ہے یعنی جس کے پاس علم اور عمل دونوں ہوں، لیکن میری جان کی قسم اب ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں، بس یہ کہنے کی بات ہے، لہذا مناسب یہی ہے کہ حدود اللہ سے تجاوز کرنے کے خوف سے عدم جواز ہی کا فتوی دینا چاہئے، اللہ تعالی ہر انسان سے پوچھ گچھ کرنے والا ہے۔

اسی وجہ سے علامہ بیری کا قول نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قال العلامة البيري... فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ماكان عليه دون زيادة ولأنه لاموجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة ولاضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة بل تبقيه كما كان (ردالمحتار ۳/ ۳۸۹)

علامہ بیری نے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو اس لئے کہ وقف کو اسی حالت میں باقی رکھنا واجب ہے نہ کہ زیادتی کرنا، اور اس لئے بھی کہ اس کے جواز کی کوئی چیز متقاضی بھی نہیں ہے، پہلے میں تو تقاضا کرنے والی چیز شرط تھی اور دوسرے میں ضرورت اور یہاں کوئی ضرورت نہیں، اس لئے کہ زیادتی واجب نہیں بلکہ اس کو علی حالہ باقی رکھنا واجب ہے۔

اور شرائط استبدال بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعاً و نفعاً وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار (کتاب مذکور ۳/ ۳۸۷، نیز ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۲۲۱)

اور تیسری شرط یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو لیکن اس میں فی الجملہ نفع بھی ہوتا ہو اور اس کا تبادلہ فائدہ کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہو، تو بھی اصح اور مختار قول کے مطابق استبدال جائز نہیں۔

لیکن اگر واقعی دیانتداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اللہ تبارک وتعالی کے پکڑ سے خوف کھاتے ہوئے اوقاف کو زیادہ منافع بخش بنانے کی غرض سے اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ خریدنے کا کوئی ذمہ دار شخص ارادہ رکھتا ہو تو اسے اس کی اجازت ہونی چاہئے جیساکہ ابو یوسفؒ کا مسلک ہے، ورنہ نہیں۔

مولانا محمد نور القاسمی

اوقاف کو زیادہ منفعت بخش بنانے کی شکل:

ایسے اوقاف جن کی آمدنی کم منفعت بخش ہو، اور اس سے اس کی ضروریات کی تکمیل نہ ہوتی ہو، مثلاً مدرسہ یا مسجد پر کوئی مکان وقف تھا، لیکن وہ کسی محلّہ یا دیہات کے اندر ہے، جہاں اس کی آمدنی اتنی تھوڑی ہے کہ مسجد یا مدرسہ کی ضرورت کا پورا ہونا مشکل ہے، تو ایسی صورت میں بہتر ہوگا کہ اس مکان موقوفہ کو فروخت کر دیا جائے اور اس کے بدلے مارکیٹ یا کسی تجارتی مقام پر دوکان خرید لی جائے، جہاں اس کی آمدنی زیادہ ہو سکے، اور مسجد و مدرسہ کی ضروریات کو بآسانی پورا کیا جا سکے، یہ منشاء واقف کے خلاف بھی نہ ہوگا، کہ واقف کا اصل مقصد مدرسہ و مسجد کی ضروریات کی تکمیل تھا، اور یہ اس کے علاوہ ممکن نہیں ہے، لہذا یہ اس کے منشاء کے عین مطابق ہوگا۔

فقہ حنفی کے ترجمان علامہ شامی رقمطراز ہیں:

فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع و يحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن، لأن الارض أدوم وأبقى وأغنى عن كلفة الترميم والتعمير (ردالمحتار ۳/۳۸۸)

اگر حانوت کو قابل زراعت زمین سے تبدیل کیا جائے اور اس سے جو منافع حاصل ہوں، وہ حانوت کے منافع کے برابر ہوں تو یہ مستحسن اور بہت اچھا ہوگا، اس لئے کہ زیادہ پائیدار اور تادیر قائم رہنے والی ہے، اور اس سے اصلاح و مرمت اور ردوبدل کی پریشانی بھی ختم ہو جائے گی۔

نیز اصول فقہ کے ماہر عالم دین علامہ بدران ابوالعینین بدران، اس پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ زیادہ منفعت بخش چیز سے وقف کو تبدیل کرنا درست ہے، شیخ بدران رقمطراز ہیں:

إذا وجدت مصلحة فى الاستبدال كما إذا كان الوقف منتفعاً به ولكن يراد استبداله بما هو أكثر نفعاً من جهة الغلة أو كثرة الثمن ، وخالف محمد فى ذلك لئلا يتخذ ذلك ذريعة إلى ضياع الأوقاف، والعمل على قول أبى يوسف (أحكام الوصايا والاوقاف/۳۰۴)

وقف کی تبدیلی کسی مصلحت پر مبنی ہو کہ وقف منفعت بخش ہے، لیکن تبدیلی سے یہ مقصد ہو کہ اس سے زیادہ نفع حاصل ہوگا یا ثمن زائد مقدار میں ملے گا تو یہ جائز ہے، مگر امام محمدؒ کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ کہیں ضیاع اوقاف کا ایک ذریعہ نہ بن جائے، لیکن عمل امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

ایک دوسرے مقام پر علامہ شامی نے تحریر فرمایا ہے بلکہ حاوی القدسی کے حوالہ سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے کہ ہر وہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے جس میں وقف کا زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو" صرح صاحب حاوی القدسی بانه یفی بکل ما هو أنفع للوقف (ردالمحتار ۳ر ۳۶۲)

اور علامہ ابن نجیم مصری نے یوں وضاحت کی ہے:

استبدال الوقف العامر لا يجوز إلا في مسائل... الرابعة : أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة و أحسن وصفا فيجوز على قول أبي يوسف ، وعليه الفتوى كما في فتاوى قارى الهداية (الاشباہ والنظائر ر ۱۹۴)

وقف عامر کا استبدال درست نہیں ہے مگر چند مسائل میں.... چہارم یہ کہ کا ستبدال کی رغبت اس وجہ سے ہو کہ دوسری زمین باعتبار غلہ کے اس سے بہتر اور اوصاف کے اعتبار سے اس سے اچھی ہو، ان صورتوں میں استبدال امام ابویوسف کے قول کے مطابق جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے، جیسا کہ فتاوی قاری الہدایہ میں ہے۔

نیز مولانا عبدالحی فرنگی محلی علیہ الرحمہ کا رجحان بھی اسی جانب ہے (مجموعہ فتاوی ۲ر ۱۱۳)

مولانا ابرار خان ندوی

صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ اگر واقف نے وقف نامہ میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہو یا وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے تو فروخت کرنے کی گنجائش ہے۔ اگر کچھ بھی نفع حاصل ہوتا ہو تو اسے فروخت کرنے کی شرعا گنجائش نہیں۔

شامی میں ہے:"وجاز شرط الاستبدال الخ. اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه، الأول أن يشترط الواقف لنفسه فالاستبدال فيه جائز فى الصحيح وقيل اتفاقا. الثانى أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلا أولا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورآيه المصلحة فيه، الثالث أن لا يشترطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لايجوز استبداله على الاصح المختار (شامی ۳ر ۴۲۴)۔

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

اوقاف کی زمینوں کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں: بيع الوقف باطل لا فاسد اور چونکہ یہ مقاصد واقف کے خلاف بھی ہے اس بنا پر فروخت نہ کیا جائے، اور شرح وقایہ میں ہے کہ اگر واقف شئی موقوفہ کے استبدال کی شرط لگاتا ہے تو اس کے اندر اختلاف امام ابویوسفؒ کرتے ہیں، وہ مطلق جواز کے قائل ہیں ان کے علاوہ باقی تمام فقہاء عدم جواز کے قائل ہیں، اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر زمین کی آمدنی کم ہو جائے اور اس کے اندر بڑھوتری بھی نہ ہو سکے تو بغیر شرط کے استبدال جائز ہے،

ان کے علاوہ تمام فقہاء فرماتے ہیں کہ ہم جواز استبدال کا فتوی نہیں دے سکتے اس لئے کہ استبدال میں جو فساد آتا ہے وہ ہمارے مشاہدہ میں ہے جس کا شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ ظالم قضاۃ نے مسلمانوں کے اکثر اوقاف کو باطل کرنے کے لئے استبدال کو حیلہ بنا کر اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنا شروع کردیا ہے۔

لیکن ان تمام صورتوں کے باوجود اصل مسئلہ جو سامنے آتا ہے وہ فتح کی عبارت سے سمجھ میں آجائے گا۔

وقال في الفتح: الاستبدال اما عن شرطه أو لا عن شرطه فإن كان لخروج الوقف عن الانتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لا يختلف فيه وإن كان لا كذلك بل اتفق إنه إمكن أن يوخذ بثمن ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة.

یعنی اگر بالکلیہ انتفاع ختم ہوجائے تو اس میں استبدال کے جواز کی اجازت دی جاسکتی ہے لیکن اگر بالکلیہ انتفاع ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ انتفاع تو حاصل ہو لیکن اس صورت سے بہتر کی طرف استبدال کیا جاتا ہے تو اس میں استبدال کی اجازت نہیں ہوگی۔

مولانا سميع الله قاسمی

کم منفعت بخش اوقاف کا استبدال:

اوقاف کے سلسلے میں اصل حکم تو یہی ہے کہ فی الجملہ کچھ بھی منافع حاصل ہو رہا ہو تو اس کے استبدال کی بالکل اجازت نہیں تاوقتیکہ بالکلیہ اس کے منافع معدوم ومفقود نہ ہوجائیں۔

والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لايجوز استبداله على الاصح المختار (ردالمحتار ۳/۴۲۴)

لیکن فقہاء امت کے بعض اقوال سے اس بات کی گنجائش مل رہی ہے کہ وہ اوقاف جن کی ضرورتیں کم منافع بخش جگہ پر واقع ہونے کی وجہ سے نہیں پوری ہو رہی ہوں تو زیادتی منفعت کی خاطر اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ اس کا بدل قائم کیا جاسکتا ہے۔ بحر کے اندر ہے:

وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص في استبداله أن أعطى مكانه بدلا أكثر ريعا في صقع أحسن من صقع الوقف جاز (بحر ۵/۲۲۳)

اور فتح القدیر کے اندر ہے:

وكذا أرض الوقف إذا قل نزلها بحيث لا تحتمل الزراعة ولا تفضل غلتها عن مؤنتها ويكون الصلاح في الاستبدال بأرض أخرى (فيشترى بها أرضا أخرى) (فتح القدیر ۵/)

کنزالدقائق کے اندر امام محمدؒ کا قول مذکور ہے جو کہ اسی گنجائش کی جانب مشیر ہے:

"قد روى عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان له أن يبيعها ويشترى بثمنها ماهو أكثر ريعا وقيل هذا إذا باعه الموقوف عليه لضرورة (الکنز مع البحر ۵/۲۱۹)

لیکن اگر اس مسئلے کی یوں تفصیل بیان کی جائے کہ اوقاف کی آمدنی اتنی کم ہے کہ اپنی ضرورت کے ایفاء کے لئے دوسرے سے قرض لینا پڑتا ہے اور ہر سال قرضے پہ قرضہ ہوتا جارہا ہے، ادائیگی قرض کی کوئی صورت موجود نہ ہونے کی وجہ سے غالب گمان ہے کہ ایک نہ ایک دن ان اوقاف کو فروخت کرنے کی نوبت آپڑیگی جو کہ تعطل اوقاف پر مبنی ہے تو ان مذکورہ مجبوری اور ضرورت کے پیش نظر ان اوقاف کو فروخت کر کے زیادہ منفعت بخش مقام پر اس کا بدل قائم کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

مولانا صدر عالم

جو اوقاف منفعت بخش ہیں اگرچہ کم ہی سہی انکو فروخت کرنا یا اس کا استبدال کرنا جائز نہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے:

والمعتمد أنه يجوز للقاضی بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية (فتاوی عالمگیری ۲/۳۳۰)

مولانا عطاء الله قاسمی

کم منفعت والی موقوفہ جگہوں کو فروخت کر کے نفع بخش جگہ خریدنا:

جو مکانات یا دوکانیں وغیرہ دیگر اوقاف، مثلاً مساجد و مدارس وغیرہ پر وقف ہیں اور ان دوکان و مکانات سے کوئی خاطر خواہ منافع نہیں ہو رہے ہیں حتی کہ جن اوقاف پر وہ دوکانیں وغیرہ وقف ہیں ان کے مصارف بھی ان کی آمدنی سے پورے نہیں ہوتے بلکہ مزید آمدنی کی ضرورت پڑتی ہے تو ایسی حالت میں ان اوقاف پر جو دوکانیں وغیرہ وقف ہیں ان کو فروخت کر کے نفع بخش دوکانیں و مکانات وغیرہ اگر خریدے جائیں جن کی وجہ سے مساجد کی آمدنی میں اضافہ ہو اور مساجد وغیرہ کے مصارف پورے ہو جائیں تو ایسا کرنا جائز اور درست ہے، علامہ ابن نجیم امام محمدؒ سے نقل کرتے ہیں:

وقد روى عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعاً كان له أن يبيعها و يشترى بثمنها ما هو أكثر ريعاً (البحر الرائق ۵/۲۰۶)

امام محمدؒ سے مروی ہے کہ جب موقوفہ زمین پیداوار سے کمزور ہو جائے اور متولی اس کی قیمت کے بدلے کوئی دوسری زیادہ پیداوار والی جگہ پاتا ہے تو متولی کے لئے اس جگہ کو بیچ کر اس کی قیمت سے کثرت پیداوار کی جگہ خریدنا جائز اور درست ہے۔

امام محمدؒ کی یہ روایت اگرچہ مفتی بہ نہیں ہے لیکن اس دور میں اگر امام محمدؒ کی اس روایت پر عمل کی گنجائش دی جائے تو مناسب ہے، اس لئے کہ ایسا کرنے کی وجہ سے آمدنی میں اضافہ ہوگا اور پھر اس کو کار خیر میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

مولانا اسعد الله قاسمی

مسجد پر موقوفہ جائداد جس کی آمدنی کم ہے:

اگر مسجد کے ساتھ کوئی موقوفہ جائداد ہو لیکن اس کی آمدنی کم ہو اور اگر اس اصل موقوفہ جائداد کو فروخت کر کے دوسری جگہ جائداد حاصل کی جائے تو آمدنی بڑھ جائے گی تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اس سلسلے میں علامہ شامی نے لکھا ہے کہ یہ صورت امام ابویوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور عمل بھی اسی پر ہے، آگے لکھتے ہیں کہ امام ابویوسفؒ کا یہ قول صدر الشریعہ کے قول کے معارض ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہم اصل موقوفہ جائداد کے استبدال یا فروخت کرنے کا فتوی نہیں دیں گے، کیونکہ ہمارا بار بار کا مشاہدہ ہے کہ ایسا کرنے کی صورت میں موقوفہ جائداد برباد ہو جاتی ہے، اور گویا بعض قاضیوں نے اس کو اوقاف مسلمین کے باطل کرنے کا حیلہ بنا لیا ہے، دوسری دلیل عدم جواز پر یہ دیتے ہیں کہ واجب اصل موقوفہ کو جوں کا توں باقی رکھنا ہے نہ کہ اس میں زیادتی کرنا مقصود ہے، علامہ شامی کا رجحان بھی مذکورہ صورت کے عدم جواز کی طرف ہے۔

قال قاری الهداية وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص فی استبداله أن أعطى مكانه بدلا أكثر ريعا منه فی صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبی يوسف والعمل عليه .... والعمل على قول أبی يوسف معارض بما قاله صدر الشريعة ،نحن لانفتی به وقد شاهدنا فی الاستبدال ما لا يعد و يحصی فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين ....أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغی أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة ...أقول ما قاله هذا المحقق الصواب (شامی ۳/۳۸۹)

مسلک حنبلی:

امام احمدؒ کے یہاں اصل موقوفہ چیزوں کو بلاضرورت فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ موقوفہ جائداد کو آمدنی کی خاطر فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ آمدنی کی زیادتی کوئی ضرورت نہیں ہے، ابن قدامہ رقمطراز ہیں:

إن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت و كان غير أنفع منه وأكثر رد اعلى أهل الوقف لم يجز بيعه لأن الاصل تحريم البيع وانما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع مع إمكان تحصيله ومع الانتفاع وإن قل ما يضيع المقصود (المغنی ۵/۳۶۹)

اگر وقف کی مصلحت مکمل ختم نہ ہوئی ہو تو اس کی بیع جائز نہیں (میں کہوں گا کہ) البتہ اگر اس کے علاوہ اس سے زیادہ فائدہ مند اور زیادہ آمدنی والا ہو تو بھی اس کی بیع درست نہیں، اور اس لئے کہ وقف میں اصل بیع کی تحریم ہے، اور بیع کو مباح ضرورت کی وجہ سے کیا گیا ہے، وقف کے مقصود کو ضیاع سے بچانے کی خاطر، اور جب اس سے انتفاع ممکن ہو اگرچہ کم ہو تو مقصود ضائع نہیں ہوگا۔

مسلک مالکی:

مالکیہ کے یہاں بھی مسجد پر موقوفہ جائداد جس کی آمدنی کم ہے، اس کی فروختگی درست نہیں ہے، چنانچہ حاشیہ الدسوقی میں ہے:

(لاعقار) حبس من دور و حوانيت و حوائط وربع فلايباع ليستبدل به غيره وإن خرب (حاشیہ الدسوقی ۴/۹۱)

موقوفہ گھر، دکانیں، دیواریں اور کھیت، گو خراب ہو اس کو فروخت کر کے اس سے استبدال جائز نہیں ہوگا۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

جن اوقاف کے مصارف باقی نہ رہیں ان کا حکم

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا انیس الرحمٰن
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شیر علی گجراتی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مفتی عبد الرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابو سفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا محمد ارشاد القاسمی
مولانا ابو بکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

جن اوقاف کے مصارف باقی نہ رہیں ان کا حکم

سوال: بہت سے اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر، کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ خاندان ختم ہو گیا، یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے، یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ۔ تو ان اوقاف کی آمدنی کا کیا مصرف ہو گا؟

جوابات

سوال نمبر (۱) کے تحت تفصیل آچکی ہے، ایسے اوقاف کا متبادل اختیار کیا جائے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو جائیں:

جیسا کہ اس سے پہلے ذکر آچکا ہے کہ اگر عین مسجد کے سوا کوئی وقف نا قابل استعمال ہو جائے تو اس کو اسی کے مماثل مصرف میں استعمال کیا جائے گا، ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں، ایک مدرسہ کی آمدنی دوسرے مدرسہ میں، ایک خاندان کے فقراء کا وقف عام فقراء مسلمین میں، اور جو مصرف بالکلیہ ختم ہو جائے اس کے مماثل کوئی وقف ہی موجود نہ ہو تو پھر آخری مصرف فقراء و مساکین ہیں، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے:

فإذا خرب المسجد و خوی عن أهله فالغلة إلى الفقراء فيجوز (فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶/ ۲۶۴)

فقراء پر خرچ کرنے کی صورت یہی ہے کہ یہ آمدنی ان پر تقسیم کر دی جائے اور یہ بھی ہے کہ کسی ایسے رفاہی کام کے لئے اس آمدنی کو استعمال کی جائے جس سے استفادہ فقراء ہی کے لئے مخصوص ہو۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے انہیں اسی نوع کے دوسرے اوقاف پر صرف کیا جائے، اس نوع کے اوقاف نہ ہوں تو فقراء و مساکین پر صرف کیا جائے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

جہت وقف ختم ہوجانے کی صورت میں شئ موقوف کا مصرف:

اگر کوئی جائداد کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف ہو، اور وہ خاندان ہی ختم ہوجائے تو ایسی صورت میں اس موقوفہ جائداد کی آمدنی دوسرے فقراء و مساکین پر صرف ہوگی۔ اس لئے کہ جہت وقف ختم ہوجانے کی صورت میں اس کے حقدار فقراء و مساکین ہی ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ کی بنیاد اس پر ہے کہ شرائط وقف میں سے ایک شرط تابید بھی ہے۔ ایسی جہت بیان کی جائے جو ختم ہونے والی نہ ہو۔ البتہ اس جہت کی صراحت ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے... امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کی صراحت ضروری ہے۔ اگر بوقت وقف ختم نہ ہونے والی اس جہت کی صراحت نہ کی جائے تو وقف صحیح نہیں ہوگا... امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ وقف صحیح ہوگا، اور وہاں پر بھی تابید مقصود ہوگی، یعنی جہت وقف ختم ہوجانے کے بعد اس کی آمدنی فقراء و مساکین پر صرف کی جائے گی، فتوی امام ابویوسفؒ کے قول پر ہے۔

ولا يتم الوقف عند أبي حنيفة و محمد حتى يجعل آخره بجهة لا تنقطع أبدا وقال أبو يوسف: إذا سمّى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وإن لم يسمّهم... وقيل إن التابيد شرط بالاجماع إلا أن عند أبي يوسف لايشترط ذكر التابيد لأن لفظة الوقف والصدقة منبئة عنه لما بينا انه إزالة الملك بدون التمليك كالعتق ولهذا قال في الكتاب في بيان قوله و صار بعدها للفقراء وإن لم يسمّهم وهذا هو الصحيح (ہدایہ ۲/۶۳۹)

علامہ ابن ہمام نے شرح فتح القدیر میں برامکہ کے حوالہ سے لکھاہے:

قال ابو يوسف: إذا انقرض الموقوف عليهم يصرف الوقف إلى الفقراء (شرح فتح القدیر ۶/۱۹۹) **(ويجعل آخره لجهة) قربة(لا تنقطع) هذا بيان شرائطه الخاصة على قول محمد لأنه كالصدقة وجعله أبويوسف كالاعتاق واختلف الترجيح والأخذ بقول الثاني أحوط وأسهل بحر في الدار و صدر الشريعة وبه يفتى وأقره المصنف** (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۳/۳۶۵-۳۶۶)

اور اگر کسی مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھا، اور اب نہ وہ مسجد رہی اور نہ ہی مدرسہ، تو مسجد کے اوقاف کی آمدنی دیگر مساجد پر اور مدرسہ کے اوقاف کی آمدنی دیگر مدارس پر الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے صرف کی جائے گی۔ ایک کی آمدنی دوسرے پر صرف نہیں کرسکتے ہیں۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

جن اوقاف قدیمہ کے متعینہ مصارف ختم ہوچکے ہیں، مثلاً کسی خاص خاندان کے فقراء، کوئی خاص مسجد یا مدرسہ وغیرہ پر وقف شدہ املاک موجود ہیں لیکن نہ اس خاندان کے فقراء کا وجود اور پتہ ہے نہ مسجد و مدرسہ ہی کا، تو اب ان اوقاف کی آمدنیاں اسی نوع کے مصارف قریبہ پر خرچ کی جائیں گی، فقراء کا حصہ فقراء پر اور مسجد و مدرسہ کا حصہ قریب تر مسجد و مدرسہ پر۔

کیونکہ اس طرح واقف کے اصل مقصد و منشاء کی تکمیل ہوجاتی ہے جو واجب الرعایت بھی ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے ایک

غیر آباد رباط کے اوپر اوقاف عامرہ کے متعلق حضرت امام اعظم کا ایک سوال وجواب بھی نقل کیا ہے: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به قال نعم، لأن غرض الواقف انتفاع المارة و يحصل ذلك بالثاني (شامی ۳۷۱/۱)

مولانا زبیر احمد قاسمی

اگر اراضی کسی خاندان کے فقراء کے لئے وقف تھی اور وہ خاندان ختم ہو گیا تو اب اسکی آمدنی دوسرے فقراء و مساکین پر خرچ کی جائے گی۔

و قال أبو يوسف سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وإن لم يسمهم... وهذا هو الصحيح (ہدایہ ۶۳۹/۲)

اور اگر کسی مسجد یا مدرسہ پر وقف ہے اور وہ مسجد اور مدرسہ نہیں رہا تو اس سے قریب مسجد یا مدرسہ میں صرف کیا جائے گا۔ یعنی مسجد پر وقف اراضی کی آمدنی قریب تر مسجد میں اور مدرسہ پر وقف اراضی کی آمدنی قریب تر مدرسہ میں صرف کی جائے گی۔

مولانا عبد الجلیل قاسمی

مصارف منقطعہ کا حکم:

رہے ایسے اوقاف جن کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ خاندان ختم ہو گیا، یا اسکے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔ یا وقف کسی مسجد و مدرسہ کے لئے تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو ایسے اوقاف کی آمدنی کو بھی اسی نوع کے کسی دوسرے مدرسہ و مسجد یا فقراء پر خرچ کیا جائے، اگر آبادی بالکل اجڑ گئی ہو اور قریب میں اس نوع کا وقف یا مصرف نہ ہو تو دیگر جگہ کے مصرف خیر میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔ مگر ایسے اوقاف کی آمدنی نئے مصارف میں خرچ کرنے کے لئے اگر قاضی ہو تو اس سے یا مفتی سے اجازت و فتوی لیکر خرچ کیا جائے۔

وفى الخانية رباط بعيد استغنى عنه المارة و بجنبه رباط، قال السيد الإمام أبو شجاع تصرف غلته إلى الرباط الثانى كالمسجد إذا خرب و استغنى عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضى فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر جاز.

اگر کوئی رباط (مسافر خانہ) دور پر واقع ہو، اور گذرنے والوں کو قریبی دوسرے رباط کی وجہ سے اس کی ضرورت نہ پڑتی ہو تو امام ابو شجاع کا قول ہے کہ پہلے رباط کے غلہ و آمدنی کو اس دوسرے رباط میں خرچ کیا جائے، جیسے کوئی ویران مسجد کہ اہل محلہ کو اس کی حاجت نہ ہو، اور یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہوا اور قاضی نے اس کی لکڑی فروخت کر دی اور قیمت دوسری مسجد میں خرچ کر دی تو جائز ہے۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

مصرف ختم ہو گیا، آمدنی باقی، تو کیا کرے:

مسجد یا مدرسہ کے نام جو اوقاف ہیں ان کی آمدنی بدستور باقی ہے مگر موقوف علیہ یعنی وہ مسجد یا مدرسہ باقی نہیں ہے، اسی طرح خاندان یا علاقہ کے فقراء پر وقف تھا مگر وہ خاندان وہاں سے منتقل ہو گیا ہے یا بالکل ختم ہو چکا ہے تو ایسے حالات میں اوقاف کی آمدنی کو کہاں خرچ کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی قسم کے قریب ترین مصرف میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے، مثلاً اگر مسجد تھی تو اس کی آمدنی قریب ترین دوسری مسجد میں، یا مدرسہ تھا تو اس کی آمدنی قریب ترین دوسرے مدرسہ میں خرچ کی جاسکتی ہے خلاف جنس میں نہیں، نیز جس خاندان کے فقراء پر وقف کیا گیا تھا اگر وہ خاندان ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلا گیا ہے، یا ان میں کوئی بھی فقیر باقی نہیں ہے، اسی طرح جس علاقہ کے فقراء پر وقف کیا تھا وہ علاقہ اجاڑ ہو گیا، وہاں کوئی مسلمان فقیر نہیں ہے تو ان سب صورتوں میں وہاں سے قریب ترین دوسرے فقراء پر خرچ کر دینا جائز ہے مگر خلاف جنس میں صرف کرنا درست نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

أفتى به الإمام أبو شجاع والإمام الحلواني وكفى بهما قدوة ولا سيما في زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو شاهد وكذلك أوقافه يأكلها النظار أو غيره ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج إلى النقل إليه (شامی، طبع زکریا ۶/۵۵۰)

اس پر امام ابو شجاع اور شمس الائمہ حلوانی نے فتویٰ دیا ہے اور یہی دونوں قول کے لئے کافی ہے خاص کر ہمارے زمانے میں، اس لئے کہ مسجد اور اس کے علاوہ سرحدی چھاؤنی یا حوض جب انکی فاضل اشیاء منتقل نہ کی جائیں تو چور ڈکیت قبضہ کرلیں گے جیسا کہ مشاہدہ ہے اور ایسا ہی اس کے اوقاف کو خود متولی وغیرہ کھا جائیں گے، اور نقل نہ کرنے میں دوسری ضرورت مند مسجد بھی ویران ہو سکتی ہے۔

نیز فقہاء کی اس عبارت سے بھی یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے:

سئل شيخ الإسلام عن أهل القرية افترقوا وتداعى مسجد القرية إلى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد وينقلونه إلى ديارهم هل لواحد لأهل القرية أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد قال نعم (وقوله) وخرب الرباط واستغنى الناس عنه يربط في رباط آخر هو أقرب الرباط إليه (ہندیہ ۲/۴۷۹) إذا قال موقوفة فقط لانصرافه إلى الفقراء عرفا فهو مؤبد (شامی زکریا ۶/۵۳۷) قال صدقة موقوفة على فلان جاز ويصرف بعده إلى الفقراء (شامی زکریا ۶/۵۳۶) وما فضل من حصير وزيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر أو يتصدق من ذلك على فقراء جيرانه الخ (إعلاء السنن ۱۳/۱۹۹)۔

شیخ الاسلام اسبیجابی سے سوال کیا گیا ایسی آبادی کے بارے میں کہ جہاں کے لوگوں نے منتشر ہو کر مسجد کو ویران چھوڑ دیا ہے اور بعض مخالف لوگ تغلب سے مسجد کی لکڑیاں اپنے یہاں منتقل کرنے لگے ہیں تو کیا وہاں کے کسی آدمی کے لئے جائز ہے کہ حاکم کی اجازت سے اس کو فروخت کر کے پیسہ کو روک لے تاکہ اس کو اس مسجد میں یا دوسری مسجد میں صرف کر دے تو فرمایا کہ جی ہاں جائز

ہے۔ اور سرحدی چھاؤنی ویران ہو جائے اور لوگ اس سے مستغنی ہو جائیں تو اس کو دوسرے قریب ترین چھاؤنی میں منتقل کر دیا جائے تو جائز ہے، جب صرف یہ کہا کہ وقف ہے، تو وہ فقراء کی طرف عرفاً منتقل ہو جائے گا پھر وہ ہمیشہ رہیگا۔ اور کہا کہ فلاں پر بطور وقف صدقہ ہے تو جائز ہے اور اس کے بعد فقراء کی طرف منتقل ہو جائے گا، اور جو چٹائی اور تیل سے زائد ہو اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے تو اس کو دوسری مسجد میں منتقل کر دینا جائز ہے یا پڑوس کے فقراء کو صدقہ کر دے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

مصارف اوقاف کے ختم ہو جانے کی صورت میں اوقاف کا مصرف:

مصارف اوقاف کے ختم ہونے کی حسب ذیل دو صورتیں ہیں:

الف۔ کوئی جائداد کسی خاص خاندان کے فقراء ومساکین پر وقف تھی، ایک عرصہ گزرنے کے بعد وہ خاندان ہی ختم ہو گیا، تو ایسی صورت میں موقوفہ جائداد کی آمدنی دوسرے فقراء ومساکین پر صرف کی جائے گی، کیونکہ جہت وقف کے ختم ہو جانے کی صورت میں اس وقف کے حقدار فقراء ومساکین ہی ہوتے ہیں۔ شرائط وقف میں سے ایک شرط تابید بھی ہے، یعنی وقف کرتے وقت واقف وقف کی ایسی جہت کی صراحت کردے جو ختم نہ ہونے والی ہو، امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تابید کی صراحت ضروری ہے، عدم صراحت کی صورت میں وقف درست نہیں ہوگا۔

فقہاء حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ عدم صراحت کی صورت میں بھی وقف درست قرار پائے گا اور وہاں پر بھی تابید مقصود ہوگی، اور جہت وقف کے ختم ہو جانے کی صورت میں اس کی آمدنی کے مصرف فقراء ومساکین قرار پائیں گے، امام ابو یوسفؒ ہی کا قول مفتی بہ ہے۔

لہذا جہت وقف کے انقطاع کی صورت میں وقف کی آمدنی دوسرے فقراء ومساکین پر صرف کی جائے گی، علامہ ابن الہمام نے تحریر فرمایا ہے:

قال أبو يوسف إذا انقرض موقوف عليهم يصرف الوقف إلى الفقراء (ويجعل آخره لجهة) قربة (لاتنقطع) هذا بيان شرائطه الخاصة على قول محمد لأنه كالصدقة وجعله أبو يوسف كالاعتاق واختلف الترجيح والأخذ بقول الثاني أحوط وأسهل بحر فى الدار و صدر الشريعة وبه يفتي وأقره المصنف (شرح فتح القدیر ۶/۱۹۹)

ب۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی زمین یا جائداد کسی مسجد، مدرسہ، قبرستان یا رفاہی ادارہ پر وقف تھی، اور اب نہ ہی وہ مسجد باقی رہی اور نہ ہی مدرسہ و قبرستان اور رفاہی ادارہ، تو ایسی صورت میں ایک جنس کے اوقاف کی آمدنی کو اسی جنس کے اوقاف پر صرف کرنا ضروری ہوگا۔ مثلاً مسجد کے اوقاف کی آمدنی دیگر مساجد کے اوقاف پر، مدرسہ کے اوقاف کی آمدنی دیگر مدارس پر "الا قرب فالا قرب" کی ترتیب سے صرف ہوگی، ایک جنس کے اوقاف کی آمدنی کو دوسری جنس کے اوقاف پر صرف کرنا درست نہیں ہوگا۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

جو اوقاف جن مصارف کے لئے ہیں، ان کی آمدنی ہم جنس اور انہی نوع کے مصارف میں صرف کی جائے گی، جیسا کہ فقہاء کی بعض اصولی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے شرح الملتقی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے:

يصرف إلى أقرب مجانس لها (ردالمحتار ۴/ ۳۵۹)

اور جو اوقاف کسی خاص خاندان یا افراد کے لئے تھے ان کے ختم ہو جانے کے بعد وہ اوقاف عام فقراء کے لئے ہو جائیں گے۔ علامہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

قال أبو يوسفؒ يرجع إلى الواقف وإلى ورثته إلا أن يقول صدقة موقوفة ينفق منها على فلان وعلى فلان فإذا انقرض المسمى كانت للفقراء والمساكين لأنها جعلها صدقة على مسمى فلا تكون على غيره (المغنی لابن قدامہ ۵/ ۶۲۳)

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے "الفقہ الاسلامی وأدلتہ" میں امام ابو یوسفؒ کے اس قول کو جمہور کا قول مختار بتایا ہے۔

أخذ الجمهور غير الحنفية بقول أبي يوسفؒ" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/ ۱۹۹)

فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوقاف جو خاندان یا افراد کے لئے ہیں اگر اس خاندان یا افراد کا انقطاع ہو جائے اور جہتیں ختم ہو جائیں تو وہ اوقاف فقراء کے لئے ہو جاتے ہیں، چنانچہ علامہ حصکفیؒ در مختار میں لکھتے ہیں:

فلو وقف على أولاد زيد ولا ولد له أو على مكان هيأه لبناء مسجد أومدرسة صح (فى الاصح) وتصرف الغلة إلى الفقراء إلى أن يولد لزيد أو يبنى المسجد (در مختار ۴/ ۴۳۰)

علامہ شامیؒ نے اس جگہ شرح کرتے ہوئے ایک اصولی بات بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

علم من هذا أن منقطع الأول و منقطع الوسط يصرف إلى الفقراء" (ردالمحتار علی الدر المختار ۴/ ۴۳۰)

فتاوی ہندیہ اور فتاوی قاضی خاں میں اس مسئلہ کے متعلق بعض صریح جزئیات بھی موجود ہیں، یہاں دو جزئیات ہم نقل کر رہے ہیں:

إذا وقف وقفا مؤبدا واستثنى لنفسه أن ينفق من غلة هذا الوقف على نفسه وعياله وحشمه مادام حيا جاز الوقف والشرط جميعا عند أبي يوسفؒ فإذا انقرضوا صارت الغلة للمساكين كذا في الذخيرة (فتاوی ہندیہ ۲/ ۳۹۹)۔

"ولو قال على بني وليس له بنون فالغلة للفقراء وكذا لو قال على بناتي وله بنون فالغلة للفقراء ليس للبنين" (ہندیہ ۲/ ۳۷۵)

حاصل یہ کہ ایسے اوقاف جو کسی خاص خاندان یا خاص افراد کے لئے ہوں جب وہ خاندان ختم ہو جائے یا وہ افراد باقی نہ رہیں تو وہ اوقاف فقراء و مساکین کے لئے مقرر ہو جائیں گے، اور ان کی آمدنی انہی پر صرف کی جائے گی۔

مولانا ظفر عالم ندوی

ایسے اوقاف کی آمدنی کو ان سے ملتے جلتے مقاصد پر صرف کیا جاسکتا ہے، مثلاً ایک مسجد کی آمدنی کو دوسری مسجد پر اور ایک مدرسہ کی آمدنی دوسرے مدرسہ پر تاکہ وقف کا اصل مقصد پورا ہو۔

مولانا شمس پیرزادہ

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں ان کی آمدنی اسی نوعیت کے دوسرے مصارف پر خرچ کی جاسکتی ہے، مثلاً کوئی جائداد کسی مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھی اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو دوسری مساجد یا مدارس پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

اس کا جواب سوال نمبر (۳) کے جواب میں آگیا، وہ یہ کہ مسجد کے اوقاف کو کسی قریبی مسجد، مدرسہ کے اوقاف کو کسی قریبی مدرسہ اور فقراء کے اوقاف کو کسی قریبی جگہ کے فقراء پر خرچ کیا جائے۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں اوقاف کے مصارف ختم ہو جانے کی صورت میں ان اوقاف کی آمدنی کے لئے فقراء و مساکین مصرف ہوں گے، اور امام ابو یوسفؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ جب کسی معین آدمی پر وقف ہو تو یہ وقف جائز ہے، اور جب وہ موقوف علیہ مر جائے اور مصرف ختم ہو جائے تو اس صورت میں یہ وقف واقف کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گا اور یہی مفتی بہ قول ہے، چنانچہ علامہ عینیؒ شرح کنز میں لکھتے ہیں:

عن أبی یوسف إذا علی رجل بعینه جاز و إذا مات الموقوف علیه رجع الوقف إلی ورثة الواقف وعلیه الفتوی، وقال فی البرامكة: قال أبو یوسف: إذا انقرض الموقوف علیهم یصرف إلی المساكین فحصل عنه روایتان (عینی علی الکنز ۱/ ۲۷۶)۔

امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہو جاتی ہیں، ایک مصرف ختم ہونے کی صورت میں واقف کے ورثہ کی طرف لوٹا دیا جانا، دوسرے مساکین کو مصرف قرار دیا جانا۔ ان دونوں روایتوں میں سے دوسری روایت پر عمل کرنا بہتر ہوگا، کیونکہ وقف سے واقف کا مقصد قربت کا ارادہ ہوتا ہے، تو اس ارادہ کے لئے مناسب فقراء و مساکین ہو سکتے ہیں، **كذا فی البحر** (۵/ ۱۹۸)

اور شرح وقایہ میں ہے: **قال أبو یوسف یصح بدونه ای یصح الوقف بدون ذكر التابید، وإذا انقطع صرف إلی الفقراء**.

یعنی وقف کی وہ جہت جس پر وقف کیا گیا تھا وہ ختم ہوگئی تو اس وقف کے مصارف فقراء ہوں گے گرچہ واقف نے ان فقراء کا نام نہیں لیا ہے۔

اس تقریر سے واضح ہوا کہ اگر معین موقوف علیہم فقراء ہیں تو ان کے نہ ہونے کی صورت میں دوسرے فقراء مصرف ہوں گے، اور اگر موقوف علیہ مسجد ہے یا مدرسہ، تو مسجد ومدرسہ کے نہ ہونے کی صورت میں ان اوقاف کی آمدنی کے لئے مصارف دوسری ضرور تمند مسجد یا مدرسہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں اوقاف کے مصارف کے ختم ہو جانے کی صورت میں یہ تفصیل ملحوظ رہے گی کہ اگر موقوف علیہم فقراء تھے تو ان کے معدوم ہونے کی صورت میں دوسرے فقراء مصرف ہوں گے، اور اگر موقوف علیہ مسجد یا مدرسہ ہے تو ان کے نہ رہنے کی صورت میں دوسری ضرور تمند مسجد یا ضرور تمند مدرسہ مصرف ہوگا، واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

ایسی آمدنی کو مسلمان غرباء تعلیم، علاج، مساجد، مدارس اور نوازلات میں خرچ کیا جائے، اگر ان اوقاف کے شرائط مصارف معلوم ہوں تو ان مصارف کے انواع میں پہلے خرچ کیا جائے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

مدرسہ ومسجد یا کسی خاندان کے افراد کے ختم ہو جانے کی صورت میں اس کی آمدنی اسی طرح کے مصارف میں خرچ ہوگی س کے دلائل دوسرے جوابات کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

اگر کسی وقف کے مصارف ختم ہو جائیں، مثلاً کوئی چیز کسی مسجد یا مدرسہ پر یا فلاں خاندان کے فقراء پر وقف تھی، اور اب نہ وہ مسجد ہے اور نہ وہ مدرسہ ہے اور نہ وہ فقراء ہیں، تو ایسی حالت میں کسی دوسری حاجت مند مسجد یا مدرسہ یا فقراء کو ان اوقاف کی آمدنی کا مصرف قرار دیا جائے گا (دیکھئے: کفایت المفتی ۷/۲۷۹)

مفتی حبیب اللہ قاسمی

اسی سے ملتے جلتے دوسرے مصارف میں اس وقف کی آمدنی خرچ کر سکتے ہیں، مثلاً کوئی وقف کسی خاص مدرسے کے لئے تھا وہ مدرسہ باقی نہیں رہا تو وہ آمدنی دوسرے مدرسہ میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

اگر موقوف علیہ ناپید ہو جائے تو تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اوقاف کی آمدنی واقف کے اقارب خصوصاً اس کے عصبات پر صرف کی جائے، اور اگر واقف کے اقارب موجود نہ ہوں تو اس کا مصرف فقراء اور مساکین ہیں۔

واتفق الشافعية والحنابلة مع الرأى السابق للمالكية على أن الموقوف يصرف عند انقراض الموقوف عليهم إلى أقرب الناس إلى الواقف فإن لم يكن للواقف أقارب أوكان له أقارب فانقرضوا صرف إلى الفقراء والمساكين وقفاً عليهم لأن القصد به الثواب الجارى على الدوام (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۲۰۰)

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

جاگیر اگر فقراء کے لئے وقف تھی تو دیگر مسلمان فقراء و مساکین پر، اور اگر مسجد و مدرسہ پر وقف تھی تو دیگر مدارس اور مساجد پر اس کی آمدنی کو صرف کیا جائے۔ میکانزم باہمی مشورہ سے طے کیا جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اوقاف دو طرح کے ہوتے ہیں: (۱) موقوفہ علی الافراد (۲) موقوفہ علی غیر الافراد، مثلاً مساجد وغیرہ، تو اگر افراد موقوف علیہ ختم ہو جائیں تو ان پر موقوفہ اوقاف کی آمدنی فقراء پر صرف کی جائے گی۔

وفيه ما فى الخانية وقف على ولديه ثم على أولادهما أبدا ما تناسلوا قال ابن الفضل إذا مات أحدهما عن ولد يصرف نصف الغلة إلى الباقى والنصف إلى الفقراء (شامی ۶/۴۵)۔

اور اگر موقوف علیہ غیر افراد ہوں بلکہ رفاہی کام ہوں تو ان پر موقوفہ آمدنی اسی نوع کے دوسرے قریبی وقف میں استعمال کرنا واجب ہے:

فان لم يبرهن يصرف للفقراء الخ.

فى الدرالمختار: حاصله أن المنقول عندنا أن الموقوف عليه إذا خرب يصرف وقفه إلى مجانسه فتصرف أوقاف المسجد إلى مسجد آخر وأوقاف الحوض إلى خوض آخر الخ (شامی ۶/۲۶۶)۔

مولانا مفتی محمد حنیف

اس مسئلہ میں تقریباً تمام ائمہ مذاہب کا اتفاق ہے کہ ایسے اوقاف جن کے مصارف باقی نہ رہیں، دوسرے دینی ادارے یا کار خیر میں ان کو خرچ کیا جا سکتا ہے (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۵۲)

مولانا محمد رضوان قاسمی

جو جائیداد وغیرہ کسی خاص خاندان پر وقف ہو اور وہ خاندان ختم ہو چکا ہو تو اس جائیداد کی آمدنی دوسرے فقراء پر جو ختم ہونے والے خاندان سے رشتہ میں قریب ہوں ان پر خرچ کیا جائے، اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں آمدنی منتقل ہونے والے خاندان ہی کو پہونچایا جائے گا، اور مسجد ومدرسہ کے ختم ہونے کی صورت میں موقوفہ جائیداد کی آمدنی اقرب المساجد والمدارس جو محتاج ہوں ان پر صرف کیا جائے۔

مولانا شیر علی

خیال رہے کہ اس سوال میں دو جز ہیں:

(۱) اگر کوئی جاگیر یا اوقاف کسی خاص خاندان کے لئے وقف کیا گیا تھا اور خاندان ختم ہو گیا۔ تو اب اس وقف کا کیا ہوگا؟

(۲) مسجد ومدرسہ کے لئے وقف تھا وہ مسجد یا مدرسہ ختم ہو گیا۔ تو اب ان اوقاف کا کیا حکم ہوگا؟ دونوں کے جوابات الگ ہیں:

پہلے جز کا جواب یہ ہے کہ کسی خاص خاندان کے اوقاف جب کہ وہ خاندان ختم ہو جائے عام فقراء کی جانب منتقل ہو جائیں گے۔ اور اس کی آمدنی اس علاقے کے فقراء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

ابن ہمام کی فتح القدیر میں ہے: مالو وقف داره على سكنى قوم بأعيانهم أو ولده و نسله ما تناسلوا فإذا انقرضوا كانت غلتها للمساكين (۶/ ۲۱۳)۔

اسی طرح ہندیہ میں ہے: وكذا لو قال على ولدى وعلى من يحدث لى من الولد فإذا انقرضوا فعلى المساكين ..وإن لم يبق له ولد صرفت الغلة إلى الفقراء (۲/ ۳۷۱)۔

رجل قال أرضى هذه صدقة موقوفة على ولدى كانت الغلة لولد صلبه يستوى فيه الذكر و الأنثى وإذا جاز هذا الوقف فما دام يوجد واحد من ولد الصلب كانت الغلة له لا غير فإذا لم يبق واحد من البطن الأول تصرف الغلة إلى الفقراء۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاندان کے ختم اور انقطاع کے بعد فقراء اس کے مصرف ہوں گے۔

دوسرے جز کا جواب یہ ہے کہ اگر مسجد یا مدرسہ پر وقف کیا گیا تھا تو اس کے انقطاع کے بعد قریبی مسجد ومدرسہ میں اس کے اوقاف کو منتقل کر دیا جائے گا۔

كذا فى الهندية رباط يستغنى عنه وله غلة فإن كان بقربه رباط صرفت الغلة إلى ذلك الرباط وإن لم يكن بقربه رباط يرجع إلى ورثة الذى بنى الرباط (۲/ ۴۲۸)۔

اسی طرح مسجد کے لئے حکم ہے کہ اس کے اوقاف کو قریبی مسجد کی جانب لوٹا دیا جائے گا۔

كذا فى مجمع النهر:

حوض أو مسجد خرب أو تفرق الناس عنه فللقاضى أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر (۱/ ۷۴۹)

اسی طرح شامی میں ہے:

یصرف وقفها لأقرب مجانس لها(۳۵۹/۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد یا مدرسہ کے اوقاف کو عدم ضرورت کی بنیاد پر قریبی اوقاف میں منتقل کر دیا جائے گا۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

اس آمدنی کے حقدار واقف کے غریب رشتہ دار ہوں گے چاہے عصبہ ہوں یا ذوی الارحام، اگر وہ بھی مفقود ہوں تو اس آمدنی کو مصالح مسلمین پر خرچ کیا جائے گا۔

مولانا ایوب ندوی

اگر کسی وقف کے مصارف ختم ہو جائیں تو اس کی رقم کہاں خرچ کی جائے:

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف تھی، وہ خاندان ختم ہو گیا، یا اس کے افراد ختم ہو گئے، یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے زمین وقف تھی، اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو ان اوقاف کی آمدنیوں کا مصرف یہ ہے کہ وہ جس قسم کے اوقاف کی آمدنیاں ہیں، اسی قسم کے دیگر قریبی اوقاف کے مصارف میں ان کو خرچ کیا جائے، مثلاً وہ وقف کسی خاندان کے فقراء کے لئے ہے، تو اس خاندان کے ختم ہونے پر اس وقف کی آمدنی عام فقراء پر خرچ کی جائے اور ایک مسجد کے انہدام کے بعد اس کی آمدنی دوسری مسجد پر اور مدرسہ کے ختم ہو جانے پر اس کے وقف کی آمدنی دوسرے دینی مدرسہ پر خرچ کی جائے، البتہ یاد رہے کہ پہلے قریبی اوقاف کو دیا جائے، اور اگر اس قسم کے اوقاف کے مصارف اس شہر میں یا قریبی شہر میں نہ ہوں، تو دیگر شہروں میں جہاں اس جیسے اوقاف ہوں، وہ آمدنی کی رقم منتقل کر دی جائے، چنانچہ امداد الفتاوی جلد دوم سوال نمبر ۲۳۷ کے جواب کے ذیل میں مرقوم ہے:

الجواب: مدرسہ جنس مسجد سے نہیں اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں، جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح بہ ترتیب (امداد الفتاوی ۲۹۶/۲)

فتاوی قاضی خان میں ہے۔

رباط في طرق بعيد استغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السيد الإمام أبو شجاع رحمه الله تعالى يصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب و استغنى عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر جاز (فتاوی خانیہ علی ہامش الہندیہ ۳۱۵/۳)

وقال أبو يوسف: إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء (قدوری ۱۳۹)

وفي البزازية: وعن الحلواني في المسجد والحوض إذا خرب وتفرق الناس يصرف أوقافه إلى حوض و مسجد آخر (فتاوی بزازیہ علی الہندیہ ۲۷۱/۶)

وفيه أيضا وإن استغنى هذا المسجد يصرف إلى مسجد آخر (فتاوی بزازیہ ۶/۲۸۴)

وفي الدرالمختار حشيش المسجد و حصره مع الاستغناء عنهما و كذا الرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه الخ، وفي الشامية وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه، وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۴۰۷)

مولانا ابوبکر قاسمی

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء پر وقف تھی اور اب وہ خاندان دوسری جگہ منتقل ہو گیا ہو تو بھی اس کی آمدنی اسی خاندان کے فقراء پر صرف کی جائے، اور اگر وہ خاندان ختم ہو گیا ہے تو اس کی جنس یعنی دوسرے فقراء مسلمین اور مدارس کے طلبہ پر اس کی آمدنی صرف کی جائے، اور اگر وہ اوقاف کسی مسجد پر وقف تھے اور اب وہ مسجد باقی نہیں رہی اور وہاں مسلمانوں کی آبادی ہو تو ان اوقاف کی آمدنی سے اسی مسجد کی جگہ پر مسجد تعمیر کر کے آباد کیا جائے، اور اگر وہاں مسلم آبادی نہیں ہے تو ان کی آمدنی سے اولاً اس مسجد کی جگہ کو چہار دیواری وغیرہ بنا کر محفوظ کر لی جائے تا کہ اس کی بے حرمتی نہ ہو اور غلط قبضہ کسی کا نہ ہو، اور بقیہ آمدنی قریب پھر بعید کی مساجد کی ضروریات میں صرف کی جائے، اسی طرح جو اوقاف کسی مدرسہ پر وقف تھے اور اب وہ مدرسہ نہیں رہا اور وہاں مسلمانوں کی آبادی ہے تو اس جگہ از سر نو مدرسہ قائم کیا جائے اس آمدنی سے، اور اگر وہاں مسلم آبادی نہیں ہے تو ان اوقاف کی آمدنی قریب کے مدارس و مکاتیب دینیہ کی ضرورتوں میں صرف کی جاوے۔

كما مر عن شرح الملتقى يصرف وقفها إلى أقرب مجانس لها (شامی ۳/۵۱۳) حاصله أن ما خرب تصرف أوقافه إلى مجانسه (ردالمحتار ۳/۵۷۴)

مولانا عبد القیوم

واقفین نے اپنی جائداد جس پر وقف کیا تھا وہ وقف کا مصرف ختم ہو چکا وہ متعین فقراء یا متعین مساجد و مدارس اب نہ رہے، سب معدوم ہو چکے تو ایسی صورت میں ان اوقاف کی آمدنی کو اسی نوع کے قریبی وقف پر خرچ کریں گے جس نوع پر واقف نے وقف کیا تھا۔

وحكى انه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط بعض الطرق خرب ولا ينتفع المارة به وله أوقاف عامرة فسئل هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به قال نعم لأن الواقف غرضه انتفاع المارة ويحصل ذلك بالثاني (شامی ۳/۳۷۲) وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۳/۳۷۱)

مولانا تنویر عالم قاسمی

موقوف علیہ اگر خاص خاندان ہو اور وہ ختم ہو جائے تو اس وقف کو دیگر فقراء کو دیا جائے گا، اسی طرح جس مسجد و مدرسہ کے لئے جائداد وقف ہو اس کے ختم ہونے کی صورت میں اس کے ہم جنس قریبی مماثل پر صرف کیا جائے گا۔

قال الشامی علم من هذا أن منقطع الأول و منقطع الأوسط يصرف إلى الفقراء (شامی ۳/۴۱۴) ان الموقوف عليه إذا خرب يصرف وقفه إلى مجانسه فتصرف أوقاف المسجد إلى مسجد آخر وأوقاف الحوض إلى حوض آخر (شامی ۳/۴۱۵)

مفتی عبد الرحیم بھوپال

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر جو کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی اور وہ خاندان ختم ہو گیا یا اسکے افراد ایسی دوسری جگہ منتقل ہو گئے کہ وہاں تک ان اوقاف کی آمدنی بھیجنا یا صرف کرنا دشوار تر ہو، یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو ان اوقاف کی آمدنی اسی نوع کے مصارف پر خرچ کیا جائے۔ مثلاً فقراء مخصوص کے لئے وقف تھا تو ان کے فقدان کی صورت میں دوسرے قریب کے فقراء پر صرف کیا جائے اور مسجد و مدرسہ کے اوقاف کو دوسرے قریب محتاج مسجد و مدرسہ پر صرف کیا جائے۔

مولانا نذر توحید مظاہری

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں ان کی آمدنی قومی ورفاہی کاموں کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہوں تو ان اوقاف کی آمدنی ان کے ہم جنس قریبی مصارف میں خرچ کرنی چاہئے۔

(قوله إلى أقرب مسجد أو رباط) لف و نشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۳/۳۷۱)۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

جن کے اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی وہ خاندان ختم ہو گیا یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے، یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ، تو ان اوقاف کی آمدنی کا مصرف یہ ہے کہ جس قسم کے اوقاف کی آمدنی ہے اس قسم کے دیگر اوقاف کے مصارف میں آمدنی کی اس رقم کو خرچ کر دیا جائے۔

جن فقراء پر وقف کی گئی تھی اب بالفعل وہ لوگ ناپید ہیں تو دوسرے فقراء پر اس رقم کو خرچ کرنا چاہئے، اگر موقوف علیہ فقراء کسی دوسرے گاؤں میں منتقل ہو گئے ہیں تو رقم اس فقراء تک پہنچانے کی سعی بلیغ کرنی چاہئے، مسجد کے انہدام کے بعد اس کی

آمدنی دوسری مسجد پر اور مدرسہ کے ختم ہو جانے پر اس کے وقف کی آمدنی دوسرے دینی مدارس اسلامیہ پر خرچ کرنی چاہئے، اراضی موقوفہ کی بیع کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، ہاں اراضی موقوفہ کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے یا مکان بنوا کر کرایہ دار کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔

عن ابن عمر أن عمر وجد مالاً بخيبر فأتى النبي ﷺ فأخبره فقال إن شئت تصدقت بها فتصدق بها في الفقراء والمساكين وذي القربى والضيف (بخاری ۱/۳۸۹، الاشباہ والنظائر ۱۰۳ تا ۱۰۹، ہدایہ ۲/۶۳۶ تا ۶۴۳، شرح وقایہ ۲/۳۵۰ تا ۳۵۵۔ قدوری ۱۳۸ تا ۱۴۰۔ الجوہرۃ النیرۃ ۲/۲۱۴ تا ۲۲۰)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی تو اس کے بارے میں آپ ﷺ سے مشورہ کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اس کی پیداوار اور آمدنی کو صدقہ قرار دیدو، چنانچہ آپ نے (آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق) اس زمین کو وقف کر دیا اور اس کی پیداوار اور آمدنی کو فقیروں، مسکینوں، قرابت داروں اور مہمانوں کی خدمت میں صدقہ قرار دیدیا۔

قال العلامه الحصكفي في الدر المختار الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه (الدر المختار مع الرد المحتار ۳/۴۰۷)۔

رباط في طريق بعيد استغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السيد الإمام أبو شجاع رحمه الله تعالى تصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر جاز (الفتاوی الخانیہ ۳/۳۱۵)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کا موقف:

اگر مسجد کا مال اس قدر جمع ہو کہ مسجد اس کی نہ فی الحال محتاج ہو اور نہ بظن غالب فی المآل، اور اس رقم کے اسی طرح جمع رہنے کی حالت میں طامعین اور تصرف متغلبین کا اندیشہ ہو تو بیشک یہ رقم موجودہ ضرورت میں جو اسلام اور مسلمین کے لئے ایک حادثہ عظمیٰ اور نائبہ کبریٰ ہے خرچ ہو سکتی ہے یعنی ترک مجروحین ویتامیٰ و بیوگان کی امداد کے لئے بھیجی جاسکتی ہے الخ (کفایت المفتی ۷/۲۷۶ تا ۲۷۸، جواب نمبر: ۲۴۰)

میری اپنی رائے بھی یہی ہے کہ دوسری محتاج مساجد و مدارس اسلامیہ و بیوگان وغیرہ پر جمع شدہ رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

مولانا محمد مصطفی قاسمی

باقی وہ اوقاف جن کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ ختم ہو گیا یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے، یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اب نہ وہ مسجد ہے نہ ہی مدرسہ۔ ایسی صورتوں میں اسی جیسے مصرف میں متذکرہ اوقاف کے مصارف کو صرف کئے جائیں گے۔

لا يجوز تغيير المصرف مع إمكان المحافظة كما لا يجوز تغيير الوقف بالبيع مع إمكان الانتفاع به (المغنی ۵/۶۳۳)

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

ایسے اوقاف جن کے مصارف ختم ہو چکے ہوں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، اور اب وہ خاندان ختم ہو گیا ہو یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے ہوں، یا مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھا لیکن اب نہ وہ مسجد ہے اور نہ مدرسہ، ان تمام صورتوں میں اوقاف کی آمدنی کا مصرف اس سے قریب جو مسجد اور مدرسہ ہے یا وہاں کے جو فقراء ہیں وہ اس کے مستحق ہوں گے، لیکن اگر وہاں کے رہنے والے اور وہاں کی مسجد اور مدرسہ اس سے مستغنی ہو تو متولی وقف کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اس آمدنی کو انہی مصارف میں دوسری جگہوں پر خرچ کرے۔ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء ولولم يسمهم هذا هو الصحيح عندنا. ولا يعطى للفقراء شيء مادام الموقوف عليه حيا فإذا مات صرف للفقراء (بحر الرائق ۱۹۸/۵)

جب وقف کے اندر کوئی جہت (مد) ایسی متعین کرے جو ختم ہو جائے تو اس کے بعد وہ فقراء کے لئے ہو جائے گا اگرچہ اس نے اس کی صراحت نہ کی ہو، اور فقراء کو اس میں سے کچھ نہیں دیا جائے گا جب تک موقوف علیہ باقی رہے، جب وہ مر جائے تو اس کو فقراء کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔

مولانا قمر الزماں ندوی

اوقاف کے مصارف ختم ہو جانے کی صورت میں آمدنی کا مصرف:

بہت سے اوقاف ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے مصارف ختم ہو چکے ہوتے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی وہ خاندان اب ختم ہو گیا یا اس خاندان کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے، یا مثلاً کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد باقی ہے اور نہ ہی مدرسہ، تو ایسے اوقاف کی آمدنی کا مصرف دوسرے فقراء ہوں گے یعنی محلہ، گاؤں اور شہر کے دیگر محتاج اور ضرورتمند لوگوں کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، چنانچہ علامہ داماد آفندی تحریر فرماتے ہیں:

وإذا انقطع المصرف صرف إلى الفقراء ولايعود إلى ملكه إن كان حيا وإلى وارثه إن كان ميتا (مجمع الانہر ۷۳۴/۱، نیز دیکھئے: شامی ۳۶۶/۳)

جب مصرف ختم ہو جائے تو فقراء کو دے دیا جائے گا، وہ نہ واقف کی ملکیت میں واپس آئے گا اگر وہ زندہ ہو اور نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث کی ملکیت میں۔

اور علامہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں:

واختلف الترجيح والأخذ بقول أبي يوسف أحوط وأسهل كما في المنح عن البحر وبه يفتى كما في الدرر و صدر الشريعة وفي الفتح انه أوجه عند المحققين (در المنتقی بہامش المجمع ۷۳۴/۱، اور دیکھئے: در مختار مع الرد ۳۶۶/۳)

ترجیح میں اختلاف ہے، تاہم امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کرنے میں زیادہ احتیاط بھی ہے اور آسانی بھی جیسا کہ منح میں بحر

سے نقل کیا ہے، درر اور صدر الشریعہ میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے، اور فتح القدیر میں ہے کہ محققین کے نزدیک یہی زیادہ مناسب ہے۔

مولانا محمد نور القاسمی

مصارف ختم ہونے کے بعد اوقاف کا مصرف:

اوقاف کے مصارف ختم ہو جائیں مثلاً جس مدرسہ یا مسجد پر وقف تھا، اب اس مدرسہ یا مسجد کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے۔ یا جن فقراء پر وقف کیا تھا وہ فقراء دنیا سے رخصت ہو گئے ہوں یا کسی دور دراز مقام پر منتقل ہو جائیں، توان اوقاف کی آمدنی کو فقراء پر صرف کیا جائے گا۔

علامہ داماد آفندی تحریر فرماتے ہیں:

وإذا انقطع المصرف صرف إلى الفقراء (مجمع الانہر ار۷۳۴)

جب مصرف ختم ہو جائے تو اس کو فقراء پر صرف کریں گے۔

لیکن فقراء جن پر وقف تھا، اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر وہ ایسی جگہ منتقل ہو جائیں جو ان کے مقام سے الگ بستی شمار ہوتی ہو، تو وہ وقف سے محروم تصور کئے جائیں گے اور اگر وہ جگہ جہاں منتقل ہو کر گئے ہیں وہ اسی بستی (سابق) میں شمار کی جاتی ہے تو وہ وقف سے محروم نہیں کئے جائیں گے۔ علامہ کردری نے اس سلسلہ میں ایک اہم جزئیہ نقل فرمایا ہے:

وقف على فقراء أقربائهم المقيمين بخوارزم فانتقلوا إلى بلد آخر إن كان مما يحصون لا تنقطع وظيفتهم وإن لا يحصون تنقطع ثم إن بقي هناك منهم أحد يصرف الكل إليه وإن لم يكن صرف الكل إلى الفقراء (البزازیہ مع الہندیہ ۶/۲۷۸)

کسی شخص نے خوارزم میں مقیم اپنے رشتہ دار فقراء پر وقف کیا، پھر وہ لوگ (فقراء) دوسرے شہر منتقل ہو گئے، تو اگر اس شہر کو لوگ اسی میں سے (خوارزم میں) شمار کرتے ہیں تو ان کا وظیفہ ختم نہیں ہو گا، اور اگر اس کو خوارزم میں شمار نہیں کرتے ہیں تو ان کا وظیفہ ختم ہو جائے گا، لیکن اگر ان میں سے ایک بھی وہاں باقی ہے تو تمام کا تمام اسی کو دیدیا جائے گا، اور اگر کوئی بھی نہیں بچا ہے تو پورا فقراء و مساکین پر صرف کیا جائے گا۔

مولانا ابرار خان ندوی

صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ ان اوقاف کی آمدنی جب کہ اسکے مصارف اب باقی نہیں رہے تو قریب کے اسی نوع کے دوسرے اوقاف پر اسکو صرف کیا جائے۔

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

وہ اوقاف جن کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کسی معین خاندان کے فقراء کے لئے خاص جاگیر وقف کی گئی تھی یا مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کی گئی تھی، اور وہ خاندان یا مسجد یا مدرسہ بالکل ختم ہو چکے ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ ان اوقاف کی آمدنی اسی نوع

کے اوقاف میں صرف کی جائے گی یعنی اگر خاص مسجد ہے تو اس کی طرف سے مستغنی ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد میں اس کی آمدنی صرف ہوگی، اسی طرح سے مدرسہ ہے تو دوسرے مدارس میں۔

وقال أبو يوسف إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وإن لم يسمهم۔

یعنی امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر وقف کرتے وقت ایسی جہت متعین کیا جو منقطع ہونے والا ہے تو اس کا وقف کرنا درست ہے، اور اس جہت کے منقطع ہو جانے کے بعد فقراء کے لئے وقف ہو جائے گا۔

وذلك مثل أن يقول جعلته صدقة موقوفة لله تعالى أبدا على ولد فلان وولد ولده ولم يذكر الفقراء ولا المسكين وذلك لأنه إذا جعلها لله فقد وقفه أبدا لأن ما يكون لله فيصرف إلى المساكين فصار كما لو ذكره.

لہذا وہ اوقاف جو کسی خاص فقراء کے خاندان کے لئے یا کسی بھی متعین شخص کے لئے وقف کئے گئے تھے جن کے مصارف اب ختم ہو چکے ہیں، ان تمام کو اسی نوع میں صرف کیا جا سکتا ہے شرعاً اس کی اجازت ہے۔

مولانا سميع الله قاسمی

وہ اوقاف جن کے معینہ مصارف ختم ہو چکے:

بہت سے اوقاف ایسے ہیں جن کے معینہ مصارف ختم ہو چکے مثلاً کوئی جاگیر کسی معین خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی وہ خاندان ختم ہو گیا۔ تو اب اس کی آمدنی اور منافع دیگر فقراء کی جانب منتقل ہو جائیں گے۔ اور ان سے ان کے حوائج و ضروریات پورے کئے جائیں گے، جیسا کہ فتح القدیر کی عبارت سے یہ چیزیں مستنبط ہو رہی ہیں:

وفي الفتح وقف على زيد ثم المساكين فرد زيد فهو للمساكين وكذا على زيد و عمر فرد أحدهما أو ظهر انه كان ميتا فنصيبه للمساكين (فتح ۵/۴۵۱)

اسی طرح اگر معین مدارس و مساجد پر وقف تھے، اور اب وہ مدارس و مساجد ختم ہو چکے تو اب ان کے منافع و آمدنی علی حسب الانواع والاجناس قریب تر مدارس و مساجد جو محتاج ہیں، پر صرف کئے جائیں گے۔

وفي البحر ولو وقف على إنسان بعينه أو عليه وأولاده أوعلى قرابته وهم يحصون أو على أمهات أولاده فمات الموقوف عليه فعلى الأول يعود إلى ورثة الواقف قال الناطقي إلى الأجناس وعليه الفتوى (بحر ۵/۲۰۳)

جیسا کہ ماسبق میں تحریر کیا جا چکا ہے اگر دیگر انواع سے اس نوع کو قریبی تعلق ہو اور غرض واقف کی پابندی ہو رہی ہو تو پھر دیگر اوقاف کی جانب منافع کے انتقال کی گنجائش ہو سکتی ہے، علماء کرام اس علت پر غور فرمالیں۔

مولانا صدر عالم

جن او قاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں تو ان او قاف کی آمدنی فقراء پر خرچ ہوگی۔

وشرط لتمامه ذكر مصرف مؤبد وقال أبو يوسف يصح بدونه وإذا انقطع صرف على الفقراء (شرح وقایہ ۲/ ۳۵۴)

مولانا عطاء الله قاسمی

مخصوص افراد پر وقف شدہ جائداد کا حکم:

جو جائدادیں یا اور دوسری چیزیں خاص خاندان یا خاص لوگوں پر وقف کی گئی ہیں تو اگر ان لوگوں میں سے جن پر وہ وقف ہیں کوئی ایک بھی زندہ ہوگا تو اس کے بقدر اس کا حصہ الگ کر کے اس کو دیا جائے گا اور جو باقی بچے گا اس کو فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہوگا، اور اگر وہ لوگ جن پر وہ وقف تھا ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے بلکہ سب فوت ہو چکے ہیں یا ان کا حال معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہیں تو پھر تمام آمدنی فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہوگا۔

ولو جعل أرضه صدقة موقوفة على عبد الله و زيد فالغلة لهما ولو ماتا كانت الغلة كلها للفقراء وإن مات أحدهما كان النصف للفقراء (ہندیہ ۲/ ۴۲۷)

اور اگر زمین کو عبد اللہ اور زید پر وقف کیا تو اس کی آمدنی دونوں کے لئے ہوگی اور اگر دونوں فوت ہو گئے ہوں تو کل آمدنی فقراء پر تقسیم کی جائے گی اور اگر ان میں کا ایک فوت ہوا ہے تو نصف حصہ فقراء کو دیا جائے گا۔

لیکن یہاں صاحب معارف السنن کی عبارت ذہن میں رہے کہ فقراء کے بجائے اگر مدرسہ قائم کیا جائے یا اشاعت علم میں صرف کیا جائے تو بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی قربت میں داخل ہے۔

مسجد پر وقف شدہ زمین کا حکم:

جو مسجد ویران اور برباد ہو چکی ہے اور حال یہ ہے کہ لوگ اس مسجد میں اب نمازیں بھی نہیں پڑھتے ہیں اور اس مسجد پر کچھ زمین وقف ہے جس سے آمدنی ہو رہی ہے تو اس آمدنی کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس آمدنی سے اسی مسجد جس پر وہ وقف ہے اس کی تعمیر میں صرف کی جائے تاکہ واقف کی غرض اس سے پوری ہوتی رہے، اس مسجد کے علاوہ اس آمدنی کو دوسرے کار خیر میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس بارے میں فقہاء فرماتے ہیں:

مسجد انهدم وقد اجتمع من غلته ما يحصل به البناء قال الخصاف لا تنفق الغلة في البناء لأن الواقف وقف على مرمتها ولم يأمر بأن يبنى هذا المسجد والفتوىٰ على انه يجوز البناء بتلك الغلة (خانیہ علی الہندیہ ۳/ ۲۹۲)۔

جو مسجد منہدم ہو جائے اور اتنا غلہ (آمدنی) موجود ہو کہ جس کے ذریعہ اس مسجد کی تعمیر ہو سکے تو خصافؒ یہ کہتے ہیں کہ وہ آمدنی تعمیر میں صرف نہیں کی جائے گی کیونکہ واقف نے مسجد کی مرمت وغیرہ کے لئے وقف کیا ہے اور اس نے اس آمدنی سے مسجد کی تعمیر کا حکم نہیں دیا، اور فتویٰ یہ ہے کہ اس آمدنی سے مسجد کی تعمیر جائز ہے۔

اس عبارت سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ اگر مسجد پر کوئی جگہ وقف ہے اور واقف نے اس لئے وقف کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس مسجد کی مرمت وغیرہ ہوتی رہے تو اس کے ذریعہ تعمیر کی جائے گی، لیکن اگر تعمیر کسی وجہ سے متعذر ہو، مثلاً اب وہاں مسلمان نہیں رہتے ہیں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کی آبادی میں وہ آمدنی اسی مصرف میں صرف کی جائے گی دوسرے کاموں میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ قاضی یا حاکم کی اجازت سے ہو، مگر اس ملک میں علماء اور مفتیان کی اجازت سے بھی منتقل کی جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ دارالاسلام نہیں ہے۔

وعن الثاني ينقل إلى مسجد آخر باذن القاضي (در مختار ۳/۴۰۷)

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ دوسری مسجد میں منتقل کی جائے قاضی کی اجازت سے۔

مولانا اسعد الله قاسمی

جس وقف کا مصرف ختم ہو جائے:

اگر کسی وقف کا مصرف ختم ہو جائے مثلاً کوئی جائداد کسی مدرسہ پر وقف ہو اور اب وہ مدرسہ باقی نہیں رہا تو ایسے وقف کی آمدنی اسی نوع کے اوقاف جو دوسری جگہ واقع ہیں پھیر دیا جائے گا، اس پر علامہ شامی کی یہ عبارت دال ہے:

فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه وفي الرد لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۶/۵۴۹)

مسجد، خانقاہ، کنواں اور حوض کے وقف کو قریبی مسجد، خانقاہ، یا کنواں، یا حوض کی طرف پھیرنا جائز ہے، شامی میں ہے کہ یہ لف ونشر مرتب ہے اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ منہدم مسجد کو حوض یا حوض کو مسجد کی طرف لوٹانا جائز نہیں ہوگا۔

مسلک مالکی:

امام مالکؒ کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کسی وقف کا مصرف ختم ہو جائے تو اس کی آمدنی کو اسی نوع کے اوقاف میں استعمال کیا جائے گا، چنانچہ ابو البرکات "الدردیر" میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے کچھ کتابیں کسی متعین مدرسہ پر وقف کیں اور اب وہ مدرسہ باقی نہیں رہا کہ وہاں کے لوگ اس سے استفادہ کر سکیں تو اسے دوسرے مدرسہ کو دیدیا جائے گا۔

أما كتب العلم إذا وقفت على من لا ينتفع بها كأمي أو امرأة فإنها لا تباع وإنها تنقل لمحل ينتفع بها فيه كالكتب الموقوفة بمدرسة معينة فتخرب تلك المدرسة و تصير الكتب لا ينتفع بها فإنها تنقل لمدرسة أخرى ولا تباع (الشرح الكبير ۴/۹۱)

بہر حال علم کی کتابیں جب وقف کی جائیں اس شخص پر جو اس سے فائدہ نہ اٹھائے جیسے ان پڑھ یا کسی عورت پر تو اس کو فروخت نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو ایسی جگہ منتقل کیا جائے گا جو اس سے فائدہ اٹھا سکے، چنانچہ اگر کتابیں کسی متعین مدرسہ پر وقف کی جائیں اور وہ مدرسہ ویران ہو جائے اور ان کتابوں سے فائدہ اٹھانے والا نہ ہو تو اس کو دوسرے مدرسہ کی طرف منتقل کر دیا جائے گا لیکن فروخت نہیں کیا جائے گا۔

مسلک حنبلی:

امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی وقف کا مصرف ختم ہو جائے تو اس کو فقراء و مساکین کی طرف منتقل کر دیا جائے گا، چنانچہ ابن قدامہ رقم طراز ہیں:

ولأنه مال الله تعالى لم يبق له مصرف فصرف إلى المساكين كالوقف المنقطع (المغنی ۳۷۱/۵)

مولانا محمد ارشد قاسمی

وقف کے بعض حصہ کو فروخت کر کے بقیہ کی تعمیر

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مولانا عتیق احمد قاسمی	مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی	مولانا عبد الجلیل قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی	مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی	مولانا شمس پیرزادہ
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی	مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا ابوسفیان مفتاحی	مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی	مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا سلطان احمد اصلاحی	مولانا مفتی محمد حنیف
مولانا محمد رضوان قاسمی	مفتی شیر علی گجراتی
مولانا محمد ارشاد القاسمی	مولانا ایوب ندوی
مولانا ابوبکر قاسمی	مولانا عبد القیوم پالنپوری
مولانا تنویر عالم قاسمی	مفتی عبد الرحیم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری	ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا عبد اللطیف پالنپوری	مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی	مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا محمد نور القاسمی	مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی	مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی	مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی	مولانا محمد ارشد قاسمی

وقف کے بعض حصہ کو فروخت کر کے بقیہ کی تعمیر

سوال۔الف: بعض اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں، اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے۔ اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کر دے کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی، جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا، اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے، کیا شرعاً ایسا معاملہ درست ہے۔ اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں، اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے۔ اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے اگر کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کر لیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

ب: اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے، وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کی جا سکتی ہے، جب کہ اس کا مقصد وقف کی حفاظت ہے اور اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے؟

جوابات

الف۔ جب اس عمارت و زمین سے انتفاع کی کوئی مناسب صورت نہ بن سکے مثلاً یہ کہ زمین کو کرایہ پر دیدیا جائے یہ بھی انتفاع ہے، تو ایسا معاملہ کرنے کی گنجائش سمجھ میں آتی ہے کہ کوئی بلڈر تعمیر کر کے انتفاع کی شکل پیدا کر دے اور وقف کی عمارت سے ہی اپنا معاوضہ حاصل کر لے، اس کے لئے صورت معاملہ اس طرح کی اختیار کی جائے کہ بتدریج زمین و عمارت سے بلڈر کا تعلق ختم ہو جائے، بجائے ایک دو منزل کی مستقل ملکیت کے وہ اپنا معاوضہ طے کر لے جس کو عمارت کی تیاری کے بعد اس کی آمدنی سے یکمشت یا بتدریج لے لے۔

اس انداز کے بعض نظائر کا تذکرہ اس سے پہلے گذر چکا ہے ضرورۃً ان صورتوں کو گوارا کیا گیا ہے۔ اگر بلڈر اپنے کام کے عوض طویل اجارہ کا خواہشمند ہو، معمولی اجرت و کرایہ پر تو ان صورتوں کے مطابق اس کو بھی گوارا کیا جا سکتا ہے۔

ب۔ وقف کی آبادی کے لئے اس کے کسی حصہ کو فروخت کرنا، وقف کی اصلاح نہیں بلکہ اہلاک ہے، اس لئے اس کی اجازت یا اس انداز کی کسی چیز کی صراحت فقہ حنفی کی کتابوں اور علماء سے نہیں مل سکی، البتہ امام احمد سے اس کی اجازت ضرورت پر منقول ہے۔

جہاں واقعی ضرورت ہو اور کوئی حل نہ نکلے، اور اوپر جو صورت ذکر کی گئی ہے اس طرح کا بھی کوئی معاملہ نہ ہو سکے تو اس صورت کو محض وقف کی حفاظت وبقا اور باز آبادکاری کی نیت سے اختیار کیا جاسکتا ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

کچھ عمارت کے بدلہ نئی عمارت کی تعمیر:

الف۔ وقف کی مخدوش عمارت کی تعمیر نو کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ عمارت کا کچھ حصہ تعمیر کنندہ لے لے اور بقیہ مقصد وقف میں استعمال ہو، کیوں کہ اس میں وقف کا تحفظ اور مقصد وقف کی تکمیل ہی مقصود ہے، فقہاء کے یہاں اس طرح کی بہت سی صراحتیں موجود ہیں، کہ وقف کو کارآمد بنانے کے لئے اس کے کچھ حصے کو کرایہ پر لگانا، اس کے ملبہ کو فروخت کرنا بلکہ خود اس زمین کو فروخت کرنا درست ہے، فتاویٰ بزازیہ میں اس بات کو بڑی صراحت ووضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے:

بيع عقار المسجد لمصلحة لا يجوز وان بأمر القاضي وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز (فتاویٰ بزازیہ ۲۸۱/۶)

نیز فقہاء حنابلہ میں علامہ ابن قدامہ کا بیان ہے:

فلم تمكن عمارته ولا عمارة بعضه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته (المغنی ۳۶۸/۵)

ب: یہی حکم اس صورت کا بھی ہے جب عمارت کے بجائے خود زمین کا کچھ حصہ تعمیر نو کے لئے فروخت کرنا پڑے، البتہ اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ مسجد کی تعمیر نو میں خاص اس جگہ میں سے کوئی حصہ فروخت نہ کیا جائے جسے نماز کی ادائیگی کے لئے مخصوص کیا گیا تھا اور جو مسجد کے حکم میں داخل ہو گیا تھا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

الف۔ سوال میں مذکور صورت معاملہ درست ہے لیکن ایسا انتہائی مجبوری میں کیا جاسکتا ہے پہلے کوشش کی جائے کہ بلڈر کو ایک دو منزلیں بہ طور ملک نہیں بلکہ بطور اجارہ دی جائیں۔

ب: یہ صورت معاملہ بھی درست ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

الف۔ کسی بلڈر سے اس شرط پر مکان بنوانا کہ اس کی ایک منزل یا دو منزل اس کی ہوگی:

اگر وقف کی عمارت مخدوش حالت میں ہے، اور وقف کے پاس اس کی تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے، اسی طرح وقف کی کوئی زمین ہے، جس پر کوئی عمارت نہیں ہے اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے، اور کوئی بلڈر مخدوش عمارت کو ڈھاکر نئے سرے سے یا خالی زمین پر چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کرنے کے لئے تیار ہے کہ ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی، جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوگا، اور بقیہ منزلیں وقف کے مصارف کے لئے ہوں گی، تو چونکہ اس صورت میں وقف کو کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے، اور اس میں منشاء واقف اور مقاصد وقف کا تحفظ وبقا بھی ہے۔ اس لئے میرے خیال سے اس صورت کو جائز ہونا چاہئے اس طرح کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کا خاص خیال رکھا جائے کہ نیچے کی منزل وقف رہے، وہ بلڈر کی ملک نہ قرار دی جائے۔ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔

ب۔ موقوف زمین کے کسی حصہ کو فروخت کرکے اس کی قیمت تعمیرات میں لگانا:

جب وقف تام ومکمل ہو جائے تو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت کسی مصرف پر صرف کرنا اور وقف کو وقفیت سے نکال دینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ شئ موقوف کی وقفیت کو باقی رکھنا خواہ اصلی حالت میں ہو یا اس کی جگہ پر اسی نوع کی دوسری شئ خرید کر ہو ضروری ہے۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں موقوفہ زمین وجائداد کے کسی حصہ کو فروخت کرکے اس کی قیمت مخدوش عمارت کی نئی تعمیر یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے یا نئی مسجد کی تعمیر پر صرف نہیں کرسکتے ہیں۔ شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی اس سے احتراز لازم ہے۔

علامہ ابن نجیم البحر الرائق میں خلاصہ اور فتاوی نسفی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

"بیع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا یجوز وإن کان بأمر القاضی وإن کان خرابا" (البحر الرائق ۵/ ۲۲۳)

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

الف۔ اوقاف کی عمارتیں مخدوش ہوں یا محض کوئی خالی زمین ہو اس پر کسی قسم کی کوئی عمارت ہی نہ ہو، اب اس مخدوش عمارت کو ڈھاکر یا خالی زمین پر چند منزلہ نئی عمارت کی تعمیر کی جائے تاکہ منفعت بڑھ جائے، یہ فی نفسہ جائز ہے، کما مرّ۔

لیکن سوال یہ ہے کہ متولی وقیم کے پاس خود وقف کا اتنا سرمایہ نہیں جس سے عمارت کی تعمیر کی جاسکے اس لئے وہ کسی بلڈر سے معاہدہ کرے جس میں یہ طے پائے کہ وہ بلڈر اپنے ذاتی سرمایہ سے چند منزلہ عمارت بنائے اور اس کے بدلے میں عمارت کی ایک یا دو منزل بلڈر کی ملکیت ہوگی اس میں اس کو ہر قسم کے تصرفات کا حق ہوگا اور بقیہ دیگر منزلیں مصارف وقف کے لئے ہوں گی، تو کیا شرعاً ایسا معاملہ درست ہوگا؟

جہاں تک میں نے غور کیا ہم کو یہی سمجھ میں آیا کہ ہمیشہ کے لئے ایک دو منزل کی مالکانہ حیثیت بلڈر کو دے دینا کسی توجیہ سے درست نہیں ہے، ہاں اگر تحدید اور مدت کی تعیین کردی جائے کہ اتنی مدت تک یہ ایک یا دو منزل تمہارے آزادانہ تصرف وقبضہ

میں رہے گی تم اس سے ہر قسم کا نفع اٹھا سکتے ہو صرف فروخت نہیں کر سکتے ہو، اور اس مدت کے بعد تم کو دست بردار ہونا پڑے گا، تو ایک توجیہ کے تحت یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے۔

اور وہ توجیہ یہ ہوگی کہ متولی کی اجازت سے چونکہ بلڈر نے تعمیر عمارت کے مصارف اپنی ذاتی رقم سے پورے کئے ہیں اس لئے شرعاً اپنے صرف کردہ رقم کے بقدر رجوع و مطالبہ کا حق اس کو ملے گا، اب چونکہ متولی کے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ وہ یکمشت ادا کردے اس لئے وہ یہ صورت اختیار کر رہا ہے کہ جتنی مدت میں اس ایک یا دو منزل سے بشکل کرایہ وغیرہ بلڈر کی صرف رقم پوری ہو جائے گی اتنی مدت تک کے لئے اسے بلڈر کے تصرف وقبضہ میں چھوڑ دیا جائے اس دوران وہ اس سے جس طرح چاہے نفع حاصل کرے لیکن مدت گذر جانے پر اس سے دست بردار ہونا ہوگا، یہ دراصل بلڈر کے حق یعنی تعمیر کے اخراجات کی ادائیگی کی ایک صورت ہوگی اور بس۔

یہاں یہ بات جو تقریباً مسلمہ ہے ضرور مستحضر رہے کہ زمین کے تابع ہو کر عمارات بھی وقف ہوا کرتے ہیں، اور فقہاء کی صراحت ہے:

إن لم يكن متولياً فإن بنى بإذن المتولي ليرجع فهو وقف وإلا فإن بنى للوقف فوقف وإن لنفسه أو أطلق فله رفعه إن لم يضر (شامی ۳/۴۲۹) وإن أضر فهو المضيع ماله فليتربص إلى خلاصه (الاشباہ والنظائر ۱۹۳)

بہر حال جب اذن متولی سے وہ بلڈر زمین موقوفہ پر تعمیر عمارت کرے گا تو وہ عمارت وقف ہی ہوگی اس لئے "لایباع ولایوھب" کا حکم رہے گا، زیادہ سے زیادہ وہ اپنی رقم کے مطالبہ ورجوع کا حق رکھے گا، اور اگر بلا اذن متولی کے کوئی ارض موقوف پر تعمیر کرے گا تو وہ اس کی نیت کے مطابق وقف اور ذاتی بھی ہو سکتی ہے، مگر ذاتی ہونے کی صورت میں بلا ضرر وقف تعمیر کا رفع ممکن ہو تو خیر، ورنہ وہ اپنے مال کا برباد کرنے والا بھی قرار دیا جا سکتا ہے كما تدل عليه الرواية السابقة۔

ب۔ کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے، یا وقف شدہ خالی زمین پر عمارت بنانے کے لئے یا محتاج تعمیر کی جدید تعمیر کے لئے وقف زمین وجائداد کا کچھ حصہ فروخت کر کے تعمیری کام کیا جا سکتا ہے، شرعاً اس کی گنجائش ہے، مگر شرط یہ ہے کہ ان تعمیرات کا اصل مقصد ومحرک محض ان اوقاف کی حفاظت ہو اور اس کی کوئی سبیل بجز فروختگی وتعمیر کے متصور نہ ہو۔

یہاں ایک خفیف سا شبہ مسجد کی تعمیر کے لئے اس پر وقف زمین کی فروختگی کے متعلق یہ ہو سکتا ہے کہ واقف کا مقصد مسجد پر زمین وقف کرنے سے عموماً یہی ہوتا ہے کہ اس زمین کو باقی رکھ کر اس کی آمدنی سے مسجد کی ضروریات پوری کی جاتی رہے اور فروختگی سے یہ مقصد بظاہر فوت ہوتا ہوا معلوم پڑتا ہے، مگر اس شبہ کا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اگر مسجد پر وقف زمین کلاً یا جزءاً خود خطرہ میں ہو اور اس کی حفاظت اور اس سے انتفاع بجز فروختگی کے ممکن نہ ہو تب تو یہ جائز اس لئے کہا جائے گا کہ دوسرا استبدال وقف بشکل مسجد قائم کیا گیا، اور اگر خود یہ زمین خطرہ میں نہ ہو مگر محتاج تعمیر مسجد کی حفاظت وبقاء بلا تعمیر جدید کے ممکن نہ ہو اور کوئی دوسرا راستہ تعمیر کا سامنے نہ ہو تو گرچہ یہ زمین بظاہر اس مسجد کے مصالح وضروریات کے لئے وقف ہے مگر چونکہ عمارت مسجد اور

مصالح مسجد ایک ہی درجہ میں ہیں، کما قالت الفقهاء : الوقف على عمارة المسجد و مصالح المسجد سواء "اس لئے اگر اس کی آمدنی سے تعمیر مسجد ممکن نہ ہو تو اس کی فروختگی بھی انشاء اللہ واقف کے منشاء و مقصد اور غرض کے خلاف نہ ہو گی، واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

الف۔ اگر وقف کی عمارت مخدوش ہو اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہ ہو اور کوئی شخص مخدوش عمارت کی جگہ نئی عمارت کی تعمیر کے لئے تیار ہے اس شرط کے ساتھ کہ ایک یا دو منزل اسکی ملکیت ہو گی یا کوئی خالی زمین ہے اس سے انتفاع ممکن نہیں ہے اور مذکورہ شرط پر کوئی شخص عمارت بنانے کے لئے آمادہ ہے تو میرے خیال میں اس شرط کے ساتھ اسکی اجازت دی جانی چاہئے کہ وہ شخص وقف کے مکان پر جتنا سرمایہ خرچ کر رہا ہے اس سے بہت زیادہ قیمت اس منزل کی نہ ہو جو اسکی ملکیت قرار دی جارہی ہے۔

ب۔ وقف شدہ اراضی کو فروخت کر کے مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا جس سے اسکی آمدنی ختم ہو جائے جائز نہیں۔

بيع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا يجوز و إن كان بأمر القاضي و إن كان خرابا (البحر الرائق ۵/ ۲۲۳)

البتہ اگر وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے وقف کے پاس سرمایہ نہیں ہے اور اس سے آمدنی حاصل کرنے اور اسکی حفاظت کا کوئی ذریعہ اس کے سوا نہیں ہے کہ اس کے ایک حصہ کو فروخت کر کے باقی حصہ کو محفوظ و قابل انتفاع بنایا جائے تو میرے خیال میں اسکی اجازت دی جانی چاہئے تاکہ وقف محفوظ بھی رہے اور اس سے آمدنی بھی حاصل ہو جو منشاء واقف کے مطابق خرچ ہو۔

وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز (منحة الخالق على البحر ۵/ ۲۲۷)

مولانا عبد الجلیل قاسمی

الف۔ بلڈر اور ٹھیکیدار سے تعمیر کرا کے بعض حصہ اسکو دیدینا:

بلڈر اور ٹھیکیدار کے ہاتھ اس طرح سودا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے کہ تعمیر کے بعد دو ایک منزل ٹھیکیدار کی ملکیت میں منتقل ہو جائے، اس لئے کہ اس میں اصل وقف کا جز فروخت کرنا لازم آتا ہے، اور خدا کی ملکیت کو ختم کر کے بندہ کی ملکیت میں دینا لازم آتا ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس میں وقف کی حفاظت ہے بلکہ بعض اجزاء کو ہلاک کرنا ہے، ہاں البتہ کلی طور پر انتفاع ختم ہو جانے کی صورت میں تبادلہ کر کے کار آمد متبادل زمین یا عمارت حاصل کرنے کی اجازت ہو سکتی ہے جس کی تفصیل ویران اوقاف کے تحت گذر چکی ہے۔

یہ مسئلہ فقہاء کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

فإذا تم ولزم لايملك ولايملك ولا يعار ولا يرهن، وتحته في الشامية، لا يكون مملوكا لصاحبه ولايملك اى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه (در مختار ۳۵۲/۴)

لہٰذا جب وقف تام ہو کر لازم ہو جائے تو نہ کوئی مالک ہو سکتا ہے اور نہ کسی کو مالک بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی عاریت یا بطور رہن دیا جا سکتا ہے۔ اور شامی میں ہے، نہ واقف کی ملکیت ہو سکتی ہے اور نہ ہی غیر کو بیع وغیرہ کے ذریعہ سے مالک بنانے کی اس میں صلاحیت ہے، اس کی ملکیت سے خارج ہونے کی وجہ سے دوسرے کو مالک بنانا محال ہو چکا ہے۔

ب۔ وقف کے بعض حصہ کو فروخت کر کے بقیہ کی تعمیر:

اگر وقف کی عمارت مخدوش ہو گئی ہے اور اس کے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے تو بعض حصوں کو فروخت کر کے بقیہ کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ہے وقف کی ملکیت کہ جس کو وقف کی ترقیاتی اسکیم کے لئے خریدی گئی تھی یا کسی نے ترقی کے لئے ملکیت میں دے دیا ہے تو ایسی ملکیت میں سے فروخت کر کے اصل وقف کی تعمیر میں لگانا جائز ہے، دوسرا ہے نفس وقف، یعنی شئ موقوف اور اس کے اجزاء تو تعمیر اور ترقی کے لئے اصل وقف کا کوئی جز فروخت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ موجودہ متولی سے کوئی کام نہیں ہو رہا ہے تو اس کو معزول کر کے دوسرے فعال شخص کا انتخاب لازم ہوگا، مگر وقف کا کوئی جز فروخت نہ ہوگا۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك (تاتارخانیہ ۷۴۸/۵)

اور جب وقف کی زمین ویران ہو جائے اور ذمہ دار اس میں سے بعض کو فروخت کر کے اس کے پیسے سے بقیہ کی تعمیر کا ارادہ کرے تو اس کے لئے یہ عمل جائز نہیں ہے۔

البتہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ان سب امور کی اجازت ہے جس پر سعودیہ وغیرہ میں عمل ہو چکا ہے مگر ہمارے لئے نہ اس کا اختیار کرنا مناسب ہے اور نہ ہی حنفیہ کے مسلک کو چھوڑنے کی گنجائش ہے۔ اس کی تفصیل اعلاء السنن (۲۰۸/۱۳) میں موجود ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

الف۔ بلڈر سے اوقاف کی زمین پر اس شرط کے ساتھ مکان تعمیر کرانا کہ مکان کی ایک یا دو منزل اس کی ہو گی:

اگر کسی وقف کی عمارت خستہ اور مخدوش حالت میں ہو، وقف کے پاس اس کی از سر نو تعمیر کے لئے ضروری سرمایہ نہیں ہے، یا وقف کی کوئی زمین ہے جس پر مکان تعمیر نہیں ہے اور اس زمین سے پیداوار بھی نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی اور صورت ممکن ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی بلڈر وقف کی مخدوش عمارت کو منہدم کر کے تعمیر جدید یا خالی زمین پر اپنے مصارف سے عمارت بنانے کے لئے اس شرط پر آمادہ ہو جائے کہ تعمیر شدہ مکان کی ایک یا دو منزل اس کی ذاتی ملکیت قرار پائے گی جس میں اسے ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہو گا، اور بقیہ منزلیں مصارف وقف کے لئے ہوں گی، تو چونکہ ایسی صورت میں وقف موجودہ

پوزیشن میں کسی بھی طرح قابل انتفاع نہیں ہے اس لئے اسے قابل انتفاع بنانے کے لئے بلڈر سے اس قسم کا کوئی معاملہ کیا جاتا ہے تو شرعاً وہ درست اور جائز قرار پائے گا، اس طرح کا معاملہ مقصد وقف اور منشاء واقف کے عین مطابق ہے، اور مقاصد وقف کا اس میں تحفظ بھی ہے، اس لئے میرے نزدیک معاملہ کی یہ صورت درست ہے، البتہ اس کا خیال رکھا جائے کہ مکان کے نیچے کی منزل ہر حال میں وقف ہی رہے، اسے بلڈر کی ملکیت قرار نہ دیا جائے۔

ب۔ ارض موقوفہ کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت تعمیرات میں صرف کرنا:

وقف کے تام و مکمل اور لازم ہو جانے کے بعد اس کی فروختگی اور اس کا ہبہ درست نہیں ہے ارض موقوفہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو تعمیرات میں لگانا، اور وقف کو اس کی واقفیت سے نکال دینا درست نہیں ہے۔ شئ موقوفہ کی وقفیت کو اپنی اصلی حالت میں یا اس کی جگہ پر اسی نوع کی دوسری چیز خرید کر کے وقف کی وقفیت کو باقی رکھنا ضروری ہے۔ لہذا صورت مسئولہ میں ارض موقوفہ کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو مخدوش عمارت کی تعمیر جدید یا نئی مسجد کی تعمیر یا خالی زمین پر عمارت بنوانے یا نئی مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا شرعاً درست نہیں ہو گا، اس سے اجتناب لازم و ضروری ہو گا۔ علامہ ابن نجیم نے تحریر کیا ہے:

"بیع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا یجوز وإن کان بأمر القاضی وإن کان خرابا" (البحر الرائق ۵ر ۲۲۳)

مفتی نسیم احمد قاسمی

الف۔ اوقاف کی عمارتیں اگر مخدوش ہوں تو ان کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کے لئے اوقاف کے کسی حصہ کو تعمیر کے عوض میں بلڈر کو دینا، وقف کے بعض حصوں کو فروخت کرنا ہے جو اکثر فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ذخیرہ کے حوالہ سے اس قسم کا صریح جزئیہ موجود ہے:

وإذا خربت أرض الوقف وأراد القیم أن یبیع بعضها لیرمّ الباقی بثمن ما باع لیس له ذلك فإن باع القیم شیئا من البناء لم ینهدم لیهدم أو نخلة حیة لتقطع فالبیع باطل (فتاوی ہندیہ ۲ر ۴۱۷)

لیکن اگر مخدوش عمارت کے ضائع ہو جانے اور گر جانے کا قوی اندیشہ ہو اور آئندہ مستقبل میں وقف میں اس کی گنجائش نظر نہ آتی ہو کہ اس کی مرمت یا تعمیر ہو سکے تو قاضی شریعت یا ان کے قائم مقام جماعت المسلمین اس عمارت کو بلڈر کے ذریعہ تعمیر کرانے اور کچھ حصے کو بلڈر کے دینے ہی میں بہتر سمجھتی ہو اور اس سے وقف کا فائدہ ہی ہو تو پھر اس کی گنجائش ہو گی۔

خلاصہ یہ کہ مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے عمارت بنوانے کے لئے وقف ہی کے کچھ حصہ کو بلڈر کو عوض میں دینے کی عام اجازت نہ ہو گی۔ بعض مخصوص حالات میں صرف قاضی یا ان کے قائم مقام جماعت المسلمین کو یہ اجازت حاصل ہو گی۔ لیکن وقف کی مصلحت کے پیش نظر ہو گی، عموماً اجازت نہ ہو گی۔

ب۔ اگر وقف کی حفاظت اسکے بغیر ممکن نہ ہو تو وقف شدہ زمین میں سے کچھ زمین کو فروخت کر کے وقف کی حفاظت کرنے کی گنجائش ہوگی۔

مولانا ظفر عالم ندوی

الف۔ اوقاف کے مقاصد کو ممکن حد تک پورا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ مخدوش عمارتوں کو اگر ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ڈھیر ہو جائیں گی اور اوقاف کا زبردست نقصان ہوگا۔ اس نقصان سے بچانے کے لئے بلڈر کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا کہ وہ اپنے خرچہ پر عمارت تعمیر کر دے اور اس کے ایک دو منزل اپنے لئے رکھ لے جائز ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم

ب۔ جی ہاں اس صورت میں جائز ہوگا۔

مولانا شمس پیرزادہ

الف۔ موقوفہ عمارتیں جو بوسیدہ اور مخدوش حالات میں پڑی ہوئی ہیں انہیں گرا کر، اور اسی طرح وہ موقوفہ خالی زمینیں جن سے انتفاع کی کوئی صورت نہ ہو ان پر ایسی نئی عمارتوں کی تعمیر جس سے ان اوقاف کی آمدنی اور استعمال بڑھ جائے اور وہ اپنے مقاصد کو بطریق احسن پورا کر سکیں نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہوگا، بہتر ہوگا کہ اس کے لئے فنڈ کی کوئی صورت پیدا کی جائے، مثلاً چندے اور عطیات یا قرض کے ذریعہ، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ایسے بلڈرز سے معاہدہ کیا جا سکتا ہے جو اپنے سرمایہ سے اسے تعمیر کرے مگر اس عمارت کے کچھ حصوں کو اس کی مستقل ملکیت میں دینے کے بجائے اس کے دھیرے دھیرے انخلاء کا معاہدہ ہو، اسلامی معاشیات کے کچھ ماہرین نے اسی طرح کے مشورے دیئے ہیں اور بعض اسلامی ملکوں میں اس کا تجربہ بھی ہو رہا ہے۔

ب۔ جب وقف کی حفاظت ممکن نہ ہو تو پورے کو فروخت کر کے اس کا متبادل قائم کیا جا سکتا ہے، تو اگر اس کے کسی چھوٹے سے حصے کو نکالنے سے بقیہ بڑا حصہ محفوظ و کار آمد ہو جائے تو اس کی اجازت ہونی چاہئے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

الف۔ دونوں صورتوں میں بیع درست نہیں، البتہ ایک دو منزل بلکہ پوری عمارت ہی اسی بلڈر کو کرایہ پر دی جا سکتی ہے، جو اس نے خرچ کیا ہے، کرایہ اسی سے وضع ہو۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضاً منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك (ردالمحتار ۳۲۶/۳)

جب وقف کی زمین ڈھہ جائے اور متولی چاہے کہ اس کا کچھ حصہ فروخت کر کے اسی پیسے سے باقی کی مرمت کرے، تو متولی کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی کتاب میں ہے:

شجرة جوز فی دار وقف فخربت الدار لم یبع القیم الشجرة لأجل عمارة الوقف لکن یکری الدار و یعمرها و یستعین بالجوز علی العمارة لا بنفس الشجرة ، کذا فی السراجیة (فتاوی عالمگیری ۲/۴۱۷)

اخروٹ کا درخت جو وقف کے مکان میں ہو، مکان ڈھہ گیا، تو متولی وقف کو تعمیر کرنے کے لئے درخت کو نہ بیچے، بلکہ مکان کو کرایہ پر دے اور کرایہ کے پیسے سے اس کی تعمیر کرائے اور اخروٹ کی قیمت سے بھی تعمیر میں مدد لے، لیکن بذات خود اخروٹ کے درخت کو نہ فروخت کرے، ایسے ہی سراجیہ میں ہے۔

ب۔ اس کا جواب اوپر گذر چکا ہے، بیع کے بجائے اجارہ و کرایہ کی صورت اختیار کی جائے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار ۳/۴۰۶-۴۱۹)

لیکن اگر وقف کی حفاظت، وقف شدہ زمین وجائداد کا کچھ حصہ فروخت کئے بغیر ممکن ہی نہ ہو، جیسا کہ سوال میں درج ہے، تو موقع ضرورت میں حنابلہ کے اس قول پر غور کیا جاسکتا ہے:

إن الوقف إذا خرب و تعطلت منافعه کدار انهدمت أو أرض خربت و عادت مواتاً ولم تمکن عمارتها أو مسجد انتقل أهل القریة عنه و صار فی موضع لا یصلی فیه أو ضاق بأهله ولم یمکن توسیعه فی موضعه أو تشعب جمیعه فلم تمکن عمارته ولا عمارة بعضه إلا ببیع بعضه جاز بیع بعضه لتعمر به بقیته ولم یمکن الانتفاع بشئ منه بیع جمیعه (المغنی والشرح الکبیر ۶/۲۲۵، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/۲۲۶)

وقف ویران ہو گیا اور اس کے منافع معطل ہو گئے، مثلاً ایک گھر تھا جو منہدم ہو گیا، یا زمین تھی ویران ہو کر بالکل ناقابل استعمال ہو گئی اور اس کی تعمیر ممکن نہیں ہے، یا کوئی مسجد تھی، بستی والے وہاں سے منتقل ہو گئے اور وہ ایسی جگہ میں ہو گئی کہ اس میں نماز نہیں پڑھی جاتی، یا مسجد محلہ والوں پر تنگ ہو گئی اور اس جگہ میں اس کی توسیع ممکن نہیں، یا سب لوگ وہاں سے منتشر ہو گئے پس اس کی پوری تعمیر یا بعض تعمیر، اس کے بعض حصہ کو فروخت کئے بغیر ممکن نہیں، لہذا اس کے بعض حصہ کی بیع جائز ہو گی تاکہ اس کا بقیہ حصہ تعمیر کیا جائے اور اگر اس سے کچھ بھی انتفاع ممکن نہ ہو تو پورے حصے کو فروخت کر دیا جائے گا۔

مولانا جمیل احمد نذیری

الف۔ صورت مسئولہ میں جب کہ اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ بھی نہیں ہے کہ تعمیر کرائی جاسکے اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہو اکہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے

مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کردے کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی، جس میں اسکو ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوگا، اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے تو شرعاً ایسا معاملہ درست نہیں ہے، کیونکہ وقف پر کسی کی ملکیت نہیں ہوتی شرعاً۔

فإذا صح الوقف لايملك ولا يملك (۲/ ۳۵۴) یعنی وقف واقف کا مملوک نہیں ہوتا، اور وقف کا بیع وغیرہ کے ذریعے کسی کو مالک نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ وہ قابل تملیک نہیں ہوتا، لہذا اس کی خرید وفروخت اور ھبہ کرنا جائز نہیں ہوگا، اور کسی کو وارث بھی نہیں بنایا جاسکتا۔ پھر لکھتے ہیں:

اعلم أن بعض المتأخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي والأصح أنه لا يجوز البيع فإن الوقف بعد الصحة لا يقبل الملك كالحر لا يقبل الرقية وقد شاهدنا فيه مثل ما شاهدنا في الاستبدال (۲/ ۳۵۴) یعنی وقف کی بیع جائز نہیں، نہ بعض کی نہ کل کی، کیونکہ وقف صحت کے بعد ملکیت کو قبول نہیں کرتا۔ اور عمدۃ الرعایہ میں ہے:

فلا يجوز بيعه ولا تمليكه بوجه من الوجوه وان تشتمل على منافع۔ یعنی وقف کی بیع وتملیک کسی طرح بھی جائز نہیں ہے اگرچہ وہ فوائد ومنافع پر مشتمل ہو، لہذا بلڈر کی یہ شرط لگانا کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی جس میں اسکو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا، جائز نہیں ہے بلکہ باطل ہے، اور اس شرط کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں ہوگا، ہاں ثواب کے لئے تبرع کردے تو قابل مبارکباد ہوگا، اسی طرح اس وقف کی زمین کا بھی حکم ہوگا جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں ہے، اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے تو اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کیا جانا شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں وہ بنیت ثواب بنوادے تو مستحق اجر وثواب ہوگا اور ملکیت کی نیت سے بنوانا جائز نہیں ہے، کیونکہ وقف میں تملیک جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم...

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں بلڈر سے ایسا معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، نہ مخدوش عمارتوں کی تعمیر کی وجہ سے نہ زمین سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے، ہاں بنیت ثواب بنوادے تو مستحق اجر وثواب ہوگا۔ واللہ اعلم

الف۔ صورت مسئولہ میں کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے نئی تعمیر کی جاسکتی ہے، ایسا کرنا جائز ہے، اور چونکہ اس فروختگی کا مقصد محض وقف کی حفاظت ہی ہے اور فروختگی کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے، چنانچہ شرح وقایہ میں ہے (۲/ ۳۵۴) اعلم أن بعض المتاخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي۔ یعنی متاخرین رحمہم اللہ نے وقف شدہ زمین وجائداد کے کسی حصہ کو فروخت کر کے باقی کی تعمیر کے لئے جائز رکھا ہے۔ گو کہ صاحب شرح وقایہؒ نے اس بیع کے ناجائز ہونے کو اصح کہا ہے لیکن صورت مسئولہ میں متاخرینؒ کا قول انفع للوقف ہے، اور اوقاف میں انفع ہی کا لحاظ رکھا جاتا ہے، لہذا زیر بحث مسئلہ میں متاخرینؒ کا قول ہی راجح ہونا چاہئے، چنانچہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ نمبر (۱) پر ہے:

إذا خرب الموقوف ولم يكن في غلة ما يعمر به جاز أن يبيع بعضا منه فيعمر الباقي بثمنه لأن في بيع البعض إبقاء البعض وفي تركه ذهاب كله و إعدام انتفاع به ومن ابتلى ببليتين يختار أهونهما۔ یعنی وقف کے کسی حصہ

کو فروخت کر کے اس کی قیمت کے ذریعہ باقی کی تعمیر کرنے میں بعض وقف کو باقی رکھنا ہے اور بیع کو ترک کرنے اور ناجائز کرنے میں کل وقف کو ضائع کرنا اور اس کے ذریعہ انتفاع بالکلیہ ختم کرنا ہے، لہذا اس مقصد کے تحت وقف کے بعض حصہ کو فروخت کرنا جائز ہو گا اور اس کے ذریعہ نئی تعمیر کیا جانا جائز رہیگا، اور ضابطہ ہے کہ جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے تو وہ اہون اور ہلکی مصیبت کو اختیار کرے گا۔ اور صورت مسئولہ میں اہون ہے کہ اس بعض حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے باقی کی نئی تعمیر کی اجازت دیدی جائے اور اس میں واقف کا مقصد بھی حاصل ہو جائے گا، اور واقف کے مقصد کی رعایت رکھنا واجب ہے، چنانچہ علامہ شامی (۴۶۳/۳) نے لکھا ہے **مراعاة غرض الواقفين واجبة**۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین یا جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے نئی تعمیر کی جا سکتی ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے اسی میں واقف کے مقصد کی رعایت ہے جسکا لحاظ رکھنا واجب ہے اور وقف کو ضیاع سے بچانا بھی ہے۔۔۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

الف۔ بہتر صورت یہ ہے کہ بلڈر کو اس میں ملکیت کا حق نہیں دیا جائے، بلکہ اس کے نفع کے ساتھ ایک رقم طے کر لی جائے، اور تعمیر کے بعد اس کی آمدنی میں سے بلڈر کی طے شدہ رقم واپس کر دی جائے، ایسا بھی معاملہ ہو سکتا ہے کہ بلڈر تعمیر کے بعد کرایہ داروں سے ایک بڑی رقم علاوہ کرائے کے طے کر کے لے لیتا ہے، کرایہ مالک یا متولی وصول کرتا ہے اور بڑی رقم بلڈر لے لیتا ہے، یہ بھی اگر ممکن نہ ہو تو پھر جیسا کہ آپ نے سوال میں لکھا ہے اس وقف کا کچھ حصہ بلڈر کو دے دیا جائے اور بقیہ حصہ کو وقف قرار دے کر اس کی آمدنی شرائط وقف کے مطابق خرچ کی جائے مگر اس میں پہلے قاضی کی اجازت ضروری ہے، چنانچہ قانون العدل والانصاف میں صفحہ ۱۷/ مادہ ۳۶/ میں ہے: "**ولا تباع إلا تعذر الانتفاع بها**" اور خالی زمین کا بھی یہی حکم ہے۔

ب۔ اس سوال کا جواب اوپر مذکورہ جز میں آگیا، نیز "**الضرورات تبيح المحظورات**" کا قاعدہ بھی جواز کو چاہتا ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

الف۔ میرے خیال میں بلڈر سے اگر معاملہ یوں کر لیا جائے کہ تم تعمیر کروا دو اور اس میں سے اتنے حجرے یا اتنی دوکانیں تم بطور کرایہ لے لو، جب تمہاری تعمیری رقم پوری ہو جائے گی تو پھر تمہارا اس تعمیر سے کوئی سروکار نہ ہوگا، لیکن شاید بلڈر اس پر راضی نہ ہو، اس لئے دوسری صورت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ پہلے معاہدہ کر کے اس کو وقف سے الگ کر کے جگہ دیدی جائے اور یہ جگہ نہ تو اوپر ہو نہ نیچے بلکہ سائڈ میں ممیز او مفرغا ہو تاکہ آئندہ کے لئے کسی طرح خدشہ نہ رہے۔

ب۔ گو کہ اس کا جواب من وجہ کئی ایک جوابات کے ضمن میں آچکا ہے پھر بھی ثانیاً عرض ہے کہ اگر ان کی حفاظت کا کوئی بظاہر

ذریعہ نہ ہو مثلاً چندہ وغیرہ نہ مل سکتا ہو تو ان اوقاف کا کچھ حصہ فروخت کر کے اس کی تعمیر حفاظت کی غرض سے واقف کے منشاء کے مطابق کرائی جاسکتی ہے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

الف۔ موقوفہ عمارتیں جب کہ مخدوش ہوں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے پیسہ بھی نہیں ہے، اسی طرح موقوفہ زمین ناقابل انتفاع ہو تو ان حالات میں کسی بلڈر سے ایسا معاملہ کرنا جس میں وہ اپنی ملکیت کی کچھ شرط لگائے شرعاً جائز ہونا چاہئے کیونکہ یہاں مجبوری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم، ویسے عام حالات میں ایسا معاملہ درست نہیں کیونکہ موقوفہ شی کی بیع وملکیت درست نہیں تاہم بہتر شکل تو یہی ہے کہ برائے وقف چندہ لے کر عمارت کو بنوائے۔

ب۔ تجدید تعمیر کے لئے موقوفہ عمارت یا زمین کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی آمدنی کو شئ موقوفہ میں لگانا جائز نہیں۔ کفایت المفتی (۷؍۲۹۴) میں مذکور ہے کہ اگر تجدید تعمیر ضروری ہو جائے تو اس وقت بھی کرایہ پر دینا جائز ہے۔ بیع جائز نہیں۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی

الف۔ یہ وقف کے تحفظ کی صورت ہو گی اور اس کی گنجائش ہے۔

ب۔ تحفظ وقف کے لئے اس کی بھی گنجائش ہے مگر باجازت قاضی۔ "لا يملك الواقف بالبيع و نحوه ولو لإحياء الباقي" (جامع الرموز)

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

الف۔ وقف کی مخدوش عمارت کی تجدید کے لئے اگر اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ کسی بلڈر کو اس کی ایک آدھ منزل دے دی جائے جس پر اس کو مالکانہ تصرف کا حق حاصل ہو تو بظاہر اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

ب۔ وقف کے بعض حصہ کو آباد کرنے کے لئے اس کے بعض حصہ کو فروخت کرنا درست ہے، ان دونوں جوابوں کے حوالہ میں وہی عبارت پیش کی جاسکتی ہے جو سوال اول کے جواب میں پیش کی جاچکی ہے۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

الف۔ اوقاف کی کسی عمارت یا اس کی کسی زمین کا کوئی حصہ کسی طور پر دینا درست نہیں۔ پھیلے ہوئے اوقاف کی زائد آمدنی سے مخدوش عمارت کی مرمت اور خالی زمین سے انتفاع کی صورتیں پیدا کی جائیں۔

ب۔ وقف جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے ایسا کوئی کام نہیں کیا جائے۔ یہ سارے کام اوقاف کی زائد آمدنی سے ہوں۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

الف، ب۔ وہ اوقاف جن کا انتفاع بالکلیہ ختم ہو جائے اور انتفاع کو جاری کرنے کے لئے نہ تو وقف مذکور کو کرایہ پر دینا ممکن ہو اور نہ قرض حاصل ہو تو اس پر موقوفہ اوقاف کی آمدنی کے بعض حصہ کو فروخت کرنا جائز ہے۔ لہذا صورت مسئولہ کا اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل العمارة قال يجوز بأمر القاضي وغيره، هو موافق للقاعدة المشهورة إذا اجتمع ضرر ان قدم أخفهما الخ (فتاوی خیریہ / ۱۲۹)

البتہ آمدنی کو بڑھانے کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں۔

قال الرملي أقول قال في البزازية بيع عقار المسجد لمصلحته لا يجوز (منحۃ الخالق ۵/ ۲۲۰)

مولانا محمد حنیف صاحب

الف، ب۔ فقہاء نے بعض حصہ کی درستگی کے لئے بعض کی فروختگی کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ فتاوی بزازیہ میں ہے:

وإن باع بعضه لا صلاح باقيه لخراب كله جاز (بزازیہ علی الہندیہ ۶/ ۲۷۱)

اگر وقف کا کچھ حصہ باقی کی مرمت کے لئے فروخت کرے اور پوری جائداد موقوفہ ویران ہوگئی ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔

لہذا اس صراحت کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ صورت کو جائز ہونا چاہئے، واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

الف۔ وقف جائیداد کا کل یا بعض حصہ ختم کرنا جائز نہیں ہے۔ سوال مذکور کے جواز کی صورت یہ ہے کہ بلڈر سے اس طرح معاملہ کیا جائے کہ یہ مخدوش مکان کو از سر نو تعمیر کرنے میں آپ کا کتنا خرچ ہوگا، جتنا خرچ ہوگا اسکو ہم جتنی نقد رقم موجود ہے وہ ادا کردیں گے اور بقیہ رقم اس مکان کے کرایہ سے آپ وصول کرتے رہیں گے جب آپ اپنی خرچ کردہ رقم وصول کرلیں تو آپ اس مکان سے دست بردار ہو جائیں گے، یا کوئی صاحب خیر قرض حسن کے طور پر اس بلڈر کی طے شدہ کل رقم ادا کردے اور بعد میں وہ اس بلڈنگ کے کرایہ سے رقم وصول کرلیں۔ یا اس بلڈنگ کو قرض دینے والے کو اتنی مدت تک کے لئے کرایہ پر دیدے جس میں اپنا قرض وصول کرلیں بشرط اعتماد۔

لأن استبقاء الوقف واجب ولا يبقى إلا بالعمارة (بدائع الصنائع ۶/ ۲۲۱)۔

ب۔ وقف شدہ زمین وجائیداد کو فروخت کر کے اسی وقف کے لئے نئے مکانات تعمیر کرنا اور مخدوش حال مکانات کی تعمیر کرنا، نیز اسی طرح مسجد پر وقف شدہ زمین وجائیداد فروخت کرنا مسجد کی مرمت کے لئے جائز نہیں ہے، فقہاء کرام کی عبارتوں سے جیسے صاحب بزازیہ (۲۷۱/۶) کی عبارت: "بیع عقار المسجد لمصلحته لا یجوز وإن باع بأمر القاضی وإن باع بعضه لإصلاح باقیه لخراب کله جاز" اس سے اگرچہ صورت مذکورہ میں فروخت کا جواز معلوم ہوتا ہے لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب اسلامی حکومت تھی اور قضاۃ و منتظمین میں دیانتداری غالب تھی اور قاضی کے پاس وسیع اختیارات تھے، جب کہ موجودہ دور میں ان چیزوں کا فقدان ہونے کی وجہ سے فروخت کی اجازت دینا ضرر سے خالی نہیں، اور پھر تو اوقاف کے فروخت ہونے کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ لہذا میرے خیال میں اس کی اجازت نہ ہونی چاہئے اور مسائل کا یہ جملہ کہ تعمیر اوقاف کے بعض حصے کو فروخت کئے بغیر تعمیر ممکن نہیں یہ بات میرے نزدیک غیر مسلم ہے، اس لئے کہ اصحاب خیر بہت ہیں جو مساجد وغیرہ کی تعمیر کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔

مفتی شیر علی

الف۔ اگر عمارت مخدوش حالت میں ہے تو اس کی ایک یا دو منزل کسی کی ملکیت میں دے کر اس سے تعمیر کا صرفہ لے کر تعمیر درست نہیں ہے۔ بلکہ کسی کرایہ دار سے پیشگی رقم لے کر اس کی تعمیر کرائی جائے چونکہ لوگ مکان و دوکان کے شدید محتاج ہونے کی بنیاد پر پیشگی رقم ادا کر کے اجارہ قبول کر لیتے ہیں، باقی خالی زمین ہو تو اسے عدم انتفاع کی شکل میں فروخت کیا جاسکتا ہے۔ اور بلڈر سے کسی منزل کو دے کر بھی معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

فإن الأرض إذا ضعفت لایرغب غالبا فی استئجارها بل فی شرائها اما الدار فیرغب فی استئجارها مدة طویلة لأجل تعمیرها للسکنی (ص/۳۸۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین کے ناقابل انتفاع کی شکل میں اس کے استبدال اور فروخت پر اختلاف ہے۔ اور علامہ شامی کی رائے اس کے استبدال کی جانب ہے۔ اور صاحب منتقی کے بھی اطلاق سے زمین کا داخل جواز ہونا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ مکان کے مخدوش کا نہیں بلکہ اس کا حل کرایہ دار سے پیشگی رقم دے کر نکل سکتا ہے۔

کذا فی الشامی: محل الاستبدال إنما هو الأرض لا البیت...واعترضه الرملی بأن کلام المنتقی المذکور شامل للأرض والبیت فالفرق بینهما غیر صحیح (۳۷۹/۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ عمارت مکان اور زمین دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ علامہ شامی کی آخری رائے منحۃ الخالق میں بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح ہندیہ میں ہے: إذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمّ الباقي بثمن ماباع ليس له ذلك (۲/۴۱۷)۔

اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

ب۔ حاصل اس سوال کا یہ ہے کہ مخدوش شدہ کی تعمیر جدید کے لئے کوئی رقم نہ ہو تو نئی تعمیر یا اصلاح اور ضروری مرمت کے لئے وقف کو بچانے کے لئے اس کا کوئی جز فروخت کردیا جائے اور اس کی رقم سے تعمیر واصلاح کی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔

خیال رہے کہ فقہاء کرام نے تعمیر اور مخدوش کی اصلاح اور ٹوٹ پھوٹ کی درستگی کے لئے ہر ممکن صورت اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، تاکہ وقف کی بقا رہے، اس کے لئے اولاً یہ صورت ہے کہ اسے کچھ یوم کے لئے کرایہ پر لگادیا جائے اور حاصل شدہ رقم سے اصلاح ودرستگی کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر قرض حاصل کرکے درست کیا جائے۔ اگر یہ دونوں شکل ممکن نہ ہو اور عمارت حد درجہ مخدوش وناقابل استعمال ہوگئی ہو اور کہیں سے کوئی رقم نہیں مل سکتی ہو تو ایسی صورت میں اس کے کسی جز کو فروخت کرکے اس کی تعمیر واصلاح جو حد درجہ ضروری ہوکی جاسکتی ہے۔

اس کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کل مخدوش ناقابل استعمال واستغلال کو فروخت کرکے اس کی جگہ دوسری جائداد اختیار کی جائے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ کسی حصہ کو فروخت کرکے حاصل شدہ رقم سے تعمیر کی جائے تاکہ وقف باقی رہے۔

خیال رہے کہ اس مقام پر بعض فقہاء کی عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ کسی حصہ کو فروخت کرکے کل کی تعمیر جائز نہیں مگر غالباً یہ قول اس صورت میں ہے جب کہ فروخت کے علاوہ کوئی ممکنہ صورت ہو۔ چونکہ فقہاء کی دوسری عبارت میں اس کا جواز منقول ہے۔

ا۔ کل کے فروخت کی اجازت یعنی استبدال:

ولو لم يجد القاضي من يستاجرها لم أره وخطرلي أنه يخيره بين أن يعمرها أو يردها لورثة الواقف ...وفي فتاوى قارى الهداية ما يفيد استبداله أو رد ثمنه للورثة أو للفقراء۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: والحاصل أن الموقوف عليه السكنى إذا امتنع من العمارة ولم يوجد مستاجر باعها القاضي واشترى بثمنها ما يكون وقفا (۴/۳۷۹)۔

بعض مشائخ کے کلام سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ استبدال کا اختیار زمین میں تو ہے مگر دار اور بیت میں نہیں چونکہ مکان اور دکان کی عموماً لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے، تعمیر کے لئے پیشگی رقم لگا کر یا دے کر مکان اور دوکان کو لوگ حاصل کرلیتے ہیں۔ لیکن علامہ رملی منتقی کی عبارت کے اطلاق سے ہر ایک کے استبدال کی اجازت دیتے ہیں اور فرق کو جو زمین اور دار وبیت ودکان کے درمیان قرار دیا گیا ہے رد کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ شامی اسے نقل کرتے ہیں:

واعترضه الرملي بأن كلام المنتقى المذكور شامل للأرض والبيت فالفرق بينهما غير صحيح (۴/۳۷۹)۔

اس سے معلوم ہوا کہ استبدال کا حق جس طرح زمین میں ہے اسی طرح کرایہ دار اور مکان جو نا قابل اجارہ وانتفاع ہو اس میں بھی ہوگا۔ اسی طرح منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں ہے:

فالحاصل أن الفرق بين الأرض والدار غير صحيح (۲۲۷/۵)۔

خیال رہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب کہ پیشگی رقم دے کر کوئی اسے حاصل کرنے کو تیار نہ ہو ورنہ تو اس کی اجازت نہ ہوگی۔ کہ "**مهما أمكن ابقاء وقف**" کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ابن نجیم کی عبارت سے واضح ہے:

وظاهره أنه لا يجوز بيعه حيث ما أمكن إعادته (۲۲۷/۵)

اسی طرح بزازیہ کی عبارت سے بھی جواز مستنبط ہوتا ہے:

وعن الحلواني يجوز أن يباع ويشترى بثمنه آخر ويجوز للحاكم والمتولي (۲۷۱/۶ علی حامش الہندیہ)۔

اسی طرح صاحب ہدایہ نے بھی استبدال کی اجازت دی ہے:

وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل (فتح القدیر)

اسی عبارت سے علامہ زحیلی نے بھی استبدال کا جواز ثابت کیا ہے (الفقہ الاسلامی ۲۲۲/۸)۔

۲۔ اسی طرح جز بیچ کر اس کی رقم مرمت میں بھی صرف کرنا جائز ہے۔ جامع الوجیز میں ہے:

وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز (علی حامش الہندیہ ۲۷۱/۶)

جامع الوجیز کی اس عبارت سے اس بات کی اجازت معلوم ہوتی ہے کہ مخدوش یا خراب نا قابل اجارہ واستغلال عمارت کے کسی حصہ کا فروخت کردینا تاکہ باقی کی مرمت واصلاح ہو کر ابقاء استغلال وانتفاع کی شکل پیدا ہو جائے تو یہ کیا جاسکتا ہے۔ علامہ شامی منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں بھی لکھتے ہیں:

قال في البزازية بيع عقار المسجد لمصلحة لا يجوز وإن بأمر القاضي وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز (حاشیہ بحر الرائق ۲۲۷/۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ شدید ضرورت کی صورت میں جب کہ مخدوش وقابل اصلاح وقف میں بغیر کسی حصہ کے فروخت کے تعمیر کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو تو اس کے کسی حصہ کو فروخت کر کے باقی کی تعمیر کی جاسکتی ہے تاکہ وقف کے باقی اور قابل انتفاع ہونے کی شکل پیدا ہو جائے۔

لأن الصرف إلى العمارة ضرورة إبقاء الوقف (فتح القدیر ۲۲۲/۶)۔

ایک اشکال اور اس کا دفاع:

صاحب ہدایہ نے جو مرمت اور اصلاح کے لئے فروخت کی اجازت دی ہے: **وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة** (فتح القدیر ۲۲۴/۶) اس پر ابن نجیم صاحب البحر نے لکھا ہے: **وظاهره أنه لا يجوز**۔ جس کا مطلب بظاہر یہی

ہے کہ صاحب ہدایہ کا فروخت کی اجازت دینا صحیح نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے جو فروخت برائے تعمیر کی اجازت دی ہے یہ اس وقت صحیح نہیں ہے جب کہ بلا فروخت کئے اس کی تعمیر اور ابقاء کی شکل ہو۔ چنانچہ اسی وجہ سے صاحب بحر الرائق نے وظاهره انه لا يجوز کو حيث أمكن أعادته کی قید سے مقید کیا ہے، جس کا واضح اور منقح مطلب یہ ہے کہ تعمیر واعادہ کی کوئی دیگر ممکن صورت نہ ہو۔ تب اجازت ہے ورنہ نہیں۔

چنانچہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

وإن تعذرت إعادته بأن خرج عن الصلاحية لذلك لضعفه ونحوه باعه وصرف ثمنه فى ذلك إقامة للبدل مقام المبدل.

اگر مطلقاً یا ممکنہ صورت کے نہ ہونے کے باوجود فروخت کرنا جائز ہوتا تو صاحب ہدایہ کی اس عبارت کی وضاحت وتشریح کے بجائے تردید کرتے، اور کہتے والأصح لا يجوز مطلقا، لیکن ایسا نہیں کہا۔ اس سے بقید ضرورت جائز ثابت ہو گیا۔ اسی طرح ہندیہ میں جو ہے:

إذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضها ليرمّ الباقى بثمن ما باع ليس له ذلك (۲/۴۱۷)

اس کا مطلب یہ ہے کہ تعمیر کی ضرورت ہوئی اس کا ایک حصہ فروخت کر کے تعمیر کرالیا۔ اجارہ یا استدانہ کے ذریعہ رقم حاصل نہ کر کے ایسا کر لیا تو اس کی ضرورت نہیں، چونکہ اس طرح تو اوقاف ہی ختم ہو جائیں گے۔ یعنی بلا ضرورت شدیدہ کی صورت میں ہے۔ اور جب کوئی صورت نہ ہو تو مجبور اًکل کی بقاء کے لئے تھوڑے جز کی قربانی کی جائے گی تا کہ وقف کا انتفاع واستغلال باقی رہے۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

الف، ب۔ جائز ہے۔

مولانا ایوب ندوی

الف۔ اراضی وقف پر تعمیر کرنے کے عوض بلڈر کو وقف مکان کی کسی منزل کا مالک بنادینا:

اگر اوقاف کی عمارتیں مخدوش ہو گئیں اور واقف کے پاس ان کی تعمیر کے لئے کوئی سرمایہ نہیں ہے، اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کردے کہ اس کی ایک یا دو منزل بلڈر کی ملکیت ہوگی، جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہوگا، اور بقیہ عمارتیں وقف کے مصارف کے لئے ہوں گی، تو شرعاً ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں ہے، اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے، تو ایسی صورت میں بھی اگر کسی بلڈر سے مذکورہ بالا معاملہ کیا جائے تو شرعاً اس کی بھی اجازت نہیں

ہے، کیونکہ وقف زمین پر عمارت بنانے کے عوض بلڈر کو وقف مکان کی کسی منزل کا مالک بنا دینا در حقیقت اس مکان موقوفہ کو فروخت کرنا ہے، جس کی مذہب اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے، چنانچہ قاضی خان میں ہے:

ویجوز بیع الأشجار الموقوفة فی أرض الوقف إذا لم تکن مثمرة بعد القلع، ولا یجوز قبل القلع لأنها قبل القلع متصلة بالأرض فتکون تبعا للأرض وبیع أرض الوقف لایجوز فکذلك ما کان تبعا له (خانیہ علی ہامش الہندیہ ۳/۳۱۰)

ب۔ ایک وقف کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسرے وقف پر مکان کی تعمیر کرنا:

اگر کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا کسی خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کرکے اس سے نئی تعمیر کی جائے تو شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے، اگرچہ اس کے فروخت کرنے کا مقصد وقف ہی کی حفاظت ہے اور اگرچہ بغیر فروخت کئے مذکورہ اوقاف کی تعمیر ممکن نہ ہو، کیونکہ حضرات فقہاء نے اوقاف کی فروختگی کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقف کی حفاظت وتعمیر کے لئے دوسرے اوقاف کی فروختگی جائز نہیں ہے، چنانچہ فتاوی بزازیہ میں ہے:

بیع عقار المسجد لمصلحة لایجوز وإن بأمر القاضی (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۷۱)

قال فی الهندية وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضها ليرم الباقی بثمن ما باع ليس له ذلك (عالمگیری ۲/۲۱۷)

البتہ اگر وقف کی آمدنی سے کوئی زمین خریدی گئی تو متولی اس زمین کو فروخت کرکے وقف کی تعمیر میں لگا سکتا ہے۔

اشتری بمال الوقف دارا ثم باعه یجوز (فتاوی بزازیہ ۶/۲۵۵)

قال فی رد المحتار أما إذا اشتراه المتولی من مستغلات الوقف فإنه یجوز بیعه بلا هذا الشرط (ای تعذر الانتفاع) لأن فی صیرورته وقفا خلافا والمختار أنه لا یکون وقفا فللقیم أن یبیعه متی شاء لمصلحة عرضت (ردالمحتار ۳/۴۱۹)

نیز ایک وقف میں تعمیر کے لئے اسی وقف کی دوسری زمین کو یا خود اسی زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے بلکہ جو زمین شرعاً مسجد ہوگئی، اگر اس کی تعمیر کے لئے اس کو کرایہ پر دینا پڑے تو حضرات فقہاء نے اسے بھی جائز قرار دیا ہے۔

إن المسجد إذا احتاج إلی العمارة وآجره القیم لینفق من الأجرة یجوز (بزازیہ ۶/۲۶۰)

قال فی رد المحتار ان الخان لواحتاج إلی المرمة آجر بیتا أو بیتین وأنفق علیه وفی روایة یؤذن للناس بالنزول سنة و یؤجر سنة أخری ویرمّ من أجرته وقال الناطفی القیاس فی المسجد أن یجوز إجارة سطحه لمرمته وفی البرجندی والظاهر أن حکم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر وأمثالها حکم الوقف علی الفقراء (ردالمحتار ۳/۴۱۹، ومثلہ فی الہندیہ ۲/۴۱۴ مختصراً)

مولانا ابوبکر قاسمی

الف۔ اوقاف کی مخدوش عمارتیں یاخالی زمین کی کچھ بھی آمدنی ہوتی ہو تو مذکور فی السوال معاملہ بلڈر سے کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ علامہ بیری کے نقل کردہ نمبر (۴) عبارت سے معلوم ہوا:

لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة...إذ لا تجب الزيادة بل تبقيه كما كان (شامی ۵۳۹/۳)۔

اگر اوقاف کی مخدوش عمارتیں یاخالی زمین بالکل قابل انتفاع نہیں رہی ہے اور وقف کی آمدنی سے اس کو قابل انتفاع بنانے کی کوئی صورت نہیں ہے تو کسی بلڈر سے اس طرح معاملہ کرنا کہ عمارت ڈھاکر یاخالی زمین پر اپنے صرفہ سے چند منزلہ عمارت بنائے گا اور اس کی ایک یادو منزل اس کی ہوگی اور بقیہ منازل وقف کی ہوگی درست ہے، البتہ معاملہ کے وقت وقف کے زیادہ فائدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے موجودہ منازل سے ایک دوزائد کی تعمیر کی شرط کی جائے اور بلڈر کے لئے اوپر والی منزل طے کی جائے، عالمگیری میں ہے:

علو وقف انهدم وليس له من الغلة مايمكن عمارة العلو بطل الوقف و عاد حق البناء إلى الواقف إن كان حيا و إلى ورثته إن كان ميتا كذا في المحيط (۳۶۰/۲) و كذلك وقف صحيح .... خرب و لا ينتفع به وهو بعيد عن القرية لا يرغب أحد في عمارته ولا يستأجر أصله يبطل الوقف و يجوز بيعه وإن كان أصله يستأجر بشئ قليل يبقى أصله وقفاً كذا في فتاوى قاضي خان وهذا الجواب صحيح على قول محمدؒ، فأما عند أبي يوسف ففيه نظر الخ (عالمگیری ۲۶۵/۲) و كذا يفتى بكل ما هو أنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه ، حاوى القدسی (الدر المختار ۵۵۵/۳ مع رد المحتار)

ب۔ وقف زمین یاجائداد کی آمدنی اگرچہ قلیل ہو اس کے کسی حصہ کو محتاج تعمیر مسجد کے لئے یاخالی زمین پر عمارت یامخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے بیچنا جائز نہیں ہے، الایہ کہ واقف نے وقف کے وقت ان ضرورتوں کے لئے بیچنے کی اجازت دی ہو۔

وفي الفتاوى النسفيه: سئل عن أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل عمارة المسجد قال لايجوز بأمر القاضي وغيره (فتاوی عالمگیری ۳۶۰/۲)۔

ان کی تعمیر اسی جنس کے اوقاف کی فاضل آمدنی سے یامسلمانوں کے عام چندے سے یاغیر جنس اوقاف کی فاضل آمدنی سے قرض لے کر کی جائے، اس لئے کہ قابل انتفاع اوقاف کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

مولانا عبد القيوم پالنپوری

الف۔ اوقاف کی وہ عمارتیں جو مخدوش ہونے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہیں اور نہ اوقاف کے پاس اتنی آمدنی ہے کہ جس سے تعمیر کر کے اس موقوفہ کو قابل انتفاع بنایا جاسکے تو ایسی صورت میں ملی حمیت کا تقاضا تو یہی ہے کہ مسلمان چندہ جمع کر کے اس کی تعمیر کو انجام دیں، بلڈر کے معرفت (محض اسکے تعمیر کی وجہ سے) ایک یادو منزل کی فروختگی کی صحت سمجھ میں نہیں آتی، ہاں اگر یہ معاہدہ ہو جائے کہ ایک یادو منزل وقت متعینہ تک کے لئے تصرف میں بطور کرایہ دار کے تم رہوگے، جب کرایہ کی مقدار تمہارے صرف

کردہ رقم کے برابر ہو جائے گی تو تم اس عمارت سے اپنا تصرف ختم کر لو گے تو ایسی صورت میں اوقاف کی تعمیر اور اس سے وقت متعینہ تک بلڈر کا تصرف جائز اور درست معلوم ہوتا ہے۔

ب۔ اوقاف کی عمارت مخدوش یا خالی زمین ہونے کی وجہ سے وہ وقف ناقابل انتفاع ہو جائے، اسے کار آمد بنانے کے لئے وقف کی آمدنی میں نہ تو اتنی گنجائش ہے کہ اس سے عمارت کی تعمیر و مرمت کی جا سکے اور نہ اسکے علاوہ اور کوئی سبیل وذریعہ ہے، اگر اسکو یونہی چھوڑ دیا جائے تو وہ وقف ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں وقف شدہ زمین و جائداد کا وہ حصہ جو مصالح وضروریات کے لئے ہیں، اس میں سے بقدر ضرورت فروخت کر کے اوقاف کی تعمیر یا مرمت کی اجازت ہو گی، جس سے وہ وقف قابل انتفاع ہو جائے۔

مولانا تنویر عالم قاسمی

الف۔ وقفیہ مخدوش عمارت کو اپنے مصارف سے تعمیر کرنے کے لئے بلڈر سے طے کرنا کہ چند منزلہ عمارت بنا کر دینے پر ایک یا دو منزل اسکے تصرف میں دی جائے گی بقیہ وقفیہ مصارف کے لئے رہے گی تو شرعاً اس معاملہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

كما هو مستفاد من عبارة الشامي أن مستأجر أرض الوقف إذا بنى فيها ثم زادت أجرة المثل زيادة فاحشة فاما أن تكون الزيادة بسبب العمارة والبناء أو بسبب زيادة أجرة الأرض فى نفسها ففى الأول لا تلزمه الزيادة لأنها أجرة عمارته و بنائه وهذا لو كانت العمارة ملكة أما لو كانت للوقف كما لو بنى بأمر الناظر ليرجع على الوقف تلزمه الزيادة ولهذا قيد بالمحتكرة وفى الثانى تلزمه الزيادة أيضا (شامی ۳/ ۳۹۱)۔

ب۔ وقف شدہ مخدوش عمارت یا وقفیہ زمین اور محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے قرض مل سکتا ہو تو قرض لیکر تعمیر کی جائے۔

والعمارة لابد منها فيستدين بأمر القاضي (فتاوی عالمگیری ۲/ ۲۲۴)

اور قرض کا انتظام نہ ہو سکے تو اس وقفیہ جائداد کا کچھ حصہ کرایہ پر دیکر اس کی آمدنی سے تعمیر کی جاسکتی ہے۔

ان الخان لو احتاج إلى المرمة آجر بيتا أو بيتين وأنفق عليه وفى رواية يؤذن للناس بالنزول سنة ويؤجر سنة أخرى ويرمّ من أجرته وقال الناطفى القياس فى المسجد أن يجوز إجارة سطحه لمرمته والظاهر ان حكم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر و أمثالها حكم الوقف على الفقراء (شامی ۳/ ۳۸۳)۔

کرایہ یا قرض وغیرہ کسی طرح سے تعمیر ممکن نہ ہو تو قاضی یا حاکم کی اجازت سے ایسے ناقابل استعمال اوقاف کو مفید اور کار آمد بنانے کے لئے ان کے بعض حصے کو فروخت کر کے تعمیر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں، لہذا اس کی اجازت دی جائے گی۔

سئل عن وقف انهدم ولم يكن له شئ يعمر منه ولا أمكن إجارته ولا تعميره هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب أجاب إذا كان الأمر كذلك صح بيعه بأمر الحاكم ويشترى بثمنه وقف مكانه فإذا لم يمكن رده إلى ورثة الواقف إن وجدوا و إلا يصرف للفقراء (شامی ۳/ ۳۸۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین پر بنی ہوئی بوسیدہ عمارت کے نکلے ہوئے ٹوٹے سامان کو فروخت کیا جائے گا اور مسجد کی اصل جگہ کو محصور کر کے محفوظ کردیا جائے گا اور دیگر زمین اور اوقاف کی جائداد کو فروخت کیا جاسکتا ہے۔

لأنهم صرحوا باستبدال الوقف إذا خرب وصار لاينتفع به وهو شامل للأرض والدار قال هشام سمعت محمدا يقول الوقف إذا صار بحيث لاينتفع به المساكين فللقاضى أن يبيعه ويشترى بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضى (شامی ۳/ ۳۸۳)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

الف۔ جن اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہوں اور واقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہ ہو تو متولی وقف یا قیم وقف کے لئے جائز نہیں کہ کسی بلڈر کو اس شرط پر تعمیر کے لئے دیدے کہ ایک یا دو منزل تمہاری ہوگی اور تم کو مکمل تصرف کا اختیار ہوگا کوئی ایسی شکل اختیار کرنا جائز نہیں، اسی طرح زمین پر تعمیر اس شرط کیساتھ کرانا جائز نہ ہوگا۔

ولا تجوز الإجارة الطويلة على الوقف ولو احتيج إليها فالوجه فى ذلك أن يعقد عقودا متفرقة مترادفة كل عقد على سنة فيكتب فى الصك استأجر فلان بن فلان كذا ثلاثين عقدا كل عقد على سنة فيكون العقد الأول لازما ويكون العقد الثانى غير لازم وفى الذخيرة وبعض المشائخ زيفوا هذه الحيلة وفى الخانية و ذكر شمس الائمة السرخسى أن الإجارة المضافة تكون لازمة فى إحدى الروايتين هو الصحيح (تاتارخانیہ ۵/ ۷۵۰)۔

الواقف اذا آجر الوقف اجارة طويلة ان كان يخاف على رقبتها التلف بسبب هذه الاجارة فللحاكم ان يبطلها وكذلك ان آجرها من رجل يخاف على رقبتها من المستاجر فينبغى للحاكم أن يبطل الاجارة (تاتارخانیہ ۵/ ۷۵۲)۔

عبارت بالا سے مستفاد ہوتا ہے کہ وقف کو طویل مدت کے لئے اجارہ پر دینا جائز نہیں، اسی طرح طویل مدت کے لئے اجارہ پر لگانا جس سے مال وقف کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو تو حاکم وقت ایسے اجارہ کو باطل قرار دے گا، اور ختم کردے گا اس مسئلہ میں یہی ہے کہ ایک یا دو منزل بالکل وقف سے خارج ہونا لازم آتا ہے اس لئے جائز نہ ہوگا۔

ب۔ کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے۔

وفيه أيضا سئل عن أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل عمارته قال لايجوز بأمر القاضى وغيره (تاتارخانیہ ۵/ ۸۶۴)

مولانا نذر توحید مظاہری

الف،ب۔ مخدوش عمارت موقوفہ کوڈھاکر آمدنی میں اضافہ کے لئے مقررہ وقت تک حوالہ کیا جاسکتا ہے، طویل مدت کے لئے ہرگزدی نہیں جاسکتی۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

الف۔ اوقاف کی وہ عمارتیں جو مخدوش حالت میں ہیں ان کی تعمیر اوقاف کی آمدنی یعنی کرایہ سے ہونی چاہئے، ان عمارتوں کے بعض حصہ کو فروخت کرکے تعمیر کرنا صحیح نہیں ہے۔

وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمّ الباقي بثمن ماباع ليس له ذلك (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۱۷)

الا یہ کہ وقف کی عمارت ایسی ہو کہ اس سے انتفاع بالکلیہ ختم ہوگیا ہو اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے نیز کرایہ پر دے کر بھی اس کی تعمیر نہ ہوسکتی ہو تو فقہاء نے ایسے وقف کو بیچ کر اس کے بدلے میں دوسرے وقف کو خریدنے کی اجازت دی ہے۔

وفی المنتقی قال هشام سمعت محمدا يقول الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضی ان يبيعه ويشتری بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضی. واما عود الوقف بعد خرابه إلی ملك الواقف أو ورثته فقد قدمنا ضعفه فالحاصل أن الموقوف عليه السكنی إذا امتنع من العمارة ولم يوجد مستأجر باعها القاضی واشتری بثمنها مايكون وقفا الخ (شامی ۳/ ۳۸۲)

ب۔ وفی الفتاوی النسفية سئل عن أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل عمارة المسجد قال لايجوز بأمر القاضی وغيره كذا فی الذخيرة (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۶۳)۔

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ سوال میں مذکور صورت بھی جائز نہیں ہے، وقف کی آمدنی ہی سے تعمیر ہونی چاہئے۔ اگر وقف سے انتفاع بالکلیہ ختم ہوگیا ہو تو اس کا استبدال جائز ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

الف۔ بعض اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں، اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھاکر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ کردے کہ اس کی ایک یا دو منزل اسی کی ملکیت ہوگی، جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے ہوں گے تو شرعی نقطۂ نظر سے ایسا کرنا جائز نہیں ہے یعنی بلڈر کو نہ پہلی منزل اور نہ دوسری اس کو دی جائے گی، شرط الواقف کنص الشارع (ردالمحتار ۳/ ۴۵۶) کے خلاف ہے، نیز "مراعاة غرض الواقفين واجبة" (ردالمحتار ۳/ ۴۶۴) کے بھی خلاف ہے، سب سے بڑھ

کر یہ ہے کہ احکام نبوی کے بھی خلاف ہے، اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے۔

اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے اگر کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کرلیا جائے تو شرعی نقطۂ نظر سے ایسی صورت میں بھی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ آپ ﷺ نے وقف کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ایسی زمین کسی شخص کے معرفت نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ اس میں وراثت جاری کی جائے گی (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۱۱۶۔ اس کی تفصیلی تشریح و توضیح کے دلائل دیکھئے: بخاری ۱/۳۸۸ تا ۳۸۹، مسلم ۲/۴۱، نووی مع مسلم ۲/۴۱ تا ۴۲، نسائی ۲/۱۲۶، ترمذی ۱/۲۵۶، ابوداؤد ۲/۳۹۸، ابن ماجہ ۲/۱۷۳، ردالمحتار ۳/۳۹۱ تا ۵۰۰، فتاوی ہندیہ ۲/۳۵۰ تا ۳۹۱، بدائع الصنائع ۶/۲۱۸ تا ۲۲۱، المبسوط ۱۲/۲۷ تا ۴، شرح معانی الآثار ۲/۲۲۹ تا ۲۳۰)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کا موقف:

سوال (۷۰۸) کے جواب میں رقمطراز ہیں: جب پہلی ہی بیع باطل ہے تو دوسری بیع جو اس پر مبنی ہے نیز باطل ہوگی (امداد الفتاوی ۲/۵۸۷)۔

یعنی کوئی دغاباز مکار متولی موقوفہ اراضی کو فروخت کردیا پھر عرصہ دراز کے بعد مشتری سے خرید کر اپنی ذاتی ملکیت میں لانا چاہتا تھا اس موقع پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے عدم جواز کا فتویٰ دیا تھا جو اوپر مذکور ہوا۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا موقف:

ایک سوال کے جواب (۹۶) کے تحت رقمطراز ہیں:

عیدگاہ اوقاف عامہ میں سے ہے اور وقف ہونے میں اس پر مسجد کے احکام جاری ہیں، پس اس کو عبادت عامہ کے لئے تو استعمال کیا جاسکتا ہے، لیکن ذاتی منافع کے لئے کوئی اس پر قبضہ نہیں رکھ سکتا، اگر کسی غاصب نے اس پر جبراً قبضہ کرلیا ہو تو مسلمانوں کو حق ہے کہ اس کے قبضہ سے نکال لیں اور غرض صحیح میں استعمال کریں، غاصب اوقاف سے اوقاف کو واپس لینے کا حکم کتب فقہ میں مذکور ہے اور گذشتہ زمانے میں غاصب نے جس قدر روپیہ وقف کے ذریعہ حاصل کیا ہے وہ اس سے واپس لیا جائے گا اور وقف کے کام میں خرچ کیا جائے گا فقط (کفایت المفتی ۷/۱۰۷، ۱۰۸)

جواب (۳۰۱): مسجد اور مسجد کے متعلق موقوفہ زمین پر ذاتی تعمیر بنانا غصب وقف ہے، اس لئے اس کو خالی کرنا اور وقف میں شامل کرنا لازم ہے، ذاتی مکان کا دروازہ زمین وقف پر کھولنا بھی جائز نہیں (کفایت المفتی ۷/۳۳۱)

لہٰذا مذکور فی السوال کے مطابق اوقاف مساجد و مقابر وغیرہ کی بیع کا سوال ہے یعنی بلڈر کو وقف شدہ زمین کا مالک بنادینا عمارت تعمیر کردینے کے صلے میں فروخت کردینے کے مترادف ہے، اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، البتہ یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ قدیم مساجد و مقابر کے وقف شدہ املاک جن سے نماز پڑھنے اور دفن موتیٰ کا مصرف عرصۂ دراز سے نہیں لیا جارہا ہے اور نہ آئندہ یہ مصرف لئے جانے کا امکان ہے ایسے مساجد و مقابر کی اراضی کو کیا کیا جائے۔

خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس کا قوی امکان ہے کہ ان اراضی پر غاصب لوگ قبضہ کرلیں گے جس کو ہٹانا ممکن ہے، یاد شوار ترین معاملہ ہو جائے، میری رائے میں ایسے مساجد و مقابر کی اراضی کو کرایہ (LEASE) پر دیا جاسکتا ہے اور یہی اقرب الی الفقہ ہے، مثلاً کوئی عمارت وقف تھی اور وہ منہدم ہو گئی اور اب کوئی ایسا ذریعہ آمدنی نہیں جس کے ذریعہ دوبارہ اسے آباد کیا جائے تو امام محمد کے نزدیک وہ اراضی بانی یا ورثاء بانی کی طرف منتقل ہو جائے گی، اور امام ابویوسف کے نزدیک اس کی حیثیت وقف برقرار رہے گی، لیکن امام محمد کا قول بھی اس صورت میں ہے جب کہ قطعی طور پر مفاد وقف کا حصول ختم ہو چکا ہو، اگر کسی صورت میں بھی استفادہ ممکن ہے تو پھر وہ بانی کی طرف نہیں لوٹے گی (ردالمحتار ۳/۴۰۷، المبسوط ۳/۴۲ تا ۴۳، ہدایہ ۲/۶۴۵، فتاوی ہندیہ ۲/۴۵۸)

مثلاً دکان جل کر خاک ہو گئی، تعمیر کا خرچ نہیں اور اسے کرایہ پر لگانے کی کوئی صورت نہیں، لیکن اگر وہ اراضی ذریعہ آمدنی ہو سکتی ہے تو وہ وقف برقرار رہے گی، اور اسے اجارہ پر لگایا جاسکتا ہے (ردالمحتار ۳/۴۰۷ تا ۴۰۸، فتاوی ہندیہ ۲/۴۷۹ تا ۴۸۰، فقہ المشکلات ۲۴۳)

مخدوش شدہ عمارت اور غیر تعمیر شدہ والی زمین سے تبادلہ:

مخدوش عمارت کی بنا پر یا صرف خالی زمین ہے یعنی اس پر عمارت بنی ہوئی نہیں ہے اور نہ اس سے بالفعل انتفاع کی کوئی صورت ہے اگر اس کو کار آمد بنانے کے لئے کوئی ذریعہ ہو جائے تو مفاد وقف کا حصول جاری رہے، تو اس کے لئے کوئی مسلم یا غیر مسلم جتنی اراضی موقوفہ ہے اتنی مقدار والی اپنی زمین جس پر عمارت بنی ہوئی ہو اور وہ تبادلہ کرلیں تو یہ صورت جائز ہو سکتی ہے۔

الرابعة أن يرغب إنسان فيه يبدل أكثر غلة وأحسن وصفا فيجوز على قول أبي يوسف و عليه الفتوى كما في فتاوى قارى الهداية (الاشباہ والنظائر ۱۰۳ تا ۱۰۴)

شجر کاری کے ذریعہ انتفاع:

ایسی اراضی موقوفہ جو سوال میں مذکور ہے کسی ایسے شخص کو کرایہ پر دی جاسکتی ہے جو اپنے ذاتی مصارف سے مکان بنالے اور اس میں سکونت پذیر ہو جائے اور مصارف عمارت کو ماہانہ کرایہ جو متعین ہو جائے اس میں وضع کرلے تو ایسی صورت جواز کی ہو سکتی ہے، اگرچہ کرایہ کم حاصل ہو، یا ایسی زمین پر پھل دار درخت یا غیر پھل دار درخت لگائے جس سے مفاد وقف کا منشا باقی رہے تو یہ بھی صورت جواز کی ہے، مثلاً آم، لیچی، امرود، انگور، سیب، سنترہ، کیلا وغیرہ کا باغ لگالے یا شیشم، سال یعنی ساکھو، ساگوان، تلکا، وغیرہ کا درخت لگالے جس سے آمدنی وقف کو ہونے لگے بلاشبہ جائز ہے پھر اسی آمدنی سے عمارت کی تعمیر بھی ہو سکتی ہے (ردالمحتار ۳/۴۰۶) اگر اراضی موقوفہ پر آرچڈ کی شجر کاری ہو جائے تو سب سے زیادہ نفع حاصل ہونے لگے اسی یعنی آرچڈ درخت کی قیمت غیر ممالک میں بہت زیادہ ہے۔

منی پور آرچڈ کے درختوں کا روایتی علاقہ ہے:

اس درخت کی توصیف کا طائرانہ مطالعہ کرلیا جائے جو افادہ واستفادہ سے خالی نہیں ہے۔

منی پور کے مسحور کن پہاڑی سلسلے گھنے جنگلات اور سرسبز شاداب ڈھلانیں اور صاف وشفاف چمکتے ہوئے پانی کے چشمے آرچڈ کے پودوں کے لئے بہترین قدرتی ماحول فراہم کرتے ہیں، منی پور میں آرچڈ کے پودوں کی (۴۷۰) اقسام پائی جاتی ہیں اگرچہ آرچڈ کے پودے منی پور وادی کے بہت سے حصوں میں پائے جاتے ہیں تاہم پہاڑیاں آرچڈ کی خوبصورت اقسام کا روایتی مسکن ہیں۔ آرچڈ کے پودے نہایت سرد خطوں سے لے کر گرم خطوں میں اور سطح آب سمندر سے ۱۰۰۰۰ فٹ تک کی بلندی پر اگتے ہیں۔

ہندوستان میں آرچڈ کی ایک ہزار اقسام پائی جاتی ہیں، باغبانی کے لئے ان کی ایک بڑی اہمیت ہے، باغبانی کی بین الاقوامی تجارت میں بہت سی ہندوستانی اقسام کی مانگ ہے، قریبی ریاستوں میں اگنے والی بیشتر اقسام اور کچھ غیر ملکی اقسام جو ملیشیا اور فلپائن میں پائی جاتی ہیں، ریاست منی پور میں دستیاب ہیں، یہ زیادہ تر ٹمنگ ہاؤپال، جیری بام، سیناپتی، اکھرول، نامنگ لانگ، میں پائی جاتی ہیں، ریاست میں چھ قیمتی اقسام ایسی ہیں جن کا پودا غیر ممالک میں ۳۰۰ روپئے تک میں بکتا ہے، آرچڈ کے پودے اپنے خوبصورت شگوفوں کے لئے مشہور ہیں۔

میرے نزدیک اس قسم کے اراضی موقوفہ جو غیر آباد ویران ہوں ان پر جمیع اشجار کی شجر کاری کرنا بالخصوص آرچڈ کی شجر کاری کرنا جائز ہے انہیں تجارتی مقصد کے لئے استعمال کر کے غیر ملکی زر مبادلہ کمایا جاسکتا ہے، پھر اسی آمدنی سے اراضی موقوفہ پر مکان کی تعمیر بھی ہو جائے گی۔

ب۔ اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائیداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کی جاسکتی ہے جب کہ اس کا مقصد وقف کی حفاظت ہے اور اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔ اس مجبوری کے باجود شرعی نقطۂ نظر سے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے نئی تعمیر نہیں کی جاسکتی ہے اگرچہ اس میں مفاد وقف کا حصول ومنشاء ہے، کیونکہ فقہاء عظام نے اوقاف کی فروختگی کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک وقف کی حفاظت وتعمیر کے لئے دوسرے اوقاف کی فروختگی شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہے (الفتاوی البزازیہ ۳/۲۷۱) البتہ ایک وقف کی زمین میں تعمیر کرنے کرانے کی غرض سے اس کے دوسرے اوقاف کی زمین کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے (الفتاوی البزازیہ ۳/۲۶۰)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا موقف:

سوال (۷۳۸) کے جواب میں رقمطراز ہیں.......اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد کسی وقت کسی کی ملک نہیں ہو سکتی اور اس کو کوئی شخص اپنی ملک بنا کر فروخت نہیں کر سکتا (امداد الفتاوی ۲/۶۰۹)

میری رائے بھی یہی ہے کہ وقف شدہ مساجد ومقابر اوقاف کی زمین کو فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے، ہاں وقف شدہ زمین کو مفاد وقف کے لئے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔

مولانا محمد مصطفی قاسمی

الف۔ صورت مسئولہ کا حل یہ ہے کہ اوقاف خالص اللہ کی ملکیت ہے کسی کو تصرف کا حق نہیں، ہاں صرف اس قدر گنجائش ہے کہ مخدوش اوقاف یا غیر تعمیر اراضی اوقاف زر کے نہ ہونے کے سبب اس کی تھوڑی مقدار فروخت کرنے کی اجازت ہے جس سے مکان یا مسجد تعمیر ہو جائے اور وقف کا مقصد انتفاع للناس پر عمل جاری ہو سکے، بلڈر کا معاملہ گویا مشتری جیسا ہوا، لہذا وقف مخدوش وغیرہ کو قابل انتفاع بنانے کے لئے بلڈر کا یہ عمل درست ہے اور ایسی موقوفہ اشیاء میں اجازت ہے۔

أو أرض خربت وعادت مواتا ولم تمكن عمارتها أو مسجد انتقل أهل القرية عنه وصار في موضع لايصلى فيه أو ضاق بأهله ولم يمكن توسيعه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمربه بقيته ، وإن لم يمكن الانتفاع بشئ منه بيع جميعه (المغنی ۵/۶۳۲)

ب۔ اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے محتاج تعمیر مسجد کے لئے وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے مسجد یا مخدوش دوسری عمارت کی تعمیر کی جاسکتی ہے جب کہ دوسرے ذرائع حاصل نہ ہوں۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

الف۔ ایسے اوقاف جن کی عمارتیں مخدوش ہوں، اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے کوئی سرمایہ بھی نہ ہو، لیکن اگر کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہو جائے کہ اس مخدوش عمارت کو نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کرے گا کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی اور اسکو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے، تو اس صورت میں اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ وقف شدہ زمین کسی کی ملکیت میں دینا درست نہیں ہے، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں کہ وقف شدہ زمین کا بیچنا، یا رہن میں رکھنا درست نہیں۔

انه لا يباع أصلها ولا تبتاع ولا تورث ولا توهب.

اوقاف کی چیزیں نہ بیچی جاسکتی ہیں اور نہ خریدی جاسکتی ہیں اور نہ وراثت اور ہبہ میں دی جاسکتی ہیں۔

آئندہ وہ زمین نہ تو بیچی جائے گی نہ خریدی جائے گی نہ اس میں وارثت جاری ہوگی اور نہ کسی کو ہبہ کی جاسکے گی۔ البتہ اس زمین کو اجرت پر دینا اور اس اجرت کی آمدنی سے وقف کی تعمیر کرنا درست ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

قال في الخلاصة هذا دليل إذا احتاج إلى نفقة تواجر قطعة بقدر ما ينفق عليه ولا شك أن باحتياجه إلى نفقة لا تتغير أحكامه الشرعية ولا يخرج به عن أن يكون مسجدا (بحر الرائق ۵/۳۰۲)

خلاصہ میں لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ جب کسی نفقے کی ضرورت پڑے تو کسی حصہ کو اجرت پر رکھ دے اور وہ اتنی مقدار میں ہو جس سے وہ خرچ مکمل ہو جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وقف کے نفقے کے محتاج ہونے کی صورت میں اس کے شرعی احکام متغیر نہیں ہوتے اور.......

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

إن الخان لو احتاج إلى المرمة آجر بيتا أو بيتين وأنفق عليه (شامی ۳۷۶/۴)

اگر سرائے کی مرمت کی ضرورت پڑی تو ایک یا دو گھر اجرت پر رکھ دیا جائے گا جس سے اس پر خرچ کیا جائے۔

اسی طرح ایسے اوقاف جس پر کوئی عمارت نہ ہو اور اس سے انتفاع کی کوئی صورت نہ ہو تو اس زمین کو کچھ دنوں کے لئے اجرت پر رکھنا درست ہے جتنے دنوں میں اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے کوئی صورت نکل آئے۔ ہندیہ میں ہے:

وكذلك وقف صحيح على أقوام مسمين خرب ولم ينتفع به وهو بعيد عن القرية لا يرغب في عمارته فيجوز أن يستأجر بشئ قليل يبقى أصله وقفا (فتاوی ہندیہ ۴۸۰/۲)

اور اسی طرح وہ اوقاف صحیح جو کسی متعین قبیلہ اور جماعت کے لئے وقف ہو، خراب ہو جائے اور وہ قابل انتفاع نہ ہو اور وہ گاؤں سے اتنی دوری پر ہو کہ لوگ اس کی تعمیر کی طرف توجہ نہ دیتے ہوں تو جائز ہے کہ ان اوقاف میں سے کچھ حصہ کو اجرت پر دے دیا جائے جس سے اس اوقاف کو باقی رکھا جاسکے۔

ب۔ وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ، اس کا ملبہ یا اس کے انقاض کو اسی وقت فروخت کر کے نئی تعمیر کی جاسکتی ہے، جب کہ اس کے بغیر یہ ممکن ہی نہ ہو اور مسجد کے اوقاف کا اجرت پر دینا بھی ناممکن ہو یا وہ مسجد کے اوقاف ایسی جگہ پر ہوں جس سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہو، ان صورتوں میں اس کی اجازت دی جاسکتی ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ اوقاف کی زمینیں اجرت پر رکھ کر ہی مسجد یا اوقاف کی تعمیر کی جائے، فتاوی ہندیہ میں ہے:

حيث قال سئل عن وقف إنهدم ولم يكن له شئ يعمر منه ولا أمكن إجارته ولا تعميره هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب أجاب إذا كان الأمر كذلك صح بيعه بأمر الحاكم ويشترى بثمنه وقف مكانه (فتاوی ہندیہ)

ایسے وقف کے بارے میں سوال کیا گیا جو منہدم ہو جائے، اس کا تعمیر کرنا ناممکن ہو، اجرت رکھنا بھی ناممکن ہو، اور نہ ہی اس کی تعمیر ممکن ہو تو کیا اس کے اثاثہ کو بیچا جاسکتا ہے؟ جو پتھر، لکڑی، اینٹ، وغیرہ میں شامل ہے تو جواب دیا گیا کہ اگر معاملہ ایسا ہی ہو تو اس کی بیع حاکم کی اجازت سے صحیح ہے، اور اس کی قیمت سے اسی مکان کے مثل خریدے۔

مولانا قمر الزماں ندوی

الف۔ کسی بلڈر کو اوقاف مشروط طور پر حوالہ کرنا:

بعض اوقاف کی عمارتیں مثلاً مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے کہ اس کی از سر نو تعمیر کی جائے یا اس کی اصلاح و مرمت کا کام ہو سکے، لیکن کوئی عمارتی ٹھیکیدار اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کرنئے

سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کردیگا کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی جس میں اس (بلڈر) کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے لئے، ایسا معاملہ کرنا شرعاً جائز نہ ہوگا۔ یا کوئی موقوفہ زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں اور نہ ہی اس زمین سے انتفاع کی کوئی صورت ہے اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے کسی بلڈر سے مذکورہ معاملہ کرنا شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ متولی اور ذمہ دار حضرات کو اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ وقف کا کچھ حصہ فروخت کر کے بقیہ کی ترمیم واصلاح وغیرہ کرے، عالمگیری میں ہے:

إذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك (الفتاوی الہندیہ ۲/۴۱۷)

جب وقف کی زمین خراب ہو جائے اور متولی کا ارادہ ہو کہ اس میں سے بعض حصہ کو فروخت کر کے ثمن سے باقی کی ترمیم کرے یہ اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔

جب ترمیم کے لئے بعض حصہ کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے تو اس کو اس بات کا اختیار دینا کیوں کر ممکن ہوگا کہ وہ بلڈر کو وقف کا ایک حصہ بطور ملک دے دے۔ ہاں اگر کسی بلڈر سے ایسا معاملہ ہو گیا ہو تو جس حصہ یا عمارت کے ملکیت بلڈر میں چلے جانے کی شرط ٹھہری تھی وہ اس کی ملکیت میں داخل تو نہیں ہوگی البتہ اس کے خرچ کو پورا کرنے کے لئے پوری (تیار شدہ) عمارت یا اس کا کچھ حصہ اس بلڈر کو بطور اجارہ دے دیا جائے تا کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا کر اپنا صرفہ وصول کرلے، واللہ اعلم۔

ب۔ ترمیم واصلاح کے لئے وقف کے بعض حصہ کی فروختگی:

اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کرنے کی فقہ حنفی میں کوئی گنجائش نظر نہیں آتی ہے، چنانچہ عالمگیری میں ہے:

وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك فإن باع القيم شيئا من البناء لم ينهدم ليهدم أو نخلة حية لتقطع فالبيع باطل فإن هدم المشترى البناء أو صرف النخلة ينبغي للقاضي أن يخرج القيم عن هذا الوقف لأنه صار خائنا ثم القاضي إن شاء ضمن قيمة ذلك البائع وإن شاء ضمن المشترى فإن ضمن البائع نفذ بيعه وإن ضمن المشترى يبطل بيعه (الفتاوی الہندیہ ۲/۴۱۷)

جب وقف کی زمین خراب ہو جائے اور متولی کا ارادہ ہو کہ اس میں سے بعض کو فروخت کردے تا کہ ثمن سے اس کی ترمیم ہو جائے تو یہ اس کے لئے جائز نہ ہوگا، لہٰذا اگر غیر منہدم عمارت کا کچھ حصہ فروخت کردیا تا کہ اسے منہدم کردیا جائے یا شاداب کھجور کے درخت کو فروخت کیا تا کہ اسے کاٹ دیا جائے تو بیع باطل ہو جائے گی، چنانچہ اگر مشتری نے عمارت کو ڈھادیا یا کھجور کے درخت کو اکھاڑ دیا تو قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس متولی کو اس وقف سے برطرف کردے اس لئے کہ وہ خیانت کرنے والا ہو گیا، پھر

قاضی چاہے تو مشتری کو ضامن قرار دے، اور اگر چاہے تو اسی بائع کو ضامن قرار دے، اگر وہ بائع کو ضامن قرار دیگا تو اس کی بیع نافذ ہو جائے گی اور اگر مشتری کو ضامن قرار دیا تو اس کی بیع باطل ہو جائے گی۔

اس کی از سر نو تعمیر کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ موقوفہ زمین کو اجارہ پر دیدیا جائے اور حاصل شدہ آمدنی سے اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔

مولانا محمد نور القاسمی

الف۔ بلڈر سے معاملہ کرنا:

اسی طرح اوقاف کی مخدوش عمارتوں کا حکم ہوگا جن کے پاس تعمیر کے لئے کوئی سرمایہ نہ ہو کسی بلڈر سے اس طرح کا معاملہ کر لیا جائے کہ وہ ڈھا کر از سر نو چند منزلہ عمارت تعمیر کر دے اور اس تعمیر جدید کے تمام اخراجات کا بار اس (بلڈر) پر ہوگا، مگر اس کی ایک دو منزل عمارت اس کی ملکیت ہوگی جس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا حق اس کو ہوگا، اسی طرح زمین پر بلڈر سے اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہوگا، کیونکہ واقف کا مقصد وقف کرنے سے یہ تھا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے، اور یہاں اس کے بغیر وقف کو قابل انتفاع بنانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

ب۔ اوقاف کی تعمیر کے لئے اس کے بعض حصہ کا بیچنا:

احناف کے مرجوح اور حنابلہ کے مفتی بہ قول کے مطابق اس بات کی اجازت ہے کہ وقف کی عمارت مخدوش (حالت سے دوچار) ہو، اور وقف کے پاس اتنا سرمایہ نہ ہو کہ اس کی جدید تعمیر کرا کے قابل انتفاع بنایا جا سکتا ہو، تو ایسی صورت حال کے وقت مخدوش عمارت کی تعمیر جدید کے لئے وقف کا کچھ حصہ فروخت کر دینا جائز ہے، لہذا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے یا مخدوش عمارت کی جدید تعمیر کے لئے، یا وقف کی خالی زمین کو قابل انتفاع بنانے کی غرض سے اس پر عمارت تعمیر کرنے کے لئے وقف کے بعض حصہ کو فروخت کرنا درست ہوگا، اس لئے کہ اس کے بغیر وقف کو قابل انتفاع بنانے کا کوئی چارہ نہیں ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی مسلک حنابلہ کی ترجمانی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

لم تمكن عمارته ولا عمارة بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته وإن لم يمكن الانتفاع بشئ منه بيع جميعه

(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/۲۲۶)

اور نہ اس کے کل کی تعمیر ممکن ہو اور نہ بعض کی، تو اس کے بقیہ کی تعمیر کے لئے اس کے بعض کو بیچنا جائز ہوگا، اور اگر سرے سے ہی بالکل کچھ انتفاع ممکن نہ ہو تو اس کے تمام کو بیچنا درست ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی حنفیہ کا مرجوح قول نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وفي صدر الشريعة : جوز بعض المتأخرين بيع الوقف إذا خرب لعمارة الباقي والأصح أنه لايجوز

(در المنتقی شرح الملتقی ۱/۷۳۰)

صدر الشریعہ میں مذکور ہے کہ بعض متاخرین نے وقف مخدوش کو بقیہ حصہ کی تعمیر کے لئے بیچنا جائز قرار دیا ہے لیکن اصح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔

موجودہ حالات میں اگر اس کی اجازت نہ دی جائے یا نہ دی گئی تو ہندوستان کے اوقاف اپنی اسی خستہ حالت میں پڑے رہیں گے، اور حکومت یا متعصب برادران وطن ان پر قبضہ کرنا شروع کردیں گے، لہذا حالات کا تقاضہ ہے کہ قول مرجوع کو اپنا لیا جائے۔

مولانا ابرار خان ندوی

الف۔ بعض اوقاف کی عمارت مخدوش حالت میں ہے اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے۔ اور کوئی بلڈر اسکے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط پر تعمیر کردے کہ اس کی ایک یا دو منزلیں اس کی ہونگی، جس میں اسکو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے، تو اس معاملہ کا شرعی حکم، نیز اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے۔ زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے کسی بلڈر سے اس طرح معاملہ کرلیا جائے تو ان دونوں معاملوں کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر وقف کی عمارت اس طرح مخدوش ہے، جو سوال میں ذکر کی گئی اور نہ ہی وقف کے پاس تعمیر کے لئے صرفہ ہے تو اس وقف کی عمارت میں سے ایک دو مکانات کرایہ پر دئے جائیں اور اس کی آمدنی سے وقف کی عمارت کی مرمت کی جائے۔

شامی میں ہے: ان الخان لو احتاج إلى مرمة آجر بيتا أو بيتين وأنفق عليه. وفي رواية يؤذن الناس بالنزول سنة ويؤجر سنة أخرى ويرمّ من أجرته (شامی ۳/۴۱۹)

معلوم ہوا کہ اس وقف عمارت سے جب تک اس طرح کا معاملہ ممکن ہو اس پر عمل کیا جائے اور اگر اس طرح کوئی مستاجر نہ ملے اور نہ ہی موجودہ مستاجر اس کی مرمت کے لئے تیار ہے تو شامی میں صراحت موجود ہے کہ اس وقف عمارت کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسرا وقف خرید لیا جائے۔ شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

فالحاصل أن الموقوف عليه السكنى إذا امتنع من العمارة ولم يوجد مستأجر باعها القاضي واشترى بثمنها ما يكون وقفا (شامی ۳/۴۱۸)

جب اس وقف عمارت اور زمین کو اس حالت میں فروخت کرنے کی گنجائش ہے تو صورت مسئولہ تو اس سے اہون ہے اس میں وقف باقی رہتا ہے فروخت نہیں ہوتا۔ ہاں اسکے کچھ حصہ پر بلڈر کا تصرف ہوگا، لہذا شرعا اس کی بھی گنجائش ہوگی۔ اور عالمگیری میں اس سے زیادہ صراحت موجود ہے۔ عالمگیری کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ومن هذا الجنس منزل موقوف وقفا صحيحا على مقبرة معلومة فخرب هذا المنزل و صار بحال لا ينتفع به. فجاء رجل وعمر و بنى فيه بناء من ماله بغير إذن أحد فالأصل لورثة الواقف والبناء لورثة الباني كذا في المضمرات (عالمگیری ۲/۴۸۰)

ب۔ اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کرنے کا مسئلہ یہ ہے کہ جب کہ وقف کی حفاظت کا مقصد ہو اور اس کے بغیر یہ ممکن نہ ہو تو اس کا حکم بھی اوپر مذکورہ جواب کے مانند ہے کہ اولاً اس تعمیر کو کسی کام کے لئے اجارہ پر دی جائے اور اس کی آمدنی سے اس کی مرمت کی جائے ورنہ اس کے لئے دوسری وقف شدہ زمین فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

عالمگیری میں ہے: وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضاً منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك (عالمگیری ۳/۴۱۷)

اور شریعت میں تو اس صورت حال کی یہ بھی گنجائش ہے کہ اگر مسجد اس طرح محتاج تعمیر ہو تو مسجد کی چھت کو کرایہ پر دے کر اس کے کرایہ سے اس مسجد کی تعمیر کرلی جائے۔ جیسے شامی کی اس عبارت سے ظاہر ہے:

وقال الناطفي القياس في المسجد أن يجوز إجارة سطحه لمرمة (شامی ۳/۴۱۹)۔

لہذا جب تک اس وقف شدہ تعمیر کو ان طرق مذکورہ سے تعمیر کرنا ممکن ہو، وہاں تک کسی جائداد کو فروخت نہ کیا جائے۔

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

الف۔ ایسے اوقاف جو مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس کوئی سرمایہ بھی نہیں ہے جس سے اس کی تعمیر کی جاسکے کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ چند منزلہ عمارت بنائے اس شرط پر کہ ایک یا دو منزل میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا، اوقاف کے اندر ان شرطوں کے ساتھ ان اوقاف کو تعمیر کے لئے دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وقف کے اندر تملیک نہیں ہے اور یہاں تملیک لازم آتا ہے جو کہ واقف کے مقاصد اور وقف کی شرط کے خلاف ہے، ہاں قاضی یا جہاں قاضی شرعی موجود نہ ہو ارباب حل وعقد کی رائے سے ان اراضی موقوفہ کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے جس کی آمدنی سے بعد میں ان اراضی پر عمارت بھی تعمیر ہو سکتی ہے۔

ب۔ وہ زمینیں جو مخدوش حالت میں ہیں اور اس کے پاس تعمیر کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ بھی نہیں ہے اس کی تعمیر کے لئے اس زمین کا کوئی حصہ فروخت نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ وقف شدہ اشیاء کا بیچنا باطل ہے جس سے بیع درست نہ ہوگی، فاسد نہیں ہے، اور جب وقف تام ہو جاتا ہے تو اس میں بیع و وراثت سب ممتنع ہو جاتی ہے، لہذا اس موقوفہ زمین کے کسی بھی حصہ کو بیچنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو کرایہ پر دیا جائے اور اس سے جو آمدنی حاصل ہو اس کو جمع کر کے عمارت کی تعمیر کردی جائے۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی

الف۔ مخدوش شدہ عمارت کی نئی تعمیر کے لئے کسی بلڈر سے ایک یا دو منزل کی ملکیت کی شرط پر معاملہ کرنا درست نہیں ہے، بلکہ بطریق اجارہ معاملہ کیا جاسکتا ہے بایں طور کہ انہیں رقوم سے ان کے کرائے وضع ہوں۔

ب۔ اسی طرح مخدوش شدہ عمارت کی تعمیر کے لئے وقف کے بعض قطعہ کو فروخت کرنے کی بھی اجازت نہیں، بلکہ یہاں بھی حصول رقوم کی خاطر زمین کو کرائے پر دیا جاسکتا ہے۔

مولانا صدر عالم

الف، ب۔ وہ اوقاف جن کی عمارتیں مخدوش ہوں اور وقف کے پاس اس کی تعمیر کے لئے سرمایہ نہ ہو، اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے تو ایسے اوقاف کی تعمیر کے لئے کسی بلڈر یا کسی شخص سے اس شرط کے ساتھ معاملہ کرنا کہ تعمیر شدہ عمارت کی ایک دو منزل یا وقف زمین کا کچھ حصہ اس بلڈر کی ملکیت میں ہوگا اور اسکو ہر قسم کا تصرف کرنے کا حق ہوگا اور بقیہ عمارت مصارف وقف کے لئے ہوگی شرعا اس شرط کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ وقف کی بیع ہوگی۔

اعلم أن بعض المتأخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي والأصح أنه لايجوز فإن الوقف بعد الصحة لا يقبل الملك كالحر لا يقبل الرقبة (شرح وقایہ ۲/ ۳۵۴)

اس کی تعمیر کی بہترین صورت یہ ہے، فقہاء نے جس کی اجازت اس طرح دی ہے:

آجره الحاكم وعمره بأجرته ثم رده إلى مصرفه (شرح وقایہ)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی بلڈر اس طرح معاملہ کرے کہ عمارت کا کرایہ وہ لیگا یہاں تک کہ اس کا خرچ کردہ سرمایہ حاصل ہو جائے گا اسکے بعد عمارت وقف کی ہو جائے گی تو جائز ہے۔

لأن استبقاء الوقف واجب ولا يبقى إلا بالعمارة فإذا امتنع عن ذلك أو عجز عنه ناب القاضي منابه في استبقائه بالإجارة كالعبد والدابة إذا امتنع صاحبها عن الإنفاق عليها أنفق القاضي عليها بالإجارة كذا هذا (بدائع الصنائع ۶/ ۲۲۱)

اس لئے کہ وقف کا باقی رکھنا واجب ہے جو تعمیر کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے، تو جب متولی اس سے انکار کرے یا عاجز ہو تو قاضی اس کا نائب ہوگا اس میں، کہ اس کو اجارہ کے ذریعہ باقی رکھنے کی کوشش کرے مثلاً غلام یا جانور جب ان کا مالک ان پر خرچ نہ کرے تو قاضی کرایہ پر دیدے، اور کرایہ ان پر خرچ کیا جائے گا، اسی طرح یہ صورت بھی ہوگی۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی

الف۔ خستہ حال اوقاف جن کی آمدنی نہیں ہے ان کا حکم:

ایسے اوقاف جو اپنی خستہ حالی کی بنا پر اس درجہ پر پہونچ گئے ہیں کہ ان کی ذرائع آمدنی کچھ نہیں ہے اور ان کو واقف کی غرض کے اعتبار سے بروئے کار لانے کی سعی کی جائے تو ان اوقاف کے پاس آمدنی نہ ہونے کے سبب کوئی ایسی صورت سامنے نہیں آتی کہ جس کی وجہ سے ان اوقاف کی آمدنی ہو اور اس کے ذریعہ ان اوقاف کو واقف کی غرض کے اعتبار سے بروئے کار لایا جائے، اس زمانہ میں بہت سی بلڈر پارٹیاں اس شرط پر تیار ہوتی ہیں کہ ہم ان اوقاف کی تعمیر کرائیں گے لیکن ایک یا دو منزل ہماری ہوگی، اب ہمارے سامنے دو باتیں آتی ہیں:

(۱) یا تو بلڈر پارٹی کے ذریعہ اوقاف کی تعمیر کرا کے ایک یا دو منزل اس کو دیدی جائے۔

(۲) اور یا ان اوقاف کو اسی حال میں رہنے دیا جائے۔

اب پہلی صورت تو اس لئے صحیح نہیں کہ اس میں موقوفہ زمین کو بلڈر پارٹی کے حوالہ کیا جارہا ہے اور اس کی وجہ سے ایک یا دو منزل اس پارٹی کی ہو جائے گی، یہ اوقاف کے اندر تصرف کرنے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان اوقاف کو ایسے ہی رہنے دیا جائے اس میں دوسری خرابی لازم آتی ہے کہ وہ واقف کی غرض کے اعتبار سے استعمال نہیں ہو رہی ہیں یا پھر ان پر حکومت وغیرہ کے قبضہ کا بھی اندیشہ ہے، تو اس پریشانی کو دور کرنے کے لئے علماء کرام نے ایک حل نکالا ہے کہ وہ موقوفہ خستہ حال جگہ یا تو کرایہ پر دیدی جائے یا پھر اس کو مکمل فروخت کر دیا جائے اور اس کے بدلہ دوسری جگہ خرید لی جائے، پھر دونوں سے جو آمدنی ہو اس کو اسی مصرف میں لایا جائے جس کے لئے واقف نے وقف کیا ہے، اور اگر یہ دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں (نہ کرایہ پر دینا اور نہ فروخت کرنا) تو پھر موقوفہ زمین، واقف کے وارثین کو لوٹائی جائے جب کہ وہ زندہ ہوں اور اگر نہ ہوں تو پھر وہ آمدنی فقراء پر تقسیم کی جائے۔

فلو انهدم الوقف كله فقد سئل عنه قارى الهداية بقوله سئل عن وقف انهدم ولم يكن له شئ يعمر منه ولا أمكن إجارته ولا تعميره هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب أجاب إن كان الأمر كذلك صح بيعه بأمر الحاكم ويشترى بثمنه وقف مكانه فإذا لم يمكن رده إلى ورثة الواقف إن وجدوا وإلا صرف إلى الفقراء

(البحر الرائق ۵/۲۲۰)

اگر وقف مکمل منہدم ہو جائے تو ایسے وقف کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کے ذریعہ اس وقف منہدم کی تعمیر کی جائے اور نہ ہی اس کو کرایہ پر دینا ممکن ہو تو کیا اس کے انقاض یعنی پتھر، اینٹ اور لکڑی وغیرہ کو فروخت کیا جاسکتا ہے؟ تو جواب دیا کہ اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو حاکم کی اجازت سے فروخت کرنا جائز ہوگا اور اس وقف کی قیمت کے بدلہ دوسری جگہ خریدی جائے گی، اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو پھر وہ آمدنی واقف کے ورثہ کو لوٹائی جائے گی اگر وہ موجود ہوں، ورنہ پھر فقراء و مساکین پر تقسیم کی جائے گی۔

اس عبارت سے یہ بات واضح ہوئی کہ بلڈر پارٹی کو ان کی شرط کے مطابق دینا جائز نہیں ہوگا، صرف کرایہ پر یا فروخت کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ خستہ حال موقوفہ جگہ میں سے قدرے فروخت کر کے باقی کی مرمت کرنا:

جب وقف ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس سے واقف کا مقصد فوت ہو جائے اور مرور زمانہ کی بنا پر صرف خالی جگہ پڑی ہو اور ذرائع آمدنی ایسے نہیں ہیں کہ جن کے ذریعہ اس وقف کی تعمیر کر کے واقف کی غرض کے اعتبار سے بروئے کار لایا جاسکے، ایسی صورت میں اگر اس زمین میں سے قدرے فروخت کی جائے تو اس کی وجہ سے تعمیر کا کام چل سکتا ہے، لہذا اگر ایسا کیا جائے اور اس میں سے قدرے فروخت کردی جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، فقہاء کرام فرماتے ہیں:

وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة (ہدایہ مع الفتح ۵/۴۳۶)

اور اگر عین جگہ پر دوبارہ تعمیر متعذر ہو جائے تو اس کو فروخت کردیا جائے اور اس کی آمدنی مرمت میں صرف کی جائے۔

وإن تعذرت إعادته بأن خرج عن الصلاجية لذلك ضعفه ونحوه باعه و صرف ثمنه في ذلك (فتح القدیر ۵/۴۷۳)

اور اگر دوبارہ تعمیر متعذر ہو جائے اس طور پر کہ اس کے کمزور ہونے یا اور کسی وجہ سے اس کے اندر تعمیر کی صلاحیت نہ ہو تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت اسی میں صرف کی جائے۔

یہ عبارت اگرچہ اس بارے میں صریح نہیں ہے لیکن اس عبارت سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اس کے قدرے حصہ کو فروخت کر کے اس کی مرمت میں صرف کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

وقف کی مخدوش عمارت تعمیر کرنے والے کو اس کے عوض وقف کا کچھ حصہ بطور اجرت دینا:

الف، ب۔ صاحب بزازیہ نے لکھا ہے کہ اگر وقف منہدم ہو جائے اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہے کہ جس سے اس کی تعمیر کرائی جائے تو اس کو ایسی ہی حالت میں واقف یا اس کے ورثاء کو واپس کردیا جائے گا، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی نے دکان یا بازار وقف کیا اور وہ جل گیا اور اس کی حالت ایسی ہو گئی کہ اس سے انتفاع ناممکن ہو گیا تو ایسی صورت میں اس کو واقف یا اس کے ورثہ کو لوٹا دیا جائے گا، اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی وقف کی عمارت مخدوش حالت میں ہو اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ موجود نہیں، کوئی شخص اس بات کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت کی صورت میں تعمیر کردے گا اور اس کے عوض ایک دو منزل اس کی ملکیت ہوگی تو ایسا کرنا درست نہیں ہوگا بلکہ مخدوش عمارت واقف کو واپس کردی جائے گی۔

انهدم الوقف وليس له من الغلة ما يعاد به بنائه دفع النقض إلى الواقف أو وارثه احترق حانوت الوقف والسوق فصار بحال لا ينتفع بطل كونه وقفا وعاد إلى الواقف أو وارثه (بزازیہ علی ہندیہ ۲۷۲/۶)

اگر وقف منہدم ہو جائے اور وقف کے پاس آمدنی نہ ہو جس سے اس کی دوبارہ تعمیر کی جائے تو ناظر ملبہ کو واقف یا اس کے وارث کو دیدے گا، وقف کی دکان اور بازار جل جائے اور اس کی حالت ایسی ہو جائے کہ اس سے انتفاع نہ ہو سکے تو اس کا وقف ہونا باطل ہو جائے گا اور وہ واقف یا وارث کی طرف لوٹ جائے گا۔

مولانا محمدارشد قاسمی

مسجد یا قبرستان کی زائد
اراضی
میں درسگاہ کا قیام

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا انیس الرحمٰن
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شیر علی گجراتی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبدالقیوم پالنپوری
مفتی عبدالرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا قمرالزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبدالجلیل قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی
مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا ظفرالاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا محمد ارشاد القاسمی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
مولانا عبداللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

مسجد یا قبرستان کی زائد اراضی میں درسگاہ کا قیام

سوال: مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین۔ جو کہ ضرورت سے زائد ہے۔ اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے کہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو؟

جوابات

مسجد یا قبرستان کی فاضل زمین میں مدرسہ کا قیام آج کل کے حالات میں درست ہے، جیسا کہ مفتی نظام الدین صاحب و مفتی عبد الرحیم صاحب کے فتاوی میں آیا ہے، البتہ بہتر صورت یہ ہے کہ کرایہ کے معاملہ کی کوئی شکل اپنائی جائے تاکہ مسجد و قبرستان براہ راست بھی مستفید ہوتے رہیں، مفتی محمود صاحب نے اپنے فتاوی میں بار بار یہ بات فرمائی ہے، نیز مفتی عبد الرحیم صاحب نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

یہ سوال غالباً مکرر ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بظاہر مستقبل میں بھی مسجد یا قبرستان کو وہ زمین مطلوب ہو تو مدرسہ کی تعمیر کی گنجائش ہے، لیکن مدرسہ پر اس کا کچھ کرایہ بھی عائد کر دیا جائے گا کہ یہ کرایہ مسجد اور قبرستان ہی کی ضروریات پر صرف ہو اور اسی طرح واقف کے منشاء کی بھی تکمیل ہو اور مسلمانوں کے مصالح کی رعایت بھی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین میں مدرسہ کی تعمیر نہیں کی جاسکتی، ہاں اسے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے، ہاں اگر مسجد کی آبادی یا قبرستان کی حفاظت کے لئے وہاں مدرسہ کی تعمیر ضروری ہو تو گنجائش ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ زمین پر مدرسہ کی تعمیر:

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ زمین پر مدرسہ بنانا شرعاً صحیح نہیں ہے، گرچہ مسجد یا قبرستان کی ضروریات سے فاضل ہو، اس لئے کہ یہ منشاء واقف کے خلاف ہے۔ جب کہ منشاء واقف کی رعایت ضروری ہے۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

فقہاء نے قدیم قبرستان میں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے۔ .لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد (عمدة القاری ۴۰۹/۶)

مذکورہ بالا روایت میں قبرستان قدیم میں بناء مسجد کے جواز کی جو دلیل بیان کی گئی ہے وہ دونوں کا وقف من اوقاف المسلمین ہونا ہی ہے اور مدارس اسلامیہ بھی وقف من اوقاف المسلمین ہوا کرتے ہیں، اس لئے اشتراک علت کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ مسجد، مقبرہ کی زائد از ضرورت زمین پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے۔

تعمیر مدرسہ سے آج کے دور میں ان اوقاف علی المساجد والمقابر کی حفاظت کا ایک یقینی سامان بھی ہو جاتا ہے، اور مساجد کے اعتبار سے تو اسے عین مصالح مسجد میں داخل سمجھا جاسکتا ہے جیسا کہ دوسرے سوال کے جواب میں نسبتاً تفصیل سے لکھا جاچکا ہے۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

اگر کسی قبرستان کی اراضی اسکی ضرورت سے زائد ہے اور آئندہ بہت دنوں تک اس کو مصرف میں لانے کی توقع نہیں ہے اور قبرستان کی مثلاً چہار دیواری کے لئے آمدنی کی ضرورت ہے تو میرے خیال سے زائد اراضی کو مدرسہ کے لئے اجارہ پر دیدینا اور اس میں مدرسہ تعمیر کرنا اور اس کے کرایہ کی آمدنی کو قبرستان کی حفاظت کے لئے خرچ کرنا مناسب اور جائز ہوگا۔

اسی طرح اگر مسجد کی اراضی ہے تو اس کو بھی مدرسہ کی تعمیر کے لئے اجارہ پر دینا جائز ہوگا، جیسا کہ اوپر گزرا۔

مولانا عبد الجلیل قاسمی

ویران مساجد کے اوقاف میں دینی ادارہ قائم کرنا:

عام طور پر مساجد کے لئے اراضی اور عمارتیں بھی وقف ہوتی ہیں۔ جو مساجد ہی کی طرح دائمی ہوتی ہیں۔ لیکن یہ اوقاف دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ تو صرف کسی معین مسجد کے لئے ہوتے ہیں۔ لیکن ایسی صورت میں امام ابو حنیفہ وامام محمد کہتے ہیں کہ وقف صحیح نہیں ہے۔

ولا يتم الوقف عندأبي حنيفة و محمد حتى يجعل آخره لجهة لا تنقطع أبداً كالمساكين و مصالح الحرم والمساجد بخلاف ما لووقف على مسجد معين ولم يجعل آخره لجهة لا تنقطع لايصح لاحتمال أن يخرب الموقوف عليه۔

لیکن امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ آخری جہت غیر منقطعہ کا تذکرہ اگر نہیں کیا گیا تو بھی وقف صحیح ہے اور موقوف علیہ کے ختم ہونے کے بعد وقف فقراء کے لئے ہو جائے گا۔

وقال أبو يوسف :إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وإن لم يسمهم.

بہر حال ان ویران مساجد کے اوقاف یا تو امام اعظم کے مسلک پر ہوں گے اور معین مسجد کے ساتھ دیگر مساجد کے لئے یا فقراء وغیرہ پر بھی صرف کا تذکرہ ہوگا۔ یا امام ابو یوسف کے مسلک پر ہوگا تو بھی یا تو معین وغیر معین مساجد شامل ہوں گی یا فقراء شامل ہوں گے۔ اس لئے ایسے ویران مساجد کے اوقاف کے وقف نامہ میں اگر صراحت ہو تو اسکے مطابق عمل کی کوشش ہوگی۔ اور جہاں وقف نامہ موجود نہ ہو اور نہ واقف ہو اور نہ ہی اسکے عہد کے لوگ ہوں جن سے معلوم ہو سکے تو ایسے اوقاف کا پہلا حکم تو یہی ہوگا کہ دوسری مساجد میں ان کا غلہ صرف کیا جائے اور اگر وہ نہ ہوں یا ضرورت نہ ہو تو فقراء پر صرف کیا جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا ویسے ویران مساجد کے اوقاف کی اراضی یا مکان میں کوئی دینی ادارہ، مدرسہ، دعوت و تبلیغ کا مرکز یا مسلمانوں کے لئے اسکول، شفاخانہ، وغیرہ قائم کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

اس بارے میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے اصل مسجد کے بارے میں جو بحث کی ہے کہ اس کی مسجدیت تا قیامت باقی رہے گی۔ یہ بات مساجد کے دیگر اوقاف کے بارے میں نہیں ہے۔ کیونکہ مسجد کی اصل جگہ کو تو باقی رکھنے کا حکم ہے چاہے وہ ویران ہو یا آباد۔ لیکن مساجد کے دیگر اوقاف کے استبدال و بیع کی خاص حالت میں اجازت ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد کی اصل جگہ کے کچھ مخصوص احکام ہیں جو مسجد کے دیگر اوقاف کے لئے نہیں ہیں۔ مثلاً مسجد میں رہائش اختیار کرنا۔ جنبی یا حائضہ کا اس میں داخل ہونا۔ بلند آواز سے بولنا، لڑنا جھگڑنا، خرید و فروخت کرنا۔ پاخانہ پیشاب کرنا۔ وغیرہ امور شنیعہ ناجائز ہیں، جب کہ مسجد کے دیگر اوقاف کی عمارتوں و اراضی کا یہ حکم نہیں ہے۔

اس لئے ویران مساجد کے اوقاف منقطعہ میں اگر مصلحت و ضرورت شرعی کسی دینی مدرسہ کے قیام کی متقاضی ہو تو قاضی شریعت کی اجازت سے اگر نظام قضاء ہو یا وقف بورڈ اصحاب علم کے مشورہ سے اس کی اجازت دیکر قائم کرائے۔ کیونکہ جسطرح مسجد مسلمانوں کی عمومی دینی ضرورت کے لئے ہوتی ہے اسی طرح مدرسہ بھی عمومی دینی ضرورت کے لئے ہوتا ہے، مولانا سجادؒ نے اپنے فتوی میں مسجد کی افتادہ اراضی میں مدرسہ قائم کرنے کی اجازت دی ہے، بلکہ اسے حالات کے پیش نظر ضروری قرار دیا ہے، بلکہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے ویران مسجد میں درس و تدریس کا نظام قائم کرنے اور چلانے کی اجازت دی ہے (فتاوی محمودیہ)۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

مسجد یا مستعمل قبرستان کی فاضل زمین میں یا افتادہ قبرستان میں مدرسہ کا قیام:

مسجد کی ملکیت یا وقف کی زمین میں اس شرط پر مدرسہ بنانا جائز ہے کہ مدرسہ اس زمین کی مناسب قیمت ادا کردے، بغیر معاوضہ جائز نہ ہوگا (فتاوی محمودیہ ۱۷/۲۳۱)

ليس للقيم أن يسكن فيها أحدا بغير أجر (تاتارخانیہ ۵/۷۴۹)

متولی کے لئے موقوفہ زمین میں کسی کو بلا کرایہ پر رکھنا جائز نہیں۔

اور اگر قبرستان کی فاضل زمین ہے اور آئندہ قبرستان کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور لوگوں کے اس پر قبضہ جمانے کا خطرہ ہے یا قبرستان افتادہ ہو چکا ہے اس میں دفن کا سلسلہ باقی نہیں ہے تو اس پر مسجد یا مدرسہ قائم کرنا جائز ہے اس لئے کہ مسجد و مدرسہ قبرستان کے مقابلہ میں اعلی اور ارفع اوقاف میں سے ہیں، لہذا واقف کی غرض کی در حقیقت مخالفت نہیں ہے۔

اسی وجہ سے عمدۃ القاری وغیرہ میں افتادہ قبرستان میں مسجد بنانے کو جائز لکھا ہے، نیز حضرت تھانویؒ نے افتادہ قبرستان میں موقوفہ انجمن قائم کرنے کو جائز لکھا ہے (امداد الفتاوی ۲/۵۷۹، احسن الفتاوی ۶/۴۰۹)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأساً (وقوله) فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (عمدۃ القاری ۴/۱۷۹)

اگر مسلمانوں کا قبرستان افتادہ ہو جائے پھر اس میں لوگ مسجد بنالیتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ لہذا جب قبرستان پرانا ہو جائے اور وہاں دفن کی ضرورت نہ رہے تو اس کو مسجد کے کام میں لانا جائز ہے اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ اراضی پر مدرسہ کی تعمیر:

مسجد یا مدرسہ کی موقوفہ اراضی پر مدرسہ کی تعمیر شرعا درست نہیں ہے، چاہے زمین مسجد یا مدرسہ کی ضروریات سے زائد ہو، کیونکہ واقف نے اس زمین کو مسجد یا قبرستان کی ضروریات کے لئے وقف کیا تھا، مدرسہ کی تعمیر کے لئے نہیں، منشاء واقف کی رعایت ضروری ہے۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

مسجد یا قبرستان کی جو زمین زائد ہے اور آئندہ اس کی ضرورت کا امکان بھی نہیں ہے، تو اس زائد زمین میں سے اسی نوع کا وقف قائم کیا جاسکتا ہے، اس میں مدرسہ بنانا درست نہیں۔

مولانا ظفر عالم ندوی

جی ہاں کی جاسکتی ہے۔ اور مسجد کے احاطہ میں بالعموم مدرسہ ہوتا ہی ہے اس لئے اس معروف شکل کا جواز واضح ہے۔

مولانا شمس پیرزادہ

کسی واقف کے پیش نظر تین مقاصد ہو سکتے ہیں:

ا۔ جائداد کو وہ جوں کا توں رکھنا چاہتا ہے، اپنے بعد اس کے حصے کے ذریعہ اس کا ٹمنا اسے پسند نہیں ہے، اس مقصد کے پیچھے جائداد کی محبت ہے جو کوئی محمود و مستحسن مقصد نہیں ہے بلکہ قانون وراثت کی خلاف ورزی ہے۔

۲۔ دوسرا مقصد جس غرض کے لئے وقف کررہا ہے اس کی حفاظت ہے۔

۳۔ اور تیسرا مقصد جو بنیادی اور اصل محرک ہونا چاہئے وہ ثواب اور صدقہ جاریہ ہے۔

مؤخر الذکر دونوں مقاصد ہی کے لئے وقف مشروع ہوا ہے، اب اگر جس غرض کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ پوری ہو رہی ہے تو زائد از ضرورت زمین پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے، واقف کا دوسرا مقصد تو پورا ہی ہو رہا ہے تیسرے مقصد یعنی ثواب میں اس سے کمی نہیں آئے گی بلکہ اضافہ ہی ہوگا، انشاء اللہ، ہاں مسجد و قبرستان کی آئندہ توسیع کی ضرورت نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

اگر مسجد کی زمین ہو اور مسجد آباد نہ ہو، یا کم آباد ہو تو مسجد کو آباد کرنے یا مسجد کی آبادی کو بڑھانے کے لئے مسجد کی ضرورت سے زائد زمین میں مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ (دیکھئے: فتاوی رحیمیہ ۲/۱۸۷، کفایۃ المفتی ۷/۱۰۰، ۳/۱۳۴، فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۸۶)

غالباً نظام الفتاوی مطبوعہ دہلی میں بھی مسجد کی زمین میں مدرسہ قائم کرنے کے جواز کا ایک فتوی موجود ہے جو احقر کی نظر سے گذرا ہے، لیکن فی الحال احقر کے پاس نظام الفتاوی مطبوعہ دہلی، موجود نہیں، اس لئے بقید صفحہ حوالہ دینے سے معذور ہے۔

قبرستان کی زائد زمین، جس کی مدت مدید تک قبرستان کو ضرورت نہ معلوم ہوتی ہو، وہاں مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے، اور جواز کی یہ گنجائش عینی کی اس عبارت کی بنیاد پر ہے جس کا حوالہ تیسرے سوال کے جواب میں تفصیل سے گذر چکا ہے۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں کہ مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے تو اس زمین کے کار خیر میں استعمال ہونے کی نیت سے اس زمین پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے، چنانچہ علامہ عینی عمدۃ القاری کے (۴/۱۷۹) پر لکھتے ہیں:

قال ابن القاسم، لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجداً لم أربذلك باساً و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لئے ہے، اس مقبرہ کی جگہ مسجد بنانا جائز ہے (امداد الفتاوی ۲/۵۷۹)۔

توجب اس قبرستان کی جگہ جس کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے اس طرح کہ اب اس میں مردے دفن نہیں کئے جاتے تو اس علت سے معلوم ہوا کہ جب قبرستان کی زمین ضرورت سے زائد ہے تو اس پر مسجد بھی بنانا جائز ہے اور مدرسہ بھی، اور اسی طرح مسجد کی وقف زمین ضرورت سے زائد ہے تو اس پر مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہوگا۔۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے تو اس زمین کو کار خیر میں استعمال ہونے کی نیت سے اس زائد زمین پر مدرسہ کی تعمیر کرنا جائز ہے۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

جی ہاں جو زمین مسجد یا قبرستان کی ضرورت سے زائد ہے اس میں مدرسہ تعمیر کیا جاسکتا ہے، لیکن مدرسہ والوں سے ایک قانونی تحریر لینا ضروری ہے کہ اگر کسی وقت مسجد یا قبرستان کو اس زمین کی ضرورت ہوگی تو یہ زمین واپس لے لی جائے گی۔

مفتی محبوب علی وجیہی

بندہ کے خیال میں زائد از ضرورت قبرستان و مسجد کی وقف شدہ زمین پر مدرسہ کی تعمیر باتفاق جماعت مسلمین اس شرط کے ساتھ ہوسکتی ہے کہ وہ تابیدانہ ہو، مسجد و قبرستان کو جب ضرورت ہوگی انخلاء ضروری ہوگا (فتاوی ظہیریہ، شامی ۳/۵۳۰، بحر الرائق ۵/۲۱۶، عمدۃ القاری ۴/۷۹، نیز امداد الفتاوی ۲/۵۷۹، احسن الفتاوی ۶/۴۱۴) مشروط کا وجود تو مذکورہ فتاوی کی کتب میں ہے لیکن شرط کی قید احقر نے احتیاطاً لگادی ہے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ زمین میں خواہ وہ زمین ان کی ضروریات سے فاضل ہوں اس میں مدرسہ کی تعمیر شرعاً درست نہیں۔

"لأن شرط الواقف کنص الشارع" دیکھئے: (فتاوی رحیمیہ ۶/۹۵)

مفتی حبیب اللہ قاسمی

اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ اس جگہ کو کرایہ پر لے لیا جائے اور اس کو مدرسہ کی تعمیر کے لئے استعمال کیا جائے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

مسجد یا قبرستان کے لئے جو زمین وقف کی گئی ہے اس کو مدرسہ کے لئے استعمال کرنا مقاصد واقف کے خلاف ہے اس لئے درست نہیں ہے۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین پر مدرسہ کی تعمیر نہیں کی جاسکتی، ہاں ان کے لئے تعمیر شدہ عمارت مدرسہ کو کرائے پر دی جاسکتی ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

مسجد پر موقوفہ زمین جو ضرورت سے زائد ہے اس پر مدرسہ کی تعمیر جائز نہیں۔

أرض وقف على المسجد صارت بحال لا تزرع فيجعلها رجل حوضا للعامة لا يجوز للمسلمين انتفاع بماء ذلك الحوض (ہندیہ)

البتہ قبرستان پر موقوفہ زمین جو ضرورت سے زائد ہو اگر آئندہ اس کی ضرورت پڑنے کی امید ہو تو عارضی دینی مدرسہ اور اگر اس کی ضرورت پڑنے کی کوئی امید نہ ہو تو دینی مدرسہ بنانا جائز ہے۔

لأنهما للمسلمين (بحوالہ عمدہ ۴/۷۹ام، امداد الفتاوی ۲/۵۷۹)

مولانا محمد حنیف صاحب

مسجد اور قبرستان کی موقوفہ اراضی پر مدرسہ کی تعمیر:

مسجد ہو یا قبرستان ہر ایک وقف کا مقصد دین کو تقویت پہونچانا اور امت کے لئے سہولت بہم کرنا ہے، اس لحاظ سے مساجد اور قبرستان کے اوقاف کے مقاصد فی الجملہ وہی ہیں جو مدارس اور درسگاہوں کے ہیں، اس لئے ان اراضی میں مدارس کا قیام درست ہے، جیسا کہ فقہاء نے قبرستان میں مساجد کی تعمیر کی اجازت دی ہے، مفتی عبدالرحیم لاجپوری مدظلہ نے اس سلسلہ میں عینی کی عبارت اس طرح نقل کی ہے:

فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (عینی بحوالہ فتاوی رحیمیہ)

جب قبرستان ویران ہو جائے اور اس میں تدفین بھی نہ ہو رہی ہو تو اس قبرستان کو مسجد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، کیونکہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ہی ہے۔

جو علت یہاں مسجد تعمیر کرنے کی بیان کی گئی ہے، بعینہ وہی علت مدرسہ کی تعمیر میں بھی موجود ہے، اس لئے علت مشترکہ کی بناپر اگر مذکورہ صورت میں قبرستان میں مدرسہ کی تعمیر عمل میں آئے تو اس کی اجازت ہوگی۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

آئندہ کی ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے ضرورت سے زائد زمین پر مدرسہ قائم کرنا جائز ہے کیونکہ اسمیں نمازیوں کی کثرت ذکر اللہ، تعلیم کے ساتھ ساتھ مسجد و قبرستان کی حفاظت بھی ہے اور تعامل بھی اسی پر چلا آرہا ہے، جیسے مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی، مدرسہ شاہی مراد آباد، مدرسہ منبع العلوم گلاوٹی بلند شہر، وغیرہ یہ سارے مدارس قدیم قبرستانوں کی اراضی میں قائم ہیں۔

مفتی شیر علی گجراتی

مسجد کی وقف زمین پر مسجد اور مصالح مسجد کے علاوہ دیگر اشیاء کا بنا درست نہیں ہے۔ گو اس وقت ضرورت نہ ہوگی مگر بعد میں جیسا کہ تجربہ شاہد ہے ضرورت ہوگی۔ اوقاف میں آئندہ مستقبل کی ضرورت کا خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ مسجد کے ملبے اور انقاض کی بیع کو روک دیا گیا ہے کہ بعد میں ضرورت پڑسکتی ہے۔ ہاں البتہ مسجد کی فاضل ضرورت سے زائد زمین پر مدرسہ کی تعمیر ہوسکتی ہے کہ مدرسہ مصالح مسجد میں داخل ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ مدرسہ مسجد کو کرایہ ادا کرے۔ مسجد کے اوقاف پر مدرسہ کو مالکانہ اختیار نہ ہوگا۔

علامہ شامی کی عبارت سے بھی مستفاد ہوتا ہے: **الصرف هو إلى ما هو أقرب إلى العمارة كالإمام و نحوه انما هو فيما إذا لم يكن الوقف معينا على جماعة معلومين كالمسجد و المدرسة.....** اسی طرح ایک اور عبارت سے معلوم ہوتا ہے: **ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر بقدر ما يقوم به الحال (٣٦٨/٤).**

چنانچہ فتاوی رحیمیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: احاطہ مسجد کی تمام جگہ مصالح مسجد پر وقف ہوتی ہے۔ اس جگہ مدرسہ کی عمارت بنانے کے لئے اجازت دینا درست نہیں ہے (رحیمیہ ۹۵/۶)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی وقف زمین پر مصالح مسجد کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بنائی جاسکتی، البتہ مصالح مسجد میں مدرسہ داخل ہے۔ جیسا کہ بعض فقہاء کی عبارتوں سے مستفاد ہوتا ہے، تو مدرسہ مسجد کی ملک رہ کر مصالح عامہ کے تحت بنایا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن نجیم کی اس عبارت سے مستفاد ہے:

اى مصالح المسجد فيدخل المؤذن والناظر لأنا قدمنا أنهم من المصالح ..وقدمنا أن الخطيب داخل تحت الإمام لأنه إمام الجامع فتحصل به الشعائر التى تقدم فى الصرف مطلقا بعد العمارة الإمام والخطيب والمدرس والوقاد والفراش والمؤذن والناظر (بحر الرائق ۲۳۲/۵)

اسی طرح حاشیہ منحۃ الخالق میں ہے: إنما هو عدم النفع الحاصل من انتظام مصالح المساجد بإقامة شعائرها (بحر الرائق ۵؍۲۳۱)۔

حضرت مفتی محمود صاحب کا بھی فتوی ہے کہ مسجد کی زمین پر مدرسہ (جو مسجد کے ملک میں ہوگا بنایا جاسکتا ہے) چنانچہ محمودیہ میں اسی قسم کے سوال "مسجد کی زمین پر مدرسہ بنانا کیسا ہے" کا جواب یہ ہے:

الجواب: حامداً ومصلیاً۔ جو زمین مسجد کے لئے وقف ہو اور وہاں مدرسہ بنانے کی ضرورت ہو تو مسجد کے پیسے سے تعمیر کرلیں اور اس کو مدرسہ کے واسطے کرایہ پر لے لیں۔ مدرسہ کی جانب سے مسجد کو کرایہ ادا کردیا کریں۔ یا وہ زمین کرایہ پر لے کر مدرسہ تعمیر کرلیا جائے کہ زمین مسجد کو جس کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے ادا کردیا جایا کرے (فتاوی محمودیہ ۱۸؍۲۲۰)

مولانا محمد ارشاد القاسمی

صورت مسئولہ میرے نزدیک جائز ہے۔

مولانا ایوب ندوی

مسجد یا قبرستان پر وقف شدہ فاضل اراضی پر مدرسہ بنانا:

مسجد یا قبرستان کے لئے ایک زمین وقف ہے، جو مسجد و قبرستان کی ضرورت سے زائد ہے اب اگر اس زمین پر اس ارادے سے مدرسہ بنادیا جائے کہ وہ ضرورت سے فاضل زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو تو شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں فقہائے احناف نے عام طور سے کتب فقہ و فتاوی میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زمین جس کام کے لئے وقف کی گئی ہو اس کو اسی مصرف میں استعمال کیا جائے کیونکہ فقہ واصول کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ نص الواقف كنص الشارع (قواعد الفقہ ۸۵) و مراعاة غرض الواقفين واجبة (رد المحتار ۴؍۶۴)۔

حضرات فقہاء کے بیان کردہ مندرجہ بالا اصول کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد یا قبرستان کے لئے جو زمین وقف ہو وہ اگرچہ ضرورت سے زائد ہو لیکن اس پر مدرسہ کی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے (جامع بیان العلم ۲؍۳۱) البتہ اگر واقف کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً مسجد و قبرستان کی زمین پر مدرسہ بنانے کی اجازت ہو تو پھر مدرسہ کی تعمیر جائز ہوگی، بلکہ دور حاضر میں عموماً نا خواندہ واقفین کی طرف سے دلالۃً اجازت پائی جاتی ہے، کیونکہ مسجد پر زمین وقف کرنے سے ان کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ اس کی آمدنی مسجد، مصالح مسجد اور تعمیر مسجد وغیرہ میں خرچ کی جائے، اور ظاہر ہے کہ مدرسہ کی تعمیر مسجد کی معنوی تعمیر ہے، علاوہ ازیں اگر کوئی شخص مسجد کی فاضل اراضی پر مدرسہ بنادیتا ہے، اور واقف کو اس کا علم بھی ہوجاتا ہے، مگر وہ خود اس پر نکیر نہیں کرتا، بلکہ بہت سی جگہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد کی فاضل اراضی پر واقف سمیت گاؤں والوں کی اجازت سے مدرسہ بنادیا گیا، اور پورے انہماک سے وہاں تعلیم ہورہی ہے، بلکہ بہت

سے شہروں میں بعض بڑے بڑے مدرسے مسجد ہی کے اطراف میں قائم ہیں وہاں پہلے سے مسجد تھی، اور مدرسہ بعد میں بنایا گیا، نیز زمانہ قدیم میں زیادہ تر طلبہ کی تعلیم و تربیت مسجد ہی کے اندر ہوتی تھی، بلکہ مسجد خود اس کا مرکز تھی، اور علامہ ابن عبد البر علیہ الرحمہ نے جامع بیان العلم میں ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے ایک ازدی شخص نے جہاد کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تم کو جہاد سے بہتر چیز بتاتا ہوں: تبتنی مسجدا و تعلم فیه القرآن والسنة والفقه فی الدین (جامع بیان العلم ۲/۳۱) مسجد تعمیر کر کے اس میں کتاب و سنت اور دینی احکام کی تعلیم دو۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد و قبرستان کی وہ فاضل اراضی جس کی مسجد و قبرستان کو نہ ابھی ضرورت ہے، اور نہ ہی آئندہ ضرورت پڑنے کا امکان ہے، مثلاً قبرستان میں لوگوں نے دفن کرنا چھوڑ دیا اور قبریں منہدم ہو گئیں، تو ان صورتوں میں مسجد و قبرستان کی فاضل اراضی پر مدرسہ کی تعمیر جائز ہے، اور اس سلسلہ میں قدرے تفصیل دوسرے سوال کے تحت گذر چکی ہے، نیز یہ بھی گذر چکا ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے نزدیک مسجد یا اس کی متعلقہ وقف عمارت میں تعلیم کا اجراء مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے (کفایت المفتی ۷/۳۰۲، جواب ۲۶۶) نیز آگے یہ مسئلہ آرہا ہے کہ ویران قبرستان پر تعمیر مسجد و مدرسہ کی حضرات فقہاء نے اجازت دی ہے، البتہ اگر خود واقف نے زمین کو کسی معین مسجد پر وقف کر کے صراحت کر دی ہو کہ اس کی آمدنی کسی دوسری جگہ خرچ نہ کی جائے تو اس وقت اس کی مخالفت جائز نہ ہوگی۔

لأن شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعه (ردالمحتار ۳/۴۹۷)

لیکن اگر مسجد و قبرستان کی فاضل اراضی پر کسی کے غصب کر لینے کا واقعی خطرہ ہو تو ایسی صورت میں بہر حال اس پر تعمیر مدرسہ کی اجازت دی جائیگی۔

مولانا ابوبکر قاسمی

مسجد کے لئے وقف زمین پر یا قبرستان کے لئے وقف زمین پر جو ضرورت سے زائد ہے مدرسہ تعمیر کرنا درست نہیں ہے،

ولو لم یتفرق الناس ولکن استغنی الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج إلی العمارة أو علی العکس، هل یجوز للقاضی صرف وقف ما استغنی عن العمارة إلی ماهو محتاج إلی العمارة، قال: لا، کذافی المحیط (عالمگیری ۲/۳۶۴، ۳۶۵)

بلکہ اس زمین کی آمدنی اسی مسجد یا قبرستان کے لئے محفوظ رکھی جائے اور رقم کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو دوسری قریب کی مسجد یا قبرستان کی ضروریات میں صرف کی جائے۔

مولانا عبد القیوم پالنپوری

قبرستان کی موقوفہ زمین پر جو قبرستان کی ضرورت سے زائد ہے، فقہاء نے مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ لوگوں نے اموات دفن کرنا چھوڑ دیا ہو، اور سابقہ قبروں کے نشانات مٹ گئے ہوں اور ایسا ہی اگر قبرستان کسی کا مملوک ہو تو قبروں کے نشانات مٹ جانے کے بعد مالک کی اجازت سے مسجد بنانا جائز ہے۔

قال الحافظ العيني: فإن قلت هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين" قلت قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد(عمدۃ القاری ۴/۱۷۹،احسن الفتاوی ۶/۴۰۹)

عبارت بالا میں قبرستان میں مسجد کے جواز کی دلیل یہ بیان کی گئی کہ قبرستان اوقاف مسلمین میں سے ہے جس کی منفعت عام ہے اور اس کی تملیک درست نہیں، ایسا ہی مسجد کا حال ہے۔

لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه.

مذکورہ بالا گفتگو میں جس دلیل سے مسجد کی تعمیر کو درست کہا گیا ہے اسی دلیل سے قبرستان کی جگہ میں مدرسہ کی تعمیر کو درست اور جائز کہا جائیگا، والعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد، چنانچہ فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر وہ قبرستان مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے دینی مدرسہ کی تعلیم درست ہے، اگر قبرستان وقف ہے تو منشاء واقف ہی میں اسکو استعمال کیا جائے، لیکن اگر وقف ہونے کے باوجود وہ جگہ ضرورت سے زائد ہے اور بیکار رہنے سے اندیشہ ہے کہ کوئی اس پر غلط تصرف کرے جس سے وقف ہی ضائع ہو جائے تو دینی مدرسہ کی تعمیر کرنا درست ہے (فتاوی محمودیہ ۱۴/۱۴۸)۔

عبارت بالا میں قبرستان کی زائد از ضرورت جگہ پر جس دلیل سے مسجد اور مدرسہ کا جواز اور اس کی درستگی معلوم ہوئی اسی دلیل سے مسجد کی زائد زمین میں مدرسہ کی تعمیر کا جواز اور اس کی درستگی ہوگی۔

زمانہ اتنا بدل چکا ہے کہ حرام و ناجائز جانتے ہوئے آخرت کی جوابدہی سے بے فکر ہو کر اراضی موقوفہ پر قبضہ و دخل لوگوں کا شیوہ بن چکا ہے، اگر اس زمین پر مدرسہ کی اجازت نہ دی جائے تو کوئی بعید نہیں کہ مستقبل قریب میں وہ زمین ھضم ہو جائے۔

مولانا تنویر عالم قاسمی

مسجد کی آبادی کے لئے مدرسہ قائم کرنا مصالح مسجد میں ہے لہذا شرعا مسجد میں مدرسہ قائم کرنا جائز ہے۔ قبرستان کی جگہ اگر ضرورت سے زائد ہے اور بیکار رہنے سے اندیشہ ہے کہ کوئی اس پر غلط تصرف کرے جس سے وقف ہی ضائع ہو جائے گا تو اس میں دینی مدرسہ کی تعمیر کرنا درست ہے (فتاوی محمودیہ ۱۴/۱۴۸)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہو اس پر مدرسہ یا کوئی اور مقصد کے لئے تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، چونکہ وقف کو مقاصد وقف میں استعمال کرنا چاہئے اسکے خلاف جائز نہیں۔

مولانا نذر توحید مظاہری

ضرورت سے زائد مسجد وقبرستان کی آمدنی ہو تو کار خیر کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔

ذاکٹر قدرت الله باقوی

مسجد یا قبرستان کے لئے جو زمین وقف ہے اور وہ ضرورت سے زائد ہے، اس پر مدرسہ کی تعمیر جائز نہیں ہے۔ بوقت ضرورت کرایہ والی صورت اختیار کی جاسکتی ہے جس کی تفصیل دوسرے سوال کے جواب میں گزر چکی ہے۔ (احسن الفتاوی ۶ / ۴۳۳، فتاوی محمودیہ ۱۸ / ۲۲۰)۔

مولانا عبد اللطيف پالنپوری

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے، اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے کہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو؟ اگر اس نیک ارادے سے بھی مسجد کی زمین پر مدرسہ بنانا چاہے تو شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہے، کیونکہ جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی کسی بھی ضرورت کے لئے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا سکتا ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی مسجد بنانے کے سلسلہ میں یہ ہے:

عن عثمانؓ قال قال رسول الله ﷺ من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا فى الجنة (رواه البخاري ومسلم)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ کے لئے (یعنی صرف اس کی خوشنودی اور اس کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے) مسجد تعمیر کرائے تو اللہ تعالی اس کے لئے جنت میں ایک شاندار محل تعمیر فرمائیں گے۔

تشریح: حدیث و قرآن کے بہت سے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں ہر عمل کا صلہ اس کے مناسب عطا ہوگا، اس بنیاد پر مسجد بنانے والے کے لئے جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا یقیناً قرین حکمت ہے (بخاری ۱ / ۶۴، مسلم ۱ / ۲۰۱، معارف الحدیث ۳ / ۱۸۱)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی کا موقف:

سوال: ایک مسجد کافی وسیع ہے اس کا کچھ حصہ خارج کر کے اس میں امام مسجد کے لئے مکان تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی کسی بھی ضرورت کے لئے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جاسکتا ہے۔

قال فى شرح التنوير ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثانى أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتى.

وفى الشامية: (قوله ولو خرب ما حوله الخ) اى ولو مع بقائه عامراً وكذا لو خرب وليس له بأن يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر (ردالمحتار ۳ / ۵۱۳) والله تعالى اعلم (احسن الفتاوی ۶ / ۴۳۶)

عید گاہ کی فاضل زمین پر مدرسہ بنانا:

حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم سے سوال کیا گیا (مدرسہ کی تعمیر کے لئے عید گاہ کی فاضل اراضی کا استعمال کرنا شرعاً جائز ہو تو مدرسہ کافی وسیع پیمانہ پر چلایا جاسکتا ہے) اس سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

الجواب: بندہ نے صورت مسئلہ میں بار بار غور کیا مگر سمجھ میں یہی آیا کہ عید گاہ کی زمین میں مدرسہ بنانا جائز نہیں، ہر چند سوچنے کے باوجود مجوزین حضرات کے خیال کی بنا سمجھ میں نہیں آتی...... بہر کیف مسئلہ کی نوعیت بالکل واضح ہے جس میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں، مع ہذا جو امور موجب خلجان ہو سکتے ہیں اثناء جواب میں ان کی تنقیح بھی کردی ہے الخ (تفصیلی دلائل کے لئے دیکھئے: احسن الفتاوی ۶/ ۴۳۳ تا ۴۳۶)

پرانی مسجد کو مکتب بنانا:

پرانی مسجد کو مکتب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: مسجد جب ایک بار بن گئی تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، خواہ لوگ اس میں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، لہذا اس کو مکتب بنانا جائز نہیں البتہ اس کی مسجدیت اور ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں دین کی تعلیم دینا ان شرائط سے جائز ہے:

(۱) معلم اجرت لے کر نہ پڑھائے، بقدر ضرورت وظیفہ لے سکتا ہے۔

(۲) چھوٹے بے سمجھ بچوں کو مسجد نہ آنے دیا جائے۔

(۳) مسجد کے احکام اور ادب واحترام کا پورا اہتمام رکھا جائے۔

قال في التنوير : ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى : و لايجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوىٰ حاوى القدسي وأكثر المشائخ عليه مجتبى وهو الأوجه فتح الخ بحر (ردالمحتار ۳/ ۳۸۲) والله تعالى اعلم (احسن الفتاوی ۶/ ۴۵۶، ردالمحتار ۳/ ۴۰۶)

زبدۃ الخلاصۃ: فقہاء عظام کی تشریحات وتوضیحات کی روشنی سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اوقاف مساجد کو فروخت کرنا اس کے اوپر کوئی دینی ادارہ یا عصری ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، یہی رائے میری بھی ہے۔

اوقاف قبرستان کی جگہ پر کوئی دینی ادارہ بنانا:

اگر کوئی قبرستان ویران پڑا ہو اور اس میں موتی بھی دفن نہیں کئے جاتے ہیں تو ایسے قبرستان کی اراضی مخروبہ پر مدرسہ کی تعمیر کردی جائے تاکہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہوتی رہے تو شرعی نقطۂ نظر سے اس کی گنجائش ہے، ایسی زمین پر انجمن اسلام کے لئے مکان بنانا، یا مسافر خانہ بنانا، ہسپتال بنانا وغیرہ جائز ہے تاکہ مفاد وقف کا منشاء باقی رہے اور کوئی غاصب اس کو غصب نہ کرنے پائے، سوال نمبر (۷۰۲) کے تحت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

الجواب: عینی شرح بخاری میں ہے: قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی فیها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لا یجوز لأحد أن یملكها فإذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین لا یجوز تملیكه لأحد فمعناهما علی هذا واحد.

جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے، واللہ اعلم (امداد الفتاوی ۲/۵۷۹)

پرانے قبرستان پر مسجد بنانا:

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نے بھی پرانے قبرستان پر مسجد بنانے کا فتوی صادر فرمایا ہے:

اس قبرستان میں اگر لوگوں نے اموات کو دفن کرنا ترک کر دیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشان مٹ گئے ہوں تو وہاں مسجد بنانا جائز ہے، ایسے ہی اگر قبرستان کسی کا مملوک ہو اور اس میں قبریں مٹ چکی ہوں تو مالک کی اجازت سے وہاں مسجد بنانا جائز ہے (احسن الفتاوی ۶/۴۰۹)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین ضرورت سے زائد ہے تو اسی طرح کے مصرف میں اسکو لایا جاسکتا ہے غیر جنس میں نہیں، تفصیل پانچویں سوال کے تحت گزر چکی ہے۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہو اور اس درجہ میں ہو کہ مدتوں وہاں تدفین کی ضرورت نہ ہو اور نہ ہی آئندہ ضرورت متوقع ہو تو اس صورت میں حواشی قبرستان پر مدرسہ کی عمارت تعمیر کرنا احقر کی رائے میں درست اور جائز ہے کیوں کہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو رہی ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ قبرستان اور مسجد کی ضرورت سے واقعۃً فاضل ہو تبھی اس زمین کو دینی کاموں میں بھی بر سبیل مناسب باقاعدہ دیانۃً اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے ورنہ فی نفسہ کوئی صورت جواز کی نہیں ہے۔

مولانا قمر الزماں ندوی

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ زمین پر مدرسہ کی تعمیر:

کیا مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضروریات سے زائد ہو اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں مسجد کے اوقاف اور دیگر اوقاف میں فرق کرنا چاہئے کہ مساجد کے اوقاف تو صرف مصالح مسجد مثلاً اس کی ترمیم، امام ومؤذن اور خطیب وغیرہ کی تنخواہیں یا متولی وذمہ داران یا دوسری محتاج تعمیر مساجد کی ضروریات میں صرف کی جائیں، مدرسہ وغیرہ بنانے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، چنانچہ علامہ اشرف علی تھانوی (م: ۱۳۶۲ھ) لکھتے ہیں۔

"مدرسہ جنس مسجد سے نہیں اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے اسی طرح بہ ترتیب" (امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۶)

ہاں دیگر اوقاف کی ضروریات سے زائد چیزیں مثلاً قبرستان کی موقوفہ زمین جو اس قبرستان کے مصارف سے زائد ہے اس پر مدرسہ کی تعمیر کی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب (مدظلہ العالی) کی رائے ہے:

"اور اگر قبرستان محتاج اعانت نہ ہو تو اس کی آمدنی دینی مدارس پر خرچ کی جائے یا اس میں مسجد تعمیر کردی جائے یا دینی مدرسہ قائم کردیا جائے" (نظام الفتاوی ۱/ ۱۷۵)۔ اور علامہ ابن تیمیہؒ کی تحریر بھی ملاحظہ ہو:

وما فضل من ريع الوقف عن مصلحته صرف فی نظيره أو مصلحة المسلمين من أهل ناحيته ولم يحبس المال دائما بلا فائدة (مجموعۃ الفتاوی ۳۱/ ۹۳)

اور وقف کے منافع جو اس کی مصلحت سے بچ جائے اس کو اسی کے ہم مثل میں صرف کیا جائے گا یا اسی محلہ کے مسلمانوں کی مصلحت میں، اور مال کو بلا فائدہ ہمیشہ نہیں روکا جائے گا۔

یہ واضح رہے کہ مدارس ومکاتب دینیہ کا قیام بھی مصالح مسلمین میں سے ہے۔

مولانا محمد نور القاسمی

مسجد یا قبرستان کی زائد زمین پر مدرسہ قائم کرنا:

علماء ہند کا خیال ہے کہ مسجد کے لئے وقف زمین جو ضرورت سے زائد ہو اس پر مدرسہ قائم کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا فتوی ہے:

"ہرگاہ مسجد آباد است اگرچہ مستغنی ست آمدنی او در جائے دیگر صرف کردن درست نیست (امداد الفتاوی ۲/ ۴۲)

لیکن راقم کا خیال ہے کہ مسجد کے لئے وقف زمین جو ضروریات مسجد سے زائد ہے اس پر دینی مدرسہ قائم کردیا جائے تاکہ وہ زمین کار خیر میں استعمال ہو، فقہاء کی عبارات اور کتب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں بچوں کی دینی تعلیم کا نظم کرنا اور مسجد کے اندر مکاتب چلانا درست ہے، تو مسجد کی زائد زمین پر دینی علوم کی تعلیم کی اشاعت کے مقصد کے تحت مدرسہ اسلامیہ کا قیام عمل میں لانا بدرجہ اول جائز ہونا چاہئے۔

وتعليم الصبيان فيه (اى المسجد) بلا أجر وبالأجر يجوز (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفتاوی البزازیہ مع الہندیہ ۶/۳۵۷)

مسجد میں بچوں کو علم سکھانا تنخواہ لے کر اور بلا تنخواہ لئے دونوں طرح جائز ہے۔

اسی طرح قبرستان پر وقف زائد زمین جس میں تدفین نہیں ہورہی ہے اور نہ آئندہ اس میں تدفین کی ضرورت متوقع ہے تو اس میں منشاء واقف کا خیال رکھتے ہوئے مدرسہ کی تعمیر درست ہوگی۔

مولانا ابرار خان ندوی

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے اس پر مدرسہ کی تعمیر کا مسئلہ:

نظام الفتاوی میں لکھا ہے کہ جو قبرستان موقوفہ ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس میں مردے دفن کرنا ہی متعین ہو اس کے علاوہ کسی دوسرے کام میں لانا جس سے منشاء واقف فوت ہو تو درست و جائز نہیں (نظام الفتاوی ۱/۱۷۴)

یہی حکم مسجد کا بھی ہے کہ واقف نے اسکو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا دوسرے کام کے لئے نہیں تو اس کو دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

مسجد یا قبرستان کی وہ موقوفہ زمینیں جو ضرورت سے زائد ہیں ان پر اگر مدرسہ قائم کیا جاتا ہے تو اس کے جواز کی شکل نکل سکتی ہے اس لئے کہ مسجد یا قبرستان کی وہ موقوفہ زمینیں جو ضرورت سے زائد ہیں اگر وہاں دینی مدرسہ قائم کیا جاتا ہے تو اس سے آبادی میں ترقی ہوگی، اور ایک کار خیر میں استعمال ہورہی ہے جو کہ واقف کے مقاصد میں بھی داخل ہے۔

مولانا سمیع الله قاسمی

مسجد پر وقف زمین جو مسجد کی ضرورت سے زائد ہے اس پر مدرسہ کی تعمیر کی گنجائش اس وجہ سے معلوم ہورہی ہے کہ دونوں صورتوں میں غرض واقف جو کہ التقرب إلى الله و حصول الثواب ہے بطریق اکمل حاصل ہورہا ہے۔

مولانا صدر عالم قاسمی

اس سوال کا حاصل یہ ہے کہ مسجد یا قبرستان پر وقف زمین جو ضرورت سے زائد ہو اس پر دینی یا عصری علوم کی درسگاہ قائم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ کا استفتاء عصر حاضر کے نامور فقیہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم سے کیا گیا کہ عید گاہ کی فاضل اراضی کو مدرسہ کی تعمیر کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس استفتاء کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسی کا خلاصہ کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب مختلف نصوص فقہیہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حاصل یہ کہ جملہ کتب معتبرہ میں وضاحت ہے کہ شرط واقف اور جہت وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں، اگر موقوف علیہ سے استغناء ہو چکا ہو تو بھی وقف کی آمدنی موقوف علیہ کے مجانس اقرب پر صرف کی جائے گی اس حالت میں بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں۔

قال في التنوير و مثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنها والرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر (والحوض) إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر (أو حوض)إليه. وقال في الشامية (قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ) لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (ردالمحتار ۳/ ۵۱۳)

مذکورہ جزئیہ اگرچہ مصرف اول کے خراب ہو جانے سے متعلق ہے مگر مصرف اول سے اوقاف کی آمدنی اگر بہت زیادہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ استغناء دونوں صورتوں کو جامع ہے۔ آگے لکھتے ہیں: خلاصہ یہ کہ اصل موقوف علیہ سے استغناء کے وقت بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں، اقرب مجانس پر صرف کرنا ضروری ہے۔ عالمگیریہ میں بھی اس قسم کا جزئیہ موجود ہے:

سئل شمس الائمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أوحوض آخر قال نعم و لو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج إلى العمارة أو على العكس هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلى ما هو محتاج إلى العمارة قال لا كذا في المحيط(عالمگیری ۲/ ۳۵۲)

اس عبارت میں اقرب مجانس کی تصریح نہیں، شرح التنویر اور شامیہ کے مذکورہ جزئیات میں وضاحت ہے کہ بحالت استغناء مسجد کا وقف قریب ترین مسجد پر اور حوض کا وقف قریب ترین حوض پر صرف کیا جائے (احسن الفتاوی ۶/ ۴۳۴، ۴۳۶)۔

مولانا عطاء الله قاسمی

مسجد کی زائد جگہ میں مدرسہ قائم کرنے کا حکم:

مسجد پر جو زمین وقف ہے اس کے بارے میں اصل حکم تو یہی ہے کہ وہ زمین ہمیشہ مسجد ہی کی رہے، نہ ہی اس کو فروخت کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس جگہ سے مسجد کے آداب کے خلاف کوئی کام لینا جائز، اور نہ ہی اس جگہ پر مدرسہ وغیرہ قائم کرنے کی اجازت ہے، البتہ ارباب فتاویٰ نے ایسی زائد زمین کے بارے میں یہ حل نکالا ہے کہ اگر وہاں مدرسہ وغیرہ قائم کرنے کا ارادہ ہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اور دونوں جائز ہیں۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ مسجد ہی کی طرف سے اس جگہ پر تعمیر کر دی جائے اور اس کا کرایہ متعین کر دیا جائے اور مدرسہ کو متعینہ کرایہ دے کر ماہوار مدرسہ سے کرایہ وصول کیا جاتا رہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تعمیر مسجد کی طرف سے نہ کی جائے بلکہ تعمیر کا مدرسہ خود کفیل ہو لیکن مدرسہ اس جگہ کا متعینہ کرایہ ادا کرتا ہے (مستفاد فتاوی محمودیہ ۱۲؍ ۲۸۴، ۱۵؍ ۱۹۷)

علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے معارف السنن کے اندر مسجد کی زائد آمدنی کو مدرسہ اور علم کی اشاعت میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے، لہٰذا اگر زمین کو بھی آمدنی کے حکم میں رکھا جائے تو پھر اس جگہ پر بغیر کرایہ کے مدرسہ قائم کرنا جائز اور درست ہوگا، عبارت درج ذیل ہے:

قال الراقم ومما تبين لي بعد فحص و بحث كثير أنه إذا اجتمعت أموال كثيرة تزيد على إعادة بناء المسجد أن احتيج إليه فيجوز صرف الزائد إلى إنشاء مدرسة ونشر علم وإن لم يكن من شرط الواقف (معارف السنن ۳؍ ۳۰۱)

راقم نے کہا اور بہت غور و فکر کے بعد مجھے یہ بات واضح ہوئی کہ جب مسجد کے پاس اعادۂ مسجد سے بھی زائد مال جمع ہو جائے جس وقت کہ مسجد کو اعادہ کی ضرورت پڑے تو اس زائد اموال کو مدرسہ قائم کرنے اور علم پھیلانے میں صرف کرنا جائز اور درست ہے اگرچہ وقف کے وقت واقف نے شرط نہ لگائی ہو۔

جو مسجد کا حکم ہے وہی قبرستان کی زائد زمین کا بھی حکم ہے ان دونوں کے درمیان میں کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا قبرستان کی زائد زمین پر بھی مدرسہ قائم کرنے کی اجازت ہوگی۔

مولانا اسعد الله قاسمی

مسجد یا قبرستان کی زائد موقوفہ اراضی پر مدرسہ کی تعمیر:

اگر کسی نے کسی خاص عمارت مثلاً مسافر خانہ یا خانقاہ وغیرہ کی تعمیر کے لئے کچھ سرمایہ وقف کیا اور تعمیر مکمل ہونے کے بعد کچھ سرمایہ بچ گیا تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ اس سلسلہ میں علامہ شامی لکھتے ہیں کہ اسی نوع کے قریبی اوقاف مثلاً مسجد کے امام یا مدرسہ کے مدرس کو دیدیا جائے گا، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسجد یا قبرستان کی موقوفہ اراضی پر جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہے مدرسہ کی تعمیر درست ہونی چاہئے، کیونکہ مدرسہ بھی مسجد اور قبرستان کی طرح رفاہ عام ہی کے لئے قائم کیا جاتا ہے۔

في الدر و يبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد و مدرس مدرسة (وفي الرد) فان انتهت عمارته وفضل من الغلة شئ يبدأ بماهو أقرب للعمارة وهو عمارته ...... ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة (شامی ۳؍ ۳۷۶)

وقف کی آمدنی کو سب سے پہلے وقف کی تعمیر و مرمت پر خرچ کیا جائے گا پھر ان اشیاء پر جو اس کی آبادی سے تعلق رکھتی ہوں مثلاً مسجد کے امام اور مدرسہ کے مدرس پر۔ (شامی میں ہے) کہ اگر مقصد وقف کا کام ختم ہو جانے کے بعد کچھ رقم بچ جائے تو پھر اس پر خرچ کیا جائے گا جو اس مقصد کے زیادہ قریب ہو (اگر پھر بھی کچھ بچ جائے) تو اس پر خرچ کیا جائے جو اس مقصد کے زیادہ قریب اور زیادہ مصلحت والا ہو مثلاً مسجد کا امام اور مدرسہ کا مدرس۔

مسلک مالکی: امام مالکؒ کے یہاں بھی مسجد یا قبرستان کی موقوفہ اراضی پر جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہے، مدرسہ کی تعمیر درست ہوگی کیونکہ شیخ محمد علیش نے اپنی کتاب میں سحنون، دحون، ابن رشد، اور ابن عرفہ کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی خاص مسجد وغیرہ کے لئے کوئی چیز وقف کیا اور وہ اس کی ضرورت سے فاضل ہو جائے تو اس کو دوسری مسجد کو دیا جاسکتا ہے، یہ صورت مسئولہ کے جائز ہونے پر دال ہے۔

فتيا سحنون فى فضل زيت المسجد انه يوقد منه فى مسجد آخر و فتيا دحون فى حبس حصن يغلب العدو عليه يدفع فى حصن آخر قال و ما كان لله تعالى واستغنى عنه يجوز جعله فى غير ذلك الوجه مما هو لله تعالى وفتوى ابن رشد فى فضل غلات مسجد زائدة على حاجته أن يبنى منها مسجد تهدم وقال ابن عرفة شبيه المصرف مثله إن تعطل (شرح منح الجليل ۴/ ۶۲،۶۱)

مسجد کے بچے ہوئے تیل کے بارے میں سحنون کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کو دوسری مسجد میں جلایا جائے، وہ قلعہ جس پر دشمن کا غلبہ ہو اس کے وقف کے سلسلہ میں ابن دحون کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کو دوسرے قلعہ میں دیدیا جائے، اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہو اور لوگ اس سے بے نیاز ہوں تو اس کو اسی نوع کے اوقاف میں استعمال کرنا جائز ہے، اور مسجد کی زائد آمدنی کے سلسلہ میں ابن رشد کا فتویٰ ہے کہ اس سے دوسری منہدم مسجد تعمیر کی جائے، اور ابن عرفہ کا کہنا ہے کہ موقوفہ چیز کے مصرف کا مماثل اسی کے حکم میں ہے اگر وہ بیکار ہو جائے۔

مسلک شافعی: امام شافعیؒ کے یہاں اگر کسی نے کسی خاص عمارت کی تعمیر کے لئے کچھ سرمایہ وقف کیا اور تعمیر کے بعد کچھ سرمایہ بچ جائے تو اس کو آئندہ کے لئے ذخیرہ بنا کر رکھنا واجب ہے، یہ اس بات پر دال ہے کہ مسجد یا قبرستان کی موقوفہ اراضی پر جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہے مدرسہ کی تعمیر درست نہیں ہے، چنانچہ امام نووی رقم طراز ہیں:

أما غير المنهدم فما فضل من غلة الموقوف على مصالحه يشترى به عقار و يوقف عليه بخلاف الموقوف على عمارته يجب إدخار لأجلها (شرح مہذب ۱۵/ ۳۶۱)

جو کچھ موقوف آمدنی سے بچ جائے جو اس کے مصالح پر موقوف ہو تو اس کے ذریعہ زمین خریدی جائے گی اور اس پر وقف کردی جائے گی بخلاف اس موقوفہ عمارت کی آمدنی کے جو اس کی عمارت پر موقوف ہو اس کا ذخیرہ کرنا اسی عمارت کے لئے واجب ہے۔ فی زمانہ فتویٰ مسلک احناف ومالکیہ پر ہونا چاہئے کیونکہ جس طرح مسجد اور قبرستان کا وقف رفاہ عام کے لئے ہوتا ہے اسی طرح مدرسہ بھی رفاہ عام ہی کے لئے قائم کیا جاتا ہے، لہذا اس کی تعمیر مسجد یا قبرستان کی زائد موقوفہ اراضی پر درست ہونی چاہئے۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

اگر قبرستان ناقابلِ استعمال ہو جائے؟

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مولانا عتیق احمد قاسمی	مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی	مولانا عبد الجلیل قاسمی
مولانا انیس الرحمٰن	مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی	مولانا شمس پیرزادہ
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی	مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا ابوسفیان مفتاحی	مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی	مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا سلطان احمد اصلاحی	مولانا مفتی محمد حنیف
مولانا محمد رضوان قاسمی	مفتی شیر علی گجراتی
مولانا ایوب ندوی	مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا عبد القیوم پالنپوری	مولانا تنویر عالم قاسمی
مفتی عبد الرحیم قاسمی	مولانا نذر توحید مظاہری
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی	مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی	مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی	مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابرار خاں ندوی	مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا سمیع اللہ قاسمی	مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی	مولانا اسعد اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی	

اگر قبرستان ناقابل استعمال ہو جائے؟

سوال: جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان ہو رہا ہے، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا، اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہے۔ بلکہ قبضہ ہو رہا ہے۔ توان قبرستانوں کے لئے کیا حکم ہوگا۔ اور ان سے انتفاع کو باقی رکھنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جاسکتی ہے؟

جوابات

پہلے سوال کے تحت جو تفصیل آئی ہے اس کے مطابق تبادلہ یا کار آمد بنانے کی کوئی مناسب و مفید صورت اختیار کی جائے (خواہ قبرستان اس وجہ سے معطل ہوں کہ آبادی نہیں رہی، یا اس لئے کہ پابندی لگ گئی) مفتی نظام الدین صاحب کے فتاوی میں اس بابت کافی وضاحت وصراحت آئی ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

قبرستان ناقابل استعمال ہو جائے:

اگر قبرستان کے اطراف مسلمان آبادی کے ختم ہو جانے یا تدفین پر پابندی کی وجہ سے قبرستان قابل استعمال نہ رہایا اس پر ناجائز قبضہ کا خطرہ ہو۔ اور عام طور پر ایسا قدیم قبرستان ہی میں ہوتا ہے۔ تو بوسیدہ ہڈیاں حتی المقدور جمع کر کے ایک جگہ دفن کر دی جائیں اور اس حصہ کو احاطہ بندی کے ذریعہ محفوظ کر دیا جائے، بقیہ حصہ فروخت کر دیا جائے اور بہتر ہے کہ جہاں مسلمانوں کو قبرستان کی ضرورت ہو وہاں اس کی قیمت سے قبرستان فراہم کیا جائے تا کہ منشاء وقف کی ممکن حد تک رعایت ہو سکے، اور اگر یہ مصرف موجود نہ ہو یا کم سے کم قریب کی مسلم آبادیوں میں اس کی حاجت نہ ہو تو فقراء پر خرچ کر دی جائے۔ ہشام کے واسطہ سے امام محمد کا قول گذر چکا ہے:

الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضى أن يبيعه و يشترى بثمنه غيره (البحر الرائق ۵/۲۰۷)

نیز ابن نجیم کا بیان ہے:

قيم خاف من السلطان أو من وارث يغلب على أرض وقف يبيعها و يتصدق بثمنها و كذا كل قيم إذا خاف شيئاً من ذلك له أن يبيع و يتصدق بثمنها (حوالہ سابق)

دیگر مکاتب فقہ کا بھی یہی رجحان معلوم ہوتا ہے، ابن قدامہ لکھتے ہیں:

وإذا خرب الوقف ولم يرد شيئاً بيع و اشترى بثمنه ما يرد على أهل الوقف وجعل وقفا كالأول (المغنی ۵/۳۶۸)

— مولانا خالد سيف الله رحمانی

انہیں فروخت کر کے دوسرا قبرستان قائم کرلیا جائے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

غیر آباد قبرستان کا حکم:

اگر قبرستان، اردگرد کی مسلم آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے غیر آباد ہو اور قبریں اتنی پرانی ہوں کہ مردے کو سڑ گل جانے کا ظن غالب ہو اور اس کے کچھ حصہ پر غیروں کا قبضہ ہو گیا ہو، اور بقیہ پر قبضہ کا خطرہ ہو، تو ایسی صورت میں قاضی شریعت کی اجازت سے اس پر ہر وہ کام کر سکتے ہیں جس سے مقاصد وقف کا تحفظ ہو سکے۔ مثلاً قاضی شریعت کی اجازت سے اس پر کھیتی کی جائے، یا مکان یا چاروں طرف سے دوکانیں بنا کر کرایہ پر لگادی جائیں جس سے قبرستان کی حفاظت بھی ہو، اور بوقت ضرورت اس میں مردے دفن ہو سکیں، اس سے حاصل ہونیوالی آمدنی دوسرے قبرستانوں پر الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے صرف کی جائے گی۔

"كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار ترابا، زيلعى" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۱/۶۰۲)

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

جن قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو چکی ہیں یا آبادیوں کے اندر وہ قبرستان گویا مکانوں سے گھر گیا ہے یا کسی دوسرے اسباب و موانع کے سبب اب اس میں میت کی تدفین نہیں ہو رہی ہے اور بہ شکل قبرستان اس کا استعمال ہی بند اور حکومت کی طرف سے ممنوع ہے، اس لئے اس پر غلط عناصر کے قبضہ و دخل کا خطرہ پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں مدرسہ یا کوئی بھی رفاہی ادارہ قائم کر کے اس قبرستان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اور غیر لوگوں کے دست برد سے بچایا جا سکتا ہے، وہ مدرسہ اور رفاہی ادارہ بھی وقف ہی رہیں گے اور اس کا فائدہ عام مسلمانوں کو ہوگا۔

چنانچہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے اسی قسم کے ایک قبرستان کے متعلق ایک سوال کے جواب میں یہی فرمایا ہے کہ انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لئے اس جگہ بنایا جا سکتا ہے (امداد الفتاوی ۲/۵۷۹)

مولانا زبیر احمد قاسمی

جن قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوگئی ہوں اور اب اس کا استعمال بطور قبرستان کے نہیں ہو رہا ہو اور قبریں پرانی ہوگئی ہوں کہ ان کے سڑ گل جانے کا ظن غالب ہو اور قبرستان کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو فروخت کر کے مسلمانوں کی آبادی سے قریب اراضی خرید کر بطور قبرستان استعمال کی جائے۔ اسی طرح اگر قبرستان آبادی کے اندر آگیا اور حکومت نے اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی ہے، اور اب اس میں مردے دفن نہیں کئے جاتے، اور اسی طرح اس کو باقی رکھنے میں ضیاع کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں بھی اس کو فروخت کر کے آبادی سے باہر اراضی خرید لی جائے اور اس کو بطور قبرستان استعمال کیا جائے۔

مولانا عبد الجلیل قاسمی

ویران مقابر کی اراضی کا استعمال:

قبرستان بھی مساجد کی طرح عام طور پر وقف ہوتے ہیں۔ اور کہیں ذاتی ونجی بھی ہوتے ہیں۔

ایسے قبرستان جس کی اراضی کسی کی ذاتی ملک ہو اور اس میں اپنے مردوں کو دفن کرتے ہوں مگر دوسروں کو دفن کی عام اجازت نہ ہو اور اس کی اراضی کو مالک نے اپنی ملک سے خارج نہ کیا ہو تو فقہاء اسکے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر قبریں جدید ہوں تو ان کا احترام کیا جائے، لیکن اگر اتنی پرانی ہوں کہ لاش مٹی بن چکی ہو تو اس کی سابقہ حرمت باقی نہیں رہتی ہے، اور مالک اراضی کو اس میں مالکانہ تصرف کا حق ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ زیلعی نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر نعش بوسیدہ ہوگئی اور مٹی بن گئی تو دوسرے کا اس قبر میں دفن، اس میں کاشت کرنا، اور اس پر عمارت بنانا جائز ہے۔

اراضی قبرستان کسی کی ذاتی ملک و شخصی تحویل میں نہ ہو بلکہ عام مسلمانوں کے لئے ہوں تو ایسے اراضی قبرستان وقف ہوتے ہیں، چاہے وقف صراحتاً کی گئی ہو یا موتیٰ کے دفن کی عام اجازت دے دی گئی ہو، امام محمدؒ کے قول کے مطابق قبرستان کے وقف کے لئے نہ زبان سے کہنا ضروری ہے نہ کسی متولی کا قبضہ ضروری ہے بلکہ عملاً کسی اراضی پر مردوں کو دفن کیا جانے لگے تو ملک زائل ہو جاتی ہے اور اس کی حیثیت عام وقف کی ہو جاتی ہے، یعنی قرائن و آثار سے اجازت کا واضح ہو جانا کافی، البتہ یہ ضروری ہے کہ ذن عام ملک خاص میں ہو، مشترک و مشاع جائداد میں نہ ہو۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک محض زبان سے کہہ دینے کی وجہ سے واقف کی ملک زائل ہو جائے گی، اور مام محمدؒ کے نزدیک جب لوگ سقایہ سے پانی کھینچنے لگیں، مسافر خانوں میں اور رباطوں میں ٹھہرنے لگیں، اور قبرستان میں تدفین شروع ہو جائے تب ملک زائل ہوگا (الہندیہ ۲/۳۵۰)

اور جب ایک بار قبرستان وقف ہو گیا تو ہمیشہ کے لئے وقف ہو گیا۔ اب نہ اس کی بیع درست ہے اور نہ کسی کی ذاتی ملک قرار یا جا سکتا ہے۔ ہدایہ میں ہے:

اور جب وقف صحیح ہو گیا تو اب نہ اس کا فروخت کرنا درست ہے اور نہ کسی اور کو مالک بنانا (الہدایہ مع فتح القدیر)۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

ویران قبرستان کا حکم:

اگر کوئی قبرستان مسلم آبادی کے ختم ہو جانے کی وجہ سے ویران اور غیر آباد ہو جائے اور اس کی قبریں اتنی بوسیدہ اور پرانی ہو جائیں کہ مردوں کے سڑ گل اور مٹی میں مل جانے کا ظن غالب ہو، اور اس قبرستان پر اپنوں یا غیروں کے قبضہ کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں اس طرح کے قبرستان کو قاضی شریعت کی اجازت سے مقاصد وقف کی رعایت کرتے ہوئے کسی دوسرے مصرف میں استعمال کیا جاسکتا ہے، مثلاً یہ کہ اسکو کاشت کے لئے استعمال کیا جائے، یا اس میں دکانیں تعمیر کر کے کرایہ پر دے دی جائیں۔ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی دوسرے قبرستانوں پر "الاقرب فالاقرب" کی ترتیب سے صرف ہو گی۔ در مختار میں ہے:

. کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار ترابا" (در مختار)

مفتی نسیم احمد قاسمی

ایسے قبرستانوں کے سلسلہ میں مسلمانوں کی دینی وملی ذمہ داری ہے کہ وہ انکی حفاظت کی ہر ممکن کوشش کریں اور چہار دیواری کردیں تاکہ قبضہ رہ سکے۔

مولانا ظفر عالم ندوی

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال قبرستان کے طور پر نہ ہو رہا ہو اور اس پر ناجائز قبضہ کا خطرہ ہو تو اس کا کیا حکم ہو گا؟

اس صورت میں قبروں کو ڈھا دینا ہو گا اور زمین کو فروخت کر کے اسکے بدل کے طور پر مسلمانوں کی آبادی میں جہاں ضرورت ہو نیا قبرستان بنانا ہو گا یا اس رقم کو دوسرے قبرستانوں کی مرمت وغیرہ پر صرف کرنا ہو گا۔

مولانا شمس پیرزادہ

جو قبرستان آبادی کے اندر آگیا ہے اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے اور جس پر آس پاس کے لوگوں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے اس کی حفاظت کے لئے پہلی فرصت میں باؤنڈری بنانے کی سعی وتدبیر ہونی چاہئے کہ فی الحال قبضہ رک جائے اور جب قبریں مٹ مٹا جائیں تو اس سے انتفاع کے لئے کوئی ملی، دینی وعلمی ادارہ قائم کر دیا جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس زمین کو دوسروں کے قبضہ کے لئے چھوڑ دیا جائے یا اسے ناپسندیدہ عناصر اپنا اڈا بنائیں۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

جو قبرستان، آبادی میں آجانے کی وجہ سے تدفین کے کام میں نہ آتا ہو اور حکومت کی طرف سے وہاں تدفین پر پابندی لگ گئی ہو، اس جگہ مسجد، مدرسہ یا کار خیر کا کوئی ادارہ قائم کر کے اس کے انتفاع کو باقی رکھا جاسکتا ہے۔

عینی کی عبارت تیسرے سوال کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں کہ جس قبرستان کے اطراف سے مسلم آبادی ختم ہو چکی ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا ہے جس کے سبب اب اسکے استعمال اور اسمیں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے اور اس کی وجہ سے پھر ان پر قبضہ کا خطرہ ہے بلکہ قبضہ ہو رہا ہے تو وہ قبرستان ہی کے حکم میں ہو گا اور ان سے انتفاع کو باقی رکھنے کی صورت یہ اختیار کی جاسکتی ہے اس کی چہار دیواری کر دی جائے، کیونکہ ہمارے ملک میں بہت سے قبرستان ایسے ملیں گے جو آبادی میں آچکے ہیں تو لوگوں نے اس کی چہار دیواری کرالی ہے جس کے سبب وہ غیروں کے یا اپنوں کے قبضہ تسلط سے مامون و محفوظ ہیں اور یہ چہار دیواری حفاظت قبرستان کے لئے بہترین شکل ہے، اور جب یہ شکل ممکن نہ ہو سکے تو یا یوں کہا جائے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ اسکو قاضی کی اجازت سے فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری جگہ قبرستان خرید لیا جائے تاکہ اس سے انتفاع کی صورت رہے، اسی طرح فتوی دیا ہے امام ابو شجاع اور امام حلوائیؒ نے بھی۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں وہ قبرستان قبرستان کے حکم میں ہو گا، ان سے انتفاع باقی رکھنے کے لئے دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) یہ کہ آبادی میں ہونے اور قبضہ و تسلط کی صورت میں چہار دیواری کر دی جائے۔ (۲) اگر یہ ممکن نہ ہو سکے تو قاضی کی اجازت سے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری جگہ قبرستان خرید لیا جائے۔ یہی فتوی دیا ہے امام ابو شجاع، امام حلوانی، اور علامہ شامیؒ نے، انتفاع کی ان دونوں صورتوں میں سے جو ممکن ہو اس پر عمل کرنا جائز ہے، یا ان سے انتفاع کے لئے ان پر دینی مدرسہ یا رفاہی کام مثلاً مسافر خانہ، یا خانقاہ بنائی جاسکتی ہے... واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

اگر وہ قبرستان وقف ہیں تو یہ قبضہ ناجائز ہے، بذریعہ عدالت اس قبضہ کو ختم کرایا جائے، اگر وہاں قبرستان کی ضرورت باقی نہیں ہے تو پھر اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ جہاں ضرورت ہو اس رقم سے قبرستان بنوا دیا جائے، اگر وہ قبرستان وقف نہیں ہے تو اس کے مالک کو اختیار ہے جو چاہے سو کرے، جب کہ وہ میت جو اس میں دفن ہوئی ہے گل سڑ گئی ہو، عالمگیری میں ہے:

إذا كان الميت بليا وترابا جاز عليه الزرع والبناء.

مفتی محبوب علی وجیہی

ایسے قبرستان جن پر حکومتی سطح پر رکاوٹیں ہورہی ہوں توان پراس صورت میں اولاً مسجد یا کوئی دینی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ یہ یقین ہوجائے کہ موتی کے اجزاء مٹی ہوچکے ہیں۔

" وفی الشامیة عن الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ وزرعه والبناء علیه الخ ومقتضاہ جواز المشی فوقه (ردالمحتار ۱/۸۳۵)۔

اگر میت بوسیدہ ہوکر مٹی ہوجائے تواس قبر میں دوسرے کودفن کرنا جائز ہے حتی کہ اس کو بطور کھیتی استعمال کرنا اور اس پر تعمیر کرنا بھی جائز ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ جب اتنی گنجائش ہے تواس پر چلنا تو بدرجہ اولی جائز ہوگا۔ شامیہ کی مذکورہ عبارت اس جواز کی دلیل تھی۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

مذکورہ صورت میں قبرستان کی زمین کو کھیت بناکر یا باغ بناکر اس کی آمدنی کو کسی دوسرے قبرستان کے ضروری مصارف میں خرچ کیا جائے اور اگر قبرستان کی زمین وقف نہ ہو تو مالک اپنے استعمال میں لاسکتا ہے (دیکھئے: کفایت المفتی ۷/۱۲۳)۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

اس جگہ کو فروخت کرکے دوسری جگہ لی جاسکتی ہے، مگر باجازت قاضی۔

وأما الاستبدال ولو للمساکین بدون الشرط فلا یملکه إلا القاضی (در مختار)

مفتی حبیب الله قاسمی

ایسے قبرستان جہاں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے، وہاں اگر کوشش بسیار کے باوجود پابندی ختم نہیں ہوتی توان کو مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کرکے قبرستان کے لئے متبادل جگہ خریدلی جائے۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

غیر آباد قبرستان کی حفاظت کو قریب اور وہ کفایت نہ کرے تواس سے قریب کی مسلمان آبادی یقینی بنائے۔ قبرستان کا ہر حال میں آبادی کے اندر آجانا مسئلہ نہیں ہے۔ یہاں علی گڈھ میں سول لائن علاقہ میں ایسے کئی قبرستان ہیں ان کی حفاظت کو مستحکم کیا جائے۔ قلب شہر یا کسی نازک مسئلہ پیش آجانے کی صورت میں جب کہ اس کی حفاظت بالکل ناممکن ہو وہاں دوکانیں بنواکر کے اس کی آمدنی کو عامۃ المسلمین کے لئے وقف کردیا جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

جن مقابر میں مردوں کو دفن کرنا بند ہو اس میں مسجد یا دینی مدارس یا ان کے لئے باغات لگوانے کی اجازت ہے
(امداد الفتاوی ۲/۵۷۹)

مولانا محمد حنیف صاحب

اگر تدفین پر پابندی عائد کردی جائے:

چونکہ وقف کا اصل مقصد فوت ہو چکا ہے اور ناجائز قبضہ کا بھی امکان ہے، اس لئے ایسے قبرستان سے انتفاع کی ہر وہ صورت درست ہے، جو فی الجملہ اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کے فلاح کا باعث ہو، جیسے مسجد و مدرسہ کی تعمیر، کوئی دینی و ملی ادارہ، جس سے مسلمانوں کے مصالح وابستہ ہوں، اسی طرح اسے بیچ کر حاصل شدہ رقم فقراء پر بھی صرف کی جاسکتی ہے اور استبدال کی بھی اجازت ہوگی، جیساکہ ابن نجیم وابن عابدین کی مذکورہ تحریر سے ظاہر ہے (دیکھئے: البحر الرائق ۵/۲۰۷، رد المحتار ۶/۵۸۶)

مولانا محمد رضوان قاسمی

ایسے قبرستان کی زمین میں مسجد یا دینی مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ بہت سی مساجد اور مدارس پرانے قبرستانوں میں تعمیر کئے جاچکے ہیں نیز قدیم مقبروں میں مساجد و مدارس بنانے کا تعامل امت میں چلا آرہا ہے اور کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا خود حرم شریف میں مطاف (طواف کی جگہ) میں بھی انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی قبریں ہیں، جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے انکی اراضی خالی پڑی ہیں لیکن ان مسلمانوں کی ملکیت باقی ہو تو ان زمینوں کو بطور قبرستان استعمال کرنے کے لئے انکی اجازت ضروری ہے۔ صراحۃً ہو یا دلالۃً۔

مولانا شیر علی

ان قبرستانوں پر باغبانی کی جائے اور اس کی آمدنی دیگر قبرستانوں پر خرچ کی جائے۔

مولانا ایوب ندوی

ویران قبرستان پر قبضہ کے خطرہ کے وقت اس سے انتفاع کی جائز شکلیں:

جس قبرستان سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اب اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے، یا وہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا ہے، جس کے سبب اس کے استعمال کرنے اور اس میں تدفین کرنے سے سرکار نے پابندی عائد کردی ہے اور اب اس قبرستان پر قبضہ کا خطرہ ہے، بلکہ قبضہ ہو رہا ہے، تو ایسی صورت میں شرعاً گنجائش ہے کہ جب قبریں منہدم ہو جائیں تو اس زمین پر کوئی مسجد یا مدرسہ یا کوئی دینی انجمن یا کوئی رفاہی ادارہ قائم کردیا جائے۔ اسی طرح غیر آباد قدیم قبرستان میں عمارت تعمیر کر کے اس کو کرایہ پر لگایا جاسکتا ہے، نیز جب قبریں منہدم ہو جائیں تو اس کو کھیت بنا کر یا اس میں باغ لگا کر اس کی آمدنی دیگر قبرستان کی

حفاظت یا خریداری یا مساجد و مدارس کے مصارف میں اسی طرح عام غرباء پر خرچ کی جاسکتی ہے، اور ان تمام باتوں کی اجازت اکابر علماء کے فتاوی میں موجود ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے امداد الفتاوی میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ویران قبرستان میں جہاں مردوں کو دفن نہیں کیا جاتا اسلامی انجمن کے مکان بنانے کے جواز کا فتوی صادر فرمایا ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۵۷۹، سوال ۷۰۲) اسی طرح حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ نے بھی احسن الفتاوی میں پرانی قبرستان میں مسجد بنانے کو جائز قرار دیا ہے (احسن الفتاوی ۶/ ۴۰۹) ایک دوسرے فتوی میں وقف قبرستان پر قبضہ کرکے اس کو فروخت کرنے وغیرہ کو ناجائز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

الجواب: قبرستان کے لئے وقف زمین پر لوگوں کا قبضہ کرنا ناجائز ہے اور ان کی بیع وشراء باطل ہے، حکومت یا متولی پر ضروری ہے کہ اس جگہ کو فوراً خالی کرائے، اور یہ جگہ دفن کے کام نہ آتی ہو تو اس پر مسجد یا کوئی اور رفاہ عامہ کی چیز تعمیر کرے (احسن الفتاوی ۶/ ۴۱۴) آگے حضرت مفتی رشید صاحب نے بطور تائید کے عمدۃ القاری (۴/ ۱۷۹) کی عبارت نقل کی ہے جو ما قبل میں گذر چکی ہے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب مدظلہ نے ویران مقابر و اوقاف کے شرعی احکام کو بیان فرماتے ہوئے بحث ونظر کے شمارہ ۲۱ (ص/ ۱۰۵) میں لکھا ہے کہ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ غیر آباد قدیم اور مردہ قبرستانوں کو اگر لیز پر لگا دیا جائے تو ہزارہا قبرستان جو ابھی آباد ہیں، اور ان کا تحفظ خطرہ میں ہے، ایسے قبرستانوں کے تحفظ کی صورت نکالی جاسکتی ہے، لہذا میرے نزدیک شرع اسلام کی رو سے ایسے مردہ اور قدیم قبرستانوں کو تعمیرات یا کاشت کے لئے لیز پر دیا جاسکتا ہے۔ اور اس طرح کی آمدنی کو اولاً دیگر مقابر کے تحفظ یا ایسے شہروں اور آبادیوں کے لئے قبرستان کی اراضی حاصل کرنے پر خرچ کرنا چاہئے جہاں قبرستان کی ضرورت ہے، اگر اس طرح کے مدات پر خرچ کے بعد رقم بچ جائے تو اسے مدارس، مسافر خانوں، نادار بچوں کی تعلیم اور دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ کیا جاسکتا ہے (بحث ونظر شمارہ ۲۱ جلد ۶ صفحہ ۱۰۵، فقہ المشکلات / ص ۲۴۵، ۲۴۶)

قال في الهداية أن الميت إذا بلى وصار ترابا جاز زرعه والبناء عليه (ہدایہ ۳/ ۱۷۰۔ ومثلہ فی ردالمحتار ۱/ ۶۵۹)

مولانا ابوبکر قاسمی

جس قبرستان کے اطراف سے مسلم آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے اور اس میں قبریں پرانی ہو گئی ہیں، اگر وہ مملوکہ ہے تو مالک یا ورثاء، یا مالک معلوم نہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے اس کو بیچنا، کرایہ پر دینا، اس پر دوکانیں بنانا، یا اس کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد یا مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہے، اور اگر وہ وقف ہے اور اس پر قبضہ کا خطرہ ہے تو بونے کے لئے کرایہ پر دینا یا اس پر دوکانیں وغیرہ بنا کر کرایہ پر اٹھا دینا یا اس کو بیچ دینا جائز ہے، لیکن اس کی آمدنی یا قیمت سے ضرورت کی جگہ قبرستان کے لئے زمین خریدنا یا اسی جنس میں صرف کر دینا ضروری ہے۔ لأن مراعاة غرض الواقفين واجبة۔ اگر دور اور نزدیک اس جنس میں صرف کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو مسجد یا مدرسہ میں ان رقوم کو صرف کرنا درست ہے۔

اسی طرح جو قبرستان آبادی میں آجانے کی وجہ سے اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اولا اس پابندی کو ہٹانے کی کوشش کی جائے، کامیابی نہ ہونے کی صورت میں اگر وہ قبرستان مملوکہ ہے تو مالک یا اس کے ورثاء کی ملک ہونے کی بنا پر ان کو اس میں ہر قسم کا تصرف جائز ہے، اور اگر وہ وقف ہے اور مسلمانوں کو قبرستان کی ضرورت ہے تو باہمی مشورہ سے اس کو بیچ کر حاصل شدہ قیمت سے یا اس کو بونے کے لئے یا اس پر دوکانیں وغیرہ بنا کر کرایہ پر دینا اور اس کی آمدنی سے مسلمانوں کے لئے دوسرے قبرستان کے لئے زمین خریدنا جائز ہے، اور اگر قبرستان کی ضرورت نہیں ہے اور اس پر غاصبانہ قبضہ کا خطرہ ہے تو اس جگہ پر حسبِ ضرورت مسجد، مدرسہ یا مسافرخانہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔

قال الزيلعي : ولو بلي الميت و صار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه (ردالمحتار ۲/ ۲۳۳)

مولانا عبد القیوم پالنپوری

وہ قبرستان جس سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال متروک ہو جائے یا یہ کہ وہ قبرستان بیچ آبادی میں آجانے کی وجہ سے تدفین پر پابندی عائد کردی جائے جس سے اس پر قبضہ کا خطرہ ہے بلکہ قبضہ ہو رہا ہے ایسے بے مصرف قبرستان سے نفع اٹھانے اور وقف کو باقی رکھنے کے لئے ہر وہ تعمیر درست ہوگی جس میں دو شرطیں پائی جائیں۔ ایک یہ کہ وہ تعمیر جدید جس مقصد کے لئے ہو قبرستان ہی کی طرح وقف رہے۔ دوسری شرط یہ کہ اس کا نفع اجتماعی ضرورتوں پر مبنی ہو یعنی عام مسلمانوں کو حاصل ہو، بہتر یہ ہے کہ اس بے مصرف قبرستان پر مسجد یا مدرسہ بنا دیا جائے بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو۔

ہمارا یہ استدلال عینی شرح بخاری کی مندرجہ ذیل عبارت سے ماخوذ ہے:

قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكيه لأحد فمعناهما على هذا واحد.

ابن القاسم کا قول ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی قبرستان ویران ہو جائے اور اس میں مسجد بنادی جائے تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ قبرستان مسلمانوں کی تدفین کے لئے وقف ہوتے ہیں کوئی ان کا مالک نہیں بن سکتا، تو جب قبریں مٹ جائیں اور اس میں تدفین بند ہو جائے تو اس کو مسجد کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ہوتی ہے، کوئی اس کا مالک نہیں بن سکتا تو دونوں چیزیں ایک ہی ہیں۔

حضرت تھانویؒ سے ایک ویران قبرستان کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا کہ اس زمین پر ایک مکان انجمن اسلام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

حضرت تھانویؒ جواب میں مذکورہ بالا عینی کی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے" (امداد الفتاوی ۲/۵۷۹)

مولانا تنویر عالم قاسمی

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہ ہو رہا ہو، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا اس کی وجہ سے اب اسکے استعمال اور تدفین پر پابندی عائد کردی گئی تو ان قبرستان کو چہار دیواری سے محصور و محفوظ کر دیا جائے۔ فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر جانوروں سے حفاظت مقصود ہو یا یہ کہ اندیشہ ہو کہ بغیر احاطہ کے اس کی زمین دوسروں کے قبضہ میں چلی جاوے گی تو اس کی چہار دیواری بنالینا درست بلکہ بہتر ہے یہ اسراف اور تبذیر نہیں (فتاوی محمودیہ ۱۴/۳۱۴)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہو، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہو اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہو تو گویا یہ قابل انتفاع نہیں، اس کا انتفاع بالکلیہ ختم ہو گیا ہے، اس صورت میں فروخت کر کے اس کی جگہ دوسرا وقف قائم کر لیا جائے۔

مولانا نذر توحید مظاہری

آبادی میں داخل شدہ قبرستان سے انتفاع باقی رکھنے کے لئے ملی کار خیر کے لئے استعمال کرنے کی جائز صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

اگر قبرستان پرانا ہو جائے کہ میت مٹی بن چکی ہو اور اب وہاں تدفین بند ہو گئی ہے اور قبرستان بند ہونے کی وجہ سے نیز خالی پڑا رہنے کی وجہ سے اندیشہ ہو کہ اس پر کوئی غاصبانہ قبضہ کریگا تو پرانی قبروں کو ہموار کر کے اس پر مسجد یا اور کوئی رفاہ عامہ کی چیز تعمیر کرنا جائز ہے۔

ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه (شامی ۱/۵۹۹) فإن قلت هل یجوز أن تبنی المساجد علی قبور المسلمین ؟ قلت قال ابن القاسم رحمه الله تعالی لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت

فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد (عمدة القاری ۴/ ۱۷۹ انقلا عن احسن الفتاوی ۶/ ۴۱۴، فتاوی محمودیہ ۱۸/ ۲۱۲)۔

مولانا عبد اللطيف پالنپوری

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا، اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہے بلکہ قبضہ ہو رہا ہے تو ایسے پر خطر ماحول کے سامنے آجانے کے بعد شرعی نقطۂ نظر سے ایسے قبرستان پر مفاد وقف کا خیال کرتے ہوئے کوئی دینی ادارہ قائم کر دینا، انجمن کا مکان بنالینا، مسافر خانہ، یتیم خانہ بنا دینا جائز ہے، تاکہ وقف کی وقفیت کا منشاء حاصل ہو اور غاصبوں کی غصبیت وملکیت سے مامون ومصئون ہو جائے۔

وقف قبرستان میں ذاتی تعمیر ممنوع:

اس سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی دامت برکاتہم رقمطراز ہیں:

الجواب: قبرستان کے لئے وقف زمین پر لوگوں کا قبضہ کرنا ناجائز ہے، اور ان کی بیع وشراء باطل ہے، حکومت یا متولی پر ضروری ہے کہ اس جگہ کو فوراً خالی کرائے اور یہ جگہ دفن کے کام نہ آتی ہو تو اس پر مسجد یا اور کوئی رفاہِ عام کی چیز تعمیر کرے۔

قال الحافظ العينى رحمه الله تعالى : فإن قلت هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين ؟ قلت قال ابن القاسم رحمه الله تعالى لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد (عمدة القاری ۴/ ۱۷۹، احسن الفتاوی ۶/ ۴۱۳، ۴۱۴)

وقال الزيلعي ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه عليه (رد المحتار ۱/ ۶۵۹، فتاوی ہندیہ ۱/ ۱۶۷)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

وہ قبرستان جس کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان ہو رہا ہے اس بارے میں تو کچھ گفتگو ہی نہیں کیونکہ اپنے مصرف میں استعمال ہو رہا ہے۔ گفتگو اس بارے میں ہے کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور تدفین پر پابندی لگا دی گئی ہے اور اس کی وجہ سے قبضہ اور تسلط بڑھتا جا رہا ہے۔ یہاں پر دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہی کہ اوقاف جب خراب اور قابل استعمال اپنی موجودہ شکل میں نہ رہے تو اس کو فروخت کر کے کلاً یا بعضاً قابل استعمال بنایا جائے، یہاں پر اگر ایسا کیا جائے کہ فروخت کر کے دوسری جگہ قبرستان کے لئے جگہ خرید لی جائے تو یہاں دو صورت

پیدا ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کا قبضہ، تو اس قبضہ کے بعد اس کا فروخت کرنا مشکل مسئلہ ہے، اگر آباد ہونے والے اور قبضہ جمانے والے فروختگی پر تیار بھی ہو جائیں تو انسانی جسم حیات و ممات ہر دو صورتوں میں قابل تکریم ہیں، اب سابق میں مدفون اشخاص جو زیر زمین ہیں ان کی بے حرمتی لازم آتی ہے جو درست نہیں ہے۔ ایسی صورتوں میں صرف ایک صورت رہ جاتی ہے کہ ممکن کوشش کے ذریعہ عائد ہونے والی پابندی کو ختم کیا جائے، اس کے بعد بھی بات نہ بنے تو اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ قبرستان کی زمین خرید کر انتفاع کی صورت بنائی جائے۔

"لا يكلف الله نفسا إلا وسعها"

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

ایسا قبرستان جس کے اطراف مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان ہو رہا ہے یا قبرستان آبادی کے اندر آ گیا جس کی وجہ سے اسمیں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی، اور قبضہ کا خطرہ ہو بلکہ قبضہ ہو رہا ہو تو اس صورت میں اس قبرستان سے انتفاع کی صورت یہ ہے کہ وہاں کوئی دینی یا رفاہی ادارہ قائم کر دیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس زمین کو فروخت کر کے اسی کے متوازی اور مماثل زمین خرید لی جائے اور قبرستان کی ضرورت کے لئے وقف کر دیا جائے، اور اگر قبرستان کی بالکل ضرورت نہ ہو تو دوسرے دینی، رفاہی، ملی کاموں میں اس کو لگایا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر حکومت اور غیر مسلموں کے تسلط اور قبضہ کا خوف ہو تو اس صورت میں اس کو ختم کردے اور اس کے بدلے دوسری جگہ بنادے اور اگر حاکم وقت اس کو توڑنا اور مسمار کرنا مناسب نہ سمجھے تو پھر اس کی حفاظت کرے۔

مولانا قمر الزماں ندوی

تدفین پر پابندی لگائے گئے قبرستان سے انتفاع کی شکل:

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہ ہو رہا ہو یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آ جانے کی وجہ سے اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہو اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں ان سے انتفاع کی جتنی شکل ہو سکتی ہے اختیار کرنا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ اس کو چہار دیواری سے محفوظ کر کے اس میں کل کے اندر باغ لگا دیا جائے، یا مثلاً اسی کے حواشی پر بیرون رخی دوکانیں اور اندر باغ لگا دیا جائے اور اس کی آمدنی سے دوسرے قبرستان کی زمین خرید لی جائے یا دوسرا قبرستان ہو تو اس پر خرچ کیا جائے، یا اگر نہ دوسرے قبرستان کی ضرورت ہو اور نہ ہی دوسرا قبرستان محتاج اعانت ہو تو اس کی آمدنی دینی مدارس پر خرچ کیا جائے یا اس میں مسجد کی تعمیر کر دی جائے یا مدرسہ قائم کر دیا جائے یا نفع عام کے لئے کوئی رفاہی، دینی کام کیا جائے جس سے مسلم عوام اور بچوں کی مذہبی واقتصادی تربیت وترقی کا ایسا کام کیا جائے کہ اصل واقفین کو ثواب پہونچتا ہے، اس لئے کہ واقف کا قبرستان کے لئے زمین وقف کرنا مسلمانوں کے نفع عام کے لئے ہی تھا۔

مولانا محمد نور القاسمی

قبرستان میں تدفین پر پابندی ہو اس کا حکم:

قبرستان میں اگر تدفین کا عمل جاری ہے تو اس میں کوئی دوسرا عمل کرنا درست نہ ہوگا، لیکن کسی سبب سے اس میں تدفین کا عمل متروک ہو گیا ہو، مثلاً تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہو جس کی وجہ سے اس پر قبضہ کا خطرہ ہے، بلکہ خطرہ ہی نہیں قبضہ ہو رہا ہے تو ایسے قبرستان میں مدرسہ یا دینی، علمی، تحقیقی ادارہ کا قیام، یا مسجد و مسافر خانہ وغیرہ کی تعمیر کر دی جائے تاکہ وہ ایک کار خیر میں استعمال ہو سکے، لیکن یہ عمل اسی وقت درست ہوگا جب یہ یقین اور ظن غالب ہو جائے کہ جسد میت مٹی ہو گیا ہوگا۔ فتاوی ہندیہ کی عبارت ذکر کی جاتی ہے، ملاحظہ ہو:

ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه (الفتاوی العالمگیریہ ۱/۱۶۷)

اگر میت اتنی پرانی ہو کہ مٹی ہونے کا ظن غالب ہو تو اس قبر میں دوسرے کو دفن کرنا، اور اس پر کاشت کرنا، عمارت تعمیر کرنا جائز ہے۔

نیز موجودہ دور کے معروف عالم مفتی نظام الدین صاحب کی رائے بھی یہی ہے، مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”جو قبرستان تدفین سے متروک ہو چکے ہوں، یا قانوناً دفن سے روک دیئے گئے ہوں، اور ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، تو اس میں دینی ضرورت کے مطابق مسجد یا دینی مدرسہ قائم کر کے، یا اس کو کسی ایسے کار خیر میں استعمال کر کے جس سے مسلم عوام اور بچوں کی مذہبی و اقتصادی تربیت و ترقی کا ایسا کام کیا جائے کہ اصل واقفین کو ثواب پہونچتا رہے (نظام الفتاوی ۱/۱۸۰)

نیز یہی رائے استاذ محترم مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی کی ہے، (موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل/۱۴۸) کی عبارت سے مسئلہ کی بالکل وضاحت ہو جاتی ہے:

”اگر قبرستان پرانا ہو اور اس میں تدفین بھی نہیں ہو رہی ہو اور شدہ شدہ لوگوں نے قبضہ کرنا شروع کر دیا ہو تو وہاں مسجد یا دینی مدرسہ بنا دینا جائز ہے“۔

مولانا ابرار خان ندوی

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو پا رہا ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی میں آگیا ہے اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے اور اس کی وجہ سے اس پر قبضہ کا خطرہ ہے لیکن قبضہ ہو رہا ہے تو ان قبرستانوں کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر قبرستان وقف ہو اور اس میں تدفین جاری ہو تو اس میں صرف تدفین کرنا چاہئے کسی اور کام میں استعمال کرنا درست نہیں۔ اور اگر اس میں تدفین ہو چکی ہو اور یوں ہی پڑے رہنے کی وجہ سے اس کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس کی حفاظت کی خاطر کہ وہ ضائع نہ ہو جائے دینی تعلیم کا مدرسہ بنانا اور مسجد بنانا سب جائز ہوگا، البتہ کوشش یہ کی جائے کہ خالی جگہ میں تعمیر کی جائے ورنہ قبروں کا جب کہ وہ پرانی ہو چکی ہوں کہ میت کا جسم مٹی بن چکا ہوگا تو ان قبروں کا تاج ہٹا کر یا مٹی پاٹ کر اس کی کرسی اتنی اونچی کر دی جائے کہ وہ قبریں زمین میں چھپ جائیں یہ درست ہے (فتاوی نظامیہ ۱/۳۲)

مولانا ابراہیم فلاحی باردولی

جس قبرستان کی آبادی ختم ہو گئی ہے یا قبرستان آبادی میں آگیا ہے اور حکومت اس پر پابندی عائد کردیتی ہے تو چونکہ وقف پر حکومت یا آبادی والوں کے قبضہ کا خطرہ ہے، لہذا ایسی صورت میں اس قبرستان کو اجارہ پر دے دیا جائے تاکہ واقف کے مقاصد کی رعایت بھی ہو جائے اور ایک عظیم خطرہ سے محفوظ بھی رہے۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی

پابندی عائد شدہ قبرستان سے انتفاع کی صورت:

جس قبرستان کے اطراف سے آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے استعمال پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اور اس پر قبضہ کا خطرہ ہے بلکہ قبضہ ہو رہا ہے تو چونکہ فقہاء کا اصول ہے۔ "ان مراعاة غرض الواقفين واجبة" (در مختار علی ہامش رد مختار ۳/۴۶۴) اس لئے اس کو علی حالہ اغیار کے قبضہ کے لئے چھوڑنا در حقیقت اسکو معطل اور منافع کو مفقود کرنا ہے جو کہ غرض واقف کے خلاف ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ایسے تدابیر کئے جائیں جن سے بقاء غرض واقف اور بجائے اس کے تعطل کے اس کے منافع لوٹ سکیں، مثلاً اس کے اطراف میں باؤنڈری ڈال دی جائے، یا اطراف میں تعمیر کرادی جائے، اور اگر کسی طرح تحفظ ممکن نہ ہو تو پھر شریعت کے اندر بحالت مجبوری اس کے استبدال کی گنجائش تو موجود ہی ہے۔ اسکو فروخت کر کے دوسری جگہ اس کا بدل وقف قائم کر لیا جائے۔

مولانا صدر عالم قاسمی

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا ہے اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے۔ نتیجہ کے طور پر قبرستان کی زمین پر غیروں کا قبضہ و تسلط ہوتا جارہا ہے اس طرح یہ قبرستان اگر وقف ہے تو تعطل کا شکار ہونے کی وجہ سے اس کا استبدال بشرائط بھی جائز ہے۔

والمعتمد انه يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية (عالمگیری)

اور اگر وقف نہیں ہے بلکہ تدفین موتیٰ کے لئے استعمال ہو تا رہا ہے تو اس پر دوکان تعمیر کرا کے کرایہ پر چلایا جائے اور اس کی آمدنی فقراء و مساکین یا رفاہ عامہ کے کام پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

لوبلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره وزرعه والبناء عليه ومقتضاه جواز المشي فوقه (شامی)

مولانا عطاء اللہ قاسمی

ویران قبرستان پر مساجد و مدارس قائم کرنے کا حکم:

جب قبرستان ویران ہو جائے کہ وہاں کے مسلمان دوسری جگہ چلے گئے ہوں یا وہ قبرستان آبادی کے اندر آجائے اور آبادی کے اندر آجانے کی بنا پر حکومت کی طرف سے تدفین پر پابندی عائد کر دی جائے، تو ایسی صورت میں جو پرانی قبریں ہیں اگر وہ مٹی ہو گئی ہوں اور قبروں کے نشانات مٹ چکے ہوں تو ان قبرستان میں مساجد یا مدارس قائم کرنے کی اجازت ہے (امداد الفتاوی ۲/۵۷۹)

قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجداً لم أر بذلك بأساً و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد (عمدۃ القاری ۴/۱۷۹)

ابن القاسم نے کہا کہ اگر قبرستان جو مسلمانوں کا ہے مردوں سے پاک وصاف ہو جائے پھر وہاں مسجد تعمیر کی جائے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اس لئے کہ مسلمانوں کے قبرستان تو مردوں کی تدفین کے لئے ہیں کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس قبرستان کو اپنی ملکیت میں لے لے، لہذا جب تدفین سے مستغنی ہو جائے تو اس کو مسجد میں صرف کرنا (لگانا) جائز ہے، اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کی موقوفہ ہوتی ہے، کسی کو اس کا مالک بنانا جائز نہیں ہے، لہذا اس معاملہ میں دونوں کا حکم یکساں ہے۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

جس قبرستان کے اطراف مسلمانوں کی آبادی ختم ہو چکی ہو:

اگر کسی وقف کی جائداد پر ناجائز قبضہ کا خوف ہو تو متولی کو چاہئے کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو صدقہ کر دے، نیز ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ اگر کسی جگہ سے لوگ چلے گئے ہیں اور وہاں مسجد اور حوض ہے جس کی اب ضرورت باقی نہیں رہی تو قاضی کو چاہئے کہ اس کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض کی طرف منتقل کر دے، گویا مذکورہ دونوں باتوں سے من جملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی وقف کے لوگوں کو ضرورت باقی نہیں رہی یا اس پر ناجائز قبضہ کا خطرہ ہو تو اس کو فروخت کر کے اسی نوع کے اوقاف میں اس کی قیمت کو خرچ کیا جاسکتا ہے یا پھر فقراء و مساکین کو دیدیا جائے۔ اس تفصیل سے مسئولہ صورت واضح ہو جاتی ہے کہ اس کو فروخت کر کے اسی نوع کے اوقاف کی طرف لوٹا دیا جائے یا اگر چاہے تو فقراء و مساکین کو دیدیا جائے۔

نقل في الذخيرة عن شمس الائمة الحلواني انه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر فقال نعم ومثله في البحر .

ذخیرہ میں شمس الائمہ حلوانی سے نقل کیا گیا ہے کہ ان سے ایسی ویران مسجد یا حوض کے بارے میں سوال کیا گیا جس کی لوگوں کو ضرورت باقی نہیں رہی کہ کیا قاضی ان اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض کی طرف لوٹا سکتا ہے تو جواب دیا ہاں لوٹا سکتا ہے، اسی کے مثل بحر میں ہے۔

قيم خاف من السلطان أو من وارث يغلب على أرض وقف يبيعها ويتصدق بثمنها و كذا كل قيم إذا خاف شيئا من ذلك له أن يبيع ويتصدق بثمنها (البحر الرائق ٥/٢٠٧)

اگر ناظر سلطان یا وارث سے خطرہ محسوس کر رہا ہو کہ وقف کی زمین پر غلبہ پالے گا تو اسے بیچ کر حاصل شدہ رقم کو صدقہ کردے، ایسے ہی ہر وہ نگراں جو ایسی باتوں کا خوف کرے تو وہ اسے بیچ کر حاصل شدہ رقم صدقہ کر سکتا ہے۔

مسلک حنبلی: حنابلہ کی کتابوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں انتفاع کی صورت یہ ہوگی کہ اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ قبرستان خرید لیا جائے، یا دوسری جگہ واقع قبرستان میں لگا دیا جائے، چنانچہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ اگر موقوفہ جائداد سے انتفاع ممکن نہ ہو تو اس کو فروخت کر دیا جائے۔

الوقف إن لم يمكن الانتفاع بشئ منه بيع جميعه (المغنی ٥/٣٦٨)

اگر وقف سے انتفاع ممکن نہ ہو تو ان تمام کو فروخت کر دیا جائے گا۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

آثار قدیمہ کی مسجدیں

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شیر علی گجراتی
مولانا ابو بکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابو سفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مفتی عبد الرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

آثار قدیمہ کی مسجدیں

سوال: بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر حلمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں۔ ایسی بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو منع کر دیا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے، کیا حکومت کو اس طرح کا کوئی حق ہے؟

جوابات

جب قدیم مساجد آج بھی موجود ہیں اور ان میں نماز ادا کی جاسکتی ہے اور آباد کرنے والے بھی اطراف میں اور آس پاس موجود ہیں تو ان کو معطل چھوڑنا کسی طرح درست نہیں اور نہ حکومت کی طرف سے اس بابت پابندی کا لگانا۔ حکومت عمارت کی حفاظت کا نظام بنائے جو ممکن ہو، اور مسلمانوں سے بھی اس میں تعاون لے، مگر نماز کی ممانعت کا کوئی حق اس کو نہیں ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

آثار قدیمہ کی مساجد:

شرعاً مسجد ہمیشہ کے لئے ہے، یہی رائے امام ابو حنیفہؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور جمہور فقہاء کی ہے اور اسی پر فتوی ہے، حصکفی رقمطراز ہیں:

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثانى أبداً إلى يوم الساعة وبه يفتى (الدر المختار ۵۴۸/۶، فتاوی ہندیہ ۴۵۸/۲)

امام نووی فرماتے ہیں:

أما المسجد فإنه إذا انهدم و تعذرت إعادته فانه لايباع بحال لإمكان الانتفاع به حالا بالصلوة فى أرضه

(شرح المہذب ۳۶۰/۱۵)

اس لئے ان مساجد کا حکم بھی وہی ہے جو دوسری مساجد کا ہے، حکومت کا اس میں نماز کی ادائیگی سے روکنا ظلم اور مسلمانوں کے مذہبی حقوق میں مداخلت ہے اور بدنیتی پر مبنی ہے اس لئے کہ اگر مسجد آباد رہی اور نماز کا سلسلہ جاری رہا تو زیادہ بہتر طور پر مسجد کا

تحفظ ہو سکتا ہے، آباد عمارتوں کی عمر ویران عمارتوں سے زیادہ ہوتی ہے، اس لئے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ قانون و آئین کے دائرہ میں رہتے ہوئے حکومت سے ان مساجد کو کھولنے اور ان میں نماز کی اجازت دینے کا مطالبہ کریں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

آثار قدیمہ کے زیر انتظام مساجد میں حکومت کی طرف سے نماز کی ادائیگی پر پابندی عائد کرنا ایک ظالمانہ عمل ہے، شریعت اس پابندی کی اجازت نہیں دیتی۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

مساجد میں نماز پڑھنے سے روکنے کا اختیار:

مساجد کی بنیاد ذکر الٰہی نماز وغیرہ کے لئے ہے۔ اس میں نماز پڑھنے سے روکنے کا اختیار کسی کو بھی نہیں ہے، نہ کسی فرد کو نہ ہی کسی حکومت کو۔ اس سے بڑھکر ظالم کوئی نہ ہوگا جو لوگوں کو مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکے... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها" (سورہ بقرہ)

اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا جو مساجد میں اللہ کے ذکر سے روکے اور اس کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بعض مساجد کو محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی قرار دے کر ان میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روکنا حرام اور بہت بڑا ظلم ہے۔ حکومت کو قطعاً اس طرح کا حق نہیں ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان مساجد کی بازیابی کی پوری کوشش کریں۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

ان المساجد لله (سورہ جن)۔ في بيوت أذن الله أن ترفع و يذكر فيها اسمه (سورہ نور)۔ ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه (سورہ بقرہ) جیسی آیات قرآنی سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی مسجدیں اللہ کو یاد کرنے اور اس کی عبادت ہی کے لئے موضوع ہیں، ان میں عبادت سے روکنا سراسر ظلم ہے بلکہ تمام دیگر ظالموں سے بڑھ کر ظالم ہیں وہ لوگ جو مسجدوں میں نماز و عبادت سے لوگوں کو روکیں۔

اس لئے وہ قدیم مساجد جو اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں اور ان میں سے بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو ممنوع کر دیا ہے یہ حکومت کا صریح ظلم ہے، حکومت کو اس طرح کا کوئی حق نہیں، مگر یہ حکومت ہی نرالی ہے جو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی جگہ سارے ہی حقوق کی پامالی کو اپنا حق سمجھتی ہے۔ "اللهم خذها أخذ عزيز مقتدر"۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

قدیم مساجد کو بند کر کے نماز سے روکنا:

مسجدیں چاہے قدیم ہوں یا جدید اللہ کی ملکیت ہیں، اس میں کسی حکومت یا کسی فرد کو مالکانہ اختیار نہیں ہے، اور حکومت ہند نے آثار قدیمہ کے نام سے چھوٹی بڑی ہزاروں مسجدوں کو مقفل کر کے مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روک رکھا ہے یہ حکومت ہند کی طرف سے مسلمانان پر سخت ترین ظلم اور زیادتی ہے، شریعت اسلامیہ میں حکومت کو اس کا کوئی حق نہیں ہے، تمام مسلمانوں کو مل کر حکومت ہند سے احتجاج کر کے ان تمام مساجد کو کھلوانا ضروری ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها (سورہ البقرہ/۱۱۴)

اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں عبادت کرنے سے روک لگاتا ہے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

مساجد میں نماز پڑھنے سے روکنا:

مسجد اللہ کا گھر ہے جسے عبادت الٰہی، ذکر و تسبیح اور نماز کے لئے بنایا جاتا ہے، اس میں کسی شخص کو نماز پڑھنے سے روکنے کا اختیار نہ تو کسی حکومت کو ہے اور نہ ہی کسی فرد کو، قرآن کریم میں مساجد کو ویران کرنے اور ان میں اللہ کے بندوں کو عبادت سے روکنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها" (سورۃ البقرۃ)

لہٰذا قدیم مساجد کو آثار قدیمہ کی تحویل میں قرار دے کر ان میں اہل ایمان کو نماز پڑھنے سے روکنا حرام اور ظلم ہے، کسی بھی حکومت کو اس طرح کا حق حاصل نہیں ہے، اہل اسلام کی ذمہ داری ہے کہ ان مساجد کی بازیابی کے لئے قانونی چارہ جوئی کریں۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

کسی بھی مسجد میں نماز ادا کرنے سے روکنے کا حق کسی بھی حکومت کو نہیں ہے، اگر حکومت نے کسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے روک دیا ہے تو یہ غیر قانونی عمل ہے، مسلمانوں کا اس صورت میں دینی فریضہ ہوگا کہ وہ اسکے خلاف حکومت سے احتجاج کریں۔

مولانا ظفر عالم ندوی

اگر مسجد مخدوش ہے اور اس کی وجہ سے حکومت نے اس کا استعمال روک دیا ہے تو اور بات ہے، ورنہ حکومت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ قدیم مساجد میں نماز کی ادائیگی سے مسلمانوں کو روک دے۔

مولانا شمس پیرزادہ

"و من أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه"۔
محکمہ آثار قدیمہ اس طرح کی مساجد کی مرمت ونگہداشت اپنے ذمہ لے سکتا ہے مگر نماز سے روکنے کا اسے ہرگز حق نہیں ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

شرعاً حکومت کو اس قسم کا کوئی حق نہیں، مساجد کی آبادی ان کی عمارتوں کے باقی رہنے سے نہیں بلکہ نماز پڑھنے سے ہے، حکومت کا یہ فعل، ظلم وزیادتی ہے۔

و من أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه و سعى في خرابها (سورہ بقرہ/۱۱۴)
نماز پڑھنے سے روکنا مسجد کو ویران کرنا ہے۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں کہ قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں تو ایسی مساجد بھی شرعاً مساجد ہی ہیں کسی بھی حکومت کو ان میں نماز کی ادائیگی کو منع کرنا جائز نہیں ہے اور حکومت کو نماز ادا کرنے سے روکنے کا کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ مسجد خدا کا گھر ہے اور اللہ تعالی ہی اس کا مالک ہے وہ کسی انسان کی ملک نہیں ہے، قرآن کریم میں ہے" وان المساجد لله"۔ توجب وہ اللہ تعالی کی ملک ہیں اور اسی کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں تو کسی حکومت کو ان کے اوپر مخالفانہ تسلط اور قبضہ اور ضبط کرنے کا حق نہیں ہے۔ حکومت انسانی املاک پر قبضہ کرلے تو کرلے اللہ تعالی کی ملک پر قبضہ نہیں کرسکتی اور اگر جبر واستبداد سے قبضہ کرے تو وہ قبضہ شرعاً ناجائز اور کالعدم ہوگا، اور اسے لازم ہوگا کہ اسے واگذار کردے اور واگذاری کے عوض میں کوئی رقم وصول کرنی یا کوئی شرط عائد کرنا حکومت کا کوئی حق نہیں ہے۔. واللہ اعلم (کذافی کفایۃ المفتی ۷/۳۱)۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ مساجد محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہوں یا نہ ہوں کسی بھی حال میں حکومت کو نماز کی ادائیگی سے روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔. واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

مسلمانوں پر خصوصاً مسلم ایم۔ ایل۔ اے اور ایم۔ پی وغیرہ اور جو بااثر مسلمان ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ حکومت سے پرزور مطالبہ کریں، اور ان مساجد کو نماز کے لئے کھلوائیں، کیونکہ مساجد نماز اور عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں اور یہ وقف ہوتی ہیں، گورنمنٹ کا مسلمانوں کو ان میں نماز سے روکنا ظلم ہے، قرآن شریف میں ہے:
"ومن أظلم ممن منع مساجد الله"......... إلى آخره۔

مفتی محبوب علی وجیہی

محکمۂ آثار قدیمہ کے تحت آجانے کے بعد بھی حکومت کو قطعاً اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ نماز پڑھنے پر پابندی لگادے، یہ عمل واقف کی مرضی کے صریحاً مخالف ہے، اگر خود واقف چاہتا کہ اس میں نماز پڑھنے پر پابندی لگادے تو بھی اسے کوئی حق نہ تھا چہ جائیکہ قاضی یا حکومت وقت، بہر حال یہ ممانعت غیر شرعی ہے، اس طرح کی مساجد کو واگذار کرانے کے لئے محکمۂ اوقاف سے مطالبہ کرنا اور اس کی بھرپور کوشش کرنا چاہئے پھر بھی اگر ناکامی ہو تو دلی طور سے حکومت کے اس رویہ پر نفرت کرے اور کوشش وسعی جاری رکھے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

حکومت یا کسی بھی آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ مساجد میں نماز کی ادائیگی کو روک دے۔ قرآن میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "أن المساجد لله" اور دوسری جگہ فرمایا: "ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه" .. الی آخرہ.

مفتی حبیب اللہ قاسمی

یہ حکومت کی زیادتی ہے، شرعاً وہ مسجد ہے اور اس کو مسجد کے طور پر استعمال ہونا چاہئے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

آثار قدیمہ کے تحت آنے والی مسجدوں میں غیر آباد ہونے کی وجہ سے بت رکھ دیئے گئے ہیں جو افسوسناک صورت حال ہے، اس کے لئے حکومت سے قانونی جنگ لڑی جائے اور کسی طرح ان کو آزاد کرایا جائے یا کم از کم ان میں نماز پڑھنے کی اجازت حاصل کی جائے، نماز پر پابندی لگانے کا حکومت کو کوئی حق نہیں ہے، آثار قدیمہ میں تو بہت سے مندر بھی آتے ہیں لیکن وہاں پوجاپاٹ پر کوئی پابندی نہیں ہے، جو حکومت مساجد میں نماز پڑھنے پر پابندی عائد کرتی ہے وہ ظالم وجابر حکومت ہے، جمہوری حکومت نہیں ہے۔ مساجد سے روکنا قرآن کی نظر میں فتنہ کبری اور ظلم اکبر ہے، بندہ اور خدا کے درمیان حکومت کو حائل ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ "ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها"۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "وصدٌ عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام وإخراج أهله منه أكبر عند الله والفتنة أكبر من القتل"۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

ایسی مساجد میں حکومت کی لگی پابندی کو مسلمانوں کو ختم کرانے کی کوشش کرنی چاہئے، البتہ حکمت، تدبر اور صبر وتحمل کے رشتے کو مضبوطی سے تھامے رکھا جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

بقدر استطاعت مسلمانوں کو ایسی مساجد میں نماز باجماعت پڑھنے کی کوشش کرنا واجب ہے، حکومت کو روکنے کا کوئی حق نہیں، یہ بہت بڑا ظلم ہے، کما قال اللہ تعالی: ومن أظلم ....إلی آخر الایة

مولانا محمد حنیف صاحب

محکمۂ آثار قدیمہ کے تحت داخل شدہ مسجد کا حکم شرعی:

مسجد کے بارے میں حکم شرعی یہی ہے کہ مسجد ایک مرتبہ تعمیر ہو جانے کے بعد تا قیامت مسجد ہی کے حکم میں رہتی ہے، خواہ اس میں نماز ہو رہی ہو یا نہ ہو رہی ہو، علامہ حصکفی کا بیان ہے:

لو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبدا إلی قیام الساعة و به یفتی (در علی الرد ۶/ ۵۴۸)

اگر مسجد کے اطراف (کی آبادی) ویران ہو جائے اور اس مسجد کی ضرورت نہ رہے تو بھی وہ امام صاحب اور امام ابو یوسف کے نزدیک قیامت تک مسجد ہی کے حکم میں ہوگی، اسی پر فتوی ہے۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

مسجد خدا کا گھر ہے اور وہی اس کا مالک ہے، وہ کسی انسان کی ملک نہیں، ارشاد ربانی ہے: "وأن المساجد للہ" (یقیناً مسجدیں خاص خدا ہی کی ہیں) اور جب یہ خدا کی ملک ہیں تو کسی حکومت کو اس میں نماز پڑھنے سے روکنے کا کسی طرح کا کوئی حق نہیں، اسلامی شریعت میں مسجد کی حیثیت کسی میوزیم یا آثار قدیمہ کی نہیں کہ اسکو محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی دیکر اس میں نماز پڑھنے سے روک دیا جائے، اسلامی قانون کی رو سے جب کوئی جگہ ایک بار شرعاً مسجد کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو تا قیامت وہ مسجد ہی باقی رہتی ہے، حکومت تو کیا خود واقف کو بھی اس میں نماز پڑھنے سے کسی کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبدا إلی قیام الساعة وبه یفتی (در مختار ۴/ ۳۵۸)۔

نیز مسجد شعائر اللہ میں داخل ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم کے ساتھ ساتھ مسلمان اس کی حفاظت کے بھی ذمہ دار ہیں، اس لئے اس کی تقدیس و تعظیم کو باقی رکھنے کے لئے مسلم قوم پر ہر ممکن کوشش کرنی ضروری ہے، نیز حکومت کے زیر کنٹرول اسی حالت میں رہنے دینا اور اس سے دست بردار ہو جانا شریعت کے خلاف اور اسلامی روح کے منافی ہے، لہذا حکومت کا اس انداز میں تسلط وقبضہ شرعاً ناجائز اور کالعدم ہوگا جو نا قابل قبول ہی نہیں بلکہ نا قابل برداشت ہے، اور انڈین قانون کے بھی خلاف اور جمہوریت کا کھلا مذاق ہے۔

مولانا شیر علی

حکومت کو منع کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

مولانا ایوب ندوی

قدیم مساجد کو آثار قدیمہ قرار دیکر اس میں نماز کی ادائیگی سے روکنا:

ہندوستان کی جن قدیم مساجد کو ان کی تاریخی اہمیت کی بنا پر حکومت نے محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی کر دیا ہے، اور ان میں بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی سے لوگوں کو منع کر دیا ہے تو یہ سراسر ظلم ہے اور امر منکر ہے، جس کا ہرگز ہرگز حکومت کو حق حاصل نہیں ہے، اگر کوئی شخص قدرت رکھتا ہو کہ حکومت اور محکمہ آثار قدیمہ کے قبضہ تصرف سے مساجد مذکورہ کو نکال کر اس میں حسب سابق نماز جاری کرا دے تو اس پر ایسا کرنا واجب ہے، اور اگر قدرت نہ ہو تو دل سے ناگواری اور عمل میں صبر کافی ہے (امداد الفتاوی ۲/۶۰۸-۶۰۹) اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں مسجد میں اللہ پاک کو یاد کرنے سے روکنے یا مسجد کی ویرانی کی سعی کرنے والے کو سب سے بڑا ظالم کہا ہے، چنانچہ باری تعالی کا ارشاد ہے:

ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها أولئك ماكان لهم أن يدخلوها إلا خائفين لهم فى الدنيا خزى ولهم فى الآخرة عذاب عظيم (سورہ بقرہ/ ۱۱۴)

اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو، ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں، اور اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں، ان کے لئے تو دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت میں عذاب عظیم۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے مسجد کی ویرانی کے مفہوم میں مسجد کے انہدام اور اس کے تعطل دونوں کو شامل کیا ہے، چنانچہ جلالین میں ہے:

وسعى فى خرابها بالهدم و التعطيل (جلالین/ ۱۷)

اور امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کا نزول مشرکین کے متعلق ہوا ہے، جنہوں نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں ذکر خداوندی سے روکا اور مسجد کو ذکر و طاعت کے ذریعہ آباد کرنے سے روک کر اس کو ویران کرنے کی کوشش کی (احکام القرآن ۱/ ۰۷)

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسجد کی تعمیر کے مفہوم میں جس طرح مسجد کی عمارت بنانا اور اس میں عبادت کرنا دونوں داخل ہے، اسی طرح مسجد کو ویران کرنے میں اس کو ڈھانا اور اس میں عبادت کرنے سے روکنا دونوں شامل ہے، لہذا مسجد خواہ نئی ہو یا پرانی، کچی بنی ہو یا پختہ ہو، اسی طرح اس کی کوئی تاریخی حیثیت ہو یا نہ ہو بہر حال وہ مسجد ہے، اور اس کا مالک صرف اللہ ہے، اور اس کی حیثیت شعار اسلام کی ہے، اب اگر وہ مسجد نہ کسی کی زمین پر غصب کر کے بنائی گئی ہے، اور نہ وقتی و عارضی ضرورت کے تحت اس کی تعمیر ہوئی ہے، اور نہ کسی فتنہ وفساد کے پیش نظر اس کو بنایا گیا ہے، بلکہ اس کو اراضی موقوفہ پر تقوی اور خدا ترسی کے جذبہ سے خلوص نیت کے ساتھ بنایا گیا ہے، تو وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی اور قیامت تک وہ کسی کی مملوک نہ ہوگی، چنانچہ اعلام الساجد میں ہے:

إذا تعطل المسجد بتفرق الناس عن البلد أو خرابها أو بخراب المسجد فلا يعود مملو كا (اعلام الساجد باحکام المساجد/ ۳۴۵)

اور شامی میں ہے:

ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف (ردالمحتار ۴۰۷/۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسجد کو آثار قدیمہ قرار دیکر اس میں نماز پڑھنے سے روکنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی مسجد کے قریب مسلمانوں کی آبادی بالکل ختم ہو جائے اور وہاں کوئی نماز پڑھنے والا نہ پہونچے تو ایسی مسجد کو حفاظت کے پیش نظر مقفل کر دینا چاہئے، چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے کفایت المفتی میں لکھا ہے:

(الجواب ۲۶۲): مساجد اگر ایسی حالت میں ہو جائیں کہ ان میں پنجگانہ جماعت نہیں ہوتی، اور ان کی حاجت نہیں رہی تو ان کو محفوظ مقفل کر کے چھوڑ دیا جائے، اور یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کا سامان چرا کر لے جائیں گے، تو ایسی چیزوں کو جو چرائی جا سکتی ہوں، دوسری قریب ترین مسجد میں منتقل کر دیا جائے، اور جب تک کوئی مسجد رفاہ عام کے کاموں میں لائی جا سکے اس کو منہدم کرنا درست نہیں (کفایت المفتی ۲۹۹/۷)۔

مولانا ابوبکر قاسمی

حکومت کو کوئی حق نہیں ہے کہ مسلمانوں کو ان میں نماز سے روکے، حکومت کو چاہئے کہ ان مساجد کو نمازیوں کے لئے کھول دے، اور مسلمانوں کو حسب المقدور ان کو کھلوانے کی کوشش کرنا چاہئے۔

مولانا عبد القیوم پالنپوری

جو مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں، جن میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو منع کر دیا ہے، حکومت کی طرف سے نماز پر پابندی ظلم اور زیادتی ہے، شرعاً یہ منع غلط ہے، مسجد کی بڑی اہمیت وہی ہے جس مقصد کے لئے مسجد تعمیر ہوئی ہے، قرآن پاک کی آیت "**ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه**" کے تحت علامہ آلوسیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وظاهر الآية العموم في كل مانع و في كل مسجد و خصوص السبب لا يمنعه (روح المعانی ۳۶۳/۱) اور **(وسعى في خرابها) اى هدمها و تعطيلها** (روح المعانی ۳۶۴/۱)

مولانا تنویر عالم قاسمی

تاریخی مساجد میں نماز ادا کرنے سے محکمہ آثار قدیمہ کا مسلمانوں کو روکنا بہت بڑا ظلم ہے، حکومت کو شرعاً و قانوناً مسلمانوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرنے کا حق نہیں۔

وكما كره غلق باب المسجد إلا لخوف على متاعه به يفتى قال في البحر وانما كره لأنه يشبه المنع من الصلاة، قال تعالى: " ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه" (شامی ۴۴۱/۱)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

جو مساجد تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں ایسی بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی سے منع کردیا ہے تو حکومت کی طرف سے یہ ممانعت کرنا جائز نہیں ہے۔

ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها الخ (سورہ بقرہ / ۱۱۴)

اور حکومت کو اس طرح منع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

مولانا نذر توحید مظاہری

تاریخی مساجد میں نماز سے روکنا حکومت کو ہرگز حق نہیں ہے جب کہ مندروں میں پوجاپاٹ کی اجازت دی جارہی ہے، یہ عدل کے خلاف ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

حکومت کو اس طرح کا کوئی حق نہیں ہے کہ مساجد کو آثار قدیمہ میں داخل کر کے نماز کی ادائیگی پر پابندی لگائے، ایسی مساجد کو حکومت کے قبضہ سے واگذار کرانا ازالہ منکر کا ایک جزء ہے، اور اس کا مدار قدرت پر ہے، اگر کسی کو اس پر قدرت ہے تو اس پر واجب ہے، اور اگر قدرت نہ ہو تو دل سے ناگواری اور عمل میں صبر کافی ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۶۳۱)۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں، ایسی بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو منع کردیا ہے تو شرعی نقطۂ نظر سے یہ سراسر ظلم وستم اور تعدی کے مترادف ہے، ہرگز ہرگز حکومت ہند کو یہ حق حاصل نہیں ہے، اگر کوئی شخص اپنی شوکت وثروت کے اثر سے حکومت اور محکمہ آثار قدیمہ کے قبضہ وتصرف سے مساجد قدیمہ کو آزاد کرا کے اس میں نماز پڑھنا حسب سابق جاری کردے تو ایسے شخص پر واجب ہے کہ حتی الامکان مسجد کو آزاد کرا کے دم لے، ان شاء اللہ جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب ملے گا، اور اگر قدرت نہیں ہے تو چپ چاپ رہے، دل سے حکومت ہند کے رویہ کو برا سمجھے اور عمل میں صبر کافی ہے کوئی مظاہرہ وایجی ٹیشن نکالنا ٹھیک نہیں ہے جیسا کہ ۶/ دسمبر ۱۹۹۲ کو بابری مسجد کے انہدام کا حادثہ عظمیٰ ہوا، وہ نااہل سیاستدانوں کی شرارت وخیانت کا نتیجہ تھا، ورنہ ایسا حادثہ کبریٰ ہرگز ہرگز وقوع پذیر نہیں ہوتا۔

"ومن أظلم ممن منع مسجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعىٰ فى خرابها" (سورہ بقرہ / ۱۱۴)۔

اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں، ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

اس آیت سے جو چند ضروری مسائل واحکام نکلے ان کی تفصیل یہ ہے:

اول یہ کہ دنیا کی تمام مساجد آداب مسجد کے لحاظ سے مساوی ہیں جیسے بیت المقدس، مسجد حرام یا مسجد نبوی کی بے حرمتی ظلم عظیم ہے، اسی طرح دوسری تمام مساجد کے متعلق بھی یہی حکم ہے، اگرچہ ان تینوں مساجد کی خاص بزرگی وعظمت اپنی جگہ مسلم ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز و حرام ہیں۔ ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے ہی کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں نماز و تلاوت سے صراحۃً روکا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور و شغب کرکے یا اس کے قرب وجوار میں باجے گاجے بجا کر لوگوں کے نماز و ذکر وغیرہ میں خلل ڈالے، یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد کی ویرانی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب حرام ہیں، اس میں بھی جس طرح کھلے طور پر مسجد کو منہدم اور ویران کرنا داخل ہے اسی طرح ایسے اسباب پیدا کرنا بھی اس میں داخل ہے جن کی وجہ سے مسجد ویران ہو جائے، اور مسجد کی ویرانی یہ ہے کہ وہاں نماز کے لئے لوگ نہ آئیں یا کم ہو جائیں (تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۱/۲۹۹ تا ۳۰۰)

غیر آباد مساجد کے احکام:

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب نمبر (۲۶۲) میں رقمطراز ہیں: مساجد اگر ایسی حالت میں ہو جائیں کہ ان میں پنجگانہ جماعت نہیں ہوتی اور ان کی حاجت نہیں رہی تو ان کو محفوظ مقفل کرکے چھوڑ دیا جائے اور یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کا سامان چرا کر لے جائیں گے تو ایسی چیزوں کو جو چرائی جاسکتی ہوں دوسری قریب ترین مسجد میں منتقل کر دینا چاہئے اور جب تک کوئی مسجد رفاہ عام کے کاموں میں لائی جاسکے اس کو منہدم کرنا درست نہیں ہے (کفایت المفتی ۷/۲۹۹)

موقف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کا:

سوال (۷۳۸) (الف ۲) اگر کوئی شخص کسی مسجد پر مالکانہ تصرف رکھتا ہو، آیا یہ امر ضروری ہے یا نہیں کہ اس کے قبضہ تصرف سے وہ مسجد نکال لی جاوے اور اس کو بطور مسجد رکھا جائے؟

الجواب (الف ۲) یہ نکال لینا ایک فرد ہے ازالہ منکر کا سو اس کا مدار قدرت پر ہے، اگر کسی کو اس پر قدرت ہو تو اس پر واجب ہے اور اگر قدرت نہ ہو تو دل سے ناگواری اور عمل میں صبر کافی ہے، ہذا ظاہر من القواعد الشرعیۃ (امداد الفتاوی ۲/۶۰۸ تا ۶۰۹)۔

۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان میں مسجدوں کی جو بے حرمتی اور بربادی کی گئی، اس کی المناکی اب بھی آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے، ۱۹۷۶ء میں حکومت ہند نے برنی کمیٹی مقرر کی تھی اس کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک صرف دہلی کی تقریباً ایک سو چھہتر (۱۷۶) مسجدیں ایسی تھیں جن کے تصرف سے مسلمان محروم تھے، ان پر یا تو حکومت یا ہندوؤں کا قبضہ تھا، اور اب تک واگذاشت نہیں ہو سکی ہیں، دہلی مسلمان بادشاہوں کا بھی دار السلطنت رہا، لیکن کسی مستند حوالہ سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں ایک سو چھہتر مندروں کے تصرف سے ہندو محروم کر دیئے گئے تھے، ۱۹۷۹ء میں مغربی بنگال اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ صرف کلکتہ میں انسٹھ (۵۹) مسجدیں ایسی ہیں جن کے قبضہ سے مسلمان نہ صرف محروم ہیں بلکہ ان پر ہندوؤں کا تصرف ہے، اور

بعض مسجدوں کو گوبر سے لیپا جاتا ہے، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلایا جاسکتا ہے کہ صرف ایک شہر کے انسٹھ (۵۹) مندروں کی ایسی بے حرمتی کی گئی، اور اخباروں میں برابر ذکر آیا ہے کہ دہلی سے پاکستان کی سرحد تک نو ہزار مسجدیں ایسی ہیں جو غیر مسلموں کے تسلط میں ہیں (بابری مسجد ر ۱۴۵ تا ۱۴۶، دار المصنفین اعظم گڑھ)

مسلمانوں کو مساجد کے تصرف سے محروم کرنا آئین بھارت کے بھی خلاف ہے:

مذہب کی آزادی کا حق ۲۵:

(۱) تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیحات متاثر نہ ہوں۔

(۲) اس دفعہ کا کوئی امر کسی ایسے موجودہ قانون کے نفاذ کو متاثر نہ کرے گا اور نہ وہ ایسے قانون کے بنانے میں مملکت کا مانع ہوگا جو کسی معاشی، مالیاتی، سیاسی یا دیگر غیر مذہبی سرگرمی کو جس کا تعلق مذہبی عمل سے ہو سکتا ہو منضبط کرے یا اس پر پابندی لگائے۔

مذہبی امور کے انتظام کی آزادی ۲۶:

اس شرط کے ساتھ کہ امن عامہ، اخلاق عامہ اور صحت عامہ متاثر نہ ہوں ہر ایک مذہبی فرقے یا اس کے کسی طبقے کو حق ہوگا۔ (الف) مذہبی اور خیراتی اغراض کے ادارے قائم کرنے اور چلانے کا، (ب) اپنے مذہبی امور کا انتظام خود کرنے کا، (ج) منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کے مالک ہونے اور اس کو حاصل کرنے کا، (د) اور ایسی جائداد کا قانون کے بموجب انتظام کرنے کا۔ (بھارت کا آئین (یکم جنوری ۱۹۸۵ء تک ترمیم شدہ) (صفحہ ۳۶، دفعات ۲۵-۲۶، ترقی اردو بیورو۔ نئی دہلی، طبع دوم ۱۹۸۵ء)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر مثلاً لال قلعہ کے اندر موتی مسجد، اورنگ آباد میں اورنگ زیبؒ کی اہلیہ محترمہ کے مزار کے اردگرد مسجد عالیشان۔ محکمہ آثار قدیمہ کی زیر نگرانی ہیں، ایسی بعض مساجد میں حکومت نے باقاعدہ نماز کی ادائیگی کو منع کردیا ہے۔ مذہبی چیزوں میں اس طرح کا کوئی حق حکومت کو نہیں ہے مگر اسکو حاصل کرنا بھی دشوار ہے اور خود سے فروخت کرنا بھی دشوار تر ہے، صرف ایک صورت رہ جاتی ہے وہ یہ کہ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ یا تو اسمیں نماز پڑھنے کی اذن عام دی جائے ورنہ تو اسی طرح کی مسجد دوسری جگہ بنادی جائے۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

وہ مساجد جو اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں ان میں سے بعض میں حکومت نے نماز کی ادائیگی سے منع کردیا ہے، شرعاً اس کا مسئلہ یہ ہے کہ جو مسجد بن جاتی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے حکومت کو اس طرح کا کوئی حق نہیں کہ وہ مسجد میں نماز ادا کرنے سے روک دے، مسلمانوں کو اپنی مسجد کی بازیابی کے لئے اور دوبارہ نماز کی ادائیگی کے لئے پوری کوشش

کرنی ہوگی، خصوصاً اس مسجد سے قریب رہنے والے لوگوں پر ضروری ہے کہ وہ قانونی طور پر حکومت کو مجبور کریں، اور دوبارہ نماز کی اجازت حاصل کریں، ورنہ ایسی مسجدوں کو آباد نہ کرنے کی وجہ سے تمام مسلمان گنہگار ہوں گے۔

"وان المساجد لله" قال المساجد كلها.

اور بے شک مسجدیں اللہ کے لئے ہیں، اور تمام مسجدیں اسمیں داخل ہیں، یعنی تمام مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

مولانا قمرالزماں ندوی

حکومت کا مساجد میں عبادت پر پابندی لگانا:

مسجد خدا کا مبارک گھر ہے جو خدا کی عبادت و بندگی، ذکر و تلاوت کے لئے بنائی جاتی ہے، اس میں کسی طرح کی لایعنی گفتگو اور غیر ضروری عمل کو ناپسند کیا گیا ہے، جو گھر خدا کی عبادت کے لئے تعمیر ہوا ہے وہ خدا کا گھر ہے، حکومت یا کسی فرد کے لئے بالکل جائز نہیں ہے کہ اس میں نماز کی ادائیگی پر پابندی عائد کرے، اگر کوئی حکومت ایسا اقدام کرتی ہے تو وہ ظالم ہے، ستم گر ہے بلکہ روئے زمین میں اس سے بڑھکر کوئی ظالم نہ ہوگا جو مساجد الٰہی میں نماز ادا کرنے سے روک دے، اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: " ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها". ترجمہ: اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں (سورۃ البقرۃ ۱۱۴) اس آیت کی تفسیر اور شان نزول ذکر کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے:

اس کے شان نزول نصاری ہیں کہ انہوں نے یہود سے مقاتلہ کرکے توریت کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا، یا مشرکین مکہ کہ انہوں نے مسلمانوں کو محض تعصب و عناد سے حدیبیہ میں مسجد حرام (بیت اللہ) میں جانے سے روکا، باقی جو شخص کسی مسجد کو ویران یا خراب کرے وہ اسی حکم میں داخل ہے (تفسیر عثمانی، سورۃ البقرۃ، صفحہ ۲۲، مجمع خادم الحرمين الشريفين الملك فهد لطباعة المصحف)

اس کی تفسیر یوں کی ہے:

والمراد بمنع المساجد أن يذكر فيها اسم الله منع من يأتي إليها للصلاة والتلاوة والذكر وتعليمه.. ويجوز أن يراد بالخراب تعطيلها عن الطاعات التي وضعت لها (فتح القدیر ۱/۱۳۱، نیز دیکھئے: تدبر قرآن ۱/۳۰۲)

مساجد کے اندر اللہ کا ذکر کیا جائے اس سے روکنے کا مطلب یہ ہے کہ جو اس میں نماز ادا کرنے، تلاوت و ذکر اور اس کو سیکھنے کی غرض سے آتا ہو اس کو روکا جائے، اور خراب کرنے کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ مساجد کو جس کے لئے بنایا گیا ہے اس (طاعات) سے اس کو ختم کر دیا جائے۔

ومن أظلم ...... هذا استنكار و استبعاد لأن يكون أحد أظلم ممن فعل ذلك اى لا أحد أظلم ممن منع الناس من عبادة الله في بيوت الله (صفوۃ التفاسیر ۱/۸۹، نیز دیکھئے: الاساس فی التفسیر: ۱/۲۲۲)

ومن اظلم ... یہ استنکار اور بعید ہے کہ جو ایسا کرے اس سے بڑا کوئی ظالم ہو سکتا ہے؟ یعنی اللہ کے گھر میں جو لوگوں کو اللہ کی عبادت کرنے سے روک دے اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔

مولانا ابرار خان ندوی

بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں ایسی بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو منع کر دیا ہے، شرعاً حکومت کو اس کا کسی طرح کوئی حق نہیں، ایسی صورت میں حکومت سے احتجاج کیا جائے اور نماز کی پابندی اٹھانے کی کوشش کی جائے۔

مولانا ابراہیم فلاحی باردولی

ایسی قدیم مساجد جو اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں ان میں سے جن مساجد میں حکومت نے نماز ادا کرنے سے منع کر دیا ہے شرعاً حکومت کو اس کی اجازت نہیں ہے، قرآن صاف طور پر اعلان کرتا ہے: "ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها أولئك ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين لهم فى الدنيا خزى ولهم فى الآخرة عذاب عظيم" (البقرۃ)

ترجمہ: اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدائے تعالے کی مسجدوں میں ان کا ذکر کئے جانے سے بندش کرے اور ان کے ویران ہونے میں کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت ہو کر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا، ان لوگوں کو دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور ان کو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز و حرام ہیں۔

مولانا سميع الله قاسمی

محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی مساجد کے احکام:

وہ مساجد جن کے محکمہ آثار قدیمہ میں ہونے کی وجہ سے ان میں ادائیگی نماز سے روک دیا گیا ہے۔ حکومت کا یہ فعل مذموم اور مقاصد مساجد کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ آیت کریمہ "ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها..." الخ (سورہ بقرہ/ ۱۱۴) کے مرادف ہے، اس لئے حکومت کو اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ حکومت سے مطالبہ کرکے مقاصد مساجد کا اجراء کروائے، اور اپنی طاقت و وسعت کے مطابق حکومت کے ان منکرات کو دفع کرے اور اگر دفع کرنے کی بالکل طاقت و قدرت نہیں ہے تو پھر دل سے ناگواری کافی ہے۔ وهذا ظاهر من القواعد الشرعية.

مولانا صدر عالم

قدیم مساجد کا تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے اور نہ ہی اس نگرانی سے جو مسجد کی شرعی حیثیت پر کوئی فرق پڑتا ہے، لیکن ان مساجد میں ادائیگی صلاۃ پر پابندی لگانے کا حق کسی کو یہاں تک کہ حکومت کو بھی نہیں ہے شرعی طور پر بہت بڑا ظلم اور منکر ہے، واضح رہے کہ ازالہ منکر حسب استطاعت وقدرت فرض ہے، جس کو قدرت ہے اس کے لئے واجب ہے کہ اس پابندی کو منسوخ کرائے۔ وهذا ظاهر من القواعد الشرعية.

مولانا عطاء اللہ قاسمی

حکومت کو قدیم مساجد میں نماز کی ادائیگی سے روکنے کا حکم:

شریعت اسلامی میں تاریخ کو باقی رکھنے کے لئے مساجد کو مقفل کرنے اور نمازوں سے روکنے کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی ان کو روکنا جائز ہے بلکہ مساجد تمام کی تمام خواہ قدیم ہوں یا جدید، اللہ تعالی کی ملکیت ہوتی ہیں، مساجد میں کسی کا کوئی حق نہیں رہتا اور نہ ہی کوئی نماز سے روک سکتا ہے، چنانچہ فقہاء کرام فرماتے ہیں:

والمسجد خالص لله تعالى سبحانه ليس لأحد فيه حق قال الله تعالى " وأن المساجد لله " مع العلم بأن كل شئ له فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصة به وهو بانقطاع حق كل من سواه عنه (فتح القدیر ۵/۴۴۴)

اور مسجد خالص اللہ تعالی کے لئے ہے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہے، اللہ تعالی نے فرمایا "اور بیشک ساری مساجد اللہ کی ہیں" اس بات کو جانتے ہوئے کہ تمام چیزیں اسی کی ہیں، پس اس اضافت کا فائدہ مساجد کی خصوصیت ہے۔ اور یہ اللہ تعالی کے علاوہ دوسرے لوگوں سے انقطاع کے حق کو ثابت کرتا ہے۔ نیز جو لوگ نماز سے روک کر مساجد میں آثار قدیمہ کو باقی رکھنے کے لئے پابندی لگاتے ہیں وہ قرآن کریم کی اس آیت کے تحت داخل ہوں گے ایسے ہی لوگوں کے لئے آخرت میں عذاب عظیم ہوگا۔

"ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه و سعى فى خرابها أولئك ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين لهم فى الدنيا خزى ولهم فى الآخرة عذاب عظيم".

لہذا ارباب حل وعقد کو چاہئے کہ وہ حکومت سے مطالبات کریں کہ مسلمانوں کے جتنے شعائر اسلام ہیں ان پر سے پابندی ہٹائی جائے اور مسلمانوں کو کھلے طور سے چھوٹ دی جائے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق مساجد میں عبادت کریں۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

وہ مساجد جو محکمۂ آثار قدیمہ کے تحت ہیں:

اللہ تبارک وتعالی کی عبادت کے لئے جو بھی عبادت گاہیں قائم ہیں خواہ وہ مساجد کی شکل میں ہوں یا خانہ کعبہ کی شکل میں، اس میں حکم ہمیشہ عبادت گاہ ہی کا رہے گا، ایسا نہیں ہے کہ اگر وہ منہدم ہو جائے اور اس قابل ہو جائے کہ اس میں عبادتیں نہ کی جا سکیں یا وہ غیر مسلم یا حکومت کی نذر ہو جائے تو اس کا مسجد یا کعبہ ہونے کا حکم ختم ہو جائے گا بلکہ روز قیامت تک اس کا حکم جوں کا توں

برقرار رہے گا، بنابریں جو بھی مساجد محکمۂ آثار قدیمہ کے تحت ہیں اور حکومت نے ان میں نماز ادا کرنے پر پابندی لگادی ہے ان کا حکم قیامت تک مسجد ہی کا رہے گا، چنانچہ علاء الدین حصکفیؒ لکھتے ہیں:

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثانى أبدا إلى يوم الساعة (در علی الرد ۳/۱۷۱)

اگر مسجد یا مسجد کے اردگرد کی چیز ویران ہو جائے تو بھی اس کا حکم روز قیامت تک مسجد ہی کا رہے گا، امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک لأن المسجد لا يخرج عن المسجدية أبدا (شامی ۶/۵۷۶) مسجد ہمیشہ مسجد ہی کہلائے گی۔

إذا خرب المسجد واستغنى أهله وصار بحيث لا يصلى فيه عاد ملكا لواقفه أو لورثته حتى جاز لهم أن يبيعوه.. وقيل هو مسجد أبدا وهو الأصح كذا فى خزانة المفتيين (ہندیہ ۲/۴۵۸)

جب مسجد ویران ہو جائے اور لوگ اس سے بے نیاز ہو جائیں اور مسجد اس قابل ہو جائے کہ اس میں نماز ادا نہ کی جائے تو وہ واقف یا اس کے وارث کی طرف لوٹ جائے گی یہاں تک کہ ان کے لئے جائز ہے کہ اس کو فروخت کر دیں اور کہا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیش مسجد ہی رہے گی اور قول اصح یہی ہے۔

مسلک شافعی: أما المسجد فإنه إذا انهدم وتعذرت إعادته فانه لا يباع بحال لإمكان الانتفاع به حالا بالصلوة فى أرضه (شرح مہذب ۱۵/۳۶۰)

مسجد جب اس طرح منہدم ہو جائے کہ اس کی دوبارہ تعمیر مشکل ہو تو اس کو کسی بھی حالت میں فروخت نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ اس سے انتفاع فی الحال بھی یوں ممکن ہے کہ اس کی زمین میں نماز ادا کی جائے۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

قبرستان کے تحفظ کے لئے دوکانوں کی تعمیر کے ذریعہ حصار بندی

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مولانا عتیق احمد قاسمی	مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی	مولانا عبد الجلیل قاسمی
مولانا انیس الرحمٰن قاسمی	مفتی شبیر احمد قاسمی
مفتی نسیم احمد قاسمی	مولانا ظفر عالم ندوی
مولانا شمس پیرزادہ	ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مفتی جمیل احمد نذیری	مولانا ابو سفیان مفتاحی
مفتی محبوب علی وجیہی	مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مولانا حبیب اللہ قاسمی	مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری	مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا مفتی محمد حنیف	مولانا محمد رضوان قاسمی
مفتی شیر علی گجراتی	مولانا ایوب ندوی
مولانا ابو بکر قاسمی	مولانا عبد القیوم پالنپوری
مولانا تنویر عالم قاسمی	مفتی عبد الرحیم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری	ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا عبد اللطیف پالنپوری	مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی	مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا محمد نور القاسمی	مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی	مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی	مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی	مولانا محمد ارشد قاسمی

سوال: قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے۔ جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس سے یہ کام کرایا جائے۔ جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ دوکانوں میں چلا جائے گا، کیا یہ درست ہوگا؟ اور بعد میں فاضل آمدنی مناسب مصارف خیر میں لگادی جائے۔

جوابات

قبرستان کی حفاظت کی غرض سے جب کہ اس کی چہاردیواری کی کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو تو اطراف میں دوکانیں بناکر گھیرنا، اور دکانداروں سے سرمایہ لیکر اس کام کو کرنا درست ہے، اور اس کے لئے بیچنے کی صورت اختیار نہ کی جائے بلکہ کرایہ داری اور پیشگی کرایہ لیا جائے، فاضل آمدنی پیچھے آئی ہوئی تفصیل کے مطابق مناسب کار خیر میں لگائی جائے۔ یہ صورت معاملہ بھی ان فقہی نظائر کے تحت آئے گی، اور ان کے مناسب ہے جن کا تذکرہ پانچویں اور چھٹے سوال کے تحت کیا گیا ہے۔

اسی طرح دوکانوں کے بنانے کی اجازت مفتی نظام الدین صاحب نے دی ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

قبرستان کے تحفظ کے لئے دوکانوں کا حصار:

وقف کے احکام میں وقف کے مصالح کے تحفظ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اسی لئے بعض مواقع پر فقہاء نے واقف کی شرائط کو بھی نظرانداز کرنے کی اجازت دی ہے اگر ان شرائط کی رعایت وقف کے مفاد میں نہ ہو، مثلاً واقف نے نااہل شخص کو متولی مقرر کردیا اور شرط لگادی کہ اسے معزول نہ کیا جائے پھر بھی قاضی ایسے شخص کو تولیت سے سبکدوش کرسکتا ہے، یا شرط لگادی کہ وقف کی عمارت ایک سال سے زیادہ عرصہ کے لئے کرایہ پر نہ دی جائے لیکن کرایہ دار اس قلیل مدت کے لئے لینے میں رغبت نہ رکھتے ہوں، تو عدالت اس شرط کی خلاف ورزی کرسکتی ہے (ردالمحتار ۶؍۵۸۷)۔

قبرستان کے پاس اگر خود اتنے وسائل نہ ہوں کہ احاطہ بندی کا کام ہو سکے تو اس طرح یہ پیشگی رقم لے کر دوکانوں کی تعمیر اور انہی دکانوں کے ذریعہ حصار بندی میں قبرستان کا تحفظ بھی ہے اور اس سے قبرستان کو آمدنی بھی حاصل ہو سکتی ہے جس سے قبرستان کی نگرانی، روشنی اور راستہ کا انتظام یا لاوارث لاشوں کی تدفین وغیرہ کا کام لیا جاسکتا ہے، پس یہ قبرستان کے مفاد میں ہے اور ایسا کرنا جائز ہے۔ فقہاء کے یہاں اس بابت بعض صراحتیں موجود ہیں، صاحب بزازیہ لکھتے ہیں۔

أراد القيم أن يبني في الأرض الموقوفة حوانيت ليستغلها بالإجارة ليس له ذلك لأن استغلال الأرض بالزرع إليهم إلا إذا كانت الأرض متصلة بالمصر (فتاوی بزازیہ ۶/ ۲۵۴)

گویا دکان بنانے کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ دیہات و قریہ جات میں دکان بنانے کی ممانعت ہے کیونکہ وہاں اول تو ان کا کرایہ پر لگنا دشوار ہوتا ہے اور اگر کرایہ دار مل جائیں تب بھی کرایہ خاطر خواہ وصول نہیں ہو سکتا، اس لئے وہاں زراعت زیادہ فائدہ بخش ہوتی ہے، شہر میں چونکہ کرایہ دار آسانی سے اور بہتر کرایہ کے ساتھ دستیاب ہوتے ہیں اس لئے صاحب بزازیہ نے یہاں اس کی اجازت دی ہے، پس جب قبرستان کے مفاد میں ایسی دکانوں کا بنانا ہے تو یہ بھی جائز ہوگا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

قبرستان کی حفاظت کے لئے ایسا کیا جاسکتا ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

قبرستان کی حفاظت کی غرض سے کناروں میں دوکان بنانا:

جب کہ قبرستان کی چہار دیواری کے لئے قبرستان کے پاس کوئی رقم نہ ہو اور چہار دیواری نہ کرانے کی وجہ سے قبرستان غیر محفوظ ہو تو اس کے اطراف میں لوگوں سے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر دوکانیں بنا کر ان کو کرایہ پر لگا سکتے ہیں۔ شرعاً اس کی اجازت ہوگی۔ لیکن اس کے لئے قاضی شریعت سے اجازت لینی ہوگی، قاضی شریعت سے اجازت لئے بغیر یہ کام نہیں کر سکتے ہیں۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

اگر وقف قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کی باؤنڈری بنانا ضروری ہو جائے اور اس کے لئے رقم کا کوئی نظم نہ ہو تو قبرستان کے اطراف میں سے کچھ حصہ پر ذریعہ آمدنی کے طور پر دکان بنانے کا پروگرام بنایا جائے اور اس کے لئے پیشگی کرایہ کے نام پر کچھ لوگوں سے رقم حاصل کر کے قبرستان کی چند فٹ زمین اطراف سے لیتے ہوئے اس پر دکان بنائی جائے تو یہ جائز اور درست ہوگا، لیکن یہ ساری دکانیں وقف ہی ہوں گی اور دکانوں سے بعد میں حاصل ہونے والی آمدنیاں جب قبرستان کی ضروریات سے زائد ہو جائیں گی تو اسے ایسے مصارف خیر پر صرف کرنا بھی جائز ہوگا جس کا نفع عام مسلمانوں کو پہونچے، مثلاً قریب کے دوسرے قبرستان کی باؤنڈری

بنانے اور دیگر ضروریات میں خرچ کیا جائے، یا کسی مسجد ومدرسہ کی تعمیر ومرمت یا دوسری بنیادی ضرورتوں میں لگا دیا جائے۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے باؤنڈری بنانا ضروری ہو اور اس کے لئے وقف کے پاس سرمایہ نہ ہو تو مناسب ہوگا کہ اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے اور اس کے لئے پیشگی رقم بطور کرایہ لے لی جائے اور اس آمدنی سے قبرستان کی باؤنڈری کرادی جائے۔

مولانا عبد الجلیل قاسمی

قبرستان چاہے قدیم ومردہ ناقابل استعمال ہو یا جدید وقابل استعمال ہو اسکے فروخت کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، البتہ اس پر غور کیا جاسکتا ہے کہ ایسے قدیم ومردہ قبرستان جن میں عرصہ دراز سے دفن موتی کا کام نہیں لیا جارہا ہے اور نہ آئندہ یہ مصرف لئے جانے کا بظاہر امکان ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس کا قوی امکان ہے کہ ان اراضی پر غاصبین کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے، اور آئندہ ان کے قبضہ کو ہٹانا ناممکن ہے یا بے حد دشوار ہے اور ان مقابر کے ختم ہو جانے ہی کا خدشہ یقینی ہے تو فقہاء احناف کے مشائخ متاخرین شمس الائمہ حلوانی اور امام شجاع کے اقوال سے استیناس کرتے ہوئے، اور زیلعی کے اس قول کے پیش نظر کہ جب قبر میں میت کی نعش بوسیدہ ہو کر مٹی میں مل جائے تو اس پر کھیتی کی جاسکتی ہے اور مکان بنایا جاسکتا ہے۔ فقہاء ہند میں مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مفتی نظام الدین صاحب۔ مفتی دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب وغیرہ نے ایسے قدیمی ناقابل استعمال اور خطرہ غصب سے گھری ہوئی اراضی قبرستان میں مسجد ومکانات بنانے کی اجازت دی ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

اگر یہ قبرستان زمین موقوفہ میں تھا جو دفن اموات کے لئے وقف تھی اسکو کسی دوسرے کام میں لانا جائز نہیں۔ ہاں اگر اس میں دفن اموات کی اجازت نہ رہی ہو تو جب کہ مردوں کے جسم مٹی ہو جانے کا گمان غالب ہو جائے اس وقت اس زمین کو کھیت یا باغ بناکر اس کی آمدنی کو کسی دوسرے قبرستان کے ضروری مصارف میں صرف کیا جائے گا، اور اگر زمین وقف نہ ہو بلکہ مملوکہ ہو تو مالک آمدنی کو اپنے صرفہ میں لاسکتا ہے (کفایت المفتی ۷/ ۱۲۳)۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب لکھتے ہیں:

ہاں جو موقوفہ قبرستان اس حالت میں پہنچ گیا ہو کہ اس میں تدفین موقوف ہوگئی اور آئندہ اس کی توقع بھی نہ ہو کہ تدفین ہوگی بلکہ اسکے ضائع ہونے کا قوی خطرہ ہوگیا ہو تو اسکے اور اسکے واقف کے منشاء کے تحفظ وبقا کے لئے جو مناسب صورت ہو اختیار کرنا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ اسکو چہار دیواری سے محفوظ کر کے اس میں کل کے اندر باغ لگا کر یا مثلاً اسکے حواشی پر بیرون رخی دکانیں بنوا کر اور اندر باغ لگا کر اس کی آمدنی دوسرے محتاج اعانت قبرستان پر خرچ کی جائے، اور اگر دوسرا قبرستان محتاج اعانت نہ ہو تو اس کی آمدنی دینی مدارس پر خرچ کی جائے یا اس میں مسجد تعمیر کردی جائے یا دینی مدرسہ قائم کردیا جائے (نظام الفتاوی ۱/ ۱۷۴-۱۷۵)

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب لکھتے ہیں: پس پنجاب وغیرہ کی صورت حال جہاں سرے سے ان قبرستانوں کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہی یقینی ہے ایسے مجتہد فیہ مسائل میں کسی ایک پہلو پر اصرار جس سے دین کے عام مصالح مجروح ہوتے ہوں صحیح نہیں معلوم ہوتے۔

لہذا ایسے قدیم مقابر جو عرصہ سے غیر آباد ہیں اور آئندہ بھی ان کے آباد ہونے کی توقع نہیں ان پر عمارتیں بنا کر کرایہ پر لگائی جاسکتی ہیں، اور ان اراضی کو لیز پر بھی دیا جاسکتا ہے، تاکہ اصل اراضی وقف کی حیثیت سے باقی رہ سکے اور اس سے آمدنی حاصل ہوتی رہے۔

اور اس طرح کی آمدنی کو اولاً دیگر مقابر کے تحفظ یا ایسے شہروں و آبادیوں کے لئے قبرستان کی اراضی حاصل کرنے پر خرچ کرنا چاہئے جہاں قبرستان کی ضرورت ہے، اگر اس طرح کے مدات پر خرچ کے بعد رقم بچ جائے تو اسے مدارس، مسافر خانوں، نادار بچوں کی تعلیم میں اور دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ کیا جاسکتا ہے (بحث ونظر جلد ۲، شمارہ ۱۰۳-۱۰۵)

اس بحث سے مقابر و مساجد کے علاوہ دیگر اوقاف مثلاً خانقاہ، سرائے وغیرہ جو ویران ہوگئے ہوں، اور ان کی اراضی موجود ہوں اور ان کے مصرف کا انقطاع ہو تو حسب ضرورت دینی و مصلحت شرعی قاضی کی اجازت سے مدارس وغیرہ ان میں قائم کئے جاسکتے ہیں، احکام شرع سے واقف دقیق النظر علماء پر یہ مخفی نہیں ہے کہ مساجد و مقابر کے علاوہ دیگر اوقاف کے احکام قدرے مختلف ہوتے ہیں۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

قبرستان کے کنارے دوکان بنا کر کرایہ پر دینا اور فاضل آمدنی کا حکم:

قبرستان اگر باؤنڈری کے بغیر محفوظ رہتا ہے تو اس زمین پر دوکانیں بنانا جائز نہ ہوگا بلکہ پوری زمین قبرستان ہی کے استعمال میں رہنا ضروری ہے اور بلاوجہ آمدنی بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ اگر باؤنڈری کے بغیر قبرستان کی حفاظت بہت دشوار ہے، لوگوں کے آہستہ آہستہ قبضہ کر لینے کا خطرہ ہے، اور قبرستان کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ جس سے چہار دیواری کا نظم ہو سکے تو ایسی صورت میں اس کی گنجائش ہے کہ کنارے پر دوکانیں بنا کر کرایہ پر دیدیا جائے اور کرایہ دار سے پیشگی رقم اس شرط کے ساتھ لینا جائز ہے کہ یہ رقم آئندہ کرایہ میں مجری ہوتی رہے گی۔

وإذا أراد أن يبنى فيها بيوتا يستغلها بالإجارة إن كانت أرض الوقف متصلة ببيوت المصر يرغب في استيجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الأرض والنخيل كان له ذلك (تاتارخانیہ ۵/۷۴۶)

اور جب وقف کی زمین میں مکانات بنوا کر آمدنی کے لئے کرایہ پر دینے کا ارادہ ہو تو اگر وقف کی زمین آبادی سے متصل ہے اور لوگ اس کے مکانات کو کرایہ پر لینے کے خواہش مند ہو سکتے ہیں اور زمین اور پیڑ کی آمدنی سے ان مکانات کی آمدنی زیادہ ہو سکتی ہے تو مکانات بنا کر کرایہ پر دینا جائز ہے۔ اور اس کی فاضل آمدنی دوسرے قبرستان میں خرچ کرنا لازم ہوگا اور اگر دوسرا قبرستان دور دور

تک نہ ہو تو غیر مستطیع دینی طلبہ اور نادار فقراء میں تقسیم کرنے کی گنجائش ہے (کفایت المفتی ۷/۳۰۲) نیز ویران اور مستعمل قبرستان میں فرق ہے کہ مستعمل قبرستان کو اپنی جگہ باقی رکھنا لازم ہے اس کا تبادلہ جائز نہیں ہے اور ویران قبرستان کا تبادلہ جائز ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

حفاظت کی غرض سے اطراف قبرستان دکان کی تعمیر :—

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ باؤنڈری اور چہار دیواری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور چہار دیواری نہ کرانے کی وجہ سے قبرستان غیر محفوظ ہو تو اس کے اطراف وجوار میں لوگوں سے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر دکانوں کی تعمیر اور ان کو کرایہ پر لگانے کی شرعاً اجازت ہوگی، البتہ اس کے لئے قاضی شریعت کی اجازت ضروری ہوگی، اور دکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی ضروریات قبرستان میں صرف کی جائے گی، فاضل آمدنی کو دوسری قبرستانوں کی ضروریات پر "الاقرب فالاقرب" کی ترتیب سے صرف کرنا ضروری ہوگا۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

قبرستان کی حفاظت کی غرض سے اگر ایسا کیا گیا ہے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، بعد میں اس کی زائد آمدنی دوسرے قبرستانوں پر صرف کی جاسکتی ہے۔

مولانا ظفر عالم ندوی

قبرستان میں جن کے مردے دفن ہوتے ہیں ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ فنڈ جمع کر کے قبرستان کے لئے باونڈری بنادیں اور یہ کام کسی وقف کی فاضل آمدنی سے بشرطیکہ وہ واقف کے مقصد کے خلاف نہ ہو کیا جاسکتا ہے۔

قبرستان تو آخرت کو یاد دلانے والی جگہ ہے اور دوکانیں دنیا کو یاد دلانے والی، اس لئے قبرستان کے احاطہ میں دوکانوں کی تعمیر کسی طرح صحیح نہیں۔

مولانا شمس پیرزادہ

بہتر ہوگا کہ جن کے مردے وہاں دفن ہوتے ہیں ان سے خصوصاً اور عام مسلمانوں سے عموماً چندے اور عطیات حاصل کر کے اس کی باؤنڈری کرادی جائے، لیکن یہ نہ ہوسکے اور حفاظت کا مسئلہ سنگین ہو جائے تو مذکورہ صورت اپنائی جاسکتی ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

جائز ہے بشرطیکہ اگر قبریں دوکانوں میں جائیں تو وہ پرانی قبریں ہوں جن کے نشانات بالکل ختم ہو چکے ہوں (ردالمحتار ۱/۶۶۲)

فاضل آمدنی مناسب مصارف خیر میں لگانے کے متعلق عینی کی عبارت جس کا بار بار تذکرہ آچکا ہے، نظیر بنائی جاسکتی ہے۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں قبرستان کی حفاظت کے لئے اطراف قبرستان میں جب کہ وہاں قبروں کے نشانات نہ ہوں دکان کی تعمیر کرنا درست ہے، اور تعمیر کے لئے سرمایہ نہ ہونے کی صورت میں پیشگی کرایہ کے طور پر لینا جائز ہے اور اس کے ذریعہ تعمیر کا یہ کام کرایا جاسکتا ہے اور دکانوں کی تعمیر کے سلسلے میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ جن پر قبریں نہیں ہیں یا قبریں تھیں لیکن قدیم ہونے کی وجہ سے قبروں کے نشانات مٹ چکے ہیں تو یہ درست ہوگا، چنانچہ ملک العلماء امام کاسانی لکھتے ہیں:

فان امتنع من العمارة ولم يقدر عليها بأن كان فقيراً آجرها القاضي وعمرها بالأجرة لأن استبقاء الوقف واجب لا يبقى إلا بالعمارة (بدائع الصنائع ۶/۳۳۷)

اور فتاوی ہندیہ میں ہے: ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل كان للقيم أن يبنى فيها بيوتاً فيواجرها بخلاف ما إذا كانت الأرض الموقوفة بعيدة من بيوت المصر فان ثمة لا يكون للقيم أن يبنى فيها بيوتا يواجرها (۲/۴۱۴)۔

اور فتاوی خانیہ میں ہے: أرض لأهل قرية جعلوها مقبره واقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن وآلات القبر و أجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك قالوا إن كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان فلا باس به، وبعد ما بنى لواحتاجوا إلى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه (۳/۴۱۳) (فتاوی ہندیہ ۳/۴۶۷)

فاضل آمدنی مصارف وقف سے زائد ہو اور اس کے مماثل کوئی مصرف نہ ہو تو فقراء پر تقسیم کر سکتے ہیں، چنانچہ شرح وقایہ میں ہے: إذا انقطع صرف إلى الفقراء (۲/۲۵۴)

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ اطراف قبرستان میں جب کہ قبروں کے نشانات نہ ہوں تو دوکانوں کی تعمیر کرنا درست ہے اور اس کے لئے سرمایہ نہ ہونے کی صورت میں پیشگی کرایہ کے طور پر لینا جائز ہے اور تعمیر میں چند فٹ قبرستان کا چلا جانا جب کہ قبروں کے نشانات نہ ہوں تو درست ہے اور فاضل آمدنی مماثل وقف میں، ورنہ فقراء پر تقسیم کر دیا جانا جائز ہے۔ . واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

اگر چند فٹ زمین لینے سے مقاصد وقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ اس جگہ پر قبروں کا نشان ہے تو حفاظت قبرستان اور مصارف قبرستان کے لئے دوکانیں بنانا جائز ہے اور کرائے داران سے پیشگی کرایہ لینا بھی جائز ہے۔

اور ان دوکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی پہلے قبرستان کی دیکھ ریکھ اور تدفین کی سہولیات بڑھانے میں خرچ کی جائے اس کے بعد جو رقم بچے وہ کار خیر میں خرچ کی جاسکتی ہے، لیکن اس میں غیر محفوظ قبرستانوں کی حد بندی اور حفاظت کو اولیت دی جائے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

ہاں فتاوی وکتب فقہیہ سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے اور اس کا حکم اس جزئیہ پر قیاس کر کے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

ان يبنى فيها بيوتا فيواجرها لأن الاستغلال بهذا الوجه يكون أنفع للفقراء (بحر ۵/۲۱۶) دوسری دلیل: وبنى خانا واحتاج إلى المرمة روى عن محمد أنه يعزل منه بيت أو بيتان فتواجر و ينفق من غلتها عليه و عنه رواية أخرى إجارة الكل سنة ويسترم منها قال الناطفى قياسه فى المسجد أن يجوز إجارة سطحه لمرمته كذا فى الظهيرية (بحر ۵/۲۱۶) (بنایہ ۲/۹۹۹) میں بھی یہی مرقوم ہے۔

نیز ایک اور جزئیہ ہے جس پر مسجد کی زائد از ضرورت زمین پر راستہ بنانے کی گنجائش نکلتی ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے ایسی زمین پر ملی یا رفاہی ادارے بھی قائم کئے جاسکتے ہیں۔

" نقل عن العتابية عن خواهر زاده إذا كان الطريق ضيقا والمسجد واسعا لايحتاجون إلى بعضه تجوز الزيادة فى الطريق من المسجد لأن كلها للعامة" (ردالمحتار ۳/۵۳۰، بحر الرائق ۵/۲۲۰)

در مختار کی کتاب الوقف کی عبارت " واذا جعل تحته سردا بالمصالح جاز الخ" کے تحت حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ۔

" اصل توجیہ ضرورت ہے، چنانچہ ہدایہ میں صاحبین سے بغداد اور رے میں داخل ہونے کے وقت اجازت کی ایک روایت اس کی شاہد ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۶۸۳) چنانچہ جب مسجد کی زمین کو مصالح کے تحت رفاہ عامہ میں استعمال کیا جاسکتا ہے تو قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کی باؤنڈری کی تعمیر کی غرض سے کچھ زمین کے نکل جانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی کا ایک استفتاء ہے جس میں انہوں نے معطل قبرستان میں انجمن اسلام کی تعمیر کی اجازت دی ہے اور علت یہ بیان کی کہ دونوں میں اشتراک علت ہے اس لئے انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا درست ہے۔ بحر الرائق (۵/ ۲۲۰) پر بھی ایک جزئیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے: "قال فى الهداية وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع و صرف ثمنه إلى المرمة صرفا للبدل إلى مصرف المبدل"۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

قبرستان کی حفاظت کی اگر کوئی دوسری شکل نہ ہو تو مذکورہ شکل اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے لیکن پہلے کوشش یہ کی جائے کہ مسلمانوں سے چندہ وصول کر کے قبرستان کی باؤنڈری مکمل ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی

قبرستان میں دوکانیں بنانے کی اجازت نہیں ہے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

قبرستان کی حفاظت کے لئے قبرستان کا کچھ حصہ دوکانوں میں چلا جائے تو یہ قبرستان ہی کا ایک مصرف ہوا، راقم کے علم میں ایسے قبرستان ہیں جو لب سڑک واقع ہیں اور ٹاؤن ایریا، یا میونسپلٹی نے وہاں جبراً دوکانیں بنوادیں اور مسلمان دیکھتے رہ گئے، لہذا اس طرح کے خطرات سے بچنے کے لئے باؤنڈری بھی تعمیر کی جاسکتی ہے اور دوکانیں بھی بنوائی جاسکتی ہیں، لیکن اس آمدنی سے دوسری جگہ مزید قبرستان کے لئے زمین خریدی جاسکتی ہے، دیگر مصارف خیر میں نہیں لگایا جاسکتا۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

ہاں یہ درست ہے، اس طرح قبرستان کے اطراف دوکانیں بنوائی جاسکتی ہیں۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے کنارے دوکانیں بنوانا جائز ہے، اور اس کی آمدنی دینی رفاہی کاموں میں استعمال کیا جائے۔

مولانامفتی محمد حنیف

قبرستان کا احاطہ اور اس کے ساتھ دکانوں کی تعمیر:

اس صورت میں جہاں قبرستان کی حفاظت ہوگی، وہیں یہ آمدنی کا بہترین ذریعہ بھی ہوگا، ایسی صورت میں تو فقہاء نے اجارہ تک کو جائز قرار دیا ہے، لہذا قرض کی صورت تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی، جیسا کہ علامہ شامی نے مسافرخانہ وغیرہ کی مرمت کے لئے اس کے بعض حصہ کو کرایہ پر لگانے کی اجازت دی ہے (ردالمحتار ۶/ ۵۷۳) اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم کی یہ عبارت بڑی واضح ہے:

لو بنی رجل بيتا في المقبرة لحفظ اللبن ونحوه إن كان في الأرض سعة جاز وإن لم يرض بذلك أهل المقبرة (البحر الرائق ۵/ ۲۵۴)۔

اگر کسی شخص نے قبرستان میں اس کی اینٹ وغیرہ کی حفاظت کے لئے مکان بنایا اور قبرستان میں گنجائش بھی ہے تو اگر چہ اہل قبرستان راضی نہ ہوں پھر بھی ایسا کرنا جائز ہے۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

اگر قبرستان میں عمل تدفین جاری ہو تو قبرستان کی حفاظت کے لئے کنارے پر دوکانیں اسی صورت میں بنائی جاسکتی ہیں جب کہ قبرستان اتنا وسیع ہو کہ جس جگہ پر دوکانیں بنائی جارہی ہوں نہ تو اس جگہ کی فی الحال عمل تدفین کے لئے ضرورت ہو نہ آئندہ اس کی ضرورت کی توقع ہو۔

اولاً باؤنڈری بنانے کی کوشش کی جائے، خود مسلمان آپس میں چندہ کر کے یا اصحاب خیر کی طرف رجوع کر کے انکو اس کار خیر کی طرف متوجہ کیا جائے، اور اگر اس طرح بھی ممکن نہ ہو سکے تو پھر دفن اموات کے جاری ہونے کی صورت میں وہ زمین جس میں نہ فی الحال تدفین ہو رہی ہو اور نہ آئندہ متوقع ہو دوکانوں کو تعمیر کر سکتے ہیں کیونکہ یہ قبرستان ہی کی ملک ہے، اور فاضل آمدنی کو محتاج اقرب المقابر پر صرف کیا جائے گا۔

در مختار میں ہے: (ومثله) حشيش المسجد و حصيره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه الخ، قال الشامي لف و نشر مرتب و ظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۳۵۹/۴)۔

مفتی شیر علی گجراتی

اگر قبرستان ضرورت سے زائد ہو تو جائز ہے۔

مولانا ایوب ندوی

قبرستان کے اطراف میں اس کی حد بندی کی غرض سے دوکان تعمیر کرا کر کرایہ پر دینا:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ اس کی حد بندی واحاطہ (باؤنڈری) بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اگر اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے، جس کے لئے بطور کرایہ کے پیشگی رقم لے لی جائے، اور اس رقم سے یہ کام کرایا جائے تو شرعاً ایسا کرنا جائز ہے، اگر چہ ایسا کرنے سے قبرستان کا چند فٹ حصہ دوکانوں میں چلا جائے گا، اور اس قبرستان کے متولی کو چاہئے کہ بعد میں جو فاضل آمدنی ہو اسے مناسب مصارف خیر میں صرف کر دے۔ (بحث و نظر شمارہ ۲۱، ص ۱۰۵، جلد ۶)

قال في الهندية وإذا أراد القيم أن يبني فيها قرية ليكثر أهلها و حفاظها ويحرث فيها الغلة لحاجته إلى ذلك كان له أن يفعل ذلك وهذا كان الخان الموقوف على الفقراء إذا احتيج فيه إلى خادم يكسح الخان ويفتح الباب ويسده فيسلم المتولي بيتا من بيوته إلى رجل بطريق الأجرة له ليقوم بذلك فهو جائز كذا في الظهيرية (فتاوی عالمگیری ۲/ ۴۱۴)

مولانا ابوبکر قاسمی

قبرستان کی چہار دیواری اور باؤنڈری بنانے کے لئے کوئی آمدنی نہیں ہے، تو قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے اطراف میں پیشگی کرایہ لے کر حسب ضرورت دوکانوں کی تعمیر کی گنجائش ہے کہ جس کے کرایہ سے چہار دیواری بنائی جاسکے، اور بقیہ آمدنی قبرستان کی ضروریات میں صرف کی جائے، حضرت مفتی محمود صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: اگر قبرستان کے چہار طرف دوکانیں تعمیر کرکے ان کو کرایہ پر اٹھادیا جائے اور کرایہ سے قبرستان کے مصارف پورے کئے جائیں تو اس کی گنجائش ہے جب کہ ان تعمیرات سے قبرستان میں تنگی واقع نہ ہو... سب کام باہمی مشورہ اور اتفاق سے کیا جائے (فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۳۰۴)

مولانا عبد القیوم پالنپوری

اوقاف کی حفاظت اور اس کا اپنے مصرف میں استعمال ہونا دونوں شریعت میں اہم اور مقصود اصلی ہے، ایسا قبرستان جو باؤنڈری نہ ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہے، اس کی حرمت پامال اور ضائع ہو رہی ہے، نیز اندیشہ ہے کہ اس پر قبرستان سے متصل مالک زمین آہستہ آہستہ قبضہ بڑھاتا چلا جائے، موجودہ صورتحال میں قبرستان کی حفاظت کے لئے (جب کہ باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو) اسکے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے بطور لے لی جائے اور اس سے کام کرایا جائے جس میں قبرستان کے اطراف کا چندفٹ دوکانوں میں چلا جائے تو یہ طریقہ حفاظت درست ہے، لیکن یہ دوکانیں وقف کی ہوں گی، اس سے حاصل شدہ آمدنی اس کی ضروریات میں صرف ہوں گی، اور زائد آمدنی اسی نوع کی ضروریات میں استعمال ہوں گی۔

مولانا تنویر عالم قاسمی

قبرستان کی حفاظت کے لئے صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو اسکے اطراف میں جہاں قبریں نئی نہ ہوں دوکانوں کی تعمیر کرنا جائز ہے۔

قال الزيلعي إن الميت إذا بلي وصار ترابا جاز زرعه والبناء عليه (فتاوی عالمگیری ۲/ ۴۷۱)۔

پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر اس سے قبرستان کے اطراف میں اندرونی قبروں کی حفاظت کے لئے دکانیں بنانا جائز ہے۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

قبرستان کی باؤنڈری عند الشرع مطلوب نہیں ہے اور صرف باؤنڈری کرانے کے لئے مقاصد وقف کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

البتہ قبرستان پر غاصبانہ قبضہ ہو رہا ہو یا بیجا تصرف ہو رہا ہو یا خطرہ لاحق ہو تو ان امور سے حفاظت کے لئے باؤنڈری دینا ہو تو دوکان بنائی جائے جب کہ کوئی نئی قبران دوکانوں میں نہ آئے اور اس کی آمدنی قبرستان کے مقاصد میں خرچ کیا جائے۔

حکومت وقت کو زندوں سے زیادہ مردوں کی حفاظت کی فکر ہے اس لئے مرکزی حکومت نے تمام قبرستانوں کی باؤنڈری کا قانون وضع کیا ہے اس لئے اس سے استفادہ کرتے ہوئے اس اسکیم سے باؤنڈری کرالی جائے، ان ممنوعات کے ارتکاب کی چنداں کوشش نہ کی جائے۔

مولانا نذر توحید مظاہری

قبرستان کی حفاظت کے لئے احاطہ بندی کے طور پر چندفٹ جگہ پر دوکانیں بناکر اس کی حفاظت کرنا آج کل بہت ضروری ہے اس کی آمدنی مصارف خیر میں لگائی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کر کے پیشگی کرایہ لینا اور اس کے ذریعہ باؤنڈری کا انتظام کرنا جائز ہے، اس کا خیال رہے کہ قبرستان کی چندفٹ جگہ جو دوکانوں کی تعمیر میں لی جائے اس میں کوئی تازہ قبر نہ ہو، نیز بعد میں فاضل آمدنی کو ایسی قبرستان کی ضرورت کے لئے محفوظ رکھا جائے اور اگر ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو کسی دوسرے قریبی قبرستان کی حفاظت میں صرف کیا جائے۔

ولو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ (شامی ۱/۵۹۹)

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اس کے اطراف میں دکانوں کی تعمیر کرادی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لی جائے اور اس سے یہ کام کرایا جائے جس میں قبرستان کے اطراف کا چندفٹ دکانوں میں چلا جائے گا، کیا یہ درست ہوگا؟ شرعی نقطہ نظر سے اوقاف کے مفاد کے مدنظر چندفٹ قبرستان کا حصہ لے کر دکان بنادی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی احاطہ بندی بھی ہو جائے گی تو بلا شبہ جائز ہے اور بعد میں فاضل آمدنی کو مناسب مصارف خیر میں لگا دی جائے۔

وقال الزیلعی : ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ (فقہ المشکلات ۔ ۲۴۰، ۱۰ المحتار ۱/۶۵۹، فتاوی ہندیہ ۱/۱۶۷)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ سوال کے جواب نمبر (۱۱۵) میں رقمطراز ہیں:

مقبرہ کی فارغ زمین میں ایسے طور پر درخت لگانا کہ اصل غرض یعنی دفن اموات میں نقصان نہ آئے جائز ہے، ان درختوں کے پھلوں کی بیع جائز ہوگی اور پھلوں کی قیمت قبرستان کے کام میں لائی جائے گی، جواز کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ درخت لگانے، ان کی حفاظت کرنے، پھلوں کے توڑنے، اور اس کے متعلقہ کاموں میں قبروں کا روندا جانا اور پامال ہونا نہ پایا جائے۔

درختوں کے لگانے میں قبرستان کا روپیہ خرچ کرنا جب کہ اس سے تجربہ کی بنا پر نفع کی امید ہے جائز ہے (کفایت المفتی ۷/۱۲۱)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس سے یہ کام کرایا جائے جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ دوکانوں میں چلا جائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ سب قبرستان کی حفاظت کے لئے کئے جا رہے ہیں، اور یہ تو ایسی صورت ہے کہ قبرستان کے تنگ ہونے کی صورت میں توڑ بھی دیا جا سکتا ہے، اور وقف کی درستگی کے لئے دوسرے ذرائع نہ ہونے کے سبب بعض حصہ کو فروخت کیا جا سکتا ہے تو متذکرہ صورت تو بدرجہ اولی جائز اور درست ہوگی۔ باقی باؤنڈری بن جانے کے بعد دوکان کی جو فاضل آمدنی ہے وہ قبرستان ہی کے مصارف میں خرچ کئے جاویں گے اور اگر اس قبرستان کو ضرورت نہیں تو دوسرے قبرستان پر صرف کیا جائے گا، تفصیل سابق میں گزر چکی ہے۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اس کے اطراف میں دکان کی تعمیر کرنا اور پیشگی کرائے کے طور پر رقم لے کر اس کام کو کرانا درست ہے، کیوں کہ اس صورت میں قبرستان کی حفاظت بھی ہو جائیگی اور زمین چند فٹ ہی دکانوں میں جائے گی، اب جو فاضل آمدنی ہوگی اس کو قبرستان کے دیگر مصارف یا اگر اس سے بہت زیادہ ہو تو دوسرے کار خیر میں صرف کیا جا سکتا ہے، مفتی نظام الدین صاحب نظام الفتاوی میں لکھتے ہیں:

"کہ اگر وہ زمین جس میں چوحدی قائم کی جا رہی ہے وہ تدفین کی ضرورت سے زیادہ ہو اور آئندہ ضرورت متوقع نہ ہو تو اس صورت میں حواشی پر دکان بنا کر قبرستان کی حفاظت کر سکتے ہیں اور اس کی آمدنی جو قبرستان کی ضرورت سے فاضل ہو اسکو دیگر دینی کاموں میں بر سبیل مناسب اور با قاعدہ دیانۃً خرچ کر سکتے ہیں۔ (نظام الفتاوی ۱/۱۹۷)

مولانا قمر الزماں ندوی

قبرستان کی حفاظت کے لئے دوکانوں کی تعمیر:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جس اقدام کی ضرورت ہو وہ عمل میں لانا ضروری ہے، اس میں تساہل وکاہلی اور لاپرواہی سے کام لینا قطعاً جائز نہیں، مثلاً اسکو چہار دیواری سے گھیر دینا چاہئے اگر چہار دیواری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو کم سے کام کانٹے دار تار وغیرہ سے ہی سہی اسے محفوظ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اگر تار سے کام نہ چلتا ہو اور چہار دیواری کے بنانے کا بھی کوئی ذریعہ نہ ہو، اور حکومت یا دیگر شر پسند لوگوں کی طرف سے قبضہ کا خطرہ ہو تو اس قبرستان کے اطراف بیرون رخی دوکانیں تعمیر کرادی جائیں، جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس سے کام کرایا جائے، ایسا کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا، گو اس کام میں قبرستان کے اطراف چند فٹ زمین دوکانوں میں چلی جائے گی اس لئے کہ اس قبرستان کی حفاظت کے لئے اور کوئی دوسری سبیل نظر نہیں آتی، بعد میں ان دوکانوں کی آمدنی اسی قبرستان کے مصارف میں خرچ کئے جائیں اور فاضل آمدنی دوسرے محتاج اعانت قبرستان یا دینی مدارس پر صرف کیا جائے یا مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کردی جائے، یا دیگر مصارف خیر میں صرف کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

مولانا محمد نور القاسمی

اطراف قبرستان دوکانیں تعمیر کرنا:

قبرستان کی حفاظت وصیانت کی خاطر باؤنڈری بنانا درست ہے لیکن اگر باؤنڈری کے بجائے اس کے اطراف دوکانوں کی تعمیر کرنا اور اس کے لئے قبرستان کی زمین استعمال کرنا پڑے تو ایسی شکل میں اگر زمین میں تدفین کی ضرورت نہ ہو اور نہ آئندہ ضرورت پڑنے کا امکان ہو تو اس پر دوکانوں کی تعمیر کرنا جائز ہے۔

مفتی نظام الدین صاحب اعظمی ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"وہ خالی زمین اگر اس درجہ میں ہو کہ نہ تو اس وقت تدفین کی ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت متوقع ہے تو اس صورت میں حواشی پر دوکانیں بنا کر چوحدی قبرستان بھی محفوظ کرسکتے ہیں اور اس کی آمدنی جو قبرستان کی ضرورت سے فاضل ہو اس کو مذکورہ دینی کاموں (یعنی مدرسہ، یتیموں، بیواؤں، غرباء) میں بھی بہ سبیل مناسب اور بقاعدہ دیانت خرچ کرسکتے ہیں، ورنہ کوئی صورت جواز کی نہ ہوگی" (نظام الفتاوی ار ۱۶۷)

مولانا ابرار خان ندوی

قبرستان کی حفاظت کے لئے باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور یہ شکل اختیار کی جائے کہ اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس رقم سے یہ کام کرایا جائے جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ حصہ دوکانوں میں چلا جائے گا تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اور بعد میں فاضل آمدنی مصارف خیر میں لگادی جائے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ قبرستان کے اطراف کا جو حصہ دوکان بنانے میں جا رہا ہے اس کی نہ تو فی الحال ضرورت ہے اور نہ تو آئندہ ضرورت

متوقع ہے تو اس میں دوکانیں بناکر قبرستان کو محفوظ کرسکتے ہیں۔ اور جو آمدنی قبرستان کی ضرورت سے فاضل ہو اس کو مصارف خیر میں استعمال کرسکتے ہیں۔

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

قبرستان کی باؤنڈری کے سلسلے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی دوسری صورت نہ ہو تو اطراف میں مکان کی تعمیر کے لئے اجارہ پر دے دیا جائے لیکن جب باؤنڈری مکمل ہو جائے تو اجارہ کو ختم کر کے دوبارہ قبرستان میں شامل کر دیا جائے، دوسرے مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے:

"لان شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع اى فى وجوب العمل به و فى المفهوم والدلالة" لہذا واقف کے مقاصد کی رعایت ضروری ہے۔

لأن الواجب إبقاء الوقف على ماكان عليه دون زيادة (واجب یہ ہے کہ وقف کو کسی زیادتی کے بغیر اپنے حال پر باقی رکھا جائے)

مولانا سميع الله قاسمی

قبرستان کی تعمیر کے لئے پیشگی کرایہ لینا:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کے لئے کسی سے پیشگی کرایہ لے کر اس طرح تعمیر کرائی جائے کہ قبرستان کے اطراف کے کچھ حصے تعمیر میں چلے جائیں۔ تو احقر کے نزدیک اگر اس حصے میں نئی قبریں ہیں تو پھر اس حصے میں تعمیر کی اجازت نہیں۔

وفى العالمگيرية ولو بلى الميت صار ترابا جاز دفن غيره فى قبره وزرعه والبناء عليه (عالمگیری ۱/۱۵۶) وهكذا فى التبيين.

رہی بات فاضل آمدنی کے مصارف کی تو اس میں قدرے تفصیل کرنی پڑے گی۔ وہ یہ کہ اگر خود قبرستان کی ضرورت موجود ہو تو پھر اس آمدنی کو اس میں صرف کرنا چاہئے۔ شرح وقایہ کے اندر ہے:

ونقضه إلى عمارته أو يدخر إلى وقت الحاجة إليها إن تعذر صرفه بيع وصرف ثمنه إليها.

اور اگر قبرستان کی خود اپنی ضرورت موجود نہ ہو تو فاضل آمدنی کے بہتر مصارف ان کے انواع واجناس ہیں۔

وفى الدر المختار ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنها وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه الخ- وفى رد المحتار لف و نشر مرتب و ظاهره أنه لا يجوز صرف وقف المسجد خرب إلى حوض أو عكسه وفى شرح الملتقى يصرف وقفها لأ قرب مجانس لها (ردالمحتار ۳/۵۷۴)

علاوہ ازیں جب کہ واقف کے غرض کی پابندی اور اس کے مقاصد کی حصول یابی اگر دوسرے انواع واجناس کے مصارف خیر میں ہو رہی ہو تو ان دیگر مصارف خیر میں بھی ان کو صرف کرنے کی احقر کے نزدیک گنجائش ہے۔ کیوں کہ اوقاف کے کلی مسائل کے اندر غرض واقف کو سامنے رکھنا ضروری ہے، اس سے عدول جائز نہیں۔

مولانا صدر عالم

سوال میں مذکورہ صورت قبرستان کی حفاظت کے لئے اختیار کرنا درست ہے، البتہ اتنی احتیاط ضرور کرنی ہوگی کہ قبرستان کا جو حصہ دکان کے زیر استعمال آنے والا ہے اس میں مردہ دفن کرنا چھوڑ دیا گیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشانات مٹ گئے ہوں۔ اس قبرستان کی فاضل آمدنی قبرستان ہی کی حفاظت اور مرمت میں خرچ ہو سکتی ہے کسی دوسرے مصرف میں نہیں۔

لأن استبقاء الوقف واجب ولا يبقى إلا بالعمارة فإذا امتنع عن ذلك أو عجز عنه ناب القاضي منابه في استبقائه بالإجارة كالعبد والدابة إذا امتنع صاحبها عن الإنفاق عليها أنفق القاضي عليها بالإجارة (بدائع الصنائع ۶/۲۲۱)

مولانا عطاء الله قاسمی

قبرستان کے کنارے دوکانوں کی تعمیر کرانے کا کیا حکم ہے؟

اگر موقوفہ قبرستان کے کنارے خالی جگہ میں جہاں پر قبریں نہیں ہیں، وہاں دوکانوں کی تعمیر کی جائے جس کی آمدنی سے قبرستان کے مصارف پورے ہوتے رہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان دوکانوں کی وجہ سے قبرستان کی تدفین میں تنگی اور دشواری نہ ہو تو یہ جائز ہے، اب اگر قبرستان کے پاس اتنی رقم ہے کہ جس کی وجہ سے تعمیر ہو سکے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر یہ صورت اختیار کی جا سکتی ہے کہ لوگوں سے پیشگی رقم لے کر وہاں دوکانوں کی تعمیر کرائی جائے اور ان دوکانوں کا مناسب کرایہ متعین کر دیا جائے جس سے قبرستان کے مصارف پورے ہوتے رہیں اور جو رقم پیشگی کے طور پر لی جائے اس کو آئندہ کرایہ میں محسوب کیا جاتا رہے (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۰۴)

الاستدانة على الوقف لايجوز إلا إذا احتيج إليها لمصلحة الوقف لتعمير وشراء بذر (الاشباہ والنظائر ۲/ ۲۲۳)

وقف کے لئے قرض لینا جائز نہیں ہے البتہ جب وقف کی مصلحت مقتضی ہو تو ضرورۃً قرض لینا جائز ہے جیسے کہ تعمیر یا (درختوں کے لئے) بیج خریدنا۔

اور اگر قبرستان کو آمدنی کی قطعاً ضرورت نہ ہو تو پھر ارباب حل وعقد اس آمدنی کو دیگر کار خیر میں صرف کریں تو یہ جائز ہے (فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۳۰۶)۔

إن الناظر صرف فائض الوقف إلى جهات بربحسب مايراه (الاشباہ والنظائر ۲/ ۲۷۷)

ناظر کے لئے وقف کی زائد آمدنی کو دیگر کار خیر میں صرف کرنا جائز ہے جہاں مناسب سمجھے۔

اور اگر موقوفہ قبرستان کو کسی وقت اس جگہ کی ضرورت پڑے جہاں دوکانیں تعمیر ہو چکی ہیں تو پھر ان دوکانوں کو توڑنا ضروری ہوگا اور ان جگہوں کی ضرورت پڑنے پر قبریں بنائی جائیں گی، چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں:

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة واقبروا فيها ثم إن واحداً من أهل القرية بنىٰ فيها بناءً (الى قوله) إن كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به وبعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه (ہندیہ ۲/۴۶۸)

اہل قریہ نے کسی زمین کو قبرستان بنادیا اور اس میں قبریں بھی بن گئیں، پھر اسی گاؤں کے کسی شخص نے تعمیر کرلی (الی قولہ) تو اگر قبرستان میں گنجائش ہے اس طور سے کہ اس قبرستان کو اس جگہ کی ضرورت نہیں تو جائز ہے، اور اگر تعمیر کر لینے کے بعد کسی وقت اس جگہ کی ضرورت پڑ جائے تو پھر وہ عمارت اکھیڑ دی جائیگی اور اس جگہ بھی قبریں بنائی جائیں گی۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

جس قبرستان کی حفاظت کے لئے وسائل نہ ہوں:

اگر قبرستان کی حفاظت کے لئے وسائل نہ ہوں تو تاجروں سے پیشگی رقم لے کر چاروں طرف دکانیں بنا دینا جائز ہوگا کیونکہ اس صورت میں قبرستان کا اگرچہ تھوڑا سا نقصان ہے کہ چند گز اراضی دکانوں میں چلی جائے گی لیکن فوائد زیادہ ہیں، اولاً یہ کہ وہ دکانیں قبرستان کی حصار بندی اور باؤنڈری کا کام دیں گی، ثانیاً یہ کہ ان دکانوں کی وجہ سے قبرستان کو ہمیشہ کرایہ ملتا رہے گا، اور کسی موقوفہ اراضی سے نفع حاصل کرنے کے لئے اس میں دکانیں تعمیر کرانا یا اس میں زراعت کرنا جائز ہے، چنانچہ صاحب بزازیہ رقم طراز ہیں:

أراد القيم أن يبنى في الأرض الموقوفة حوانيت ليستغلها بالإجارة ليس له ذلك لأن استغلال الأرض بالزرع إليهم إلا إذا كانت الأرض متصلة بالمصر (بزازیہ علی ہندیہ ۶/۲۵۴)

اگر ناظر یہ چاہے کہ موقوفہ زمین میں دکان بنائے تاکہ اس کو اجارہ پر دے کر نفع حاصل کرے تو یہ اس کے لئے درست نہیں ہوگا اس لئے کہ ان کو زمین میں کھیتی کر کے نفع حاصل کرنا ہے، ہاں اگر زمین شہر سے متصل ہو تو پھر دکان بنا کر نفع حاصل کر سکتے ہیں۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

قبرستان میں مسجد کی توسیع

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شیر علی گجراتی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مفتی عبد الرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابو سفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا محمد ارشاد القاسمی
مولانا ابو بکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

قبرستان میں مسجد کی توسیع

سوال: آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو ممکن ہے کسی زمانہ میں یہ تدفین کے لئے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کر سکیں، اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہو گئی ہے، نیز قبرستان میں بھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے، تو کیا قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے؟ اور کیا اس میں ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید و قدیم قبروں کے حکم میں فرق ہے؟

جوابات

جب مسجد کے لئے دوسری زمین کا حاصل کرنا یا آس پاس جگہ حاصل کر کے دوسری مسجد کا بنانا ممکن نہ ہو تو مجبوراً اس کی گنجائش سمجھ میں آتی ہے، اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کھمبے دیکر اوپر مسجد و نماز کی جگہ بنادی جائے اور نیچے دفن کا سلسلہ جاری رہے، اگر قبرستان میں تدفین جاری ہے اور قبرستان بہت کشادہ نہیں ہے اور اگر ویران ہے یا یہ کہ کافی کشادہ ہے تو زمین سے ہی تعمیر کی اجازت ہوگی، ویران میں تو متعدد حضرات نے اجازت دی ہے (ملاحظہ ہو: فتاوی اکابر) اور آباد میں ضرورت سے فاضل ہونے والا مسئلہ ہے جس کے لئے گنجائش وجواز کی تفصیل گذر چکی ہے۔

پھر یہ کہ مسجد و قبرستان دونوں عامۃ المسلمین کے مصالح کے لئے ہیں اور قبرستان کے کسی حصے کا مسجد بنالینا واقف کے مقصد ثواب کے اعتبار سے بھی زیادہ مفید ہے۔ جب عام ضرورت کے تحت راستہ کو مسجد اور مسجد کے کسی حصہ کو راستہ اور چبوترہ کو مسجد اور مسجد کو چبوترہ بنالینے کی گنجائش فقہاء احناف نے بلکہ ائمہ احناف نے ذکر کی ہے، تو شدید ضرورت کے حال میں اس کی گنجائش عین ان صورتوں واحکام کے مطابق ہے (راستہ وغیرہ کی بابت ملاحظہ ہو: اعلاء السنن ج ۱۳ر)

مولانا عبید اللہ اسعدی

قبرستان میں مساجد کی توسیع:

مسجد کی توسیع بھی ایک ضرورت ہے اور مسلمانوں کی قبروں کا احترام بھی ضروری ہے اس لئے نئی اور پرانی قبروں میں فرق کرنا ہوگا، ویران اور متروک قبرستان میں تو قبریں ہوتی ہی ہیں پرانی، جو قبرستان ابھی استعمال میں ہیں ان میں جدید و قدیم کی رعایت کرنی ہوگی، اور ایسے حصہ میں مسجد کی توسیع درست ہوگی جہاں قدیم قبریں ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں:

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى من الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد (عمدۃ القاری ۱۰/ ۱۵۲)

تاہم یہ شرط مسجد کی پہلی منزل کے لئے ہوگی، اگر مسجد دو منزلہ ہو اور مسجد کی موجودہ حد کے باہر قبروں سے بچتے ہوئے ستون قائم کئے جاسکتے ہوں اور آگے تک چھت ڈالی جاسکتی ہو تو اس طرح آگے تک چھت ڈالنا بھی درست ہوگا کیونکہ ممانعت کی وجہ سے قبر پر نماز سے بچنا اور قبر کو بے حرمتی سے بچانا ہے اور یہ دونوں باتیں اس صورت میں نہیں پائی جاتیں، یہ حکم تو عام قبرستانوں کے لئے ہے، جو قبرستان کسی شخص یا خاندان کا خصوصی اور مملوکہ قبرستان ہو اس میں مالکان کی اجازت بھی ضروری ہوگی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

قبرستان میں موجود مسجد کی توسیع:

اگر مسجد اور قبرستان دونوں کے الگ الگ کاغذات موجود ہیں، اور کاغذات میں مسجد اور قبرستان دونوں کے رقبہ کی صراحت ہے تو پھر اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اور اگر کاغذات موجود نہیں تو پھر یہی سمجھا جائے گا کہ منشاء واقف رقبہ کی تحدید نہیں ہے، بلکہ یہ مقصد ہے کہ پوری زمین مردوں کی تدفین اور مسجد کے لئے وقف ہے۔ ضرورۃً مسجد کی توسیع بھی ہو سکتی ہے، اور مردے بھی دفن کئے جاسکتے ہیں۔ لہٰذا اگر قبرستان کے اندر کی مسجد کے اردگرد مردے کبھی دفن نہیں ہوئے ہیں یا مردے تو دفن ہوئے ہیں لیکن قبریں اتنی پرانی ہیں کہ مردوں کے سڑ گل جانے کا ظن غالب ہے تو ایسی صورت میں مسجد کی توسیع قبرستان کی زمین پر کرسکتے ہیں۔ اور اگر قبریں نئی ہیں تو توسیع نہیں کرسکتے ہیں۔ البتہ بہتر یہی ہے کہ مسجد کو دو منزلہ اور سہ منزلہ بنا کر ضرورت پوری کرلی جائے تاکہ کسی طرح کا شبہ باقی نہ رہے۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

اگر بعض بڑے شہروں میں کسی آباد قبرستان کے اندر جہاں آج تک تدفین کا سلسلہ جاری ہے کوئی چھوٹی سی مسجد زمانہ قدیم سے بنی ہوئی موجود ہے مگر آج کثرت آبادی کے سبب اس مسجد کی توسیع ضروری بن چکی ہے، تو دو شرطوں کے ساتھ اس مسجد کی توسیع کے لئے قبرستان کی زمین کا کچھ حصہ لیا جاسکتا ہے، پہلی شرط تو یہ کہ قبرستان کا حلقہ اتنا وسیع وعریض ہو کہ زمین کے اس حصہ کو گویا تدفین میت کی ضرورت سے زائد کہا جاسکتا ہو۔ دوسری شرط یہ کہ اس حصہ زمین پر کوئی تازہ قبر نہ ہو بلکہ اتنی پرانی قبریں ہوں کہ میت کا مٹی میں رل مل جانا یقینی ہو۔

اگر کوئی قبرستان ویران ہو، تدفین کا سلسلہ بند ہو، ایسے قبرستان میں بنی مسجد کی توسیع بلکہ بوقت ضرورت جدید مسجد کی تعمیر بھی جائز ہے، شرط صرف ایک یہ رہے گی کہ قبروں کے نشانات مٹ چکے ہوں اور مدفون مردے مٹی بن چکے ہوں، تازہ قبروں پر توسیع یا جدید تعمیر مسجد درست نہیں۔

لیکن اگر آباد قبرستان جس میں تدفین کا سلسلہ قائم ہے اس میں وسعت کم ہے، تدفین کی ضرورت سے زائد نہیں تو پھر اس میں سابقہ مسجد کی توسیع کے لئے بھی قبرستان کی زمین کو لینا صحیح نہیں رہے گا، کیونکہ قبرستان کے وقف سے واقف کی اصلی غرض تدفین میت کی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے جس کی رعایت "مراعاة غرض الواقفين واجبة" کے تحت لازم ہے، واللہ اعلم۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

اگر اراضی قبرستان اور مسجد دونوں کے لئے وقف ہے تو دیکھا جائے گا کہ دونوں کے لئے اراضی کی تحدید ہے تو اس کے مطابق عمل ہوگا، لیکن اگر دونوں کے لئے زمین کی حد متعین نہیں ہے تو حسب ضرورت اراضی کا استعمال قبرستان و مسجد دونوں کے لئے ہوگا۔ اور مسجد کے پاس قبریں نہ ہوں یا اتنی پرانی ہوں کہ ان کے سڑ گل جانے کا ظن غالب ہو تو توسیع کی جاسکتی ہے، اور دو منزلہ اور سہ منزلہ بنائی جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ نماز کی ضرورت بھی پوری ہوگی اور قبرستان کی وسعت میں بھی فرق نہیں آئے گا۔

مولانا عبد الجلیل قاسمی

وسیع قبرستان میں واقع مسجد کی توسیع:

اگر قبرستان اور اس میں واقع مسجد دونوں کے کاغذات الگ الگ موجود ہیں جس میں قبرستان اور مسجد کی زمین کے رقبہ کی صراحت ہے تو ایسی صورت میں کاغذات کے مطابق عمل کیا جائے گا، کاغذات کی عدم موجودگی میں یہ سمجھا جائے گا کہ واقف نے دونوں کے لئے الگ الگ رقبہ کی تحدید نہیں کی تھی۔ بلکہ اس نے مردوں کی تدفین اور مسجد کے لئے زمین وقف کی تھی، ایسی صورت میں ضرورت پڑنے پر مسجد کی توسیع کی بھی گنجائش ہوگی۔ لہذا اگر قبرستان میں واقع مسجد کے اردگرد کبھی مردے دفن نہیں ہوتے یا مردوں کی تدفین تو ہوتی ہو لیکن قبریں بوسیدہ اور پرانی ہوں کہ مردوں کے مٹی میں مل جانے اور ان کے اجسام کے سڑ گل جانے کا ظن غالب ہو تو ایسی صورت میں قبرستان کی زمین میں مسجد کی توسیع کی اجازت ہوگی، قبروں کے جدید ہونے کی صورت میں توسیع کی اجازت نہ ہوگی۔

مگر افضل و بہتر شکل یہ ہے کہ مسجد کی توسیع کے بجائے اسے حسب ضرورت دو منزلہ اور سہ منزلہ بنا کر ضرورت پوری کرلی جائے تاکہ کسی طرح کے شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

اگر قبرستان میں اس کی گنجائش ہے کہ مسجد کی توسیع کی جاسکے اور طویل عرصہ تک قبرستان کو اس جگہ کی ضرورت نہ پڑے تو مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے۔ اس کی نظیر فتاوی ہندیہ میں موجود ہے:

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة أو اقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن و آلات القبر وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك قالوا إن كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان فلا باس به (فتاوی ہندیہ ۲/۴۶۷)

ویران اور زیر استعمال قبرستانوں میں یقیناً فرق ہے، مگر صرف اسقدر کہ اگر ویران قبرستان کا استبدال بہتر ہو تو اسے فروخت کر کے دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو دوسرا قبرستان اس کی قیمت سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن زیر استعمال قبرستانوں کے فروخت کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

اسی طرح جدید و قدیم قبروں میں بھی فرق ہے جدید قبریں خواہ موقوفہ قبرستان میں ہوں یا نجی زمین میں بلاعذر شرعی ان کو کھودنا یا ان میں عمارت بنوانا یا کھیتی کرنا درست نہیں ہے، لیکن اگر نجی زمین میں قدیم قبریں ہوں اور اتنی قدیم ہوں کہ ان کے سارے نشانات مٹ چکے ہوں تو ان قبروں کی جگہ تعمیر یا زراعت کے کام میں لانا درست ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے لکھا ہے:

"إذا بلى الميت وصار تراباً جاز زرعه والبناء عليه" (البحر الرائق ۱/۱۳۸، فتاوی ہندیہ ۱/۱۳۱ کتاب الجنائز)

لیکن اگر موقوفہ قبرستان ہے تو اس کی اجازت نہ ہوگی، جب کہ فقہاء نے صراحت کی ہے اور محیط کے حوالہ سے فتاوی ہندیہ میں شمس الائمہ محمود الاوزجندی کا فتوی نقل کیا گیا ہے:

وسئل هو أيضا عن المقبرة في القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولا غيره، هل يجوز زرعها واستغلالها قال : لا ولها حكم المقبرة (ہندیہ ۲/۴۷۰ کتاب الوقف)

مولانا ظفر عالم ندوی

قبرستان کی مسجد کی توسیع کا حکم:

زمین اصلاً قبرستان کے لئے وقف ہے اس لئے اس میں کمی کرنا کسی طرح مناسب نہیں، البتہ مسجد پر منزلیں چڑھائی جاسکتی ہیں۔

مولانا شمس پیرزادہ

کوئی حرج نہیں محسوس ہوتا، مسجد نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام کی تعمیر و توسیع میں نہ جانے کتنی قبریں آگئی ہیں، قبریں اگر ویران ہوں یا ویران ہو جانے دیں تو زیادہ اچھا ہے کہ کوئی جھجھک باقی نہ رہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

چونکہ وہ مسجد قبرستان میں پہلے سے ہی بنی ہوئی ہے لہذا وہ قبرستان سے متعلق ہو گئی، اس کے متعلق ہونے کی وجہ سے قبرستان کی زمین میں اس کی توسیع بھی جائز ہے، گویا قبرستان کی زمین قبرستان کے ہی کام میں آئی۔

اس جواز میں ویران اور زیر استعمال دونوں ہی قبریں داخل ہیں، البتہ مسجد کی توسیع صرف پرانی قبروں کی جگہ ہو سکتی ہے، ایسی قبریں جن کے مردوں کے متعلق اندازہ ہو کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔

ردالمحتار میں ہے:

ویخیر المالك بین إخراجه و مساواته بالأرض کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی و صار ترابا، زیلعی (۱/ ۶۶۲)

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو اب سے پہلے کافی تھی لیکن اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے وہ ناکافی ہو گئی ہے بنابریں اس کی توسیع ضروری ہو گئی ہے، نیز قبرستان میں تدفین کا سلسلہ بھی جاری ہے اور مسجد و قبرستان دونوں اوقاف مسلمین میں ہیں تو اس ضرورت شدیدہ کے سبب قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے، جائز ہے، لیکن اس میں ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید و قدیم قبروں کے حکم میں فرق ہے، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

ویران قبرستان: ویران قبرستان جسمیں مردوں کے دفن کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور قبروں کے نشانات بھی مٹ چکے ہیں تو اس میں مسجد بھی بنائی جاسکتی ہے، اور بنی ہوئی مسجد کی اس کی زمین سے لیکر توسیع بھی کی جاسکتی ہے، جائز ہے، چنانچہ علامی عینی عمدۃ القاری (۴/ ۱۷۹) میں لکھتے ہیں:

قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی فیها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن مقابر المسلمین وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم ولایجوز لأحد أن یملکها فإذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین لایجوز تملیکه لأحد فمعناهما علی ذلك واحد.

قبر قدیم: اگر قبر قدیم ہے کہ قبروں کے نشانات مٹ چکے ہیں اور میت کے اجزاء نہ رہنے کا غالب گمان ہو تو قبر پر تعمیر یا زراعت یا اسکو برابر کر دینا یا اس پر مسجد بنانا جائز ہے، چنانچہ درمختار (۱/ ۶۶۲) میں ہے: **إذا بلی المیت و صار ترابا جاز الزرع والبناء علیه.**

زیر استعمال قبرستان:

توچونکہ قبر کا احترام باقی رکھنا لازم ہے اس لئے ایسے قبرستان پر نہ کوئی تعمیر جائز ہے اور نہ مسجد کی تعمیر ہی جائز ہے، ہاں اگر زیر استعمال قبرستان میں گنجائش ہے کہ اس جگہ کی ضرورت نہیں پڑے گی تو اس جگہ تعمیر مسجد وغیرہ جائز ہے، اور اگر تعمیر کے بعد اس جگہ کی ضرورت پڑگئی تو عمارت کو اٹھادیا جائے گا، تاکہ اس میں مردے دفن کئے جاسکیں، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة واقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن و آلات القبر و أجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك قالوا إن كان في المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به، و بعد ما بنى لواحتاجوا إلى ذلك المكان رفع البناء ويقبر فيه كذا في فتاوى قاضيخان (ہندیہ ۲/۴۶۷)۔

جدید قبر: اگر قبر جدید ہے تو اس میں کوئی بھی تعمیر جائز نہیں ہے۔

اب زیر بحث مسئلہ ملاحظہ فرمائیں کہ قبرستان میں بنی مسجد کی اگر توسیع کی ضرورت ہو اور ویران قبرستان ہو یا قبر قدیم ہو کہ نشانات مٹ چکے ہوں تو ایسے قبرستان ویران کی زمین سے توسیع مسجد جائز ہے اور قبر قدیم ہے تو اس کو برابر کر کے مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری کے (جلد ۴ صفحہ ۱۷۹) پر لکھا ہے، اور فتاوی ہندیہ کی عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے:

قوم بنوا مسجداً واحتاجو إلى مكان يقع المسجد وأخذوا من الطريق إن كان يضر بأصحاب الطريق لايجوز وإن كان لايضرهم رجوت أن لا يكون له بأس . كذا في المضمرات وهو المختار كذا في خزانة المفتيين (۲/۴۵۶)

ظاہر ہے کہ ویران قبرستان یا قبر قدیم سے توسیع کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے، لہذا اس کی زمین سے توسیع کرنا جائز ہے تاکہ ضرورت پوری ہو جائے، اور اگر قبر جدید ہو یا زیر استعمال قبرستان ہو تو اس کی زمین سے یوں توسیع کر سکتے ہیں کہ قبروں کا احترام باقی رکھتے ہوئے جتنی زمین لینا ہے اس پر چھت لگادی جائے اور پھر اسکو توسیع کر کے مسجد میں شامل کر لیا جائے، کیونکہ اس کے بغیر ضرورت پوری نہ ہو سکے گی، اور اگر اس مسجد کے آس پاس کی زمین میں گنجائش ہے کہ وہاں مردے دفن نہیں کئے جاتے تو اس خالی زمین سے توسیع کرنا جائز ہے۔۔۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسؤلہ میں وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کی توسیع کی ضرورت ہے، تو اگر ویران قبرستان ہے تو اس کی زمین سے توسیع جائز ہے اور اگر قبر قدیم ہے تو توسیع کے لئے اسکو مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے اور اگر زیر استعمال قبرستان ہے اور مسجد کے آس پاس خالی جگہ ہے، تو اس خالی جگہ سے توسیع جائز ہے اور اگر قبر جدید ہے اور مسجد سے متصل ہے تو بضرورت توسیع اس پر چھت لگا کر مسجد میں شامل کرنا جائز ہے۔۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

اس صورت میں مسجد کی عمارت کو دو منزلہ سہ منزلہ کر دیا جائے، اگر اس سے بھی کام نہ چلے اور ضرورت و مجبوری دامن گیر ہو تو پھر پرانی قبروں کی جگہ پلر بنا کر تعمیر کر دی جائے، تاکہ قبرستان کی کم سے کم جگہ تصرف میں آئے، ویران قبرستان اور زیر استعمال قبرستان میں فرق ہے، جو کھلا ہوا ہے، جدید اور قدیم قبروں کے اندر وقفی قبرستان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

قبرستان میں مسجد کی توسیع اس وقت کی جا سکتی ہے جب کہ یہ یقین ہو جائے کہ موتی کے اجزاء مٹی ہو چکے ہیں، عینی شرح بخاری میں ہے: قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا (عمدۃ القاری ۴/۱۷۹)

اس سے پہلے شامی کی عبارت گزر چکی ہے کہ "ولو بلی المیت وصار تراباً الخ" ایسی قبر پر تعمیر اور کاشت تک ہو سکتی ہے تو پھر مسجد کی توسیع کیوں نہیں جائز ہوگی، بندہ کے خیال میں اگر قبرستان وسیع و کشادہ ہو تو اس کی اجازت دینی چاہئے ورنہ عدم جواز میں احتیاط ہے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

جو زمین کہ قبرستان کے لئے واقف نے وقف کی ہے اس کو دفن کے کام میں ہی لانا چاہئے اس میں مسجد بنانا جائز نہیں، جو مسجد بنائی گئی ہے اس میں نماز تو ہو جاتی ہے مگر مسجد کا ثواب نہیں ملتا کیونکہ وہ بقاعدہ شرعیہ مسجد نہیں ہوئی، لہذا قبرستان میں بنی ہوئی مسجد کی توسیع کیسے جائز ہوگی (کفایت المفتی ۷/۱۳۹)

مفتی حبیب اللہ قاسمی

مسجد کی توسیع کے لئے قدیم یا جدید قبریں مسجد میں شامل کی جا سکتی ہیں، مفتی کفایت اللہؒ اور مفتی عزیز الرحمنؒ اور مفتی دار العلوم دیوبند نے یہی فتوی دیا ہے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

مسجد کی توسیع یا قبرستان کے لئے کسی عمارت کی تعمیر کے لئے ویران قبروں کی جگہ استعمال کی جا سکتی ہے لیکن جدید قبریں جب کے نشانات ظاہر ہیں ان پر تعمیر درست نہیں ہے۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

قبرستان کی مسجد میں توسیع نہ کی جائے اور قبروں سے تعرض نہ کیا جائے۔ آبادی کی مسجد کی ضرورت کو دوسرے ذریعہ سے حل کیا جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اگر فی الحال گنجائش ہو تو توسیع کی اجازت ہے۔

مولانامحمد حنیف صاحب

قبرستان میں مسجد کی توسیع کا حکم:

ضرورۃً ایسا کرنا جائز ہے، فتاوی بزازیہ میں ہے:

وإن ضاق المسجد من أهله جائز للمتولي أن يدخل بعض منازل ألوقف فيه ولو أدخله فيه بلا حاجة لايصير مسجدا (بزازیہ علی الہندیہ ۲۸۵/۶)

اگر اہل مسجد پر مسجد تنگ ہو جائے تو متولی کے لئے دوسرے اوقاف کو مسجد میں داخل کرنے کی اجازت ہے، ہاں اگر بغیر ضرورت کے داخل کیا تو اس کو مسجد میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

حتی الامکان قبرستان کے باہر کہیں قریب میں مسجد کے لئے زمین حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو قدیم قبرستان کی زمین مسجد میں اس شرط کے ساتھ شامل کی جاسکتی ہے کہ آئندہ تدفین کے لئے زمین تنگ نہ ہونے پائے اور جدید قبروں کا احترام بہرحال ضروری ہے۔

فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (عمدۃ القاری ۱۷۹/۴)

مفتی شیر علی گجراتی

مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے:

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن تملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (عمدۃ القاری بحوالہ فتاوی محمودیہ ۳۸۷/۷)۔

مزید اس مسئلہ سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ طریق مثل مقبرہ کے عام ہے اور توسیع کی وجہ سے طریق کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ تو مقبرہ سے بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ کذا فی قاضی خان۔

قوم بنوا مسجدا واحتاجوا إلى مكان ليتسع المسجد فأخذوا من الطريق وأدخلوه في المسجد إن كان يضر ذلك بأصحاب الطريق فلا يجوز وإلا فلا بأس (ہندیہ ۲/ ۲۹۳)

توجیہ جواز یہ ہے کہ طریق اور مسجد دونوں عام مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اسی طرح قبرستان بھی عامۃ المسلمین کے لئے ہے۔ لہذا قبرستان کی وہ زمین جو تدفین مردہ سے زائد ہے یا قدیم قبریں ہیں تو ان پر ان کی جگہوں کو مسجد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ قبرستان بھی عام پر وقف ہے اور مسجد بھی عام لوگوں کی ضرورت کے لئے ہے۔

فتاوی محمودیہ سے بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ قبرستان کی قبر پرانی ہو گئی ہو، ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کا گمان ہو گیا ہو، اور وہاں قبر کی ضرورت نہ ہو تو برائے مسجد اسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اور پرانی قبروں کی جگہ جب مسجد کی اجازت ہو گی تو توسیع مسجد کی بھی اجازت ہو جائے گی۔ کہ اوقاف مسلمین عام ضرورتوں کے ہوتے ہیں اور مسجد اور قبرستان مسلمانوں کی عام ضرورتوں میں ہے۔ فتاوی محمودیہ میں ہے:

وہاں (قبرستان کی زمین میں جب کہ وسیع ہو) مسجد بنانا شرعاً درست ہے۔ بشرطیکہ دفن موتیٰ کے لئے اس جگہ کی حاجت نہ ہو، اور استدلال میں عمدۃ القاری شرح بخاری کا حوالہ پیش کیا ہے۔" لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت الخ (۱/ ۴۸۷)۔

اسی طرح ایک اور مقام پر توسیع مسجد میں قبرستان شامل کرنے کے متعلق لکھتے ہیں:

اگر زمین وقف ہے اور قبریں پرانی نہیں تو بھی شامل کرنا جائز نہیں۔ اگر قبریں پرانی ہو چکی ہوں کہ میت بالکل مٹی بن گئی، نیز وہاں اور مردوں کو دفن نہ کیا جاتا ہو تو اس کو مسجد میں شامل کرنا درست ہے۔ ولو بلى الميت صار ترابا جاز دفن غيره وزرعه والبناء عليه قال ابن قاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين الخ (ص ۴۸۹)

اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کی تدفین میں خلل اور پریشانی نہ ہو تو مسجد کی توسیع درست ہے۔

پرانی اور نئی قبروں میں فرق:

نئی قبر ہو تو اس میں توسیع کی اجازت نہ ہو گی۔ چونکہ فقہاء کرام نے صار ترابا ًمیں ہی اجازت دی ہے جیسا کہ ماقبل کی عبارت سے ظاہر ہے۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

مسجد سے متصل جگہ پر سلیب ڈال کر تہ خانے میں قبرستان جوں کا توں رہنے دیا جائے اور اوپر مسجد بنالی جائے تو جائز ہے۔

مولانا ایوب ندوی

قبرستان کی اراضی میں مسجد کی توسیع:

جب بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وہاں کی وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو ممکن ہے کہ کسی زمانے میں تدفین کی غرض سے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ جب وہ قبرستان میں آئیں اور نماز کا وقت ہو جائے تو وہاں نماز ادا کر سکیں، اب اگر اس علاقہ میں مسلمانوں کی آبادی بڑھ گئی اور مسجد کی توسیع ضروری ہوگئی، تو ایسی صورت میں قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کرنی شرعاً جائز ہے، باوجودیکہ اس قبرستان میں تدفین کا بھی سلسلہ جاری ہو، البتہ اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ جہاں تک مسجد کی توسیع متوقع ہے اس کو چھوڑ کر تدفین کا عمل جاری رکھا جائے، لیکن یاد رہے کہ اس زیر استعمال قبرستان میں اگر مسجد کے قریب والی جگہ میں کوئی جدید قبر ہے تو فی الفور میت کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسجد کی توسیع نہ کی جائے، ہاں اگر قبر قدیم ہوگئی تو پھر فی الفور توسیع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر ویران قبرستان ہے تو وہاں بھی شرعاً فی الفور مسجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے، اسی طرح مسجد کی توسیع کرنی بھی جائز ہے، فتاوی رحیمیہ میں ہے:

الجواب: مسجد کی توسیع کے لئے پرانی قبریں اگر جماعت خانہ (مسجد شرعی) میں لینا ضروری ہو تو لے سکتے ہیں اس میں قبروں کی توہین نہ ہوگی، بلکہ صاحب قبر کی خوش نصیبی ہے اور سعادت مندی ہے، حرم شریف میں مطاف (طواف کی جگہ) میں بھی انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی قبریں ہیں، جماعت خانہ میں جو قبریں شامل کی جائیں ان پر نشان بنانے کی ضرورت نہیں، ہموار کر دی جائیں (فتاوی رحیمیہ ۶/ ۸۴)

قبروں کی جگہ کو مسجد میں شامل کرنے کے سلسلہ میں ایک دوسرے استفتاء (۱۶۷۳) کا جواب دیتے ہوئے حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب نے لکھا ہے کہ:

توسیع مسجد کے وقت ان پرانی قبروں کو زمین کے برابر کر کے شامل کر لینا بلا کراہت جائز ہے، اس سے قبروں کی بے حرمتی نہ ہوگی بلکہ مردوں کی روحیں خوش ہوں گی کہ نماز پڑھی جاتی ہے، (اسی استفتاء کے آخر میں لکھا ہے) کہ قبروں کے نشانات باقی رکھنا جائز نہیں (فتاوی رحیمیہ ۶/ ۹۳)۔

اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ نے فتاوی دار العلوم قدیم میں پرانی قبروں کو مسجد کے صحن کے فرش میں شامل کر لینے کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

(الجواب): قبروں کو برابر کر کے فرش مسجد میں لیا جاوے اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اور کچھ کراہت نماز میں نہ ہوگی (فتاوی دار العلوم قدیم المعروف عزیز الفتاوی ۶/ ۸)

اسی طرح حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے غیر آباد قبرستان میں مسجد کی تعمیر کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

(جواب ۱۳۷): اس صورت میں قبروں کو برابر کر کے اس کو مسجد میں شامل کر لینا مباح ہے، مگر قبروں کو کھودنا جائز نہیں، اور جو قبریں اتنی پرانی ہوں کہ ان اموات کی لاشیں مٹی ہوگئی ہوں، ان کو کھود کر برابر کر دینا جائز ہے، اور جو قبریں نئی ہوں یعنی ابھی

تک ان کی لاشوں کا مٹی ہو جانا متیقن نہ ہو ان کو کھودنا جائز نہیں، ویسے ہی مٹی ڈال کر برابر کردیں، اور اوپر مسجد بنالیں تو مباح ہے (کفایت المفتی ۷/۱۴۰)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے مندرجہ فتوی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نئی قبروں پر بھی مٹی ڈال کر مسجد بنانا شرعا جائز ہے، لیکن حضرات فقہاء کی تصریحات میں غور کرنے اور حدیث نبوی "انزل عن القبر لا تؤذ صاحب القبر فلا یؤذیك" (ابن ماجہ۔ (حدیث ۱۵۶۵، شرح معانی الآثار ۱/۳۲۸) کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان میں مسجد کی تعمیر کے جواز کے مسئلہ کو پرانی یا ویران قبرستان کے ساتھ مخصوص رکھنا چاہئے۔

نظیرہ ماقال الزیلعی: ولو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ والبناء علیہ (فقہ المشکلات ص/۲۴۰، فتاوی عالمگیری ۱/۱۶۷، ردالمحتار ۱/۶۵۹)

مولانا ابوبکر قاسمی

قبرستان اس لئے وقف ہوتا ہے کہ اس میں مردے دفن کئے جائیں، لہذا اس کے علاوہ کسی اور کام میں اس کو استعمال کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر قبرستان پرانا ہو جائے کہ میت مٹی بن چکے ہوں اور اب وہاں دفن کرنا بند کردیا گیا ہو، نیز خالی پڑا رہنے سے اندیشہ ہے کہ اس پر کوئی غاصبانہ قبضہ کرلے گا تو پرانی قبروں کو ہموار کرکے حسب ضرورت مسجد، مدرسہ یا کوئی عمارت بنانے کی اجازت ہے (کذافی محمودیہ ۱۸/ ۲۱۲-۲۷۱)

اور سوال میں مذکور صورت کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور مسلمانوں کی آبادی بڑھ جانے سے ضرورت کے لئے کافی نہیں اور ارد گرد بھی دوسری مساجد نہیں کہ ضرورت پوری ہو اور قبرستان اتنا وسیع ہے کہ اس کے کچھ حصہ کو مسجد میں شامل کرنے سے اس میں تنگی نہیں پیش آسکتی ہے تو قبرستان کے کچھ حصہ کو مسجد میں شامل کرکے مسجد کی توسیع کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

فی الفتح : ولو ضاق المسجد و بجنبه أرض وقف علیه أو حانوت جاز أن یؤخذ و یدخل فیه... زاد فی البحر عن الخانیة بأمر القاضی و تقییده بقوله "وقف علیه" ای علی المسجد یفید أنها لو كانت وقفا علی غیره لم یجز، لكن جواز أخذ المملوكة كرها یفید الجواز بالأولی لأن المسجد لله تعالی والوقف كذلك، ولذا ترك المصنفؒ فی شرحه هذا القید و كذا فی جامع الفصولین" (ردالمحتار ۳/۵۳۱)

اور جس حصہ کو مسجد میں شامل کیا جائے اس میں قبریں نہ ہوں، یا اگر ہوں تو اتنی پرانی ہوں کہ میت مٹی بن گئی ہو، اگر قبریں نئی اور تازہ ہوں تو اس حصہ کو میت کے مٹی ہونے سے پہلے شامل کرنا درست نہیں ہے۔

مولانا عبد القیوم

وہ قبرستان جس میں تدفین کا عمل جاری ہے، اور زمین قبرستان کی ضرورت سے زائد بھی ہے ادھر پرانی چھوٹی سی مسجد ہے، جو نمازی کے لئے تنگ پڑرہی ہے ضرورت ہے کہ اس کی توسیع کی جائے، کیا ایسی صورت میں توسیع کی اجازت ملے گی؟

مسجد کی توسیع کی اجازت اس وقت ملے گی کہ جس طرف مسجد کی توسیع کرنی ہے اس طرف قبریں نہ ہوں اگر قبریں ہوں تو وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں، اور زمین قبرستان کی ضرورت سے زائد بھی ہے، ورنہ توسیع کی اجازت نہیں ملے گی جیسا کہ آٹھویں سوال کے تحت تفصیلی گفتگو گذر چکی ہے۔

مولانا تنویر عالم قاسمی

قبرستان قدیم اور ضرورت سے زائد ہو کہ اب اسمیں مردے دفن نہ کئے جاتے ہوں اور پہلے دفن شدہ مردے مٹی بن گئے ہوں تو اسمیں مسجد بنانا جائز ہے۔ فتاوی محمودیہ میں ہے: وہاں مسجد بنانا شرعاً درست ہے بشرطیکہ دفن موتیٰ کے لئے اس جگہ کی حاجت نہ ہو، اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ قبریں نمازیوں کے سامنے نہ ہوں بلکہ درمیان میں دیوار حائل کر دی جائے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد (فتاوی محمودیہ ۱/ ۴۸۷)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

قبرستان میں مسجد ہو، اس کی توسیع کی جارہی ہو، اور اس کی توسیع میں پرانی قبریں آجائیں وہ پرانی قبریں کہ جس کی میت مٹی ہو چکی ہو تو اس طرح کی توسیع جائز ہے۔

قال الزيلعي لو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه (رد المحتار ۱/ ۶۵۹، بحر الرائق ۲/ ۱۹۵، نظام الفتاوی ۱/ ۱۶۱، احسن الفتاوی ۶/ ۴۰۹)

مولانا نذر توحید مظاہری

ضرورت پر مسجد کی توسیع کے لئے ویران وزیر استعمال قبرستان کی جگہ استعمال کی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

قبرستان میں تدفین کا سلسلہ موقوف ہو جانے کی وجہ سے قبرستان ویران ہو چکا ہو، نیز قبریں اتنی پرانی ہوں کہ میت مٹی بن گئی ہو تو ایسے قبرستان میں مسجد کی توسیع جائز ہے۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۴۱۳، فتاوی رحیمیہ ۶/ ۸۴)

اور اگر قبرستان میں تدفین جاری ہو اور تدفین کے لئے اس قبرستان کی ضرورت ہو تو اس میں مسجد کی توسیع جائز نہیں ہے۔ **لأن نص الواقف كنص الشارع.**

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو ممکن ہے کسی زمانہ میں یہ تدفین کے لئے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کر سکیں، اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہو گئی ہے، نیز قبرستان میں بھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے تو ایسی صورت حال میں اس قبرستان میں اگر لوگوں نے اموات کو دفن کرنا ترک کر دیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشان مٹ چکے ہوں تو وہاں مسجد بنانا جائز ہے، ایسے ہی اگر قبرستان کسی کا مملوک ہے اور اس میں قبور مٹ چکی ہوں تو مالک کی اجازت سے وہاں مسجد بنانا جائز ہے۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب نمبر (۱۳۰) میں رقمطراز ہیں:

یہ زمین قبرستان کے لئے وقف تھی یا مملوکہ زمین جس میں اموات دفن کئے جاتے ہیں، اگر وقف ہے تو اس کو جب تک دفن کے کام میں لانا ممکن ہے کسی دوسرے کام میں لانا جائز نہیں، لیکن اگر دفن کے کام میں لانا اب ممکن نہیں رہا ہو تو پھر مسجد بنا لینا جائز ہے، اور مملوک ہے تو مالکوں کی اجازت سے مسجد بن سکتی ہے (کفایت المفتی ۷/۱۳۶)

مسجد کی توسیع کے لئے قبریں ہموار کر کے وہ جگہ مسجد میں داخل کرنا:

حضرت مولانا قاری مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری دامت برکاتہم سوال نمبر (۱۶۶۳) کے جواب میں رقمطراز ہیں:

مسجد کی توسیع کے لئے پرانی قبریں اگر جماعت خانہ (مسجد شرعی) میں لینا ضروری ہو تو لے سکتے ہیں اس میں قبروں کی توہین نہ ہوگی بلکہ صاحب قبر کی خوش نصیبی اور سعادت مندی ہے، حرم شریف میں مطاف (طواف کی جگہ) میں بھی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی قبریں ہیں، جماعت خانہ میں جو قبریں شامل کی جائیں ان پر نشان بنانے کی ضرورت نہیں، ہموار کر دی جائیں (فتاوی رحیمیہ ۶/ ۸۴_۹۲تا۹۳)

وانه أمر ببناء المسجد فأرسل إلى ملأ من بنى النجار فقال يا بنى النجار ثامنونى بحائطكم هذا قالوا لا والله لانطلب ثمنه إلا إلى الله فقال أنس فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين وفيه خرب و فيه نخل فأمر النبى ﷺ بقبور المشركين فنبشت ثم بالخرب فسويت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد وجعلوا عضادتيه الحجارة وجعلوا ينقلون الصخروهم يرتجزون والنبى ﷺ معهم وهو يقول: اللهم لاخير إلا خير الآخرة. فاغفر للأنصار والمهاجرة (بخاری ۱/۶۱، مسلم ۱/۲۰۰)

قال العلامة النووى فى شرحه الكامل (قوله وبقبور المشركين فنبشت) فيه جواز نبش القبور الدارسة وانه إذا أزيل ترابها المختلط بصديدهم ودمائهم جازت الصلوة فى تلك الأرض وجواز اتخاذ مواضعها مسجدا إذا طيبت أرضه (نووی مع مسلم ۱/۲۰۰)

ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید و قدیم قبروں کے احکام الگ الگ ہیں، اب تک جو مسائل لکھے گئے ہیں وہ ویران قبرستان اور قدیم قبر کے تحت لکھے گئے، زیر استعمال قبرستان اور جدید قبر کی جگہ مسجد کی توسیع نہیں کی جا سکتی ہے کیونکہ اگر زیر

استعمال قبرستان میں مسجد کی توسیع کردی جائے تو مردوں کی تدفین میں دقت پیش آئے گی، نیز جدید قبر کی جگہ توسیع کی جائے تو احترام میت کے خلاف ہے۔

عن عائشة قالت : قال رسول الله ﷺ " كسر العظم للميت ككسره حيا" مردہ کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا (ابن ماجہ ۱/۲۹۶، حدیث ۱۶۱۶، باب ۶۳، ریاض طبع دوم ۱۴۰۴ھ، موطا امام مالک ص ر ۸۳)

" أذى المؤمن في مماته كأذاه في حياته " مومن کو مردہ حالت میں تکلیف پہونچانا اس کی زندگی میں تکلیف پہونچانے کی طرح ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۶۷)

عن عمرو بن حزم قال رآني رسول الله ﷺ على قبر فقال "انزل عن القبر لا تؤذ صاحب القبر فلا يؤذيك " عمرو بن حزم الانصاریؓ سے روایت ہے کہ مجھ کو ایک قبر کے اوپر بیٹھے ہوئے حالت میں رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا تو ارشاد فرمایا: قبر کے اوپر سے اتر جاؤ قبر والے کو تکلیف مت پہونچاؤ، تم کو بھی تکلیف نہیں پہونچائی جائے گی (شرح معانی الآثار ۱/۳۲۸ تا ۳۲۹، ابن ماجہ ۱/۲۸۷، حدیث ۱۵۶۵، باب ۴۵)

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب نمبر (۱۳۷) کے تحت یوں فرماتے ہیں: اگر قبرستان کی زمین دفن اموات کے لئے وقف ہے اور اس میں دفن اموات جاری ہے تو اس زمین کو دفن سے معطل کرنا اور مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں، کیونکہ جس کام کے لئے وہ وقف ہے اور وہ کام اس میں جاری یا ممکن ہے تو جہت موقوف علیہا سے اس وقف کو معطل کرنا ناجائز ہے، اور اگر وہ زمین دفن اموات کے لئے وقف تو ہے مگر اب اس میں دفن اموات ممکن نہیں، مثلاً حکومت نے منع کر دیا اور وہاں دفن کرنے کو قانونی جرم قرار دیدیا، تو اس صورت میں قبروں کو برابر کر کے اس کو مسجد میں شامل کر لینا مباح مگر قبروں کو کھودنا جائز نہیں، اور اگر قبرستان کی زمین وقف نہیں ہے بلکہ کسی کی مملوکہ ہے تو مالک کی اجازت سے اس کو مسجد میں شامل کر لینا جائز ہے، اور جو قبریں اتنی پرانی ہوں کہ ان اموات کی لاشیں مٹی ہو گئی ہوں ان کو کھود کر برابر کر دینا جائز ہے، اور جو قبریں نئی ہوں یعنی ابھی ان کی لاشوں کا مٹی ہو جانا متیقن نہ ہو ان کو کھودنا جائز نہیں، ویسے ہی مٹی ڈالکر برابر کر دیں اور اوپر مسجد بنالیں تو مباح ہے (کفایت المفتی ۷/۱۴۰ تا ۱۴۱)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ جو ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں یہ تدفین کے لئے آنے والوں کے لئے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کر سکیں۔ اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور قبرستان میں بھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے باقی آبادی کے بڑھ جانے کے نتیجے میں مسجد قبرستان کے توسیع کا جو مسئلہ ہے وہ اس لئے درست نہیں کہ ظاہر حال بتارہا ہے کہ قبرستان کی زمین میں مسجد ہے۔ ہاں اگر صورتحال سے معلوم ہو جائے کہ اتنی سی زمین مسجد ہی کے لئے وقف ہے تو تنگی کے پیش آنے کی بنا پر مسجد کی زمین کو فروخت کر دیا جائے یا اسکو علی حالہ باقی رہنے دیا جائے اور

دوسری جگہ دوسری مسجد بنانے کی سبیل نکالی جائے اور عام طور پر جہاں کہیں قبرستان کے اندر نماز پڑھنے کی جگہ متعین کردی جاتی ہے وہ مسجد ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کا حکم دار الصلوۃ کا ہوتا ہے۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

بڑے شہروں میں جہاں وسیع قبرستان میں چھوٹی سی مسجد ہو لیکن علاقہ میں آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے مسجد کی توسیع ضروری ہو گئی ہو تو اس سلسلہ میں شرعی حل یہ ہے کہ اگر قبرستان میں تدفین جاری ہے تو بہتر یہ ہے کہ قبرستان کے اندر مسجد کی توسیع نہ کی جائے لیکن جب قبرستان میں قبریں اتنی پرانی ہو جائیں کہ میت کے جسم کا مٹی بن جانا غالب ہو گیا ہو تو فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس پر تعمیر کرنا جائز ہے، جہاں تک مسجد کی توسیع کی ضرورت ہے تو اس کا ثواب بھی تدفین سے کم نہیں اس لئے ایسے قبرستان میں جس میں تدفین متروک ہو چکی ہو ویران اور ناقابل استعمال ہو اگرچہ موقوفہ ہو، اس میں مسجد کی توسیع بلاشبہ جائز ہے، اس صورت میں منشاء واقف کے خلاف بھی نہ ہوگا، صورت مسئلہ میں پرانی قبر کے نشان کو مٹا کر مسجد کی توسیع کرلی جائے اور اگر فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو قبر کو بغیر توڑے اور منہدم کئے ہوئے مٹی اتنی اونچی پاٹ دیجائے کہ قبر اس میں چھپ جائے اور اس پر توسیع مسجد کردی جائے گی، عینی شرح بخاری میں ہے:

قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (امداد الفتوی ۲/۱۰۹)

ابن قاسمؒ کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کا کوئی مقبرہ مٹ جائے اور وہاں کوئی مسجد بنالے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اس لئے کہ قبرستان بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ہے ان کے موتیٰ کے تدفین کے لئے، تو کسی کے لئے درست نہیں کہ وہ اسکو اپنی ملکیت میں رکھ لے، لیکن جب وہ مٹ جائے اور تدفین سے مستغنی ہو جائے تو اس کا مسجد میں منتقل کرنا جائز اس لئے ہے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے۔

مولانا قمر الزماں ندوی

قبرستان میں مسجد کی توسیع:

بہت سے بڑے شہروں میں دیکھا گیا ہے کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوتی ہے جو ممکن ہے کسی زمانہ میں تدفین کے لئے آنے والے حضرات کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کر سکیں، اب یہ دیکھا جارہا ہے کہ اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہو گئی ہے، تو کیا اس قبرستان کی زمین میں مسجد کی توسیع کر سکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں تھوڑی تفصیل ہے کہ اگر اس قبرستان میں تدفین کا سلسلہ جاری ہے یا اس مسجد کے آس پاس جدید قبریں ہیں تو ایسی صورت میں دائیں بائیں آگے اور پیچھے اس مسجد کی توسیع کی گنجائش نظر نہیں آتی، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اوپر کی منزلوں میں توسیع کریں ایک دو جتنی منزلیں

چاہیں اوپر بنا سکتے ہیں اور اس طرح توسیع کا عمل کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر قبرستان بہت پرانا ہو گیا ہے اور اس میں تدفین کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، یا قبرستان تو زیر استعمال ہو لیکن آس پاس کی قبریں اتنی پرانی ہو گئی ہوں کہ جسد میت کے مٹی ہو چکنے کا ظن غالب ہو چکا ہو تو اس قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنا، اس پر کھیتی کرنا اور مکان بنالینا درست ہے، چنانچہ عالمگیری میں تبیین الحقائق سے نقل کیا گیا ہے:

لو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ (الفتاوی الہندیہ ۱/۱۶۸، نیز ملاحظہ ہو: ردالمحتار ۱/۶۰۶۔ کتاب الجنائز)

اگر میت گل کر مٹی ہو جائے تو اس کے علاوہ دوسرے میت کو اس کی قبر میں دفن کرنا جائز ہے، نیز اس پر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا بھی جائز ہے جب کھیتی کرنا اور مکان بنانا جائز ہے تو اس پر مسجد کی توسیع اور تعمیر بلاشبہ جائز و درست ہوگی، چنانچہ "تاریخ الکعبۃ المعظمۃ" میں ہے:

مابین المقام والرکن وزمزم قبر تسعۃ وتسعین نبیاً۔ (ص/۱۶۷)

یعنی مقام ابراہیم اور رکن اور چاہ زمزم کے درمیان ننانوے نبیوں کی قبریں ہیں۔

اور اسی کتاب میں ہے کہ جب کسی نبی کی امت ہلاک کردی جاتی تھی تو نبی علیہ السلام بیت اللہ شریف کے پاس آکر پناہ لیتے تھے اور وہیں تازندگی عبادت میں مشغول رہتے تھے، اور ظاہر ہے کہ نبی کی جس جگہ وفات واقع ہوتی ہے وہ اسی جگہ مدفون ہوتے ہیں، اور اب جب کہ ان قبروں کے نشانات صدیوں سے کسی کو معلوم نہیں تو کہنا پڑے گا کہ مسجد حرام کی توسیع میں زمانہ قدیم سے وہ قبریں حدود حرم میں آگئیں، اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی قبریں حطیم میں ہیں جو حدود مطاف میں ہے اور قبروں کا کوئی نشان نہیں، یہ باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ پرانی قبروں کے نشانات مٹا کر بھی توسیع مسجد و تعمیر جائز ہے۔

مولانا محمد نور القاسمی

قبرستان میں مسجد کی توسیع کرنا:

قبرستان کے اندر تعمیر شدہ مسجد تنگ ہو جائے تو اس کی توسیع کرنا درست ہوگا، لیکن اگر قبرستان زیر استعمال ہے خواہ قدیم ہو یا جدید اس میں مسجد کی توسیع کی گنجائش نہ ہوگی، البتہ قبرستان ویران، غیر استعمال ہو تو اس میں مسجد کی توسیع جائز ہی نہیں بلکہ بہتر عمل ہوگا، کیونکہ فقہاء نے ویران قبرستان جس میں تدفین کا عمل بند ہو اس میں عمارت تعمیر کرنے، زراعت کرنے کی اجازت دی ہے (البحر الرائق ۲/۲۱۰، ردالمحتار ۱/۶۰۶، فتاوی عالمگیری ۱/۱۶۷) تو اس میں مسجد کی توسیع بدرجہ اولی جائز ہوگی، اور اگر قدیم قبرستان ہو یا جدید، لیکن زیر استعمال ہو اور لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور کثرت کے سبب توسیع کا عمل بہت ہی ناگزیر ہو، تو ایسی صورت میں مسجد کے اوپر دو منزلہ، سہ منزلہ عمارت تعمیر کر کے توسیع کی صورت اپنائی جاسکتی ہے، اس سلسلہ میں مسئلہ کی وضاحت کے لئے مفتی نظام الدین صاحب کی تفصیلی عبارت کا نقل کرنا مناسب ہوگا، مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

" ولو بلى الميت الخ۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قبر اتنی پرانی ہوجائے کہ جسد میت کے مٹی ہوچکنے کا ظن غالب ہوجائے تو اس قبر میں دوسرے مردے کا دفن کرنا اور اس پر کھیتی کرنا اور مکان بنانا جائز ہے تو مسجد کی توسیع و تعمیر بلا شبہ جائز ودرست ہوگی، چنانچہ " تاریخ الکعبة المعظمة (ص/۱۶۷) میں ہے: ما بين المقام والركن وزمزم قبر تسعة و تسعين نبياً ۔ یعنی مقام ابراہیم اور رکن اور چاہ زمزم کے درمیان میں ننانوے نبیوں کی قبریں ہیں، اور اسی کتاب میں ہے کہ جب کسی نبی کی امت ہلاک کردی جاتی تھی تو وہ نبی بیت اللہ شریف کے پاس آکر پناہ لیتے اور وہیں تا زندگی متعبد ہوجاتے تھے، اور ظاہر ہے کہ نبی کی جس جگہ وفات واقع ہوتی ہے وہ اسی جگہ مدفون ہوتا ہے، اور اب جب کہ ان قبروں کے نشانات صدیوں سے کسی کو معلوم نہیں تو کہنا پڑے گا کہ مسجد حرام کی توسیع میں زمانۂ قدیم سے ہی وہ قبریں حدود حرم میں آگئیں، اسی طرح اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ ہاجرہ کی قبریں دار حطیم میں ہیں، جو حدود مطاف میں ہے اور قبروں کا کوئی نشان نہیں ہے... یہ باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ پرانی قبروں کے نشانات مٹا کر بھی توسیع مسجد وتعمیر جائز ہے، اسی قسم کے مضامین " طبری " اور " البداية والنهاية " صفحہ ۱۲۰۔۱۳۸۔ ۱۹۱۔۱۹۲ میں اور جلد ۹ میں بھی ہیں ا(نظام الفتاوی ۱/ ۶۲۔۱۶۳)۔

خلاصہ کلام یہ کہ قبرستان زیر استعمال نہ ہو بلکہ اس میں تدفین متروک ہوچکی ہو تو اس میں توسیع کرنا درست ہے، اور یہ توسیع کا عمل واقف کی منشاء کے خلاف بھی نہ ہوگا۔

مولانا ابرار خان ندوی

اس مسئلہ کا حکم بھی اوپر کی طرح ہے کہ مسجد کی توسیع میں اگر قبرستان کی اتنی زمین مستعمل ہو جس کی نہ فی الحال قبرستان کے لئے ضرورت ہے اور نہ آئندہ اس کی ضرورت متوقع ہو تو اس طرح اس کی توسیع کی جائے کہ قبریں نمازیوں کے سامنے نہ ہوں بلکہ درمیان میں دیوار مسجد حائل ہو (فتاوی محمودیہ بحوالہ عینی ا/ ص ۴۸۷) البتہ نئی قبریں جہاں میت کا جسم مٹی نہ بنا ہو یہ تعمیر درست نہ ہوگی۔

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

صورت مسئولہ میں قبرستان کے حکم کے بارے میں فرق ہے، اگر قبرستان بالکل ویران ہوچکا ہے اور جس جگہ مسجد کی توسیع کرنا چاہتے ہیں، قبریں بہت پرانی ہیں کہ قبر کا کوئی نام ونشان نظر نہیں آتا ہے تو اس جگہ مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے، اور اگر قبرستان زیر استعمال ہے اور اس جگہ قبریں نئی ہیں تو وہاں قبر کی جگہ مسجد کی توسیع جائز نہیں ہے۔

ولو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى غيرها مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. ولو بلى الميت و صارترابا جاز دفن غيره فى قبره وزرعه والبناء عليه.

مولانا سمیع اللہ قاسمی

قبرستان میں موجود مسجد کی توسیع:

کسی قبرستان میں چھوٹی سی مسجد ہے، اب جب کہ مسلمانوں کی آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے اس کی توسیع کی ضرورت پڑگئی تو قبر کے مزید کچھ حصے شامل کر کے اس کی توسیع کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں آباد اور ویران دونوں اعتبار سے کچھ فرق نہیں، البتہ اس حصے میں جدید اور قدیم ہونے کے اعتبار سے فرق ہے۔

چنانچہ اگر قبر بالکل نئی ہے تو پھر اس حصے میں توسیع کی اجازت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس سے قبر کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اور اگر قبریں پرانی اور بوسیدہ ہیں اور مردے مٹی ہوگئے ہیں تو اس حصے کو توسیع کے اندر شامل کر لینے کی جازت ہے حتی کہ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ تو صاحب قبر کی خوش قسمتی کی بات ہے کیوں کہ حرم کے مطاف میں بھی انبیاء کی قبریں ہیں (فتاوی رحیمیہ ۸۶/۶)

عالمگیری کے اندر ہے: "ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه (عالمگیری ۱۵۶/۱، وہکذا فی التبیین ۲۴۶/۱)

مولانا صدر عالم

اگر اس قبرستان میں لوگوں نے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشانات مٹ گئے ہوں تو مسجد کی توسیع جائز ہے۔

ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره وزرعه والبناء علیه ومقتضاه جواز المشی فوقه (ردالمحتار ۵۳۸/۱)۔

مولانا عطاء الله قاسمی

قبرستان کی مسجد کو وسیع کرنے کا حکم:

جو مسجد کسی وقت قبرستان میں تعمیر کی گئی ہو تا کہ جو لوگ زیارت کے لئے قبرستان آئیں وہ نماز پڑھ لیا کریں، لیکن اب آبادی کے بڑھ جانے اور لوگوں میں زیادتی کے سبب وہ مسجد تنگ ہو جائے اور ایک عام مسجد کی طرح ہو جائے کہ جو لوگ زیارت کرنے والے نہیں ہیں وہ بھی اس میں آکر نماز پڑھنے لگیں تو ان وجوہات کی بنا پر اس مسجد کو وسیع کیا جائے، تو اس شرط کے ساتھ مسجد کی توسیع کی گنجائش ہے کہ قبرستان کے اندر اس مسجد کے آس پاس قبریں نہ ہوں اور اگر کسی زمانہ میں رہی ہوں تو وہ مرورِ زمانہ کی وجہ سے مٹی ہو چکی ہوں اور اب ان قبروں کے نشانات بھی مٹ چکے ہوں تو اس صورت میں ارباب فتاوی کے کلام سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (مستفاد از فتاوی محمودیہ ۳۰۰/۱۵)

واما المقبرة الداثرة إذا بنی فیها مسجد لیصلی فیه فلم أر فیه بأساً لأن المقابر وقف وكذا المسجد فمعناهما واحد (عمدة القاری للعینی ۱۷۴/۴)

اور پرانا قبرستان جب اس میں مسجد تعمیر کی جائے تاکہ لوگ اس میں نماز پڑھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ قبرستان بھی وقف ہوتا ہے اور مسجد بھی، پس دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔

مولانا اسعد الله قاسمی

قبرستان میں مسجد کی توسیع:

اگر وسیع قبرستان میں چھوٹی سی مسجد ہے اور آبادی کے قریب ہونے، نیز قریب میں دوسری مسجد نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کی توسیع کی ضرورت ہے تو توسیع کی جائے گی کیونکہ جس طرح قبرستان اوقاف مسلمین میں سے ہے اسی طرح مسجد بھی اوقاف مسلمین میں سے ہے، اور جس طرح قبرستان کی تملیک جائز نہیں اسی طرح مسجد کی بھی تملیک جائز نہیں ہے، لہذا مسجد کی توسیع قبرستان میں جائز ہوگی لیکن شرط یہ ہے کہ جہاں مسجد کی توسیع کی جائے وہاں کوئی نئی قبر نہ ہو اور اگر پرانی قبر ہو تو توسیع کے وقت اس کو مٹادیا جائے، چنانچہ صاحب عینی رقم طراز ہیں:

لوأن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد (عینی ۱۰/۱۵۲)

اگر مسلمانوں کا کوئی قبرستان پرانا ہو جائے اور اس پر مسجد بنادی گئی تو میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ قبرستان میت کو دفن کرنے کے لئے مسلمانوں کے وقف میں سے ایک وقف ہے، اس کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا، اس لئے اگر وہ پرانا ہو جائے اور اس میں دفنانے کی ضرورت نہ ہو تو اس کا استعمال مسجد کے لئے درست ہے اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے، اس پر کسی کی ملکیت جائز نہیں۔

لو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه (زیلعی ۱/۲۴۶)

اگر میت پرانی ہو کر مٹی ہو جائے تو اس قبر میں دوسری میت دفن کرنا اور اس کے اوپر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے۔

مولانا محمدارشد قاسمی

مساجد پر غیر مسلم انتظامیہ کی تولیت

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مولانا عتیق احمد قاسمی	مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی	مولانا عبد الجلیل قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی	مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی	مولانا شمس پیرزادہ
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی	مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا ابو سفیان مفتاحی	مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی	مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا سلطان احمد اصلاحی	مولانا مفتی محمد حنیف
مولانا محمد رضوان قاسمی	مفتی شیر علی گجراتی
مولانا محمد ارشاد القاسمی	مولانا ایوب ندوی
مولانا ابوبکر قاسمی	مولانا عبد القیوم پالنپوری
مولانا تنویر عالم قاسمی	مفتی عبد الرحیم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری	ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا عبد اللطیف پالنپوری	مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی	مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا محمد نور القاسمی	مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی	مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی	مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی	مولانا محمد ارشد قاسمی

مساجد پر غیر مسلم انتظامیہ کی تولیت

سوال: ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیر داروں نے مساجد پر بھی اراضی وقف کی ہیں، اور شائد واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد اب ہندو اوقاف کے تحت ہیں، اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے، تو کیا مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست ہے؟

جوابات

غیر مسلم کے وقف کو جب کہ مسجد وغیرہ کے لئے ہو درست قرار دیا گیا ہے، البتہ وقف کی تولیت وانتظام اس کے سپرد ہو اس بابت احقر کو کوئی چیز نہیں مل سکی، بظاہر تو یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ کہ وہ اپنے مذہب خاص کی وجہ سے نہ وقف کی اہمیت اور نہ موقوف علیہ کی عظمت، کچھ بھی اس درجہ میں نہیں رکھتا جو کہ ایک مسلمان کو ہوتی ہے، اور نہ ہی اس سے شرائط وقف کی تنفیذ میں وہ توجہ واہتمام متصور ہے جو اس کے لئے درکار ہوتا ہے۔

البتہ جو قدیم اوقاف غیر مسلموں کی تولیت وذمہ داری میں چلے آرہے ہیں ان کے حالات کا جائزہ لیکر فیصلہ کرنا مناسب ہے، اگر کام صحیح شرائط واحکام کے مطابق ہو رہا ہے تو ان کے ہاتھ میں رہنے دیا جائے۔ ورنہ دوسری کارروائی کی جائے، اس لئے کہ اطلاقاً تصرف وتعرض میں فتنہ پیدا ہو سکتا ہے اور یہاں جو رواداری مطلوب ہے اس کے بھی خلاف ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

مساجد پر ہندو اوقاف کی تولیت:

بنیادی طور پر فقہاء نے تولیت کے لئے اسلام کی شرط نہیں رکھی ہے، شامی رقمطراز ہیں:

ویشترط للصحة بلوغه و عقله لا حریته واسلامه (ردالمحتار ۶/۵۷۹)

لیکن یہ فقہاء کے یہاں متفق علیہ نہیں ہے، کیونکہ یہ اشخاص پر نہ سہی لیکن اسباب واموال پر ایک طرح کی ولایت ہے اور غیر مسلم کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہو سکتی، اسی لئے رافعی کو شامی کے اس اطلاق سے اتفاق نہیں، وہ ابن نجیم کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ينبغي أن يخص بوقف الذمي فان تولية الذمي على المسلمين حرام لا ينبغي اتباع شرط الواقف فيها (تقریر الرافعی مع الشامی ۶ / ۸۴)

ارشاد ربانی: "إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر..." سے بھی ایک حد تک رافعی کے نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے، گو "عمارۃ" سے معنوی عمارت بھی مراد ہو سکتی ہے جو نماز اور ذکر وعبادت سے عبارت ہے، اور زیادہ احتمال اسی معنی کا ہے (گنجائش دونوں معنوں کی ہے، دیکھئے: مفاتیح الغیب للرازی ۷ / ۵۹۴) کیونکہ اگر تعمیر کے معنی مادی تعمیر کے ہوں تو پھر تعمیر مساجد میں غیر مسلم مزدوروں سے کام لینا بھی نادرست قرار پائے گا۔

زیادہ درست اور قرین جواز یہ معلوم ہوتا ہے کہ تولیت غیر مسلموں کی جائز تو ہے لیکن مکروہ تحریمی۔ جائز اس لئے کہ تولیت کا اصل مقصود حفاظت ونگہداشت اور انتظام ہے، متولی کو جو بعض تصرفات کے حق حاصل ہیں وہ ضمنی حیثیت رکھتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ نظم وحفاظت کا کام غیر مسلموں سے بھی لیا جا سکتا ہے، پھر اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ فتح مکہ کے موقع سے آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کے ہاتھ سے کعبہ کی کلید حاصل کی اور پھر انہیں کو واپس فرما دی، حالانکہ اس وقت تک عثمان دامن اسلام میں نہیں آئے تھے، تو جب ایک غیر مسلم کلید بردار کعبہ ہو سکتا ہے تو عام مساجد کا متولی کیوں نہیں ہو سکتا؟... البتہ یہ کراہت سے خالی نہیں، کیونکہ کسی غیر مسلم سے اس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ مساجد کے حقوق کی پوری پوری رعایت کر سکے گا۔

بالخصوص ہندوستان میں مساجد کا غیر مسلم انتظامیہ کے تحت رہنا خطرات وخدشات سے خالی نہیں، اس لئے مسلمانوں پر ایک اجتماعی فریضہ ہے کہ وہ ایسی مساجد کو مسلمان انتظامیہ کے تحت لانے کی سعی کریں... واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

درست ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں مساجد ومقابر یا دیگر اوقاف کا رہنا:

غیر مسلم کا کیا ہوا وقف بھی صحیح ہے، البتہ اس کے وقف کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جس کے لئے وقف کر رہا ہے اس پر وقف کرنا اس کے نزدیک بھی باعث قربت ہو اور ہمارے نزدیک بھی۔ جیسے اپنی اولاد یا فقراء یا بیت المقدس پر وقف کرنا، اس کے نزدیک بھی باعث قرب ہے اور ہمارے نزدیک بھی، اگر اس کے نزدیک باعث قرب ہے لیکن ہمارے نزدیک نہیں۔ مثلاً مندر کے لئے وقف۔ یا ہمارے نزدیک ہے لیکن اس کے نزدیک نہیں۔ جیسے حج وغیرہ کے لئے تو وقف صحیح نہیں ہوگا۔ لہذا اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر کسی مسجد یا قبرستان کے لئے وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح ہوگا۔

"وأما الاسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم كما لو وقف على أولاده أوعلى الفقراء أوعلى فقراء أهل الذمة فإن عمم جاز الصرف إلى كل فقير مسلم أوكافر وإن خصص فقراء أهل الذمة اعتبر شرطه كما نص عليه الخصاف" (البحر ۵/ ۲۰۴)

"(قوله بشرط كونه قربة عندنا و عندهم) الظاهر أن هذا شرط في وقف الذمي فقط ليخرج مالو كان قربة عندنا فقط كوقفه على الحج والمسجد ماكان قربة عندهم فقط كالوقف على البيعة بخلاف الوقف على مسجد القدس فانه قربة عندنا وعندهم فيصح الخ" (منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۵/ ۲۰۴)

اور جب غیر مسلم کا وقف صحیح ہے تو وہ اپنے اوقاف کا متولی بھی بن سکتا ہے، اس لئے کہ صحت تولیت کے لئے اسلام شرط نہیں ہے۔

"ویشترط للصحة بلوغه وعقله لا حریته وإسلامه لمافی الاسعاف" الخ (رد المحتار مطلب فی شروط المتولی ۳/ ۳۸۵)

"ولا تشترط الحرية والاسلام للصحة لما في الاسعاف ولو كان عبدا يجوز قياساً واستحسانا والذمي في الحكم كالعبد الخ" (الفتاوی الہندیہ ۲/ ۴۰۸)

لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد یا مقابر پر وقف کیا ہے اور نسلاً بعد نسل یہ تولیت ان کے خاندانوں میں آرہی ہے، جس کی وجہ سے آج بھی وہ اوقاف غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں ہیں تو ایسی صورت میں غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں ان اوقاف کا رہنا صحیح و درست ہے۔

مفتی محمد جنید عالم قاسمی

چونکہ صحت وقف کے لئے واقف کا اور تولیت وقف کے لئے متولی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ فقہاء کی صراحت ہے:

أما الإسلام فليس بشرط (فتاوی ہندیہ ۲/ ۳۵۲)

و يشترط للصحة بلوغه وعقله لا حريته وإسلامه (شامی ۳/ ۳۸۵)

اس لئے ہندو راجاؤں نے مساجد پر یا دیگر اسلامی مقاصد کے تحت جو اراضی وقف کئے اور اس کی تولیت اپنے ہی کسی ہم مذہب کے سپرد کیا، سب عمل درست رہا، اور پھر نسلاً بعد نسل یہ تولیت مختلف متولیوں کی طرف منتقل ہوتے ہوئے آج کسی ہندو بورڈ کو حاصل ہے، تو اسے علی حالہ ہندو وقف بورڈ کی تولیت و نگرانی میں بھی چھوڑا جاسکتا ہے، وقف کا کوئی بھی متولی خواہ واقف کا متعین کردہ ہو یا کسی قاضی شریعت وغیرہ ہی کا، جب تک اس میں امانت داری رہے گی معزول نہیں کیا جاسکتا۔

آج مساجد و مقابر یا دیگر اسلامی مقاصد کے تحت جو اوقاف ہندو راجاؤں کی طرف سے قائم و موجود ہیں اور ہندو وقف بورڈ کے تحت اس کا انتظام چل رہا ہے، اگر تحقیقات سے ثابت ہو کہ بورڈ واقف کے شرائط و منشاء کی رعایت و پابندی کرتے ہوئے سارا نظم و نسق انجام دے رہا ہے تو اس بورڈ یعنی غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں چھوڑ دینا درست ہے، لیکن تحقیقات سے اس ادارہ کی خیانت معلوم

ہو جائے، یا پھر عین مساجد و مقابر ہی پر کسی بیجا تصرف کا خطرہ محسوس ہو تو اس کی تولیت سے اوقاف کو نکالنا ضروری ہوگا، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس وقف ہی سے مسجد و مقبرہ کا رشتہ منقطع کر دینا لازم ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا زبیر حمد قاسمی

اگر کسی جگہ ہندو راجاؤں اور جاگیر داروں نے مساجد پر اراضی وقف کیا ہے، اب ان کی اولاد ہی میں کوئی ہندو اس کا متولی ہے تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ متولی کے لئے مسلمان کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

ویشترط للصحة بلوغه وعقله لا حریته و إسلامه کذا فی الاسعاف (ردالمحتار ۳/۳۸۵)

ولاتشترط الحریة والإسلام للصحة کمافی الاسعاف (ہندیہ ۲/۴۰۸)

مولانا عبد الجلیل قاسمی

غیر مسلم کا وقف اور اس کی تولیت:

غیر مسلم اگر کار ثواب سمجھ کر مسجد کے لئے کوئی جائداد وقف کردے تو شرعی طور پر غیر مسلم کا وقف صحیح ہے، اور مسجد اور عبادت گاہوں میں انکی وقف کردہ اشیاء کا استعمال بلا کراہت جائز ہے (مستفاد از احسن الفتاوی ۶/۴۳۹، فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۸۷)

لأنه مباح بدلیل صحته من الکافر و تحته فی الشامیة، بل التقرب به موقوف علی نیة القربة فهو بدونها مباح حتی یصح من الکافر کالعتق والنکاح(وقوله) فإنه لابد فیه من أن یکون فی صورة القربة(در مختار مع الشامی۔ زکریا ۶/۵۲۱، شامی۔ کراچی ۴/۳۳۹)

اس لئے کہ کافر کی طرف سے صحیح ہونے کی وجہ سے مباح ہے اور اسکے نیچے شامی میں ہے کہ اس کے کار ثواب ہونے کا مدار قربت کی نیت پر ہے، لہذا بغیر نیت کے صرف مباح ہے حتی کہ کافر کی طرف سے بھی صحیح ہو جاتا ہے جیسا کہ عتق اور نکاح صحیح ہو جاتا ہے اس لئے اس میں ضروری ہے کہ قربت کی صورت میں ہو۔

نیز غیر مسلموں کی تولیت بھی اوقاف میں جائز ہے اس لئے کہ تولیت کا مدار امانت داری پر ہے نہ کہ ایمان واسلام پر۔

مطلب شروط المتولی، ولاتشترط الحریة والإسلام للصحة کما فی الاسعاف ولو کان عبدا یجوز قیاسا واستحسانا والذمی فی الحکم کالعبد(ہندیہ ۲/۴۶، شامی زکریا ۶/۵۷۹)

متولی کی شرطوں کے تحت لکھا ہے کہ صحت تولیت کے لئے آزاد یا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ اسعاف میں ہے اور اگر متولی غلام ہو تو قیاسا واستحسانا جائز ہے اور غیر مسلم ذمی حکم میں غلام کی طرح ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا:

صحت وقف کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، غیر مسلم کا بھی وقف درست ہے، البتہ غیر مسلم کے وقف کے درست ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس مقصد کے لیے وقف کر رہا ہے اس پر وقف کرنا اس کے نزدیک بھی باعث قربت ہو اور ہمارے نزدیک بھی، جیسے بیت المقدس کے فقراء یا اپنی اولاد پر وقف کرنا ہمارے نزدیک بھی باعث قربت و تقرب ہے اور اس کے نزدیک بھی، اگر اس کے نزدیک قربت ہو ہمارے نزدیک نہیں جیسے مندر پر وقف، یا ہمارے نزدیک تو باعث قربت ہو مگر اس کے نزدیک نہیں جیسے حج وغیرہ، تو ایسی صورت میں غیر مسلم کا وقف درست نہیں ہوگا، لہذا اگر کوئی غیر مسلم قربت و ثواب سمجھ کر کسی مسجد یا قبرستان کے لئے اپنی کوئی جائداد وقف کردے تو اس کا وقف درست اور صحیح قرار پائے گا۔ علامہ ابن نجیم مصری نے شرائط وقف کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

"وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمی بشرط كونه قربة عندنا وعندهم كما لو وقف على الفقراء أو على فقراء أهل الذمة فإن عمم جاز الصرف إلى كل فقير مسلم أو كافر وإن خصص فقراء أهل الذمة اعتبر شرطه كما نص عليه الخصاف" (البحر الرائق ۵/۲۰۴)

علامہ ابن عابدین شامی نے حاشیہ بحر الرائق میں (قوله بشرط كونه قربة عندنا وعندهم) کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"الظاهر ان هذا شرط فی وقف الذمی فقط ليخرج مالو كان قربة عندنا فقط كوقفه على الحج والمسجد ماكان قربة عندهم فقط كالوقف على البيعة بخلاف الوقف على مسجد القدس فانه قربة عندنا وعندهم فيصح (منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۵/۲۰۴)

اور جب غیر مسلم وقف کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کا وقف درست ہے تو وہ اپنے اوقاف کا متولی اور نگراں بھی بن سکتا ہے، کیونکہ تولیت اوقاف کی صحت کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے غیر مسلم بھی اوقاف کا متولی بن سکتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے شرائط تولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"ويشترط للصحة بلوغه وعقله لاحريته وإسلامه لما فی الاسعاف".

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ولا تشترط الحرية والإسلام للصحة لما فی الاسعاف ولو كان عبدا يجوز قياسا واستحسانا والذمی فی الحكم كالعبد"

لہذا اگر ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیر داروں نے مساجد یا مقابر پر اراضی وقف کی ہیں اور ان اوقاف کی تولیت نسلاً بعد نسلٍ ان کے خاندانوں میں آرہی ہے جس کی بنیاد پر آج بھی وہ اوقاف ہندو وقف بورڈ کی تولیت میں ہیں تو ایسی صورت میں غیر مسلم ادارہ اور ہندو وقف بورڈ کی تولیت میں ان اوقاف کا رہنا صحیح و درست ہے:

مفتی نسیم احمد قاسمی

مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے، اولاً تولیت کے جو شرائط فقہاء نے بیان کئے ہیں وہ غیر مسلم ذمہ داروں میں مفقود ہیں، خاص طور پر امین ہونے کی شرط بنیادی شرط ہے (البحر الرائق ۵ر ۲۴۴) بلاشبہ امانت کا تصور بلا ایمان ممکن نہیں۔

بالخصوص ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس کی کسی طرح اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، لہذا ایسے اوقاف جو ہندو وقف بورڈ کے تحت ہیں ان کے سلسلہ میں مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کوشش کرکے ہندو وقف بورڈ سے منتقل کرا کر مسلم وقف بورڈ میں داخل کرائیں۔

مولانا ظفر عالم ندوی

نہیں۔ غیر مسلموں کی تولیت میں مساجد وغیرہ اوقاف کا رہنا ہرگز درست نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

ماکان للمشرکین أن یعمروا مساجد الله شاهدین علی أنفسهم بالکفر (توبہ ر ۱۷)

"مشرکین اس لائق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجد کو آباد کریں جب کہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دے رہے ہیں۔

مولانا شمس پیرزادہ

"ما کان للمشرکین أن یعمروا مساجد الله شاهدین علی أنفسهم بالکفر"

غیر مسلم ادارہ کی تولیت سے اس طرح کے اوقاف کو نکالنے کی جدوجہد ہونی چاہئے، مگر جب تک یہ نہیں ہوپاتا اس سے استفادہ کو رد نہیں کرسکتے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

مساجد و مدارس اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کو غیر مسلم ادارہ کی تولیت سے نکال لینا بہتر ہے، لیکن اگر اس میں مشکلات ہوں تو ہوں، ان کی تولیت میں رہنے دینے کی گنجائش ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ **مطلب فی شروط المتولی** کے تحت لکھتے ہیں:

والظاهر انها شرائط الاولویة لا شرائط الصحة وان الناظر إذا فسق استحق العزل ولا ینعزل کالقاضی إذا فسق لا ینعزل علی الصحیح المفتی به ویشترط للصحة بلوغه وعقله لا حریته وإسلامه (ردالمحتار ۳ر ۴۲۲)

ظاہر یہ ہے کہ (فسق وغیرہ سے محفوظ ہونا) اولویت کی شرط ہے، صحت کی شرط نہیں، چنانچہ متولی اگر فاسق ہوجائے تو وہ مستحق معزولی ہوجائے گا، مگر بسبب فسق خود سے معزول نہیں ہوگا، جیسے قاضی، صحیح مفتی بہ قول کے مطابق فسق کی وجہ سے از خود معزول نہیں ہوتا، اور تولیت کی شرائط صحت میں سے متولی کا بالغ و عاقل ہونا ہے، آزاد ہونا اور مسلمان ہونا شرط نہیں۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں کہ ہندو نے مساجد پر اراضی وقف کی ہیں اور واقف کے ہندو ہونے کے سبب مساجد ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم و نسق انجام دیتا ہے تو مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں باقی چھوڑنا درست ہے، اس لئے کہ واقف ہندو ہے تو اگر وہ ہندو وقف بورڈ مسجد سے متعلق تمام نظم و نسق انجام دیتا ہے، اس طرح کہ وہ مسجد میں کسی طرح کی رخنہ اندازی نہیں کرتا، بلکہ وہ مسجد کے ساتھ مسجد کا معاملہ کرتا ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ (۲/۳۵۳) میں ہے:

ولو جعل ذمی دار مسجد الملسمین وبناه کما بنی المسلمون وأذن لهم بالصلوة فيه فصلوا فيه ثم مات يصير ميراثا لورثته و هذا قول الكل، كذا في جواهر الاخلاطي۔ یعنی واقف ذمی یا ہندو کے مرنے کے بعد یہ مسجد موقوف اس کے ورثہ کی میراث ہوگی تو اسی طرح اس کی تولیت بھی اس کے ورثہ کے ذمہ آجائے گی، واللہ اعلم۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب لکھتے ہیں کہ اگر کوئی غیر مسلم اپنی سمجھ و عقیدہ میں کوئی اچھا کام سمجھ کر کسی ایسے کام کے لئے کچھ دیدے یا وقف کر دے جو مسلمانوں کے نزدیک و عقیدہ میں بھی نیک و قربت ہے تو وہ دینا اور وقف کرنا صحیح و نافذ ہو جاتا ہے، اور اسی ضابطہ شرعیہ کے مطابق یہودیوں کا وقف علی المسجد الاقصیٰ بھی صحیح ہے، اور زمانہ رسالتمآب ﷺ سے آج تک بلا اختلاف معتبر چلا آرہا ہے، اور اسی طرح زمانہ دراز سے ہندو راجاؤں کا وقف کرنا مساجد و مقابر اور عیدگاہوں پر اور مدارس دینیہ وغیرہ سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور سب کے نزدیک صحیح و معتبر ہیں، اگرچہ ان میں کسی ایک نے وقف کرنے کا لفظ نہیں کہا جب بھی حسب ضابطہ شرعیہ "ان العام بدلالة الحال كالمشروط بالمقال" وقف ہی مانا گیا ہے، لہذا اس کو بھی شرط کا درجہ و حکم دے سکتے ہیں (فتاوی نظامیہ ۱/۳۳۳)

اور واقف کا اپنے لئے تولیت کی شرط لگانا جائز ہے، یہی مفتی بہ قول ہے، لہذا واقف ہندو کا وقف مسجد وغیرہ کو اپنی تولیت میں رکھ کر اس میں نماز کی اجازت دینا صحیح ہے اور مسلمانوں کا نماز پڑھنا بھی صحیح ہے، اسی طرح قبرستان کا مسئلہ بھی ہے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں چونکہ شرعاً ہندو کا وقف صحیح و معتبر ہے اور واقف کا اپنی تولیت کی شرط لگانا بھی مفتی بہ قول کے اعتبار سے صحیح ہے، تو ایسی مساجد و قبرستان کو ہندو کی تولیت میں رہنا بھی صحیح ہے، اور غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا بھی صحیح ہے، واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

اوقاف مسلمین کا متولی غیر مسلم بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ عاقل بالغ اور امانت دار ہو، چنانچہ قانون العدل والانصاف صفحہ ۶۸، مادہ ۱۳۵ پر ہے:

يشترط لصحة التولية أن يكون القيم عاقلا بالغاً ولا يشترط الحرية ولا الإسلام ،فالعبد أهل للنظر في ذاته وكذا الذمي فتصح توليته للنظر على الوقف۔

مفتی محبوب علی وجیہی

غیر مسلم متولی بن سکتا ہے کیوں کہ تولیت کی شرطوں میں سے بلوغ و عقل ہے نہ کہ آزاد و مسلمان ہونا " ويشترط للصحة بلوغه و عقله لا حريته وإسلامه لما في الاسعاف (ردالمحتار ۵۳۲/۳)ہاں اگر خیانت کا ثبوت ہو رہا ہے تو قاضی اسے معزول کردے گا"لايملك القاضي نصب متول آخر بلاسبب موجب لذلك وهو ظهور خيانة الأول أوشئ آخر" (شامی ۵۳۴/۳)

حضرت قاضی القضاۃ مولانا مجاہد الاسلام صاحب (مدظلہ واطال اللہ عمرہ) نے اپنی کتاب (اسلامی عدالت) میں اس مسئلہ پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے، بہر حال قاضی اگر مصلحت سمجھے تو بغیر خیانت کے بھی متولی کو معزول کر سکتا ہے۔" وذكر في البحر كلاما عن الخانية ثم قال عقبه و فيه دليل على أن للقاضي عزل منصوب قاض آخر بغير خيانة إذا رأى المصلحة" (شامی ۵۳۴/۳)

لیکن سوال یہ ہے کہ عزل تو اسی وقت ہو گا جب کہ قوت قاہرہ ہو اور یہاں موجودہ ہندوستان میں اس کا فقدان ہے تو اب کیا کیا جائے، بندہ کے خیال میں تین صورتیں سمجھ میں آتی ہیں: (۱) حکومت کو مجبور کیا جائے کہ ان اوقاف کو "مسلم وقف بورڈ" کے تحت کردیا جائے۔ (۲) اسے اگر وہ تسلیم نہ کرے تو اس پر زور دیا جائے کہ "اہل معرفت واصحاب رائے منتخبہ کمیٹی کو عزل و نصب کا اختیار دیدے۔ (۳) ہندوستانی عدلیہ کے سامنے ان متولیان کی خیانت ثابت کر کے ان کو معزول و معطل کرایا جائے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

مساجد و مقابر و دیگر اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کی تولیت غیر مسلم ادارہ کے ہاتھ میں ہونا شرعاً جائز ہے، تاہم خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

ويشترط للصحة بلوغه و عقله لاحريته وإسلامه لمافي الاسعاف (شامی ۳۸۵/۳)

مفتی حبیب اللہ قاسمی

ہندوستان کی وزارت اوقاف کا وزیر غیر مسلم ہے جب کہ اس میں اسلامی اوقاف بھی شامل ہیں۔

اوقاف کے سلسلہ میں ایک ضروری گذارش:

وقف بورڈ دینی رقم بینک میں رکھتے ہیں، بلکہ فکس ڈپازٹ کراتے ہیں، اس پر سود ملتا ہے یہ سود کی رقم مذہبی اداروں، مسجدوں اور ملازمین کی تنخواہوں پر خرج کی جاتی ہے، سود اور اصل سب خلط ملط رہتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ سود کی رقم الگ رکھی

جائے۔ بورڈ کی جمع شدہ رقم پر بلاسودی منافع کی کوئی شکل اختیار نہیں کی جاتی۔ اس طرح ایک مذہبی ادارے میں کھلم کھلا سود کا سلسلہ ہے اس پر غور کیا جائے اور اوقاف کے لئے جائز راہ سامنے رکھی جائے۔

مفتی فضیل الرحمن بلال عثمانی

ہندو راجاؤں نے مساجد کے لئے جو اراضی وقف کی ہیں، وہ ہندو ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ فرمانروا ہونے کی حیثیت سے وقف کی ہیں، لہٰذا اس کو ہندو وقف بورڈ کے تحت نہیں رکھنا چاہئے، جس طرح مسلم حکمرانوں نے مندروں کو اراضی دی تھیں جن کی دستاویزات موجود ہیں، لیکن واقف کے مسلم ہونے کی وجہ سے اس کو مسلم وقف بورڈ میں نہیں رکھا گیا۔

ہماری کوشش تو یہی ہونی چاہئے کہ وہ اوقاف غیر مسلم ادارہ کی تولیت سے نکل کر مسلم ادارہ کی تولیت میں آجائیں۔ ارشاد ربانی ہے:

"لن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلا"۔

وضاحت: اوقاف کی بیع کے عدم جواز پر بخاری شریف کی وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جو حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کو خیبر میں جو جائداد ملی اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو مشورہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

إن شئت حبست أصلها و تصدقت بها فتصدق بها عمر علی أن لا تباع ولا توهب ولا تورث.

تو اس کی توجیہ میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حبست اصلہا فرمانا یا حضرت عمر کا عدم بیع، عدم ہبہ اور عدم تورث کی شرط کے ساتھ وقف کرنا اس لئے تھا کہ اوقاف لوگوں کی دست برد سے محفوظ رہے اور اس کا صدقہ جاریہ ہونا متاثر نہ ہو، آنحضرتؐ اور حضرت عمرؓ کی تصریحات کا منشا اوقاف کو ناکارہ اور بے سود بنانا نہیں تھا، اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ اگر اس کی بیع نہ کی جائے اور متبادل وقف کا انتظام نہ کیا جائے تو اوقاف بے سود اور ناکارہ ہو جائیں گے، یہاں خدانخواستہ کسی کی دخل اندازی اور تصرف کے لئے جواز فراہم کرنا پیش نظر ہے، بلکہ پیش نظر یہ ہے کہ کسی طرح اوقاف صدقہ جاریہ بنے رہیں اور ان کا فیض جاری رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ راقم نے بیشتر جوابات میں حنابلہ کے مسلک پر بنیاد رکھی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں اوقاف کا حال زار اور مسلمانوں کی بے بسی دیکھ کر یہ بات سمجھ میں آئی کہ ایسے اضطراری حالات میں کیوں نہ امام احمدؒ کے مسلک پر عمل کر لیا جائے، یہاں اس مسلک کو اختیار کرنا اتباع ھوی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شدید ضرورت کے تحت ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ ہندوستان میں اوقاف کے سرکاری ادارے اور متولیان اوقاف خیانت کے خوگر ہو چکے ہیں، اوقاف کی بیع کر کے اس رقم کو ہضم کرنے میں انتہائی بے باک ہیں، لہٰذا اگر سمینار میں اوقاف کی بیع کے جواز کا فیصلہ کیا جائے تو کچھ ایسی قیدیں لگا دی جائیں جن کی بنا پر یہ طالع آزما اوقاف کو استحصال نہ کر سکیں۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

ہاں۔ایسے اوقاف غیر مسلم کی تولیت میں رہ سکتے ہیں۔ مساجد میں غیر مسلموں کی اس درجہ شرکت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

ذمی کو متولی بنانا جائز ہے کیونکہ حکومت اسلامیہ کو اس پر قابو ہوگا جیساکہ کتب فقہ میں مصرح ہے، حربی کو بنانا جائز نہیں، ہندستان میں غیر مسلم کو متولی بنانا جائز نہیں، اس لئے اس کی تولیت میں رہنا درست نہیں۔

مولانامحمد حنیف صاحب

اگر مسلم اوقاف کا متولی غیر مسلم ہو:

اس سلسلہ میں فقہاء کے دونوں طرح کے اقوال ہیں، لیکن صحیح قول یہی ہے کہ مسلم اوقاف کو مسلمانوں ہی کی تولیت میں ہونا چاہئے، علامہ رافعی رقمطراز ہیں: فان تولية الذمى على المسلمين حرام (تقریر رافعی علی الرد ۶/۸۴) مسلمانوں پر ذمی کی تولیت حرام ہے۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

مساجد و مقابر اور ایسے ہی اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں ہونا مالی حیثیت تک تو جائز ہے۔

ويشترط للصحة بلوغه و عقله...ولا تشترط الحرية والاسلام (البحر الرائق ۵/۲۲۶)

ويشترط للصحة بلوغه و عقله لا حريته واسلامه...ولو كان عبدا يجوز قياسا واستحسانا لأهليته فى ذاته بدليل أن تصرفه الموقوف لحق المولى ينفذ عليه بعد العتق لزوال المانع بخلاف الصبى ثم الذمى فى الحكم كالعبد (شامی ۴/۵۷۹)

فقہ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ تولیت کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے تو جب ابتداً مسلمان ہونا شرط نہیں تو بقاء بقاعدہ "البقاء أسهل من الابتداء" بدرجہ اولی شرط نہ ہوگا، لیکن جہاں تک مسجد اور مدرسہ کے داخلی اور مذہبی امور میں نظم ونسق کا تعلق ہے مثلاً امام و مؤذن، مدرس اور اسی طرح نصاب تعلیم مقرر کرنا اس کی تولیت غیر مسلم ادارہ کے تحت رکھنا جائز نہیں ہے یہ تو صرف مسلمان ہی کر سکتا ہے۔

انما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر... (التوبة)

مفتی شیر علی گجراتی

تولیت کے لئے اسلام شرط نہیں۔ لہذا ہندوراجاؤں نے یا جاگیرداروں نے جو اراضی وقف کی ہیں ان کے نگراں اور متولی وہ یا اس کے وارثین یا غیر مسلم ادارے کی تولیت ہو درست ہے۔

علامہ شامی کی ردالمحتار میں ہے: ويشترط للصحة بلوغه وعقله لا حريته وإسلامه لما في الاسعاف (۳۸۱/۴)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ولا تشترط الحرية والاسلام للصحة (۴۰۸/۲)

اسی طرح ابن نجیم بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تولیت کے لئے اسلام اور حریت کی شرط نہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ولا تشترط الحرية والاسلام للصحة (ص ۲۴۵) البتہ بلوغ اور عقل شرط ہے۔ ويشترط للصحة بلوغه وعقله (ص ۲۴۴) البتہ امداد الفتاوی میں اسلام کو تولیت کے لئے شرط قرار دیا ہے۔

اکابر کے فتاویٰ سے اس کی تائید:

مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ نے بھی (ضرورت کی بنا پر جب کہ مسلمان سے ضیاع کا خوف ہو) غیر مسلم کا متولی ہونا درست قرار دیا ہے (دیکھئے: سوال نمبر ۵۶۳۔ ۱۵/ ۳۰۲)۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

اگر غیر مسلم میں امانت داری اور صلاحیت نظم ونسق پائی جائے تو غیر مسلم کی تولیت درست ہے۔

مولانا ایوب ندوی

کیا کوئی غیر مسلم اوقاف کا متولی ہو سکتا ہے؟

ہندوستان کی جن بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر اراضی وقف کی ہیں اور غالباً واقف کے ہندو ہونے کے باعث اب تک مساجد کی یہ اراضی ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق نظم ونسق کو انجام دیتا ہے لیکن چونکہ شرعاً مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے، اس لئے اگر حکمت عملی سے کوئی شخص اوقاف مذکور کو غیر مسلم ادارہ کی تولیت سے نکال کر مسلم اوقاف کے زیر نگرانی اس کے انتظام وانصرام کو کر سکتا ہو تو کردے لیکن اس کام کے کرنے کے لئے کوئی فتنہ برپا کرنے کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اس جگہ دو مسئلے الگ الگ ہیں، جن کا سمجھنا ضروری ہے ورنہ اشتباہ ہو سکتا ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم قربت وثواب کی نیت سے کوئی زمین کسی مسجد و مقبرہ وغیرہ پر وقف کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز کوئی غیر مسلم کسی اوقاف کا واقف ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی غیر مسلم کسی اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا متولی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو جہاں تک غیر مسلم کے واقف ہونے کا مسئلہ ہے تو یہ شرعاً جائز ہے، قال في الهندية في كتاب الوقف واما الاسلام (للواقف) فليس بشرط (فتاویٰ ہندیہ ۳۵۲/۲، در مختار مع ردالمحتار ۳۹۲/۳ ومثلہ فی احسن الفتاوی ۴۳۹/۶)

وفي شرح التنوير بدليل صحته من الكافر۔ البتہ غیر مسلم کا کسی بھی اسلامی وقف کا متولی ہونا جائز نہیں ہے، قال الله تعالی وماكانوا أوليائه إن أولياء إلا المتقون (سورۃ الانفال/ ۳۴) ہاں اگر غیر مسلم نے وقف علی الاولاد وغیرہ کیا ہو تو اس صورت میں غیر مسلم متولی ہو سکتا ہے (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۰۸)۔

مولانا ابوبکر قاسمی

جو مسلم اوقاف ہندو وقف بورڈ کی زیر نگرانی اور تولیت میں ہیں ان کو قانونی چارہ جوئی سے مسلم سنی وقف بورڈ کی تولیت میں لانے کے لئے کوشش کرنی چاہئے، اگر کامیابی نہ ہو تو غیر مسلم کے متولی ہونے کو مجبوراً گوارہ کیا جاسکتا ہے، حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں: "جب ایسی مجبوری ہے کہ وقف کے محفوظ رہنے اور انتظام برقرار رہنے کی صرف یہی صورت (یعنی غیر مسلم کو متولی بنانا) ہے تو مجبوراً برداشت کیا جاسکتا ہے (فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۳۰۳)۔

اور علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ متولی ہونے کی صحت کے لئے آزاد اور مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ويشترط للصحة (اى لصحة التولية) بلوغه وعقله لاحريته وإسلامه، ولو كان عبداً يجوز قياسا و استحساناً لأهليته في ذاته .... ثم الذمي في الحكم كالعبد الخ (ردالمحتار ۳/ ۵۳۲)

مولانا عبد القیوم

مسلم وغیر مسلم دونوں کی طرف سے وقف درست ہے، وقف کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں "واما الاسلام فليس بشرط" (الہندیہ ۲/ ۳۵۲) مساجد ومقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا (خواہ واقف مسلم ہو یا غیر مسلم) غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست ہے بشرطیکہ وہ اوقاف میں خیانت نہ کرے، مساجد ومقابر وغیرہ میں غیر شرعی تصرف نہ کرے، اوقاف کے متولی کا نصب وعزل امانت وخیانت پر موقوف ہے، خواہ وہ متولی مسلم ہو یا غیر مسلم۔

قال في الاسعاف ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود (شامی ۳/ ۳۸۵)

مولانا تنویر عالم قاسمی

ہندو راجاؤں کی طرف سے کئے ہوئے اوقاف سے فائدہ حاصل کرنے اور ہندو وقف بورڈ کے ماتحت ان اوقاف کے رہنے سے کوئی مضائقہ نہیں، فتاوی محمودیہ میں ہے: کتنی ہی ہندو ریاستیں ہیں جہاں ان راجاؤں نے مسلمان رعایا کے لئے مسجدیں بنوا رکھی ہیں جن میں بغیر نکیر صدیوں سے نماز ہوتی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خانہ کعبہ خود کفار کا تعمیر کیا ہوا تھا جس میں حضور اقدس ﷺ نے نماز ادا فرمائی، اور زمانہ فتوحات میں آپ کے بعد خلفاء راشدین نے اس کی تعمیر کو تعمیر کفار ہونے کی وجہ سے بدلوانے کی ضرورت نہیں سمجھی (فتاوی محمودیہ ۱۰/ ۱۸۹)۔

دورِ حاضر میں جب مسلم وقف بورڈ ایکٹ کے تحت ہر ریاست میں قائم ہے تو اس کو ایسے اوقاف اپنے زیرِ تصرف لے لینا چاہئے یا ہندو وقف بورڈ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ مسلم اوقاف مسلم وقف بورڈ کے سپرد کردے۔ غیر مسلم ادارہ مقاصد وقف اور احکام شریعت کو پوری طرح انجام نہیں دے سکتا لہذا اس کے ماتحت مسلم اوقاف کا رہنا مناسب نہیں۔

مفتی عبد الرحيم بهوپال

جو اوقاف ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر وقف کی ہیں اور وہ ہندو وقف بورڈ کی نگرانی میں ہیں، وہ مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست و جائز ہے۔

(غير مامون) قال في الاسعاف لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود وكذا تولية العاجز لأن المقصود لايحصل به ويستوى فيه الذكر والأنثى كذا الأعمى والبصير وكذا المحدود في قذف إذا تاب لأ نه أمين وقالوا من طلب التولية على الوقف لا يعطى له وهو كمن طلب القضاء لا يقلد الخ والظاهر أنها شرائط الأولوية لا شرائط الصحة وان الناظر إذا فسق استحق العزل ولا ينعزل كالقاضي اذا فسق لا ينعزل على الصحيح المفتى به.... ويشترط للصحة بلوغه و عقله لاحريته وإسلامه لما في الإسعاف (ردالمحتار ۳؍۴۲۲)۔

مولانا نذر توحيد مظاہری

غیر مسلموں کی موقوفہ کی ادارت میں مساجد، مقابر اور اسلامی مقاصد اسلامی آزادی کے ساتھ تولیت درست ہے۔

ذاكٹر قدرت الله باقوی

اصل یہ ہے کہ مساجد، مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے تمام اوقاف مسلمانوں ہی کی تولیت میں ہوں اور مسلمان ہی اس کے تمام نظم و نسق کو انجام دیں، لیکن اگر یہ اوقاف زمانہ قدیم سے ہندوؤں کی تولیت میں چلے آرہے ہوں، اور اب ان اوقاف کو ان کی تولیت سے نکالنا ممکن نہ ہو بلکہ ان اوقاف کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو بدرجہ مجبوری اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے (فتاوی محمودیہ ۱۵؍۳۰۲)۔

مولانا عبد اللطيف پالنپوری

ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر اراضی وقف کی ہیں، اور شاید واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد اب ہندو اوقاف کے تحت ہیں، اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم و نسق انجام دیتا ہے، تو اس صورت میں مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست و جائز

ہے، اگر کوئی شخص حکمت عملی سے ہندواو قاف سے نکال کر مسلم او قاف کی زیر نگرانی کردے یا خود ہندواو قاف حق تولیت اور حق نگرانی اور ہر قسم کے حقوق سے دست بردار ہو جائے اور مسلم او قاف کا اس پر تسلط وقبضہ مکمل طور پر ہو جائے تو فبہا، ورنہ نہیں، زبردستی ہندواو قاف تولیت اور انتظام وانصرام کی باگ ڈور حاصل کرنے کے لئے بابری مسجد والا واقعہ رونما نہ ہونے پاوے، نیز شرعی نقطۂ نظر سے بھی زبردستی لینا جائز نہیں ہے کیونکہ تولیت اور انتظام وانصرام کے لئے اسلام شرط نہیں ہے۔

وأما الإسلام فليس بشرط فلو وقف الذمي على ولده ونسله وجعل آخره للمساكين جاز ويجوز أن يعطى المساكين وأهل الذمة وإن خص في وقفه مساكين أهل الذمة جاز الخ (فتاوی ہندیہ ۲/ ۳۵۲، ردالمحتار ۳/ ۴۲۱، ۴۲۲)

حربي دخل دار الاسلام بامان ووقف جاز من ذلك ما يجوز من الذمي كذا في الحاوی (فتاوی ہندیہ ۲/ ۳۵۳)

وقال العلامة ابن عابدين الشامي في رد المحتار: ويشترط للصحة بلوغه وعقله لاحريته واسلامه كما في الاسعاف (ردالمحتار ۳/ ۴۲۲)

مشعل راہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا:

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے (الفاروق ۲/ ۴۱)

علامہ شبلی نعمانیؒ رقمطراز ہیں: جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی، بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا، اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا، یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا، حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا، خراج کے محکمہ میں جس طرح قدیم سے پارسی، یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے، تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقۂ انتظام میں جہاں جو کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کردی (الفاروق ۲/ ۴۲)

وقال الحسن لا يجوز للذمي وصية إلا الثلث قال ابن عباس أمر النبي ﷺ أن يحكم بينهم بما أنزل الله وقال الله تعالى وان احكم بينهم بما أنزل الله (بخاری ۱/ ۳۸۳)

وقف کافر بحکم وصیت کافر ہے، اور ہدایہ وغیرہ جملہ کتب میں لکھا ہے کہ اگر جہت وصیت عند الکافر قربت ہو تو یہ وصیت جائز ہے، غیر مسلم اگر کار ثواب سمجھ کر وقف کرے تو اس کا وقف صحیح ہے، لہذا اگر غیر مسلم مساجد و دیگر اسلامی رفاہ عام کے لئے زمین وغیرہ وقف کردے تو اس کا وقف صحیح ہے، اسی طرح اس کا متولی و منتظم بننا اور رہنا بلاتردد صحیح و جائز ہے، اس سے خواہ مخواہ تولیت کو اپنے قبضہ میں کرنے کے لئے کوئی فتنہ برپا نہیں کرنا چاہئے۔

مسجد اور وقف کا متولی کیسا ہونا چاہئے؟

ایک استفتاء کے جواب میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری دامت برکاتہم یوں رقمطراز ہیں: کمیٹی کے اکثر

ارکان وممبران غیر دیندار اور احکام وقف سے ناواقف ہوں گے تو احکام وقف کے خلاف فیصلے ہوں گے، اس لئے ایسی کمیٹی سے فقط ایک دیندار احکام وقف سے واقف متولی کا ہونا افضل ہے، کام زیادہ ہو، تنہا انجام دینا دشوار ہو تو متولی اپنا نائب رکھ سکتا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۲/۱۵۷ تا ۱۵۸)

اہل علم وپابند صوم وصلوٰۃ اور پرہیزگار کے ہوتے ہوئے بے علم، بے عمل، فاسق وفاجر، داڑھی منڈائے، تولیت اور اہتمام کے اور دینی سوسائٹی کی قیادت وسیادت کے اہل نہیں ہوسکتے، صحیح حق دار حاملین قرآن وپابند شریعت لوگ ہیں، حضرت امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کی رہنمائی وہی کرسکتا ہے جس کی زندگی پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ ہو۔ اور حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کا فرمان ہے کہ امت کا اتفاق ہے کہ عالم باعمل مسلمان سیادت وقیادت کا اہل ہے، اگر ایسا شخص میسر نہ ہو تو یہ منصب مجبوراً دو شخصوں میں سے ایک کے سپرد کیا جائے گا۔

(۱) عالم فاسق (یعنی عالم بے عمل) کو۔ (۲) جاہل متقی (بے علم باعمل) کو۔ (کتاب السیاسۃ الشرعیۃ ص ۱/۷)

فتاوی ابن تیمیہ میں ہے: ولا یجوز تولیة الفاسق مع إمكان تولية البر۔ یعنی نیک آدمی کے ملنے کا امکان ہو تو فاسق کو سردار بنانا ناجائز ہے (فتاوی ابن تیمیہ ۱/۱۵۰)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة۔ یعنی جب اہم امور نااہل کو سپرد کئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو (بخاری ۱/۱۴)

نااہل متولیان مساجد واوقاف کو برطرف کرنے کا مجاز کس کو ہے؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ سوال نمبر (۷۴۶) کے جواب کے تحت یوں رقمطراز ہیں: اور اگر متولی میں خیانت ثابت ہو خواہ وہ واقف کا مقرر کیا ہوا ہو، یا قاضی کا یا عام مسلمین کا اس کو معزول کردینا واجب ہے اور یہ حق معزول کردینے کا بھی اصل میں قاضی کو ہے۔

في الدر المختار و ينزع وجوبا بزازية(لو) الواقف .درر . فغيره بالأولىٰ (غير مامون) أو عاجزاً أو ظهر به فسق إلخ مختصراً في رد المحتار. مقتضاه اثم القاضى بتركه الخ.

اوپر معلوم ہو چکا کہ عام مسلمین بجائے قاضی کے ہیں اس لئے اگر قاضی نہ ہو تو عام مسلمین کو یہ حق معزول کرنے کا حاصل ہے لیکن اگر عام مسلمین بذات خود اپنے اس اختیار شرعی کو نافذ کرنے پر قانوناً قادر نہ ہوں تو ان پر لازم ہے کہ حکام وقت سے استعانت کریں اور ان سے درخواست کرا کر متولی صالح کو مقرر کرا کر اگر وقف کے انتظام کی اصلاح کریں، پس یہ متولی صالح شرعاً مسلمین کے طرف سے ہوگا اور قانوناً حکام وقف کی طرف سے ہوگا۔

اوقاف اسلامی کو عمداً حکومت کو سپرد کردینا جائز نہیں ہے:

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب نمبر (۱۵۰) کے تحت یوں رقمطراز ہیں: اوقاف

اسلامیہ کو حکومت کے قبضہ میں دے دینا اور متولیوں کے اختیارات حکومت کو تفویض کر دینا شرعاً درست نہیں ہے، متولیوں کی بے اعتدالی کو روکنے کے لئے حساب فہمی تو کی جاسکتی ہے لیکن ان کے شرعی اختیارات جو واقف نے دیئے ہیں سلب نہیں کئے جاسکتے۔
(کفایت المفتی ۷/۱۵۷، معارف القرآن ۴/۳۳۱، بکذانی فتاوی رحیمیہ ۶/۷۴)

زبدۃ الخلاصۃ:

کافر اگر قربت کی نیت سے مسجد تعمیر کرے یا مسجد کے لئے چندہ دے تو جائز ہے، آگے اس میں اختلاف ہے کہ مذہب واقف میں قربت ہونا شرط ہے یا کہ وقف کے خیال و عقیدہ میں قربت ہونا کافی ہے، راجح قول ثانی ہے:

قال فی الهندية واما سببه فطلب الزلفیٰ (الی قوله) واما الاسلام فليس بشرط.

وفی کتاب الوقف من شرح التنوير بدليل صحته من الكافر .

وفی الشامية حتی يصح من الكافر (الی قوله) بخلاف الوقف فانه لا بد فيه من أن يكون فی صورة القربة وهو معنی ما يأتی فی قوله و يشترط أن يكون قربة فی ذاته إذ لو اشترط كونه قربة حقيقة لم يصح من الكافر
(ردالمحتار)

وقف کافر بحکم وصیت کافر ہے اور ہدایہ وغیرہ جملہ کتب میں لکھا ہے کہ اگر جہت وصیت عند الکافر قربت ہو تو یہ وصیت جائز ہے۔

آیت کریمہ " ما كان للمشركين ان يعمروا مساجد الله " سے کفار کی تعمیر مسجد کے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں، آیت کے سیاق و سباق اور شان نزول پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں مسجد حرام کی تعمیر اور سقایت حاج پر افتخار مشرکین کا رد ہے، اس طرح کہ مشرکین میں قبول عمل کی شرط (ایمان) موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کا یہ عمل مقبول نہیں اور عمل غیر مقبول پر فخر کرنا لغو ہے، اس آیت میں جواز و عدم جواز سے کوئی تعرض نہیں، لہذا " للمشركين " میں لام جواز نہیں بلکہ استحقاق و صلاحیت کا ہے، والتفصيل فی بيان القرآن۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض مفسرین کا اس آیت سے عدم جواز ثابت کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ آیت کے سیاق و سباق و شان نزول کے خلاف ہونے کے علاوہ تصریحات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی معارض ہے اور بوقت معارضہ مفسرین کا قول قابل قبول نہ ہوگا " فانه لكل فن رجال "۔

خانہ کعبہ کی تعمیر مشرکین کو برقرار رکھنے سے زیادہ قوی کون سی دلیل جواز پر ہو سکتی ہے؟ " فبأی حديث بعده يومنون "۔

غرضیکہ اگر کافر بنیت ثواب مسجد تعمیر کرے (یا مساجد و مقابر اور مدارس دینیہ وغیرہ پر اپنی اراضی وقف کرے) تو جائز ہے، البتہ اگر اس عمل کی وجہ سے مسلمانوں پر کفار کے افتخار و اظہار منت کا اندیشہ ہو تو ان کے اس عمل کو قبول کرنا جائز نہ ہوگا (احسن الفتاوی ۶/۴۳۹ تا ۴۴۰، فتاوی ہندیہ ۲/۳۵۲، در المختار ور دالمحتار ۳/۳۹۲ تا ۳۹۳)

میری رائے یہ ہے کہ کافر کا وقف کرنا اور اس کا متولی و منتظم رہنا بلا شبہ جائز و درست ہے، اس کی تولیت کی باگ ڈور کو اپنے تصرف و تسلط میں لینے کی سعی کرنا بہتر نہیں ہے اس سے احتراز کرنے کی ضرورت ہے۔

آیت کریمہ مذکورہ بالا سے مولانا مفتی محمد شفیع علیہ الرحمہ اور محمد علی صابونی نے کافر کی تعمیر مسجد اور متولی ہونے کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے جو صحیح نہیں ہے (معارف القرآن ۴/۳۳۰-۳۳۱، روائع البیان ۱/۵۷۳-۵۷۴، بحوالہ احکام القرآن للجصاص ۲/۸۷)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

اوقاف کی تولیت کے لئے مسلم ہونا ضروری نہیں، اس لئے ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر بھی اراضی وقف کی ہیں، ہندو واقف ہونے کے باعث ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم و نسق انجام دیتا ہے، شرعاً اس کی اجازت ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ (۲/۳۱۵) میں اس بارے میں صراحت ہے کہ واقف کے لئے اسلام کے ساتھ متصف ہونا ضروری نہیں تو متولی ہونے کے لئے بدرجہ اولی ضروری نہیں۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

ان ریاستوں میں جہاں ہندو راجاؤں نے اور جاگیرداروں نے مساجد پر زمینوں کو وقف کیا ہے، اور شاید واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم و نسق انجام دیتا ہے تو اس صورت میں شرعی مسئلہ یہ ہے کہ مساجد و مقابر کا غیر مسلم ادارے کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ حکومت سے کوشش کر کے ان اوقاف کو مسلم اوقاف کی تولیت میں شامل کرائے، جہاں تک ان مسجدوں اور مقابر میں نماز اور تدفین کا مسئلہ ہے تو بہر حال یہ جائز اور درست ہے اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے، البتہ غیر مسلم کا متولی رہنا درست نہیں، اس کے لئے سنجیدہ اور مثبت انداز میں کوشش کرتے رہنا چاہئے کہ وہ اوقاف مسلمانوں کی تولیت میں آجائیں۔ فتاوی ہندیہ میں درج ہے:

الصالح للناظر من لم يسأل الولاية للوقف وليس فيه فسق يعرف وفي الاسعاف لا يولي إلا أمين (فتاوی ہندیہ)

ناظر (متولی) کے لئے بہتر شخص وہ ہے جو ولایت کو نہ مانگے اور اسکے اندر معروف فسق ہو، اور اسعاف میں ہے کہ متولی صرف امین ہی بن سکتا ہے۔

خلاصہ بحث:

ہندوستان کی ان ریاستوں میں جہاں اب بھی مساجد و مقابر ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ان ریاستوں میں ہندو آبادی کی اکثریت ہے اور یہ ممکن نہ ہو کہ ان اوقاف کو مسلم اوقاف میں منتقل کیا جاسکے بلکہ اس کا خطرہ ہو کہ الگ کرنے کی صورت میں مسجد اور قبرستان سے بھی ہاتھ دھونا پڑیگا یا حکومت اس پر قبضہ کرلے گی تو اس صورت میں خاکسار کی رائے ہے کہ ہندو متولی جب مسجد کا صحیح نظم و نسق کر رہا ہو تو اس صورت میں مسجد اور قبرستان کو اس کی تولیت میں رہنے دینا چاہئے کیوں کہ خود فقہ کی کتابوں سے یہ بات

معلوم ہوتی ہے کہ متولی کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، البتہ امین ہونا شرط ہے، چنانچہ ہندیہ میں ہے:

ولا تشرط الحرية والإسلام لصحته لما في الاسعاف (ہندیہ ۲/۴۰۸)

متولی کے صحت کے لئے حریت (آزادی) اور اسلام شرط نہیں ہے جیسا کہ اسعاف میں ہے۔

مولانا قمر الزماں ندوی

اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا:

اس سلسلہ میں نفی یا اثبات میں کچھ عرض کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شرائط تولیت پر ایک نظر ڈال لی جائے، دور حاضر کے مشہور عالم دین اور مذاہب اربعہ کے معتمد ناقل ڈاکٹر وہبہ زحیلی (حفظہ اللہ) نے لکھا ہے کہ ناظر و متولی کے لئے کل تین شرطیں ہیں: (۱) عدالت: یعنی دیانتداری کی صفت ناظر و متولی میں پائی جانی چاہئے، یہ جمہور کا قول ہے، حنابلہ عدالت کی شرط نہیں لگاتے ہیں۔ (۲) کفایہ: یعنی قوت کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ ان تصرفات کے انجام دینے پر قادر ہو جن کا انہیں حق ہے، اسی قدرت میں بلوغ اور عقل کی شرط شامل ہے، البتہ مذکر ہونا شرط نہیں بلکہ عورت بھی تولیت کے فرائض انجام دے سکتی ہے۔ (۳) اسلام: یعنی اگر اوقاف مسلمانوں کے ہیں تو ان کا ناظر اور متولی بھی مسلمان ہونا چاہئے یا مسجد جیسی دینی اور مذہبی چیزوں کے لئے مسلمان متولی کا ہونا ضروری ہے، ہاں اگر اوقاف غیر مسلم کے لئے ہیں تب غیر مسلم بھی ان کی تولیت کے فرائض انجام دے سکتے ہیں، یہ مسلک جمہور کا ہے تاہم حنفیہ اس تیسری شرط کے قائل نہیں ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۲۳۲)۔ علامہ شامی بھی حنفیہ کی ترجمانی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ويشترط للصحة بلوغه وعقله لا حريته واسلامه لما في الاسعاف (رد المحتار ۳/ ۳۶۵)

صحت تولیت کے لئے متولی کا بالغ ہونا اور عقل مند ہونا شرط ہے، اس کا آزاد ہونا اور مسلمان ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ اسعاف میں ہے۔

اوپر مذکور تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا جائز ہے، تاہم ہم مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ ایسے اوقاف کو مسلم وقف بورڈ کے تحت لائیں اور اس کوشش میں ہر فرد کو ایک دوسرے کا تعاون کرنا اپنا فریضہ سمجھنا چاہئے۔

مولانا محمد نور القاسمی

مسلم اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا:

اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا متولی غیر مسلم ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً مساجد و مقابر وغیرہ کی دیکھ بھال، اس کا نظم و نسق سنبھالنا غیر مسلم ادارہ، یا ہندو وقف بورڈ انجام دیتا ہے اور اس میں کسی قسم کی خیانت سے اجتناب کرتا ہے تو

اس کی تولیت میں رہنا جائز ہوگا، اس لئے فقہاء نے متولی کے لئے جن شرائط کا ذکر کیا ہے اس میں عقل وشعور، بالغ ہونا، اور نظم وضبط کے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دینے کی صلاحیت (موجود ہو) ہے، آزاد اور مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔

شیخ بدران ابوالعینین بدران نے تولیت وقف کی تین شرائط کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

العقل والبلوغ والقدرة على إدارة الوقف إدارة محققة للغرض المقصود منه، ولايشترط فيه الإسلام ولا الحرية ولا الذكورة ، لأنها من الإدارات المالية(احکام الوصایا والاوقاف/۳۰۷)

عقل وبلوغ اور اس کو یعنی وقف کو کماحقہ چلانے کی شرط لگانے اس کے مقصود اصلی کے حصول کے لئے ہے، اس میں نہ اسلام کی شرط ہے، نہ آزاد ہونے کی، اور نہ مرد ہونے کی، اس لئے کہ وقف مالی اداروں میں سے ایک ادارہ ہے۔

نیز فقہ حنفی کے رمز شناس فقیہ علامہ شامی رقمطراز ہیں:

ويشترط للصحة بلوغه وعقله ، لاحريته وإسلامه (ردالمحتار علی الدر المختار ۳/ ۳۸۵)

اس کے صحیح ہونے کے لئے اس کا بالغ ہونا اور عقل وشعور سے متصف ہونا شرط ہے، آزاد اور اسلام شرط نہیں ہے۔

لیکن دور حاضر میں مسلم اوقاف کا غیر مسلم کی تولیت میں رہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ فقہاء نے بیان کیا ہے کہ خائن شخص اوقاف کا متولی نہیں ہو سکتا ہے اور متولی سے خیانت ظاہر ہو تو اس کو معزول کر دیا جائے گا، آج کل غیر مسلم پر اعتماد کرنا بڑا مشکل ہے، لوگوں سے عدل وانصاف اور ایمانداری کی صفات مفقود ہو چکی ہیں، خصوصاً غیر مسلم، کہ ان کی جانب سے اوقاف میں خیانت کرنے کا قوی خدشہ ہے، لہذا ایسے حالات میں غیر مسلم، مسلم اوقاف کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔

مولانا ابرار خان ندوی

صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ اسکو حرام کہا گیا ہے۔ تقریرات الرافعی علی رد المحتار میں ہے:

ويشترط للصحة بلوغه و عقله لاحريته وإسلامه في منهوات الأنقروية هذا يدل على أن تولية الذمي صحيحة وينبغي أن يخص بوقف الذمي فإن تولية الذمي على المسلمين حرام لا ينبغي اتباع شرط الواقف فيها من خط ابن نجيم (تقریرات الرافعی ۲/ ۸۴)

لہذا ایسے اوقاف کے متعلق مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ وہ غیر مسلم کی تولیت سے نکل کر مسلمانوں کی تولیت میں داخل ہو جائے۔

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

وہ تمام اوقاف جو غیر مسلموں کی تولیت میں ہیں تو شریعت اس سے مانع نہیں ہے، چونکہ فتاوی ہندیہ میں شرائط وقف میں صرف عاقل وبالغ کی قید ہے:

و شرطه لصحته بلوغه و عقله لا حريته وإسلامه.

لہذا غیر مسلموں کی تولیت میں رہنا درست ہے، بیت اللہ اور بیت المقدس اس کی نظیر ہے جب کہ حضور پاک ﷺ نے اس پر کسی طرح کی نکیر نہیں کی تھی۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی

اوقاف کا ہندوؤں کی تولیت میں رہنا:

وہ اوقاف جو اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آئے ہوں اور واقف کے ہندو ہونے کی وجہ سے ہندو ادارے کے ماتحت ہو کر انہیں کے نظم و نسق کے اندر ہوں تو ایسے اوقاف کا ہندو ادارے کی تولیت میں رہنا درست نہیں کیونکہ من جملہ شرائط تولیت میں سے امانت، دیانت اور فسق و فجور سے پاکیزگی بھی ہے۔ اور یہ تمام صفات کافروں میں اعلی طریقے پر موجود نہیں۔

بحر الرائق کے اندر ہے: "وفي الاسعاف لا يولي إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر و ليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود و كذا تولية العاجز لأن المقصود لا يحصل إلا به (بحر ۵/۲۲۶)

مولانا صدر عالم

مساجد پر غیر مسلم کی تولیت:

ہندوستان کی بعض ریاستوں میں راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر بھی اراضی وقف کی ہیں۔ اور واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد اب ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم و نسق انجام دیتا ہے۔ میری ناقص رائے میں مساجد کا غیر مسلم ادارے کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں دو مسئلے ہیں ایک کافر کا مسجد بنانا یا مسجد کے لئے چندہ دینا۔ دوسرے مسجد کا غیر مسلم کے تصرف و تولیت میں باقی رہنا۔

اما سببه فطلب الزلفى... واما الإسلام فليس بشرط (فتاوی ہندیہ ۲/۳۱۷)

وأن يكون قربة في ذاته اى بأن يكون من حيث النظر إلى ذاته وصورته قربة، الى قوله..فأفاد أن هذا شرط لوقف الذمي فقط (کتاب الوقف، رد المحتار ۶/۵۲۴).

ان نصوص فقہیہ کی بنا پر کافر اگر قربت کی نیت سے مسجد تعمیر کرے یا مسجد میں چندہ دے تو جائز ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر میں مشرکین کو برقرار رکھنے سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن جواز کا یہ حکم اسی وقت تک ہے جب تک کہ مساجد پر تصرف و تسلط کا موجب نہ بنے، جیسے ہندو معماروں سے اجرت پر مسجد تعمیر کرانا، باوجودیکہ ہندو معمار حقیقی طور پر تعمیر کا مباشر ہے مگر یہ مباشرت ممنوع نہیں، جائز ہے۔ کیونکہ مزدوری پر کام کرنے سے کوئی شخص تصرف و تولیت کا مستحق نہیں ہوا کرتا۔

اور اگر مسجد کی تعمیر اور اس میں چندہ دینے سے کفار کا تصرف و تسلط ہو رہا ہو تو حرام ہوگا۔ اور اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ یہ تعمیر کفار کے مال سے ہو بلکہ اگر کوئی کافر مسلمانوں سے چندہ جمع کرے اور مسجد کی تعمیر کرے لیکن انتظام و اہتمام میں خود مستقل

ہو کسی مسلمان کو دخل نہ دینے دے تو یہ تعمیر بھی تعمیر ممنوع ہے، باوجودیکہ تعمیر مسلمان کے مال سے ہوئی ہو، کیونکہ اسلام کے مخصوص معابد پر کفار کا تصرف و تسلط ممنوع ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ انکی تولیت و تسلط سے مسلمانوں کی کوتاہی اور قصور ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کافر بحیثیت کافر ہونے کے شعائر اسلام اور خانہ خدا پر تصرف و تسلط کا مستحق نہیں ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ان دونوں مسئلوں پر بحث کرتے ہوئے ایک لطیف استدلال کیا ہے:

آیت کریمہ: "ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله" سے اس تقدیر کے تعمیر سے تعمیر معروف مراد ہو، ثابت ہوتا ہے کہ اس میں حق تعالی نے کفار سے حق تعمیر کی نفی فرمائی ہے اور تعمیر سے بھی تعمیر کا ایک اکثری لازم مراد ہے اور وہ تصرف و تسلط ہے۔

پس آیت شریفہ میں اس تعمیر کے استحقاق کی نفی ہے جو تصرف اور تسلط کو مستلزم ہو۔ اور یہی مطلب ہے کتب تفسیر کی ان عبارتوں کا جن میں کفار کے لئے مساجد کی تعمیر معروف کو ممنوع لکھا ہے (کفایت المفتی ۷/۷۹)

مولانا عطاء الله قاسمی

مساجد کا ہندو اوقاف کی تولیت میں رہنے کا حکم:

جو زمین و جائیداد غیر مسلموں نے مساجد کے لئے وقف کی ہیں وہ زمین مساجد کی ہوں گی اور ان کا وقف کرنا صحیح ہے اور درست ہے، لیکن ان مساجد کا غیر مسلم اوقاف کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اوقاف کی ولایت کا اختیار واقف کو رہتا ہے یا اگر واقف کسی کو وصی بنا دیتا ہے تو پھر ولایت کا حق وصی کو ہوتا ہے اور اگر وصی نہ ہو تو پھر ولایت قاضی کے لئے ہوتی ہے کہ وہ جس کو چاہے متولی مقرر کرے (امداد الفتاوی ۲/۶۱۴)۔

ولاية نصب القيم إلى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضي (التنویر علی الدر ۳/۴۴۸)۔

متولی مقرر کرنے کی ولایت واقف کو ہوتی ہے پھر وصی کو پھر قاضی کو کہ جس کو چاہے متولی مقرر کرے۔

نیز قاضی کے شرائط میں یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو، لہذا غیر مسلم اوقاف مساجد کی تولیت کے مستحق نہیں ہیں، اس بنا پر مسلمانوں کو چاہئے کہ حکومت سے مطالبہ کریں اور ان سے مدد لیں کہ ہماری مساجد غیر مسلم اوقاف کی تولیت سے نکال کر مسلمانوں کو دی جائیں اور مسلمان پھر باہمی رضامندی سے جس کو چاہیں متولی مقرر کردیں یا مسلم اوقاف کے تحت داخل کردیں۔

حاصله أن أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متولياً لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح ولكن الأفضل كونه بإذن القاضي ثم اتفق المتأخرون ان الأفضل أن لا يعلموا القاضي في زماننا لما عرف من طمع القضاة في أموال الأوقاف (شامی ۴/۳۳۲)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اہل مسجد کسی کے متولی بنانے پر مصالح مسجد کی خاطر اتفاق کرلیں تو متقدمین کے نزدیک صحیح ہے لیکن افضل یہ ہے کہ قاضی کی اجازت سے ہونا چاہئے، پھر متاخرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اب افضل یہ ہے کہ قاضی کو نہ بتلائیں اس

لئے کہ ہمارے دور میں قاضیوں کے اندر لالچ ہو گیا ہے جیسا کہ معروف ہے اور خاص طور سے اوقاف کے اموال میں زیادہ لالچ ہے۔

(الحاصل) اس عبارت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مساجد ومقابر وغیرہ اوقاف کا غیر مسلم کی تولیت میں رہنا صحیح نہیں ہے۔

مولانا اسعد الله قاسمی

غیر مسلم کا مسلم اوقاف کا متولی ہونا:

اگر کوئی واقف کسی غیر مسلم کو مسلم اوقاف کا متولی بنادے یا اپنے وقف میں اس کی شرط لگادے تو اس کا غیر مسلم کو متولی بنانا درست نہیں ہوگا اور نہ اس کی شرط کی اتباع کی جائے گی، کیونکہ صاحب تقریر رافعیؒ نے لکھا ہے کہ ذمی اوقاف کا ذمی تو متولی ہو سکتا ہے لیکن مسلم اوقاف کا متولی نہیں ہو سکتا ہے، اس سے ہر شخص بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے، جب ذمی مسلم اوقاف کا متولی نہیں ہو سکتا ہے تو وہ غیر مسلم جو ذمی نہیں مسلم اوقاف کا متولی کیسے ہو سکتا ہے۔

إن تولية الذمى صحيحة ينبغى أن يخص بوقف الذمى فإن تولية الذمى على المسلمين حرام لا ينبغى اتباع شرط الواقف فيها من خط ابن نجيم (تقریر الرافعی مع الشامی ۶/۸۴)

ذمی کا متولی بننا جائز ہے، مناسب ہے کہ اسے ذمی کے وقف کے ساتھ خاص کیا جائے کیونکہ ذمی کا مسلمان پر متولی بننا حرام ہے، مناسب ہے کہ اس میں واقف کے شرط کی اتباع نہ کی جائے۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

ہندوستان میں اوقاف

تعارف و جائزہ

قانون وقف

تاریخ، مقاصد اور اہم نکات کا مختصر جائزہ

محمد عبدالرحیم قریشی

صدر کل ہند مجلس تعمیر ملت،

سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ

اسلامک فقہ اکیڈمی کے اس سمینار میں غور و فکر کا ایک اہم موضوع وقف ہے اور اوقاف سے متعلق کئی سوالات اس سمینار میں زیر غور ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں رائج قانون وقف کا جائزہ لیا جائے۔ اس جائزہ میں اس قانون اور اس قانون کے بارے میں عدالتی نکتہ آفرینیوں کے ایسے پہلو بھی سامنے آئیں گے جن سے ان سوالات پر غور و بحث میں مدد ملے گی جو اس سمینار کے موضوعات میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ وقف سے متعلق اہم مسائل کو سمجھا جاسکے گا۔

قانون وقف کے ارتقاء کی تاریخ:

وقف کا نظریہ کہ کسی مال متعین کو روک کر اس کی منفعت کو خیر کے کاموں میں صرف کیا جائے، یہ اسلام ہی کی دین ہے، اور ایسا کوئی نظریہ یا ادارہ دنیا کے کسی اور قانون میں نہیں پایا جاتا۔ وقف کا مقصد قرب الٰہی کا حصول ہے اور یہ ثواب جاریہ ہے اس لئے مسلم معاشروں میں مال و جائداد کو وقف کرنے کی روایت چلی آرہی ہے۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی آمد کے بعد اوقاف کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا اور لاکھوں لاکھ اوقاف قائم ہوئے جن کی نگرانی حکومت کے مقرر کردہ قاضی کیا کرتے تھے اور ہر مملکت کے اندر واقع اوقاف کی عام نگرانی صدر الصدور کی ذمہ داریوں میں شامل تھی۔ قاضی اور دیگر خدمات شرعیہ پر مامور اصحاب صدر الصدور کے تحت اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور ملک میں افراتفری نے اوقاف کے اس نظام کو متاثر کیا۔ انگریزوں کے قبضہ کے ساتھ ساتھ یہ صورتحال ابتر ہوتی چلی گئی۔

ا۔ انگریز کے غلبہ کے بعد صورت حال:

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ انگریزوں کا دہلی پر مکمل قبضہ ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے شاہ عالم ثانی کے دور حکومت میں

۱۸۰۳ء☆ میں ہو چکا تھا۔ انگریزوں کی مدد سے ہی شاہ عالم ثانی نے دہلی کا تخت حاصل کیا تھا اور اس کے بعد اکبر شاہ ثانی انگریزوں کا صرف وظیفہ خوار تھا۔ ان حالات میں اوقاف کی صورتحال مزید ابتر ہونے لگی، انگریزوں نے بھی اس میں مداخلت سے احتراز کیا۔ لیکن ۱۸۱۰ء میں انگریزوں نے جب اس ابتری کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو اوقاف اور عطیات کے تحفظ کے مقصد سے فورٹ ولیم (کلکتہ) کے ماتحت تمام علاقوں کیلئے ایک قانون وریگولیشن Regulation XIX of 1810 پاس کیا، اس کے ابتدائیہ میں یہ مقاصد بیان کئے گئے۔

"...... کہ انڈومینٹس کو معطی کے حقیقی منشاء اور مرضی کے مطابق استعمال کیا جائے اور ..... عوام کے استعمال اور سہولت کیلئے پلوں، سرایوں، کٹھروں اور دیگر عمارات کی جو حکومت یا افراد کے صرفہ سے تعمیر کئے گئے ہوں، نگہ داشت اور مرمت کی جائے....."

انڈومینٹس کے بارے میں اس ابتدائیہ میں یہ وضاحت کر دی گئی کہ اس سے مراد مساجد، ہندو منادر، تعلیمی اداروں (کالجز) کی مدد اور دیگر مقدس اور منفعت بخش اغراض کے لئے سابقہ حکومتوں یا افراد کی جانب سے دی گئی اراضیات ہیں۔

اس ابتدائیہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ۱۸۱۰ء تک تعلیمی اداروں کی اوقافی جائدادیں بڑی تعداد میں موجود تھیں اور پلوں، سراؤں، کٹھروں وغیرہ کی قابل لحاظ تعداد ایسی تھی جو وقف تھے۔ ۱۸۱۷ء میں ایسا ہی قانون فورٹ سینٹ جارج (مدراس) کے تحت کے علاقوں میں نافذ کیا گیا (ریگولیشن ۷ بابت ۱۸۱۷، مدراس) ان قوانین کے ذریعہ ان تمام اوقاف کی عام نگرانی و نگہداشت بورڈ آف ریونیو اور بورڈ آف کمشنرس کے تحت کر دی گئی۔

۲۔ کمپنی حکومت کی پالیسی:

۱۸۶۳ء میں یہ پالیسی بدل دی گئی اور اس نظریہ کے تحت کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی اداروں کے ساتھ ایک عیسائی حکومت کا تعلق بے قاعدہ اور خلاف مصلحت ہے، برطانوی حکومت ہند نے قانون ACt XX of 1863 کے ذریعہ ۱۸۱۰ء اور ۱۸۱۷ء کے قوانین منسوخ کر دیئے گئے اور ہندو مسلم مذہبی اوقاف کو حکومت کی نگرانی سے خارج کر دیا گیا لیکن حکومت نے ان تمام اوقاف کو اپنے تحت رکھا جن کے مقاصد بالکلیہ مذہبی نوعیت کے نہیں تھے۔ اس قانون کے ذریعہ مذہبی اوقاف اور خیراتی "Cha-ritable" اوقاف کے درمیان فرق پیدا کیا گیا۔ خیراتی اوقاف کو حکومت نے اپنے تحت رکھا، اور مذہبی اوقاف کو مکمل طور پر متولیوں

☆ انگریزوں کے دہلی پر ۱۸۰۳ء سے پہلے مکمل قبضہ کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ۳۰ رجون ۱۸۰۷ء کو ایک درخواست دہلی کے انگریز ریذیڈینٹ کے توسط سے سکریٹری پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کو دی تھی کہ دہلی میں ان کی جائداد ضبط ہو چکی ہے وہ واگذاشت کی جائے۔ ۱۰ رجولائی ۱۸۰۷ء کو سکریٹری پولیٹکل ڈپارٹمنٹ نے ریذیڈینٹ کو جائزہ واگذاشت کرنے کی درخواست کی منظوری کی اطلاع دی اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو دہلی میں دوبارہ رہنے کی اجازت مل گئی۔

کے حوالے کرنے کے لئے شرط یہ قرار دی گئی کہ یہ وقف صرف مذہبی اغراض کے لئے قائم کیا گیا ہو۔ یہ قانون اوقاف کی بڑی تباہی کا باعث بنا۔ سرکاری نگرانی کے اٹھ جانے سے متولیوں نے من مانی شروع کر دی اور اوقاف کو اپنی ذاتی جائداد کی طرح بیچنا اور منتقل کرنا شروع کر دیا، اور انگریزوں نے ان اوقاف کو جو تعلیمی اغراض کے لئے قائم کیے گئے تھے اور ملک کے گوشے گوشے بلکہ تقریباً ہر بڑے شہر میں پائے جاتے تھے، اپنے تحت لے کر ایک پالیسی کے تحت ان کو ختم اور ہڑپ کرنا شروع کیا جس سے مسلمانوں کی تعلیم کا اس وقت کا نظام ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا اور جس ملت میں تعلیم وخواندگی، مرد و خواتین میں عام تھی، اس میں ناخواندگی بڑھتی گئی، اور یہی کیفیت پیدا کرنا انگریزوں کی پالیسی تھی۔ ۱۸۹۰ء میں خیراتی اوقاف کے لئے خیراتی اوقاف قانون Charitable Endowment Act 1890 پاس کیا گیا لیکن اس وقت تک کئی اوقاف ختم ہو چکے تھے۔ ان کی وقف کی حیثیت ختم کر دینے سے خیراتی اوقاف ٹرسٹ بن گئے اور ختم ہوتے گئے، کیونکہ ٹرسٹ میں دوامی برقراری کا کوئی تصور نہیں ہے۔

۳۔ وقف علی الاولاد:

قانون اسلامی کے تحت ایک شخص اپنی جائداد و مال کو نسل بعد نسلاً اپنی اولاد کی منفعت کے لئے وقف کر سکتا ہے کیونکہ اہل خانہ اور اولاد کی کفالت اور پرورش بھی کار خیر اور کار ثواب ہے، لیکن اولاد کی کفالت اور پرورش کو دیگر قوانین اور بالخصوص برطانوی قانون میں کار خیر (Charity) نہیں گردانا جاتا۔ برطانوی حکومت ہند میں عدالتیں چونکہ برطانوی قانون کے نظریات اور اصولوں کی پیروی کرتی تھیں اس لئے وقف علی الاولاد کا مسئلہ ایک قانونی نزاع بن گیا اور ۱۸۹۴ء میں ابوالفتح محمد اسحٰق بنام رساموئے دھر چودھری کیس میں پریوی کونسل نے وقف علی الاولاد کو وقف تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس فیصلہ کے خلاف مسلمانوں میں ناراضگی پیدا ہوئی۔ ملکہ وکٹوریہ اور وائسرائے کے نام مسلسل اور متعدد نمائندگیوں کے بعد پریوی کونسل کے اس فیصلہ کو زائل کرنے کے لئے "مسلمان وقف جواز قانونی" قانون The Musalman Wakf Validating Act of 1913 پاس کیا گیا جس کے ذریعہ وقف علی الاولاد کو وقف کی حیثیت میں تسلیم کیا گیا اور اس قانون کو استقدامی اثر (Retrospective Effect) دیا گیا۔

۴۔ قوانین اوقاف قبل آزادیٔ ملک:

۱۹۲۰ء میں خیراتی اور مذہبی ٹرسٹوں کے لئے ایک قانون The Charitable & Religious Trust Act پاس کیا گیا، لیکن اس کے ذریعہ اوقاف کے انتظام و نگرانی کا کوئی نظم قائم نہیں کیا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں مسلمان وقف ایکٹ پاس کیا گیا جس کے ذریعہ متولیوں کو پابند کیا گیا کہ وہ ڈسٹرکٹ جج کو سالانہ آمدنی واخراجات کی تفصیلات پیش کیا کریں۔ ان عدالتوں کو حسابات کی تنقیح کے اختیارات بھی دیئے گئے، ملک میں مرکزی اور صوبائی سطح کے کئی قوانین بنائے گئے۔ دیسی ریاستوں میں مختلف قوانین رائج رہے، ان میں قابل ذکر یہ ہیں:

بنگال واڑیسہ مسلمان وقف ایکٹ	(۱۹۲۶ء)
بنگال وقف ایکٹ	(۱۹۳۴ء)

بمبئی مسلمان وقف ایکٹ (۱۹۳۵ء)

یوپی مسلم وقف ایکٹ (۱۹۳۶ء)

دہلی مسلم وقف ایکٹ (۱۹۴۳ء)

بمبئی مسلمان وقفس (ترمیمی) ایکٹ (۱۹۴۵ء)

بہار وقف ایکٹ (۱۹۴۷ء)

ملک کی سب سے بڑی دیسی ریاست مملکت آصفیہ نظام حیدر آباد میں ۱۳۴۹ء فصلی کے دستور العمل کے تحت حکومت نے ہندو مسلم اوقاف کے انتظام و نگہداشت کو اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ اس کے لئے محکمہ امور مذہبی قائم تھا اور جس طرح اس ریاست میں مذہبی و خیراتی اوقاف کا انتظام اور ان کی نگہداشت ہوتی رہی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے، یہ قانون ریاست حیدر آباد میں جنوری ۱۹۵۵ء تک نافذ العمل رہا۔

۵۔ آزادئ ملک کے بعد قوانین وقف:

ملک کی آزادی کے بعد ۱۹۵۳ء میں اوقاف کے تحفظ اور ان کی نگہداشت و نگرانی کے لئے پارلیمنٹ میں مشہور مسودہ قانون "کاظمی بل" پیش ہوا۔ اس بل پر عوامی رائے جاننے کے لئے ایک سلیکٹ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں قانون وقف بابت ۱۹۵۴ء کی پارلیمنٹ نے تدوین کی۔ اس قانون کی بعض دفعات اور بعض فقروں کی عدالتوں کی جانب سے قانون کے منشاء کے خلاف تشریحات اور فیصلوں کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ترمیمات کا مطالبہ ہوتا رہا ہے، اور چند مطالبات کو قبول کرتے ہوئے ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۹ء میں ترمیمات کی گئیں لیکن اس قانون پر اعتراضات ہوتے رہے، اور اس قانون کے تحت قائم وقف بورڈس، اوقاف کے تحفظ و نگہداشت میں ناکام رہے۔ ۱۹۵۴ء کے مرکزی قانون کے باوجود مغربی بنگال میں بنگال وقف ایکٹ بابت ۱۹۳۴ء، یوپی میں یوپی مسلم وقفس ایکٹ بابت ۱۹۳۶ء اور اس کے بعد یوپی مسلم وقفس ایکٹ ۱۹۶۰ء نافذ العمل رہے۔ گجرات میں کچھ کے علاقہ میں اور مہاراشٹرا میں مرہٹواڑہ کے علاقہ میں قانون بابت ۱۹۵۴ء نافذ کیا گیا۔ ان دونوں ریاستوں کے ماقی علاقوں میں بمبئی پبلک ٹرسٹ ایکٹ بابت ۱۹۵۰ء کا نفاذ کیا جاتا رہا ہے۔

اوقاف کے تحفظ میں ان قوانین کے تحت قائم بورڈس اور عہدہ داروں کی ناکامی پر مسلسل توجہ دلانے کے بعد مرکزی حکومت نے ۱۹۷۰ء میں وزارت قانون، انصاف و کمپنی امور کے تحت وقف انکوائری کمیٹی قائم کی۔ جس نے ۱۹۷۳ء میں ایک عارضی رپورٹ اور ۱۹۷۶ء میں آخری رپورٹ ایک نئے قانون کے مسودہ کے ساتھ پیش کی۔ ان رپورٹس اور سفارشی مسودہ کے جائزے کے لئے مختلف کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ بالآخر ۱۹۹۴ء میں ایک نئے قانون کا بل پارلیمنٹ میں پیش اور منظور ہوا۔ اس پر صدر جمہوریہ نے بھی دستخط کر دیئے لیکن کئی گوشوں سے اس کی مخالفت ہوئی۔ چنانچہ حکومت ہند نے اس قانون کے نفاذ کو روکنے کا اعلان کیا۔ بعد میں اس قانون کے صرف دو دفعات کو نافذ کیا گیا جن میں سے ایک تخلیہ کنندگان کے چھوڑے ہوئے اوقاف کو وقف بورڈ کے تحت کرنے سے متعلق ہے، اور دوسری دفعہ کے ذریعہ قبضہ مخالفانہ کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی معیاد بڑھا کر (۳۰) سال کر دیا گیا۔

۶۔ قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء:

ایک نئے قانون وقف کے لئے مسلسل مطالبہ ہوتا رہا چنانچہ ۱۹۹۳ء میں حکومت نے پارلیمنٹ میں ایک مسودہ قانون پیش کیا اور جو بالآخر قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء کی شکل میں منظور ہوا اور اس کو سارے ملک میں نافذ العمل قرار دیا گیا۔ حکومت ہند نے ۲۷ر دسمبر ۱۹۹۵ء کو بجز جموں و کشمیر سارے ملک میں یکم جنوری ۱۹۹۶ء سے اس قانون کے نفاذ کا اعلان کیا۔ البتہ اس قانون کا اطلاق درگاہ حضرت خواجہ صاحب اجمیر پر نہیں ہوگا جس کے لئے علیحدہ ۱۹۵۵ء کا قانون موجود ہے۔

قانون بابت ۱۹۹۵ء کے اہم نکات:

☆اس قانون کے ذریعہ تمام ریاستوں میں اوقاف پر یکساں قوانین کا نفاذ ہوگا اور پچھلی صورت حال جو بعض ریاستوں میں الگ قوانین اور بعض ریاستوں کے دو مختلف حصوں میں دو قوانین نافذ تھے ختم ہو جائے گی۔

☆اس قانون میں بھی کئی نقائص ہیں، جن کے تعلق سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے اجلاس اور کمیٹیوں میں غور کیا، اور ترمیمات کے لئے حکومت سے نمائندگی کی ہے، سطور ذیل میں ان ہی نکات کا ذکر ہے جو اس سیمینار کے موضوع سے متعلق ہیں۔

ا۔ ٹرسٹ اور وقف: جس کے مستفید لہ میں غیر مسلم بھی شامل ہوں کیا اس کو وقف قرار دیا جاسکتا ہے؟

سپریم کورٹ نے کیس نواب زین یار جنگ بنام ڈائرکٹر آف انڈومنٹ (آندھرا پردیش) و دیگر (AIR 1963 SC. 985) میں اس سوال پر غور کیا کہ آیا نظام کی جانب سے قائم کردہ چیریٹیبل ٹرسٹ وقف ہے جس پر قانون وقف کا اطلاق کیا جاسکے یا اس قانون کے حیطہ اختیار سے باہر ایک عوامی خیراتی ٹرسٹ ہے۔ جسٹس گجیندر گڈکر نے پانچ ججوں کے اجلاس کی جانب سے یہ فیصلہ سنایا کہ:

(الف) ٹرسٹ، وقف سے بالکل مختلف ہے۔ ٹرسٹ میں ٹرسٹ قائم کرنے والا، ٹرسٹ جائداد ٹرسٹیوں کو منتقل کرتا ہے جب کہ وقف میں موقوفہ شئے اللہ تعالی کی ملک میں دی جاتی ہے اور واقف کا حق ملکیت ختم ہو جاتا ہے۔

(ب) وقف کے مستفید لہ (Beneficiaries) افراد کے علاوہ اغراض بھی ہو سکتے ہیں، یہ اغراض قانون وقف ۱۹۵۴ء کی رو سے مسلم فرقہ کے فائدے سے متعلق ہونا چاہئے۔ نظامس چیریٹیبل ٹرسٹ عوام کو بلا لحاظ مذہب و ذات و عقیدہ فائدہ پہنچانے کے لئے قائم کیا گیا اس لئے یہ ٹرسٹ وقف نہیں ہے۔

اس فیصلہ کے اثر کو زائل کرنے کے لئے قانون میں لفظ مستفید لہ کی تعریف میں تبدیلی کر کے الفاظ "مسلم فرقہ کے فائدے کے لئے" کے بجائے "مسلم لا میں تسلیم شدہ" کے الفاظ داخل کرنے کی تجویز رکھی گئی، اور یہ ترمیم ۱۹۶۴ء کے ترمیمی قانون کے ذریعہ کی گئی۔ لیکن اہم مسئلہ یہ تھا کہ مذہبی اور خیراتی اغراض کے لئے مسلمانوں کی جانب سے قائم ٹرسٹ کو بھی وقف کی تعریف میں شامل کیا جائے۔ چنانچہ یہ تجویز رکھی گئی اور وقف انکوائری کمیٹی نے یہ سفارش کی کہ متولی کی تعریف میں ٹرسٹ اور سوسائٹی کو

شامل کیا جائے۔ مسلسل کوشش اور کئی کمیٹیوں کی سفارش کے باوجود حکومت نے اسکو قبول نہیں کیا ہے اور ایسے ٹرسٹ اب بھی نئے قانون وقف کے دائرہ سے باہر ہیں۔

۲۔ فہرست اوقاف کی قبضہ مخالفانہ کے خلاف قطعیت:

قانون وقف کی رو سے ریاستی حکومت سروے کمشنر کا تقرر کرتی ہے، اور سروے کمشنر قانون وقف کے آغاز نفاذ کی تاریخ پر ریاست میں موجود اوقاف کا سروے کرتا ہے (دفعہ ۴)۔ سروے کمشنر کی رپورٹ وصول ہونے پر حکومت یہ رپورٹ وقف بورڈ کو روانہ کرتی ہے اور وقف بورڈ جانچ کے بعد اس کو سرکاری گزٹ میں شائع کرواتا ہے (دفعہ ۵)۔ سرکاری گزٹ میں اشاعت کے ایک سال بعد فہرست میں شامل کسی جائداد وقف ہونے کے سوال پر وقف بورڈ یا متولی یا اس میں مفاد رکھنے والے شخص کا کوئی مقدمہ ٹربونل میں سماعت کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا۔

(الف) گذشتہ سال کرناٹک ہائی کورٹ نے کرناٹک وقف بورڈ بنام ریاست کرناٹک کیس (AIR1996. Kantk.55) میں یہ فیصلہ دیا کہ ایک سال کے اندر فہرست اوقاف میں اندراج کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی تحدید کا اطلاق حکومت پر نہیں ہوتا اور حکومت بحیثیت مدعی اس تحدید کی پابند نہیں ہے۔ اس فیصلہ نے بڑے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ ملک کے اکثر علاقوں میں، ان علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی دیسی ریاستیں تھیں اور بالخصوص آندھرا پردیش کے علاقہ تلنگانہ، مہاراشٹرا کے علاقہ مرہٹواڑہ اور کے علاقہ حیدر آباد کرناٹک میں قبرستانوں اور عید گاہوں کی زمینوں کو ریونیو ریکارڈس میں سرکاری ملک بتایا گیا ہے، اور ایسے اکثر علاقوں میں اوقاف کا سروے ہو چکا ہے اور فہرستیں سرکاری گزیٹوں میں شائع ہو چکی ہیں اور کئی مرتبہ نمائندگیوں کے باوجود ریونیو ریکارڈس میں گزٹ کے مطابق اندراجات نہیں کئے گئے۔ اس صورت حال کا استحصال کرتے ہوئے بعض بددیانت اور فرقہ پرست عہدہ داروں نے وقف کی ایسی اراضیات کو بے زمین و بے مکان غریبوں کی بہبودی کی اسکیمات کے تحت دلتوں اور دیگر پس ماندہ طبقات میں تقسیم کر دیا۔ موجودہ دور کی زمینیں ہڑپ کرنے کے حرص کے مارے اور مسلمانوں سے عناد رکھنے والے بھی ایسے بددیانت عہدہ داروں کی ملی بھگت سے ایسی جائدادوں کو حاصل کر رہے ہیں۔ آندھرا پردیش اسمبلی میں اوقاف کے اطلاق پر تیز و تند بحث کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے جنوری ۱۹۹۷ء میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ اس میں ضلع حیدر آباد کے ایک سابق کلکٹر و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے بارے میں باوثوق حوالوں سے بتایا گیا کہ اس نے قبرستانوں کی زمینوں پر عمداً دلتوں کو بسایا۔ اس لئے ریاستی حکومتوں سے یہ مطالبہ کیا جانا چاہئے کہ اراضی اور جائدادوں سے متعلق وہ اپنے تمام ریکارڈس کو گزٹ شدہ فہرست ہائے اوقاف کے مطابق بنائے، اور مرکزی حکومت سے ایسی ترمیم کا مطالبہ کرنا چاہئے کہ کرناٹک ہائیکورٹ کے اس فیصلہ کا اثر زائل ہو اور تحدید کا اطلاق حکومتوں پر بھی ہو۔

(ب) فہرست وقف میں شامل کسی جائداد کے، اس کے وقف ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں نزاع ہو تو اس تعلق سے عذر داری کا حق وقف بورڈ یا متولی یا اس میں مفاد رکھنے والے ہر شخص کو حاصل ہے۔ یہی بات ۱۹۵۴ء کے قانون میں بھی تھی۔

تعریفات کی دفعہ میں "وقف میں مفادر کھنے والے شخص" کی تعریف موجود ہے۔

راجستھان ہائیکورٹ نے رادھا کرشنن بنام راجستھان وقف بورڈ کیس میں (AIR 1967 RAJ.) یہ فیصلہ دیا کہ سروے کمشنر کے فرائض تاریخ آغاز قانون نیز 'موجود اوقاف' تک محدود ہیں۔ اس لئے یہ سوال کہ ایک جائیداد وقف ہے یا نہیں کمشنر طے نہیں کر سکتا۔ اس فیصلہ کے خلاف مرافعہ میں سپریم کورٹ نے (AIR 1979 Sc. 289) فیصلہ کے اس حصہ کو رد کر دیا کہ جب کمشنر کو سروے کرنے کا اختیار حاصل ہے تو اس میں یہ بات مخفی ہے کہ ان اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے وہ اس کی چھان بین کرے گا کہ آیا ایک وقف موجود ہے، ہائیکورٹ نے صاف طور پر غلطی کی ہے۔ راجستھان ہائیکورٹ نے یہ فیصلہ بھی دیا تھا کہ فہرست وقف صرف ان کے خلاف قطعیت پاتی ہے جنہیں عذرداری کا حق ہے یعنی 'وقف بورڈ یا متولی یا اس میں مفادر کھنے والے شخص' کے خلاف یہ فہرست قطعی قرار پائے گی، اور اجنبی پر یعنی جس کو قبضہ مخالفانہ حاصل ہے اور جو اس کو وقف ہی نہیں مانتا، اس پر اس تحدید کا اطلاق نہیں ہوگا۔ مرافعہ میں سپریم کورٹ نے فیصلہ کے اس جز کی توثیق کر دی۔

اس فیصلہ کے اطلاق کو بے اثر کرنے کیلئے ۱۹۸۴ء کے قانون کے ذریعہ وضاحت کا اضافہ کیا گیا کہ الفاظ "اس میں مفادر کھنے والے ہر شخص" میں ہر وہ شخص شامل ہے جو متعلقہ وقف میں مفاد نہ رکھتا ہو، لیکن ایسی جائداد میں مفاد رکھتا ہو اور جس کو سروے میں انکوائری کے دوران نوٹس کی تعمیل کے ذریعہ اپنے کیس کی نمائندگی کا معقول موقع دیا گیا ہو۔ یہ وضاحت ۱۹۹۵ء کے نئے قانون میں بھی موجود ہے، اس کے باوجود مخالف قابضین کے تعلق سے اس قانون میں تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے دو ترمیمات کی تجویز پیش کی گئی تھی کہ تعریفات کی دفعہ میں 'وقف میں مفادر کھنے والے شخص' کی تعریف میں ان اشخاص کو جو قانون وقف کے تحت وقف بورڈ یا اس کی جانب سے مجاز کردہ کسی افسر کے جاری کردہ نوٹیفکیشن یا حکم سے شاکی یا متاثر ہوں، اور ایسے اشخاص کو جو جائداد وقف ہیں حقیت مِلک یا کسی حق کا ادعاء رکھتے ہوں شامل کیا جائے۔ اس ترمیم کے علاوہ سروے کمشنر کے فرائض کی دفعہ ۴ ذیلی دفعہ ۳ میں انکوائری میں کسی جائداد کے وقف ہونے یا نہ ہونے کی انکوائری کو اس شرط کے ساتھ شامل کیا جائے کہ اس سے متاثر ہونے والے تمام فریقین کو ان کے عذرات کی سماعت کا معقول موقع دیا جائے گا۔ یہ ترمیمات قانون میں موجود ابہام کو دور کریں گی۔

۳۔ غیر مسلم اشخاص کے قائم کردہ اوقاف:

ہندوستان کے طول و عرض میں ایسے اوقاف بڑی تعداد میں موجود ہیں جن کو غیر مسلم اصحاب نے قائم کیا، جب کہ مسلم فرمانرواؤں نے غیر مسلم رعایا کیلئے منادر، گرودوارے، گرجا گھروں کی تعمیر میں مدد دی اور ان کو رقمیں اور اراضی کے عطیات و جاگیریں دیں۔ اسی طرح ہندو راجا، والیان ریاست، جاگیر داروں اور بڑے زمینداروں نے اپنی رعایا کے لئے مسجدیں، عاشور خانے اور عیدگاہیں بنوائیں اور زندہ و گذرے ہوئے بزرگان کے لئے خانقاہیں بنوائیں اور ان کے مزارات و مقبرے اور ان کے اطراف زائرین کی سہولتوں کے لئے عمارتیں تعمیر کروائیں اور ان کو وقف کیا۔ اسی طرح دیگر مخیر غیر مسلموں نے بھی اس نوعیت کے کام کئے۔ یہ ان کاموں کو اپنے اعتقاد کے لحاظ سے بھی نیکی اور پُن کا کام جانتے تھے، ان اوقاف میں مذہبی فرائض یا متعلقہ رسومات کی انجام دہی کے لئے

مشروط الخدمت معاشیں بھی دیں اور اکثر یہ معاشیں اراضی کی صورت میں دی گئی تھیں۔

قانون وقف ۱۹۵۴ء کی رو سے اسلام کو ماننے والے اشخاص یعنی مسلمانوں کے قائم کیے ہوئے اوقاف ہی وقف متصور ہوں گے (دفعہ ۳ تعریفات شق 'ایل')۔ اس تعریف کی رو سے غیر مسلم اشخاص کے قائم کردہ اوقاف قانونی اعتبار سے اوقاف نہیں ہیں۔ ۱۹۸۴ء کے ترمیمی قانون کے ذریعہ 'اسلام کو ماننے والے شخص' کے الفاظ کے بعد 'یا کسی اور شخص' کے الفاظ کا اضافہ کیا گیا جس سے وقف کی تعریف میں وسعت پیدا ہو گئی، البتہ یہ شرط لگائی گئی کہ اگر وقف کرنے والے غیر مسلم کی وفات کے بعد، اس کے قانونی نمائندگان میں سے ایک یا زیادہ اس وقف کے قیام پر اعتراض کریں تو یہ وقف کالعدم ہو گا۔ اس وقت ایسے اوقاف کی بڑی تعداد ایسی ہے جن پر اس شرط کا اطلاق ہی نہیں ہوتا کیونکہ ان کے واقفین کو فوت ہوئے عرصہ گذر چکا ہے۔ ۱۹۸۴ء کی یہ ترمیم بہت موزوں اور مناسب تھی۔ لیکن اس کو نافذ نہیں کیا گیا اور ۱۹۹۵ء کے نئے قانون میں اس کو شامل بھی نہیں کیا گیا، چنانچہ ۱۹۵۴ء کے قانون والی صورتحال ہی برقرار ہے۔

ایک خیال یہ ہے کہ 'اسلام کو ماننے والے' کی شرط لگائی نہ گئی تو دوسرے فرقوں کے تمام خیراتی اور کئی مقدس انڈومینٹس قانون وقف کے تحت آجائیں گے کیونکہ ایسے خیراتی اور مقدس مقاصد کو مسلم لا میں بھی کار خیر اور کار ثواب گردانا جاتا ہے اور ان کو قانون وقف کے تحت لانا اس قانون سازی کا منشا نہیں ہے، لیکن یہ خیال زیادہ قابل اعتناء نہیں ہے کیونکہ جہاں تک دوسرے فرقوں کے 'مقدس' اغراض کا سوال ہے ان کو اسلامی قانون میں قطعاً 'مقدس' نہیں سمجھا جاتا۔ جہاں تک خیراتی مقاصد کا تعلق ہے اگر وہ مسلمانوں یا اوقاف سے وابستہ نہ ہوں تو ان کو موزوں الفاظ کے ذریعہ قانون وقف کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا جاسکتا ہے۔ بہر حال غیر مسلم اشخاص کے قائم کردہ اوقاف کو قانون وقف کے تحت لانے کے لئے ترمیم ضروری ہے۔

۱۹۶۴ء میں قانون وقف ۱۹۵۴ء میں جو ترمیمات کی گئیں ان میں ایک نئی دفعہ ۶۶ (ج) کا اضافہ ہے جس کے ذریعہ قانون یہ بنایا گیا کہ "اسلام کو نہ ماننے والے کسی شخص" نے اگر ایک وقف کی مدد کے لئے کسی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کا عطیہ دیا ہو تو یہ عطیہ اس وقف کا جز متصور ہو گا۔ یہ وقف (الف) مسجد، عید گاہ، امام باڑہ، درگاہ، خانقاہ یا مقبرہ یا (ب) مسلم قبرستان یا (ج) سرائے یا مسافر خانہ ہونا چاہئے۔ ۱۹۶۴ء میں داخل کی گئی دفعہ ۶۶ (ج) اب نئے قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء میں دفعہ ۱۰۴ ہے، اس دفعہ کی رو سے کوئی غیر مسلم کوئی مسلم وقف قائم نہیں کر سکتا، اور اگر وہ کرے تو اس پر قانون وقف کا اطلاق نہیں ہو گا۔ البتہ کسی مسجد، عید گاہ، امام باڑے، درگاہ، مقبرے، قبرستان، سرائے یا مسافر خانہ کی مدد و سہارے کیلئے قابل انتقال یا نا قابل انتقال جائداد کا عطیہ دے سکتا ہے جس پر قانون وقف کا اطلاق ہو گا۔

اس تعلق سے وقف انکوائری کمیٹی کی آخری رپورٹ میں کئے گئے اس تبصرے کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ:

> "جب کہ غیر مسلم کی جانب سے اس دفعہ کی فہرست میں درج وقف کی مدد کے مقصد سے عطیہ میں دی گئی قابل انتقال یا نا قابل انتقال جائداد، جائداد وقف متصور ہو گی، ایک غیر مسلم کی طرف سے عطا کردہ یا مختص کردہ وقف، وقف متصور نہیں۔ صاف طور پر

قانون کا یہ بھونڈا نظریہ ہے۔۔۔۔۔۔یہ ہماری تاریخ کی منفرد خصوصیت ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے منادر، آشرم، گوشالے اور گرودوارے بنائے یا ان کے لئے نگہداشت کی جاگیریں عطا کیں، اور ہندو اور سکھ حکمرانوں نے نہ صرف مساجد، درگاہوں، امام باڑوں وغیرہ کی مدد کے لئے زمین اور جائدادیں عطا کیں بلکہ درحقیقت اس طرح کی مقدس جائدادیں عطا کیں اور ان کی تعمیر کروائی"۔

اس لئے ان کو وقف کی تعریف میں شامل کرنے کی تجویز مسلم پرسنل لا بورڈ نے پیش کی تھی۔ اس کے لئے نمائندگیوں کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔

۴۔ وقف تعامل: Waqf By User

ایسے اوقاف کو جن کے وقف کئے جانے کا کوئی ثبوت موجود نہ ہو لیکن جن کا استعمال وقف کی حیثیت میں کیا جاتا رہا ہو ان کو قانوناً وقف کی تعریف میں شامل کیا گیا ہے۔ قانون کا تحفظ ایسی جائدادوں کو حاصل ہے۔ ملک میں موجود اوقاف کی ایک بڑی بھاری تعداد اس نوعیت کے اوقاف پر مشتمل ہے۔ جگہ جگہ موجود مساجد، قبرستانوں، مقبروں وغیرہ کے وقف کئے جانے کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا، لیکن ان کا سابقہ یا موجودہ استعمال ہی ان کی نوعیت وقف کو ظاہر کرتا ہے، اس لئے ۱۹۵۴ء کے قانون میں وقف تعامل یا وقف بالاستعمال کو وقف کی تعریف میں شامل کیا گیا۔ مساجد، مقبرے، خانقاہیں، امام باڑے جیسے اوقاف تو اپنی عمارت یا اس کے باقیات و آثار ہی سے ظاہر ہو جاتے ہیں کہ یہ اوقاف ہیں۔ لیکن ان قبرستانوں کی صورت حال جو مدت سے ممنوع التدفین ہوں یا کسی وجہ سے جن کا استعمال نہ ہو رہا ہو اور مرور زمانہ کی وجہ سے قبروں کے نشان زیادہ نمایاں نہ ہوں، مختلف ہے۔ قبرستانوں کے وقف تعامل پر اہم فیصلہ پریوی کونسل کا بلھ داس بنام نور محمد (AIR 1936 LUCK.85) کیس میں ہے کہ دستاویزی ثبوت کے طور پر خسرہ (KHASRA) میں اس زمین کا بحیثیت قبرستان اندراج کافی ہے، اور خسرہ یا ریونیو ریکارڈ میں ایسے اندراج کی عدم موجودگی میں اس زمین کے بطور قبرستان استعمال کے بارے میں تدفین کے کئی واقعات کی شہادت ضروری ہوگی اور اس سے یہ ثابت ہوگا کہ یہ زمین قبرستان ہے۔ تاہم اس فیصلہ میں یہ بھی کہا گیا کہ کسی زمین میں ایک فرد کی تدفین اس کو فوری اور لازمی طور پر قبرستان نہیں بنا دیتی۔ پنجاب ہائیکورٹ نے کیس پنجاب وقف بورڈ بنام پنچایت گڑھی برہمن (AIR 1971 PUNJ. 482) میں یہ فیصلہ دیا کہ ایسا وقف تعامل، جس کا ایک عرصہ سے اس حیثیت میں استعمال ترک کر دیا گیا ہو وقف باقی نہیں رہے گا۔

اس کیس میں دستاویزی اور زبانی شہادتیں موجود تھیں کہ زیر نزاع زمین قدیم قبرستان تھی۔ لیکن اس فیصلہ میں ایک ایسا نکتہ پیدا کیا گیا جس کا کوئی جواز قانون شریعت میں نہیں ہے اور جس کو اس سے پہلے کسی عدالت نے قابل اعتناء نہیں سمجھا کہ اگر تعامل ترک ہو جائے تو نوعیت وقف بھی ختم ہو جائے گی۔ چونکہ اس سمینار میں ہریانہ اور مغربی یوپی کے اوقاف کا مسئلہ زیر غور ہے اس لئے اس فیصلے کے بعض حصوں کو نقل کرنا مناسب ہوگا۔

فیصلہ میں کہا گیا ہے کہ:

"اکثر پیش کردہ نظائر...... تقسیم ملک کے پہلے برسوں کے ہیں یا ان دور دراز کی ریاستوں کے ہیں جو ۱۹۴۷ء کی ملک کی تقسیم میں اس طرح راست متاثر نہیں ہوئیں جس طرح کہ ملک کا یہ حصہ متاثر ہوا ہے۔ ملک کی تقسیم سے پیدا شدہ حالات کی پیش بینی یا پیش قیاسی وہ عدالتیں نہیں کر سکتی تھیں جنہوں نے یہ فیصلے دیئے جن کا حوالہ (بطور نظیر) دیا گیا ہے۔ ان نظائر میں ظاہر کئے گئے کسی خیال کا مقصد زیر تصفیہ مقدمہ کو طے کرتا تھا اور اس اظہار خیال کو اس کے اپنے پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔ عدالتیں ان غیر معمولی اور غیر متوقع حالات یا قانون و نظم کی صورت حال کی ابتری کا اندازہ نہیں لگا سکتی تھیں جو ملک کی تقسیم کے بعد پیدا ہوئی...... یہ صحیح ہے کہ چند میتوں کی تدفین ایک قطعہ زمین کو قابل احترام بنا دیتی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ اس نقطہ نظر کے اختیار کرنے میں اس حقیقت پر غور نہیں کیا گیا کہ اس زمین پر تعمیرات کھڑی ہو چکی ہیں۔ اس فیصلہ میں تعامل کے بارے میں یہ نقطہ نظر اختیار کیا کہ...... جب ایک فریق تعامل پر اس جائداد کے وقف ہونے کی شہادت کے طور پر اعتبار کر رہا ہے تو ہم کو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ یہ تعامل ایک خاص وقت سے ترک ہو گیا تھا"۔

اس فیصلہ میں یہ بھی کہا گیا کہ:

...... اگر زمین برسوں کے عرصہ پر پھیلے ہوئے تعامل سے ایک کردار اختیار کر لیتی ہے تو ایک خاص وقت پر اس تعامل کا ترک ایک وقت کی حیثیت میں اس زمین کے حرمت والے کردار کا ازالہ کر سکتا ہے جس سے گرام پنچایت کو دیہات کے موجودہ باشندگان کے فائدے کے لئے اپنی زمین قرار دینے کا جواز فراہم ہوتا ہے۔ اقلیتی فرقہ کی جانب سے اس کے استعمال کو ترک کر دینے کی وجہ سے اب زمین کا بحیثیت قبرستان انتظام و نگہداشت کرنے کے لئے کوئی نکتہ باقی نہیں رہا۔"

اس فیصلہ سے پیدا شدہ مشکلات پر وقف انکوائری کمیٹی نے غور کیا اور اس پیچیدگی کو ختم کرنے کی سفارش کی، چنانچہ ۱۹۸۴ء کے ترمیمی قانون کے ذریعہ ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا کہ:

"لیکن ایسے وقف کی نوعیت وقف محض اس سبب سے ختم نہ ہو گی کہ اس کا تعامل ختم ہو چکا ہے۔ بلا لحاظ مدت عدم تعامل۔"

۱۹۹۵ء کے قانون وقف میں بھی یہ صراحت موجود ہے۔ تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ اس صراحت سے پنجاب ہائیکورٹ کے فیصلہ کے اس جز کا قانونی اثر ختم ہو جائے گا کہ اکے دکے قبروں کی موجودگی کی شہادت قیام وقف کی واضح شہادت کی عدم موجودگی میں، وقف تعامل کو ثابت نہیں کرتی۔ جہاں ایک وسیع قطعہ زمین میں ایک قبر یہاں اور ایک قبر وہاں دور دور موجود ہوں، قبروں کا کسی جگہ جم گھٹا نہ ہو تو یہ قرائنی شہادت وقف تعامل کو ثابت نہیں کرتی۔ تاہم وقف تعامل کے بارے میں یہ وضاحت کہ بلالحاظ مدت ترک تعامل، یہ وقف قرار پائیں گے، اور اس کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ دفعہ (۱۰۷) کی رو سے کسی وقف کی ناقابل انتقال جائداد کا قبضہ لینے کے لئے، مقدمہ دائر کرنے کے لئے اب کسی مدت کی تحدید نہیں رہی۔ قانون تحدید معیاد کا اطلاق ختم کر دیا گیا ہے۔ پہلے یہ معیاد ۲۰ سال تھی جس کا شمار قبضہ مخالفانہ کی تاریخ سے ہوتا تھا، وقتاً فوقتاً اس میں اضافہ کیا جاتا رہا۔ وقف انکوائری کمیٹی نے تحدید (Limitation) کے قانون سے اوقاف کو مستثنیٰ کرنے کی تجویز رکھی تھی کیونکہ ایسا استثناء بمبئی پبلک ٹرسٹ ایکٹ بابت ۱۹۵۰ء میں دیا گیا ہے۔ ۱۹۹۵ء کے قانون میں ان دفعات کی موجودگی سے ان اوقاف کو واگذاشت کرانے اور ان کا قبضہ حاصل کرنے کے مواقع نکلتے ہیں جن کی پنجاب، ہریانہ اور مغربی یوپی میں ویرانی سے فائدہ اٹھا کر حکومت یا غیر مسلم قبضہ کر چکے ہیں یا اس طرح کا اندیشہ جن کے تعلق سے پیدا ہو چکا ہے، ان اوقاف سے متعلق سوال پر غور کے دوران ان نکات کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

۴۔ وقف اراضی پر ترقیاتی تعمیر:

قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء کی دفعہ (۳۲) ایک طویل دفعہ ہے جس کی کئی ذیلی دفعات اور ان میں شقیں ہیں۔ یہ دفعہ بورڈ کے اختیارات اور فرائض سے متعلق ہے۔ ذیلی دفعات (۴) تا (۶) اراضی وقف سے متعلق ہیں۔ ذیلی دفعہ (۴) میں کہا گیا ہے کہ جہاں وقف بورڈ مطمئن ہو کہ کسی وقف اراضی کو شاپنگ سنٹر، مارکٹ، رہائشی فلیٹس یا ایسی ہی کسی نوعیت میں ترقی دینے کے قابل عمل امکانات موجود ہیں تو متعلقہ وقف کے متولی پر ایک نوٹس کی تعمیل کر کے اس کو ایسی مدت کے اندر جس کا ذکر نوٹس میں کر دیا جائے اور جو (۶۰) دن سے کم نہ ہو، یہ جواب دینے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ آیا وہ نوٹس میں صراحت کردہ ترقیاتی کام کو انجام دینے پر راضی ہے۔ دفعہ (ن) میں ہے کہ اگر کوئی جواب وصول ہو اور اس پر غور کرنے کے بعد بورڈ اس پر مطمئن ہو کہ متولی رضامند نہیں ہے یا اس کام کو روبہ عمل لانے کا اہل نہیں ہے تو حکومت کی منظوری حاصل کرنے کے بعد بورڈ اس جائداد کو لے سکتا ہے، اس کی عمارت اور اس کی تعمیرات کو منہدم کر سکتا ہے اگر اس کی رائے میں یہ انہدام ترقیاتی کام پر عمل آوری کے لئے ضروری ہو، اور اس ترقیاتی کام کو انجام دے سکتا ہو، اس کے لئے سرمایہ وقف فنڈ سے یا متعلقہ وقف کی جائدادوں کی ضمانت پر حاصل کیا جا سکتا ہے، ان جائدادوں پر بورڈ اپنا کنٹرول اور انتظام، اس پر کئے گئے اخراجات اور اس پر سود، ان تعمیرات کی نگہداشت کے اور دیگر جائز اخراجات کی اس جائداد کی آمدنی سے پابجائی ہونے تک رکھ سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ بورڈ متولی کو ہر سال، تحویل میں لینے سے پہلے کے تین سالوں کی آمدنی کی سالانہ اوسط کے حساب سے معاضہ ادا کرتا رہے۔ ذیلی دفعہ (۶) کہتا ہے کہ ترقی یافتہ جائداد کی آمدنی سے صراحت کردہ اخراجات کی پابجائی کے بعد یہ جائداد متولی کو منتقل کر دی جائے گی۔

قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء میں اس اضافہ کا مقصد وقف کی آمدنی میں اضافہ ہے، اس مقصد سے اتفاق کے باوجود بعض سوالات کا جواب تلاش کرنا ضروری ہے اور ان ہی جوابات کی روشنی میں قانون وقف کے اس جز کے بارے میں ملت کے موقف کو طے کرنا ہوگا، سوالات یہ ہیں:

الف) کیا وقف کو ترقی دینے کے لئے سود پر رقم حاصل کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

ب) کیا اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ شاپنگ سنٹر، مارکٹ، رہائشی فلیٹس وغیرہ کے کرایہ دار اگر زیادہ تر غیر مسلم ہوں تو آئندہ کسی وقت وقف کے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ اگر یہ نئی تعمیریں مسجد کے اطراف ہوں تو اذان پر اعتراضات کے علاوہ بھی کئی اور مشکلات پیدا کی جاسکتی ہیں۔ اور ایسی مشکلات کو دور کرنے میں وقف بورڈ بھی بے بس ہو سکتا ہے جب کہ قانون وقف اس کی اجازت دیتا ہے بورڈ کے کسی فیصلے کے چیف ایکزیکٹیو آفیسر اس عذر پر تعمیل نہ کرے اگر اس کے خیال میں ایسی تعمیل سے فساد یا نقض امن کا خطرہ ہے یا کسی انسانی جان، صحت و سلامتی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے (دفعہ ۲۶(ج) شق iii) وقف بورڈ کے فیصلہ کی عدم تعمیل کے تعلق سے سیاسی اثر و نفوذ رکھنے والے ارکان اسمبلی یا دیگر سیاسی لیڈروں کے ذریعہ حکومت کی توثیق حاصل کرنا چیف ایکزیکٹیو آفیسر کے لئے مشکل نہیں ہے۔ اگر اس نوعیت کے اندیشے بے بنیاد نہیں ہیں تو کیا یہ شرط عائد کرنا ضروری نہ ہوگا کہ ان نئی تعمیروں کے کرایہ داروں کی اکثریت مسلمانوں کی ہو اور ان کو پابند کیا جائے کہ وہ کسی صورت کسی غیر مسلم کو اس کا قبضہ نہیں دیں گے۔

ج) قانون میں اس کی کوئی پابندی نہیں ہے، اس لئے کوئی وقف بورڈ، شاپنگ سنٹر یا مارکیٹ یا رہائشی فلیٹس تعمیر کر کے حق ملکیت کے ساتھ قیمت کی بالاقساط ادائیگی پر یا ایک مشت رقم کی ادائیگی پر دوکانیں اور رہائشی مکانات فروخت کر سکتا ہے۔ اس سے رقم تو حاصل ہو جائے گی لیکن ایک ناقابل انتقال جائداد وقف ختم ہو جائیگی۔ کیا اس طرح کے عمل سے اوقاف کا اتلاف نہیں ہوگا؟

د) ۱۹۹۵ء کا نیا قانون بھی اوقاف کے حقیقی مفادات کو پیش نظر رکھنے والے افراد کو بورڈ کا رکن بنانے میں ناکام رہا۔ آندھرا پردیش کے تجربے سے واضح ہو گیا کہ کاغذی مسلم تنظیموں کے ذریعہ برسر اقتدار جماعت اپنے ارکان کو نامزد کر سکتی ہے، اور متولیوں کے زمرے سے بھی اپنے ارکان یا اپنی پسند کے افراد کو منتخب کروا سکتی ہے۔ اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ نئے قانون کے تحت بھی وقف بورڈ میں برسر اقتدار پارٹی سے تعلق رکھنے والے یا ان کے پسندیدہ سیاسی افراد کی اکثریت رہے گی، اور ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ کئی فیصلے محض سیاسی مفادات کے تحت ہوں گے۔ آج کل شہر کی زمینوں پر کثیر منزلہ کمرشیل یا رہائشی کامپلیکس کی تعمیر دولت پیدا کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ جائدادوں کی ترقیات دینے والوں (Builders and Estate Developers) کے لئے سیاست کاروں اور علاقے کے غنڈوں اور دھونس بازوں کا تعاون لینا ضروری ہوتا ہے، اس دھندے میں

سیاست کار بھی شریک ہوتے ہیں اور اس پورے گروہ کی نظریں شہر کی خالی جائدادوں پر چیل کی طرح لگی ہوتی ہیں۔ ایسی صورتحال میں اگر وقف بورڈ کے اختیارات پر کوئی پابندی عائد نہ کی گئی تو خالی زمینوں پر ان ترقیات کا مقصد مفاد وقف نہیں بلکہ سیاسی مفاد ہوگا۔

ھ) تقریباً ہر شہر میں عام آبادی کے ساتھ مسلمانوں کی آبادی میں بھی اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے قدیم مسجدیں ناکافی ثابت ہو رہی ہیں، یا اب کافی ہیں تو امکان یہ ہے کہ مستقبل قریب میں یہ ناکافی محسوس ہوں۔ ایسی ہی کیفیت دیگر اوقاف کے بارے میں پیدا ہو سکتی ہے، اس کیفیت میں وقف کا مفاد اس میں ہوگا کہ اس خالی اراضی کو آئندہ توسیع کیلئے خالی رکھا جائے، اس صورت میں متولی کا انکار واجب ہوگا۔ "ہر متولی کو بددیانت اور خائن قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن قانون وقف ۱۹۹۵ء کے اکثر نکات کے پیچھے یہی ذہن کار فرما نظر آتا ہے کہ ہر متولی خائن اور بددیانت ہے"۔ اس لئے وقف بورڈ کو ہر صورت میں متولی کے انکار پر اوقاف کو اپنی تحویل میں لینے کا حق واختیار حاصل نہیں ہونا چاہئے۔

مختصر یہ کہ ۱۹۹۵ء کے قانون میں وقف بورڈ کے اختیارات ترقیاتی تعمیرات سے متعلق پہلو غور طلب ہے۔

۵۔ غیر درج فہرست اوقاف:

قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء میں اوقاف کے رجسٹریشن کو لازمی قرار دیا گیا اس کی ذمہ داری متولی پر عائد کی گئی (دفعہ ۳۶)، لیکن جو اوقاف رجسٹرڈ نہ ہوں ان کو اس قانون نے تمام حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ دفعہ (۸۷) میں کہا گیا ہے کہ جو وقف رجسٹرڈ نہ ہوں اس کے کسی حق کے استقرار اور نفاذ کے لئے کوئی دعویٰ، کوئی مرافعہ، کوئی قانونی ادعاء، کسی عدالت میں پیش نہیں کیا جاسکے گا۔

یہ دفعہ ان اوقاف کے لئے مضر اور نقصان دہ ہے جو وقف تعامل یا وقف بالاستعمال ہیں اور جن کا کوئی متولی یا سجادہ یا مجاور نہیں ہے۔ ایسے اوقاف بھی کافی تعداد میں ہیں۔ اس دفعہ میں ترمیم کی تجویز آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے پیش کی گئی تھی اور اس پر نمائندگیاں کی جاتی رہی ہیں۔ اس کے نقصان سے بچنے کی ایک شکل یہ ہے کہ عوام اور ایسے اوقاف کی خدمت کرنے والوں سے اپیل کی جائے کہ وہ ہر وقف کو درج رجسٹر کروائیں۔ درج رجسٹر کرنے کی درخواست ہر وہ شخص جو مسجد میں نماز پڑھتا ہو، عاشور خانہ یا امام باڑے میں عزاداری کے لئے جاتا ہو، درگاہ پر فاتحہ خوانی یا گل افشانی کرتا ہے غرض یہ کہ جو بھی مستفید لہ (Benefi-ciary) کی تعریف میں آسکتا ہے دے سکتا ہے۔

اس تحریر میں قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء کے ان نکات کا جائزہ لیا گیا ہے جن سے اس فقہی سیمینار میں زیر بحث سوالات پر غور کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس قانون میں کئی اور مفید و مضر دونوں طرح کے پہلو ہیں ان کو اس تحریر میں زیر بحث نہیں لایا گیا ہے۔

قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء کا ایک خاکہ

باب (۱)

مراتب ابتدائی

دفعہ ۔۱	مختصر نام، وسعت اور تاریخ نفاذ
"۔۲	قانون کا اطلاق
"۔۳	تعریفات۔ اس دفعہ میں اصطلاحات کے علاوہ ان الفاظ کی تعریف شامل ہے جو اپنے مخصوص معنی میں استعمال کیے گئے ہیں۔ جیسے مستفید لہ، متولی، وقف میں مفاد رکھنے والا شخص، وقف تعامل، وقف علی الاولاد۔

باب (۲)

اوقاف کا سروے

دفعہ ۔۴	اوقاف کا ابتدائی سروے
"۔۵	فہرست اوقاف کی اشاعت
"۔۶	اوقاف کی نسبت نزاعات
"۔۷	اوقاف کی نسبت نزاعات طے کرنے کے ٹریبونل کے اختیارات
"۔۸	سروے کے اخراجات کی وصولی

باب (۳)

مرکزی وقف کونسل

دفعہ ۔۹	مرکزی وقف کونسل کا قیام اور اس کا دستور
"۔۱۰	کونسل کا مالیہ
"۔۱۱	حسابات اور تنقیح
"۔۱۲	قواعد بنانے کا مرکزی حکومت کا اختیار

باب (۴)

بورڈ کا قیام اور اس کے فرائض

دفعہ۔ ۱۳ تشکیل

"۔ ۱۴ بورڈ کی ترکیب

"۔ ۱۵ عہدہ کی میعاد

"۔ ۱۶ بورڈ کے رکن کی حیثیت سے تقرر کیے جانے یا برقرار رہنے کی نااہلیت

"۔ ۱۷ بورڈ کے اجلاس

"۔ ۱۸ بورڈ کی کمیٹیاں

"۔ ۱۹ صدر نشیں اور ارکان کا استعفی

"۔ ۲۰ صدر نشین اور ارکان کی علیحدگی

"۔ ۲۱ خالی جگہ کا پر کرنا

"۔ ۲۲ خالی جگہیں وغیرہ.... بورڈ کی کاروائیوں کا بے ضابطہ قرار نہ پانا

"۔ ۲۳ چیف ایکزیکیٹو آفیسر کا تقرر اور اس کے عہدہ کی معیاد اور خدمت کے دیگر شرائط

"۔ ۲۴ بورڈ کے عہدیدار اور دیگر ملازمین

"۔ ۲۵ چیف ایکزیکیٹو آفیسر کے فرائض واختیارات

"۔ ۲۶ بورڈ کے احکام یا قراردادوں کے بارے میں چیف ایکزیکیٹو آفیسر کے اختیارات

"۔ ۲۷ بورڈ کی جانب سے تفویض اختیارات

"۔ ۲۸ چیف ایکزیکیٹو کا کلکٹر کی وساطت سے اختیارات کا استعمال کرنا وغیرہ

"۔ ۲۹ ریکارڈ، رجسٹر وغیرہ کے معائنہ کے چیف ایکزیکیٹو آفیسر کے اختیارات

"۔ ۳۰ ریکارڈ کا معائنہ

"۔ ۳۱ پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے عدم قابلیت کا انسداد

"۔ ۳۲ بورڈ کے اختیارات وفرائض

"۔ ۳۳ چیف ایکزیکیٹو آفیسر کی یا اس کے مجاز کردہ اشخاص کی جانب سے معائنہ کے اختیارات

"۔ ۳۴ دفعہ ۳۳ کے تحت متعینہ رقم کی وصولیابی

"۔ ۳۵ ٹریبونل کی جانب سے مشروط قرقی

باب (۵)

اوقاف کی رجسٹری

دفعہ۔۳۶	رجسٹری
"۔۳۷	اوقاف کا رجسٹر (کتاب الاوقاف)
"۔۳۸	ایگزیکٹیو آفیسر کے تقرر کا بورڈ کو اختیار
"۔۳۹	ان اوقاف کی نسبت بورڈ کے اختیارات جن کا وجود ختم ہو چکا ہے۔
"۔۴۰	اس امر کا فیصلہ کہ کوئی جائداد موقوفہ جائداد ہے۔
"۔۴۱	وقف کی رجسٹری کرنے اور (اوقاف کے) رجسٹر میں ترمیم کا اختیار
"۔۴۲	اوقاف کے انتظامیہ میں تبدیلی کی اطلاع
"۔۴۳	قانون ہذا کے آغاز کی تاریخ سے قبل درج رجسٹر اوقاف درج رجسٹر متصور ہوں گے۔

باب (۶)

اوقاف کے حسابات کا رکھنا

دفعہ۔۴۴	میزانیہ (بجٹ)
"۔۴۵	بورڈ کے راست زیر انتظام اوقاف کے میزانیہ کی تیاری
"۔۴۶	اوقاف کے حسابات پیش کرنا
"۔۴۷	اوقاف کے حسابات کی تنقیح
"۔۴۸	تنقیح ساز (آڈیٹر) کی رپورٹ پر بورڈ احکام صادر کرے گا۔
"۔۴۹	مصدقہ وصول طلب رقم مثل بقایا زر مالگزاری اراضی قابل وصول۔
"۔۵۰	متولی کے فرائض
"۔۵۱	بورڈ کی منظوری کے بغیر موقوفہ کی جائداد کی منتقلی کا کالعدم قرار پانا
"۔۵۲	دفعہ ۵۱ کی خلاف ورزی میں منتقل کی ہوئی موقوفہ جائداد کی بازیابی
"۔۵۳	وقف کی جانب سے جائداد کی خرید پر پابندی۔

دفعہ۔ ۵۴ موقوفہ جائداد سے غاصبانہ قبضہ ہٹانا
" ۔۵۵ دفعہ ۵۴ کے تحت صادر احکام کا نفاذ
" ۔۵۶ موقوفہ جائداد کو نزول (لیز) پر دینے پر پابندی
" ۔۵۷ جائداد موقوفہ کی آمدنی سے بعض اخراجات کی ادائیگی کا متولی کو اختیار
" ۔۵۸ متولی کے ادا نہ کرنے کی صورت میں بقایا ادا کرنے کا بورڈ کو اختیار
" ۔۵۹ محفوظ فنڈ (ریزرو فنڈ) کا قیام
" ۔۶۰ مدت میں توسیع
" ۔۶۱ سزائیں
" ۔۶۲ متولی اپنی ذات کی مدافعت کے لئے وقف کی کسی رقم کو خرچ نہ کرے۔
" ۔۶۳ بعض صورتوں میں متولیوں کے تقرر کا اختیار
" ۔۶۴ متولی کی علیحدگی
" ۔۶۵ بورڈ کی جانب سے بعض اوقاف کے راست انتظام کی ذمہ داری
" ۔۶۶ متولی کے تقرر اور علیحدگی کے اختیارات ریاستی حکومت کی جانب سے کب استعمال ہوں
" ۔۶۷ انتظامی کمیٹی پر نگرانی اور ان کی منسوخی
" ۔۶۸ ریکارڈ وغیرہ کا قبضہ دینے کا متولی یا کمیٹی کا فرض
" ۔۶۹ وقف کے نظم و نسق کے لئے اسکیم مرتب کرنے کا بورڈ کو اختیار
" ۔۷۰ وقف کے نظم و نسق سے متعلق تحقیقات
" ۔۷۱ تحقیقات منعقد کرنے کا طریقہ

باب (۷)

بورڈ کا مالیہ

دفعہ۔ ۷۲ بورڈ کو واجب الادا سالانہ حصہ رسیدی
" ۔۷۳ بینکوں اور دیگر اشخاص کو ادائیگی کرنے کی ہدایت دینے کا چیف ایکزیکٹو آفیسر کو اختیار
" ۔۷۴ وقف کو قابل ادائیگی دوامی سالیانہ سے حصہ رسیدی کی منہائی
" ۔۷۵ قرض لینے کا بورڈ کو اختیار

دفعہ۔ ۷۶	بغیر منظوری متولی نہ قرض لے نہ قرض دے
”۔ ۷۷	وقف فنڈ
”۔ ۷۸	بورڈ کا میزانیہ (بجٹ)
”۔ ۷۹	بورڈ کے حسابات
”۔ ۸۰	بورڈ کے حسابات کی تنقیح
”۔ ۸۱	تنقیح ساز (آڈیٹر) کی رپورٹ پر ریاستی حکومت کا احکام صادر کرنا
”۔ ۸۲	بورڈ کو وصولی طلب رقم کی مثل بقایا زر مالگزاری اراضی وصول

باب (۸)

عدالتی کارروائیاں

دفعہ۔ ۸۳	ٹریبونل وغیرہ کی تشکیل
”۔ ۸۴	ٹریبونل کا تیزی سے کارروائی چلانا اور فریقین کو اپنے فیصلے کی نقلیں فراہم کرنا۔
”۔ ۸۵	دیوانی عدالتوں کے دائرہ اختیار پر امتناع
”۔ ۸۶	بعض کیسوں میں ریسیور کا تقرر۔
”۔ ۸۷	غیر درج رجسٹر اوقاف کی جانب سے حق کے نفاذ پر امتناع
”۔ ۸۸	کسی نوٹیفکیشن وغیرہ کے جواز کو چیلنج کرنے پر روک
”۔ ۸۹	بورڈ کے خلاف مقدمہ کی فریقین کی جانب سے نوٹس
”۔ ۹۰	مقدموں وغیرہ کی نوٹس عدالتوں کی جانب سے
”۔ ۹۱	لینڈ اکویزیشن ایکٹ ۱۹۸۴ء کے تحت کارروائیاں
”۔ ۹۲	مقدمہ یا کارروائی میں بورڈ کا فریق بننا
”۔ ۹۳	متولی کے یا اس کے خلاف مقدمہ میں مصالحت پر امتناع
”۔ ۹۴	فرائض کی انجام دہی میں متولی کی ناکامی کی صورت میں ٹریبونل میں درخواست گذاری کا اختیار
”۔ ۹۵	متعینہ مدت کے ختم ہونے کے بعد مرافعہ (اپیل) کو (مہلت) کے لئے قبول کرنے کا مقتدر ادارہ مرافعہ کو اختیار

باب(۹)

متفرقات

دفعہ۔۹۶	اوقاف کی سیکولر سرگرمیوں کو باقاعدہ بنانے کا مرکزی حکومت کو اختیار
”۔۹۷	ریاستی حکومت کی ہدایت
”۔۹۸	ریاستی حکومت کی سالانہ رپورٹ
”۔۹۹	بورڈ کی معزولی کا اختیار
”۔۱۰۰	نیک نیتی سے کی گئی کاروائی کا تحفظ
”۔۱۰۱	سروے کمشنر، بورڈ کے ارکان وعہدیداروں کا سرکاری ملازم متصور ہونا
”۔۱۰۲	بعض بورڈ کی دوبارہ تنظیم کے لئے خصوصی قانونی گنجائش
”۔۱۰۳	کسی ریاست کے حصہ کے لئے بورڈ کے قیام کے لئے خصوصی قانونی گنجائش
”۔۱۰۴	اسلام کو نہ ماننے والے اشخاص کی جانب سے اوقاف کی مدد کے لئے دیئے ہوئے یا عطا کئے ہوئے جائدادوں پر قانون کا اطلاق
”۔۱۰۵	دستاویزات کی نقلیں وغیرہ فراہم کرنے کا حکم دینے کا بورڈ اور چیف ایکزیکیٹو آفیسر کو اختیارات
”۔۱۰۶	مشترکہ بورڈ کی تشکیل کا مرکزی حکومت کو اختیار
”۔۱۰۷	موقوفہ جائدادوں کی بازیابی کے لئے قانون ۳۶ بابت ۱۹۶۳ء کا عدم اطلاق
”۔۱۰۸	تخلیہ کنندگان کی موقوفہ جائدادوں کی نسبت خصوصی قانونی گنجائش
”۔۱۰۹	قواعد بنانے کا اختیار
”۔۱۱۰	بورڈ کی جانب سے ضابطہ بنانے کا اختیار
”۔۱۱۱	قواعد وضوابط کو ریاستی قانون سازیہ (لیجسلیچر) کے آگے پیش کرنا۔
”۔۱۱۲	تنقیح و تحفظ
”۔۱۱۳	مشکلات کو دور کرنے کا اختیار

☆☆☆☆

ہندوستان میں وقف بورڈس کا نظام۔ ایک رپورٹ

سالار محمد خان (ایڈووکیٹ)

ہندوستان میں اوقاف کا انتظام اور دیکھ بھال مختلف وقف قوانین کے مطابق صوبائی سطح پر وقف بورڈ کے ذریعہ عمل میں لایا جارہا ہے، حکومت ہند نے وقف ایکٹ ۱۹۹۵ کے ذریعہ اوقاف کے انتظام میں یکسانیت لانے کی کوشش کی ہے لیکن اب تک کئی صوبوں میں ۱۹۹۵ کے ایکٹ کو نافذ نہیں کیا گیا ہے۔ نتیجہ میں بیشتر صوبوں میں وقف ایکٹ ۱۹۸۴ء کے تحت اوقاف کا انتظام اور دیکھ بھال کیا جارہا ہے، درج ذیل وقف بورڈس یہ کام انجام دے رہے ہیں:

۱۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ وقف بورڈ
۲۔ آسام بورڈ آف وقف
۳۔ بہار اسٹیٹ سنی وقف بورڈ
۴۔ کرناٹک بورڈ آف وقف
۵۔ کیرالہ بورڈ آف وقف
۶۔ کچھ وقف بورڈ
۷۔ مدھیہ پردیش وقف بورڈ
۸۔ منی پور وقف بورڈ
۹۔ مراٹھواڑا وقف بورڈ
۱۰۔ اڑیسہ وقف بورڈ
۱۱۔ پنجاب وقف بورڈ
۱۲۔ راجستھان وقف بورڈ
۱۳۔ تمل ناڈو وقف بورڈ
۱۴۔ تری پورہ وقف بورڈ
۱۵۔ دہلی وقف بورڈ
۱۶۔ انڈمان نکوبار وقف بورڈ
۱۷۔ دادرہ اور نگر حویلی وقف بورڈ
۱۸۔ لکشدیپ وقف بورڈ
۱۹۔ پانڈیچری وقف بورڈ
۲۰۔ یوپی سنی سینٹرل بورڈ آف وقف
۲۱۔ بورڈ آف ویسٹ بنگال

اس کے علاوہ کچھ صوبوں میں الگ شیعہ وقف بورڈ ہیں۔

اوقاف کے انتظام اور دیکھ بھال اور فروغ (Development) کے راستہ میں متعدد رکاوٹیں ہیں، ان میں سب سے سنگین ترین مسئلہ اوقاف کی جائداد پر ناجائز قبضوں کا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں انٹر اسٹیٹ وقف کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے اس وقت کے مرکزی وزیر برائے آبپاشی بجلی اور اوقاف جناب حافظ محمد ابراہیم نے کہا تھا: ”وقف سے متعلق آج کے سنگین مسائل میں سب سے مشکل اور پیچیدہ مسئلہ جائداد اوقاف پر غاصبانہ قبضہ ہے، یہ بھی تقسیم ملک کے نتائج میں ایک ہے جس کی وجہ سے متعدد افراد اوقاف کو

چھوڑ کر پاکستان چلے گئے یا جانے کے لئے مجبور ہو گئے۔ ایسی متعدد جائداد کسٹوڈین کے قبضہ میں چلی گئی۔ حالانکہ اب عبادت گاہ اور دوسرے مقدس مقامات وقف بورڈ کے حوالہ کئے جا رہے ہیں۔ لیکن اب بھی متعدد ایسی جائدادیں ہیں جو غیر قانونی قبضہ میں ہیں اور جنہیں حاصل کرنے کے لئے مقدمہ بازی ناگزیر ہے۔"(۱)

تقریباً ۳۷ سال بعد بھی درج بالا جملے کم و بیش صادق سمجھے جا سکتے ہیں۔ نہ صرف ملک کی تقسیم کی وجہ سے اوقاف کی جائداد پر غاصبانہ قبضے ہوئے بلکہ مختلف دوسری وجوہات کی بنا پر اس طرح کے قبضے ہوئے ہیں، اور اب بھی یہ عمل جاری ہے۔ اس کی وجوہات میں اوقاف کی جائدادوں کا آبادی کے درمیان آجانا، زمین کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ، اوقاف کی دیکھ بھال کے لئے درکار وسائل کی کمی، اور متولیان کی بددیانتی اہم ترین ہیں۔

ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش، اور مرکز کے زیر انتظام علاقہ چنڈی گڈھ میں ۳۵۵۸۹ جائداد اوقاف ہیں (۲)۔ دراصل اس علاقہ سے تقسیم ہند کے وقت بڑی تعداد میں مسلمانوں نے پاکستان ہجرت کی تھی جس کی وجہ سے بڑی تعداد میں جائداد اوقاف ناجائز قبضوں میں چلے گئے۔ متعدد اوقاف کو بشمول مساجد کو رہائش گاہوں، گرودواروں، گوداموں میں تبدیل کر دیا گیا، مثلاً ہریانہ کے انبالہ ضلع میں ۹۱ مساجد ہیں۔ لیکن ان میں سے صرف ۸ مساجد پنجاب وقف بورڈ کے پاس ہیں، باقی تمام مساجد ناجائز قبضہ میں ہیں (۳)۔ حالات کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۶۵ء کے سروے کے مطابق ہریانہ پنجاب، ہماچل پردیش، اور چنڈی گڈھ میں ۳۴۲۲۳ وقف کی جائدادیں تھیں اور پنجاب وقف بورڈ کے مطابق یہ سروے قابل اطمینان نہیں تھا۔ اور تقریباً ۴۰ فیصد اوقافی جائدادوں کو اس سروے میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ سروے میں جن جائداد کو اوقاف کی جائداد تسلیم کیا گیا تھا ان میں سے اب تک ۴۰ فیصد ایسی ہیں جو کہ پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہیں۔ تقریباً ۳۰ فیصد اوقافی جائدادیں حکومتی اداروں، پرائیویٹ اداروں اور دیگر افراد کے قبضے میں ہیں۔ جبکہ ۲۰ فیصد جائداد اوقاف ان صوبوں کے کسٹوڈین اور (Rehabilitation depart-ments) نے فروخت کر دئے ہیں ان صوبوں میں ۵۸۸ اوقافی جائدادیں حکومت کے ناجائز قبضوں میں ہیں، اس وقت پنجاب وقف بورڈ تقریباً ۱۴۳۶۲ مقدموں میں الجھا ہوا ہے۔ جس میں غاصبانہ قبضوں کو ہٹانا، جائداد سے غیر قانونی غاصبین کا انخلاء، اور کرایہ کی وصولی شامل ہیں (۴)۔

اترپردیش سنی وقف بورڈ کے زیر نگرانی تقریباً ۶ ہزار اوقاف ہیں۔ اس صوبے میں بھی اوقاف کی جائداد پر ناجائز قبضوں کا مسئلہ سب سے سنگین ہے۔ بورڈ کی رپورٹ کے مطابق وقف کی جائداد پر ناجائز قبضوں کی شکایتیں تقریباً روزانہ موصول ہوتی ہیں۔ اس وقت الہ آباد ہائی کورٹ کی الہ آباد بنچ کے زیر سماعت ۲۱۸ مقدمے ہیں جب کہ لکھنؤ بنچ کے زیر سماعت ۸۸ مقدمے ہیں، مختلف ضلعی عدالتوں میں ۵۳۲ مقدمے اور دیوانی عدالتوں میں ۸۵۵ اور منصف کی عدالتوں میں ۱۰۹۸ مقدمے زیر سماعت ہیں (۵)۔

دہلی میں وقف کمشنر کے سروے کے مطابق ۱۹۵۷ اوقاف کی جائدادیں ہیں، ان میں سے ۱۰۴۶ دہلی وقف بورڈ کے زیر انتظام ہیں۔ دہلی وقف بورڈ کے مطابق دہلی میں اوقاف کا ایک بڑا مسئلہ اوقاف کی جائداد، قبرستانوں، خانقاہوں، مساجد اور دیگر جائداد پر غاصبانہ قبضہ ہے (۶)، دہلی میں اوقاف کی جائداد سے متعلق مسئلہ ایک منفرد مسئلہ ہے۔ انگریز حکومت کے خلاف مسلمانوں کی پہلی

جنگ آزادی میں سرگرمی سے شرکت کی وجہ سے سزا کے طور پر جائدادوں کو انگریز حکومت نے زبردستی قبضہ کرلیا تھا۔ جن میں متعدد اوقافی جائدادیں بھی شامل ہیں، اس مسئلہ کے حل کے لئے ۲۳ مئی ۱۹۵۶ء کو ایس ایم ایچ برنی کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ اس کمیٹی نے ۲۰۴ ایسی جائدادوں کی نشاندہی کی جن کے متعلق سرکاری محکموں اور دہلی وقف بورڈ کے درمیان مقدمے چل رہے تھے، ان میں سے ۱۲۳ جائدادیں دہلی وقف بورڈ کو منتقل کرنے کی سفارش کی گئی، جس کے نتیجے میں ۱۹۸۴ء میں یہ دہلی وقف بورڈ کو (Lease) پر منتقل کردئے گئے، لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ ان جائدادوں کی اصل ملکیت قانونی طور پر حکومت کے پاس رہے گی (۷)۔ اس کے علاوہ مختلف اوقاف بشمول مساجد دیگر افراد کے غاصبانہ قبضوں میں ہیں، اور زمین کی قیمتوں میں اضافہ اور آبادی بڑھنے کی وجہ سے اوقاف کی جائداد پر قبضوں کا عمل جاری ہے۔

مدھیہ پردیش میں اوقاف کی زمینوں پر ناجائز قبضوں کا مسئلہ کافی سنگین ہے، مدھیہ پردیش وقف بورڈ کے چیرمین ڈاکٹر نظام الدین صاحب کے مطابق اس صوبہ میں تقریباً ۷۵ فیصد اوقاف کی زمینیں سرکاری قبضوں میں ہیں (۸)۔ ان کے علاوہ متعدد افراد نے بھی اوقاف کی جائداد پر ناجائز قبضے کرلئے ہیں۔ ایسی جائداد میں بھوپال شہر میں (Capital Hotel) کے پیچھے ایک بڑا قبرستان بھی شامل ہے، اس قبرستان پر ایک بلڈر نے (Co-oprative society) کی آڑ میں کئی منزل کا شوپنگ کمپلیکس بنانا شروع کردیا ہے۔ اس قبرستان کو بچانے کے لئے مقامی مسلمانوں کی طرف سے کوشش کی جارہی ہے لیکن ہائی کورٹ تک جانے کے باوجود کوئی قابل غور کامیابی نہیں مل سکی (۹)۔ مدھیہ پردیش میں اوقافی جائدادوں کی کل تعداد پندرہ ہزار ایک سو پچاس ہے، جن میں سے چودہ ہزار سات سو اکتالیس سنی اور چار سو شیعہ اوقاف ہیں (۱۰)۔ صوبہ میں اوقاف کی جائدادوں پر ناجائز قبضوں یا مقدموں کے متعلق کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ کیونکہ اوقاف کے مسائل پر تمام تر مقدمے مقامی مسلمان یا متولین اپنے طور پر لڑتے ہیں، اس ضمن میں ایک اہم نقطہ یہ بھی ہے کہ مدھیہ پردیش وقف بورڈ نے صوبے میں ۷۵ فیصد اوقاف کی زمین حکومتی یا نیم حکومتی اداروں کے قبضے میں چلے جانے کے باوجود اس معاملہ میں کسی عدالت میں کوئی مقدمہ پیش نہیں کیا ہے، جس کی وجہ سے ایسی تمام جائدادیں مکمل طور پر حکومت کے قبضہ میں چلے جانے کا خدشہ ہے (۱۱)۔

آندھرا پردیش میں اوقاف کی دیکھ بھال آندھرا پردیش وقف بورڈ کے ذریعہ عمل میں لایا جاتا ہے۔ آندھرا پردیش میں اوقافی جائدادوں کی کل تعداد تقریباً ۳۵ ہزار سات سو نوے ہے۔ جن کی زمین کا رقبہ ایک لاکھ ۳۳ ہزار ایکڑ ہے (۱۲)۔ ناجائز قبضوں میں چلے گئے اوقاف اور ان سے متعلق مقدموں کے بارے میں وقف بورڈ نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ چند اوقاف کے بارے میں مقامی طور پر کچھ شکایتیں موصول ہوئی ہیں جن کے مطابق ان اوقاف کی جائداد متولین غیر قانونی طور پر فروخت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی جائدادیں حکومت کے اداروں کے قبضوں میں ہیں۔ ایک اطلاع کے مطابق پچاس ایسی جائدادیں ہیں جن کے بارے میں وقف بورڈ اور حکومت کے اداروں کے درمیان مقدمے چل رہے ہیں۔

اڑیسہ میں اوقاف کی دیکھ بھال صوبائی وقف بورڈ کے زیر اہتمام ہے، اس صوبے میں تین ہزار چھ سو بیس اوقافی جائدادیں ہیں۔ وقف بورڈ کی اطلاع کے مطابق صوبہ میں پندرہ اوقافی جائدادوں پر ناجائز قبضہ ہوچکا ہے (۱۳)۔

آسام میں صرف ۱۶۷ اوقافی جائدادیں ہیں جن میں سے تین جائدادوں پر ناجائز قبضے ہو چکے ہیں۔ صوبے میں صرف سات اوقاف کی آمدنی پچاس ہزار سالانہ سے زائد ہے (۱۴)۔

بہار میں سنی اوقاف کی دیکھ بھال بہار اسٹیٹ سنی وقف بورڈ کرتا ہے، اس صوبے میں آج تک اوقاف کی جائداد کا سروے نہیں کیا گیا ہے۔ بحر حال اس وقت صوبے میں ۲۲۸۰ اوقافی جائدادیں سنی وقف بورڈ میں رجسٹرڈ ہیں۔ اس صوبے میں تین اوقاف صوبائی سنی وقف بورڈ کے انتظام میں ہیں۔ اس صوبے میں چار اوقاف پر ناجائز قبضے کی اطلاع صوبائی سنی وقف بورڈ کے دفتر سے ملی، ان میں سے ایک صوبائی بورڈ کے سیدھے انتظام میں تھا۔ اس صوبے میں ۳۵۱ اوقافی جائدادیں شہری علاقوں میں ہیں جہاں ناجائز قبضوں کو روک پانا بہت مشکل ہو رہا ہے۔ کئی اوقاف کے مقدمے مختلف عدالتوں میں زیر غور ہیں (۱۵)۔

مغربی بنگال میں اوقاف کی دیکھ بھال صوبائی وقف بورڈ کرتا ہے۔ اس صوبے میں اب تک اوقاف کا سروے نہیں کیا گیا ہے۔ حال ہی میں یہ سروے شروع کیا گیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس صوبے میں تقریباً ۸۰۰ اوقاف کی جائدادیں شہری علاقوں میں ہیں۔ اس صوبے کے وقف بورڈ کے پاس ناجائز قبضوں کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ہے۔ حالانکہ وقف بورڈ یہ اعتراف کرتا ہے کہ صوبے میں اوقاف کی جائدادوں کا ناجائز قبضہ ہوا ہے۔ صوبے میں ۵۴ ایسی جائدادیں ہیں جنہیں غیر قانونی طور پر مختلف افراد کو منتقل کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اوقاف کی ۲۸ جائدادیں دوسری جائدادوں سے ادلا بدلی کی گئی ہیں جس سے ایک اندازہ کے مطابق ۱۵ کروڑ روپے سے زیادہ کا نقصان ہوا ہے، ان میں سے زیادہ تر جائدادیں کلکتہ اور ہوڑہ شہر کی ہیں (۱۶)۔

کرناٹک میں اوقاف کی دیکھ بھال کرناٹک وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، کرناٹک میں تقریباً ۲۲ ہزار وقف کی جائدادیں ہیں (۱۷) پوری کوشش کے باوجود کرناٹک وقف بورڈ سے ان اوقاف کے متعلق اطلاعات حاصل نہیں کی جا سکی ہیں، لیکن دوسرے ذرائع سے موصول اطلاعات کے مطابق اس صوبے میں بھی اوقاف کی جائداد پر ناجائز قبضوں کا عمل جاری ہے، اطلاعات کے مطابق صرف چتر درگ ضلع میں ۱۱۲ اوقاف کی جائداد کو غیر قانونی قبضہ میں کر لیا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ غاصبین حکومت کے ادارے ہیں جب کہ مختلف افراد بھی یہ قبضے کرنے میں شامل ہیں (۱۸)۔

کسی بھی جائداد کی دیکھ بھال، انتظام اور ترقی کے لئے مالی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے، وسائل کی کمی کی وجہ سے نہ تو اطمینان بخش دیکھ بھال ہو سکتی ہے اور نہ ترقی۔ ہندوستان میں اوقاف کے انتظام اور ترقی میں دوسرا بڑا مسئلہ وسائل کی قلت کا ہے۔ اوقاف کی آمدنی کے ذرائع کافی محدود ہیں، عام طور پر اوقاف کی واحد آمدنی کا ذریعہ جائداد کا کرایہ ہوتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان میں ڈھائی لاکھ سے زیادہ اوقاف ہیں، ان میں سے بیشتر اوقاف کی کوئی آمدنی نہیں ہے۔ عام طور پر اوقاف کی دیکھ بھال اور انتظام کا کام مقامی طور پر متولین یا مقامی طور پر تشکیل شدہ کمیٹیاں انجام دیتی ہیں۔ مختلف وقف قوانین کے تحت تشکیل شدہ وقف بورڈ اپنے دائرۂ اختیار میں موجود اوقاف کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ وقف بورڈ کچھ مخصوص حالات میں اوقاف کا براہ راست انتظام کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ وقف بورڈ کی آمدنی کے دو اہم ذرائع ہیں۔ ایک ان کے براہ راست انتظام میں موجود اوقاف کی جائداد کو کرایہ پر دینے سے ہونے والی آمدنی، اور دوسرا ان کے دائرۂ اختیار میں موجود ۵ ہزار سالانہ سے زائد آمدنی والے اوقاف سے چھ فیصد

سالانہ کی در سے وصولی کیا جانے والا (Contribution) ہے، اس کے علاوہ سنٹرل وقف کونسل مختلف ترقیاتی منصوبوں کے لئے وقف بورڈ کو قرض دیتی ہے۔ سینٹرل وقف کونسل کی آمدنی کا ذریعہ صوبائی وقف بورڈ سے حاصل کردہ ان کی آمدنی کا ایک فیصد (Contribution) اور مرکزی حکومت سے ملنے والی امداد ہوتا ہے۔

ہندوستان میں پنجاب وقف بورڈ کے براہ راست انتظام میں تقریباً پندرہ ہزار اوقاف ہیں۔ ملک کے کسی دوسرے وقف بورڈ کے براہ راست زیر انتظام میں اتنی بڑی تعداد میں اوقاف نہیں ہیں۔ پنجاب وقف بورڈ کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ان جائداد اوقاف سے ملنے والا کرایہ ہے۔ ۹۶/۱۹۹۵ کے مالی سال کے دوران اس وقف بورڈ کی آمدنی اس ذریعہ سے تقریباً چھ کروڑ روپے تھی، جب کہ مختلف اوقاف سے حاصل ہونے والے چھ فیصد سالانہ (Contribution) سے تقریباً ۴۲ لاکھ روپے حاصل ہوئے۔ پنجاب وقف بورڈ ہندوستان کا سب سے دولت مند وقف بورڈ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس وقف بورڈ کی یہ آمدنی پنجاب، ہریانہ، ہماچل پردیش، اور چنڈی گڈھ میں موجود اربوں روپے کی جائداد اوقاف کو دیکھتے ہوئے کافی کم ہے (۱۹)۔

دہلی وقف بورڈ کے براہ راست زیر انتظام ایک ہزار ۴۶ جائدادیں ہیں اتنی بڑی تعداد میں جائداد ہونے کے باوجود ۹۵/۱۹۹۴ کے دوران دہلی وقف بورڈ کی آمدنی صرف ۶۱ لاکھ روپے تھی (۲۰)۔ اور مقامی متولین کے زیر انتظام اوقاف میں صرف چار اوقاف ایسے ہیں جن کی آمدنی ۵۰ ہزار سالانہ سے زائد ہے، دہلی وقف بورڈ کی اتنی کم آمدنی ہونے کی ایک بڑی وجہ جائداد کا کرایہ معمولی ہونا اور جائداد پر ناجائز قبضے ہونا ہے، دہلی وقف بورڈ کرائے پر دی گئی جائدادوں کا کرایہ بھی پوری طرح وصول نہیں کرپاتا ہے (۲۱)۔

بہار اسٹیٹ سنی وقف بورڈ کی آمدنی ۹۶/۱۹۹۵ کے مالی سال کے دوران تقریباً ۱۶ لاکھ روپے تھی جس میں سے اس کی اپنی آمدنی تقریباً سوا چھ لاکھ روپے تھی، جب کہ ۱۰ لاکھ روپے حکومت کی طرف سے امداد کے طور پر ملا، ۹۷/۱۹۹۶ کے مالی سال کے دوران اس وقف بورڈ کی اپنی آمدنی تقریباً ۵ لاکھ ۷۰ ہزار روپے جو گذشتہ مالی سال سے ۵۰ ہزار روپے کم تھی، اس مالی سال کے دوران صوبائی حکومت نے پندرہ لاکھ روپے کی امداد اس وقف بورڈ کو دی اس کے باوجود بورڈ کے اخراجات پورے نہیں ہوسکے۔ مارچ ۱۹۹۷ تک اس بورڈ پر تقریباً ۵۰ لاکھ روپے کا قرض تھا، نتیجۃً مئی ۱۹۹۷ میں موصول ایک اطلاع کے مطابق وقف بورڈ کے ملازمین کو گذشتہ بارہ مہینوں سے تنخواہ نہیں دی جاسکی ہے (۲۲)۔

اڑیسہ وقف بورڈ کی آمدنی ۹۶/۱۹۹۵ کے مالی سال کے دوران تقریباً ۵۸ ہزار روپے تھی۔ جب کہ پورے صوبے میں صرف سات اوقاف ایسے ہیں جن کی آمدنی ۵۰ ہزار روپیہ سالانہ سے زائد ہے۔ صوبے میں شہری علاقوں میں ۳۰۰ اوقافی جائدادیں ہیں، ان اوقاف میں سے متعدد اوقاف کی آمدنی بڑھائی جاسکتی ہے (۲۳)۔

اتر پردیش سنی وقف بورڈ کی اپنی آمدنی ۹۶/۱۹۹۵ کے مالی سال کے دوران تقریباً ایک کروڑ ۶۳ لاکھ روپے تھی، جب کہ صوبائی حکومت نے دو کروڑ پچاس لاکھ روپے امداد فراہم کی تھی، اس کے باوجود بورڈ اپنے اخراجات پورے نہیں کرسکا، جسکے نتیجے میں ۹۵/۱۹۹۴ اور ۹۶/۱۹۹۵ کے مالی سال کے دوران ملازمین کی تنخواہیں اور بونس وغیرہ ادا نہیں کیے جاسکے۔ ٹیلیفون اور بجلی کے بل،

وکلاء کی فیس، اسٹیشنری وغیرہ کے بل بھی اس دوران ادا نہیں کئے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پورے صوبے میں موجود ایک لاکھ ایک سو کتیس اوقاف میں سے بیشتر اوقاف کی کوئی آمدنی نہیں ہے، بورڈ کے مطابق ۴۷ اوقاف ایسے ہیں جن کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ روپئے سے زائد ہے، جب کہ ۴۴ اوقاف ایسے ہیں جن کی آمدنی ۵۰ ہزار روپئے سے زائد مگر ایک لاکھ سے کم ہے (۲۴)۔

آندھرا پردیش وقف بورڈ کی آمدنی ۹۶/۱۹۹۵ مالی سال کے دوران تقریباً ۹۰ لاکھ روپئے تھی، جب کہ ۹۷/۱۹۹۶ مالی سال کے دوران یہ آمدنی ایک کروڑ گیارہ لاکھ روپئے تھی، یہ آمدنی اس صوبے میں موجود تقریباً ۳۵ ہزار سے زائد اوقاف کو دیکھتے ہوئے کافی کم ہے۔ اس وقف بورڈ کے براہ راست انتظام میں چار سو انتیس اوقاف ہیں۔ یہ جائداد اوقاف مختلف افراد کو کرائے پر دی گئی ہے جنکا ماہانہ کرایہ ۵ روپیہ سے لے کر چار ہزار روپئے تک ہے، سب سے زیادہ کرایہ دار سو روپئے ماہانہ سے کم کرایہ ادا کرتے ہیں۔ ۳ ہزار ماہانہ سے زائد کرایہ دینے والے صرف چار کرایہ دار ہیں۔ پورے صوبے میں صرف ایک سو چودہ اوقاف ایسے ہیں جن کی آمدنی ۵۰ ہزار سالانہ سے زائد ہے (۲۵)۔

منی پور وقف بورڈ کی اپنی آمدنی ۹۵/۱۹۹۴ کے مالی سال میں تقریباً ۳۷ ہزار ہی ہے، جبکہ اس صوبے میں نامکمل سروے کے مطابق ۱۶۶ اوقاف ہیں، یہ وقف بورڈ اپنے اخراجات کے لئے صوبائی حکومت پر منحصر ہے (۲۶)۔

پانڈیچیری وقف بورڈ کا بھی کم و بیش یہی حال ہے۔ ۹۴/۱۹۹۳ کے مالی سال کے دوران اس وقف بورڈ کی آمدنی تقریباً ۲۲ ہزار روپئے تھی، جب کہ صوبائی حکومت نے ۴۱ ہزار روپئے کی امداد فراہم کی (۲۷)۔

کیرالہ وقف بورڈ کی اپنی آمدنی ۹۷/۱۹۹۶ کے مالی سال کے دوران تقریباً ۳۵ لاکھ روپئے تھی، جب کہ صوبائی حکومت ۱۵ لاکھ روپئے سالانہ کی امداد فراہم کرتی ہے، جب کہ صوبہ میں ۶ ہزار ۹۲۷ اوقاف ہیں جن کے تحت زمین کا رقبہ ۲۲ ہزار چار سو ساٹھ ایکڑ ہے۔ پورے صوبے میں تقریباً ۲۰۰ اوقاف ہی ایسے ہیں جن کی آمدنی ایک لاکھ سالانہ سے زائد ہے (۲۸)۔

مدھیہ پردیش وقف بورڈ کی آمدنی ۹۶/۱۹۹۵ کے مالی سال کے دوران تقریباً ۱۲ لاکھ ۵۴ ہزار روپئے تھی جبکہ ۱۵ لاکھ روپئے کی امداد صوبائی حکومت سے اس وقف بورڈ کو حاصل ہوئی (۲۹)۔

آسام وقف بورڈ کی ۹۶/۱۹۹۵ کے مالی سال کے دوران آمدنی صرف ۵۷ ہزار روپئے تھی۔ جبکہ ایک لاکھ روپئے کی امداد صوبائی حکومت نے فراہم کی اس صوبے میں صرف ۶۷ اوقاف ہیں اور ان میں سے صرف سات اوقاف کی آمدنی ۵۰ ہزار روپئے سالانہ سے زائد ہے۔ اس صوبے میں ۲۳ جائداد اوقاف شہری علاقوں میں ہیں (۳۰)۔

اس طرح کم و بیش ملک کے تمام وقف بورڈ کی آمدنی اور اخراجات کی حالت یکساں ہے، آمدنی اور اخراجات کا موازنہ منسلک ٹیبل کو دیکھ کر کیا جاسکتا ہے، ان وقف بورڈوں کی آمدنی ان کے اخراجات سے یا تو کافی کم ہے، یا اگر زیادہ ہے تو بھی اتنی زیادہ نہیں کہ اس سے کوئی ترقیاتی منصوبہ ہاتھ میں لیا جاسکے۔ اس کے علاوہ متولین کی بددیانتی اور قانونی پیچیدگیاں اوقاف کے انتظام اور ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹیں ہیں، متولین کی بددیانتی سے ہونے والے نقصان کو روکنے کے لئے وقف ایکٹ 1995 میں قانونی حل موجود ہے۔ جس کا سہارا لے کر مقامی مسلمان اس مسئلہ سے نپٹ سکتے ہیں۔ دیگر قانونی پیچیدگیوں میں صوبائی سطح پر موجود کرایہ داری سے متعلق

قوانین، زمینوں سے متعلق حد بندی کے قوانین، میونسپلٹی کے نافذ کردہ ٹیکس اور شہری ترقیاتی منصوبے قابل ذکر ہیں، ان مشکلات کے حل کے لئے سیاسی اور قانونی راستے موجود ہیں لیکن اس کے لئے مسلمانوں میں سیاسی شعور کے ساتھ ساتھ وسائل کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح وسائل کی قلت بذات خود ایک بڑا مسئلہ ہے، اس مسئلے کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اوقاف کی جائداد کی بازاری قیمت عموماً کافی زیادہ ہوتی ہے، اس لئے ان جائداد پر قبضہ کرنے والے لوگ بڑی رقومات اپنے قبضے کو بنائے رکھنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ عام طور پر سماج کے باا‌ثر لوگ ہوتے ہیں جو اپنا اثر ورسوخ بھی اس مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں، اس طرح اوقاف کی جائداد کو ناجائز قبضوں سے بچانے کے لئے بہتر دیکھ بھال کا متبادل نہیں ہے۔ بہتر دیکھ بھال کے لئے مالی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ مالی وسائل یکجا کرنے کے لئے اوقاف کی آمدنی کو بڑھانے کے لئے ترقیاتی منصوبے اپنانے کی ضرورت ہے۔ ایسے ترقیاتی منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لئے مالی وسائل کی ضرورت پڑتی ہے۔

آج ملک میں بیشتر اوقاف کی آمدنی بہت کم ہے، کئی اوقاف کی کوئی آمدنی ہی نہیں ہے، اوقاف پوری طرح عوامی عطیات پر منحصر ہیں، چونکہ بیشتر اوقاف کی آمدنی بہت کم ہے اس لئے ان اوقاف کی دیکھ بھال نہیں ہو پاتی جس کی وجہ سے غاصبین کو ناجائز قبضہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ناجائز قبضہ ہو جانے کے بعد ان جائداد کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بھی مالی وسائل کی ضرورت پڑتی ہے، اس کی وجہ سے ان جائداد کو دوبارہ حاصل کرنا نہ صرف مشکل ہو جاتا ہے بلکہ بعض حالات میں صرف مالی مشکلات کی وجہ سے یہ جائداد وقف کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں، اگر قانونی چارہ جوئی سے ایسی جائداد کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو وقف کی تھوڑی سی آمدنی پر اور برا اثر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے اس وقف کی جائداد کی دیکھ بھال مزید متاثر ہوتی ہے جس سے بقیہ جائداد پر ناجائز قبضہ ہونے کے خطرات بڑھتے ہیں۔

Table

نمبر شمار	نام وقف بورڈ	اوقاف کی تعداد	ناجائز قبضے میں چلی گئی جائداد وقف	آمدنی ۱۹۹۴/۹۵ مالی سال بورڈ کی اپنی آمدنی	سرکاری امداد	اخراجات مالی سال ۱۹۹۴/۹۵
۱۔	آسام وقف بورڈ	۶۷ رجسٹرڈ وقف	۶	۲۳۸۲۹	۱،۰۰۰۰۰	۱۵،۳۵۷۸/۶۰
۲۔	بہار اسٹیٹ سنی وقف بورڈ	کل تعداد دستیاب نہیں لیکن بورڈ میں ۲۲۸۰ اوقاف رجسٹرڈ ہیں	تعداد دستیاب نہیں	۵۵۴۵۵۱/۷۵	۱۰،۰۰۰۰۰	۱۵۲۹۸۲۸/۸۵
۳۔	کرناٹک بورڈ آف وقف	۲۱۱۳۳	تعداد دستیاب نہیں	۲۵،۰۰۰۰۰	۶۷،۲۰۰۰	۸۰،۰۰۰۰۰
۴۔	کیرالہ وقف بورڈ	۶۷۹۲	کل تعداد ۹ جن کا رقبہ ۹۶۱ ایکڑ	۱۰،۹۹۸۸۱/۷۵	۱۵،۰۰۰۰۰	۱۷،۶۸۰۶۱/۰۰
۵۔	مدھیہ پردیش وقف بورڈ	کل تعداد ۱۵،۱۵۰	تقریباً ۷۵ فیصد جائداد اوقاف ناجائز قبضے میں	۱۰،۲۹۵۲۹	۱۱،۵۵۶۶۴	۲۴،۱۴۰۹۲
۶۔	مراٹھوارا وقف بورڈ	تعداد دستیاب نہیں	تعداد دستیاب نہیں	۱۰.۰۱.۰۳۰/۰۰	....	۱۹.۰۴۱۴۴/۰۰
۷۔	منی پور وقف بورڈ	کل تعداد ۱۶۶ (سروے مکمل نہیں)	تعداد دستیاب نہیں	۳۷.۳۲۷	۵۰.۰۰۰	۵۷.۸۴۵/۱۵
۸۔	اڑیسہ وقف بورڈ	کل تعداد ۳۶۲۰	۱۵	۳ ۹۴۱۸۵/۷۴	۲.۰۰۰۰۰	۴.۹۳۹۴۱
۹۔	پنجاب وقف بورڈ	کل تعداد ۳۵۵۸۹	تقریباً ۶۰ فیصد جائداد اوقاف	۷.۲۳۹۰.۳۱۱/۴۵	.....	۴.۲۴۷۳۱۴۴/۹۸
۱۰۔	راجستھان وقف بورڈ	تقریباً ۲۵ ہزار	تعداد دستیاب نہیں	۲۷۱۰.۰۰۰	......	۴۰ ۶۶۰۰۰
۱۱۔	تری پورہ وقف بورڈ	دستیاب نہیں	تعداد دستیاب نہیں	....	۹.۸۰.۰۰۰	۲۶.۱۱۰۰۰
۱۲۔	یوپی سنی سینٹرل وقف بورڈ	۱۰۰.۰۳۱	تعداد دستیاب نہیں	۲۰.۵۷۸۹۶/۷۹	.....	۶۰.۳۸۰۰۰
۱۳۔	وقف کمشنر مغربی بنگال	کل تعداد دستیاب نہیں	۵۴	۱۱.۴۲۴۴	۲۴.۰۰۰۰۰	۲۵.۴۸۵۶۶/۴۴
۱۴۔	انڈمان نکوبار وقف بورڈ	تعداد دستیاب نہیں	کل تعداد دستیاب نہیں	۱۰،۸۶۴	۳۰۲۰۰۰	۳.۲۶۱۰۲/۲۰

نمبر شمار	نام وقف بورڈ	اوقاف کی تعداد	ناجائز قبضے میں چلی گئی جائداد اوقاف	آمدنی ۹۵/۱۹۹۴ء مالی سال بورڈ کی آمدنی	سرکاری امداد	اخراجات مالی سال ۹۵/۱۹۹۴ء
۱۵۔	دہلی وقف بورڈ	کل تعداد ۱۹۵۷	کل تعداد دستیاب نہیں لیکن کم از کم سات جائداد اوقاف مرکزی حکومت اور ۹۲ مساجد دیگر افراد کے ناجائز قبضے میں ہیں	۶۱.۱۷۱۴۴	......	۴۹.۱۶۹۱۱/۲۵
۱۶۔	لکشدیپ وقف بورڈ	تعداد دستیاب نہیں	کل تعداد دستیاب نہیں	۱۳.۱۷۰۴۴	......	۹.۸۵۶۷۱
۱۷۔	پانڈیچری وقف بورڈ	دستیاب نہیں	تعداد دستیاب نہیں	۲۶.۶۶۷	۱.۰۰۰۰۰	۱.۱۶۴۳۹/۸۰
۱۸۔	آندھرا پردیش وقف بورڈ	۳۵.۷۰۰	تعداد دستیاب نہیں لیکن کم سے کم ۵۰ جائداد اوقاف حکومتی اداروں کے قبضوں میں ہونے کی اطلاع ہے۔	۷۵.۶۶۴۲۰	......	۷۴.۶۵۴۵۴/۲۷

Source: Various reports. Central Waqf Council 94-95 and States Waqf Boards

مباحثه

مناقشه اوقاف

خطبة افتتاحية

القاضى مجاهد الإسلام القاسمى:

نبدأ البحث الآن حول موضوع الأوقاف وكما تعرفون أيها السادة! أن الوقف ثروة ثمينة للمسلمين فى جميع بلاد العالم، والأسف أننا قد ضيعناها بسبب قلة أمانتنا و بسبب قلة اهتمامنا بهذه الثروة العظيمة — وأنتم تعرفون أن الوقف قد ثبت عن النبى صلى الله عليه وسلم، وأيضا ثبت عن الخلفاء الراشدين المهديين، والصحابة قد وقفوا أراضيهم للمصالح العامة و لخدمات الإنسانية، و تاريخ أوقافنا تاريخ رائع، والمعروف كذلك أن المسلمين قد خدموا الإسلام و خدموا المسلمين و خدموا الناس جميعا فى جميع مجالات الحياة من التعليم و التداوى للمرضى و غير ذلك من أعمال الخير عن طريق هذه الأوقاف.

و إن الوقف هو الحبس، والنكتة الأساسية فيه أن الأملاك يجب أن تكون محبوسة، لا تباع ولاتعار ولا توهب و يتسع نفعها لكل مصرف وقف الواقف عليه.

من الأسف أن الزمان قد تغير والأمانة قد ضيعت و صارت الأوقاف مصيدة لهؤلاء الذين قد ضيعوا الأمانة فما كان موقوفا و محبوسا قد بيع و ضيع فى الهند، يعيش المسلمون فيها منذ حوالى ألف سنين وانهم قد أقاموا خلالها أوقافاً كبيرة وفيها خدمات جليلة للأوقاف، ولكن حينما انهارت قيمنا الخلقية أصبحنا مصداق القول: "أن لا إيمان لمن لا أمانة له و لا دين لمن لاديانة له" فضيعنا هذه الثروات الثمينة، بالإضافة إلى فى هذا الزمان خاصة أن نظام الحكومة الهندية هونظام علمانى، و لا حاجة لها ولا علاقة لها بالتعليم الدينى.

أيها الإخوة ! إن أعدى الأعداء لنا هو الابتعاد عن الدين والجهل والفقر، نحن بحاجة الآن إلى مدارس كثيرة و إلى كتاتيب و مكاتيب فى جميع أنحاء الهند فى القرى و الأرياف البعيدة عن المدن، والمسلمون هم الفقراء لايستطيعون أن ينفقوا على هذا العمل العظيم، لو كانت الأوقاف حية ولو استعملنا هذه الأوقاف استعمالاً صحيحاً، والله لتتكفل هذه الأوقاف جميع مصارفنا فى سبيل التعليم و الخدمات الأخرى التى يحتاج إليها المسلمون، وهذه معضلة اشتريناها واكتسبناها بأنفسنا و بأيدينا. "وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم".

فالآن الأوقاف فى يد الحكومة، وللحكومة الهندية تدخل كبير فيها، بالرغم من أنها شكلت لجنات الأوقاف، ولكن كما تعرفون أن الحكومة لا حاجة لها أن تصون هذه الأوقاف، فلذلك إذا شكلوا هذه اللجنات فى الولايات أو فى الحكومة المركزية فإنهم يرون فيها من هو قريب منهم ومن هو أقرب من أغراضهم.

لا ينبغي أن نتغاضى عند البحث على هذه القضية أن قانون الأوقاف هذا داخل فى الأحوال الشخصية، والحكومة ملزمة والمحاكم القضائية ملزمة بأن تتبع في هذه الأمور الأحكام الشرعية الإسلامية الدينية، والحال أن الحكومة قد وضعت لها قوانين، فهذه القوانين فان كانت لصيانة الأوقاف، ومع هذا قد خرجت من الشريعة الإسلامية، مثلا:

استبدال الوقف كما صرح به الفقهاء أنه لا يجوز إلا بإذن القاضى، وأيضا قد صرحوا أنه حينما تتكلم لفظ "القاضى" فى بعض الوقف، فالمراد به قاضى القضاة، ولكن كل هذه الأمور قد فوضت إلى لجنة الأوقاف التى شكلتها الحكومة الهندية أو حكومة الولايات المختلفة، فما كان بأيدى القضاة قد خرج من أيدى القضاة الذين يعرفون الدين و الذين يعرفون قوانين الشرع، الذين يتقون الله، والذين نرجو منهم الأمانة والديانة، فلذلك بيع كثير من الأراضى الوقفية و خرجت من أيدينا، ولا تنسون أن هناك مدنا خاصة مثل بنجاب و هريانة قد خرج المسلمون منها عند تحرير الهند، فآلاف من المساجد وآلاف آلاف من الأوقاف قد خرجت من أيدينا فيها، فقد ضيعنا هذه الثروة الغالية.

الآن نحن نحتاج إلى نظر فى هذه القضية، كيف نصون و كيف نحفظ هذه الأوقاف؟ الحمد الله هنا فى هذه الندوة المباركة يتواجد الأخ الشيخ عبد المحسن محمد العثمان وهو الأمين العام للأمانة العامة للأوقاف، وقد رأيت فى البلاد الإسلامية ووجدت أوقاف المسلمين فى الكويت أحسن حالا، و الحمد لله مسلمو الكويت لهم يد بالغة فى الأمور الخيرية فوقفوا أوقافا كثيرة، وهؤلاء الرجال الكبار انهم استعملوا هذه الأوقاف و استثمروا فيها و بذلوا جهدهم لتنمية الأوقاف و الاستثمار بها، فصار كل وقف ذا ريع، والوقف الذى كان يحصل منه مثلا مائة روبية، الآن بدأيعود بريعه إلى آلاف آلاف روبية، فهذه بركة من الله بسبب الأمانة وبسبب حسن التدبير، بارك الله فى إخواننا بالكويت الذين عملوا عملا كبيرا فى هذا السبيل، فجزاهم الله خير الجزاء.

وهذه عبرة و هذا درس عظيم لنا أيها العلماء فى الهند! يجب علينا أن ندرس هذه القضية فى ضوء الفقه الإسلامى ، ولاننسى مقاصد الشريعة الإسلامية ولاننسى قواعد الكلية ولا ننسى مقاصد الوقف ولا ننسى ماذا هو مقصود الواقف الحقيقى، وهل يجوز لنا أن نضيع هذه الأوقاف؟ وهل يجوز لنا أن نتركها خربانا؟ ما فيها أى عائد للمسلمين ، وقد قرأنا و درسنا فى الفقه أن ما هو أكثر نفعا للمستحقين هو الأحسن وهو الذى يجب علينا أن نختاره، فبهذه الكلمات الوجيزة على هذه القضية قضية الوقف نرجو من الأخ الفاضل عبد المحسن محمد العثمان الذى هو الآن رئيس هذه الجلسة۔نرجو منه إن شاء الله أن يسلط الضوء خاصة على طرق تنمية الأوقاف وطرق الاستثمار و طرق صيانة الأوقاف ، وقبل هذا كله نبدأ هذه الجلسة بتلاوة القرآن الكريم فأدعو الأخ المقرى عبد الخالق أن يتفضل هنا مشكورا و يتلو بعض آيات القرآن الكريم، شكراً.

☆☆☆☆

عبد المحسن عثمان صاحب نے عربی زبان میں اپنے قیمتی خیالات پیش کئے ،

ان کی گفتگو کا خلاصہ

مولانا بدر الحسن قاسمی صاحب پیش کر رہے ہیں:

ہمارے فاضل مقالہ نگار و مقرر جناب عبدالمحسن عثمان صاحب نے آپ کے سامنے، نظر تو یہ آرہا تھا کہ مقالہ وہ لکھ کر لائے ہیں اسے پڑھ دیں گے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جتنا انہوں نے اصل مقالہ سے نہیں پڑھا اس سے زیادہ اہم باتیں وہ تھیں جو بعد میں انہوں نے چند نکات کی شکل میں آپ کے سامنے رکھی ہیں، اتنی لمبی گفتگو کے بعد اس کا موقع تو نہیں ہے کہ لفظ بلفظ ان کے اس پورے لکچر کا یا ان کے اس مقالہ کا ترجمہ کیا جائے، زبان چونکہ انہوں نے جو استعمال کی ہے خالص ٹیکنکل اور آج کی ہے جو اس موضوع پر بولی جاتی ہے، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ سرسری طور پر دو باتیں آپ سے کہوں، ایک تو ان کا لکھا ہوا مقالہ ہے جس کا انگلش ترجمہ بھی وہ ساتھ لے کر آئے ہیں، اس میں انہوں نے تین چیزوں پر نظریاتی طور پر روشنی ڈالی ہے، پہلی چیز جو فی نفسہ اسلام کا مفہوم ہے، اور صحیح اسلام اگر لوگوں کے ذہنوں میں نہ ہو تو اس کے جو خطرناک نتائج ہوتے ہیں اس کو انہوں نے ظاہر کیا، اور اس پر خاص طور پر زور دیا کہ اس وقت کی جو دنیا ہے وہ معلومات کی دنیا ہے، اور انہوں نے کہا کہ انٹرنیٹ کے استعمال کرنے والے ایک شخص سے میں نے پوچھا کہ اس وقت جو معلومات انٹرنیٹ کے ذریعہ فراہم کی جاتی ہیں اس کی مقدار کتنی ہے، تو وہ کہنے لگا کہ ساری دنیا میں کیا استعمال ہو رہا ہے اس کے بارے میں تو میں نہیں کہہ سکتا، مگر میں ذاتی طور پر جو استعمال کرتا ہوں وہ اس کا ۴۴ ملین فل اسکیپ A4 سائز کاغذ پر جتنا میٹر لکھا جاتا ہے اتنا میں استعمال کرتا ہوں، یہ صرف ایک شخص کے استعمال کی بات ہے۔

پھر ایک ایسی دنیا جس میں ہم اس وقت زندگی گذار رہے ہیں اور جہاں ہمارے اردگرد انفارمیشن اور معلومات کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا ہے، وہاں اسلام کی نشر و اشاعت یا اس کی تشریح کس نہج پر ہونی چاہئے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں، یہ ایک سوال ہے۔

دوسری چیز وقف کا مفہوم، وقف کا ایک مفہوم تو ہم سبھی سمجھتے ہیں، لیکن فی نفسہ وقف کا دائرہ کار کتنا بڑھ گیا ہے اس وقت اور خاص طور پر وقف کو انہوں نے جس انداز میں پیش کیا ہے کہ تہذیبوں کے بنانے میں وہ گویا سب سے زیادہ مؤثر ترین عامل کی حیثیت سے ہے۔

ایک مفہوم درمیان میں انہوں نے اور چھیڑا تھا، پسماندگی اور ترقی کا، کہ مختلف ملکوں یا مختلف قوموں کے درمیان پسماندگی اور ترقی کا جو معیار ہم نے اب تک سنا ہے یا معاشیات کے ماہرین جس کا ذکر کرتے ہیں اسلام کی تعلیمات اس سے کہیں زیادہ وقیع، دقیق اور شامل ہیں، ہم کو چاہئے کہ ان معیاروں پر بھی از سر نو غور کریں، اور اس ضمن میں انہوں نے کویت پر عراق کے حملہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ مال کا غلط مفہوم سمجھنے سے کیا نقصان ہوتا ہے یا یہ کہ اس طرح کی بعض دوسری جگہوں پر جیسے اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام ان دونوں کا ٹکراؤ مال کے غلط مفہوم کو سمجھنے کی وجہ سے ہوا۔

ایسے ہی انہوں نے یہ پوائنٹ بھی واضح کیا کہ وہ ممالک جہاں اسلام نہیں ہے وہاں سامراجی طاقتوں نے بہت جلد وہاں کی قوموں کا مزاج بدلنے میں کامیابی حاصل کی لیکن جہاں مسلمان ہیں وہاں ان کو وہ نہیں بدل سکے، تو اگر صحیح معنوں میں ہم ان کا استعمال کریں اسلام کو اچھی طرح پیش کریں، ترقی کا صحیح مفہوم رکھیں اور پسماندگی کو حل کرنے کے لئے ان اصولوں کا استعمال کریں جو اصول اسلامی ہیں، تو اس صورت کے اندر ان سب چیزوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔

آخر میں انہوں نے ایک الگ مستقل مقالہ پڑھا وہ مقالہ لکھا ہوا نہیں تھا لیکن سوال ایسے تھے جس کے لئے مستقل اس طرح کا سمینار منعقد ہونا چاہئے، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے جو میٹر تیار کرکے دیا تھا وقف کے موضوع پر اس کو انہوں نے بڑی گہرائی سے پڑھا تھا اور چونکہ ان کا موضوع یہی ہے اس لئے انہوں نے سوالات بڑے دقیق اور اہم قسم کے رکھے ہیں، پہلی چیز تو یہ کہ خود وقف کا مفہوم یہ ہے کہ عین کو باقی رکھ کر اس کی منفعت کو استعمال کیا جائے، موجودہ زمانہ میں اس مفہوم کے اندر کتنی وسعت ہے، کتنی معنویت ہے، مال فی نفسہ کیا حیثیت رکھتا ہے، حقوق مجردہ کی بحثیں آپ کے یہاں پہلے ہی آچکی ہیں، آج کل کی دنیا میں مؤلفین کے حقوق، کمپیوٹر بنانے والے، ہوائی جہاز کی کمپنیاں اور دوسرے اس طرح کے حقوق اور مسائل جتنے ہیں ان سب کی وجہ سے اس کے اندر جو عموم پیدا ہو گیا ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ایک چیز اور انہوں نے کہی کہ ایک ہے وقف کا کرنے والا شخص، اور ایک ہے اس کا ارادہ، کیا ہم کو اس کا حق ہے کہ اس کے ارادہ کے اندر دخل انداز ہوں، جو آپ نے وقف کے مصارف متعین کئے ہیں یا جن پر بحث کی جاتی ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں ان فقہی اصولوں کو بھی سامنے رکھا ہے، اور جو جدید پریشانیاں ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کے سامنے سوالات رکھے ہیں۔ ان کا تجزیہ یہ بھی ہے کہ اس وقت کی دنیا میں صنعتی ممالک نے چھ ارب ڈالر بطور چندہ کے دیئے ہیں، بطور مساعدات کے دیئے ہیں، اس میں تقریباً دو تہائی حصہ وہ ہے جو پبلک سکٹر سے یا عام طور سے جو خیرات زکوۃ مغرب والے کرتے ہیں، ہمارے یہاں وہ چیز اس وقت تقریباً بند سی ہوگئی ہے، حالانکہ پرانی تاریخوں میں دیکھیں تو ہاسپٹل سے لے کر جتنے بھی معاملات و مسائل تھے وہ ساری چیزیں وقف کے ذریعہ سے پوری ہوتی تھیں، مامون کے زمانے میں اور دوسرے خلفاء کے زمانے میں جو زریں زمانے گذرے ہیں ان میں جو وقف کی حیثیت تھی اس کو ہم کیسے اب دوبارہ بروئے کار لاسکتے ہیں، تو وقف کا مفہوم، مصارف وقف کی تعیین، اور واقف کے ارادے کے اندر تصرف کرنے کا حق، ایک شخص وقف کرتا ہے تو اس کا کچھ خاص مقصد ہوتا ہے، اس مقصد کو نظر انداز کر کے ہم اپنی طرف سے تحریر کریں کہ تم اس وقف کو فلاں مصرف میں خرچ نہیں کرسکتے، ایسے ہی وقف کے لازم اور لازم نہ ہونے کے مسئلہ میں۔

ہمارے استاذ عبدالحسن عثمان نے جو پوائنٹ رکھے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان پر سنجیدگی سے غور ہونا چاہئے، ان کے حل ہمارے سامنے آنے چاہئیں، ان پر آپ جیسے فقہاء زیادہ باریکی سے نظر ڈال سکتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ وقت میں نے کچھ زیادہ لے لیا مگر ان کی باتیں ایسی تھیں جن کی وضاحت ضروری تھی۔

قاضی صاحب:

بہر حال آپ نے یہ خلاصہ سن لیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اردو خلاصہ بھی قطعاً اس کے مضمرات اور اس کی اہمیت پر کافی نہیں ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ اس کو غور سے پڑھیں گے، آج کے دور میں خاص طور پر الفاظ کے ساتھ جو کھلواڑ کیا جارہا ہے اور الفاظ کی حقیقتیں جس طرح مسخ کی جارہی ہیں اور مصطلحات شرعیہ کے ساتھ جو ظلم کیا جارہا ہے مصنف نے ان مصطلحات کی اہمیت اور دور حاضر میں ان مصطلحات کی تعبیر اور آج کے علمی انقلاب کے زمانے میں ان اہم ترین مصطلحات کو از سر نو سمجھنے کی طرف توجہ دلائی ہے، وقف کتنا بڑا کردار ادا کر سکتا ہے، چاہے وہ کلچرل، ثقافتی یا سوشل، اجتماعی، سماجی یا اقتصادی میدان میں وقف کے ذریعہ کتنا بڑا کام لیا جاسکتا ہے، پھر اس کے بعد ان جزوی مسائل کی طرف کہ لزوم وقف کے احکام اور عدم لزوم وقف کے احکام اور وقف کا ڈولپمنٹ اور جو ترقی پذیر ممالک ہیں ان کے مسائل، اور یہ سچی بات ہے کہ اگر زکوۃ کا نظام اور وقف کا نظام مسلمان ایمانداری سے پورے طور پر قبول کرلیں تو دنیا میں جو سود پر مبنی نظام اقتصادیات ہے اس کا سب سے بڑا حل آپ نکال سکتے ہیں، بہر حال یہ مقالہ آپ لوگوں تک پہنچے گا۔

جناب عبد الرحیم قریشی صاحب:

الحمد لله رب العالمین و الصلاة و السلام علی سید المرسلین۔

محترم مہمانان گرامی اور معزز سامعین!

اوقاف سے متعلق ہم اس سیمنار میں بہت سے اہم مسائل پر گفتگو کریں گے اور اس گفتگو سے پہلے میں تمہیدی طور پر چند باتیں گوش گذار کرنا چاہتا ہوں اور جو باتیں میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں وہ اس لحاظ سے غور طلب ہیں کہ ایک ملی درد رکھنے والا آپ کے سامنے یہ بات رکھ رہا ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ جب ہم ہندوستان کے اوقاف کے مسائل پر غور کریں تو ہمارے اپنے جو حالات ہیں، ہماری اپنی جو مصلحتیں ہیں، ہمارے اپنے جو ملی مصالح ہیں ان کو پیش نظر رکھیں، اور ظاہر ہے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جو باتیں مسلم ممالک میں اوقاف کے تعلق سے ہوئی ہیں وہ ہماری ملی اور دینی مصلحت کے خلاف ہو، اس بات کو بھی ہمیں پیش نظر رکھنا پڑے گا، اور میں سمجھتا ہوں کہ صرف اشاروں میں بات کرنا آپ جیسے علماء حضرات کے لئے کافی ہے، کہ وہاں اوقاف کے بارے میں جو رویہ رہتا ہے حکومتوں کا، یا کسی اور کا، ظاہر ہے کہ وہ رویہ ہم یہاں نہیں رکھ سکتے، کیونکہ وہاں کی بات تو یہ ہے کہ اگر وہاں کسی قسم کا کوئی تغیر ہوتا ہے اور بعد میں وہاں کے مسلمان محسوس کریں یا علماء کرام محسوس کریں کہ یہ تغیر اور تبدیلی غلط ہوئی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو بدلا جاسکتا ہے، لیکن یہاں اگر کوئی ایک تبدیلی ہو جائے گی تو پھر ہم بدلنے کے موقف میں نہیں ہوں گے، ہم اپنی

باتیں پیش کر کے قانون بنا سکتے ہیں تو پھر اس کے بعد ہماری کوئی آواز پارلیمنٹ میں نہ ہونے کی وجہ سے ہم کچھ کر نہیں سکتے، اس بات کو ہم کو پیش نظر رکھنی پڑے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اوقاف کے تعلق سے مختلف علاقوں کی مصلحتیں بھی الگ الگ ہیں جیسے پنجاب، ہریانہ اور ہماچل پردیش کا علاقہ ہے جس کے بارے میں سوال نامہ کا ایک حصہ بھی ہے، وہاں کی مصلحتیں کچھ اور ہیں، وہاں جو ہند کی تقسیم ہوئی، اس کے بعد جو حالات پیدا ہوئے اور اس کے بعد جو وہاں کی آبادی نے تخلیہ کیا، اور تخلیہ کے بعد ظاہر ہے کہ بہت سی مسجدیں اور اوقاف ویران ہوگئے، اوقاف ختم ہوگئے، تو سوال یہ ہے کہ اب وہاں کیا کیا جائے؟ مگر دوسرے علاقہ میں تو یہ ہے کہ اوقاف موجود ہیں، اور اوقاف کی موجودگی میں یہ ہوا کہ اوقاف کا اتلاف ہوا، اور تلف کرنے والا کون؟ جی ہاں خود مسلمان اس کے ذمہ دار ہیں، چاہے سجادہ نشین ہو، چاہے متولی ہو، چاہے کوئی ہو، غرض ہے تو مسلمان، دوسری طرف حکومت نے ہمیشہ ایسا مجہول وقف بورڈ تشکیل دیا کہ یہ وقف بورڈ یتیموں کی پناہ گاہ بن گیا، اس وقف بورڈ کو کوئی سیاسی کام نہیں دیا گیا پارلیمنٹ یا اسمبلی کا ٹکٹ نہیں دیا گیا اور ایسے شخص کو لا کر بٹھا دیا گیا وقف بورڈ میں جس کو وقف بورڈ سے کوئی دلچسپی نہیں، اگر آپ غور کریں تو ہمارے ملک میں جتنے بھی وقف بورڈ ہیں ان میں سے تقریباً نوے فیصد وقف بورڈ کے صدور ایسے ملیں گے کہ جن کو وقف کے مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، یہ تو محض سیاسی سرپرستی کی بنیاد پر آگئے، جس پارٹی کی حکومت ہے اس نے اپنے آدمی کو لا کر بٹھا دیا، اور ظاہر ہے کہ ان کو اپنے سیاسی آقاؤں کی تعمیل کرنی ہوگی، یا تو اس کے سامنے یہ ہے کہ اس کو خود آگے چل کر بڑا سیاسی مفاد حاصل کرنا ہے، اسمبلی کا ٹکٹ لینا ہے، پارلیمنٹ کا ٹکٹ لینا ہے، کونسل میں آنا ہے، تو یہ تمام مصلحتیں ہیں، مثلاً اگر ہم پنجاب وہریانہ کو سامنے رکھ کر کوئی آسان شکل نکالتے ہیں جس کے ذریعہ استبدال وقف ہو سکتا ہے، وقف کی نوعیت بدل سکتی ہیں، وقف کی جائداد میں نکھار آسکتا ہے تو اس کا اثر دوسرے حصوں پر کیا پڑے گا اس نوعیت کو پیش نظر رکھنا ہوگا، ایک علاقے کو آپ سامنے رکھ کر کوئی قانون نہ بنائیں بلکہ پورے ملک کو سامنے رکھ کر علماء کرام غور کریں، اب میں گفتگو کو آگے زیادہ بڑھانا نہیں چاہتا، چند باتیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں، اور یہ چند باتیں وہ ہیں جو ہم نے، مسلمانان ہند نے بتوسط آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بڑی کدوکاوش کے بعد حاصل کی ہیں، اور جو بڑی کدوکاوش کے بعد حاصل کی گئی چیزیں ہیں ان کو ہم پیش نظر رکھیں اور جو سوالات ہمارے سامنے رہے ہیں ان سوالات پر غور کیا جائے۔

ہندوستان میں جو وقف کی تعریف ہے، ایک ہے وقف کا یوزر، وقف تعامل، یا بعض لوگ وقف علی الاستعمال جس کا ترجمہ کرتے ہیں، یا دوسرے وقف بالتعامل جس کا ترجمہ کرتے ہیں، اور اب تک کا ۱۹۵۴ء سے جو قانون چلا آرہا تھا اس قانون میں صرف اتنا لکھا تھا کہ اگر کوئی وقف وقف تعامل ہے، وقف کا کوئی یوزر ہے تو یہ بھی وقف کی تعریف میں داخل ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

لیکن اس کے بعد پنجاب میں ایک کیس ہوا اور اس کیس میں یہ ہوا کہ ایک قبرستان تھا اور قبرستان کے بارے میں دستاویز موجود تھی کہ وہ زمین قبرستان کی ہے، لیکن عدالت نے یہ کہا کہ استعمال ختم ہو چکا ہے، تعامل ختم ہو چکا ہے، اور جب تعامل ختم ہو چکا تو ظاہر ہے کہ اس کے وقف کی نوعیت ختم ہو جائے گی، یہ وقف بالتعامل تھا، تعامل کی بنیاد پر، پریکٹس کی بنیاد پر، یوزر کی بنیاد پر، اور جیسے ہی یوزر اور پریکٹس ختم ہوگئی تو ظاہر ہے کہ اس کی نوعیت وقف ختم ہو جائے گی، یہ فیصلہ ہمارے لئے بڑا نقصان دہ ثابت ہوا، یہ پنجاب

ہائی کورٹ کا فیصلہ تھا، چنانچہ جب وقف انکوائری کمیٹی بنی تو اس وقف انکوائری کمیٹی میں اس کی نمائندگی کی گئی، وقف انکوائری کمیٹی یہاں آنے کے بعد سنٹرل وقف کونسل میں جب بل زیر غور تھا، اس وقت نمائندگی کی گئی، ظاہر ہے کہ بہت سی مساجد ہیں مسجد کا کوئی وقف نامہ نہیں ہوتا، بہت سے قبرستان ایسے ہیں بلکہ سبھی قبرستان ہیں جن کا کوئی ڈاکومنٹ نہیں ہوتا، چنانچہ ہم نے یہ چیز اس میں داخل کروائی اور کہا کہ یہ تعریف جو آپ نے کی ہے وہ جامع اور کافی نہیں ہے، بلکہ اس میں اس بات کا اضافہ کیا جائے کہ اگر یوزر اور تعامل ختم ہو جائے، اگر وقف کے لحاظ سے بحیثیت وقف اس کا استعمال ختم ہو جائے تب بھی یہ وقف باقی رہے گا، یہ جو منظوری ہے آپ کے وقف تعامل کی اس منظوری کو ختم کر کے اس کا اضافہ کیا جائے۔ یہ ہمارا بہت بڑا Achievement ہے جس کو ہم سمجھیں اور خصوصاً پنجاب اور ہریانہ کے مسئلہ پر غور کرتے وقت، کہ پارٹیشن کے وقت ایک مسجد تھی اب اوقاف کی حیثیت سے اس مسجد کا استعمال ختم ہو چکا لیکن آج ہم کو اس کا احساس ہے کہ وہاں پر مسجد تھی اور بحیثیت مسجد اس کا اندراج جائداد وقف میں ہونا چاہئے، تو وقف تعامل اور یوزر کے تعلق سے جو ترمیم بڑی کوشش کے بعد آج کے قانون میں ہم نے کروائی اور جو قانون میں آچکی ہے، اور اس وقت ۱۹۹۵ء کا جو قانون ہے اس میں یہ موجود ہے، تو ایسی صورت میں ہم دیکھیں اور اس چیز کو بھی ہم سامنے رکھیں کہ ہم اپنا اچیومنٹ جو ہم نے اپنی کوشش سے حاصل کی ہے کیا ہم اس کو ضائع کر دیں۔

اسی کے ساتھ ایک اور بات میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں، علماء کرام اس پر غور کریں کہ پنجاب اور ہریانہ کی بات میں نہیں کہتا، دلی شہر کتنا پھیل گیا اور دلی شہر پھیلنے کے بعد کتنی قدیم مسجدیں ہیں جو آباد ہیں، بہت سے شہر ایسے ہیں جو پھیلے اور پھیلنے کے بعد وہ مسجدیں جن کے بارے میں سان وگمان بھی نہیں تھا کہ وہ آباد ہو سکیں گی مگر الحمد للہ وہ اب آباد ہو چکی ہیں، اس لئے آج اگر کوئی مسجد ویران ہے تو محض ویرانی کی بنیاد پر ان کو نہ بیچیں، پنجاب میں جو مسلمان آبادی پارٹیشن کے وقت یا پارٹیشن کے فوری بعد تھی، آج اس سے کہیں زیادہ ہے، امرتسر میں جو مسجدیں غیر آباد تھیں ان مسجدوں میں سے کئی مسجدیں آباد ہو چکی ہیں کیونکہ وہاں مسلمانوں کی آبادی بڑھی.......... تو یہ قانون جو ۱۹۹۵ کا قانون ہے اس میں، بہت سے نقائص ہیں لیکن ان نقائص کے باوجود ان میں چند چیزیں اچھی ہیں جن کو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں:

ایک تو آپ کے سامنے ہے وقف کا یوزر، جیسا کہ پہلے میں نے عرض کیا، دوسرے کوئی ایسی چیز جس کی منفعت عوام کے لئے ہو، اور جس منفعت کے لئے وہ چیز وقف کی گئی تھی اور اس میں واقف کا جو منشا تھا اگر وہ منشا کھو چکا ہے تو ایسی صورت میں اس سے قریب مقصد کے لئے اس جائداد کو، اس کی منفعت کو استعمال کیا جا سکتا ہے، اور یہ قانون وقف میں نہیں تھا، ہندوستان میں ظاہر ہے کہ راجا، مہاراجہ، نواب، جاگیر دار انہوں نے بڑے اوقاف بنائے، بڑے اوقاف قائم کئے اور ان اوقاف کا منشا یہ تھا کہ قبیلہ کے غریبوں اور مسکینوں کی امداد کی جائے، مکہ کے غرباء کی امداد کی جائے، شہر حیدر آباد کے اندر ایک بہت بڑی بلڈنگ ہے جس کا نام ہے مکہ مدینہ علاء الدین وقف، اس طرح کے ایک نہیں ہزارہا وقف ہیں جن کا مقصد یہ تھا کہ مکہ مدینہ کے مسافروں اور غرباء کی امداد کی جائے، اب اس کے بعد وہاں کی حکومت نے کہا کہ ہم اس کا پیسہ لینا نہیں چاہتے، اس طرح اس وقف کا جو مقصد اور واقف کا جو منشاء تھا وہ تو فوت ہو گیا تو اب کیا کیا جائے، تو علماء نے کچھ فتوی وغیرہ دیا اس کی بنیاد پر اس کو طے کیا گیا۔ اب اس وقت جو نیا قانون وقف ہے ۱۹۹۵ء

کا،اس نئے قانون وقف کے اندر اس شق کو ہم نے بڑی کوشش سے داخل کروایا، یہ جو نیا قانون ہے اس کی دفعہ ۳ ذیلی دفعہ ۲، اور شق بی ۳ میں ہے، اس میں یہ کہا گیا کہ اگر کسی وقف کا مقصد فوت ہو جائے اس کا حصول مشکل ہو، اس کو حاصل نہ کیا جا سکتا ہو تو ایسی صورت میں ایسے مقصد کے لئے استعمال کیا جائے جو اس مقصد کے مشابہ ہو یا اس مشابہ سے قربت رکھتا ہو، اس کے بعد کہا گیا کہ اگر ایسا بھی نہیں ہو سکتا ہے تو For the porpuse of promotion of the knowledge or learning of the Muslim community، یا پھر ایسی صورت میں یہ جائداد اس کی منفعت اور اس کی آمدنی استعمال کی جا سکتی ہے مسلمانوں میں یا تعلیم میں، اور تعلیم میں یہ قید نہیں کہ یہ تعلیم دینی تعلیم ہو یا عصری تعلیم ہو یا جس قسم کی بھی تعلیم ہو، اس اعتبار سے ہم موجودہ قانون میں جس نکتہ پر غور کر رہے ہیں کہ آمدنی میں اضافہ ہو جائے تو آمدنی میں اضافہ کے تعلق سے بھی دفعہ موجود ہے کہ ایک وقف کی آمدنی بڑھے، ایک وقف کی فاضل آمدنی ہے، منشاء وقف کی تکمیل کے بعد بھی آمدنی بچتی ہے تو اس میں انہوں نے کہا ہے کہ یہ جو زائد آمدنی ہے اسے واقف کے اصل منشاء کے مطابق استعمال کیا جائے، اور پھر جو اس سے مشابہت رکھنے والے ہوں ان میں، اور پھر اس سے مطابقت رکھنے والے کسی اور مقصد کے لئے، تو اس بات کو ہم پیش نظر رکھیں۔

اب جہاں تک جائداد کی تبدیلی اور خصوصاً جائداد کے انتخاب کا تعلق ہے تو قانونی موقف اس میں کیا ہے، قانونی موقف یہ ہے کہ اگر اس کا یہ ختم ہو گیا ہے تو اس کا پورا پروسیجر دیکھیں، لیکن اس پروسیجر میں ایک چیز ہم نے بڑی مشکل سے داخل کروائی ہے، اس لئے داخل کروائی کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک جائداد مسجد کے لئے، مسجد کی خدمت کے لئے، امام کی خدمت کے لئے، مؤذن کی خدمت کے لئے وقف کی گئی، اس کو متولیوں نے بیچ دیا، وقف بورڈ نے بیچ دیا، یہاں میں نام نہیں لوں گا ایک صاحب تھے مہاراشٹر کے جو وزیر اوقاف تھے، انہوں نے ضلع بیڑ کے اندر ایک بہت بڑی پراپرٹی بیچ دی اور یہ کہہ کر بیچ دی کہ یہ پراپرٹی ایسی آبادی میں ہے جہاں جا کر کرایہ وصول کرنا مشکل ہے، اس کے بعد یہ ہوا کہ وہ آمدنی دھری کی دھری رہ گئی، وقف بورڈ کے دوسرے مصارف میں آگئی، جہاں ضرورت پڑی اور دیکھا پیسہ نہیں ہے اس میں سے لے لیا، اور وہ سارا کا سارا فنڈ ختم ہو گیا، تو جب یہ صورت حال سامنے آئی تو ہم نے کہا کہ کچھ پابندی تو لگائی جانی چاہئے، چنانچہ موجودہ جو قانون ہے اس میں ہم نے اس بات کو منظور کروایا ہے اور یہ Elemination کا جو سیکشن ہے، اس کے اندر کسی صورت میں مسجد، درگاہ اور خانقاہ کے اندر کوئی استبدال اور کوئی منتقلی نہیں ہو سکتی، نہ اس کو بیچا جا سکتا ہے نہ اس کو ہبہ کیا جا سکتا ہے نہ اس کو رہن رکھا جا سکتا ہے اور نہ کسی اور کو دیا جا سکتا ہے، یہ اس کا قانونی موقف ہے۔ اب اس قانونی موقف کے سلسلہ میں میں نے پہلا نکتہ جو آپ کے سامنے پیش کیا اس نکتہ کو سامنے رکھئے کہ ایک جائداد ۱۵ اگست ۱۹۴۷ میں وقف کی، اس کے بعد اس کے وقف کی نوعیت کسی وجہ سے باقی نہیں رہی، لیکن قانون ہم کو اس بات کا حق دیتا ہے کہ ہم اس کو پھر واگذار کرائیں، اب یہاں ایک سوال آتا ہے کہ پنجاب اور ہریانہ میں بہت سی ایسی اوقافی جائدادیں ہیں جن کو ایڈمنسٹریٹروں نے قبضہ میں لے لیا، پاکستان میں جو لوگ منتقل ہو گئے ان کی پراپرٹی تخلیہ کنندگان کی پراپرٹی قرار پائی ہے، اور تخلیہ کنندگان کی جائداد کی حیثیت میں ظاہر ہے کہ جو قانون وقف اس بابت ان کے یہاں تھا اس کے راستے پر وہ نکل چلے، ایک خاص دفعہ اس نئے قانون جو ۱۹۹۵ کا قانون ہے اس میں ہم نے رکھا ہے جس میں ہم نے کہا کہ اس طرح کی جتنی بھی وقف کی پراپرٹی ہے جو کسی

ایڈمنسٹریٹر کے پاس ہے یا گورنمنٹ کے کسی عہدیدار کے پاس ہے اور وقف بورڈ اس تحقیق کے بعد کہ اس جائداد کا استعمال پارٹیشن سے پہلے بحیثیت وقف ہوتا رہا ہے تو ایڈمنسٹریشن کم سے کم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا پورا انتظام ہمارے حوالہ کیا جائے، اور اگر کہیں وقف بورڈ کمزور ہے تو ظاہر ہے کہ کچھ نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس قانون میں بہت سے نقائص ہیں مثلاً اگر قبضہ مخالفانہ ہو جاتا ہے......... اور وقف کی پراپرٹی چلی جاتی ہے تو اس قانون میں وقف بورڈ کو یا وقف بورڈ کے کسی عہدیدار کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے، ہم آندھرا پردیش میں اس کے لئے کوشش کر رہے ہیں کہ وہاں ایک نیا قانون وقف بنائیں، اور نئے قانون وقف میں اس کی کوشش کی جارہی ہے، چنانچہ کل ہی اس کی مشاورتی نشست تھی لیکن ہم نے اس کو ملتوی کرایا کہ ہم جنوری تک اس میں اور تجاویز دے کر اس کو بہتر بنائیں گے، لیکن آپ جب غور کر رہے ہیں تو میری مخلصانہ گذارش یہ ہوگی کہ جہاں تک مسلم ممالک ہیں ان کا موقف الگ ہے، وہاں مسلمان ایک چیز اگر کھو دیتا ہے تو پھر حاصل کر سکتا ہے، مگر یہاں ایک چیز کھونے کے بعد آپ حاصل نہیں کرسکتے۔ دوسرے یہ کہ جو مصلحتیں پنجاب اور ہریانہ کی ہیں وہ مصلحتیں وقف بورڈ کے ذریعہ حاصل کرنا ہوگا، اسی قانون وقف کے ذریعہ حاصل کرنا ہوگا، اور پھر پنجاب اور ہریانہ کی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر کے آپ کوئی چیز طے کرتے ہیں تو یہ بھی دیکھئے کہ اس کے مضر اثرات ہندوستان کے دوسرے علاقوں پر کیا ہوں گے، جہاں پر لوگ نظریں لگائے بیٹھے ہیں کہ کسی طرح کوئی آسان سی شکل نکل جائے اور ہم اس وقف کی جائداد کو اپنی جائداد بنالیں اور اس پر قبضہ کرلیں، کیونکہ بہت سی وقف کی جائدادیں شہری آبادی میں آچکی ہیں، اس کی قیمتیں بہت کچھ بڑھ چکی ہیں، اور آج کل اسٹیٹ بلڈر یا اسٹیٹ ڈیلر، پراپرٹی ڈیلر، یا پراپرٹی بلڈر یہ سب لوگ اپنی للچائی نظریں لگائے ہوئے ہیں، تو ایسے موقعہ پر آپ سے گذارش ہے کہ بڑے احتیاط کے ساتھ تمام چیزوں کو سامنے رکھیں اور ہمیں ہندوستانی مسلمانوں کی مصلحتوں کو بھی پیش نظر رکھنا پڑے گا، اور میں سمجھتا ہوں کہ اسلامک فقہ اکیڈمی کی جانب سے جو نیا قانون وقف ایکٹ ہے اس کی کاپیاں آپ کے پاس بھیج دی جائیں گی تو اس پر آپ حضرات بہتر طور سے غور کریں، میں اس بات کو ضروری سمجھتا ہوں، شکریہ۔

قاضی صاحب:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ دو اہم خطاب اس موضوع پر ہو گئے ہیں، اس کے بعد موقع ہے کہ پہلے عرض پیش کیا جائے آپ کے سامنے اور اس کے بعد صبح انشاء اللہ ہم لوگ پوری گفتگو کریں گے، حضرات شرکاء سے درخواست ہے کہ وہ اپنے نکات ضرور نوٹ کرتے جائیں، اس وقت جو بات مجھے عرض کرنی ہے وہ بہت اہم ہے، جس سوال کو اٹھایا ہے ہمارے جناب عبد الرحیم قریشی صاحب نے، اور ابھی فیکس کے ذریعہ پنجاب وقف بورڈ نے چند سوالات کئے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ایک بات میں آپ پر واضح کردوں کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ جو مسلمانوں کا عمومی نمائندہ تو ہے ہی، اصحاب علم، اصحاب فتوی اور اصحاب فقہ کا ایک مرکزی ادارہ ہے جس کے کسی فیصلہ کو ایک اجماعی حیثیت مسلم معاشرے میں حاصل ہے، اس لئے ساری بحثیں تو ہم مسائل پر کریں گے انشاء اللہ، لیکن یہ بات کہ جو کچھ فیصلہ مسلم پرسنل لابورڈ نے ۱۹۹۲ میں اپنے دلی کے اجلاس میں کردیا ہے، جو فیصلہ ساری عدالتوں میں دے چکے

ہیں، سارے پریس کو دے چکے ہیں، ساری سرکار کو دے چکے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس پورے ہاؤس کو باتفاق آراء بلا کسی رد و قدح کے یہ تسلیم کرلینا چاہئے کہ مساجد کی مسجدیت کو کبھی بدلا نہیں جاسکتا، مسجد نہ بیچی جاسکتی ہے، نہ مسجد عاریت دی جاسکتی ہے، اور نہ مسجد کی حیثیت میں کوئی تبدیلی کی جاسکتی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس فیصلہ کے بعد آج جو ہندوستان بھر کے اور ہندوستان کے باہر کے علماء بھی بیٹھے ہوئے ہیں ان سب کا یہ اجماع قرار پاتا ہے کہ مسجد بدلی نہیں جاسکتی، جگہ نہیں بدل سکتی، منتقل نہیں کی جاسکتی، مسجد بیچی نہیں جاسکتی، مسجد عاریت میں نہیں دی جاسکتی، اس فیصلہ پر آپ سب اتفاق کرتے ہیں تو یہ ایک اجماعی فیصلہ تسلیم کیا جانا چاہئے، میں امید کرتا ہوں کہ آپ سارے حضرات باتفاق رائے اس کی تائید کریں گے، اور اب اس مسئلہ پر کوئی بحث نہیں ہوگی، مسجد کے علاوہ جو دیگر مسائل ہیں ان پر ہم گفتگو کریں گے، اور آپ سب کی طرف سے یہ اجماعی فیصلہ پورے ملک کو پہنچ جائے گا کہ جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ۱۹۹۱ء میں کیا تھا جہاں اکابر علماء جن میں بہت سے آج ہمارے بیچ نہیں رہے ہیں ان کا فیصلہ محقق ہے، محض وقتی مصالح پر مبنی نہیں ہے، آج پورے علماء ہند مجتمع ہو کر اس فیصلہ کی تائید کرتے ہیں اور اس فیصلہ کو دہراتے ہیں، یہ بات طے ہوگئی، میری بات ڈاکٹر وہبہ زحیلی اور دوسرے بزرگوں سے بھی اس موضوع پر ہوئی ہے وہ لوگ بھی اس کے ساتھ پورا پورا اتفاق رکھتے ہیں، تو اس اتفاقی فیصلہ کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ آگے بحث جاری رہے گی، اب میں مولانا عتیق احمد قاسمی سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنا پہلا عرض شروع کریں، اور ہم ہارون بھائی کی ہدایت کے مطابق وقت پر ختم کریں گے، اور ہو سکتا ہے تینوں عرض مکمل ہو جائے اور صبح مناقشہ اسی پر ہو، میں آپ حضرات کی تعریف کرتا ہوں کہ بڑے صبر آزما موضوع پر بہت ہی صبر کے ساتھ بیٹھ کر آپ نے دلچسپی کا ثبوت دیا ہے، یہ آپ کی علمی دلچسپی کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

__نوٹ:__ (جناب مولانا عتیق احمد قاسمی، جناب مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی اور جناب مولانا ظفر عالم ندوی نے بالترتیب عرض پیش کئے جو اس کتاب میں اپنے مقام پر شامل ہیں)

مولانا عتیق احمد قاسمی:

اگر کچھ قانونی سوالات آپ کے ذہن میں ہوں جن کی وضاحت آپ ضروری سمجھتے ہوں تو پہلے وہ سوالات کر لئے جائیں، یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ جناب عبد الرحیم قریشی صاحب موجود ہیں جو قانون وقف کے ماہر بھی ہیں اور ہماری زبان میں ہم کو بات سمجھا سکتے ہیں، اس لئے جن حضرات کے ذہن میں کوئی قانونی سوال ہو جس کی وضاحت درکار ہو تو پہلے مرحلے میں وہ سوالات کر لئے جائیں، اس کے بعد میری درخواست یہ ہے کہ سوال نامہ آپ کے سامنے ہوگا جن حضرات کو بھی اپنی رائے دینی ہے کچھ وضاحتیں کرنی ہیں اگر وہ پہلے سے نوٹ کرلیں کہ کس سوال کے بارے میں کیا بات وہ کہنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی بات مربوط اور مرتب ہو کہ فلاں سوال کے بارے میں ہم گفتگو کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں ہماری یہ رائے ہے ہمارے یہ دلائل ہیں، اور تیسری بات یہ ہے کہ اختصار سے کام لیں، اس لئے کہ بہت سے حضرات ہیں جو اصحاب علم ہیں اور اصحاب فہم ہیں ان کے لئے اشارہ کافی ہوگا اور ہر ایک کو اس کا موقعہ

مل پائے گا، تو پہلے مرحلہ میں میری درخواست ہے کہ جن کو قانونی وضاحت درکار ہو وقف کے قانون کے بارے میں وہ اپنانام پیش فرمائیں اور ان کو دعوت دی جائے گی گفتگو کے لئے۔

قاضی صاحب:

حضرات علماء! اب ہم اوقاف سے متعلق مختلف مسائل پر بحث کا آغاز کرتے ہیں، اس موقعہ پر آپ کی توجہ چند نکات کی طرف منعکس کرنا چاہتا ہوں، پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ مسئلہ وقف پر نصوص کم سے کم تر ہیں، اوقاف کے احکام کی تفصیلات جو فقہاء کے یہاں ملتی ہیں وہ مجتہدات ہیں منصوصات نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس نکتہ پر اختلاف آپ لوگوں کو نہیں ہوگا۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ وہ وقف کے جواز ہی کے قائل نہیں ہیں، لیکن محققین نے یہ بات ثابت کی ہے کہ امام صاحب جواز وقف کے قائل ہیں لزوم وقف کے قائل نہیں، اور جہاں تک مسئلہ مسجد کا ہے وہاں امام صاحب لزوم کے بھی قائل ہیں، دیگر ائمہ بھی وقف کے جواز اور لزوم کے قائل ہیں، اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ لزوم وقف تقریباً تمام ائمہ کے درمیان متفق علیہ ہے، تو مسئلہ اگر منصوص نہیں مجتہد ہے لیکن اس میں اگر علماء امت کا اجماع ہو چکا ہو تو خود ایک بڑی سند اور حجت کا درجہ رکھتا ہے، چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اس لئے علماء کے درمیان اختلاف رائے بہت سی اشیاء میں ہوا ہے، دیکھنا یہ ہے ہم کو اور آپ کو بہت گہرائی کے ساتھ کہ پورے نظام وقف میں کن بنیادی باتوں کی رعایت جملہ ائمہ و مجتہدین فقہاء نے رکھی ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اصول اگر ہم سب کے سامنے حاضر ہوگا تو مسائل کا حل کرنا ہمیشہ ہمارے لئے آسان ہوگا، پہلا مسئلہ تو مشروعیت وقف کے مقاصد، اسباب المشروعیہ، مقاصد المشروعیہ اور وقف کرنے کے اس عمل کی شرعی حیثیت کا ہے، ہمارے یہاں اسلامی نقطہ نظر سے ہر عمل کے اندر رضائے خداوندی اور اجر آخرت مطلوب ہوتا ہے، وہ عمل جو شریعت نے واجب نہیں کیا ہے، اس کو بطور خود آپ کے اختیار پر چھوڑا ہے، اس عمل کو تبرع کہا جاتا ہے، پس وقف کی حیثیت شرع کی زبان میں ایک تبرع کی ہے، مجھے یقین ہے کہ سارے علماء اس سے اتفاق کریں گے چونکہ یہ کوئی خاص اہم بات نہیں ہے۔

وقف کا مقصد شئ موقوف کو ہمیشہ باقی رکھنا، اور اس کے منافع مستحقین کے درمیان تقسیم ہونا، اصل شئ کو محفوظ رکھنا اور منافع کی تقسیم، یہ دو بنیادی جز ہیں اوقاف کے، بنیادی طور پر وقف میں یہ دو باتیں اہم ہیں، ایک ہے حبس عین، اب اس بحث کو چھوڑ دیجئے کہ "علی ملك الواقف أو علی ملك الله" میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، لیکن حبس عین، عین شئ کا محفوظ رکھنا اور اس کے نفع کو عام کرنا، میں سمجھتا ہوں کہ اوقاف کے جملہ احکام و مسائل کے بارے میں کچھ طے کرتے وقت دو چیزوں کو بنیادی طور پر سامنے رکھنا ہے، ایک یہ کہ وہ شئ محفوظ رہے، دوسرے یہ کہ اس کا نفع عام سے عام اور زیادہ سے زیادہ ہوتا رہے، اگر ان دو مقاصد کو ملحوظ رکھیں گے تو بہت ساری الجھنیں ہماری خود بخود طے ہو جائیں گی انشاء اللہ، ایک تو اصل شئ موقوف کی حفاظت ہو وہ ضائع نہ ہونے پائے، اور دوسرے نفع اس کا جاری رہے بڑھتا رہے، تو گویا نافعیت اور انفعیت اور صیانت اصل وقف، یہ گویا ہمیں بنیادی طور پر

تمام مسائل اوقاف میں غور کرتے وقت ذہن میں رکھنا چاہئے، اب اس روشنی میں اگر آپ تمام فقہاء کی پوری کتاب الاوقاف پڑھ جائیے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہر فقیہ ومجتہد کی رائے دراصل اسی بنیاد کے تحت گھومتی ہے اپنے عہد کے اعتبار سے اپنے زمانے کے حالات کے اعتبار سے، جس فقیہ نے حفاظت وقف کے لئے جو ضرورت محسوس کی اس کا حکم دیا اور وقف کی نافعیت کے لئے جو ضروری سمجھا حکم دیا، یہی دراصل پوری روح اور خلاصہ ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ اوقاف کے مسائل میں عام بات لکھی ہے لوگوں نے کہ آخری اختیار ناظر وقف اور متولی وقف کو نہیں بلکہ قاضی کو ہے، لیکن بعض نے یہ بھی لکھ دیا کہ نہیں نہیں قاضی سے بھی بچانا، زمانہ خراب ہے، قاضی سب بھی گڑبڑ ہو رہے ہیں، یعنی جب اس دور کے فقہاء نے حکومت کی طرف سے مقرر کئے ہوئے قاضیوں کی دیانت پر شبہ کیا تو انہوں نے قاضی سے بھی بچنے کی بات کہی، کیوں؟ تاکہ وقف محفوظ رہے، پس جملہ احکام ابواب وقف پر اگر آپ غور کریں گے تو یہی ملے گا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ بنیادی نقطہ بھی آپ کے غور کرنے کا ہونا چاہئے، اور خوب اچھی طرح اللہ کے سامنے اپنے کو رکھ کر اس پر غور کریں کہ ہم کوئی فیصلہ ایسا نہ کریں جس سے وقف کی حفاظت مجروح ہو اور کوئی فیصلہ ایسا نہ کریں جس سے وقف کی نافعیت یا انفعیت متاثر ہو، یہ چیز ہمارے خیال میں بنیادی طور پر ذہن میں رہنی چاہئے تو بہت سی آسانیاں ہوں گی۔

ابھی پہلا سوال جو مولانا عتیق صاحب کا عرض ہے اس میں بحث ہے استبدال کی، تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ استبدال وقف کی کبھی ضرورت پڑسکتی ہے " صار الوقف خربانا" وقف ایسا ویران ہو گیا کہ اب اس سے کوئی آمدنی نہیں تو اصل شی محفوظ ہے مگر نافعیت ختم اس کی، اصل شئ محفوظ ہے لیکن نفع نہیں دے رہی ہے، آمدنی نہیں ہو رہی ہے، اس کے محاصل نہیں ہیں، تو یہاں پر فقہاء نے بڑی احتیاط کے ساتھ کہ کہیں اس کا غلط استعمال نہ کیا جائے، استبدال کی اجازت دی، دوسری صورت یہ ہے کہ وقف کی آمدنی تو ہے لیکن قلیل ہے، اگر اس وقف کو ہم Convert کریں، تبدیل کر کے ہم کسی دوسری جگہ وقف کی زمین حاصل کر لیں تو وہاں پر نفع بڑھ جائے گا، تو یہاں پر فقہاء کی دو رائے ہوئی، ایک رائے یہ ہے کہ اگر اصل نفع کچھ نہ کچھ جاری رہے تو زیادتی نفع کی خاطر وقف کی تبدیلی نہیں کر سکتے، کچھ فقہاء کی رائے ہوئی کہ اگر انفعیت حاصل ہو جاتی ہے اطمینان کے ساتھ تو استبدال کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ اور بہر صورت استبدال کے حکم کا اختیار قاضی کو دیا گیا، اور وہ بھی ہر قاضی کو نہیں بلکہ جو قاضی القضاۃ ہیں ان کو دیا فقہاء نے، تو یہاں بھی دیکھئے مسئلہ استبدال میں بھی نافعیت اور انفعیت اور شئ اصل موقوف کی حفاظت کو فقہاء نے سامنے رکھا ہے۔

اب میں ایک بات اور عرض کردوں کہ ایک وقف کو بیچ کر نقد پیسہ حاصل کرنا ہے، مثلاً اتفاق سے ہمارے یہاں بہار میں اگر اوقاف میں کوئی تبدیلی کرنی ہو تو اس کی اجازت کی درخواستیں دار القضاء میں آتی ہیں، ابھی چلتے وقت بھی میں نے دو تین معاملات کو دیکھا ہے، ہمیشہ آتی رہتی ہیں درخواستیں، تو مثلاً ایک وقف کا معاملہ یہ تھا کہ وہاں پر زمین درمیان آبادی میں آگئی اس کا کوئی منافع نہیں ہے، اس کو اگر ہم علاحدہ کردیں تو دوسری جگہ ہم زمین لے لیں، ٹھیک ہے؟ میں نے کہا کہ پہلے آپ یہ لے کر آئیے کہ دوسری زمین آپ کہاں حاصل کریں گے، اس کا زر ثمن کیا ہوگا اور جو ہم یہ بیچیں گے اس کا زر ثمن کیا ہوگا، دونوں کا پہلے ہم مقابلہ کریں گے، اس کے بعد دیکھیں گے، اب تین چار ماہ بعد یہ درخواست آئی کہ جس زمین کو ہم لینا چاہ رہے تھے وہ زمین فروخت ہو گئی، میں نے وہیں پر مثل روک دی کہ جب تک پھر کوئی دوسری زمین سامنے نہیں آئے گی کہ اس کا معاملہ طے ہو اور دونوں رجسٹری ایک ساتھ ہوں،

ایک طرف ہم بیع کریں اور دوسری طرف شراء کریں تاکہ اصل وقف مجروح اور متاثر نہیں ہونے پائے، جب تک یہ نہیں ہوگا ہم نہیں کریں گے، تو جناب والا ایسا نہ ہو اس لئے کہ پیسہ حاصل ہونے کے بعد پیسہ رہ ہی نہیں سکتا، اس پر خطرات ہوتے ہیں، اس لئے صیانت وقف کو بنیادی حیثیت دینا ہوگا، اس مسئلہ میں رائے کر لیجئے۔

اب اس سلسلہ میں عرض یہ کرنا ہے کہ ہمارے نزدیک صیانت وقف پر کوئی جھگڑا نہیں ہے، سبھی لوگوں کو یہ دیکھنا ہے کہ کوئی بھی ایسا حکم ہم نہیں دے سکتے جس میں اصل وقف کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو، اور دوسری بات یہ ہے کہ وقف کی آمدنی نہیں ہو اس کو کارآمد اور نفع بخش بنانے کے لئے استبدال ظاہر ہے کہ ہو سکتا ہے، تمام لوگوں نے صراحت بھی کی ہے اور ہم بھی سمجھتے ہیں.....۔

ہاں مسئلہ وہاں زیر بحث آئے گا جہاں پر صورت حال یہ ہو کہ آج ہزار روپئے آمدنی ہوتی ہے اگر ہم تھوڑی سی تبدیلی کر لیں تو لاکھ روپے آمدنی ہو سکتی ہے تو زیادتی نفع کی خاطر ہم اس کی اجازت دے سکتے ہیں یا نہیں کہ وقف کا استبدال کیا جائے، اصل نفع کے لئے نہیں بلکہ زیادتی نفع کے لئے، اب یہاں پر یہ بحث ہوگی کہ اگر اصل وقف کے تحفظ کا پورا اطمینان نہ ہو، ایک شکل، اور اصل وقف کے تحفظ کا پورا اطمینان ہو پھر ایک عالم دونوں حالات میں کیا فتوی دے گا، اس کو آپ حضرات کو دیکھ کر طے کرنا ہے۔

جہاں تک مسئلہ مسجد کا ہے اس سے ہم لوگ فارغ ہو چکے ہیں، اب اس پر بحث کرنا ہے کہ مسجد کی اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے یا نہیں، یہ ہے پہلا سوال، دوسرا اسی کا حصہ ہے کہ مسجد کی آمدنی یعنی مسجد کے لئے اوقاف سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ وقف جو کسی مسجد پر ہے اس کے ذریعہ جو آمدنی حاصل ہے تو کیا مسجد کے اخراجات سے زائد ہونے کی صورت میں اس زائد آمدنی کو تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

بہر حال دوستو! یہ ہے ساری بحث کا خلاصہ۔

سوال نمبر ایک میں جہاں تک مساجد کا تعلق ہے عین مسجد کا اس پر ہم اب کوئی بحث نہیں کریں گے، اس کے علاوہ جو مسائل ہیں ان پر اگر آپ بحث کرنا چاہیں گے تو اس کی گنجائش دی جائے گی۔

مولانا شیر علی صاحب:

وقف لازم نہیں ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، یہ بات درست نہیں ہے۔

قاضی صاحب:

اگر ایسا نہیں ہے تو بہت اچھا ہے، ہم یہ جانتے ہیں "إلا إذا قضى به" میں نے یہ کہا کہ: إن الأئمة قد اختلفوا في لزوم الوقف أو عدم لزومه، الإمام أبو حنيفة لم يقل بعدم جواز الوقف، قد نسبوا إلى الإمام أبي حنيفة أنه قائل بعدم جواز الوقف ولكن هذا ليس بصحيح، الصحيح أنه قائل بجواز الوقف ولكنه يقول إن الوقف لا يلزم بل يمكن أن يرجع الواقف من الوقف، فالاختلاف فيما بينهم في مسئلة لزوم الوقف وعدم لزومه لا في جواز الوقف أو عدم جوازه هذا ما قلت، الآن

ماذا تقول۔ میں نے حنفی مسلک میں نہیں کہا۔

أنت تعرف یاشیخ أن الإمام أباحنیفةؒ إذا قال بقول، وقال أبو یوسف ومحمد بقول آخر، وقولهما أیضا جزء من مسئلة الأحناف، لأن کل ما نسب إلی هذین الامامین الصاحبین کأنه قول للإمام أبي حنیفة رحمه الله تعالی، فاختار أحدهما هذا وآخرهما هذا، کما نسب إلی الإمام الشافعیؒ أن هذا قول قدیم وهذا قول جدید وهذا فی مصر وهذا فی بغداد، کلها أقوال للإمام الشافعي، وکذلك اختاره أبویوسف أو محمد أو زفر أو فلان أو فلان، کلها أقوال للإمام أبي حنیفة رحمه الله، اختاره أحد من تلامذته۔

مولانا شیر علی صاحب:

اگر وقف لازم نہیں ہے تو وقف کا مقصد کیا رہا؟

قاضی صاحب:

میں نے کچھ نہیں کہا، میں نے تو کہا کہ خود حنفیہ کے یہاں مفتی بہ قول یہی ہے کہ وقف لازم ہوگا، یہ امام ابویوسف کا قول ہے، امام محمد کا قول ہے، لزوم وقف کا قول مفتی بہ ہے احناف کے یہاں، اور پوری کتاب الوقف اسی پر مرتب ہے۔

کیا آپ کے علم میں یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا ایک معروف قول عدم لزوم وقف کا ہے۔

مولانا شیر علی صاحب:

نہیں، میرے علم میں نہیں ہے۔

قاضی صاحب:

تو براہ کرام آپ کم سے کم شامی ضرور دیکھ لیں، آپ کے پاس سب کتابیں موجود ہیں، اسی لئے جب فقہاء احناف بحث کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ شرائط الوقف علی قول الصاحبین ،علی قولهما، یہ بحث کرتے ہیں۔

تو خیر مولانا سلطان صاحب ایسا ہے کہ آپ کی توجہ چاہتا ہوں، سوال نمبر ا "الف" اور سوال نمبر ا "ب" کے بارے میں آپ گفتگو کریں، "ج" طے ہو چکا ہے کہ مساجد کا مسئلہ ختم ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جو تلخیص مقالات کی دی گئی ہے یہ تلخیص یکطرفہ ہے، اور ظاہر ہے کہ بعد میں ریکارڈ نہیں بنتا ہے، یہاں پر عارض جو ہے مسئلہ کا جو مزید معلومات فراہم کرتا ہے یا حوالہ دیتا ہے وہ اس کے پاس رہ جاتے ہیں، جو چیز آپ کے پاس ریکارڈ بنتی ہے اور اس کی تلخیص ہوتی ہے، اس بنا پر اس کو نمائندہ ہونا چاہئے اور اس میں جملہ آراء کا تذکرہ ہونا چاہئے، یہاں پر ہریانہ، پنجاب، دہلی اور مغربی یوپی کے اوقاف کے حوالہ سے بات کہی جا رہی ہے، مسئلہ بڑا نازک ہے، اور ہندوستان کے پس منظر میں فقہ کے

اندراوقاف کے سلسلے میں مشہور، معروف، مفتی بہ جو بھی قول ہے وہ یہ ہے کہ " الوقف لا یباع ولا یوھب ولا یورث، ہم سب جانتے ہیں اس کو، اس تلخیص میں اس کا حوالہ دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، اگر اس کے مقابلہ میں امام محمدؒ کی رائے قابل ترجیح ہے جیسا کہ اس میں تذکرہ کیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔، تو یہ کہنا چاہئے تھا کہ مشہور ومعروف اور مفتی بہ جو قول ہے اس کے مقابلہ میں موجودہ حالات میں امام محمد کی رائے پر عمل کرنا زیادہ مناسب اور ہندوستان کے حالات میں زیادہ قرین مصلحت ہے، اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے، اب میں نے اس پر جو جواب لکھا تھا اس میں سے صرف چند سطریں میں آپ کے سامنے پڑھ دیتا ہوں، جس کا اس میں کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے،۔۔۔۔۔۔۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن رائے کا آنا اس میں ضروری ہے، آئندہ ریکارڈ اسی کی بنیاد پر بنتا ہے، میں نے یہ لکھا تھا اس پر کہ "الف" "ج" اور "د" جملہ شقوں کو شامل کرتے ہوئے وقف کے سلسلہ میں یہ مسئلہ معروف ہے کہ الوقف لایباع ولا یوھب ولا یورث، پنجاب وہریانہ اور دہلی ومغربی یوپی کے بیچ مسجد اور غیر مسجد جملہ اوقاف کی نسبت سے اسی پر ہی عمل مناسب ہے، اس وقت جب کہ صورت حال یہ ہے کہ مسلمان متولیوں اور ٹرسٹیوں کی طرف سے ان کا دیانت دارانہ انتظام نہیں ہو پا رہا ہے، اس میں خرد برد عام اور مالی بد عنوانیاں اس کے نظام کا حصہ بن چکی ہیں، ان حالات میں ان کی منتقلی یا فروختگی دوسرے الفاظ میں ان اوقاف کو ختم کرنے کے مترادف ہے، یہ صحیح ہے کہ مخصوص حالات میں یہ اوقاف مسائل سے گھرے ہوئے ہیں لیکن ان کی فروخت ان کے مسائل کا کسی طرح حل نہیں ہے، بحمد اللہ ان علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی ہونا شروع ہو گئی ہے، ضرورت اس کی ہے کہ پوری امت کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو، مسلم پرسنل لا بورڈ میں ان کے لئے الگ سے۔۔۔۔۔۔ بنایا جائے اور مسلمانوں کے تمام مذہبی، اور سیاسی جماعتوں اور۔۔۔۔۔۔ دیگر پروگراموں کا یہ لازمی حصہ بنیں، خلاصہ یہ کہ فروخت اور منتقلی کے بجائے ملت اسلامیہ ہندیہ اس کی حفاظت پر کمربستہ ہو، اس عمل میں امکانی کچھ اوقاف کا ضائع ہو جانا اس کے مقابلہ میں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ عمومی خرید وفروخت کے ذریعہ بڑے پیمانے پر ان کے ضیاع کا خطرہ مول لیا جائے، میری اس رائے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا، میں سمجھتا ہوں کہ اس رائے سے اختلاف ہو سکتا ہے، اس کو مرجوح قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن وقف کے سلسلہ میں یہ رائے ظاہر کی جانی ضروری تھی۔

اس تلخیص کے نمائندہ نہ ہونے کی ایک دوسری مثال آگے دیکھیں کہ سوال نمبر ۲ ہے کہ کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے، مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے، اس کے سلسلہ میں تمام رائے وہ نقل کی گئی ہیں جو جواب کی رائے ہے اس کی تلخیص کے اندر، خاکسار کی رائے جو اس سلسلہ میں ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ مسجد پر وقف اراضی میں مسلمانوں کے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم نہیں کیا جا سکتا الا یہ کہ واقف کی طرف سے وقف نامہ میں اس کی صراحت ہو تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے، یہ میں صرف مثال دے رہا ہوں کہ اس رائے کا کوئی تذکرہ اس کے اندر نہیں ہے، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ تمام آبادیوں میں مسجدوں میں جگہیں کم پڑ رہی ہیں، جو مسجدیں ہیں وہ چھوٹی ہو رہی ہیں ان کو توسیع کرنے کا مسئلہ ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر دو ایکڑ زمین کہیں موجود ہے اور اس وقت وہ مسجد چھوٹی بنی ہوئی ہے، اور اس مسجد کے بجائے اس پر مدرسہ یا عصری ادارہ کے جواز کی بات اس میں کہی گئی ہے، کوئی کالج کھول دیا جائے، کچھ کر دیا جائے، اور بیس سال کے بعد اس مسجد کی

توسیع کا مسئلہ ہمارے سامنے آئے تو زمین ہمارے پاس نہ ہو یہ بڑی خطرناک بات ہے، تو اس میں علماء کی جو رائے ہو اس پر اتفاق ہو سکتا ہے یا یہ کہ کثرت رائے پر فیصلہ ہو سکتا ہے، لیکن خاکسار کی رائے یہ تھی کہ مسجد کے لئے وقف کردہ زمین میں کوئی ادارہ نہ مدرسہ قائم کرنا جائز ہے، اور عصری ادارہ کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے لیکن اس میں اس رائے کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے، تو یہ عرض ہے کہ تلخیصات ذرا مکمل ہوں اور اس سے اس کو مربوط کیا جائے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب:

تلخیص کے سلسلہ میں ایک عرض یہ ہے کہ سوال نامہ ہمارا جاری ہوتا ہے سمینار سے کم از کم چھ سات مہینے پہلے اور اس بیچ میں اس کی ایک تاریخ متعین کی جاتی ہے سمینار کی تاریخ سے کم سے کم دو ڈھائی تین مہینے پہلے جب مقالے مانگے جاتے ہیں اور بار بار یاد دہانی کرائی جاتی ہے۔ اور آخری تاریخ کے بعد پھر آگے مہلت دی جاتی ہے اور پھر یاد دہانی کرائی جاتی ہے، اور پھر اس کے بعد سمینار سے تقریباً ڈیڑھ مہینہ پہلے یا دو مہینہ پہلے ایک نشست ہوتی ہے، اس وقت تک جتنے مقالات موصول ہوئے ہوں ان کو سامنے رکھتے ہوئے عرض کی ذمہ داری دی جاتی ہے اور اسی کے مطابق تلخیص ہو جاتی ہے، اس سے پہلے بھی سمینار میں گذارش کی جاچکی ہے اور اکیڈمی کی طرف سے بار بار خطوط جاتے ہیں لیکن، بہت سے حضرات اب جب سمینار میں تشریف لاتے ہیں یا دو چار چھ دن پہلے اپنا مقالہ پہنچاتے ہیں تو ان کی آراء سے تلخیص میں یا عرض جو مرتب کیا جاتا ہے اس میں کسی طرح کا استفادہ نہیں ہو سکتا ہے اور پھر مجبوری ہوتی ہے، وہ رائے نہیں آسکتی، ممکن ہے اشاعت میں وہ شامل ہو جائے لیکن اس موقع پر اس کا ذکر مجبوری ہوتی ہے، اور ہم پہلے بھی گذارش کرتے رہے ہیں اور اب بھی گذارش کرتے ہیں کہ ہمارے احباب مندوبین جو دلچسپی رکھتے ہیں، جواب بھی لکھتے ہیں شرکت بھی فرماتے ہیں، ان سے گذارش کی جاتی ہے کہ کم سے کم اپنا قلمی تعاون اکیڈمی کو جیسے اور تعاون حاصل ہے اس طور پر دیں کہ جو وقت مقرر کیا جاتا ہے اس میں اپنی رائے جو کچھ بھی ہو اللہ جو دل میں ڈالے جو ان کا انشراح ہو کوئی پابندی تو ہوتی نہیں ہے وہ لکھ کر بھیج دیں، اچھا خاصا وقفہ ہوتا ہے تاکہ استفادہ اس سے اچھی طرح کیا جاسکے، اور یہ بدمزگی نہ پیدا ہو اور یہ خیال نہ پیدا ہو کہ میری رائے نہیں ذکر کی گئی، یہ ایک سوال نہیں ہے، اور بھی لوگ کہتے اور پوچھتے ہیں لیکن جب وقت پر مقالے نہیں آتے تو پھر وہ صحیح کام نہیں ہو پاتا، جن حضرات کے سپرد عرض کیا گیا ہے ان کے مقالے جو وقت پر آئے اور جو مقالات موجود تھے اکیڈمی نے اچھے خاصے اخراجات کے ساتھ سارے مقالے جس موضوع کا عرض جس کے پاس ہے ان سب کو پہونچائے، انہوں نے وقت لگائے اور مرتب کیا، اس لئے مولانا سلطان صاحب یا جو حضرات ہیں ان سے معذرت کے ساتھ ہم پھر گذارش کرتے ہیں کہ ہمارے جو سوال نامے جاری ہوتے ہیں ان کے جوابات وقت پر پہونچانے کی کوشش کیجئے تاکہ آپ بھی صحیح طور پر مستفید ہو سکیں اور ہم بھی مستفید ہو سکیں۔

اور جہاں تک سوال ہے اس کا ویسے تو ابھی گفتگو چل رہی ہے کہ فاضل زمین میں کیا اقدامات کئے جائیں، بات صحیح ہے، اس سوال نامہ میں بھی ایک سوال ہے کہ مسجدیں تنگ ہو رہی ہیں، قبرستان ادھر ادھر ہے تو کیا کریں، جہاں ایک طرف بڑی آبادی والے

شہروں میں یا جہاں بہت تیزی سے آبادی بڑھ رہی ہے ترقی ہو رہی ہے، یہ صورت حال ہے کہ پانچ سال کے بعد دس سال کے بعد جو موجودہ مسجد ہے وہ تنگ ہو جاتی ہے، دو منزل یا تین منزل بنائی جاتی ہے یا بڑھائی جاتی ہے وہاں تو یقیناً یہ بات نہیں سوچی جاسکتی نہ وہاں کے لئے یہ سوال ہے، سوال بہت سی ایسی جگہوں کے لئے ہے کہ جہاں اس انداز کی بڑی آبادی ہے اور نہ حالات کے اعتبار سے یہ تصور ہے کہ دس بیس پچیس سال میں اس طرح کی کوئی صورت پیش آئے گی، اور زمین بہت کافی ہو تو اس کو وقف کی نسبت سے نفع بخش بنانے کے لئے جو ضرورت درپیش ہے کیا اس طرح کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے کہ زمین زائد پڑی رہے کسی طرح ہمارے کار آمد نہ ہو اور واقف کو بھی کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ پہونچ سکے تو اس طرح کی صورت اختیار کرلیں تو کس حد تک درست ہوگا، تو عرض ہو چکا ہے، اور گفتگو بھی آگے ہوگی،

حکیم ظل الرحمن صاحب:

مقالات کی تلخیص جو ہمیں دی گئی ہے مطبوعہ اور جو عبارت پڑھی گئی ہے اس میں بہت اختلاف ہے......۔

مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب:

یہ سن لیں کہ رات میں جو کچھ پڑھا گیا یا ابھی جو کچھ پڑھا گیا وہ تلخیص نہیں وہ عرض ہے، اس میں نوعیت بدل جاتی ہے، اگر یہ بات ہو کہ ہم نے رائے پیش کی تھی، فلاں تاریخ تک مقالہ پہونچا دیا تھا اور وہ رائے نہیں آئی، اور افراد کا نام لینا بھی ضروری نہیں ہے، وہ نہیں فراہم کیا جاتا، وہ محدود رہتا ہے۔

مفتی فضیل الرحمن صاحب:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ بحث کے آغاز سے پہلے اوقاف کے تعلق سے ہمارے جتنے سوالات ہیں اور ان کے جوابات ہیں ان میں زیادہ تر ایسے سوال وجواب ہیں کہ ان کا تعلق بھی قاضی کی اجازت سے ہے، امارت شرعیہ بہار سے معاملہ کو الگ رکھ کے کہ وہاں کی صورت حال پورے ملک سے مختلف ہے، ملک کے جو دوسرے علاقے ہیں خاص طور پر پنجاب، ہریانہ، یا ہماچل پردیش وغیرہ کے علاقے اور وہاں ہمیں قاضی کی یا شرعی کمیٹی کی اس طرح کی سہولتیں حاصل نہیں ہیں تو وہاں کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جائے اور کوئی تجویز رکھی جائے کہ قاضی کا بدل کیا ہوگا تاکہ ہم آگے جتنے بھی سوالات کے جوابات باذن القاضی ہیں........ بحث بھی ہو جائے گی جواب بھی آجائے گا کہ وہاں قاضی کی اجازت سے ایسا ہو سکتا ہے، اور قاضی ہے نہیں اور اجازت اس سے کیسے لی جائے تو وہ ہماری ساری بحثیں ایک نظری بحث ہو جائے گی عملی بحث نہیں بنے گی۔

قاضی صاحب:

یہ بڑا بنیادی اور اہم مسئلہ ہے جس کی طرف مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب نے توجہ دلائی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہ مسئلہ ہے جس کی طرف ہمارے اکابر علماء نے اولین زمانہ سے توجہ دی، آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آیا تھا کہ

وہ تمام احکام شرعیہ جن کا تعلق قضاء قاضی سے ہے، جب ہندوستان میں مغلوں کا زوال ہوا اور انگریزوں کا اقتدار آیا تو آہستہ آہستہ نظام قضاء ختم ہو گیا، اور حقیقت یہ ہے کہ اسلامی زندگی کے لئے نظام قضاء ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتا ہے، اس لئے کہ به يقوم العدل والمسلم يحتاج فى حياته فى كل الآن إلى نظام القضاء الإسلامى، عدة من القضايا والمسائل فى حياة المسلم لا يمكن أن تطبق إلا أن يكون هناك قاضٍ، فلذلك قد أفتى العلماء أن فى بلاد تغلب عليها الكفار يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يولّى قاضيا أو يكون هو الذى يقضى بينهم.

هناك قضايا لا نستطيع أن ننفذ أحكام الشريعة فيها بسبب فقدان الولاية الكاملة أوالقوة القاهرة كما فى الحدود والقصاص لا يمكن لنا فيها تطبيق أحكام الشريعة، ولكن فى قضايا يمكن تطبيق أحكام الشريعة فيها على المسلمين بتراضيهم فى مثل هذه القضايا يجب على كل مسلم أن يفعل ما يستطيع ويرجو من الله تعالى أن يعطيه الاستطاعة فيما لايستطيع، هذا ما كتب الشيخ ابو المحاسن محمد سجادؒ ما نستطيع الآن يجب علينا أن نتعامل به وما لا نستطيع، نرجو ان الله سبحانه وتعالى سيوفقنا ويسهل لنا طريق تنفيذ الأحكام الشرعية وتطبيق الشريعة الإسلامية، ولذلك قدكتب الفقهاء أن القاضى يصير قاضيا بتراضى المسلمين، وهذا ما أفتى به الشيخ عبد العزيز المحدث الدهلوى بعد أن تسلط علينا الانجليز، هذا هوالأمر الأول والأساسى فى الهند ولذلك قررت جمعية علماء الهند بل فى الحقيقة علماء الهند على تاسيس الإمارة وتفويض منصب القضاء لأحد منهم ....

تعرفون أيها السادة!مع الأ سف أن بعضهم قد أفتوا فى زمان قديم أن المسلمة إذا صارت مظلومة من جانب زوجها فلها۔ العياذ بالله۔ أن ترتد، ولذلك أفتى الشيخ أشرف على التهانوىؒ أن بارتداد المراة لاينفسخ نكاحها هذا أسف كبير، ولكن علمائنا ولله الحمد من وجهة نظر الإمارة الشرعية أو الحماعة العادلة من المسلمين قد خرجوا عن هذه القضية و أسسوا الإمارة الشرعية فى بيهار و أريسة، فالآن لو نحتاج إلى نظام القضاء الشرعى، فعلينا أولا أن نتفق فى كل ولاية على أمير منا وحدود عمله ما هو مستطاع فى هذا الزمان فى هذه الحكومة العلمانية ، فما هو خارج من الإستطاعة لسنا بمكلفين، نحتاج إلى القضاء فى قضية فسخ النكاح بسبب ان الزوج مفقود أو أنه مريض مرضا يضر بالمرأة أو لا ينفق عليها أو هومعسر أو هو ظالم أو هو متعسف، مثل ذلك من الوجوه والأ سباب لفسخ الزواج، كذلك نحتاج فى أمور الأوقاف إلى نظام القضاء الإ سلامى، ونظراً إلى هذه الحاجة الماسة قررت هيئة الأحوال الشخصية لعموم الهند (مسلم برسنل لاء بورد) فى دورتها المنعقدة فى جيفور تاسيس نظام القضاء الشرعى فى جميع بلدان الهند، والحمد لله قد بدأ العمل على هذا و لكن فيها مشاكل تربية القضاة و تدريب القضاة، و كل من نجد أهلا للقضاء نفوض إليه القضاء، قضية الأوقاف نحتاج فيها أيضاً إلى القضاء فعلينا أولا أن نحاول ونجتهد فى جميع بلدان الهند أن نؤسس الإمارة الشرعية۔ ومن سوء حظنا إذا لم نتفق على أحد منا كأمير فعلينا نحن جماعة المسلمين أن نفوض القضاء إلى أحد من العلماء ، فهذا هو الحل ...... لأن القضاء أصلا مصدره جماعة المسلمين، و الأمير و الخليفة نائب عن جماعة

المسلمين، فإذا فقد الأمير فقد رجع الاختيار إلى جماعة المسلمين فيجوز لجماعة المسلمين أن يفوضوا القضاء لأحد من العلماء، إذا لم يكن الأمير فيمكن لنا أن نجعل قاضيا بتراضينا وهو الذى يقضى بيننا.

أيها السادة! إن القضاء هو الحكم، حقيقة القضاء هو الحكم بما أنزل الله فيما تنازع فيه المسلمون، فيما يتخاصم به المسلمون، هذا هو الحكم ....

أما الالزام الحسى فهو خارج عن حقيقة الحكم كما صرح به القرافى وغيره من العلماء الأحناف، والطرابلسى قاضى القدس الشريف فى معين الحكام قد صرح بهذا أن الالزام المعنوى داخل فى حقيقة الحكم، والالزام الحسى ليس بداخل فيها، و كذلك حكم الأوقاف، أعرف أن بعضا من المسلمين يخرجون من أحكام الشريعة ويذهبون إلى المحاكم الرسمية، ولكن مع هذا نعرف أن عامة المسلمين الآن فى الهند مع جميع هذه الضلالات، المسلم لا يرضى بحكم غير إسلامى الآن أيضا، نعتمد على إيمانهم، وانهم يذهبون إلى القضاء الشرعى الإسلامى، لأنهم قد رضوا بالإسلام وقد رضوا بما قضى الله و رسوله كما ورد فى القرآن: " فردّوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤ منون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تاويلا" فعلينا أولا إذا اتفقتم على هذا أن نقول فى قرارات هذه الندوة أنه فى كل بلد يجب على المسلمين أن يفوضوا القضاء إلى أحد من العلماء الذين هم عارفون بأحكام الشريعة وفيهم ورع وفيهم تقوى، ولكن نقول هنا أنه مرة سأل سائل سيدنا على رضى الله عنه:ما كان فى زمن أبى بكر و زمن عمر- رضى الله عنهما- أى خصومة، الآن ماذا حدث فى زمنك وفى زمن عثمان أن قد تغيرت الأ حوال، فقال سيدنا على- كرم الله وجهه- حينما كان أبوبكر و عمر خليفة للمسلمين كنا تحته أمة واحدة نطيعه، الآن نحن الأمراء وأنتم الأمة و هذا التغير بسبب تغير أحوال الأمة لا بسبب تغيره ،فعلينا ان نتنزل مثل هذا التنزل فى شرائط القضاء وأهلية القضاء، نتنزل حسب ما يمكن و حسب الزمان، لا يمكن أن تطلب مثل القاضى شريح و مثل فلان و فلان و قاضى أياس ابن معاوية، الآن يمكن أن يكون فينا قضاة مثلكم أيها العلماء، والله يبارك فينا و يجعل لنا مخرجا " لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا" إن شاء الله، فعلينا يمكن أن يكون فى التوصية أن المسلمين يجب عليهم أن يفوضوا القضاء لأحد من العلماء، مثل ما يمكن و مثل مانجد فى هذه الأحوال-

و بعد ذلك إن لم يمكن و إلى وقت لا يمكن تفويض القضاء فهذا أحسن أن نجعل فى كل بلد جماعة و لجنة للأوقاف مشتملة على العلماء الذين يعرفون أحكام الأوقاف، لأن كل عالم لا يعرف أحكام الأوقاف أيضا، لأن عندهم كل السؤال عن الصلاة والزكوة أو الطهارة، ولا يعرفون المعاملات، وإذا لم يطلع العلماء بهذه المسائل و القضايا فكيف يعرفون أحكامها، فعلينا أن نوصى فى توصياتنا أولاً ما هو مطلوب فى الشرع هو إقامة الامارة أو تأسيس القضاء الشرعى الإسلامى، وبعد ذلك إن لم يمكن هذا و آخر الاحوال..... أن يكون هنا لجنة للعلماء الذين يعرفون أحكام الأوقاف فيكون هو أحسن..

میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے مولانا فضیل الرحمن صاحب کے اس اہم ترین سوال کے جواب میں ہمارا یہ مجمع الفقہ الاسلامی

اس بات کو قبول کرے گا کہ اصل صورت تو یہ ہے کہ ہم شرعی امارت قائم کریں جیسا کہ ہمارے بزرگوں نے فتوی دیا تھا، وہ ممکن نہ ہو تو جماعت مسلمین اور علماء کے اتفاق سے ہم کسی کو قاضی مقرر کریں، اور اگر وہ بھی ناممکن ہے کہیں، ایسا نہیں کہ جو آسان ممکن ہو اس کے لئے ہم اس مشکل کو اختیار نہ کریں، ایسا لجنہ بنائیں ایک ایسی کمیٹی بنائیں ایک کونسل بنائیں جس کونسل میں ایسے تبحر علماء موجود ہوں جو مسائل او قاف سے واقف ہوں......

مولانا فضیل الرحمن صاحب:

قاضی صاحب نے بہت اچھی بات فرمائی ہے، عرض یہ ہے کہ ہمارے یہاں وقف بورڈ کا ایک مستقل قانون ہے، ہم اپنے طور سے کوئی لجنہ بنالیں، امارت شرعیہ بنالیں یا قاضی بنالیں تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ وقف بورڈ ہماری ان باتوں کا یا ان فیصلوں کا پابند ہو، اس لئے اس وقت چونکہ مسئلہ وقف کا ہے، تو ہم اس پہلو سے سوچ سکتے ہیں کہ ہم ہندوستان کے جتنے او قاف ہیں ان کے وقف بورڈ سے یہ کہیں کہ آپ اپنے یہاں ایک دفعہ قاضی کے تقرر کا بھی رکھیں اور اپنے یہاں قاضی مقرر کیجئے، جہاں جہاں وقف کے قانون کے لئے قاضی کی اجازت کی ضرورت پڑے اور مسائل وقف کے بارے میں سوالات کی ضرورت پڑے تو وہ قاضی آپ کی رہبری کرے گا اور وہ فیصلہ کرے گا، تو خود وقف بورڈ ہی اپنے امور کے لئے بھی اور مسلمانوں کے دیگر امور کے لئے بھی قاضی کا تقرر کرے، اور یہ میں آپ کی معلومات کے لئے عرض کردوں کہ تقریباً ہر دوسرے تیسرے سال مرکزی حکومت کی طرف سے وقف بورڈ کے پاس مراسلہ آتا ہے کہ آپ کے یہاں کوئی قاضی ہے یا نہیں اور وہ مراسلہ کئی بار میرے پاس بھی وقف بورڈ نے بھیجا تو ہم نے ان کو لکھ دیا کہ ہمارے یہاں تو باقاعدہ کوئی قاضی نہیں ہے، تو ایسا لگتا ہے کہ کسی مرحلہ میں کوئی ایسی بات آئی ہوگی وہ قانون بنا ہو گا یا کوئی تجویز آئی ہوگی اور وہی حکومت کے کاغذات میں بار بار اس کے سلسلہ میں خط و کتابت ہو جاتی ہے، تو اگر ہماری یہ اکیڈمی اس بات کا مشورہ دے اور مطالبہ کرے کہ وقف بورڈ اپنی طرف سے وقف کے امور کے لئے اور مسلمانوں کے دیگر امور کے لئے بھی ساتھ میں، لیکن اصل تقرر ان کا وقف کے امور کے لئے ہو گا، خود قاضی کا تقرر کرے تا کہ وہ اس کا پابند رہے۔

قاضی صاحب:

بہت اچھی بات ہے یہ، لیکن جو دشواریاں ہیں وہ آپ جانتے ہیں کہ سرکار کے مقرر کئے ہوئے قاضی پر مسلمان اعتبار نہیں کریں گے، یہ ایک سچائی ہے اور یہ بہت بڑی سچائی ہے، آپ جانتے ہیں کہ آج جتنے وقف بورڈ بن رہے ہیں وہ سرکار (Oblige) کرنا چاہتی ہے، اور مجھے کہنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ جتنے قسم کے وہ بورڈ جس سے بڑے بڑے مالی منافع ہو سکتے ہیں وہاں پر مسلمانوں کو مقرر نہیں کیا جاتا ہے، اب مسلمان ورکر کو خوش کرنے کے لئے کیا چاہئے؟ تو حج کمیٹی ہے، وقف بورڈ ہے، مدرسہ بورڈ ہے، اور یہاں پر ان ہی لوگوں کو مقرر کیا جاتا ہے جو دراصل سیاسی لوگ ہیں اور جن کو پارٹیاں خوش کرنا چاہتی ہیں، ۱۹۶۷ء سے یہ مسئلہ چلا آرہا ہے، تو بسبب اہلیت وقف بورڈ کی رکنیت نہیں ملتی بلکہ سرکار کی وفاداری کے حساب سے ملتی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ نظام قضاء ان کے حوالہ کرنا بہت بڑی غلطی ہوگی۔

ہاں اب جو رجحان چلا ہے، اس میں ہم لوگوں نے بہت کوشش کی ہے کہ آہستہ آہستہ وقف بورڈ کو جمہوری کردار دیا جائے، اور اس میں کچھ سیٹیں انتخاب کے ذریعہ آئیں، تو جس طرح بار کونسل آف انڈیا ہے یا بار کونسل آف اسٹیٹ ہوا کرتی ہے وہ اپنے میں سے کسی مسلمان وکیل کو مقرر کرے گی، ارکان پارلیمنٹ کی نمائندگی اور ارکان اسمبلی کی نمائندگی وہاں اسپیکر کے ذریعہ طے ہوتی ہے، یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ کم از کم مسلم ارکان ہی مل کر اپنے میں سے کسی کو منتخب کرتے، تو یہ کام تو آل انڈیا ملی کونسل یا جمعیۃ علماء ہند یا اس طرح کے اداروں کے لئے چھوڑ یئے، ہمارا کام علمی اور فقہی ہے، کہ وہ اس بات کے لئے کوشاں ہوں کہ علماء کو اس بات کا اختیار دیا جائے کہ وہ ایسے علماء کو مقرر کرنے کے مجاز ہوں جن کو حکومت وقف بورڈ کا رکن مانے، اور اس میں اس کا اضافہ کیا جائے کہ چونکہ اس کا تعلق مسلم پرسنل لا سے ہے، اور ۱۹۳۷ء کے شریعت اپلیکشن ایکٹ کے مطابق وقف بھی مسلم پرسنل لا میں آتا ہے جس میں مسلمان Govern ہوں گے اسلامی شریعت سے، نہ کہ کسی کسٹم اور عرف یا اور کسی قانون سے، اس لئے اس میں یہ بات لکھی جائے کہ وہ تمام مسائل جن کا تعلق شرعی احکام سے ہوگا انہیں ارکان کے فیصلے اور ان کی رائے کے مطابق وقف بورڈ کو فیصلہ کرنا چاہئے، میں جانتا ہوں کہ اس میں مشکلات ہیں لیکن یہ کوشش کی جانی چاہئے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ ادارے جو ایسے موقعوں پر ہماری نمائندگی کرتے ہیں ہندوستان کی حکومت کے سامنے، اور خوش قسمتی ہے کہ رحمٰن خاں صاحب یہاں تشریف فرما ہیں، ممبر پارلیمنٹ بھی ہیں اور ملی درد رکھتے ہیں، اور خاص کر اوقاف کے مسائل سے ان کی خاص دلچسپی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ان کا بھی ایک لکچر مختصر کراؤں گا ان حضرات کی مدد سے ان محاذ پر آہستہ آہستہ ہم کو کامیابی ہوسکتی ہے، اور قبل اس کے کہ میں اور لوگوں کو تکلیف دوں میں چاہوں گا کہ پانچ منٹ میں جناب عبدالرحیم قریشی صاحب اس موضوع پر روشنی ڈالیں۔

جناب عبد الرحیم قریشی صاحب:

محترم حضرات! جہاں تک قاضی کے مسئلہ کا تعلق ہے اور جو تفصیل جناب مفتی فضیل الرحمٰن صاحب نے پیش فرمائی ہے اس تعلق سے یہ عرض کروں گا کہ .... جس طرح قاضی صاحب نے فرمایا کہ اگر ہم وقف بورڈ کو یہ اختیار دیتے ہیں تو اس میں بڑی خرابی ہے، کیونکہ وقف بورڈ میں جیسے لوگ آتے ہیں ...... اور ظاہر ہے کہ وہ ایسے شخص کو حاکم بنادے جس کے ذریعہ وہ جیسے چاہے کرلے فیصلہ دیکھا کر کے، فتوی لکھا کر کے ..... اب ہماری کوشش یہ ہے جیسا کہ قاضی صاحب نے کہا کہ ہم نے وقف بورڈ میں جمہوری انداز میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے کوشش کی ہے۔ (ٹیپ ریکارڈر میں آواز صاف نہیں ہے)

شیخ خالدمذکور عبد اللہ المذکور:

بسم الله والحمد لله والصلاة والسلام على أشرف خلق الله، أما بعد!

فقد فهمت البارحة و هذا اليوم فيما عرض من موضوع الوقف عدة قضايا تواجه المسلمين فى الهند.

أما القضية الأولى فهى متعلقة بالأمور الفقهيه و الاجتهادات التى اختلف فيها الفقهاء بالنسبة للزوم الوقف أو عدم لزومه، وبالنسبة لاستبدال الوقف أو عدم استبداله، وهذه الأمور بحمد الله فيها سعة، و مادام الأمر فى نطاق الاجتهاد كل يستند إلى دليل و كل يستند إلى وجهة نظر فلابأس بأن يوخذ من هذه الأقوال الأحسن والأنسب والأصلح عند إخوتنا المسلمين الهند.

أما بالنسبة للقضية الثانية وهى مايتعلق باستبدال الوقف بالنسبة لأن يكون بحكم القاضى الذى أعرفه من البارحة حسب ما ترجم لى أن هناك قانونا ذكره الشيخ مجاهد الإسلام القاسمى يتعلق بالوقف للمسلمين و أن هذا القانون المطوق بهدم أوقاف المسلمين لا أدرى ما هو الإشكال الذى كان فى عدم تطبيق هذا القانون أو فى عدم النصوص التى تثبت هذا الحق للمسلمين.

أما الاقتراح الذى تفضل به الشيخ مجاهد الإسلام القاسمى حول أن لكل ولاية من ولايات الهند ظروفها، وانه يجب أن تشكل هناك لجنة أو يكون هناك قاضى يُتفق أومن القضاة المتفقهين فى الدين من أصحاب الورع و التقوى، فهذا اقتراح جيد حتى ترجع الأمور إليهم فى مسائل القضايا للوقف الموجود.

أما بالنسبة للمقابر و المساجد و ما يتعلق بها فهى باقية يعنى الراجح فيها انها يعنى لا تستبدل وانما تبقى و تكون للمسلمين سواء كانت على الحدود التى بين الهند و باكستان عندما انقسمت الهند إلى قسمين أو باقية الولايات الهندية الموجودة، فالمقبرة مادام هناك مكان للدفن فيها فهى تسوى و تستعمل سواء سويت من قبل الولاية أو من غير أهل الولاية وكذلك للمساجد.

و أما مسائل الأراضى الزراعيه...... كما قلت انها مسائل اجتهادية و المسائل الاجتهادية فيها سعة إن شاء الله، لكن مسئلة هنا فى القاضى الذى يحكم وفق شريعة الله سبحانه و تعالى و أن يُضمن هذا إما بنص قانونى إن كان القانون مستقرا إلى اجتهاد الموضوع أو بانتخاب أو بتعليم هذا القاضى الشرعى الذى يكون فى هذه الشروط الشرعية من قبل لجنة أو من قبل فقهاء و علماء هذه الولاية فجزا كم الله خيرا.

قاضی صاحب:

یہ بھی بحث ہی کا ایک حصہ ہے، اور جیسے مجھے اور آپ کو اختیار ہے بحث کرنے کا باہر سے آنے والے مہمانوں کو بھی بحث کا حق پہنچتا ہے اور ہمارے لئے خوشی کی بات ہے کہ ہم نے ان کی رائے بھی جان لی۔

جو مسئلہ زیر بحث ہے میں سمجھتا ہوں کہ مرتب طریقہ پر جن امور پر ہمارا اتفاق ہے ان میں بحث کی ضرورت شاید باقی نہیں رہی۔

تو پہلا سوال یہ ہے کہ بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں بد قسمتی سے مسلمان باقی نہیں رہے اور وہاں پر جو مشکل ہے وہ آپ جانتے ہیں، لیکن یہ بھی بڑی خوش قسمتی اور سعادت کی بات ہے کہ پنجاب جیسے علاقہ میں جہاں سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہاں پھر کبھی مسلمان آسکیں گے، اللہ کا شکر ہے کہ مزدور ہی کیوں نہ ہوں لیکن بڑی اچھی خاصی تعداد میں وہاں پر مسلمان تیزی کے ساتھ آتے جارہے ہیں، ہمارے بہت ہی بزرگ دوست مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی صاحب روزانہ اس سے دوچار ہیں، اور یہ خوشی کی بات ہے کہ بہت سی مسجدیں جو غیروں کے قبضہ میں جاچکی تھیں وہ آہستہ آہستہ ہماری طرف لوٹ کر آرہی ہیں اور مسجدیں آباد بھی ہورہی ہیں، اور ہم اپنے ان بزرگوں کے فقہی ژرف نگاہی کا اعتراف کرتے ہیں کہ جنہوں نے کہا تھا کہ مسجدوں کو بدلنا مت آج اگرچہ

وہ ویران ہو چکی ہیں۔ وان کان الیوم خربانا و لکن یمکن ان یجتمع المسلمون حوله وبعد ذلك نجد فیها مصلیا أو ذاکراً۔ تو الحمد للہ ایسے واقعات پیدا ہو رہے ہیں۔

اب رہا تعلق کہ مساجد سے متعلق اوقاف ہیں یا بڑے بڑے قبرستان ہیں یا دیگر رفاہی مقاصد کے لئے قائم کیے جانے والے اوقاف ہیں اب آبادی نہیں رہی، یا غیروں کا قبضہ غالب اندیشہ ہے کہ وہاں پر ہو جائے گا بلکہ ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے، ایسے اوقاف کے بارے میں یہ سوال ہے کہ هل یجوز ان نستبدل هذه الأوقاف أی نبیعها ونشتری بثمنها وقفاً آخر، فهذا متفق علیه بین الفقهاء وأنها أنا إذا نستبدل شیئا من الأوقاف ونشتری منه أرضا أخری فیکون هذا البدل محل المبدل منه ویکون وقفا کما کان الأول وقفاً فیصرف دخله وتصرف محاصله علی ما صرح به الواقف فی الوقف الأول، فنرجو من جمیع العلماء ان الوقف إذا صار خربانا لا یمکن ان یستعمل ولیس له دخل وفیه خطر قوی للتغلب من غیر المستحقین لا أقول من غیر المسلمین بل غیر المستحقین لانا نحن المسلمین کما تعرفون قد تغلبنا الاوقاف وجعلناها أملاکا شخصیة ذاتیة، وهذه جریمة کبیرة منا فإذا کان منا خوف علی أنهم یتغلبون ویتصرفون فی هذه الأوقاف کتصرف الملك الشخصی فهل یجوز أن یباع و یشتری أرض أخری وتصرف محاصله علی ما صرح به الواقف فی الوقف الأول۔

کیا یہ ہمارے لئے جائز ہے کہ ایسے ویران اوقاف جن پر غیروں کے قبضہ کا خطرہ بھی ہے اور وہ آمدنی کے مواقع سے محروم بھی ہیں کیا ان کو فروخت کر کے دوسری زمین خرید لینا اور اس کو بھی انہیں مصارف کے لئے وقف سمجھنا اور وقف ماننا جن مصارف کے لئے پہلا وقف کیا گیا تھا تو کیا سارے علماء اس کے جواز سے متفق ہیں؟

جتنے جوابات اور مقالات آئے ہیں ان میں اس پر اتفاق ہے، میں امید کرتا ہوں کہ آپ سب حضرات اس پر اتفاق کا اظہار کریں گے تاکہ یہ مجمع علیہ مسئلہ لکھ دیا جائے کہ اگر وقف ویران ہے، وقف پر خطرہ ہے غیروں کے قبضہ کا، وقف کی نافعیت کو باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس وقف کو بدل دیا جائے اور اس کی جگہ ایک نئی اراضی حاصل کر لی جائے، اور جو مصرف پہلے وقف کا تھا اسی مصرف پر اس دوسرے وقف کی آمدنی بھی خرچ کی جائے تو کیا یہ جائز ہے، آپ لوگ اس پر رائے دیں، سب لوگوں کا اتفاق ہے؟ الحمد للہ۔

قاضی صاحب:

میں نے عرض کیا کہ پیسہ نہیں بلکہ ہمیشہ ایک وقف کو فروخت کر کے دوسری اراضی اور جائداد کو حاصل کیا جائے، ظاہر ہے کہ یہ اجازت اسی حالت میں دی جا سکتی ہے جب پورا پورا اعتماد ہو، آپ جو اصول طے کریں گے اور علماء جو فتوی اس پر دیں گے اور قضاۃ جو فیصلہ کریں گے اس پر، تو ان کو اس شرط کی پابندی کرنی پڑے گی، ایسا نہ ہو کہ وقف کی نافعیت کے سامنے ہم اصل وقف کی حفاظت کو بھول جائیں، ٹھیک ہے، چلئے کوئی اشکال نہیں۔

حکیم ظل الرحمن صاحب:

...... آپ نے یہ فرمایا کہ وقف بورڈ کو قاضی کابدل قرار نہیں دیا جاسکتا، اور دوسری طرف حکومت کا یہ قانون موجود ہے کہ وقف بورڈ کی منظوری کے بغیر وقف کی کوئی جائداد منتقل نہیں ہو سکتی، اور اس کا بھی ایک طریقہ کار یہ کہ آپ پہلے اس کی ایک پراپرٹی پیمنٹ جو ہوتی ہے...... پہلے سے، تو پھر سوال یہ ہے کہ اس کے طریق کار کیا ہوں گے، پہلے اس کی پراپرٹی کمیٹی ہوتی ہے.........۔

قاضی صاحب:

طریق کار تو ہم سب جانتے ہیں، میں خود وقف بورڈ کا ممبر ہوں برسہابرس سے، آپ تفصیل نہ بتائیں آپ کہنا کیا چاہتے ہیں دراصل وہ بتایئے۔

حکیم صاحب:

وقف بورڈ کو قاضی کا بدل نہیں مانا جاسکتا اور اس کی اجازت کے بغیر پراپرٹی فروخت نہیں ہو سکتی تو پھر آخر اس کا کیا مطلب ہے؟

قاضی صاحب:

موجودہ قانون میں وقف بورڈ کو قاضی کا بدل قرار دیا گیا ہے قانونی طور پر، ہماری کوشش یہ ہوگی جیسا کہ پہلے بات آچکی ہے کہ موجودہ حالات میں قانونی جبر جہاں پر ہے وہاں پر ہم کچھ نہیں کر سکتے، لیکن کم از کم اگر وہی علماء جاکر کے وہاں پر بیٹھتے ہیں تو وہاں پر اوقاف میں حکم شرعی کی رعایت کریں گے، جس کا فیصلہ آپ کریں گے انشاء اللہ۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب:

اگر پنجاب اور ہریانہ کے اوقاف کو بالعموم ہم بیچنے کے جواز کے قائل ہوتے ہیں تو اس کی عملی صورت کیا ہوگی، یہ معاملہ کس کے ذریعہ حل ہوگا، ملت اسلامیہ ہند میں یا مسلمانوں میں کون قاضی یا کون ایسا نمائندہ گروہ ہے جس کے ذریعہ یہ معاملہ انجام پائے گا، اصل مسئلہ اس نزاکت کا ہے۔

قاضی صاحب:

اصل میں یہ مسئلہ نزاکت کا نہیں ہے، وقف بورڈ جو کر رہے ہیں وہ ہم سے فتوی بھی مانگنے کے محتاج نہیں ہیں، ان کے ذہن میں جو آرہا ہے وہ کر رہے ہیں، جہاں جہاں ہم لوگوں کے کچھ اختیارات چلتے ہیں ہم ان کو احکام شرعیہ کا پابند کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جہاں پر یہ ممکن نہیں ہے وہاں پر ان کے جو مطلب میں آرہا ہے وہ کر رہے ہیں، میں ایک بات اور یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہزار ہا مایوسی کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ اس وقت پنجاب وقف بورڈ ہندوستان کا سب سے مالدار وقف بورڈ ہے، ایک تو خیر ان لوگوں نے

محنت اور کوشش بھی کی اور ان کو کچھ اچھے لوگ وقت پر ایڈ منسٹریٹر کی حیثیت سے مل گئے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاں مصرف ہی نہ ہو وہاں تو آمدنی بچے گی ہی، وہاں کے مصارف کو ہی ختم کر دیا تو آمدنی کا بچنا لازمی تھا، لیکن پھر بھی اس کے باوجود جو احکام شریعت ہیں جن کی آپ وضاحت کریں گے، اپنی تمام ممکنہ قوتوں کے ساتھ ان کی تنفیذ کے لئے کوشش کرتے رہنا ہمارا فرض ہوگا، لیکن اس کے باوجود جہاں مجبوریاں ہیں وہاں مجبوریاں ہیں اللہ کے یہاں آپ بھی مکلف نہیں ہیں، لیکن کوشش کرنا ہمارا فرض ہے جیسا کہ خود بھی آپ نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے جو آپ نے ابھی دکھلایا تھا کہ حالات کو جوں کا توں قبول کرنے کے بجائے حالات کی تبدیلی کے لئے ہم کو کوشش کرنا چاہئے، اور یہ مبارک بات ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی صاحب:

استبدال وقف کے سلسلہ میں جو محترم مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے ابھی اپنے فیصلے کا ذکر کیا کہ استبدال کے لئے یہ کرلینا چاہئے کہ وہ دست بدست ہو، یہ بہت اچھی چیز ہے، اور میرا خیال یہ ہے کہ ہم استبدال کی جو تجویز پاس کریں اس میں یہ جز ہونا چاہئے۔

اگر اس علمی مجلس میں زباں بندی نہیں ہے تو میں معذرت کے ساتھ مساجد کے سلسلہ میں کچھ باتیں عرض کرنا چاہوں گا۔

قاضی صاحب:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں زباں بندی کا سوال نہیں ہے لیکن جو مسئلہ مفروغ عنہا ہے اس کو زیر بحث لانا نہیں ہے۔

عبد العظیم اصلاحی صاحب:

میں اپنے علم میں اضافہ کے لئے بس یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مساجد کے سلسلہ میں محترم قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہ مسئلہ عرب اور تمام علماء ہند کی موجودگی میں ان کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ اس کا استبدال جائز نہیں ہے، یہاں میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں کئی جگہ احمد بن حنبلؒ کی روایت سے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں کوفہ کی ایک مسجد تنگ پڑ گئی تھی تو اس کو امیر المؤمنین کی اجازت سے اس کے بدلہ میں ایک دوسری مسجد بنادی گئی اور پہلی مسجد کھجوروں کا بازار بن گیا، خود اس عہد میں سر زمین حجاز میں ہم نے دیکھا ہے کہ شاہراہوں کی تعمیر یا توسیع کے سلسلے میں حائل کتنی مساجد ہٹادی گئیں، قاضی صاحب نے مسجد کے سلسلہ میں اتفاق کی رائے لکھی ہے، وہ ہندوستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر ہو تو ٹھیک ہے لیکن اگر وہ مطلق رائے ہے تو امام احمد بن حنبل کی روایت اور عربوں کے نقطۂ نظر کے بارے میں خاص طور سے میں مہمان علماء اور عرب علماء سے جاننا چاہوں گا۔

قاضی صاحب:

نمبر ۱۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو واقعات اور قصہ آپ دہرا رہے ہیں ان واقعات کی سندی حیثیت اور مختلف مسئلوں پر بحث کرنی پڑے گی۔

نمبر ۲۔ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی مسئلہ کسی عہد میں مختلف فیہ رہا ہو لیکن بعد کے علماء نے اس پر اتفاق رائے کر لیا ہو تو اس سے گریز نہیں ہونا چاہئے۔

نمبر ۳۔ یہ کہ عرب ممالک کے بارے میں یہ تصور کہ وہ سراسر اور سو فیصد ان کا سارا عمل عین اسلام ہے، اور علماء ہند کے سامنے اس کو ایک متبع کی حیثیت سے اس کو بطور نمونہ پیش کیا جائے تو ہم اس کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں، صاف الفاظ میں ہم کہنا چاہتے ہیں، اور یہ حجت ایک واقعہ ہے اور میں نے آپ سے عرض کیا کہ آج کی بات نہیں ہے بلکہ مسلم پرسنل لا کا اجلاس بابری مسجد کے انہدام سے پہلے جب علماء اکٹھا ہوئے اور تقریباً ہر مسلک کے ممتاز ترین علماء جمع تھے اور انہوں نے ایک فیصلہ کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام حکم و مصالح کو آپ بھی سمجھتے ہیں، اس کے بعد اس مسئلہ کو متنازع فیہ بنانا صحیح نہیں ہے، جو فیصلہ اجماعی طور پر ہوا اس پر قائم رہنا چاہئے اور کل خود ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب نے صاف اور صریح الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار فرمایا، لا یباع ولا یوھب ولا یورث، یہ ان کے الفاظ تھے، میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد مزید اس مسئلہ پر کسی اور بحث کی گنجائش نہیں ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی صاحب:

مساجد کی فاضل اراضی جن کی فی الحال ضرورت نہیں ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے ان فاضل اراضی پر مکاتب قائم کرنا، اور مدارس قائم کرنا یا اور تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنا، یہ مسئلہ زیر بحث ہے، جن حضرات کو اس موضوع کے بارے میں اظہار خیال کرنا ہو فاضل اراضی پر مدارس و مکاتب قائم کرنے کی بات جو سوال نمبر ۲ کے (الف) میں آئی ہے اس پر وہ اظہار خیال فرمائیں، اپنا نام پیش کریں۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب:

کچھ کہنے سے پہلے پنجاب وہریانہ کے وقف کے مسئلہ کے سلسلہ میں استبدال کی میری رائے نہیں ہے، میرا اختلاف نوٹ کیا جائے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب۔

ٹھیک ہے نوٹ کر لیا جائے گا آپ پریشان نہ ہوں۔

سوال نمبر ۲ (الف) کے بارے میں کوئی اظہار خیال کرنا ہو، مسجد کی زائد اراضی جن کی فی الحال ضرورت نہیں ہے اور جو مسجد کے اوقاف ہیں ان میں مکاتب کی تعمیر کے بارے میں اگر کوئی بات کہنی ہو۔

حکیم ظل الرحمن صاحب:

ایک گراؤنڈ کی پوزیشن یہ ہے کہ پورے سال خالی پڑی رہتی ہے، بعض جگہ تو یہ صورت حال پیش آئی کہ اس میں آر، ایس ایس کی پریڈیں ہونے لگیں اور کرکٹ کے میدان بن گئے، میں قصاب پورے کی عید گاہ کا واقعہ تفصیل سے بیان کر رہا ہوں کہ چار پانچ سال سے مسلسل آر، ایس، ایس کی پریڈیں ہونے لگی تھیں، پھر ہم لوگوں نے کسی طرح لوگوں سے مل ملا کر ان پریڈوں کو ختم کروایا، اور اس کے اندر ایک اسکول بھی ہے اس سے لگا ہوا تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس کی فاضل اراضی پر اس حیثیت سے کوئی تعمیر کر دی جائے کہ پہلا گراؤنڈ جو ہے وہ نماز کے لئے وقف رہے اور اس کے اوپر دو تین منزلہ عمارت بن جائے تو کیا اس بات کی اجازت ہو سکے گی۔

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

گویا آپ نے ایک سوال کھڑا کیا ہے، اس میں جو آپ کی رائے ہے اسے آپ لکھ کر دیدیجئے انشاء اللہ بعد میں اس پر بھی غور کر لیں گے۔ سوال نمبر ۲۔ الف کے بارے میں جو اظہار رائے کرنی ہو کسی کو ہماری درخواست ہے خاص طور سے اصحاب افتاء سے، علما سے، وہ کچھ کہنا چاہیں مسجد کی زائد اراضی کے بارے میں تو اظہار فرمائیں۔

پروفیسر احسان الحق صاحب:

میں صورت مسئلہ کے بارے میں کچھ وضاحت چاہوں گا کہ جس کو فاضل اراضی سمجھا جا رہا ہے، آجکل عمارت کے برابر میں خالی جگہ چھوڑنا بھی عمارت کی ضرورت میں شامل ہے، خالی جگہ کو ضرورت سے زائد سمجھنا غیر مناسب ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر واقف نے مسجد کے لئے پلاٹ دیا ہے تو کہیں یہ شرع میں لکھا ہے کہ فاضل جگہ کو دوسرے مصرف میں لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ عام طور سے واقف یہ کہتا ہے کہ میں یہ مسجد کے لئے جگہ دیتا ہوں، تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ جتنی اس میں تعمیر ہو وہ مسجد ہے اور جتنی جگہ خالی رہے تو وہ بھی مسجد ہی کے لئے ہوتی ہے۔

مولانا عتیق احمد صاحب :

ڈاکٹر احسان صاحب جو سوال پیش کر رہے ہیں وہ سوال نامہ میں پیش کر دیا گیا ہے اب جو اصحاب افتاء اور علماء ہیں ان کو کوئی نئی بات کہنی ہو وہ اپنی رائے دیں۔

سوال نمبر ۲ کا متن یہ تھا کہ بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد و مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے اس سلسلہ میں دو باتیں دریافت طلب ہیں:

(الف) کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے یہ گویا سوال نمبر ۲ کا جز الف ہوا، اسی کے بارے میں اگر اظہار رائے کسی کو کرنا ہو تو کرے۔

مفتی شبیر قاسمی صاحب مراد آباد:

موجود لوگوں میں سے جن لوگوں کی رائے اکثر آگئی ہے اس کو طے کر کے اس پر تبصرہ کیجئے، مثلاً یہ کہ میری رائے یہ آئی ہے کہ دینی ادارہ قائم کرنے کی اجازت ہے اور عام رفاہی ادارہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے، ایک رائے یہ بھی آئی ہے تمہید میں اس کے اوپر......

مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب:

جو موقف آچکے ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں، عرض میں بتایا جاچکا ہے کہ تین آراء تقریباً اس سلسلہ میں آئی ہیں، ایک رائے تو یہ ہے کہ جو مسجد کے لئے زمین وقف ہے اس میں کسی قسم کا کوئی ادارہ قائم نہیں کیا جاسکتا، نہ مدرسہ نہ مکتب نہ کچھ، دوسرا موقف یہ ہے کہ دینی مکاتب قائم کرسکتے ہیں عصری تعلیم گاہوں کی اجازت نہیں ہے، تیسرا موقف جو بعض حضرات نے ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے کہ عصری تعلیم کے ادارے بھی قائم کئے جاسکتے ہیں لیکن شرط ہے کہ وہاں بنیادی دینی تعلیم کا نظم بھی ہو اور دینی تربیت بھی، گویا دینی تعلیم کے ساتھ عصری ادارے بھی قائم کئے جاسکتے ہیں، اور مناسب یہ ہے کہ اس زمین کا کرایہ بھی اس مسجد کو دیا جائے، تاکہ مسجد کو بھی اس کا فائدہ پہونچتا رہے، یہ تین موقف ہمارے سامنے آئے ہیں، اس کے بارے میں مزید کسی صاحب کو کچھ کہنا ہو جن کے مقالے نہیں آسکے تھے، جن کی رائے نہیں آسکی تھی وہ اپنی رائے پیش فرمائیں۔

قاضی صاحب:

جہاں تک میں نے تلخیص کو پڑھا ہے اور عرض کو سنا ہے، اس کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اراضی جو مسجد کے مفاد کے لئے وقف کی گئی ہوں، اور مساجد پر جو وقف اراضی ہیں وہ ضرورت سے زائد ہیں، مسئلے دو الگ ہیں، ایک پراپرٹی ہے جو ضرورت سے زائد ہے، اور ایک آمدنی ہے جو ضرورت سے زائد ہے، ابھی بحث ہے پراپرٹی کی، املاک اور اراضی کی، یہ اگر ضرورت سے زائد ہیں اور امت کو ضرورت ہے اس بات کی کہ وہاں پر تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں، بیشتر ہمارے یہاں وہ مساجد ہیں الحمد للہ جن کے اردگرد اچھی خاصی اراضی موجود ہیں جو افتادہ رہتی ہیں اور اگر اس پر زراعت ہوئی بھی تو وہ برائے نام ہے، اور وہاں پر بسنے والی آبادی کی تعلیم کے لئے کوئی دوسری جگہ فراہم نہیں ہے تو کیا ایسی اراضی پر تعلیمی اداروں کے لئے مکان بنایا جاسکتا ہے اور اس کو امت کے لڑکوں کی تعلیم کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، یہ سوال ہے، اس سوال میں تھوڑی سی تنقیح ہے، ایک تنقیح تو یہ ہے کہ ہمارے یہاں جو خالص روایاتی طور پر تعلیم کے ادارے چلتے ہیں جن کو ہم مدارس اسلامیہ عربیہ کہتے ہیں، ایک تعلیمی ادارہ یہ ہے، دوسرا بنیادی مسئلہ تعلیم کے مکاتب کا ہے وہ بھی دینی تعلیم سے خاص متعلق ہے، اور تیسرا ہائی اسکول یا کالجز وغیرہ ہیں، جن میں عصری تعلیم دی جاتی ہے۔ چوتھا صنعتی تعلیم کے ادارے ہیں ٹکنیکل ایجوکیشن کے، پھر ٹکنیکل ایجوکیشن یا اسکول یا کالجز یا ریذیڈنشل اسکولس کی بھی دو نوعیتیں ہیں، خالص سیکولر انداز میں چلایا جانا، یا دیندار مسلمانوں کے ذریعہ ایسے اداروں کا قیام جس میں ہوسٹل میں لڑکوں کو اسلامی ماحول میں رکھ کر اور دین کی بنیادی تعلیم دیتے ہوئے ان کو جدید عصری علوم بھی سکھائے جائیں یا ٹکنیکل ایجوکیشن دیا جائے، اس طرح

کے متنوع ادارہ ہوں، تو خالص مدرسہ قائم کرنا، خالص بنیادی تعلیم کے مکاتب قائم کرنا........ان کو تعلیم دے کر مشن اسکولوں، اور جنرل پبلک اور انگلش اسکولوں میں جانے سے بچایا جاسکے، اور چوتھے خالص سیکولر ایجوکیشن کے لئے کالجز یا ہائی اسکول کے قیام کی کوشش، یہ چار رخ ہیں۔

آپ کو مصالح امت اور احکام شرع کی بنیادی باتیں جو میں نے عرض کیں ان کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا ہے، اس سلسلہ میں جو تجویزیں آئی ہیں ان میں عرض یہ کرنا ہے کہ اگر ضرورت سے زائد اراضی کو ایسے اداروں کو کرایہ پر دیدیا جائے تو غیروں کو اور دوسرے قسم کے مصارف کے لئے کرایہ پر دینے سے افضل ہے کہ امت کی تعلیم کا انتظام ہوگا، تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں تو کوئی شاید شرعی نقص نہ ہو کہ زائد اراضی جو افتادہ پڑی ہوئی ہیں ان میں بجائے اس کے کہ دکان کے لئے، ورکشاپ کے لئے، موٹر وہیکلس کرنے کے لئے ہم مدرسہ قائم کرنے کے لئے اجازت دیں، یا جناب رعایتی شرح پر جیسے آپ یہاں مثال کے طور پر جس حج ہاؤس میں بیٹھے ہیں، یہاں پر یہ تجویز ہے جو بڑے دیندار طبقے کی طرف سے ہمارے پاس آئی ہے، اور ہم نے یہاں کے وزیر خارجہ سے بات بھی کی ہے جو حج ہاؤس کے انچارج بھی ہیں کہ یہاں پر ایک بہترین قسم کا فلاحی اسپتال مسلمانوں کا قائم کیا جائے، اس کی دو منزلیں یا جتنی مناسب ہوں اس مصرف کے لئے دیا جائے اور چاہے قانونا اس کو کچھ کہو، لیکن شرعا تو یہ بھی وقف ہی ہے، تو کیا ہم اس کی اجازت دے سکتے ہیں کہ ہم اس کو یا تو رعایتی شرح کرایہ پر یا بغیر کرایہ کے ہم اس کو ایک بہترین فلاحی اسپتال جس کی ضرورت کا احساس اہل ممبئی کو زیادہ شدید ہوگا، اور دوسرے لوگوں کو بھی، جو حالات کا تقاضا ہے، تو اس طرح کے سوالات کھڑے ہو سکتے ہیں، اس لئے اگر ہم کرایہ پر کوئی چیز دیں گے تو اس میں شاید لگتا ہے کہ کوئی شرعی قباحت نہیں ہوگی، لیکن بحث وہاں آتی ہے کہ کیا ہم کرایہ نہ لیں اور اس طرح کے ادارے قائم کرنے دیں، اس کی اجازت آپ دیں گے یا نہیں، تو اب اس تنقیح کو سامنے رکھ کر مختصر الفاظ میں آپ حضرات اپنی رائے ظاہر کریں، نمبر ۱۔ بنیادی دینی تعلیم کے مکاتب کا قائم کرنا، جس سے تعلیم دین کی اشاعت پورے ہندوستان میں ہم کرسکیں، نمبر ۲۔ مدارس اسلامیہ عربیہ کا قیام جس سے ہم متخصصین اور متبحرین علم دین میں پیدا کریں، نمبر ۳۔ رہائشی یا غیر رہائشی ایسے اسکول اور تعلیمی ادارے قائم کرنا جس میں دینی تعلیم لازم ہو اور، اسلامی ماحول میں ہم اپنی نسل کو جدید علوم سے بھی آشنا اور واقف کراسکیں اور جدید علوم کو اس میں پڑھا سکیں، نمبر ۴۔ خالص سیکولر تعلیم کے لئے ہائی اسکول یا کالجز وغیرہ قائم کرنا، یہ ایک سوال اور آگے آسکتا ہے میڈیکل کالج قائم کرنا، انجینئرنگ کالج قائم کرنا، یا اس طرح کے اور دوسرے ادارے، تو ان چار سوالات پر آپ لوگ جو سمجھتے ہیں نمبروار اپنی رائے دیدیں۔

مفتی اشرف علی صاحب:

اگر مسجد پر وقف اراضی سے وہ زمینیں مراد ہیں جو مسجد کے احاطے سے الگ ہیں، تو کرایہ پر تعلیمی اداروں کے لئے دینے کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے، لیکن اگر مسجد مسقف ہے اور پھر اس کے احاطے ہیں جو مسجد کا حصہ ہوتے ہیں تو اس کے بارے میں مجھے تامل ہے، اس لئے کہ مسجد کی ضروریات میں اضافہ ہو سکتا ہے آگے چل کر اس کی توسیع وغیرہ میں اس کی ضرورت ہوتی ہے،

دوسری بات جو اس سوال کے تحت ہے کہ مساجد کی فاضل آمدنی کو دینی تعلیمی مقاصد کے لئے یا عصری تعلیم کے لئے استعمال کی اجازت نہیں دی جاسکتی، بلکہ دوسری ضرورت مند مساجد پر اس فاضل آمدنی کا صرف کرنا ضروری ہوگا۔

مفتی شبیر احمد قاسمی صاحب:

مسجد کے متصل جو اراضی ہیں ان اراضی میں جب تک مسجد کی توسیع کی ضرورت نہ ہو اس وقت تک مدرسہ اس شرط پر چلایا جائے کہ مدرسہ کچھ کرایہ مسجد کے نام پر جمع کرتا رہے تاکہ آئندہ مسجد کی توسیع کے وقت میں مدرسہ کو ختم کرکے مسجد کی توسیع کردی جائے........۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

میں نے اپنے مقالہ میں اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ مساجد کے تحت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تعلیمی ادارے خواہ دینی ہوں یا عصری ہوں قائم کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ مسجد کو اس کا کرایہ ادا کرے۔

قاضی صاحب:

میں اس بات کو پھر واضح کروں کہ ضرورت سے زائد جو اراضی مسجد پر وقف ہیں جن کی مسجد کو فوری ضرورت نہیں ہے ان پر کرایہ لے کر کوئی بھی کام ہو، دوکان کھلوا سکتے ہیں کچھ اور کام کروا سکتے ہیں، مسجد کی آمدنی ہوگی، یہ مسئلہ تو میں نہیں سمجھتا کہ زیر بحث ہے یا مختلف فیہ ہو سکتا ہے، بحث یہ ہے کہ جن مقاصد کے لئے جن کا تعلق دینی تعلیم سے ہے یا مسلمانوں کے اس فلاح سے ہے جس کا تعلق دینی تعلیم یا عصری تعلیم سے ہے اس کے لئے اس زائد اراضی کا استعمال ہو سکتا ہے یا نہیں، کرایہ کی بات نہیں، کرایہ تو استیجار ہے، یہ تو مسئلہ صاف ہے اس میں کسی شک کی بات نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

اس کو بغیر کرایہ کے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، مساجد کے تحت جو مکاتب قائم کئے جاتے ہیں بنیادی دینی تعلیم کے لئے اس کی تو اجازت ہے، یعنی مسجد کے تابع مکاتب دینی قائم کئے جاسکتے ہیں، باقی مدرسہ قائم کرنا اور تعلیمی ادارہ قائم کرنا اس پر صحیح نہیں ہوگا بغیر اجرت لئے ہوئے۔

مولانا زبیر قاسمی صاحب:

مسجد پر وقف اراضی اگر فی الحال مسجد کی ہر قسم کی ضروریات سے زائد ہوں تو اس زائد از ضرورت زمینوں کے اوپر دینی یا عصری تعلیم کا کوئی ادارہ قائم کرنا اس سلسلہ میں متقدمین فقہاء یا علمائے ہند کے موجودہ اکابر سبھوں کے فتاوی کی تصریحات کے جواب نفی میں آتے ہیں، مگر ایک حقیقت جو میری سمجھ میں آتی ہے، ایک ہے وہ زمین جو وقف ہو علی عمارۃ المسجد، تو ہمارے یہاں ایک جزئیہ ہے فتح القدیر کا "إن الوقف علی عمارۃ المسجد و مصالح المسجد سواء "عمارت مسجد پر کوئی چیز وقف ہو تو ظاہر ہے کہ اس

کے اخراجات یا اس کی آمدنیاں خرچ ہوں گی اسی کے اوپر، اور مصالح مسجد پر چونکہ بات ایک ہی ہوئی، تو عمارت مسجد اور مصالح مسجد تقریباً ایک ہی چیز ہے، اب مصالح مسجد کے اندر مثلاً مصلی ہیں، امام و مؤذن ہیں، یہ سارے کے سارے گویا مصالح مسجد میں داخل ہیں، او قاف علی عمارۃ المسجد سے یہ ساری چیزیں پوری کی جاسکتی ہیں اور کی جاتی ہیں، تو میرا یہ خیال ہے کہ وہ زمین جو مسجد کے اوپر وقف ہے اور فی الحال مسجد کی ساری ضروریات سے فاضل ہیں ان پر ایسے دینی ادارے مستقلاً جن میں دینی تعلیم ہو وہ دراصل امام اور مؤذن اور مصلی وغیرہ ہی کو پیدا کرنا ہے، اور یہ مصلحت مسجد ہی میں داخل ہیں، اس لئے ایسا مدرسہ یا مکتب جس میں بنیادی دینی تعلیم ہو اس کے قیام کو ہم جائز سمجھتے ہیں، ایسا مکتب جو ابتدائی شکل کا ہو یا ایسا مدرسہ جو اسی سطح کا ہو جس میں عصری علوم کا بھی انتظام ہو مگر ان کے اندر بنیادی دینی تعلیم کا بھی نظم ہو اور دینی تربیت کی بھی شرط ہو، اس شرط کے ساتھ اس قسم کے عصری علوم کے ادارے کے قیام کو میں صحیح سمجھتا ہوں، لیکن خاص عصری علوم کے لئے جہاں بنیادی دینی تعلیم کا کوئی نظم نہ ہو اور دینی تربیت کا کوئی نظم نہ ہو وہ میرے نزدیک جائز نہیں۔

مولانا شمس پیر زادہ صاحب:

مسجد کے احاطے میں جو فاضل زمین موجود ہے اور وہاں مدرسہ یا مکتب قائم کیا جاتا ہے دینی تعلیم کا، اس میں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور ایسا ہو بھی رہا ہے، اور اگر اس کے ساتھ عصری تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے تو وہ بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، اور آج کل جدید صورت یہ چل گئی ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کا اہتمام کیا جاتا ہے، اب اگر بجائے اس کے کہ صرف دینی تعلیم ہو اور اس کے ساتھ عصری علوم کی اجازت نہ دی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اجازت ہی نہیں دے رہے ہیں کسی ایسے مکتب کو اور کسی مدرسہ کو قائم کرنے کی، اس لئے کہ جدید عصری تقاضوں کے مطابق اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جائیں۔ البتہ اگر سیکولر ٹائپ کی کوئی تعلیم ہوتی ہے تو وہ مسجد کے احاطے میں ہرگز مناسب نہیں ہوگی۔

مولانا مصطفی مفتاحی صاحب:

عہد نبوت میں مساجد کا استعمال کیسے ہوتا تھا اس کو ذہن میں رکھا جائے، عہد نبوت میں وسیع تر مقاصد کے لئے اس کا استعمال ہوتا تھا، قاضی کے فیصلے بھی مساجد ہی میں ہوا کرتے تھے، ابھی جو گفتگو ہو رہی ہے تو میری رائے یہ ہے کہ مدارس اور مکاتب کے قیام میں کوئی حرج نہیں ہے اور عصری علوم بھی اگر مفید انسانیت ہے تو وہ بھی دینی علوم ہیں، اس لئے عصری علوم کے لئے بھی فاضل زمین پر کسی ادارہ کے قیام میں کوئی حرج نہیں ہے الا یہ کہ کوئی ایسا ادارہ جس میں خالص سیکولر انداز کی تعلیم ہو تو اس کی اجازت نہیں، خلاصہ یہ کہ فاضل زمین پر خواہ دینی ہوں یا عصری، دونوں علوم کے ادارہ قائم کئے جاسکتے ہیں، کوئی حرج نہیں ہے۔

مولانا سعود عالم قاسمی صاحب:

یہ ایک اچھا سوال مولانا مصطفیٰ صاحب نے اٹھایا ہے میں ان ہی کے حوالہ سے عرض کر رہا ہوں، مساجد کا استعمال اسلام

میں مختلف ایسے مقاصد کے لئے کیا گیا ہے، جو اسلام کی ضرورتوں سے ہم آہنگ تھے، قیدیوں کو باندھا بھی گیا ہے، غنائم کی تقسیم بھی کی گئی، لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب مسجد نبوی ہی ایک ٹھکانہ تھی مسلمانوں کے لئے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ممبر بھی فراہم کیا...... لیکن بعد میں جیسے حالات بدلے یہ سارے امور منتقل ہوتے چلے گئے، قید خانے الگ بنے، جیل خانے الگ بنے، قضایا کے محکمے الگ بنے، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ کہا کہ جس کو شاعری کرنی ہو وہ مسجد کے باہر جائے، دیکھنا یہ ہے کہ کون سی چیز مسجد کے مقاصد سے ہم آہنگ ہے اور کون سی چیز ہم آہنگ نہیں ہے، جو چیزیں ان کے مقاصد سے ہم آہنگ ہیں ان کو باقی رکھا جائے، تعلیم مسجد سے عین ہم آہنگ ہے، چنانچہ نہ صرف یہ کہ عہد نبوی میں، بلکہ صحابہ کرام کے زمانے میں، تابعین عظام کے زمانے میں، بلکہ مسجد کا بعد کے عہد میں بھی تعلیمی کردار برقرار رہا ہے اور ہندوستان میں بھی برقرار رہا ہے، اس لئے ہم دینی تعلیم کو مساجد کے مقاصد سے الگ نہیں کر سکتے اور اس میں تعلیم گاہ کے قیام کی اجازت دینا ہوگی، رہی دوسری بات کہ تعلیم میں ہم تفریق کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے، اور کر سکتے ہیں تو کہاں تک کر سکتے ہیں، اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور اسلامی تعلیم ایک یونیٹی ہے، اس میں دین اور دنیا کی تفریق نہیں ہے، وہ تعلیم جو قرآن وسنت اور انسان کو اس کی معرفت اور کائنات کی معرفت عطا کرے اس کے ادارے قائم کریں، ہمارے زمانہ میں سیکولر تعلیم کے جو ادارے کہے جاتے ہیں جن کو آپ ٹیکنکل ادارہ کہہ سکتے ہیں یا پیشہ وارانہ تعلیم کے ادارے کہہ سکتے ہیں یا پروفیشنل تہذیب کے سنٹر کہہ سکتے ہیں، میرے خیال میں مسجد کے مقاصد سے یہ ہم آہنگ نہیں ہیں، لیکن قرآن کی تعلیم، قرآن کی تفسیر، فقہ کی تعلیم، عبادات کی تعلیم، صلاتیات کی تعلیم، یعنی وہ ساری تعلیم جو اقدار پر مبنی ہیں ان کی تعلیم کے ادارے قائم کرنے کی ہم اجازت دیں گے، اور وہ تعلیم جو مسجد کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہے اس پر پابندی لگانی پڑے گی ورنہ ہر کوئی مسجد کی زمین پر ایک ٹکنیکل ادارہ کھول کر بیٹھ جائے گا۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی صاحب:

مولانا سعود عالم قاسمی صاحب نے جو بات کہی ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں اور یہ بات میں نے اپنے مقالہ میں بھی عرض کی ہے کہ وہ چیزیں جو مسجد کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں ان کو ہم قائم کرنے میں کوئی پابندی نہیں سمجھتے، لیکن وہ چیزیں جو مسجد کے مزاج کو بدلنے والی ہوں اس سے تعلق نہ رکھتی ہوں ان کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب:

میری رائے کے مطابق فاضل زمین میں دینی تعلیم کے ادارے قائم کئے جاسکتے ہیں، لیکن مسجد کی کمیٹی کے افراد کو بھی اس کے نظم میں شامل رکھا جائے تاکہ آئندہ چل کر اس زمین کے مسئلہ میں کوئی ملکیت کا دعوی نہ کرے۔

مولانا شاہین جمالی صاحب:

ایسا ہے کہ مسئلہ تعلیم کے غلبہ کا ہے اگر کسی ادارہ میں عصری تعلیم کا غلبہ ہے اور دینی تعلیم نہیں ہے اس میں تو یقیناً اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، لیکن اگر عصری علوم برائے نام ہوں اور اس مقصد کے لئے مسجد کی زمین میں کوئی ادارہ قائم ہو تو سعود عالم قاسمی صاحب نے بات واضح کردی ہے اور یہی مناسب ہے اور میری رائے بھی یہی ہے۔

مولانا محی الدین صاحب:

اصل میں مسجد کی زائد اراضی پر دینی ادارہ، مکتب وغیرہ قائم کیا جاسکتا ہے، اور دنیوی تعلیم کے جوادارے ہیں اگر سیکولر انداز کے ہیں تو اس کی اجازت میں تو بہت سے مسائل کھڑے ہوں گے لیکن دنیوی تعلیم اگر سیکولر طرز پر نہیں ہے صرف مسلم اس کو چلا رہے ہوں، چونکہ اس زمانے میں بہت سے خرافات ہوتے ہیں ایسے اداروں میں، اس لئے مسجد کی زمین پر یہ سب قائم کرنا تو درست نہیں ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کچھ ادارے یا مسلم ہوسٹل وغیرہ جس کا مقصد یہ ہو کہ کالج وغیرہ کے طلبہ جو وہاں آکر رہیں اور جن کی دینی تربیت کی جاسکے، چونکہ اس کی بہت ضرورت ہے اس زمانے میں، یا کہیں شہر میں کالج وغیرہ ہیں اس میں مسلم طلبہ وغیرہ رہتے ہیں اور وہ دینی ماحول سے کٹے ہوئے ہوتے ہیں تو اگر کوئی ایسا ہوسٹل تربیت کے لئے قائم کیا جائے اور اس میں تربیت کی جائے اور باقاعدہ ان کو دینی تعلیم دی جائے تو اس قسم کے ادارے کی اجازت ہو سکتی ہے۔

مولانا عبد اللہ صاحب:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام میں نظام تعلیم جو ہے اس میں کوئی تفریق نہیں ہے، یہ تو بعد کی چیز ہے کہ عصری تعلیم ہو اور دینی تعلیم ہو، اصل ہمارا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا جو نظام تعلیم ہو، چاہے وہ صنعت سکھائی جائے یا حساب یا جغرافیہ اور اس کا اسلامائزیشن ہوتا ہے تو اس اسلامائزیشن کے بعد تو وہ دینی بن جاتا ہے، تو یہ ایک اہم بات ہے کسی بھی تعلیم کے سلسلہ میں، اگر اس میں اسلامی رنگ غالب ہے اس نظام تعلیم میں تو پھر یہ علوم بھی سکھلائے جاسکتے ہیں۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

جیسے ہمارے مولانا عبداللہ صاحب نے فرمایا، اس طرح کی تفریق نے ہمارے مسلم سماج کو بہت سخت نقصان پہونچایا کہ یہ دینی تعلیم ہے اور یہ عصری تعلیم ہے، اس میں کوئی شک نہیں، حالانکہ بدر کے قیدیوں کو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ اس میں سے لکھنا پڑھنا جانتے ہوں وہ ہمارے مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا، تو کیا انہوں نے توحید سکھائی تھی؟ وہ تو مشرکین تھے، تو اس طرح یہ جو ذہن ہے ہمارا، اس ذہن کو سب سے پہلے وسیع کرنا ہوگا، عصری تعلیم گاہوں کو یا اس کو عصری تعلیم کا نام دے کر اس طرح سے مسلمانوں کو اس سے الگ کیا گیا کہ جس کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ان عصری علوم سے بہت بڑا نقصان ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دنیوی تعلیم بھی ہماری تعلیم ہے، ایک طرف ہم یوں کہیں کہ عصری تعلیم بھی ہماری تعلیم ہے اور دوسری طرف ہم یہ کہیں کہ یہ عصری تعلیم ہے، یہ دنیوی تعلیم ہے اس سے بچو، یہ چیز میں سمجھتا ہوں کہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ تعلیم میں کوئی تفریق نہیں ہے، اگر مدارس اور مکاتب کے قائم کرنے کا جواز ہے تو عصری تعلیم گاہوں کا بھی جواز ہوگا اس میں کوئی تفریق نہیں ہے۔

مولانا قمرالدین صاحب:

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ احاطہ مسجد جہاں مسجد کی ضروریات کا اس سے تعلق ہے تو اس میں اس قسم کا کوئی ادارہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ جو فاضل اراضی ہیں اس میں دینی تعلیم گاہیں قائم کرنا مسجد کمیٹی کی اجازت سے جائز ہے ورنہ مسجد کمیٹی کے جو اراکین ہیں اس میں اور دوسرے افراد میں نزاع پیدا ہو جائے گا، لیکن فاضل اراضی پر عصری تعلیم کے ادارے قائم کرنا جائز نہیں ہے۔

مفتی اسماعیل صاحب کنتھاریہ:

سب سے پہلے تو یہ سوچنا چاہئے کہ یہ زمینیں جو مسجد پر وقف ہوتی ہیں وہ لاستغلال الارض، لاستغلال المسجد، یعنی مسجد کے لئے ذرائع آمدنی کے طور پر ہوتی ہے، تو پہلی بات یہ ہے کہ کیا واقف نے اس مقصد کے لئے وقف کیا تھا کہ اس کی آمدنی مسجد پر صرف ہوتی رہے تو مقصد واقف کے خلاف وہاں پر کوئی دینی ادارہ یعنی مکتب یا مدرسہ قائم کرنا درست ہوگا؟ تو اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی ہے کہ مقاصد مسجد میں سے تعلیم اور وعظ وغیرہ بھی ہے اس لئے مسجد کی ایسی زمین پر جو فاضل ہے اگر کوئی دینی مدرسہ قائم کیا جائے تو درست ہے، باقی اس کی ملکیت تو وہ مسجد ہی کے پاس رہے مسجد سے ختم نہ کیا جائے، یہ قید اس لئے ضروری ہے کہ آج کل مسجد کا وقف، مدرسہ کا وقف ہے اور عموماً جہاں مکاتب کی تعلیم پہلے سے چلتی ہے وہاں پر مکتب کا وقف ہے، یہ بھی الگ ادارہ شمار ہوتا ہے اور کہیں کسی وقف بورڈ میں الگ سے اندراج ہوتا ہے، اس لئے اس کو مسجد ہی کی ملکیت میں رکھ کر مسجد کی خالی زمین پر مدرسہ و مکتب قائم کرنا درست ہے، البتہ عصری ادارہ قائم کرنا عصری تعلیم کے لئے یہ احقر کے نزدیک درست نہیں ہے، اس لئے کہ عصری تعلیم کے لئے اس کے پورے نصاب کو بھی دیکھنا پڑے گا، جس انداز سے عصری تعلیم دی جارہی ہے اس طریقے سے اگر رسمی مدارس یعنی سرکاری اسکول کے نہج پر اگر تعلیم دی جاتی ہے تو اس میں جو تاریخ ہے، اسی طرح سے جو زبان سکھانے والی کتاب ہوتی ہے اس میں عموماً ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ شاید فرض کفایہ کے درجہ میں بھی اس کا جواز نہ ہو یعنی اس تعلیم کا کوئی ٹھکانہ نہیں کہ کیسی چیزوں کا تذکرہ ہوتا ہے اور کیسی چیزیں ہوتی ہیں، حساب کے اندر دیکھئے کہ وہ بھی عصری تعلیم کا ایک جز ہے اور بہت ضروری ہے فرائض وغیرہ کے سلسلہ میں، زکوۃ کے حسابات وغیرہ کے سلسلہ میں، لیکن حساب سکھانے کا جو طرز ہے وہ ہمارے یہاں عموماً سودی حسابات ہوتے ہیں تو اس کو جواز کے درجہ میں لکھا ہے کہ چونکہ وہ مجبوری ہے اس لئے حساب سکھایا جائے، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عصری تعلیم کے جو عناصر ہیں اس میں سے بعض چیزیں جیسے زبان، حساب، جغرافیہ ہے اس کا جاننا فرض کفایہ کے درجہ میں ہے لیکن جس نہج سے وہ پڑھایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ جو دوسرے فنون پڑھائے جاتے ہیں تاریخ وغیرہ اور زبان سکھانے کے لئے جو مضامین ہوتے ہیں ان کتابوں میں ایسی چیزیں ہیں کہ عصری تعلیم کا جو موجودہ نہج ہے اس کے لئے وہاں پر ادارہ قائم کرنا مسجد کی فاضل اراضی میں یہ درست نہیں ہے۔

مولانامفتی مسرور صاحب:

جہاں تک مکاتب دینیہ اور مدارس عربیہ کا تعلق ہے ان کے قیام کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، اور جہاں تک عصری علوم کی تعلیم کا سوال ہے جیسا کہ مجھ سے پہلے افاضل نے فرمایا اگر وہ عصری علوم کتاب وسنت سے متصادم نہیں ہیں اور نہج تعلیم بھی کتاب وسنت سے متصادم نہیں ہے تو ایسی حالت میں عصری تعلیم کا بھی جواز ہو سکتا ہے، جواز ہے۔

مولانا کمال احمد صاحب دیوریا:

یہ بحث جو چل رہی ہے عصری اور دینی تعلیم کے اداروں کے بارے میں تو دراصل تعلیم کوئی بھی ہو، تعلیم تو ایک وحدت ہے جس کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا، اور عہد صحابہ میں جیسا کہ ہمارے فضلاء نے ذکر کیا مثال کے طور پر بدر کے قیدیوں کی مثال دی وہ ہمارے لئے راہ ہے کہ آپؐ نے بدر کے چند قیدیوں کو اس لئے رہا کر دیا اور ان کی دیت یہ مقرر کی کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کو جو دیگر زبان نہیں جانتے ہیں وہ زبان سکھائیں، اور ظاہر ہے وہ زبان جو سکھائی گئی وہ دینی زبان نہیں تھی، عربی زبان نہیں تھی ....اس سے تو ہم کو یہ روشنی ملتی ہے کہ جو زمین احاطہ مسجد کے علاوہ ہے وقف کی ہے، جس طرح ہم مساجد اور مکاتب اور اسلامی ادارہ قائم کرنے کے قائل ہیں اسی طریقہ سے ہم کو عصری علوم کے جو مراکز ہیں ان کے قیام کی بھی اجازت دینی چاہئے، اس لئے کہ جس طریقہ سے آج مسلمانوں کو علماء ومفتیان کی ضرورت ہے ویسے ہی ہم کو ڈاکٹر کی بھی ضرورت ہے، انجینئر کی ضرورت ہے، سائنسداں کی بھی ضرورت ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ سب ہمارے علوم ہیں ہمارے علم کو غیروں نے اپنایا ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس طرح مدارس اور مکاتب کے قیام کی اجازت ہونی چاہئے، اسی طرح علوم عصریہ کے مراکز کی بھی اجازت ہونی چاہئے بشرطیکہ کوئی اسلامی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

مفتی محمد یحیی صاحب:

مدارس دینیہ کے لئے، مساجد کے لئے جو اراضی وقف ہیں اگر وہ مساجد کو حالاً اور مآلاً ضرورت نہیں ہے تو اس کو نمبر ۱، اور نمبر ۲، میں استعمال کیا جا سکتا ہے جائز ہے، بقیہ ۳، ۴، ۵، میں میرے نزدیک جائز نہیں ہے، لیکن نمبر ۱ اور نمبر ۲ میں شرط یہ ہے کہ جس کو بھی زمینیں دی جائیں مکتب یا مدرسہ کے لئے اس میں یہ شرط لگا دی جائے کہ جس وقت بھی مسجد کو ضرورت ہو گی فوراً بلا کسی تاخیر کے خالی کرنا ہو گا ورنہ قانونی چارہ جوئی کرنی پڑے گی۔ نمبر ۱، اور نمبر ۲، میں اجازت ہے اس شرط کے ساتھ، نمبر ۳، ۴، ۵، میں جائز نہیں ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب:

(آواز صاف نہیں ہے)

مفتی حبیب اللہ صاحب:

مسجد کی فاضل اراضی پر مدارس دینیہ اور مکاتب بنانے کی اجازت ہے، البتہ عصری علوم کی درس گاہیں قابل غور ہیں ان پر اہل علم حضرات نظر ثانی فرمالیں، میرے نزدیک دینی مدارس و مکاتب کی طرح ان کی اجازت ہے۔

مولانا عبد اللہ جولم صاحب:

دینی مدارس کے ساتھ عصری علوم اگر دینی ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے، خاص کر تفریق جو دینی تعلیم اور عصری تعلیم میں موجود ہے، اور عصری تعلیم میں مسلمان طلبہ بہت پائے جاتے ہیں دینی مدارس میں داخلہ لینے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے اس طرح سے دینی مدارس میں عصری تعلیم کو داخل کر کے پڑھایا جائے تو پھر ٹھیک ہے، مستقل عصری تعلیم کے اعتبار سے اس کا قیام ایسی جگہوں پر صحیح نہ ہوگا۔

مفتی عبد اللہ صاحب ہانسوٹ:

الحمد للہ، ہمارے ارباب فتاوی کی جو تحقیقات سامنے آئی ہیں غالباً جزئیہ مبحوث عنہا سے ہماری بحث دور ہوتی جارہی ہے، اس کی اصل یہی ہے کہ اس کو بجائے دینی اور دنیوی علوم میں تقسیم کرنے کے نافع اور غیر نافع میں ہو، احادیث میں جو الفاظ وارد ہیں اگر اس میں محدود کر دیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ پریشانی نہیں ہوگی اور یہی کہا جائے گا کہ جو علوم نافعہ کے لئے ہیں اس کا استعمال جائز، اور جو غیر نافعہ کے لئے ہیں وہ جائز نہیں، فجزاکم اللہ۔

قاضی صاحب:

میں اپنے ان دوستوں سے معافی چاہتا ہوں جو اظہار رائے کرنا چاہتے ہیں لیکن وقت کی کمی کے باعث ہم مجبور ہیں دوسرے موقعہ پر ہم ان سے بات کرائیں گے، میں خلاصہ کے طور پر چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ سارے حضرات ان پوائنٹس کو ضرور نوٹ کرلیں گے تاکہ ہم لوگ ایک اتفاقی نقطہ تک پہنچ سکیں، عجیب توارد ہوا ہے کہ میرے اور مولانا عبد اللہ صاحب کے درمیان، میں ابھی بیٹھ کر سوچ رہا تھا کہ میں اپنی بات یہاں سے شروع کروں گا۔

اللهم إني أسألك علما صحيحا نافعا وعملا صالحا متقبلا ورزقا واسعا حلالا طيبا. والقول الثاني اللهم إني أعوذ بك من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع، میں سمجھتا ہوں کہ هذا هو أساس الكلام۔

ہم لوگ بحث میں ذرا دوسری طرف نکل گئے، العلماء كلهم قد اتفقوا على ان العلم النافع ينبغي للمسلمين جميعا ولا يقول أحد منا ان علما نافعا يجب علينا ان نحترم له، كل علم ينفع فهو أساس للمسلمين، من طلب الحكمة فهي ضالة المؤمن۔

یہاں پر بحث ہے وہ دراصل یہ ہے کہ وقف مسجد پر ہم کیا کر سکتے ہیں کیا نہیں کر سکتے ہیں بیشک مسجد اسلامی تاریخ میں بہت

ساری ضرور توں کا مرکز رہی ہے، هذا معروف ان المسجد محل للعبادة ومحل للتعليم ومحل للجهاد وللحرب ولفلان ولفلان وللقضاء كل ذلك حينما كانت الحاجة داعية إليها، والاحوال لما تغيرت والامكنة توسعت فخرج القضاء من المسجد إلى دار القضاء وخرج التعليم من الصفة إلى المدارس ، كذلك كل شئ خرج من محله ووصل إلى محله فكل هذا يبنى على الاحتياج إذا كان المسلمون فى محل لم يتيسر لهم أى موضع ومحل وأرض لأن يعلموا صبيانهم فماذا يفعلون هل يمكن ان نفتى انه حرام عليهم ان يدخلوا المسجد لتعليم الصبيان لا يمكن ذلك۔

اب عرض یہ کرنا ہے مجھے کہ مسئلہ کی تنقیح کے لئے اور بات کو ختم کرنے کے لئے یوں چلیں کہ بہت سی مساجد کے ساتھ واقف کی صراحت موجود ہے کہ تعلیم کا کام بھی اس کے ساتھ ہوگا فإذا صرح الواقف ان ما هو موقوف على المساجد يستعمل لتعليم الصبيان للمسلمين ايضا فلا حاجة إلى البحث ان قد صرح الواقف بها، وإن لم يصرح الواقف فماذا نفعل فهذا معروف بين علمائنا فى الهند ان جميع العلماء فى جميع الازمان قد علموا فى المساجد مثلاً المسجد الجامع فى دهلى ، شاهى مسجد لاهور، مسجد مدرسة الذى أسسه شير شاه سورى على شاطئ نهر كنكا فى بتنه ، وجميع العلماء كانوا يجلسون فى المساجد ويعلمون الطلاب، هذا هو المعروف والمتعامل فيما بين المسلمين من زمان قديم فصار كعرف ليس بعرف حادث بل هذا عرف قديم قد ثبت به ولا يمكن لاى عالم ان يفتى بأن كل هذا كان غير جائز۔

پس یہ بات بھی منقح ہے کہ تمام وہ مساجد جن میں صراحت موجود ہے اس میں کوئی پرابلم نہیں ہے، کوئی دشواری نہیں ہے، اور مساجد میں وہ تعلیم جس کو ہم دینی کہہ رہے ہیں یہ معمول ومتعارف رہی ہے، اس لئے اگر کہیں بھی مسجد میں تعلیم دین کی دی جارہی ہے جو متعامل اور معروف ہے اس پر بھی کوئی اعتراض ہمیں نہیں ہونا چاہئے، اس کی صاف صاف اجازت دے دینی چاہئے، عین مسجد ہو یا حوالی مسجد میں کمرے بنے ہوئے ہوں، ہماری ساری مساجد جتنی بڑی بڑی مسجدیں ہیں ان میں ایسی عمارتیں موجود ہیں جہاں تعلیم دی جارہی ہے، ایسا فتوی نہ دیں ہم کہ جو ہو رہا ہے اس میں بھی مشکل پیدا ہو جائے۔

تیسری طرف ہم اس حاجت کو دیکھیں، کیا یہ سچائی نہیں ہے دوستو کہ ہمارے یہاں اسی، پچاسی فیصد مسلمان بچے جاہل بھی ہیں اور بدقسمتی سے ان کی تعلیم کا انتظام نہیں ہے، کیا ہم پوری قوم کے بچوں کو جاہل چھوڑ دیں، ظاہر ہے کسی کی بھی ایسی رائے نہیں ہوگی، لیکن جہاں پر ہمارے لئے علاحدہ جگہ کا انتظام ہو سکتا ہے وہاں ہم مکاتب، مدارس، اسکول سب قائم کر سکتے ہیں، اور جہاں پر کوئی صورت نہیں اور مسجد کی اراضی میسر ہے جو اس آبادی کے مصالح کے لئے ضروری ہے، پہلی کوشش کہ ایسے مکاتب ومدارس یا تعلیمی ادارے جو بھی ہم قائم کریں اس کو بذریعہ اجرت مسجد کمیٹی سے حاصل کرلیں تاکہ بلا اختلاف یہ شی صحیح ہو جائے، اور اگر یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ وہاں پر اجرت کیا دی جائے گی، وہاں تو دو دو پیسہ بھیک مانگ کر یوں ہی پریشان ہیں، برائے نام جیسے گورنمنٹ کرتی ہے کہ ایک روپیہ کرایہ رکھ دیتی ہے، ابھی راوڑ کیلا میں ہمارے دوستوں نے ۹۹ برس کے لئے دو ایکڑ زمین دی ہے اور دو روپیہ سالانہ کرایہ رکھا ہے اور ہم نے ۹۹ برس کے دو سو روپئے ادا بھی کر دئے ہیں، تو اگر ایسی کوئی شکل ہے تو دوسری بات ہے، ورنہ ایسے تعلیمی اداروں کے لئے گنجائش ہونی چاہئے، ایسے مقامات کے لئے جہاں حاجت مسلمین اس کی متقاضی ہو، اب اس کے بعد اس کا غلط استعمال بھی

ہو سکتا ہے، جیسا کہ بعض دوستوں نے کہا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے، یہ بھی تجربہ کی بات ہے کہ عام طور پر جو کمیٹیاں ہیں مسجدوں کی، بہت جگہ ایسا ہوا ہے کہ انہوں نے مسجد کی اراضی کا اپنے من مانے اداروں کو قائم کر کے اس کو ذریعہ آمدنی بنانے کے لئے استعمال کیا ہے، اس لئے ہمارا جو بھی فتوی ہو اس میں اس طرح کے تجربات سے بچنے کے لئے احتیاط کی تحریر ضرور ہونی چاہئے، یہ بھی تجربہ ہے ملک کے مختلف علاقوں کا کہ وہ لوگ جو اللہ کا خوف نہیں رکھتے اور دین کے احکام کو سمجھتے نہیں کمرشیل ادارہ قائم کر کے اس کو ذریعہ آمدنی بناتے ہیں اور مسجد بے چاری محروم کی محروم رہتی ہے، نہ اس سے اس کو مصلی مل پاتے ہیں اور نہ اس کو آباد کرنے کے لئے ذرائع مل پاتے ہیں، اس لئے ان سارے مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے آپ حضرات تجویز منظور کریں گے، میں امید کرتا ہوں اور یہ قطعاً ایک الگ بحث ہے، ہم کسی علم کو اپنے لئے اجنبی نہیں سمجھتے ہیں اور نہ یہ ہماری آج کی بحث کا موضوع ہے، ابھی چونکہ وقف کا مسئلہ آرہا ہے کہ اراضی وقف کا استعمال ہم ان کاموں کے لئے کر سکتے ہیں یا نہیں، ظاہر ہے کہ تعلیم قرآن کی خاص نسبت قرآن سے ہے، اور اپنی ساری وسعت ذہنی کے باوجود میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میتھ اور سائنس کی تعلیم کو اتنا متناسب کہوں مسجد کے ساتھ جتنا متناسب مسجد کے ساتھ قرآن کی تعلیم کا ہے، اور پھر اس پر ہندوستان کے ماحول میں غور کرنا چاہئے، جہاں پر عصری سیکولر ایجوکیشن کے ادارے ہوں، ابھی اتر پردیش میں بی جے پی گورنمنٹ نے ایک فیصلہ لیا ہے کہ پرائمری ایجوکیشن کے تمام اسکولوں میں سرسوتی کی مورتی لگی رہے گی اور ہر طالب علم جو وہاں پڑھنے آئے گا اس کو روزانہ ایک مالا ایک ہار لا کر اس کو پہنانا پڑے گا، جہاں اس سے ہماری پریشانی بڑھتی ہے وہاں ہماری ذمہ داریاں بھی بڑھتی ہیں کہ ان بچوں کو ہم مسجد یا مسجد سے ملحق اراضی میں پڑھنے کی اجازت دیں یا ان اسکولوں میں بھیجیں جہاں وہ جا کر مورتیوں پر مالا چڑھائیں گے، میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس کی کوئی اجازت دی جا سکتی ہے، پس آپ جو بھی فیصلہ کریں مصالح امت کو سامنے رکھ کر کریں، اور جو دو بنیادی اصول ہیں کہ وقف کی صیانت و حفاظت اور وقف کی نافعیت کو سامنے رکھیں، اس گفتگو کے بعد میں اس سلسلہ میں ایک کمیٹی کا اعلان کر دوں گا، ابھی چند منٹ میں مولانا عتیق صاحب اور مولانا عبید اللہ صاحب لسٹ تیار کر کے دیں گے اس کے بعد پھر انشاء اللہ بحث ہوگی، اب اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے، اگلی بحث شروع ہوگی۔

اور ایک مسئلہ یہ ہے اس پر توجہ دیں آپ حضرات کہ کچھ ایسی مساجد ضرور ملک میں ہیں، سو ہوں، دو سو ہوں پچاس ہوں، جن کے پاس....... ہوتی ہے، مال جامد پیدا ہو جاتا ہے، آمدنی زیادہ ہوتی ہے اور ضرورت مسجد کی پوری ہو رہی ہے، لیکن ایک بات ذہن میں رکھنی ہے کہ مسجد کی تزئین پر جتنا خرچ کرتا ہے متولی، مسجد کے امام کی تنخواہ پر خرچ نہیں کرتا، وہ بے چارہ ویسے ہی کے ویسے یتیم رہتا ہے، اس لئے جلدی سے ہم اس کو...... مانیں گے نہیں اور نہ مال جامد اس کو ماننے کو تیار ہیں، لیکن اگر کوئی ایسی مسجد ہو جس کے پاس اس کی تمام جائز اور واجب ضرورتوں کے علاوہ کافی بڑی رقم جمع ہے تو اہل دنیا کو آپس میں لڑنے کی بہت اچھی گنجائش ہے، اب سوال یہ ہے کہ وہ زائد آمدنی اس دینی یا عصری تعلیم کے یا دینی اور عصری تعلیم کے ادارے قائم کرنے پر صرف کی جا سکتی ہے یا نہیں، یا دیگر رفاہی مقاصد کے لئے خرچ کی جا سکتی ہے یا نہیں، جب کہ وقف میں صرف مسجد کی صراحت ہے اور کوئی صراحت موجود نہیں ہے، اس پر کون لوگ اظہار خیال کریں گے جو لوگ پہلے کر چکے ہیں ذرا وہ معذرت قبول کر لیں تو اچھا ہے۔

مولانا ابو بکر قاسمی صاحب:

میں مساجد کی فاضل اراضی کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ اس سلسلہ میں دو بنیادی نقطوں کو پیش نظر رکھا جائے، ایک تو یہ کہ مساجد کے مقاصد کو ملحوظ رکھا جائے، دوسرے ہندوستان میں سرکاری اداروں کے بجائے آزاد ادارہ قائم کرنے کے سلسلہ میں مشورہ کیا جائے، اس لئے کہ ہمارے ہندوستان میں جو سرکاری ادارے یا مدارس ہیں ان کی جو صورت حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ان اداروں کا مقصد دور حاضر میں تعلیم کے بجائے فقط معاش تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، اسلئے آزاد ادارہ قائم کرنے کے سلسلہ میں تو اجازت دی جاسکتی ہے لیکن سرکاری ادارہ کے لئے نہیں۔ اور فاضل آمدنی کے سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ پہلے تو مساجد پر خرچ کرنے کی کوشش کی جائے جیسا کہ ہمارے اکابر نے فرمایا ہے لیکن اگر مساجد وغیرہ موجود نہ ہوں اور تعلیم پر خرچ کرنے کی ضرورت پیش آرہی ہو تو پھر دینی تعلیم کو مقدم رکھا جائے۔

کیرالا سے آئے ہوئے مہمان:

سوال یہ ہے کہ کیا مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے، میرے خیال میں اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے، رفاہی مقاصد ایسے ہوں جو ہمارے لئے آج کل جائز امور پر چل رہے ہوں، اور رفاہی مقاصد سب سے اہم مقاصد ہیں اس ماحول میں مسلمانوں کے لئے جو اہم مقاصد ہیں ان مقاصد کو دیکھ کر وہاں کے علماء اور مفکرین سب کو مل کر طے کرنا چاہئے، اور قرآن اور حدیث کی روشنی میں جب غور کیا جائے تو مسجد کی ضروریات کے بارے میں مولانا مسرور صاحب نے جو رائے پیش کی ہے أنا أوافقه على ما بين من آراء ه القيمة حول المسجد وما يتعلق به۔

ڈاکٹر قدرت الله باقوی صاحب کیراله:

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مسجد قرطبہ اور مسجد غرناطہ اور وہ مساجد جو جامع کی حیثیت سے جہاں رفاہی اور مصالحتی اور مصاحبتی جتنے علوم تھے، وہ سب سکھائے جاتے تھے، اس لحاظ سے مسجد کی فاضل اراضی میں یا مسجد کی فاضل آمدنی میں تفریق کر کے عصری اور دینی علوم کو الگ کر کے کچھ طے کرنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے، مساجد جو ہوتی ہیں وہ بھی امت کی ہوتی ہیں اور تعلیم بھی امت کے لئے دی جاتی ہے اس لئے اس کے مصالح بھی امت کے لئے ہیں۔

مفتی بشیر احمد صاحب میسور:

یہ جو مسئلہ زیر بحث ہے اس سلسلہ میں احقر کی رائے یہ ہے کہ جو فاضل آمدنی مساجد سے حاصل ہوتی ہے کمیٹی کے ذمہ داران کو اس پر تاکید کیا جائے کہ دینی ضروریات کے علاوہ اگر قوم کی بہبودی کے لئے دوسری ضرورت پڑے اس میں بھی خرچ کیا جائے، اگر عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم ہو کہ جس سے دینی تعلیم کا غلبہ ہو استعمال کر سکتے ہیں۔

مفتی انور علی صاحب:

اوقاف کی جو فاضل آمدنی ہے سب سے پہلے اسی وقف کی نوع کے مصارف میں خرچ کیا جائے تاکہ واقف کی شرط کی زیادہ سے زیادہ رعایت ہو سکے۔

مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب:

مساجد کی فاضل آمدنی کا استعمال کیا ہوگا اس سلسلہ میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ضروریات مسجد ہی میں اسے صرف کرنا ضروری ہوگا، تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، اگر کسی مسجد کے پاس اتنی زائد آمدنی ہو کہ جس کی مسجد کو نہ اس وقت ضرورت ہو اور نہ مستقبل قریب میں ضرورت ہو تو ایسی صورت میں مقاصد وقف کی رعایت کرتے ہوئے بہتر اور مفید طریقہ یہ ہوگا کہ مزید اراضی خرید کر اسی مسجد پر وقف کر دیا جائے اور اگر زمین خریدنا ممکن نہ ہو تو پھر "الاقرب فالاقرب" کے قاعدہ کے تحت اس سے قریب کی جو مسجد ہو گی اس کی ضروریات اور مصالح میں اس زائد آمدنی کو خرچ کرنا ہوگا۔

مولانا مفتی ابوسفیان صاحب:

مسجد کی فاضل آمدنی بوقت ضرورت دینی اداروں میں اور اوقاف کی چیزوں میں صرف کرنے کی اجازت ہے۔

مولانا وقار احمد صاحب:

اگر اوقاف کی آمدنی مسجد کی ضروریات سے زائد ہو تو پہلے واقف کی جو شرائط ہیں ان کی پوری رعایت ہو، ان شرائط کے بعد اگر آمدنی فاضل بچتی ہے تو دینی ضرورتوں میں خرچ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، دینی علوم ہوں، عصری علوم ہوں جن کی مسلمانوں کو اس وقت ضرورت پڑ رہی ہے اس پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

مفتی ارشاد قاسمی صاحب:

فاضل آمدنی کے سلسلہ میں فقہاء نے مصالح مسجد بیان کیا ہے، اور مصالح مسجد کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے "الامام والخطیب والموذن والوقاد والفراش والمدرس والناظر "اسی طرح عالم گیری میں بیان کیا گیا ہے کہ مصالح مساجد میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو مسجد کے ابقاء اور نفع کے لئے ہوں، چنانچہ کہا گیا ہے: ... کالامام للمسجد والمدرس للمدرسة "تو مدرسہ کے اوپر خرچ کرنے کے لئے تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس میں کوئی عدم گنجائش ہو، تمام حضرات نے مصالح مساجد میں تعلیم دین کو اور تعلیم قرآن کو داخل مانا ہے، چنانچہ حاشیہ منحۃ الخالق میں لکھا گیا ہے:

" إنما هو عموم النظر لمصالح المساجد ولاقامة الشعائر " اور ظاہر بات ہے کہ تعلیم دین ہمارے یہاں شعائر اسلام میں داخل ہے اس لئے مصالح مسجد میں تدریس، افتاء، تقریر وغیرہ سب داخل ہیں۔

مولانا شیر علی صاحب:

مسجد کی زائد زمین میں مدرسہ قائم کرنا یہ تو توارث چلا آرہا ہے اور یہ جائز ہے، اور مسجد کی زائد آمدنی کہاں خرچ کی جائے تو فقہاء کرام یہ لکھتے ہیں کہ اس جنس سے جو قریب ہے اس کو منتقل کیا جائے جس کو ضرورت ہو، یہی حال قبرستان کا ہے جو وہاں سے قریب ہے وہاں منتقل کیا جائے، اور مسجد کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہ دونوں لازم ملزوم ہیں اور اس میں مسجد کی آبادی بھی ہے، اور ہندوستان میں یہ تعامل ہے کہ جہاں مسجد ہوگی وہاں مدرسہ بھی ہوگا اور ہمارے یہاں افغانستان میں تو مسجد ہی میں طلبہ پڑھتے ہیں کوئی مستقل مدرسہ نہیں ہوتا ہے اسی مسجد میں تعلیم ہوتی ہے تو مسجد کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا درست ہے۔

جہاں تک واقف کے مقاصد کی بات ہے تو مشہور مسئلہ ہے کہ " شرط الواقف کنص الشارع" ہمارے یہاں عرف ہے کہ مدرسہ الگ سمجھتے ہیں اور اسلام اور دینی علوم علی الاعلان الگ سمجھتے ہیں، لہذا مدرسہ اور مسجد کی آمدنی سے کوئی کالج قائم کرنا یا اسکول قائم کرنا یا رفاہی ادارہ قائم کرنا یہ میرے خیال میں جائز نہیں ہے، اور واقف کی شرط جو ہے میرے نزدیک کنص الشارع ہے، یہ میری رائے ہے کہ مدرسہ قائم کیا جائے پھر اگر کچھ دین کی غرض سے طبعاً ایسی چیزیں رکھی جائیں تو گنجائش نکل سکتی ہے۔

قاضی صاحب:

مولانا نے اصولی بات یہاں پر فرمادی کہ کوئی وقف اگر اپنا مصرف کھودے تو اس کو قریب ترین مدات کی طرف منتقل کیا جائے یعنی "الاقرب فالاقرب" کا اعتبار ہے یعنی وراثت کی ایک جھلک یہاں پر بھی موجود ہے، اب رہا کہ تحری اور اجتہاد کی ضرورت پڑے گی کہ کون اقرب ہے اور کون نہیں ہے، ہمارے یہاں تو اصولاً یہ قاضی کی ذمہ داری ہے اور قاضی کا نظام نہ ہو تو علماء اس کا فیصلہ کرسکتے ہیں ہر وقف کے لئے، اب اس وقت صرف ایک مسئلہ پر بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ رائے دے دوں پھر کمیٹی جملہ مسائل اوقاف پر تجویز مرتب کرے گی۔

جہاں تک تعلق ہے استبدال وقف کی ان تمام شرائط کا جو ہمارے فقہاء نے لکھی ہیں، اگر ایک شی اپنا نفع کھوچکی ہے اس کو باقی رکھنے کا کوئی مصرف نہیں ہے، اس کی جگہ پر جملہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے دوسرے نفع بخش وقف کے قیام کی کوشش، اس پر تقریباً کہیں بھی ہمارے علماء میں اختلاف نہیں ہے، اس پر کئی رسائل موجود ہیں، بحث صرف وہاں پر ہے کہ نفع کم ہے زیادہ نفع حاصل کرنا ہے، مثال کے طور پر آج کل بہت سے شہروں میں ہماری بعض بلڈنگس ہیں، اور مان لیجئے کہ وہ غیر مسلم علاقہ میں چلی گئی ہیں، یا ان کا کرایہ بہت تھوڑا مل پاتا ہے، کہیں پانچ روپے، کہیں دس، اور کہیں بیس روپے، اگر ہم ان کو فروخت کردیتے ہیں اور ان سے کوئی زمین دوسری مناسب جگہ پر حاصل کرلیں اور وہاں پر شاپنگ کمپلکس بنادیں تو اس سے لاکھوں روپے کی آمدنی ہوسکتی ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ اصل نفع اگرچہ قلیل ہے لیکن قائم ہے، فتوی کی زبان میں یوں کہئے کہ اصل نفع اگرچہ قلیل ہے مگر قائم ہے، تو اس صورت میں اس کی نافعیت کو بڑھانے کے لئے استبدال وقف جائز ہوگا یا نہیں؟ پہلی صورت پر ہمیں زیادہ بحث نہیں کرنی ہے صرف اس پر آپ حضرات کی رائے ضرور جان لینی ہے کہ اگر اس کا اطمینان ہے کہ اس وقف کے استبدال کے ذریعہ اس کے نفع قلیل کو ہم

نفع کثیر سے بدل سکتے ہیں اور مصارف چاہے مسجد ہوں مدرسہ ہوں، فقراء ہوں ان کے لئے ہم مفید تر بنا سکتے ہیں اس کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس پر میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات جلدی جلدی دو دو منٹ میں رائے دیدیں" انا ارید ان تتعرف من الأخ الدكتور خالد المذكور بهذه القضية ، الوقف لم يخرج عن النفع مطلقا ولكن نفعه قليل فهل يجوز لنا ان نستبدلها بما هو انفع لمصارف الوقف۔

الدكتور خالد المذكور:

.........إذا كان الوقف نفعه قليل فيجوز استبداله بوقف أو بأرض زراعية يكون نفعه كثيرا ان شاء الله لكن التعريف كذلك على المدارس التى تكون بقرب المساجد حتى ولو كان شرط الواقف ان يكون للمسجد و.......الشرعى والعلم الغير الشرعى أو العلم الاخروى والعلم الدنيوى هناك يعنى تعبير دقيق عن هذا، كل ...ما عبر عنه الشيخ مجاهد ،...... وهو العلم النافع او العلم المباح وما دام علم نافعا و علم مباحا .... بأن يدرس وبأن يتعلم و إذا كانت هناك اراضى ......وتكون عن حاجة المسجد فمن الممكن شرعاً استبدال هذه للإقامة لمدرسة او اقامة .... للعلم الشرعى و غير العلم الشرعى.........

مولانا بدر الحسن قاسمی صاحب... خلاصه:

وقف استبدال کا جہاں تک مسئلہ ہے اگر وقف کی آمدنی کو بڑھانے کے لئے اس کو بدلنا چاہتے ہیں تو اس کی اجازت ہے ہمارے یہاں، البتہ دوسرے مسئلہ میں جو مدارس کے قیام کے سلسلہ میں ہے کہ اگر علم نافع اور علم مباح ہے اور وہ مساجد جہاں پہلے سے مدرسہ قائم ہے اس میں علم دین اور علم دنیا کی تفریق کے بغیر صحیح تعلیم جو علم نافع اور علم مباح ہو اس کی تعلیم دی جانی چاہئے اس کی گنجائش ہے۔

مہمان کویت:

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله۔

يتفق بالنسبة لمنافع الوقف مادامت منافع الوقف كثيرة بشرعنا الإسلامى لكنه إذا تعطلت منافع الوقف ولم يكن هناك لحنة فيصرف عليه ولكن هناك مصلحة ، وكما يقال فى الأمس ،نص الواقف كنص الشارع ، لكنه صرح الفقهاء وعندنا كذلك بمذهب أحمد بن حنبل وكذلك بغير مذهب أحمد بن حنبل...... والافضل بشرط هذه المبدأ فلا حناح اذا وجد هناك نص لاحد الواقف .... وان ينبغى هناك ان تتوسع المنافع بخيرات بما يكون للمسلمين .... وهذه توسعة كثيرة ونحن عندنا فى الكويت بحمد الله الأمانة العامة للأوقاف صندوق فى عمل حواليه كثيرة الأوقاف بها علوم القرآن وعيادة المرضى وللثقافة نعم وصندوق للصحة وعدة صنا ديق وقفية لخيرات المسلمين وارتفاع لهم فجزاكم الله ۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی:

فقد صرح علامة حافظ ابن عابدين في شروط استبدال الوقف بالخط تكون ستة او سبعة ومنها ان يستبدل القاضي الذي يتصف بالعلم والعمل ومن شروط استبدال الاوقاف ....

مولانا شیر علی صاحب:

قاضی صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ وقف کا نفع کم ہو گیا اور اس کا معمولی نفع ہے اس کو بدلا جاسکتا ہے یا نہیں، تو فقہاء کرام نے بہت جگہ ذکر کیا ہے کہ لکا نفع سے بھی بدلا جاسکتا ہے اور الٹا بھی کر سکتے ہیں، اور یہ بھی قاضی الجنہ کر سکتے ہیں، عالم باعمل ہے وہ کرے، اور یہ شبہ ہو کہ اگر وقف کو اس نے بیچ دیا یا بدل دیا اور اس کی جگہ زمین نہیں خرید اتو کیا؟ اس کے متعلق آپ حضرات خود سوچ لیں کیا ہونا چاہئے۔

مفتی شبیر صاحب:

اس سلسلہ میں حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ وقف کی دو قسم ہے، ایک زمین کی شکل میں ہے عمارتی شکل میں نہیں، اگر عمارتی شکل میں نہیں ہے تو اس بارے میں فقہاء کی دو رائیں ہیں، راجح قول کے اعتبار سے انفع کے لئے استبدال جائز نہیں ہے اور قول مرجوح کے مطابق انفع کے لئے استبدال جائز ہے، لیکن اگر وقف عمارتی شکل میں ہے تو ایسی صورت میں کسی کے نزدیک بھی استبدال جائز نہیں ہے، الثالث ان لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار وان الخلاف في الثالث انما هوفي الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخرابها ولم تذهب أصلا فانه لايجوز حينئذ الاستبدال على كل الاقوال۔

قاضی صاحب:

جس عبارت کو آپ نے نقل کیا ہے مولانا اس میں ایک بہت بڑی بات ہے آپ کے لئے اور حضرات علماء کے لئے، اور اس کی وجہ بھی بتادی ہے، یعنی حکم معلل تو میں نہیں کہتا حکم موجہ کہتا ہوں، وجہ یہ لکھی ہے کہ فانه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الاقوال، قال: ولا يمكن قياسها على الأرض فان الارض اذا ضعفت لا يرغب غالبا في استيجارها بل في شرائها اما الدار يرغب في استيجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنى۔

یہ بحث انہوں نے کی ہے یعنی قیاس کیا ہے اس بات پر کہ زمین کا معاملہ جو ہے وہ عام طور پر حالات پر مبنی ہے کہ کوئی ایسی جگہ پر مکان واقع ہے جہاں کرایہ دار نہیں مل رہا ہے تو وہاں پر بغیر بیچے آپ کو چارہ نہیں ہے، اور کہیں زمین ایسی جگہ پر ہے کہ ہے تو وہ بے کار لیکن اس کے استیجار کے بہت سے خواہش مند موجود ہیں تو وہاں پر حکم بدل جائے گا، اس لئے ان صراحتوں کو ان حالات پر آپ ضرور تطبیق دیں جن میں آپ مبتلا ہیں، اس لئے کہ یہ سارے مسائل مجتہد فیہ ہیں، اور یہ دراصل ہر فقیہ نے اپنے زمانے اور اپنے شہر

کے حالات کو سامنے رکھ کر یہ فتوی دیا ہے، اور جب حکم معلل میں ہمارے لئے موقعہ ہے تو یہ تو حکم موجبہ ہے یعنی خود فقہاء نے اس کی توجیہ کر دی ہے اس کو بھی اب آپ کو سوچ لینا ہوگا۔

مفتی شبیر احمد صاحب:

آپ نے جو فرمایا کہ اگر کرایہ پر مکان کو لینے والا وہاں پر ہے نہیں تو ایسی صورت میں تو میرے نزدیک بھی بیچنے کی اجازت ہے اس میں اختلاف نہیں ہے۔

قاضی صاحب:

قبل اس کے کہ اجلاس ختم ہو ہمارے لئے بڑی خوشی اور مسرت کی بات ہے اور خاص کر میں رحمت اللہ ندوی صاحب سے کہتا ہوں کہ وہ ڈاکٹر وہبہ صاحب کے پاس جاکر بیٹھ جائیں، اور تمام عرب علماء کے ساتھ ایک ایک مترجم فوراً بیٹھ جائیں، ابھی ہمارے دوست رحمٰن خان صاحب جو ممبر پارلیمنٹ بھی ہیں، اور میں اہمیت بتادوں کہ اس وقت گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک بہت اہم کمیٹی بنائی ہے، دعاء کیجئے کہ اس سے ہم لوگ پورا فائدہ اٹھا سکیں، اس کمیٹی کے آپ چیئر مین ہیں، آپ حضرات جو بہت سارے فیصلے کریں گے اور ان کو جب آپ ان کے حوالہ کریں گے تو قانون وقف میں میں امید کرتا ہوں کہ ان کی کوششوں سے بہت سی ترمیمات ہم لا سکتے ہیں جو شرع کے ساتھ زیادہ موافق ہوں یہ بہت اچھی بات ہے، میں نے ان کو خصوصی طور پر وقف کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے بلایا تھا، میں سمجھتا ہوں کہ ہم لوگ ان کی بات سن لیں اور کیا مسائل ہیں اور کیا مشکلات ہیں اس کی روشنی میں ہم کو بہت سارے فیصلے کرنے میں مدد ملے گی اور ہماری واقفیت میں اضافہ ہوگا۔

عبد الرحمن خاں صاحب ممبر پارلیمنٹ:

علماء کرام، بزرگو اور بھائیو!

آج یہاں تمام حضرات اوقاف کے مسائل پر اور شرعی طریقہ سے کس طرح ملک میں اوقاف کے اداروں کو چلایا جائے اس سلسلہ میں آپ غور کر رہے ہیں، اس دفعہ اتفاق کی بات ہے کہ پارلیمنٹ میں ایک سال پہلے اوقافی اداروں کے ناجائز استعمال اور جس طرح سے اوقافی اداروں کا غلط استعمال ہو رہا تھا اور اوقافی جائداد اور خاص کر بنگلور میں بہت سے اوقافی اداروں کو کوڑیوں کے دام پر، جو کروڑوں روپے کی جائداد تھی، وقف بورڈ کی طرف سے ہی غلط استعمال ہو رہا تھا تو پارلیمنٹ میں جب یہ بحث ہوئی اس وقت یہ طے کیا گیا کہ اس ملک میں قانون تو ہے اوقاف کا مگر اس کا استعمال صحیح نہیں ہے، پہلے ۱۹۵۴ میں اس کا قانون بنا اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں ایک وقف انکوائری کمیٹی بنی، سارے ملک میں اس پر بحث ہوئی، ۲۰۔۲۲ سال کے بعد ایک دوسرا قانون بنا اس کے بعد ۱۹۹۵ء میں یہ قانون جاری ہوا اور پہلی جنوری سے یہ قانون نافذ ہے اس ملک میں، مگر یہ محسوس کیا گیا ہے کہ جو قانون ہے اس میں اور زیادہ تبدیلیوں کی ضرورت ہے، اور اوقاف کے تحفظ کے لئے قانون میں اور زیادہ مضبوطی اور تبدیلیوں کی ضرورت ہے، اس لئے پارلیمنٹ میں یہ

بھاؤ آیا کہ ایک کمیٹی بنا کر اور اس کمیٹی سے ایک رپورٹ حاصل کر کے پھر اس قانون میں ترمیمات کئے جائیں، چنانچہ ایک جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی بنائی گئی ہے، یہ کمیٹی دونوں راجیہ سبھا اور لوک سبھا سے مل کر بنی ہے، اور پہلی مرتبہ اس پچاس سال کی تاریخ میں مسلمانوں کے مسائل پر ایک جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی پارلیمنٹ نے تشکیل دی ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس کا ہم کس طرح استعمال کریں، قانون تو اپنی جگہ بن رہا ہے مگر پارلیمنٹ کو صحیح رہنمائی چاہئے کہ کس طرح کا قانون ہونا چاہئے، اب اس کمیٹی کے سامنے چھ نکات ہیں۔

پہلی شق Terms of Reference یہ ہے کہ وقف کی جائداد جو اس ملک میں ہے اس کی نشاندہی کی جائے کہ کون سی جائداد وقف کی ہے اور کون سی جائداد وقف کی نہیں ہے، اس لئے پہلے اس کا سروے ہو جائے کہ پورے ملک میں اور تمام ریاستوں میں اوقافی جائدادیں کون سی ہیں۔ دوسرے اوقافی جائداد جو ناجائز قبضوں میں ہے، حکومت کے ناجائز قبضہ میں ہے متولیوں کے ناجائز قبضہ میں ہے اور بہت سے لوگوں کے ناجائز قبضہ میں ہے تو اس کو کس طرح حاصل کیا جائے، چاہے حکومت سے ہو یا جس کے ناجائز قبضہ میں ہو اس سے کیسے لیا جائے گا یہ بھی پارلیمنٹری کمیٹی کے سامنے ایک مسئلہ ہے اس کے اوپر غور ہو رہا ہے۔ تیسرے آمدنی وقف کی جو ہے وہ بہت ہی کم ہے، یعنی بہت سی جائداد ایسی ہے جس سے آمدنی اور زیادہ ہو سکتی ہے مگر دوسرے قانون کی وجہ سے جیسے..... کنٹرول ایکٹ ہے، ایکویزیشن ایکٹ ہے یا دوسرے جو قانون ملک کے ہیں ان کی وجہ سے وقف کی آمدنی میں بہت ہی مشکلات آرہی ہیں، اب اس کو کس طرح سے کریں کہ وقف کو..... کنٹرول ایکٹ سے بری کیا جا سکے، اور جو اوقافی پراپرٹی ہے اس کو کیا ہم پبلک پراپرٹی ڈکلیر کر سکتے ہیں یعنی یہ ایک شخص کی جائداد نہیں بلکہ پبلک پراپرٹی ہے اللہ کی ملکیت ہے اس پر کسی ایک فرد کا حق حاصل نہیں ہے جیسا کہ گورنمنٹ کی پراپرٹی ہوتی ہے، پبلک پراپرٹی ہوتی ہے، تو اس پر جو قانون نافذ ہوتا ہے اس سے کسی کو اس جائداد کے حاصل کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی ہے، اس طرح سے وقف کو پبلک پراپرٹی میں لایا جائے یا نہیں، یہ بھی ایک سوال کمیٹی کے سامنے ہے، اور اس کا علم ہم سبھی کو ہے کہ اوقاف بورڈ میں صحیح طرح سے کام نہیں ہو رہا ہے تو ان کا جائزہ لیں کہ کیا وقف بورڈ اپنا صحیح کام کر رہے ہیں یا نہیں، قانونی طریقے سے اور شرعی طریقہ سے کام کر رہے ہیں یا نہیں؟ اس کا بھی جائزہ لے کر اوقاف بورڈ میں مضبوطی لانے کے لئے ہمیں یہ بھی کرنا ہے، اور اس کے بعد یہ کمیٹی ایک تفصیلی رپورٹ پارلیمنٹ کو پیش کرے، تاکہ ایک ایسا جامع قانون بنے جس سے اس جائداد اوقاف کا تحفظ بھی ہو اور صحیح استعمال بھی ہو اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کام انجام پائے، یہ کام گذشتہ سات آٹھ مہینوں سے چل رہا ہے اور اس کی بہت سی ذیلی کمیٹیاں بنی ہیں اور ہر کمیٹی کو الگ ریاستیں دی گئی ہیں، مجھے نو ریاستوں کے کمیٹیوں کی ذمہ داری دی گئی ہے، پنجاب، ہریانہ، ہماچل پردیش، دلی، ویسٹ بنگال، کرناٹک، آندھرا پردیش یہ جو علاقے ہیں ہماری کمیٹی نے اس پورے علاقوں کا دورہ کیا ہے، وہاں پر تبادلہ خیال کیا ہے، پنجاب، ہریانہ میں وہاں پر جو اوقاف ہیں ان کے جو حالات ہیں اور پراپرٹی کا جو غلط استعمال ہو رہا ہے اس کی تفصیل میں نہیں جا سکتے، اور ہماری کمیٹی کا اندازہ ہے کہ اس وقت ہندستان میں پانچ لاکھ اوقافی ادارے ہیں، اگر اس کے ویلیو اور قیمت کو دیکھتے ہیں تو گورنمنٹ کے اندازے کے مطابق پچاس ہزار کروڑ سے زیادہ بنتے ہیں، اور اتنی پراپرٹی ہمارے پاس ہے اب اسے کس طرح استعمال کرنا ہے اس کے لئے ہماری اور آپ کی پوری امت کی ذمہ داری ہے کہ ہم اس

کی حفاظت کریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں مگر پارلیمنٹ کو قانون بنانا ہے، ہم کو قانون میں تبدیلیاں لانا ہے، اگر رہنمائی کمیٹی کو نہیں ملے گی کہ ہم کس طرح کی تبدیلی چاہتے ہیں تو کل ہم کسی کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے کہ یہ قانون صحیح نہیں ہے، تو میری آپ تمام علماء کرام سے گذارش ہے کہ اب جو ہمارا قانون ہے اس پر آپ غور کریں، ۱۹۹۵ء کا جو قانون ہے اس پر، اب اس قانون میں کن کن تبدیلیوں کی ضرورت ہے جو تبدیلی شرعی نقطہ نظر سے ضروری ہے اس سے متعلق اگر آپ بل بھی بنا کر دے سکتے ہیں تو یہ کمیٹی پارلیمنٹ کے سامنے اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہے، آج میں آپ سے یہی گذارش کروں گا کہ اس کمیٹی سے فائدہ اٹھائیے کیونکہ سب سے اہم یہ ہے کہ اس کمیٹی میں ہر پارٹی کے لوگ ہیں اور میں چھ سات مہینے سے اس کمیٹی میں کام کر رہا ہوں کسی کا کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اچھا قانون بنایا جائے، نہ بی جے پی کا ہے، نہ شیوسینا کا ہے، نہ کسی پولیٹکل پارٹی کا ہے، ہر پولیٹکل پارٹی چاہتی ہے کہ وقف کا قانون مضبوط بنے اور صحیح ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں ہم اس قانون میں کس طرح مضبوطی لا سکتے ہیں اس لئے ہم اس کو صحیح رہنمائی کیسے دے سکتے ہیں کیونکہ ۱۹۷۵ء میں جو کمیٹی بنی تھی ہمارے ہی اختلافات سے ۲۰ ر سال لگے، ۱۹۹۵ء کا قانون اب سامنے آیا ہے، جس میں بہت سی اچھی تبدیلیاں ہوئی ہیں، ٹریبونل آیا ہے، اوقاف کے جو جھگڑے دس دس پندرہ پندرہ سال سے کورٹوں میں چل رہے تھے اب صرف اوقاف کیلئے ٹریبونل بن گیا ہے، اور لمیٹیشن ایکٹ تو پہلے ۱۲ ر سال کا تھا اب ۳۰ ر سال ہوا، اگر اوقاف کی پراپرٹی ہے اور سو سال سے بھی ناجائز قبضہ میں ہے تو اب وہ پراپرٹی واپس لی جا سکتی ہے۔ اور دوسرا جو آثار قدیمہ کا سوال ہوا تھا، ہمارے یہاں پر آرکیولوجیکل ڈپارٹمنٹ جو مساجد ڈکلیر کرتی ہے، آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ اس کو وٹنس کے طور پر لایا گیا تھا اور تین گھنٹے ان سے وٹنس لیا گیا، اور یہاں پر یہ سوال آپ کے سامنے ہے کہ آثار قدیمہ کے تحت ہمارے آرکیولوجیکل ڈپارٹمنٹ کے پاس جو مساجد ہیں ان میں پھر نماز کا پڑھنا کیسے شروع ہو اور کس طرح سے ان کو حاصل کیا جائے، یہ کسی کا اعتراض نہیں کہ وہ آثار قدیمہ ہے اس کا تحفظ کیا جائے، اور وہاں میں نے خود آرکیولوجیکل ڈپارٹمنٹ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کو یا کسی کو کیا حق ہے کہ جب ایک واقف نے مسجد وہاں بنایا تو اس کے منشا کے خلاف کسی کو نماز پڑھنے سے روکنا، آپ کو اس کا کوئی حق نہیں ہے، تو اس میں قانوناً کوئی گنجائش نہیں مگر اس طرح کے قانون کو وہ انٹرپریٹ کر رہے ہیں کہ وہاں ہم اجازت نہیں دیں گے مگر ڈائرکٹر جنرل ہمارے سامنے اتنی باتیں کر چکے ہیں کہ قانون میں تو کوئی ایسی گنجائش نہیں ہے، مگر اس کے تحفظ کے لئے ہم کام کر رہے ہیں، اگر ہم صحیح طریقہ سے غور کر کے جذبات سے ہٹ کر قانونی موقف میں ہم لیں تو مجھے امید ہے کہ یہ بھی مسئلہ ہم حل کر سکتے ہیں انشاء اللہ، اس لئے میری گذارش آپ تمام سے یہی ہے کہ اس کے اوپر ہم زیادہ سے زیادہ توجہ دیں، کیونکہ یہ موقعہ اگر ہاتھ سے نکل گیا اور یہ قانون نہیں بنا تو پھر اس مسئلہ میں ہم الجھ کے رہ جائیں گے اور ہمارا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا، بس اتنا کہہ کر میں آپ تمام کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے موقع دیا۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب:

(آواز صاف نہیں ہے)

قاضی صاحب:

جو بات ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب نے فرمائی، میں سمجھتا ہوں کہ سمینار کی طرف سے کہی جانی چاہئے، بہر حال اس سلسلہ میں ایک پختہ نظام بننا چاہئے کہ وقف احکام شرع اسلامی میں سے ایک حکم ہے اور اس کا ایک مستقل شرعی نظام ہے، اور مسلم پرسنل لا اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے کہ ۱۹۳۷ء کے شریعت اپلیکیشن ایکٹ کے تحت کوئی بھی قانون بننے میں اس کی رعایت ضروری ہے کہ حکم شرع کی مخالفت نہ ہو، اس لئے علماء شریعت کا اس میں عمل دخل ضروری ہے، لہذا جدید وقف ایکٹ میں اگر کوئی ہم تبدیلی چاہتے ہیں تو اس میں اس پہلو کو ضرور سامنے رکھا جائے کہ ایسے علماء ہوں جو ماہرین شریعت ہوں اور وہ سرکار کے نامزد کردہ نہ ہوں بلکہ جو آج جمہوریت ہر سسٹم میں آرہی ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے علماء ہوں جن کو خود علماء بیٹھ کر منتخب کرلیں اور دعا کیجئے کہ ہم لوگ اتفاق کے ساتھ کرلیں۔

بہر حال میں ابھی دو اہم بات کہنا چاہتا ہوں، ایک تو یہ کہ جتنے سوالات او قاف سے متعلق ہیں اور ایک بڑا اہم سوال آپ کا آگیا کہ جو موجودہ وقف ایکٹ ہے اس میں آپ کیا تبدیلی چاہتے ہیں جو مطابق شرع اور مقاصد وقف کی حفاظت کے لئے بہتر اور اس کی ترقی کے لئے بہتر ہو، میں سمجھتا ہوں کہ جو کمیٹی میں اس وقت بنانے جارہا ہوں وہ تمام مسائل سے دلچسپی ختم کر کے آج ہی شام سے یہ کمیٹی بیٹھ جائے، اور وہ ان مسائل پر بھی تجویزیں طے کرے اور ساتھ میں ہمارے عبد الرحیم قریشی صاحب ہیں ایک ایک پوائنٹ پر ان کی نظر ہے اور ہم طویل بحث بھی کر چکے ہیں موجودہ وقف ایکٹ پر، چند پوائنٹ ہی ایسے ہیں جن پر گفتگو کی سخت ضرورت ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ان پر اپنی تجاویز اس سمینار کی طرف سے تیار کی جائے جو ہم جوائنٹ وقف کمیٹی کو بھیجیں، وزیر اوقاف کو بھیجیں اور کیا پتہ کہ آج بمبئی کی سرزمین پر جو ہم چند لوگ بیٹھ کر فیصلہ کر رہے ہیں نظام وقف میں ایک بڑے انقلاب کی بنیاد بن جائے، ایسا تاریخ میں ہوا ہے اور ایسا ہو سکتا ہے، انشاء اللہ۔

ایسا ہے شمس پیرزادہ صاحب کہ جو نیا وقف ایکٹ بنا ہے وہ پورے ہندوستان کی تمام ریاستوں کے لئے مشترک ہے اور اس کو بہر قیمت ملک کی تمام ریاستوں میں نافذ ہونا ہے، یہ قانون موحد ہوگا وقف کا جو ہندوستان کی تمام ریاستوں میں نافذ ہوگا، اب اس میں ذرا بعض ریاستیں آگے پیچھے کر رہی ہیں لیکن وقف ایکٹ کا جو قانونی نفاذ ہے دو چار مہینہ آگے پیچھے کر کے مجبور ہیں ساری ریاستیں کہ اسی ایک وقف ایکٹ کو پورے ہندوستان میں نافذ کریں اور یہ انشاء اللہ ہو جائے گا۔

مفتی عزیز الرحمن صاحب:

متولیوں کو یہ جو اختیار بیچنے کا خریدنے کا ہے اس سلسلہ میں یہ بات پہلے ذہن میں سب کے بٹھادی جائے کہ متولی وقف کا مالک نہیں ہوتا مالک خالص اللہ تعالی ہے اور وہ اللہ کا نائب بن کر سب کچھ کرتا ہے، جو خرید و فروخت اور جو تصرفات وہ کرتے ہیں سب اسی حیثیت سے کرتے ہیں۔

قاضی صاحب:

بہر حال جو کمیٹی اس موضوع پر بنائی گئی ہے وہ وقف سے متعلق جملہ سوالات اور موجودہ ۱۹۹۵ء وقف ایکٹ کو سامنے رکھ کر اپنی سفارشات تیار کرے گی، چونکہ یہ کام ذرا زیادہ اہم ہے اس لئے میری درخواست ہے کہ پرسوں کا انتظار کئے بغیر آج عصر کی نماز کے بعد آپ حضرات بیٹھ جائیں اس میں ہمارے دکتور وہبہ زحیلی صاحب، مولانا عبد اللہ جولم صاحب، ڈاکٹر خالد مذکور صاحب، مولانا بدر الحسن قاسمی صاحب، شمس پیرزادہ صاحب، مولانا عتیق احمد صاحب، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب، مولانا ظفر عالم ندوی صاحب، مفتی اشرف علی صاحب، جناب عبد الرحیم قریشی صاحب اور جناب رحمٰن خان صاحب، گیارہ افراد پر مشتمل ہوگی یہ کمیٹی جو آج عصر بعد کام شروع کردے، مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب اس کے کنوینر ہوں گے، یہ بہت بڑا اہم کام ہے، اس سمینار کے ذریعہ میں سمجھتا ہوں کہ بہت بڑا تعمیری کام انجام دیا جاسکتا ہے، اللہ تعالی ہم کو اور آپ کو حق اور خیر کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

☆☆☆☆

فیصلے

بابت مسائل اوقاف

فیصلے بابت: مسائل اوقاف

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا دسواں فقہی سمینار ہندوستان کے شہر عروس البلاد ممبئی میں بمقام حج ہاؤس منعقد ہوا، اس سمینار میں چند دوسرے موضوعات کے ساتھ اوقاف کے چند اہم مسائل پر بھی غور وخوض اور مذاکرہ کیا گیا، اس موضوع پر فقہ اکیڈمی کے سوالنامہ کے جواب میں جو مقالات اور تحریریں آئیں اور شرکاء سمینار کی جو آراء سامنے آئیں ان سب کو پیش نظر رکھ کر دسویں فقہی سمینار کے شرکاء نے درج ذیل فیصلے کئے:

۱۔ اسلام میں نیکی کے کاموں اور خیراتی مقاصد کے لئے زمین، جائداد اور مال وقف کرنا بہت بڑا کار ثواب اور صدقۂ جاریہ ہے، اس لئے مسلمان جس ملک اور جس علاقہ میں بھی آباد ہیں، نیک کاموں کے لئے زمین، جائداد اور مال وقف کرتے ہیں، ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ بہت پرانی ہے، سیکڑوں سال سے ہندوستان کے ہر علاقہ میں آباد ہیں، اس لئے ہندوستان کے ہر صوبہ اور علاقہ میں مختلف دینی اور رفاہی وخیراتی مقاصد کے لئے مسلم اوقاف موجود ہیں، ان اوقاف کی حفاظت، انہیں ترقی دینا اور ان کی آمدنی وقف کرنے والوں کے مقاصد کے مطابق خرچ کرنا نیز اوقاف کی املاک سے غاصبانہ قبضہ ختم کرنا ہندوستانی مسلمانوں اور حکومت ہند کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

۲۔ اوقاف کے بارے میں اسلام کا اصل نقطۂ نظریہ ہے کہ اوقاف دائمی ہوتے ہیں، اس لئے عام حالات میں ان کو فروخت کرنا یا منتقل کرنا جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا وقف کے بارے میں ارشاد ہے: "لا تباع ولا توهب ولا تورث" (نہ فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے) لہذا اوقاف کی جائدادوں کو حسب سابق باقی رکھتے ہوئے انہیں نفع آور اور مفید بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے اور اس سلسلہ میں ایسے قانون بننے چاہئیں جس سے اوقاف کی جائداد کا پورا تحفظ ہو اور وقف کرنے والوں کے مقاصد کی رعایت کے ساتھ اوقاف کی افادیت اور نافعیت میں اضافہ ہو۔

۳۔ دوسرے اوقاف کے مقابلہ میں مساجد کو زیادہ تقدس واحترام حاصل ہے، مساجد کی فروخت اور منتقلی کسی حال میں درست نہیں، حتی کہ اگر مسجد ویران ہو جائے اور وہاں نماز ادا کرنے کا سلسلہ موقوف ہو جائے تو بھی وہ زمین جہاں مسجد کی عمارت تھی مسجد ہی رہتی ہے، اور اسے مسجد کا تقدس اور احترام حاصل ہوتا ہے وہاں مسجد بنانے اور اسے آباد کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ان المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحداً" (سورۂ جن/۱۸)

"إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر" (سورۂ توبہ/۱۸)

۴۔ مساجد میں نماز کی ادائیگی سے روکنا بدترین ظلم اور گناہ ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها" (سورۂ بقرہ/۱۱۴)

کسی مسجد میں مسلمانوں کو خواہ کتنے طویل زمانہ سے نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو یا اس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا گیا ہو یا عمارت منہدم کر دی گئی ہو، اسلامی شریعت کی نظر میں وہ مسجد ہی رہتی ہے۔

۵۔ آثار قدیمہ کے تحت جو مساجد ہیں ان میں نماز کی ادائیگی کو روکنا شرعاً ظلم ہے، ارشاد باری ہے:

"ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها" (سورۂ بقرہ/۱۱۴)

۶۔ تقسیم ہند کے موقع پر ہندوستان کے بعض علاقوں (خصوصاً پنجاب، ہریانہ، دہلی اور مغربی یوپی کے بعض علاقے) سے بڑے پیمانے پر مسلمان پاکستان منتقل ہو گئے، ان علاقوں میں مسلمانوں کے مختلف النوع بڑے بڑے اوقاف (مساجد، مدارس، خانقاہیں، قبرستان، سرائے وغیرہ) ہیں، ان علاقوں میں اگر کچھ بھی مسلمان آباد ہیں تو ان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ان اوقاف کے تحفظ اور انہیں نفع آور بنانے کی جدوجہد کریں، جو آبادیاں مسلمانوں سے کلیۃً خالی ہو چکی ہیں، وہاں کے اوقاف کا تحفظ وہاں کے وقف بورڈ کی ذمہ داری ہے، اور قریبی مسلم آبادی کو ان کے تحفظ کی جدوجہد کرنی چاہئے۔

۷۔ مساجد کے علاوہ دوسرے وہ اوقاف جو ان مقامات میں واقع ہیں جہاں پر دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا اور ان اوقاف پر قبضہ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہے، ایسے اوقاف کو فروخت کر کے دوسرے مقامات پر اسی نوع کے اوقاف قائم کرنا درج ذیل شرطوں کے ساتھ درست ہے:

الف: اس بات کی تحقیق کر لی گئی ہو کہ مسلمانوں کی آبادی ان مقامات سے کلیۃً ختم ہو چکی ہے، اور مستقبل قریب میں وہاں مسلمانوں کے آباد ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے۔

ب: وقف جائداد کی فروختگی مناسب قیمت پر مارکیٹ ویلو کا لحاظ کرتے ہوئے کی جائے، اتنی کم قیمت پر اسے فروخت نہ کی جائے جتنی کم قیمت قیمتوں کے ماہرین نہیں لگا سکتے۔

ج: وقف کو فروخت کرنے والا متولی یا وقف افسر اس کی فروختگی اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ کرے جس سے اس کا مفاد وابستہ ہو، اسی طرح کسی ایسے شخص کے ساتھ فروختگی نہ کرے جس کا قرض یا مالی دَین فروخت کرنے والے کے ذمہ لازم ہے۔

د: وقف جائداد کی فروختگی روپیہ پیسہ کے بجائے جائداد سے کی جائے اور اگر کسی قانونی یا عملی دشواری کی وجہ سے نقد روپیوں سے فروختگی کی جائے تو جلد سے جلد اس کے ذریعہ جائداد خرید کر متبادل وقف قائم کر دیا جائے۔

ہ: وقف کے تبادلہ اور فروختگی کی اجازت شرائط استبدال کی تحقیق کر کے شرعی قاضی یا اوقاف کی ایسی شرعی کمیٹی دے جس میں مسائل اوقاف سے واقف متقی و خدا ترس علماء، مسلمان متدین ماہرین قانون ضرور شامل ہوں، موقوفہ جائداد کی فروختگی اور تبادلہ کے لئے وقف بورڈ یا وقف آفیسر کی اجازت شرعاً کافی نہیں ہے، اس سلسلہ میں وقف ٹریبونل (Tribunal) کی اجازت شرعاً اس وقت معتبر ہوگی جب اس نے کم سے کم تین مستند مفتیان کرام کی رائے لینے اور مشورہ طلب کرنے کے بعد ان کے مشورہ کے مطابق فیصلہ کیا ہو۔

نوٹ: یہ وضاحت ضروری ہے کہ موقوفہ دوکان، زمین، جائداد کو فروخت کر کے جو دوکان، مکان، زمین، جائداد خریدی جائے گی وہ بھی انہیں مقاصد کے لئے وقف ہوگی، جن کے لئے پہلا وقف پراپرٹی وقف تھی۔

۸۔ الف: ویران غیر آباد اوقاف کی آمدنی مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے وقف نامہ میں مذکور مدات پر کی جائے اور اگر یہ مدات موجود نہ ہوں تو اس سے قریب ترین مدات پر صرف کیا جائے، منشاء واقف کا لحاظ کئے بغیر دیگر مصارف پر صرف کرنا درست نہ ہوگا۔

ب: اگر ویران غیر آباد اوقاف فروخت کرنے پڑیں تو ان کا متبادل وقف قائم کرنا ضروری ہوگا۔

۹۔ مسجد پر وقف زائد اراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے، ان اراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درج ذیل صورتوں میں درست ہوگا:

الف: مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

ب: مسجد پر موقوف زائد اراضی پر قبضۂ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت

میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

ج: جس آبادی یا محلہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لئے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب نہیں، دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے لئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو تو مسجد پر وقف زائد اراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے لئے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے، بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔

۱۰۔ مساجد پر وقف اراضی جن کا مقصد مساجد کے لئے آمدنی فراہم کرنا ہے، ان کو مناسب کرایہ پر مسلمانوں کی دینی، عصری یا ٹیکنیکل تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے لئے دیا جاسکتا ہے، لیکن معاملات اس طرح طے کئے جائیں کہ مساجد کی مالکانہ حیثیت مجروح نہ ہو۔

۱۱۔ جن مساجد کے پاس ان کے مصارف سے کہیں زیادہ آمدنی ہے اور یہ آمدنی سال بہ سال جمع ہو کر بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے، مستقبل قریب میں بھی مساجد کو اس زائد سرمایہ کی ضرورت پیش آنے کی امید نہیں ہے، تو مساجد کی ایسی زائد آمدنی کو دوسرے مقامات پر (جہاں ضرورت ہو) مساجد تعمیر کرنے یا محتاج مساجد کی امداد میں صرف کیا جائے، کیونکہ ہندوستان میں اب بھی ایسی بہت سی آبادیاں ہیں جہاں کوئی مسجد اور دینی مکتب نہیں ہے، مسلمان اذان کی آواز کو ترستے ہیں، مالدار مساجد کی فاضل آمدنی سے ایسی آبادیوں میں مساجد قائم کی جائیں۔

۱۲۔ مساجد کے مصارف کے لئے موقوفہ اراضی اور جائدادوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک اہم مصرف مساجد کے ائمہ، مؤذنین اور دوسرے خدام بھی ہیں، شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ بسا اوقات مساجد کی آمدنی میں گنجائش ہونے کے باوجود ائمہ و مؤذنین وغیرہ کی تنخواہیں بہت کم رکھی جاتی ہیں جو ان کی ضروریات کے لئے بالکل ناکافی ہوتی ہیں، اس لئے سمینار سفارش کرتا ہے کہ متولیان اور مساجد کے ذمہ داران ائمہ و مؤذنین و خدام مساجد کو بہتر سے بہتر اکرامیہ پیش کریں، اور ان کی تنخواہوں کے مسئلہ کو مساجد کے ضروری مصارف میں شمار کریں۔

۱۳۔ دیگر اوقاف کی زائد آمدنی جن کی اوقاف کو نہ فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے اور اس کی حفاظت متولیان کے لئے بہت مشکل ہے، حکومت یا بد دیانت افراد کی طرف سے دست اندازی یا قبضۂ غاصبانہ کا خطرہ ہے، اوقاف کی ایسی زائد آمدنی کو اسی نوع کی مدات میں صرف کیا جائے مثلاً مدارس کی زائد آمدنی کو مدارس میں، مسافر خانوں کی زائد آمدنی کو مسافر خانوں میں صرف کیا جائے۔

۱۴۔ اگر کسی وقف کی آمدنی معقول ہو تو محض زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے اس کی فروختگی درست نہیں کہ اصل وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، البتہ اگر موقوفہ جائداد کی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ وقف پراپرٹی کے ضروری اخراجات اس سے پورے نہ ہوتے ہوں بلکہ اس کے لئے قرض لینا پڑتا ہو اور اس موقوفہ جائداد کی آمدنی بڑھانے کی کوئی شکل نہ ہو، ایسی صورت میں تجویز (۷) میں ذکر کردہ شرائط (ب، ج، د، ھ) کی پابندی کے ساتھ موقوفہ جائداد کو فروخت کر کے زیادہ منفعت بخش جائداد خریدنا درست ہوگا، اگر واقف زندہ ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔

۱۵۔ جن اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہے، اور نہ ہی مستقبل قریب میں حاصل ہونے کی امید ہے، ایسے اوقاف کے متولیان کسی بلڈر سے ایسا معاملہ کر سکتے ہیں کہ بلڈر اس شرط کے ساتھ عمارت تعمیر کرے کہ ایک خاص مدت تک وہ پوری عمارت یا اس کا ایک حصہ اس کے پاس بطور کرایہ رہے گا، اور اس طرح اسے سرمایہ کاری کا فائدہ حاصل ہو جائے گا، اس طرح معاملہ کرنا درست نہیں کہ چند منزلہ عمارت کی ایک منزل یا دو منزل کی ملکیت بلڈر کی طرف ہو جائے۔

۱۶۔ قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے اردگرد چہار دیواری تعمیر کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے، لیکن دوکانوں کا راستہ قبرستان کے باہر سے ہونا چاہئے، اس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر دوکانوں کی تعمیر کرائی جائے، دوکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی قبرستان کی حفاظت وضروریات میں صرف کی جائے، لیکن اس کا لحاظ رکھا جائے کہ دوکانیں تعمیر کرنے میں ایسی قبریں متاثر نہ ہوں جن کے نشانات باقی ہیں۔

۱۷۔ حکومت ہند نے مسلم اوقاف کے لئے جو پارلیمانی کمیٹی بنائی ہے اس کے سامنے وقف ایکٹ میں ضروری ترمیمات کا مسودہ پیش کرنے اور مفید تجاویز کے لئے یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی کے سکریٹری جنرل قاضی مجاہد الاسلام قاسمی سے سفارش کرتا ہے کہ اس کام کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دیں، جو جلد از جلد ضروری ترمیمات اور تجاویز مرتب کر کے پارلیمانی کمیٹی کے سامنے پیش کرے، اور اس مسئلہ میں فقہ اکیڈمی کی نمائندگی کرے۔

☆☆☆

Auqaf

Edited By

Qazi Mujahidul Islam Qasmi

Islamic Fiqh Academy(India)